شرح سنن ابن ماجہ

تصنیف

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی

جلد چہارم

ترجمہ

ابو السلام محمد محی الدین جہانگیر

ادام اللہ تعالیٰ سعادتہ وبارک ایامہ ولیالیہ

شارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

شبیر برادرز

صحاح ستہ میں سے مشہور متن سنن ابن ماجہ کا اردو ترجمہ و مستند شرح

شرح سنن ابن ماجہ

جلد چہارم

تصنیف

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی

ترجمہ

ابو العلاء محمد محی الدین جہانگیر

ادام اللہ تعالیٰ معالیہ وبارک ایامہ ولیالیہ

شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

شبیر برادرز ®

زبیدہ سنٹر 40 اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نام کتاب ــــــــ شرح سنن ابن ماجہ
مترجم ــــــــ ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر
شرح ــــــــ علامہ محمد لیاقت علی رضوی
کمپوزنگ ــــــــ ورڈز میکر
باہتمام ــــــــ ملک شبیر حسین
سن اشاعت ــــــــ مئی 2015ء
سرورق ــــــــ اے ایف ایس ایڈورٹائزر
0322-7202212
طباعت ــــــــ اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ہدیہ ــــــــ

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

شبیر برادرز
اردو بازار لاہور

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تا کہ وہ درست کردی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

بَاب إِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ فَلَا شُفْعَةَ

بَاب طَلَبِ الشُّفْعَةِ

أَبْوَابُ اللُّقَطَةِ

بَاب ضَالَّةِ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ

كِتَابُ الْفَرَائِضِ

بَاب الْحَثِّ عَلَى تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ

بَاب فَرَائِضِ الصُّلْبِ

بَاب فَرَائِضِ الْجَدِّ

بَاب مِيرَاثِ الْجَدَّةِ

بَاب الْكَلَالَةِ

بَاب مِيرَاثِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ

بَاب مِيرَاثِ الْوَلَاءِ

بَاب مِيرَاثِ الْقَاتِلِ

مقدمہ رضویہ

معلل حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے "معلل"، اعلّ کا اسم مفعول ہے۔ حدیث کے ماہرین کی نزدیک لفظ معلل کا استعمال غیر مشہور معنی میں ہے اور وہ ہے کمزور اور مسترد کیا ہوا۔ اصطلاحی مفہوم میں یہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی پوشیدہ خامی کی وجہ سے اس کا صحیح ہونا مشکوک ہوگیا ہو اگرچہ بظاہر وہ حدیث صحیح لگ رہی ہو۔ اگر کسی حدیث کے راوی پر "وہمی" ہونے کا الزام ہو تو اس کی حدیث معلل ہو جاتی ہے۔

علت کی تعریف

علت کسی پوشیدہ خامی کو کہتے ہیں جس کے نتیجے میں حدیث کے صحیح ہونے پر اعتراض کیا جاسکے۔ حدیث کے ماہرین کے نزدیک "علت" کی دو لازمی خصوصیات ہیں: ایک تو اس کا پوشیدہ ہونا اور دوسرے اس کے نتیجے میں حدیث کی صحت کا مشکوک ہو جانا۔

اگر ان دونوں میں سے ایک بھی شرط نہ پائی جائے تو حدیث کے ماہرین کی اصطلاح میں اسے علت نہ کہا جائے گا۔ مثلاً اگر حدیث میں کوئی خامی ہے لیکن وہ ظاہر ہے، پوشیدہ نہیں ہے یا خامی تو پوشیدہ ہے لیکن اس سے حدیث کی صحت مشکوک نہیں ہوتی تو اس صورت میں اس خامی کو علت نہیں کہا جائے گا۔

لفظ "علت" کا غیر اصطلاحی معنی میں استعمال

ہم نے اوپر علت کی جو تعریف بیان کی ہے، وہ محدثین کے نزدیک علت کی اصطلاحی تعریف ہے۔ غیر اصطلاحی مفہوم میں بھی لفظ "علت" کو حدیث سے متعلق کسی بھی قسم کے الزام کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

راوی کے جھوٹ بولنے، لاپرواہ ہونے، اس کے حافظے کے کمزور ہونے، وغیرہ کو بھی علت کہا جاتا ہے۔ امام ترمذی نے اسے اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔

ایسی خامی کو بھی علت کہا جاتا ہے جس سے حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا جیسا کہ کسی ثقہ راوی کا مرسل حدیث روایت کرنا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح تو ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ معلل بھی ہے۔

علل حدیث" کے فن کی اہمیت اور اس کے ماہرین

علل حدیث کو جاننے کا علم، علوم حدیث میں مشکل ترین ہے اور اس کا درجہ دیگر علوم سے بلند ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس م

کے ذریعے احادیث میں پوشیدہ خامیوں کو تلاش کیا جاتا ہے جو کہ سوائے علوم حدیث کے اسپیشلسٹ ماہرین کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس علم کے ماہرین کے لئے اعلی درجے کا حافظہ، معلومات اور دقت نظر درکار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس میدان میں سوائے چند قلیل ماہرین جیسے ابن مدینی، احمد، بخاری، ابو حاتم اور دار قطنی کے علاوہ کسی نے قدم نہیں رکھا۔

کس قسم کی اسناد میں علل تلاش کی جاتی ہیں؟

علت انہی اسناد میں تلاش کی جاتی ہیں جن میں بظاہر صحیح ہونے کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث میں تو علتیں تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہی نہیں کیونکہ اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

علت کو معلوم کرنے کے لئے کس چیز سے مدد لی جاتی ہے؟

علت کو پہچاننے کے لئے یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی حدیث کو بیان کرنے میں راوی بالکل اکیلا ہی تو نہیں، اس کی روایت دیگر راویوں کی روایت سے مختلف تو نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ دیگر شواہد بھی تلاش کیے جاتے ہیں۔

اس فن کا ماہر تفصیلی چھان بین کے بعد اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ راوی کو اس حدیث کے بارے میں وہم لاحق ہوا تھا یا نہیں۔ اس نے کہیں ایک متصل سند والی حدیث کو مرسل (جس کی سند میں سے صحابی کا نام غائب ہو) تو نہیں بنا دیا؟ کہیں اس نے موقوف حدیث (صحابی تک پہنچنے والی حدیث) کو مرفوع (رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک پہنچنے والی) تو نہیں کر دیا؟ کہیں اس نے حدیث میں کوئی اور حدیث تو نہیں ملا دی یا اپنے وہمی پن کی وجہ سے کچھ اور تو اس حدیث میں داخل نہیں کر دیا؟ ان تمام تفصیلات کی بنیاد پر حدیث کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

معلل حدیث کو جاننے کا طریق کار کیا ہے؟

معلل حدیث کو جاننے کا طریق کار یہ ہے کہ کسی حدیث کے تمام طرق (اسناد) کو جمع کیا جائے۔ اس کی مختلف روایتوں اور راویوں کے باہمی اختلاف پر غور کیا جائے۔ مختلف راویوں کی مہارت اور احادیث کو محفوظ رکھنے (ضبط) کا موازنہ کیا جائے اور اس کے بعد حدیث کی علت سے متعلق حکم لگایا جائے۔

علت کہاں موجود ہوتی ہے؟

علت زیادہ تر حدیث کی اسناد میں ہوا کرتی ہے جیسا کہ حدیث کے مرسل یا موقوف ہونے کی علت۔ کبھی کبھار علت حدیث کے متن میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں نماز میں بسم اللہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

کیا سند کی علتوں سے متن بھی متاثر ہوتا ہے؟

بعض اوقات سند میں علت ہونے کی وجہ سے متن بھی متاثر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر حدیث مرسل ہو تو اس علت کے باعث متن بھی متاثر ہوتا ہے۔ بعض اوقات علت سے صرف سند ہی متاثر ہوتی ہے اور حدیث کا متن صحیح رہتا ہے۔ اس کی مثال یہ حدیث ہے۔

[illegible] سے مطلوب [illegible] ہیں۔ [illegible]
[illegible] اوقات میں [illegible]
[illegible] حدیث [illegible] سے [illegible] یہ غلطی موجود ہے کہ اس میں تعلیل سے [illegible]
[illegible] ہیں۔ چونکہ [illegible] اس وجہ سے راوی کا مقصود [illegible] حدیث سے
[illegible] پڑتا۔

علل حدیث سے متعلق مشہور تصانیف

- ابن المدینی کی کتاب العلل
- ابن ابی حاتم کی علل الحدیث
- احمد بن حنبل کی العلل ومعرفۃ الرجال
- ترمذی کی العلل الصغیر اور العلل الکبیر
- دارقطنی کی العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویۃ۔ یہ کتاب سب سے جامع ترین ہے۔

نامعلوم راوی کی بیان کردہ حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے "جہالت" "علم" کا متضاد ہے اور اس کا معنی ہے کسی چیز کا نامعلوم ہونا۔ اصطلاحی مفہوم میں "الجہالۃ الراوی" کا مطلب ہے کہ ہمیں کسی حدیث کے راوی کی شخصیت یا اس کے حالات کا تفصیلی علم نہ ہو۔

عدم واقفیت کے اسباب

راوی سے عدم واقفیت کی تین بڑی وجوہات ہیں۔

راوی کے کثیر نام: بعض اوقات کوئی راوی اپنے نام یا کنیت یا لقب یا صفت یا پیشے یا نسب میں سے کسی ایک سے مشہور ہوتا ہے۔ بعض اوقات کسی وجہ سے اس کا مشہور نام لینے کی بجائے دوسرا نام لے دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ دو اشخاص ہیں۔ اس طرح سے غیر مشہور نام کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہوتا ہے کہ یہ کون شخص ہے۔

قلت روایت: کسی شخص سے کثیر تعداد میں لوگ حدیث روایت نہیں کرتے۔ صرف ایک آدھ ہی ایسا شخص ہوتا ہے جو اس سے حدیث کو روایت کر رہا ہو۔

واضح طور پر نام کی نشاندہی نہ ہونا: بعض اوقات اختصار یا کسی اور وجہ سے ایک راوی کا نام نہیں لیا جاتا۔ ایسی احادیث کو "مبہم" کہا جاتا ہے۔

مثالیں

کثیر ناموں کی مثال: اس کی مثال محمد بن سائب بن بشر الکلبی ہیں۔ بعض لوگ انہیں دادا سے نسبت دیتے ہوئے محمد بن بشر

کہتے ہیں، بعض لوگ انہیں حماد بن سائب کے نام سے جانتے ہیں، بعض انہیں ان کی کنیت "ابونصر" سے، بعض "ابوسعید" سے، بعض "ابوہشام" سے جانتے ہیں۔ یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ سب بہت سے لوگ ہیں حالانکہ یہ ایک ہی شخص ہیں۔

قلت روایت کی مثال: ابوالعشراء الدارمی ایک تابعی ہیں۔ ان سے سوائے حماد بن سلمۃ کے کسی اور نے حدیث روایت نہیں کی۔

نام کی نشاندہی نہ کرنے کی مثال: جیسے راوی کہے، یہ حدیث مجھ سے 'فلاں' نے بیان کی، یا 'ایک شخص' نے بیان کی، یا 'شیخ' نے بیان کی وغیرہ وغیرہ۔

مجہول کی تعریف

مجہول اس شخص کو کہتے ہیں جس کی شخصیت یا صفات مشہور نہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایسا راوی ہو جس کی شخصیت یا صفات جانی پہچانی نہ ہوں۔ یا اس کا نام تو لوگوں کو معلوم ہو لیکن اس کی صفات جیسے کردار یا حدیث کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت کا لوگوں کو علم نہ ہو۔

مجہول کی اقسام

مجہول افراد کی تین اقسام ہیں۔

مجہول العین: یہ وہ شخص ہے جس کا نام تو بیان کر دیا گیا ہو لیکن اس سے سوائے ایک راوی کے اور کوئی حدیث روایت نہ کرتا ہو۔ اس شخص کی بیان کردہ حدیث کو قبول نہ کیا جائے گا، ہاں اگر اس شخص (کے حالات کی چھان بین کے بعد اس) کو ثقہ قرار دے دیا جائے تب اس حدیث کو قبول کر لیا جائے گا۔ اس شخص کو ثقہ قرار دینے کے دو طریقے ہیں۔ یا تو اس مجہول شخص سے روایت کرنے والے راوی کے علاوہ کوئی اور راوی بھی اس مجہول شخص کو ثقہ قرار دے یا پھر اس مجہول شخص کو "جرح و تعدیل" کے فن کا کوئی ماہر ثقہ قرار دے۔ مجہول العین شخص کی بیان کردہ حدیث کا الگ سے کوئی نام نہیں رکھا گیا۔ اس کی بیان کردہ حدیث "ضعیف" ہی میں شمار ہوتی ہے۔

مجہول الحال: یہ وہ شخص ہے جس سے دو یا دو سے زائد افراد نے حدیث روایت کی ہو لیکن انہوں نے اس کے ثقہ ہونے کو واضح طور پر بیان نہ کیا ہو۔ اہل علم کی اکثریت کے نقطہ نظر کے مطابق ایسے شخص کی حدیث کو بھی مسترد کر دیا جائے گا۔ ایسی حدیث کا بھی کوئی خاص نام نہیں ہے۔ اسے بھی "ضعیف" حدیث ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔

مبہم: یہ وہ شخص ہے جس کا نام سند میں نہ لیا گیا ہو (بلکہ 'ایک شخص' یا 'شیخ' کہہ دیا گیا ہو۔) ایسے شخص کی روایت کو بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ ہاں اگر کسی دوسری سند میں اس کا نام واضح طور پر بیان کیا گیا ہو تب اس روایت کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ ایسے شخص کی روایت کو مسترد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ مبہم شخص اچھے کردار کا ہے یا نہیں؟ اگر یہ کہہ کر روایت کی گئی ہو کہ "مجھ سے ایک ثقہ شخص نے حدیث بیان کی" تب بھی اس روایت کو قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ ایک شخص، ایک ماہر کے نزدیک ثقہ ہو سکتا ہے اور

عین ممکن ہے کہ دوسرے کے نزدیک وہ ثقہ نہ ہو۔ایسی حدیث کا ایک الگ نام "مبہم" رکھا گیا ہے لیکن ہم نے اسے مجہول کے تحت ہی بیان کر دیا ہے۔بیقونی اپنی نظم میں کہتے ہیں، "مبہم وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایسا راوی ہو جس کا نام بیان نہ کیا گیا ہو۔

عدم واقفیت کے اسباب سے متعلق مشہور تصانیف

خطیب بغدادی کی کتاب "موضح اوھام الجمع والتفریق" ایک ہی راوی کے کثیر ناموں سے متعلق ہے۔

قلیل روایت والے راویوں سے متعلق لکھی گئی کتب کو "کتب الوحدان" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وہ کتب ہیں جن میں ان راویوں کے حالات مذکور ہیں جن سے صرف کوئی ایک شخص ہی حدیث روایت کرتا ہے۔اس میں امام مسلم کی "الوحدان" شامل ہے۔

مبہم راویوں سے متعلق کتب کو "المبہمات" کہا جاتا ہے۔اس کی مثال خطیب بغدادی کی کتاب "الاسماء المبہمۃ فی الانباء المحکمۃ" اور ولی الدین العراقی کی کتاب "المستفاد من مبہمات المتن والاسناد" ہے۔

کمزور حفاظت والے راوی کی بیان کردہ حدیث

کمزور حفاظت کا معنی ہے کہ اس نے احادیث کو صحیح طور پر محفوظ نہ رکھا ہو جس کے باعث اس کی احادیث میں غلطی کا امکان، صحت کی نسبت زیادہ پایا جاتا ہو۔

کمزور حفاظت کی اقسام

کمزور حافظے کی دو صورتیں ہیں۔ کسی شخص کا حافظہ اوائل عمر سے لے کر اس کی موت تک کمزور رہا ہو۔حدیث کے بعض ماہرین کے نزدیک اس کی بیان کردہ حدیث شاذ ہو۔

کسی شخص کے حدیث کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت میں عمر کے کسی مخصوص حصے میں کمزوری واقع ہو گئی ہو۔ بڑھاپے، بینائی کے زائل ہونے، یا اس شخص کی لکھی ہوئی کتاب کے جل کر ضائع ہو جانے کی وجہ سے ایسا ہونا ممکن ہے۔ایسے شخص کو "مختلط" کا نام دیا گیا ہے۔

کمزور حفاظت والے راوی کی بیان کردہ احادیث کا حکم

جہاں تک تو پہلی قسم کے شخص کا تعلق ہے، تو ایسے شخص کی تمام روایات کو مسترد کر دیا جائے گا۔رہا دوسری قسم کا یعنی "مختلط" شخص تو اس کی روایت کا حکم اس طرح سے ہے۔

اگر حادثے سے پہلے اس شخص کی بیان کردہ احادیث کو الگ کرنا ممکن ہو تو ان احادیث کو قبول کیا جائے گا۔

حادثے کے بعد بیان کردہ احادیث کو مسترد کر دیا جائے گا۔

وہ احادیث جن کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ اس شخص نے حادثے سے پہلے بیان کی ہیں یا بعد میں، ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے گی جب تک ان کے بارے میں تفصیل معلوم نہ ہو جائے!

ثقہ راویوں کی حدیث سے اختلاف کے باعث مردود حدیث

اگر کسی راوی پر یہ الزام عائد کیا گیا ہو کہ اس کی روایات ثقہ راویوں کی روایات سے مختلف ہوتی ہیں تو اس کے نتیجے میں (مردود) حدیث کی پانچ اقسام پیدا ہوتی ہیں جن کی تفصیلات یہ ہیں:

اگر ثقہ راویوں سے اختلاف کرتے ہوئے اسناد میں تغیر وتبدل کیا جائے یا کسی موقوف (صحابی تک پہنچنے والی) روایت کو مرفوع (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے والی) روایت بنا دیا جائے تو یہ حدیث "مدرج" کہلاتی ہے۔

اگر ثقہ راویوں سے اختلاف کرتے ہوئے اسناد کو آگے پیچھے کر دیا جائے تو یہ حدیث "مقلوب" کہلاتی ہے۔

اگر ثقہ راویوں سے اختلاف کرتے ہوئے اسناد میں کسی راوی کا اضافہ کر دیا جائے تو اس روایت کو "المزید فی متصل الاسانید" کہا جائے گا۔

اگر ثقہ راویوں سے اختلاف کرتے ہوئے راوی کا نام تبدیل کر دیا جائے یا پھر متن میں متضاد باتیں پائی جائیں تو یہ حدیث "مضطرب" کہلاتی ہے۔

اگر ثقہ راویوں سے اختلاف اس طریقے سے کیا جائے کہ اس کے نتیجے میں سند تو صحیح طور پر باقی رہ جائے لیکن اس میں الفاظ تبدیل ہو جائیں تو اس حدیث کو "مصحف" کہا جائے گا۔ (النخبہ وشرح ج۱ ص 49-48)

مدرج حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے "مدرج"، ادراج کا اسم مفعول ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی چیز میں کچھ داخل کر دینا یا اس میں کوئی اور چیز ملا دینا۔ اصطلاحی مفہوم میں "مدرج" اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں تبدیلی کر دی گئی ہو یا متن میں کوئی بات اس طریقے سے داخل کر دی گئی ہو کہ اسے علیحدہ شناخت نہ کیا جا سکے۔

مدرج حدیث کی اقسام

مدرج حدیث کی دو اقسام ہیں: مدرج الاسناد اور مدرج المتن۔

مدرج الاسناد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں تغیر وتبدل کیا گیا ہو۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ایک راوی حدیث کی سند بیان کر رہا تھا۔ سند بیان کرتے ہی اس نے (حدیث کی بجائے) اپنی طرف سے کوئی بات کر دی اور سننے والے نے یہ سمجھا کہ ان اسناد کا متن یہ بات ہے جو ان صاحب نے کر دی ہے۔

اس کی مثال ثابت بن موسیٰ کا قصہ ہے جو کہ ایک عابد وزاہد شخص تھے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ "جس شخص نے رات کی نماز کثرت سے ادا کی، دن میں اس کا چہرہ خوب صورت ہو جائے گا۔" (ابن ماجہ باب قیام اللیل ج1 ص422 رقم الحدیث، (1333)

اصل قصہ یہ ہے کہ ثابت بن موسیٰ، شریک بن عبداللہ القاضی کی محفل میں آئے۔ اس وقت شریک اپنے شاگردوں کو کچھ اس طرح حدیث لکھوا رہے تھے۔ "اعمش نے ابوسفیان سے اور انہوں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہوئے تا کہ دور کے شاگردوں کو آواز پہنچانے والا شخص اتنا حصہ لکھوا دے۔ اسی دوران ان کی نظر ثابت بن موسیٰ پر پڑی جو کہ اچانک وہاں آ گئے تھے اور ان کے منہ سے نکلا، "جس شخص نے رات کی نماز کثرت سے ادا کی، دن میں اس کا چہرہ خوب صورت ہو جائے گا۔" اس بات سے ان کا مقصد ثابت کی عبادت اور پرہیزگاری کی تعریف کرنا تھا۔ ثابت غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ ان کی یہ بات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث ہے اور انہوں نے اسے روایت کر دیا۔

مدرج المتن اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے متن میں کوئی بات اس طرح داخل کر دی گئی ہو کہ اسے علیحدہ شناخت کرنا مشکل ہو جائے۔ اس کی تین صورتیں ممکن ہیں:

حدیث کے شروع میں کوئی بات داخل کر دی جائے۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے تاہم حدیث کے درمیان کی نسبت اس کے واقعات زیادہ ہیں۔

حدیث کے درمیان میں کوئی بات داخل کر دی جائے۔ ایسا ہونے کا امکان سب سے کم ہے۔

حدیث کے آخر میں کوئی بات داخل کر دی جائے۔ اکثر اوقات ایسا ہی ہوتا ہے۔

مدرج حدیث کی مثال

حدیث کے شروع میں ادراج

حدیث کے شروع میں کوئی بات اس وجہ سے داخل کی جا سکتی ہے کہ راوی حدیث سے اخذ شدہ نتیجہ پہلے بیان کرے اور اس کے ساتھ ہی حدیث بیان کر دے۔ سننے والا یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ پوری بات حدیث ہی ہے۔ اس کی مثال خطیب بغدادی نے بیان کی ہے۔

ابی قطن اور شبابہ شعبہ سے، محمد بن زیاد سے اور وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: "وضو اچھی طرح کیا کرو۔ ان دھلی ایڑیوں کو آگ کی سزا دی جائے گی۔

اس حدیث میں "وضو اچھی طرح کیا کرو" سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات ہے جسے حدیث کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے۔

آدم شعبہ سے، وہ محمد بن زیاد سے، اور وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "وضو اچھی طرح کیا کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ان دھلی ایڑیوں کو آگ کی سزا دی جائے گی۔

خطیب یہ مثال بیان کر کہتے ہیں کہ ابو قطن اور شبابہ دونوں حضرات نے شعبہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے اس جملے کو حدیث کا حصہ سمجھ لیا جبکہ کثیر تعداد میں راویوں نے اس حدیث کو بالکل اسی طرح سے روایت کیا جیسا کہ آدم نے شعبہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (تدریب الراوی ج1 ص270)

حدیث کے درمیان میں ادراج

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وحی کے آغاز سے متعلق بیان کرتی ہیں: "نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم غار حراء میں جا کر "تحنث" کیا

کرتے تھے۔ یہ عبادت کو کہتے ہیں۔ آپ متعدد راتیں وہیں گزارا کرتے تھے۔" (البخاری باب بدء الوحی)

اس حدیث میں "یہ عبادت کو کہتے ہیں" ابن شہاب الزہری کی بات ہے جو کہ اس حدیث میں داخل ہوگئی ہے۔ کیونکہ زہری حدیث بیان کرنے کے درمیان ہی میں "تحنث" کی وضاحت کرنے لگے تھے۔

نوٹ: کچھ وقت کے لئے دنیا سے لاتعلق ہوکر کسی الگ تھلگ مقام پر عبادت کرنے کو تحنث کہا جاتا ہے۔ دور قدیم ہی سے عبادت کا یہ انداز دین دار افراد میں عام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی اعلان نبوت سے پہلے غار حرا میں تحنث کیا کرتے تھے۔ دین اسلام میں تحنث کو "اعتکاف" کی شکل دے کر جاری کردیا گیا ہے۔ ابن شہاب زہری پر بعض محدثین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ اکثر اوقات بات کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے الفاظ کو حدیث میں داخل کردیا کرتے تھے۔

حدیث کے آخر میں ادراج

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوع روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: "غلام کے لئے دوہرا اجر ہے۔ اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، حج کرنا اور والدہ کی خدمت کا معاملہ نہ ہوتا تو میں غلامی کی حالت میں موت کو پسند کرتا۔" (البخاری فی العتق)

اس حدیث میں "اس اللہ کی قسم۔۔۔۔" سے آخر تک سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات حدیث کا حصہ بن گئی ہے۔ اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زبان سے ادا ہونا ناممکن ہے کیونکہ آپ غلامی کی خواہش نہ کرسکتے تھے اور نہ ہی آپ کی والدہ موجود تھیں جن کی آپ خدمت کرسکتے۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور سے پہلے ہی غلامی دنیا میں موجود تھی۔ اس دور کا پورا معاشی نظام بالکل اسی طرح غلامی کی بنیاد پر چل رہا تھا جیسا کہ آج کل کا معاشی نظام ملازمت کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ حضور نے غلامی کے خاتمے کے لئے تدریجی طریقہ اختیار کیا۔ اس ضمن میں ایک اہم کام "غلامی" سے متعلق نفسیات کو درست کرنا تھا کیونکہ اس دور میں غلام کو نہایت ہی حقیر مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے یہ فرما کر کہ "غلام کے لئے دوہرا اجر ہے"، غلاموں کی عزت و توقیر میں اضافہ فرمایا۔ غلامی سے متعلق اسلام نے جو اصلاحات کیں، ان کی تفصیل کے لئے میری کتاب "اسلام میں جسمانی و نفسیاتی غلامی کے انسداد کی تاریخ" کا مطالعہ کیجیے۔

غلام کے لئے دوہرا اجر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دنیاوی مالک کی پابندیوں میں رہ کر اس کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتا ہے۔ اس کی محنت ایک آزاد شخص کی نسبت زیادہ ہے جس کے باعث اسے دوہرا اجر ملے گا۔

ادراج کرنے کی وجوہات

ادراج کرنے کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے مشہور ترین یہ ہیں:

کسی شرعی حکم کا بیان

حدیث کے مکمل ہونے سے پہلے ہی اس میں سے کسی شرعی حکم کا استنباط

حدیث میں بیان کردہ کسی نئے لفظ کی وضاحت

اوراج کا علم کیسے ہوتا ہے؟

اوراج کا علم کئی ذرائع سے ہوسکتا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں:

کسی دوسری روایت میں یہ حدیث موجود ہو اور اس میں داخل شدہ متن الگ سے بیان کر دیا گیا ہو۔

اس فن کے اسپیشلسٹ اہل علم تحقیق کر کے واضح کر دیں کہ اس مقام پر الگ سے متن داخل کیا گیا ہے۔

راوی خود اقرار کر لے کہ یہ اس کی اپنی بات ہے جو حدیث میں داخل ہوگئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی زبان مبارک سے اس بات کا صادر ہونا ناممکن ہو۔

اوراج کا حکم

تمام محدثین اور فقہاء کے نزدیک اوراج کرنا حرام ہے۔ اس سے مستثنیٰ صرف کسی نئے لفظ کی وضاحت ہے کہ وہ ممنوع نہیں ہے۔ اسی وجہ سے زہری اور دیگر ائمہ حدیث نے ایسا کیا ہے۔

نوٹ: اوراج میں چونکہ ایک شخص اپنی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتا ہے جس پر جہنم کی وعید ہے، اس وجہ سے اوراج کو ہر صورت میں ممنوع ہونا چاہیے۔ اگر کسی نئے لفظ کی وضاحت بھی درکار ہو تو اسے الگ سے بیان کرنا چاہیے تاکہ کوئی شخص اس وضاحت کو حضور کا ارشاد نہ سمجھ بیٹھے۔

مدرج حدیث کے بارے میں مشہور تصانیف

خطیب بغدادی کی الفصل للوصل المدرج

ابن حجر کی تقریب المنہج بترتیب المدرج، یہ خطیب کی کتاب کی تلخیص اور اس میں کچھ اضافہ جات پر مبنی ہے۔

مقلوب حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے مقلوب، "قلب" کا اسم مفعول ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کا رخ تبدیل کرنا۔ (یعنی مقلوب اس چیز کو کہتے ہیں جس کا رخ تبدیل کیا گیا ہو۔) اصطلاحی مفہوم میں مقلوب ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند یا متن میں سے ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے تبدیل کر دیا گیا ہو۔ دو الفاظ کو آگے پیچھے کر کے یا ایک کی جگہ دوسرا لفظ استعمال کر کے ایسا کیا جا سکتا ہے۔

مقلوب حدیث کی اقسام

مقلوب حدیث کی دو بڑی اقسام ہیں: مقلوب السند اور مقلوب المتن۔

مقلوب السند اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں تبدیلی کر دی گئی ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

کسی راوی اور اس کے باپ کے نام کو الٹ دیا جائے جیسے کہ "کعب بن مرۃ" سے مروی کسی حدیث بیان کرتے ہوئے ان کے نام کو "مرۃ بن کعب" کر دیا جائے۔

کسی راوی کے نام کو بدل کر اس کی جگہ دوسرے راوی کا نام بیان کر دیا جائے۔ ایسا جان بوجھ کر حدیث بیان کرنے میں منفرد بننے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ "سالم" کی کسی مشہور حدیث میں سے ان کا نام ہٹا کر اس کی جگہ "نافع" کا نام بیان کر دیا جائے۔

مقلوب حدیث روایت کرنے والوں میں "حماد بن عمرو النصیبی" ایسا شخص تھا جو اس قسم کی تبدیلیاں کیا کرتا تھا۔ وہ روایت کرتا ہے:

حماد النصیبی نے الاعمش سے، انہوں نے ابو صالح سے اور انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا "جب تم راستے میں ان مشرکین سے ملو تو انہیں سلام میں پہل نہ کرو۔"

نوٹ محدثین کو مسلم معاشرے میں بہت بلند اسٹیٹس حاصل تھا۔ حماد جیسے بعض لوگوں نے اپنی انفرادیت قائم کرنے اور اپنا سٹیٹس بنانے کے لئے دوسروں کی بیان کردہ احادیث کو سند میں تبدیلیاں کر کے اپنے نام سے منسوب کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں بھی محدثین جیسا اسٹیٹس حاصل ہو سکے۔ علمی دنیا میں یہ کام چوری ہی کہلاتا ہے۔

یہ حدیث مقلوب ہے کیونکہ اس میں حماد نے "الاعمش" کا نام داخل کر دیا ہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ اس حدیث کے روایت کرنے والے "سہیل بن ابی صالح" ہیں جو اسے اپنے والد سے اور وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام مسلم نے اس حدیث کی سند اسی طرح بیان کی ہے۔ یہ "قلب حدیث" کی ایسی قسم ہے جس کے راوی پر حدیث چوری کرنے کا الزام لگایا جا سکتا ہے۔

مقلوب المتن اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے متن میں کوئی تبدیلی کی گئی ہو۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

راوی حدیث کے متن میں بعض الفاظ آگے پیچھے کر دے۔ اس کی مثال صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ان سات قسم کے افراد کے بارے میں ہے جنہیں روز قیامت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خصوصی سایہ نصیب ہوگا۔ ان میں ایک شخص وہ ہے "جو اس طرح چھپا کر صدقہ کرتا ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ بائیں ہاتھ سے اس نے کیا خرچ کیا ہے۔" بعض راویوں نے اس حدیث کے الفاظ میں کچھ اس تبدیلی کر دی ہے کہ "اس کے بائیں ہاتھ کو یہ علم نہیں ہوتا کہ اس نے دائیں ہاتھ سے کیا خرچ کیا ہے۔" (البخاری فی الجماعۃ، ومسلم فی الزکاۃ)

راوی ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث کے سند سے ملا دے اور دوسری کے متن کو پہلی کی سند سے۔ یہ عام طور پر امتحان کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال وہ مشہور واقعہ ہے جو اہل بغداد اور امام بخاری کے ساتھ پیش آیا۔ بغداد کے اہل علم نے سو حدیثوں کی سندوں اور متنوں کو خلط ملط کر دیا تا کہ وہ امام بخاری کی یادداشت کا امتحان لے سکیں۔ امام بخاری نے ان تمام احادیث کی سندوں اور متنوں کو صحیح صحیح طریقے سے جوڑ دیا اور اس میں کوئی غلطی نہ کی۔ (تاریخ بغداد ج2 ص20)

قلب کی وجوہات

مختلف راویوں کے احادیث میں قلب (یعنی تبدیلی) کرنے کی مختلف وجوہات ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۰۔ اپنی انفرادیت کا سکہ جمانا تا کہ لوگ اس شخص کی طرف راغب ہوں اور اس سے احادیث روایت کرنا شروع کریں۔

محدث کے حافظے اور حدیث کی حفاظت کے معیار کا امتحان لینا۔

بلا ارادہ غلطی سے حدیث کے الفاظ کا آگے پیچھے ہو جانا۔

قلب کا حکم

اگر اپنی انفرادیت کا سکہ جمانے کے لئے حدیث میں جان بوجھ کر تبدیلی کی جائے تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک ناجائز کام ہے۔ یہ حدیث میں تبدیلی ہے جو کہ سوائے حدیثیں گھڑنے والوں کے اور کوئی نہیں کرتا۔

اگر ایسا کسی محدث کے حفظ اور اہلیت کے امتحان کی غرض سے کیا جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ وہ محفل ختم ہونے سے پہلے صحیح بات بیان کر دی جائے۔

جہاں تک غلطی یا بھول چوک کا تعلق ہے تو اس معاملے میں غلطی کرنے والا معذور ہے۔ لیکن اگر وہ یہ غلطیاں کثرت سے کرتا ہو تو حدیث کو محفوظ کرنے کے بارے میں اس کی اہلیت مشکوک ہو جاتی ہے اور اس راوی کو ضعیف قرار دے دیا جاتا ہے۔

مقلوب حدیث، مردود احادیث ہی کی ایک قسم ہے۔

مقلوب حدیث سے متعلق مشہور تصانیف

خطیب بغدادی کی کتاب "رفع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والالقاب"، جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ مقلوب حدیث کی ایک خاص قسم سے متعلق ہے جس میں حدیث کی سند میں تبدیلی کی گئی ہو۔

المزید فی متصل الاسانید" حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے "مزید"، "زیادۃ" سے اسم مفعول ہے اور اس کا معنی ہے "اضافہ کی گئی چیز"۔ متصل، منقطع کا متضاد ہے اور اس کا معنی ہے ملا ہوا۔ اسانید، سند کی جمع ہے۔ اصطلاحی مفہوم میں یہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی ملی ہوئی سند میں کوئی اضافہ پایا جاتا ہو۔

نوٹ: ایک حدیث دو اسناد سے بیان کی گئی ہو اور ان میں سے ایک سند اس طرح سے ہو کہ A-B-C-D-E اور دوسری سند اس طرح سے ہو کہ A-B-D-E۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں سے کس سند کو درست سمجھا جائے۔ اگر B نے D سے براہ راست احادیث سنی ہوں اور دوسری سند کے راوی زیادہ مضبوط ہوں تو اس صورت میں دوسری سند کو صحیح قرار دیا جاتا ہے اور پہلی سند میں C کو اضافہ سمجھا جاتا ہے جس کی وجہ کسی راوی کو لاحق ہونے والی غلط فہمی ہو سکتی ہے۔

اس خامی کا تمام تر تعلق حدیث کی سند سے ہے۔ اس سے حدیث کے متن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے محدثین نے حدیث کے بارے میں کس قدر احتیاط برتی ہے کہ وہ حدیث کی سند یا متن میں معمولی سی خامی برداشت نہیں کرتے بلکہ اسے بھی بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

المزید فی متصل الاسانید "حدیث کی مثال

ابن مبارک، سفیان سے، وہ عبدالرحمن بن یزید سے، وہ بسر بن عبید اللہ سے، وہ ابوادریس سے، وہ واثلہ سے، اور واثلہ سیدنا ابومرثد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا: "قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرو۔" (رواہ مسلم کتاب الجنائز)

مثال میں "اضافے" کی وضاحت

اس حدیث میں دو مقامات پر اضافہ کیا گیا ہے۔ ایک تو "سفیان" اور دوسرے "ابوادریس" کے ناموں میں۔ ان دونوں مقامات پر اضافے کی وجہ راوی کی غلط فہمی ہے۔ جہاں تک "سفیان" کے نام میں اضافے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ ابن مبارک کے بعد کے کسی راوی کی غلط فہمی ہے کیونکہ متعدد ثقہ راویوں نے ایسی روایات بیان کی ہیں جن میں ابن مبارک نے عبدالرحمن بن یزید سے براہ راست احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے واضح الفاظ میں اسے بیان کیا ہے۔

جہاں تک "ابوادریس" کے نام کے اضافے کا تعلق ہے، تو اس کی وجہ ابن مبارک کو لاحق ہونے والی غلط فہمی ہے کیونکہ بہت سے ثقہ راویوں نے عبدالرحمن بن یزید سے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن میں ابوادریس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بہت سے ثقہ ماہرین نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ بسر بن عبداللہ نے براہ راست اس حدیث کو واثلہ سے روایت کیا ہے (اور ابوادریس کا نام اس میں اضافی ہے۔

اضافے کو مسترد کرنے کی شرائط

اضافے کو مسترد کرنے کی شرائط دو ہیں۔ جو روایت اضافے کے بغیر ہو، اس کے راوی اضافے والی روایت کے راویوں سے زیادہ ماہر ہوں۔

جس مقام پر اضافہ موجود ہو، وہاں ایک راوی کا اپنے شیخ الشیخ سے براہ راست حدیث روایت کرنا ثابت شدہ ہو۔

اگر یہ دونوں یا ان میں سے ایک بھی شرط پوری نہ ہو تو پھر اضافے والی روایت کو ترجیح دی جائے گی اور بغیر اضافے کی روایت کو "منقطع" قرار دے دیا جائے گا۔ یہ انقطاع مخفی نوعیت کا ہوگا۔ اسی وجہ سے ایسی روایت کو "مرسل خفی" کہا جاتا ہے۔

اضافے سے متعلق اعتراضات

سند میں کسی نام کو اضافہ قرار دینے سے متعلق دو اعتراضات پیش کیے جاتے ہیں۔

جس سند میں اضافہ نہ پایا جاتا ہو اور اس میں لفظ "عن" کہہ کر روایت کی گئی ہو تو اس میں یہ امکان موجود ہے کہ سند منقطع ہو۔

اگرچہ ایک شخص کا اپنے شیخ الشیخ سے براہ راست حدیث سننا ثابت بھی ہو، تب بھی یہ ممکن ہے کہ اس شخص نے دوسرے سے حدیث سنی اور دوسرے نے اس شخص کے شیخ الشیخ سے اس حدیث کو سنا ہو۔

جہاں تک تو پہلے اعتراض کا تعلق ہے تو یہ درست ہے۔ رہا دوسرا اعتراض، تو اس میں بیان کی گئی صورتحال ممکن ہے لیکن اہل علم

اس وقت ہی اضافے کا حکم لگاتے ہیں جب کچھ شواہد و قرائن اس کی حمایت کے لئے موجود ہوں۔

المزید فی متصل الاسانید حدیث سے متعلق مشہور تصنیف

خطیب بغدادی کی کتاب "تمییز المزید فی متصل الاسانید۔

مضطرب حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے "مضطرب"، "اضطراب" کا اسم فاعل ہے جس کا معنی ہے کسی معاملے میں اختلال پیدا ہو جانا اور نظام میں فساد پیدا ہو جانا۔ اپنی اصل میں یہ لہروں کے اضطراب سے نکلا ہے کیونکہ لہریں کثرت سے حرکت کرتی ہیں اور بے ترتیبی سے ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہوتی رہتی ہیں۔

اصطلاحی مفہوم میں یہ ایسی حدیث کو کہا جاتا ہے جو متعدد اسناد سے روایت کی گئی ہو۔ تمام اسناد قوت میں ایک دوسرے کے برابر ہوں لیکن ان میں کوئی تضاد پایا جاتا ہو۔

مضطرب" حدیث کی تعریف کی وضاحت

مضطرب وہ حدیث ہوا کرتی ہے جس میں ایسا تضاد پایا جاتا ہو جس کی موافقت کرنا ممکن ہی نہ ہو۔ یہ تمام روایات ایسی اسناد سے مروی ہوں جو قوت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر ہوں جس کے باعث ایک روایت کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جا سکے۔

اضطراب کی تحقیق کرنے کی شرائط

مضطرب حدیث کی تعریف اور اس کی وضاحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی حدیث کو اس وقت تک مضطرب قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ اس میں دو شرائط نہ پائی جاتی ہوں۔

حدیث کی مختلف روایات میں ایسا اختلاف پایا جاتا ہو جس میں موافقت پیدا کرنا ممکن ہی نہ ہو۔

روایات سند کی قوت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر ہوں جس کے باعث ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینا بھی ممکن نہ ہو۔

اگر ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینا ممکن ہو یا ان میں کسی وضاحت کے ذریعے موافقت پیدا کی جا سکتی ہو تو اس حدیث میں سے "اضطراب" ختم ہو جائے گا۔ اگر کسی ایک روایت کو ترجیح دی گئی ہے تو ہم اس پر عمل کریں گے اور اگر ان میں موافقت پیدا کر دی گئی ہے تو تمام احادیث پر عمل کریں گے۔

مضطرب" حدیث کی اقسام

مضطرب حدیث کو اضطراب کی جگہ کے اعتبار سے دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، مضطرب السند اور مضطرب المتن۔ ان میں سے پہلی قسم زیادہ طور پر پائی جاتی ہے۔

مضطرب السند کی مثال یہ حدیث ہے:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا، "یا رسول اللہ! میں آپ کے بال سفید ہوتے دیکھ رہا ہوں۔" آپ نے فرمایا، "ہود اور ان کے بھائیوں (یعنی دیگر انبیاء کی قوموں پر عذاب) کے واقعات نے میرے بال سفید کر دیے ہیں۔" (رواہ الترمذی کتاب التفسیر)

امام دار قطنی بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ اس حدیث کو صرف ابو اسحاق کی سند سے روایت کیا گیا ہے۔ ان کی بیان کردہ اسناد میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ کہیں تو کسی راوی نے اسے مرسل (صحابی کا نام بتائے بغیر) روایت کیا ہے اور کہیں موصول (ملی ہوئی سند کے ساتھ)۔ کسی نے اس کا سلسلہ سند سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہے، کسی نے سعد رضی اللہ عنہ تک اور کسی نے عائشہ رضی اللہ عنہا تک۔ ان تمام روایتوں کے راوی ثقہ ہیں جس کی وجہ سے کسی ایک روایت کو ترجیح دینا ممکن نہیں اور ان میں مطابقت پیدا کرنا بھی ممکن نہیں۔

مضطرب المتن حدیث کی مثال یہ حدیث ہے۔

ترمذی شریک سے، وہ ابو حمزہ سے، وہ شعبی سے اور وہ سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے زکوۃ سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا، "زکوۃ کے علاوہ بھی مال سے متعلق ذمہ داری ہے۔"

ابن ماجہ نے یہی حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے "زکوۃ کے علاوہ مال سے متعلق کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے۔" عراقی کہتے ہیں کہ یہ ایسا اضطراب ہے جس کی کوئی توجیہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

اضطراب کس سے واقع ہو سکتا ہے؟

اضطراب کسی ایک راوی سے بھی واقع ہو سکتا ہے اگر وہ مختلف الفاظ میں ایک ہی حدیث کو روایت کر رہا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اضطراب ایک سے زائد راویوں سے ہو جائے کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے مختلف الفاظ میں اس حدیث کو روایت کر رہا ہو۔

مضطرب" حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ

مضطرب حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اضطراب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ راوی حدیث کو صحیح طور پر محفوظ نہیں کر سکے۔

مضطرب حدیث سے متعلق مشہور تصنیف

حافظ ابن حجر کی کتاب "المقترب فی بیان المضطرب۔

مصحف" حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے "مصحف" تصحیف کا اسم مفعول ہے جس کا مطلب ہے صحیفے یا کتاب کو پڑھنے میں غلطی کرنا۔ اسی سے لفظ "صحفی" نکلا ہے جو اس شخص کو کہتے ہیں جو کتاب کو پڑھنے میں غلطی کر بیٹھے اور اس وجہ سے الفاظ کو تبدیل کر کے کچھ کا کچھ بنا دے۔

اصطلاحی مفہوم میں یہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے ثقہ راویوں سے منقول الفاظ یا معانی میں غلطی سے تبدیلی کر دی گئی ہو۔

مصحف "حدیث کی اہمیت اور دقت

(فنون حدیث میں مصحف حدیث کا) یہ فن نہایت ہی خوبصورت اور مشکل فن ہے۔اس کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ حدیث کو روایت کرنے میں راویوں سے جو غلطیاں سرزد ہو گئی ہوں، ان کا پتہ چلایا جائے۔اس عظیم کام کا بیڑا وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو امام دار قطنی جیسے ماہر اور حافظ حدیث ہوں۔

مصحف "حدیث کی اقسام

اہل علم نے مصحف حدیث کی کئی طریقوں سے تقسیم کی ہے۔

موقع کے اعتبار سے تقسیم

موقع کے اعتبار سے مصحف حدیث کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اسناد میں تصحیف: اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں شعبہ نے العوام بن مراجم سے روایت کی ہے۔اس حدیث کو لکھتے ہوئے غلطی سے ابن معین نے "العوام بن مزاحم" لکھ دیا ہے۔

متن میں تصحیف: اس کی مثال سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "احتجر فی المسجد۔۔۔یعنی نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مسجد میں ان کاموں سے منع فرمایا" ابن لہیعہ نے اس حدیث کو اس طرح سے لکھ لیا ہے، "احتجم فی المسجد۔یعنی نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مسجد میں پچھنے لگوائے۔

تصحیف کی وجہ کے اعتبار سے تقسیم

وجہ کے اعتبار سے بھی تصحیف کی دو اقسام ہیں۔

پڑھنے میں تصحیف. یہ اکثر اوقات ہو جاتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پڑھنے والا تحریر کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پاتا جس کی وجہ خراب رائٹنگ یا نقاط کا موجود نہ ہونا ہوتی ہے۔اس کی مثال یہ حدیث ہے "من صام رمضان واتبعہ ستا من الشوال۔۔۔یعنی جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھے۔۔۔"۔اس حدیث کو ابو بکر الصولی نے غلطی سے اس طرح لکھ دیا ہے، "من صام رمضان واتبعہ شیئا من الشوال۔۔۔یعنی جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال میں کچھ کر کے اس کی پیروی کی۔

سننے میں تصحیف. بعض اوقات حدیث کو صحیح طور پر نہ سننے یا سننے والے کے دور بیٹھنے کے باعث غلطی لاحق ہو جاتی ہے۔بولنے والا کچھ بولتا ہے اور سننے والا اس سے ملتا جلتا کوئی اور لفظ سمجھ بیٹھتا ہے۔اس کی مثال وہ حدیث ہے جو "عاصم الاحول" سے روایت کی گئی ہے لیکن بعض لوگوں نے اس نام کو "واصل الاحدب" لکھ دیا ہے۔

لفظ اور معنی کے اعتبار سے تقسیم

لفظ اور معنی کے اعتبار سے تصحیف بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ لفظ میں تصحیف: اس کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔

معنی میں تصحیف: اس میں حدیث کا لفظ تو اپنی اصل حالت میں برقرار رہتا ہے لیکن اس سے کوئی ایسا معنی مراد لے لیا جاتا ہے جو درحقیقت مراد نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے "عنزۃ" کے لئے دعا فرمائی۔ ابو موسیٰ العنزی یہ حدیث سن کر کہنے لگے، "ہماری قوم کو یہ شرف حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمارے لئے دعا فرمائی۔" وہ یہ سمجھے کہ اس حدیث میں "عنزۃ" سے مراد ان کا قبیلہ بنو عنزہ ہے حالانکہ عنزۃ اس نیزے کو کہتے ہیں جو کہ نماز پڑھنے والا اپنے سامنے گاڑ لیتا ہے (تاکہ نمازی اس کے آگے سے گزر سکیں۔ ایسا کرنے والے کے لئے آپ نے دعا فرمائی۔

حافظ ابن حجر کی "مصحف" حدیث کی تقسیم

حافظ ابن حجر نے ایک اور طریقے سے مصحف حدیث کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

مصحف: یہ وہ حدیث ہے جس میں تحریر تو باقی رہے لیکن غلطی سے نقاط میں تبدیلی واقع ہو جائے (جیسے 'ف' کو 'ق' یا 'ح' کو 'خ' سمجھ لیا جائے۔

محرف: یہ وہ حدیث ہے جس میں تحریر تو باقی رہے لیکن غلطی سے حرف میں تبدیلی واقع ہو جائے (جیسے 'ف' کو 'غ' یا 'ج' کو 'د' میں تبدیل کر دیا جائے۔

کیا تصحیف کی وجہ سے راوی پر الزام عائد کیا جاتا ہے؟

اگر کسی راوی سے شاذ و نادر تصحیف ہو جائے تو اس سے اس کی حدیث کی محفوظ کرنے کی صلاحیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ کوئی شخص بھی تھوڑی بہت غلطی کرنے سے پاک نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ کثرت سے تصحیف (غلطی) کرتا ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وہ کمزور شخص ہے اور ثقہ راوی کے درجے کا نہیں ہے۔

کثرت سے تصحیف کرنے کی وجہ

تصحیف اس راوی سے اکثر اوقات ہو جایا کرتی ہے جو حدیث کو کسی شیخ سے سنے بغیر کتاب سے نقل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ حدیث نے کہا ہے کہ اس شخص سے حدیث کو قبول نہیں کرنا چاہیے جو سنے بغیر صرف کتاب پڑھ کر حدیث روایت کرتا ہے۔

نوٹ: حدیث کی روایت اور تدوین زیادہ تر پہلی تین صدیوں (630-900AD) میں کی گئی۔ اس دور میں رسم الخط اس حد تک ترقی یافتہ نہ ہو سکا تھا کہ محض کتاب میں دیکھ کر کسی لفظ کو صحیح صحیح پڑھا جا سکے۔ الفاظ پر نقاط نہ لگانے کے باعث 'ف' اور 'ق'، 'ط' اور 'ظ'، 'تا' اور 'یا' وغیرہ میں فرق سمجھنا مشکل تھا۔ اسی طرح تشدید اور دیگر اعراب بھی الفاظ پر موجود نہ ہوتے تھے اس وجہ سے 'یعلم' اور 'یعلّم' جیسے الفاظ میں فرق کرنا بسا اوقات دشوار ہو جایا کرتا تھا۔

رسم الخط کی اس خامی کو دور کرنے کے لئے محدثین نے یہ طریقہ ایجاد کیا کہ کتاب کو اس کے مصنف یا مصنف کے کسی شاگرد

سے پڑھ کر سنا جائے تا کہ غلطی (تصحیف) کا امکان باقی نہ رہے۔ اس طریقے نے اتنی اہمیت اختیار کی کہ محدثین کسی ایسے شخص سے حدیث کو قبول نہ کیا کرتے تھے جو کتاب کو بغیر استاد کے پڑھ کر حدیث روایت کرتا ہو۔ اس سے احتیاط کے اس درجے کا اندازہ ہوتا ہے جو تدوین حدیث میں ملحوظ خاطر رکھی گئی۔ موجودہ دور میں چونکہ عربی زبان کا رسم الخط اور پرنٹنگ اس معیار پر پہنچ چکی ہے کہ پڑھنے میں بڑی غلطی ہونے کا امکان کم ہو گیا ہے، اس وجہ سے یہ حکم دور جدید میں باقی نہیں رہا۔ البتہ حدیث کو باقاعدہ کسی ماہر استاذ سے پڑھنے سے دیگر فوائد ضرور حاصل ہو سکتے ہیں۔

مصحف حدیث سے متعلق مشہور تصانیف

امام دار قطنی کی "التصحیف" خطابی کی "اصطلاح خطاء المحدثین" ابو احمد العسکری کی "تصحیفات المحدثین"۔

شاذ حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے "شاذ"، شذ کا اسم مفعول ہے جو کہ انفرادیت کو ظاہر کرتا ہے۔ شاذ کا معنی ہے اکثریت کے مقابلے پر اکیلا ہونا۔ اصطلاحی مفہوم میں شاذ ایسی قابل قبول روایت کو کہتے ہیں جو کہ کسی دوسری اپنے سے زیادہ مضبوط روایت کے خلاف ہو۔

شاذ حدیث کی تعریف کی وضاحت

شاذ روایت قابل قبول ہوا کرتی ہے کیونکہ اس کے راوی اچھے کردار کے اور احادیث کو محفوظ کرنے والے ہوتے ہیں۔ دوسری روایت اس کی نسبت قابل ترجیح اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کے راوی زیادہ ثقہ ہوں یا اسے متعدد اسناد سے روایت کیا گیا ہو یا کسی اور وجہ سے ترجیح دی گئی ہو۔ جس حدیث کو ترجیح دی جائے وہ محفوظ کہلاتی ہے۔

شاذ حدیث کی تعریف سے متعلق ماہرین میں اختلاف رائے ہے لیکن یہ وہ تعریف ہے جسے حافظ ابن حجر نے اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے، "اصطلاحات کے علم میں یہ تعریف زیادہ قابل اعتماد ہے۔" (النخبۃ و شرحہا ص 37)

شذوذ (شاذ ہونا) کہاں پایا جاتا ہے؟

کسی حدیث کی سند یا متن دونوں میں شذوذ پایا جا سکتا ہے۔ سند میں شذوذ پائے جانے کی مثال یہ حدیث ہے۔

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اپنی سندوں سے ابن عیینہ، وہ عمرو بن دینار سے، وہ عوسجہ سے اور وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں فوت ہو گیا۔ اس کا سوائے ایک آزاد کردہ غلام کے کوئی وارث نہ تھا جسے وہ پہلے ہی آزاد کر چکا تھا۔

ابن عیینہ نے اس حدیث کو ابن جریج وغیرہ سے بھی روایت کیا ہے۔ حماد بن زید نے اس سند سے مختلف ایک سند پیش کی ہے جس میں انہوں نے عمرو بن دینار اور عوسجہ سے روایت کیا ہے لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

ان دونوں روایتوں میں سے ابو حاتم نے ابن عیینہ کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ حماد بن زید بھی اگرچہ کردار اور ضبط کے معاملے میں ثقہ راوی ہیں لیکن ابو حاتم نے ابن عیینہ کی روایت کو کثرت تعداد کے باعث ترجیح دی ہے۔

متن میں شذوذ پائے جانے کی مثال یہ حدیث ہے۔

ابو داؤد اور ترمذی اپنی سند سے عبد الواحد بن زیاد سے، وہ اعمش سے، وہ ابو صالح سے اور وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جب تم سے کوئی فجر کی نماز ادا کرے تو اس کے بعد وہ (اگر سونا چاہے تو) دائیں کروٹ پر سوئے۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں عبد الواحد نے اس سے مختلف بات کی ہے جو کثیر تعداد میں لوگوں نے بیان کی ہے۔ فجر کے بعد دائیں کروٹ پر سونا نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا عمل ہے نہ کہ آپ کا ارشاد۔ اعمش کے ثقہ شاگردوں میں صرف عبد الواحد ہی ایسے شخص ہیں جو اس حدیث کو حضور کے قول کے طور پر روایت کر رہے ہیں (جبکہ ان کے باقی شاگرد اس کو آپ کے عمل کے طور پر روایت کرتے ہیں۔

محفوظ" حدیث کی تعریف

محفوظ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی مخالفت کے باعث دوسری حدیث کو شاذ قرار دیا جائے۔ اس کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔

شاذ" اور" محفوظ حدیث کا حکم

شاذ حدیث کو مسترد کر دیا جائے گا اور محفوظ حدیث کو قبول کیا جائے گا۔

نسبت کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم

منسوب کیے جانے کے اعتبار سے حدیث کی چار اقسام ہیں: حدیث قدسی مرفوع موقوف مقطوع حدیث قدسی

حدیث قدسی کی تعریف

لغوی اعتبار سے قدسی، قدس سے نسبت ہے۔ اس کا معنی ہے پاک۔ اصطلاحی مفہوم میں ایسی حدیث کو حدیث کو قدسی کہا جاتا ہے جو ذات قدسی یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف منسوب ہو۔ اس حدیث کی سند کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔

حدیث قدسی اور قرآن مجید میں فرق

حدیث قدسی اور قرآن مجید میں کئی فرق پائے جاتے ہیں مثلاً: قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں جبکہ حدیث قدسی کا صرف مفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہیں۔

قرآن مجید کو بطور عبادت تلاوت کیا جاتا ہے جبکہ حدیث قدسی کو بطور عبادت تلاوت نہیں کیا جاتا۔

کسی آیت کے قرآن کا حصہ ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ہم تک تواتر سے پہنچی ہو۔ حدیث قدسی کے لئے تواتر کی شرط نہیں ہے۔

احادیث قدسی کی تعداد

احادیث نبوی کی نسبت احادیث قدسی کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ یہ تعداد دو سو سے کچھ اوپر ہے۔

حدیث قدسی کی مثال

مسلم اپنی صحیح میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اور آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنی ذات پر حرام کرلیا ہے اور میں نے اسے تمہارے لئے بھی حرام قرار دیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ (مسلم بشرح النووی ج16 ص131 دابعد ہا)

حدیث قدسی کی روایت کرنے کے الفاظ

حدیث قدسی کو دو طرح کے الفاظ میں روایت کیا گیا ہے:

قال رسول اللہ فیما یرویہ عن ربہ عزوجل "یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

قال اللہ تعالیٰ، فیما رواہ عنہ رسول اللہ "یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جیسا کہ اس سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے روایت کیا۔

حدیث قدسی سے متعلق مشہور تصانیف

اس ضمن میں عبد الرؤف المناوی کی "الاتحافات السنیۃ بالاحادیث القدسیۃ " تصنیف کی گئی ہے۔ اس میں انہوں نے 272 احادیث جمع کی ہیں۔

مرفوع حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے 'مرفوع'، رفع کا اسم مفعول ہے جس کا معنی ہے بلند ہونا۔ حدیث کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی نسبت اس ہستی کی طرف ہے جن کا درجہ بلند ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ اصطلاحی مفہوم میں ایسی حدیث کو مرفوع کہا جاتا ہے جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کی گئی ہو۔ اس حدیث میں آپ کا ارشاد، عمل، صفت یا تقریر (یعنی خاموشی کے ذریعے کسی کام کی اجازت دینے) کو بیان کیا گیا ہوتا ہے۔

مرفوع حدیث کی تعریف کی وضاحت

مرفوع ایسی حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں کسی قول، عمل، صفت یا تقریر (یعنی خاموش رہ کر اجازت دینے) کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کی گئی ہو۔ یہ نسبت کسی صحابی نے بیان کی ہو یا کسی اور نے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حدیث کی سند خواہ متصل ہو یا منقطع، وہ مرفوع ہی کہلائے گی۔ اس تعریف کے اعتبار سے مرفوع میں موصول، مرسل، متصل، منقطع ہر قسم کی روایت شامل ہو جاتی ہے۔ یہ تعریف مشہور ہے لیکن اس ضمن میں دیگر نقطہ ہائے نظر بھی موجود ہیں۔

مرفوع حدیث کی اقسام

تعریف کے اعتبار سے مرفوع حدیث کی چار اقسام ہیں۔ مرفوع قولی: جس میں کسی قول کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی گئی ہو۔

مرفوع فعلی: جس میں کسی فعل یا عمل کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی گئی ہو۔

مرفوع تقریری: جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ کوئی کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ نے اس سے روکا نہیں۔ اس سے اس کام کا جائز ہونا ثابت کیا جا سکتا ہے۔

مرفوع وصفی: جس میں کسی صفت کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی گئی ہو۔

مرفوع حدیث کی مثالیں

مرفوع قولی کی مثال یہ ہے کہ صحابی یا کوئی اور یہ بیان کرے، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مرفوع فعلی کی مثال یہ ہے کہ صحابی یا کوئی اور یہ بیان کرے، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح سے یہ کام کیا۔

مرفوع تقریری کی مثال یہ ہے کہ صحابی یا کوئی اور یہ بیان کرے، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ایسا کیا گیا۔۔"۔ یہ بات روایت نہ کی گئی ہو کہ آپ نے اس کام کو دیکھ کر اس سے منع فرمایا۔

مرفوع وصفی کی مثال یہ ہے کہ صحابی یا کوئی اور یہ بیان کرے، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے عمدہ اخلاق کے حامل تھے۔

موقوف حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے 'موقوف'، وقف کا اسم مفعول ہے یعنی ٹھہری ہوئی چیز۔ اصطلاحی مفہوم میں یہ اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کا سلسلہ سند صحابی پر پہنچ کر رک جائے اور اس کے دیگر سلسلہ ہائے اسناد نہ پائے جاتے ہوں۔ یہ وہ حدیث ہوتی ہے جس میں کسی قول، فعل یا تقریر کی نسبت صحابی سے کی گئی ہو۔

موقوف حدیث کی تعریف کی وضاحت

موقوف حدیث وہ ہوتی ہے جس کا سلسلہ سند صحابی پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور اسے ایک یا ایک سے زائد صحابہ سے منسوب کیا گیا ہوتا ہے۔ سند خواہ متصل ہو یا منقطع، یہ حدیث موقوف ہی کہلاتی ہے۔

موقوف حدیث کی مثالیں

موقوف قولی کی مثال بخاری کی یہ روایت ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "لوگوں سے وہی حدیث بیان کرو جسے تم جانتے ہو۔ کیا تم اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ منسوب کرو گے؟"

موقوف فعلی کی مثال امام بخاری کا یہ قول ہے، "سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہمانے تیمم کی حالت میں نماز کی امامت فرمائی۔"
(البخاری کتاب التیمم ج 1 ص 82)

موقوف تقریری کی مثال بعض تابعین کا یہ قول ہے، "ایک صحابی کے سامنے یہ کام کیا گیا لیکن انہوں نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

لفظ "موقوف" کا دیگر استعمال

لفظ 'موقوف' کو ایسی حدیث کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے جس کا سلسلہ سند صحابی کے علاوہ کسی اور پر جا کر رک گیا ہو۔ ایسی صورت میں واضح طور پر نام لیا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کہا جائے، "یہ حدیث ابن شہاب زہری پر موقوف ہے یا عطاء الخراسانی پر موقوف ہے۔"

فقہاء خراسان کے نزدیک "موقوف" کی تعریف

(قرون وسطی میں) خراسان کے رہنے والے فقہاء کے نزدیک مرفوع حدیث کو "خبر" اور موقوف حدیث کو "اثر" کہا جاتا ہے۔ محدثین ان میں سے ہر ایک کو "اثر" کہتے ہیں کیونکہ یہ "اثرت الشئی" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے روایت یا نقل کرنا۔

مرفوع قرار دی جانے والی موقوف احادیث سے متعلق احکام

بعض اوقات اپنے ظاہری الفاظ یا شکل میں کوئی حدیث موقوف ہوتی ہے لیکن اس میں گہرے غور و فکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث دراصل مرفوع ہی ہے۔ اس حدیث کو "مرفوع حکمی" کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ حدیث بظاہر موقوف لیکن درحقیقت مرفوع ہوتی ہے۔ اس کی یہ صورتیں ممکن ہیں:

صحابی کوئی ایسی بات کہیں جس میں اجتہاد کرنے کی گنجائش نہ ہو، نہ ہی وہ بات کسی لفظ کی تشریح سے متعلق ہو اور نہ ہی وہ صحابی اہل کتاب سے روایت کرنے کے بارے میں مشہور ہوں تو وہ حدیث مرفوع ہوتی ہے۔

ماضی کے واقعات جیسے کائنات کی تخلیق کی ابتدا وغیرہ سے متعلق حدیث۔

مستقبل کے امور سے متعلق خبریں جیسے جنگیں، فتنے اور قیامت کی علامتیں۔

کسی مخصوص کام کو کرنے پر ثواب یا عذاب کی تفصیل جیسے یہ کہا جائے، "اگر یہ کام کرو گے تو اس کا یہ اجر ملے گا۔"

صحابی کوئی ایسا کام کر رہا ہو جس میں اجتہاد کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہو جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سورج گرہن کی نماز میں ہر رکعت میں دو سے زیادہ رکوع کئے۔

صحابی یہ بیان کریں کہ ہم اس طرح کرتے تھے یا یہ کہا کرتے تھے یا اس میں ہمیں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا تھا۔

اگر صحابہ کے اس قول و فعل کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے سے ہو تو صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔ جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، "ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں عزل کیا کرتے

تھے۔" (البخاری ومسلم)

اگر صحابہ کے قول و فعل کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے سے قائم نہ کیا گیا ہو تو اہل علم کی اکثریت کے نزدیک یہ حدیث موقوف ہے۔ جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ہی کا ارشاد ہے، "جب ہم بلندی کی طرف جاتے تو اللہ اکبر کہا کرتے اور جب نیچے اترتے تو سبحان اللہ کہا کرتے تھے۔ (البخاری)

اگر صحابی یہ کہیں، "ہمیں اس کام کا حکم دیا گیا یا اس کام سے منع کیا گیا" تو یہ بھی مرفوع حدیث ہوتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔

بعض صحابہ کا یہ ارشاد جیسے "سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے کلمات دو دو بار کہنے اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہنے کا حکم دیا گیا۔" (البخاری ومسلم)

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، "ہمیں جنازے کے پیچھے چلنے سے روک دیا گیا اور اسے ہمارے سامنے نہ روکا جاتا۔" (البخاری ومسلم)

ابو قلابہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منسوب کرتے ہیں، "یہ سنت ہے کہ اگر کوئی شادی شدہ شخص کسی کنواری لڑکی سے شادی کرے تو اس کے ہاں شادی کے فوراً بعد سات دن گزارے۔" (البخاری ومسلم)

حدیث کا راوی، حدیث بیان کرتے ہوئے صحابی کے نام کے ساتھ کچھ مخصوص الفاظ بولے تو یہ حدیث مرفوع ہوتی ہے۔ یہ مخصوص الفاظ چار ہیں: یرفعہ (اسے بلند کیا گیا ہے)، ینمیہ (اسے بڑھایا گیا ہے)، یبلغ بہ (اسے پہنچایا گیا ہے) اور روایۃً (اسے روایت کیا گیا ہے)۔ اس کی مثال اعرج کی حدیث ہے جو وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایۃً بیان کرتے ہیں۔ "ہم لوگ ایسی قوم سے جنگ کریں گے جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی۔" (غالباً یہاں تاتاری مراد ہیں۔) (البخاری)

صحابی کسی حدیث کو قرآن مجید کی کسی آیت کے شان نزول سے متعلق بیان کر رہا ہو تو وہ حدیث بھی مرفوع ہوتی ہے۔ اس کی مثال سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، "یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی شرمگاہ (Vegina) میں اس کی پچھلی جانب سے جنسی عمل کرے تو اس کی اولاد بھینگی ہوتی ہے۔ اس (غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے) اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی کہ تمہاری خواتین تمہارے لئے کھیت کی مانند ہیں سو جس طریقے سے چاہو ان سے ازدواجی تعلقات قائم کرو۔" (مسلم)

نوٹ: ان احادیث میں کچھ نکات قابل تشریح ہیں:

اہل کتاب سے روایت نہ کرنے کی شرط اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ ماضی یا مستقبل کے واقعات کو کوئی صحابی یہود و نصاریٰ کے [illegible] سے سن کر بھی بیان کر سکتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے یہ بات لازماً حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہی سنی ہوگی کیونکہ ان کے علم کا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔

عزل فیملی پلاننگ کا ایک قدرتی طریقہ ہے۔ ازدواجی تعلقات میں جب مرد اپنا مادہ خاتون کے جسم سے باہر خارج کرے تو اسے عزل کہا جاتا ہے۔ عہد رسالت میں لوگ اس طریقے سے فیملی پلاننگ کیا کرتے تھے۔

خواتین کو جنازے کے پیچھے جانے سے روکنے کا مقصد یہ ہے کہ خواتین جنازوں پر اکثر بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بین ڈالتی ہیں۔

کنواری لڑکی کے پاس سات دن گزارنے سے متعلق حدیث میں بڑی حکمت کی بات ہے کہ کنواری لڑکی کو نئے خاوند اور نئے گھر میں ایڈجسٹ ہونے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اس وجہ سے خاوند کو اس کے پاس کم از کم سات دن گزارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پچھلی جانب سے جنسی عمل کرنے سے مراد یہ ہے کہ خاوند گھوڑے وغیرہ کے اسٹائل میں صحیح مقام پر جنسی عمل کرے نہ کہ غیر فطری عمل کرنے لگے۔ دیگر احادیث میں واضح طور پر غیر فطری عمل کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

کیا موقوف حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے؟

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ موقوف حدیث صحیح، حسن، ضعیف کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موقوف حدیث اگر صحیح کے درجے کی ہو تو کیا اس سے دینی امور میں استدلال کرتے ہوئے نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی اصل میں تو موقوف حدیث سے دینی احکام اخذ نہیں کیے جا سکتے کیونکہ یہ صحابہ کرام کے اقوال و افعال پر مشتمل ہے۔ اور دینی حکم ثابت ہونے کے لئے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق ہونا ضروری ہے۔

جیسا کہ مرسل کی بحث میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اگر موقوف حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس کی مدد سے ضعیف حدیث، مضبوط ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ ہر حال میں سنت کی پیروی کرتے تھے۔ یہ اس صورت میں ہے اگر موقوف حدیث، مرفوع حکمی نہ ہو۔ اگر وہ مرفوع حکمی ہو تو یہ مرفوع حدیث کی طرح ہی حجت ہے۔

مقطوع حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے مقطوع، قطع کا اسم مفعول ہے اور اس کا معنی ہے کٹا ہوا۔ یہ وصل یعنی ملا ہوا کا متضاد ہے۔ اصطلاحی مفہوم میں ایسی حدیث کو مقطوع کہا جاتا ہے جس کا سلسلہ سند تابعی یا اس کے علاوہ کسی اور (تبع تابعی) پر پہنچ کر ختم ہو جائے۔ ایسی حدیث میں تابعی کے قول و فعل کو بیان کیا جاتا ہے۔

مقطوع حدیث کی تعریف کی وضاحت

مقطوع وہ حدیث ہوتی ہے جس کا سلسلہ سند تابعی یا تبع تابعی یا کسی اور کے قول و فعل پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ مقطوع اور منقطع حدیث ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ منقطع حدیث کا تعلق حدیث کی سند سے اور مقطوع کا تعلق متن سے ہوتا ہے۔ مقطوع حدیث وہ ہوتی ہے جس میں تابعی کا قول و فعل بیان کیا جائے اگرچہ اس کی سند اس تابعی تک متصل ہو۔ اس کے برعکس منقطع حدیث وہ ہوتی ہے جس کی سند کا سلسلہ کٹا ہوا ہو۔ اس کا متن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مقطوع حدیث کی مثالیں

مقطوع قولی کی مثال حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے جو کہ بدعتی کی امامت میں نماز ادا کرنے سے متعلق ہے، "اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ اس کی بدعت کی ذمہ داری خود اس پر ہے۔ (البخاری)

مقطوع فعلی کی مثال ابراہیم بن محمد بن المنتشر کا یہ قول ہے، "مسروق (تابعی) اپنے اور اپنے اہل و عیال کے درمیان ایک پردہ تانگ لیتے اور نماز شروع کر دیتے۔ اس طرح انہیں اہل و عیال اور دنیاوی امور کی کوئی خبر نہ رہتی۔" (حلیۃ الاولیاء ج 2 ص 96)

مقطوع حدیث سے دینی احکام اخذ کرنے کا حکم

اگرچہ مقطوع حدیث متعلقہ تابعی سے ثابت شدہ ہو، اس کے باوجود احکام شرعیۃ میں اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ محض کسی مسلمان کا قول یا فعل ہے۔ ہاں اگر کچھ ایسے شواہد و قرائن موجود ہوں جن سے یہ علم ہوتا ہو کہ یہ دراصل مرفوع حدیث ہے تو اس صورت میں اس کا وہی حکم ہو گا جو مرسل حدیث کا ہوا کرتا ہے۔ ان شواہد کی مثال یہ ہے کہ بعض راوی، تابعی کا نام ذکر کر کے لفظ 'یرفعہ' یعنی 'انہوں نے اسے مرفوع طریقے سے روایت کیا' کہہ دیتے ہیں۔

مقطوع اور منقطع

بعض محدثین جیسے شافعی و طبرانی نے لفظ 'مقطوع' کو 'منقطع' حدیث کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ منقطع وہ حدیث ہوتی ہے جس کی سند کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہو۔ ان کی یہ اصطلاح عام محدثین میں مشہور نہیں ہے۔ امام شافعی کے ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اصطلاحات کا فن ایجاد ہونے سے پہلے ایسا کیا۔ امام طبرانی کا یہ استعمال اصطلاحات کے فن میں کسی حد تک برداشت کر لیا گیا ہے۔

مقطوع حدیث کہاں پائی جاتی ہے؟

مُصَنّف ابن ابی شیبہ مصنف عبدالرزاق ابن جریر، ابو حاتم اور ابن المنذر کی تفاسیر

نوٹ: موقوف اور مقطوع احادیث اگرچہ مرفوع کے درجے پر نہ پہنچتی ہوں، کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ان سے صحابہ و تابعین کے اقوال و احوال کا علم ہو سکتا ہے۔ ان روایات کو اگرچہ احکام شرعیہ کے ثابت کرنے میں استعمال نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ حضرات شریعت عطا کرنے والے نہیں ہیں لیکن یہ روایات اس دور کی معاشرت اور صحابہ و تابعین کے فہم دین سے متعلق نہایت اہم معلومات فراہم کرتی ہیں۔

مسند حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے لفظ 'مسند'، اسند کا اسم مفعول ہے جس کا معنی ہے منسوب کی گئی چیز۔ اصطلاحی مفہوم میں مسند اس مرفوع حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک ملا ہوا ہو۔

مسند حدیث کی مثال

امام بخاری یہ حدیث روایت کرتے ہیں: عبداللہ بن یوسف نے مالک سے، انہوں نے ابوالزناد سے، انہوں نے اعرج سے اور انہوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جب کتا تم سے کسی کے برتن میں منہ ڈال جائے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھوؤ۔ (البخاری)

یہ ایک مرفوع حدیث ہے جس کا سلسلہ سند شروع سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ملا ہوا ہے۔

متصل حدیث کی تعریف

لغوی مفہوم میں 'متصل'، 'اتصل' کا اسم فاعل ہے جس کا معنی ہے ملا ہوا۔ یہ منقطع کا متضاد ہے۔ اصطلاحی مفہوم میں یہ ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کا سلسلہ سند ملا ہوا ہو اگرچہ یہ مرفوع یا موقوف ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی صحابی تک پہنچ کر سلسلہ سند ختم ہو جائے۔ اسے "موصول" حدیث بھی کہا جاتا ہے۔

متصل حدیث کی مثال

متصل مرفوع کی مثال یہ ہے: مالک ابن شہاب سالم بن عبداللہ ان کے والد (یعنی عبداللہ بن عمر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ نے فرمایا۔۔ متصل موقوف کی مثال یہ ہے: مالک نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ ابن عمر کہتے ہیں۔۔۔۔

کیا تابعی کے قول کو بھی متصل کہا جا سکتا ہے؟

عراقی کہتے ہیں کہ تابعی کے قول کو مطلقاً متصل کہنا درست نہیں ہے، ہاں شرط لگا کر اس قول کو متصل کہا جا سکتا ہے۔ یہ شرط محدثین کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کہا جائے، "یہ سعید بن مسیب تک متصل ہے، یا ابن شہاب زہری تک متصل ہے، یا مالک تک متصل ہے، وغیرہ وغیرہ۔" اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ان احادیث کو 'مقطوع' کہا جاتا ہے۔ اس قسم کی احادیث کو 'متصل' کہنا اسی طرح کا عمل ہے جیسا کہ بسا اوقات لغت میں ایک ہی چیز کے دو ایسے نام رکھ دیے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متضاد ہوتے ہیں۔

زیادات الثقات کا معنی

لغوی اعتبار سے 'زیادات'، 'زیادہ' کی جمع ہے اور 'ثقات'، 'ثقہ' کی۔ ثقہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اچھے کردار کا ہو اور حدیث کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ اگر کسی حدیث کو کچھ ثقہ راویوں نے ایک انداز میں روایت کیا ہو، اور دوسری طرف کچھ اور ثقہ راویوں نے اسی حدیث کو کچھ اضافی الفاظ کے ساتھ روایت کر دیا ہو تو یہ اضافی الفاظ 'زیادات الثقات' کہلاتے ہیں۔

زیادات الثقات کے ماہرین

بعض اہل علم نے زیادات الثقات کا علم حاصل کرنے اور انہیں جمع کرنے کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ ان میں سے یہ ائمہ

زیادہ مشہور ہیں:

ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد نیشاپوری ابونعیم الجرجانی ابوالولید حسان بن محمد القرشی

زیادات الثقات کا مقام

زیادات الثقات متن اور سند دونوں میں پائی جاسکتی ہیں۔ متن میں یہ کسی جملے یا لفظ کا اضافہ ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف سند میں اضافی الفاظ کے نتیجے میں کوئی موقوف حدیث، مرفوع اور مرسل حدیث متصل ہوسکتی ہے۔

متن میں اضافے کا حکم

متن میں اضافے کے بارے میں اہل علم میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے:

بعض اہل علم اسے مطلقاً قبول کر لیتے ہیں۔

بعض اسے مطلقاً مسترد کر دیتے ہیں۔

بعض اہل علم کسی حدیث کے ان اضافی الفاظ کو مسترد کر دیتے ہیں جو اسی راوی نے بیان کیے ہوں جس نے پہلے بغیر اضافے کے حدیث روایت کی تھی۔ یہ اہل علم ان اضافی الفاظ کو قبول کر لیتے ہیں جو کسی اور ثقہ راوی نے روایت کیے ہوں۔ (علوم الحدیث ص 77 والکفایہ ص 424)

ابن صلاح نے 'زیادہ الثقات' کو ان کے رد وقبول کے اعتبار سے تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ یہ سب سے اچھی تقسیم ہے اور امام نووی وغیرہ نے بھی اسی تقسیم کی موافقت کی ہے:

اگر حدیث کے اضافی الفاظ، ثقہ راویوں کی کسی حدیث سے متضاد مفہوم نہ پیش کر رہے ہوں تو انہیں قبول کیا جائے گا۔ یہ اسی حدیث کی طرح ہیں جو کسی ایک شخص نے روایت کی ہو۔

اگر اضافی الفاظ، ثقہ راویوں کی کسی حدیث سے متضاد ہوں تو انہیں رد کر دیا جائے گا۔ یہ شاذ حدیث کی طرح ہیں۔

اگر اضافی الفاظ سے، ثقہ راویوں کی کوئی مطلق حکم مشروط ہو جائے یا عمومی حکم، کسی مخصوص صورت حال کے لئے ہو جائے تو اس قسم کے اضافی الفاظ کے بارے میں ابن صلاح نے کوئی بات نہیں کی۔ امام نووی کہتے ہیں، "صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کو قبول کرنا چاہیے۔" (امام شافعی اور مالک ان الفاظ کو قبول کرنے کے قائل ہیں جبکہ احناف اس کی تردید کرتے ہیں۔)

(انظر التقریب مع التدریب ج 1 ص 247)

زیادات الثقات کی مثالیں

متضاد مفہوم کے بغیر اضافہ

متضاد مفہوم کے بغیر اضافے کی مثال مسلم کی یہ حدیث ہے: اعمش نے ابورزین اور ابوصالح سے اور انہوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جب کتا تم سے کسی کے برتن میں منہ ڈال جائے تو اس برتن

کو سات مرتبہ دھوئے۔

اعمش کے شاگردوں نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ان کے صرف ایک شاگرد علی بن مسہر نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے ایک لفظ "فلیرقہ "یعنی" اسے چاہیے کہ وہ اس برتن کو اچھی طرح صاف کرے" کا اضافہ کیا ہے۔چونکہ علی بن مسہر ایک ثقہ راوی ہیں،اس وجہ سے ان کے اس اضافے کو قبول کیا گیا ہے۔

متضاد مفہوم میں اضافہ

ترمذی اور ابو داؤد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: یوم نحر اور ایام تشریق (13-10 ذوالحجہ) ہم اہل اسلام کے لئے عید کے دن ہیں۔یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔

اس حدیث کے تمام طرق (سلسلہ ہائے اسناد) میں یہی الفاظ آئے ہیں۔صرف ایک سلسلہ سند "موسیٰ بن علی بن رباحان کے والد سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ" میں اس حدیث میں یوم عرفہ (9 ذوالحجہ) کا اضافہ ہے۔(اس اضافے کے باعث نو ذوالحجہ بھی ان ایام میں شمار ہو جاتا ہے جن میں روزہ رکھنا منع ہے۔دیگر صحیح احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نو ذوالحجہ کا روزہ رکھنا ایک اچھا عمل ہے۔چونکہ یہ اضافہ دیگر صحیح احادیث کے خلاف ہے،اس لئے اسے مسترد کر دیا گیا ہے۔

کسی حد تک مفہوم میں تضاد

میرے لئے پوری زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنا دیا گیا ہے۔

اس حدیث کو تمام راویوں نے انہی الفاظ میں روایت کیا ہے۔امام مالک نے اپنی سند سے ابو مالک الاشجعی سے روایت کی ہے جنہوں نے اس میں چند الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور حدیث کچھ اس طرح ہو گئی ہے،"میرے لئے پوری زمین کو مسجد اور اس کی مٹی کو پاکیزہ بنا دیا گیا ہے۔

اسناد میں اضافے کا حکم

اسناد میں اضافے کے بارے میں ہم یہاں دو بڑے مسائل کا ذکر کریں گے:ایک تو یہ کہ اسناد میں اضافے کے نتیجے میں کوئی مرسل حدیث،متصل ہو جائے اور دوسرا یہ کہ کوئی موقوف حدیث مرفوع ہو جائے۔اس کے علاوہ اسناد میں اضافے کی جو صورتیں ہیں ان سے محض کسی عام راوی کا اضافہ ہوتا ہے اور اس کی تفصیل ہم "المزید فی متصل الاسانید" کی بحث میں بیان کر چکے ہیں۔

اسناد میں اضافے کے رد و قبول سے متعلق اہل علم میں اختلاف رائے ہے۔اس میں چار نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں.

فقہ اور اصول فقہ کے ماہرین کے نقطہ نظر کے مطابق جو سلسلہ سند متصل یا مرفوع ہو،اسے قبول کیا جائے گا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ماہرین سند میں اضافے کو قبول کرتے ہیں۔

حدیث کے اکثر ماہرین کے نزدیک اس سلسلہ سند کو قبول کیا جائے گا جو مرسل یا موقوف ہو۔اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے نزدیک اضافے والی سند کو مسترد کر دیا جائے گا۔

حدیث کے بعض ماہرین کے نزدیک اس سلسلہ سند کو قبول کیا جائے گا جو راویوں کی اکثریت روایت کر رہی ہے۔
حدیث کے بعض دیگر ماہرین کے نزدیک اس سلسلہ سند کو قبول کیا جائے گا جس میں حفاظ حدیث زیادہ تعداد میں موجود ہوں۔
اس کی مثال یہ ہے کہ حدیث، "خاتون کے سرپرست کے بغیر نکاح نہ کیا جائے۔" کو یونس بن ابی اسحاق السبیعی، اسرائیل بن یونس، قیس بن ربیع نے ابو اسحاق سے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دوسری طرف اس حدیث کو سفیان ثوری، شعبہ بن الحجاج وغیرہ نے ابو اسحاق سے مرسل سند کے ساتھ روایت کیا ہے (یعنی اس سلسلہ سند میں صحابی کا نام موجود نہیں ہے۔)

(انظر المثال واختلاف الرواۃ فی ارسالہ ووصلہ فی الکفایۃ ص409 وما بعدہا)

اعتبار، متابع، شاہد کی تعریف

لغوی اعتبار سے 'اعتبار'، 'اعتبر' کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے امور میں غور و فکر کرنا تا کہ ایک چیز کو دوسری سے الگ کیا جا سکے۔ اصطلاحی مفہوم میں اگر ایک حدیث کو صرف ایک راوی نے روایت کیا ہو تو اس حدیث کی دیگر اسناد کی تلاش کرنے کو 'اعتبار' کہا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس حدیث کو روایت کرنے میں کیا کوئی شخص بھی اس راوی کے ساتھ شریک ہے۔

لغوی اعتبار سے 'متابع'، 'تابع' کا اسم فاعل ہے جس کا معنی ہے موافقت کرنے والا۔ اصطلاحی مفہوم میں اگر ایک حدیث کو ایک شخص روایت کر رہا ہو اور تلاش کرنے کے بعد کوئی اور راوی بھی مل جائے جو اسی حدیث کو روایت کر رہا ہو تو اس دوسرے راوی کی حدیث کو 'متابع' کہا جاتا ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ حدیث کو روایت کرنے والے "صحابی" کے نام پر ان دونوں راویوں کی بیان کردہ حدیث کے سلسلہ سند میں اتفاق پایا جاتا ہو۔

لغوی اعتبار سے 'شاہد'، 'شہادت' کا اسم فاعل ہے جس کا معنی ہے گواہ۔ اصطلاحی مفہوم میں اگر کوئی ایک راوی کسی صحابی سے کوئی حدیث روایت کر رہا ہو اور دوسرا راوی انہی الفاظ یا مفہوم میں وہی حدیث کسی اور صحابی سے روایت کر رہا ہو تو اس دوسری حدیث کو شاہد کہا جاتا ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ دونوں سلسلہ ہائے سند کے صحابی مختلف ہونے چاہییں۔ اس حدیث کو شاہد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دوسری حدیث بالکل اسی طرح مضبوط ہو جاتی ہے جیسے گواہ کے گواہی دینے کے نتیجے میں مدعی کا دعوی مضبوط ہو جایا کرتا ہے۔

کیا شاہد و تابع، اعتبار کی اقسام ہیں؟

کسی شخص کو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ شاہد و تابع، اعتبار کی اقسام ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ اعتبار ریسرچ اور تفتیش کے اس طریقے کا نام ہے جس کے ذریعے تابع اور شاہد احادیث تک پہنچا جا سکتا ہے۔

تابع و شاہد کا دوسرا مفہوم

ہم نے تابع اور شاہد احادیث کی جو تعریف بیان کی ہے یہ اہل علم کی اکثریت نے بیان کی ہے اور یہی مشہور ہے۔ ان کی

دوسری تعریف بھی ہے اور وہ یہ ہے۔

تابع اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں کسی ایک شخص کی بیان کردہ حدیث کو لفظ بلفظ دوسرا شخص بھی روایت کر رہا ہو۔ دونوں احادیث کا صحابی خواہ ایک ہی ہو یا مختلف ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

شاہد اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں کسی ایک شخص کی بیان کردہ حدیث کے مفہوم کو دوسرا شخص بھی روایت کر رہا ہو۔ دونوں احادیث کا صحابی خواہ ایک ہی ہو یا مختلف ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ شاہد اور تابع کو ایک ہی معنی میں استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ شاہد کو تابع اور تابع کو شاہد بھی کہا جاتا ہے۔ شاہد اور تابع دونوں قسم کی احادیث کا مقصد ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک حدیث کے ذریعے دوسری حدیث کو تقویت دی جائے۔ (شرح النخبہ ص 38)

متابعت

لغوی اعتبار سے متابعت، تابع کا مصدر ہے اور اس کا معنی ہے موافق ہونا۔ اصطلاحی مفہوم میں اگر کسی حدیث کی روایت میں ایک کے علاوہ دوسرا راوی بھی شریک ہو تو اسے متابعت کہا جاتا ہے۔

متابعت دو قسم کی ہے: متابعت تامہ اور متابعت قاصرہ۔ اگر شریک ہونے والا راوی اسناد کے شروع میں ہو تو اسے متابعت تامہ کہا جاتا ہے جبکہ اگر وہ اسناد میں کہیں اور ہو تو اسے متابعت قاصرہ کہا جاتا ہے۔

نوٹ: تابع اور شاہد احادیث کی تلاش کا مقصد صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ اصل حدیث کو مزید مضبوط کیا جا سکے۔ اگر کسی حدیث کی تابع اور شاہد احادیث نہ بھی مل سکیں لیکن اصل حدیث، صحیح ہونے کی شرائط پر پورا اترتی ہو تو اس پر اعتماد کیا جائے گا۔

مثالیں

یہاں پر ہم ایک ہی مثال کا ذکر کریں گے جو حافظ ابن حجر نے متابعت تامہ اور متابعت قاصرہ کے بارے میں بیان کی ہیں۔ امام شافعی کتاب الام میں روایت کرتے ہیں۔

مالک، عبداللہ بن دینار سے، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے۔ جب تک تم (رمضان کا) چاند نہ دیکھ لو، روزہ رکھنا شروع نہ کرو اور جب تک (شوال کا) چاند نہ دیکھ لو، روزے رکھنا ختم نہ کرو۔ اگر بادل موجود ہوں (اور ان کی وجہ سے چاند نظر نہ آ سکے) تو تیس دن کی مدت پوری کر لو۔

اس حدیث کے بارے میں کچھ لوگوں کو یہ خیال ہوا ہے کہ اس حدیث کو امام مالک سے روایت کرنے میں امام شافعی اکیلے ہیں۔ انہوں نے اس کا شمار ان کی غریب احادیث میں کر دیا ہے۔ امام مالک کے شاگردوں نے اس حدیث کو امام مالک سے دیگر الفاظ میں روایت کیا ہے کہ، "اگر بادل ہوں تو اندازہ کر لو۔

جب اس حدیث کے بارے میں اعتبار (یعنی تحقیق و تفتیش) کیا گیا تو اس حدیث کی متابعت تامہ، متابعت قاصرہ اور شاہد احادیث معلوم ہو گئیں۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

متابعت تامہ: امام بخاری نے عبداللہ بن مسلمہ القعنبی سے اور انہوں نے امام مالک سے ان کی سند سے روایت کیا ہے جس میں یہ جملہ ہے، "اگر تمہارے سامنے بادل ہوں تو پھر تیس کا عدد پورا کرلو۔

متابعت قاصرہ: ابن خزیمہ نے عاصم بن محمد سے، انہوں نے اپنے والد محمد بن زید سے، انہوں نے ان کے دادا سے اور انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ، "تیس پورے کرلو۔

شاہد: امام نسائی اپنی سند سے محمد بن حنین سے اور وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "اگر تمہارے سامنے بادل ہوں تو پھر تیس کا عدد پورا کرلو۔

محمد لیاقت علی رضوی غفرلہ بن محمد صادق

چک سٹیکا بہاولنگر

كِتَابُ الْأَحْكَامِ

یہ کتاب احکام کے بیان میں ہے

اسلامی قانون کا مزاج

اس ضمن میں ہمیں اسلامی قانون کے مزاج کو اپنے پیش نظر رکھنا بہت مفید ہوگا اس طرح اسلامی قانون کی افادیت اور اہمیت کو ہم اور اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

اسلامی قانون میں تمام اقوام عالم اور دنیا کے ہر خطے کی نفسیات اور طبعی میلانات کی رعایت رکھی گئی ہے، اسی مقصد کے پیش نظر اسلامی قانون کی تشکیل کے وقت چند بنیادی امور کا لحاظ کیا گیا جن سے اسلامی قانون کے ذوق ومزاج پر روشنی پڑتی ہے مثلاً:

* پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی ایسا حکم نہ دیا جائے جو عام لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ہو۔

* عید اور تہوار منانے کی خواہش ہر قوم کے اندر موجود ہے اس جذبہ کی قدر دانی کرتے ہوئے سال میں دو دن قومی عید کے لئے مقرر کیے گئے اور ان میں جائز اور مباح حد تک خوشی منانے اور زیب وزینت کرنے کی اجازت دی گئی۔

* عبادات میں طبعی رغبت ومیلان کو اہمیت دی گئی اور ان تمام محرکات وعوامل کی اجازت دی گئی جو اس میں معاون ومددگار ثابت ہوں بشرطیکہ ان میں کوئی قباحت نہ ہو۔

* جو چیزیں طبع سلیم پر گراں گذرتی ہیں ان کو ممنوع قرار دیا گیا۔

* تعلیم وتعلم اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو دائمی شکل دی گئی تا کہ انسانی طبائع کو اسلامی مزاج کے مطابق ڈھالنے میں مدد ملتی رہے۔

* بعض احکام کی ادائیگی میں عزیمت اور رخصت کے دو درجے مقرر کئے گئے تا کہ انسان اپنی سہولت کے مطابق جس کو چاہے اختیار کرے۔

* بعض احکام میں رسول اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف قسم کے عمل منقول ہیں اور حالات کے پیش نظر دونوں پر عمل کی گنجائش رکھی گئی۔

* بعض برائیوں میں مادی نفع سے محروم کرنے کا حکم دیا گیا۔

* احکام کے نفاذ میں تدریجی ارتقا کو ملحوظ رکھا گیا، یعنی ایک ہی وقت میں تمام احکام نافذ نہیں کر دیے گئے اور نہ ساری پابندیاں عائد کر دی گئیں۔

* تعمیری اصلاحات میں قومی کردار کی پختگی اور خامی کی خاص رعایت رکھی گئی۔
* نیکی کے زیادہ تر اعمال کی مکمل تفصیل بیان کردی گئی اور اس کو انسانوں کی فہم پر نہیں چھوڑا گیا ورنہ بڑی دشواری پیش آتی۔
* بعض احکام کے نفاذ میں حالات و مصالح کی رعایت کی گئی اور بعض میں اشخاص وافراد کی۔

قرآن وحدیث میں متعدد صراحتیں اور اشارات ایسے موجود ہیں جن سے مندرجہ بالا اصولوں پر روشنی پڑتی ہے، مثلاً:

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك (آل عمران)

ترجمہ: اللہ ہی کی رحمت سے آپ ان کے لئے اتنے نرم دل ہیں، اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے چلے جاتے۔

لا يكلف الله نفساً الا وسعها (بقرہ)

ترجمہ: اللہ کسی شخص کو اس کی قدرت وطاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر (بقرہ)

ترجمہ: اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری اور تنگی نہیں چاہتا۔

وما جعل عليكم في الدين من حرج (الحج)

ترجمہ: اللہ نے دین کے معاملے میں تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں رکھی

ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم (المائدۃ)

ترجمہ: اللہ نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی دشواری میں مبتلا کرے بلکہ اس کا مقصد تم کو پاک وصاف کرنا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دینی معاملات کا انتظام سپرد کرتے وقت فرمایا۔

يسرا ولا تعسرا ولا تنفرا تطاوعا ولا تختلفا (متفق علیہ: مشکوٰۃ باب ماعلی الولاۃ من التیسیر)

ترجمہ: آسانی پیدا کرو، مشکل میں نہ ڈالو، رغبت دلاؤ، نفرت نہ دلاؤ، جذبہء اتحاد واتفاق کو فروغ دو۔

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:

بعثت بالحنفية السمحة (رواہ احمد: مشکوٰۃ شریف: الجہاد)

ترجمہ: میں آسان دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہوں۔

لا ضرر ولا ضرار في الاسلام (ابن ماجہ: مستدرک حاکم)

ترجمہ: اسلام میں نہ کسی کو تکلیف پہنچانا ہے اور نہ خود تکلیف اٹھانا ہے۔

مسواک کے بارے میں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك عند كل صلوة (المشكوة: باب سنن الوضوء)

ترجمہ: اگر مجھے اسے بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا وجوبی حکم دیتا۔

کعبہ میں ترمیم نہ کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا:

لو لا حدثان قومك بالكفر لهدمت الكعبة ثم لجعلت لها بابين (الحدیث)(مسند احمد)

ترجمہ: اگر میری قوم نئی نئی مسلمان نہ ہوتی تو میں کعبہ کو توڑ کر اساس ابراہیمی پر اس کے دروازے بنا دیتا (اور حطیم کو اس میں شامل کرتا)

آپ کا عام دستور تھا کہ جب آپ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں آسان تر کو اختیار فرماتے بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔

وما خير رسول الله صلى الله عليه وسلم الا اختار أيسرهما مالم يكن اثماً.

(متفق علیہ: مشکوٰۃ، مسند احمد)

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دین میں تنگی نہ ہونے کا کیا مطلب ہے جب کہ ہم کو بدکاری، چوری اور دوسری بہت سی سفلی خواہشات کی چیزوں سے روک دیا گیا ہے، حضرت ابن عباس نے جواب دیا تنگی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ سخت قسم کے احکام کا جو بوجھ بنی اسرائیل پر تھا وہ اس امت پر نہیں ہے۔ (کشاف تفسیر کبیر)

ان آیات واحادیث سے اسلامی قانون کا مزاج سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے اور عام انسانی مفادات کے لئے اس میں کتنی گنجائش ہے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اسلامی قانون میں جو جامعیت، ابدیت، معنویت، زندگی، نفاست وحس اور ہر دور کے حالات پر اس کی تطبیق صلاحیت پائی جاتی ہے وہ دنیا کے کسی قانون میں نہیں ہے اسی لئے ہر زمان ومکان میں اسی کو قیادت کا حق بنتا ہے۔ اسلامی قانون کے اس امتیاز کو درج ذیل عنوانات کے تحت سمجھا جا سکتا ہے۔

قانونی حیثیت

سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ انسانی قانون کی توثیق وتصدیق انسانی جماعت یا انسانی عدالت کرتی ہے اس کے بغیر وہ قانون بن ہی نہیں سکتا، جبکہ اسلامی قانون کی تصدیق خود رب کائنات کرتا ہے، دنیا کی عدالت اس کو مانے یا نہ مانے اس کی قانونی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تقدیس کا پہلو

انسانی قانون اپنے لئے کوئی تقدیس کا پہلو نہیں رکھتا، یہ لوگوں کے جسموں پر حکومت کرتا ہے دلوں پر نہیں، جبکہ اسلامی قانون اپنے ماننے والوں کے نزدیک ایک مقدس ومحترم قانون ہے، یہ انسانوں کے لئے خدا کا عطیہ ہے، اس طرح یہ جسموں کے ساتھ دلوں پر بھی حکومت کرتا ہے اور سوسائٹی کے ظاہر وباطن دونوں سے بحث کرتا ہے۔

مثبت ومنفی فرق

انسانی قانون کی تعمیر عموماً منفی بنیادوں پر ہوئی ہے، یہ اکثر رد عمل کے نتیجہ میں وجود پذیر ہوتا ہے، اسی لئے افراد کی تعمیر، اخلاقیات، تزکیہ نفس اور تطہیر وتربیت کے ابواب میں یہ کوئی رہنمائی نہیں کرتا، جبکہ اسلامی قانون زیادہ تر مثبت اصولوں پر چلتا ہے، اور اعمال سے زیادہ اسباب ومحرکات پر نگاہ رکھتا ہے اور اسی کی روشنی میں یہ قانون سازی کرتا ہے۔

قانونی معنویت

انسانی قانون کی بنیاد محض خاندانی رسوم وروایات اور علاقائی عرف وعادات پر ہے اس لئے اس میں تعصبات وتنگ نظری کی تمام آلودگیاں موجود ہیں اس میں علمی اور فلسفیانہ بنیادوں کی آمیزش نہیں ہے، جبکہ اسلامی قانون کی بنیاد روز اول ہی سے انسانی فطرت اور ہدایت الٰہی پر ہے، یہ ابتداہی سے عالمگیر اور فلسفیانہ بنیادوں پر تعمیر ہوا ہے، انسانی قانون ہزاروں سال کے ارتقاء کے بعد جس منزل پر پہنچے گا اسلامی قانون کا پہلا قدم ہی وہاں سے اٹھا ہے۔

قانونی وحدت

قانون میں وحدت ویکسانیت بھی ایک ضروری چیز ہے انسانی قانون میں اصل کے لحاظ سے وحدت ویکسانیت موجود نہیں ہے اس لئے کہ اس کے سرمایے میں خاندانی روایات اور قومی عرف وعادات کا بڑا حصہ ہے جو ہر علاقہ اور خاندان کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں... جبکہ اسلامی قانون شروع سے وحدت کے اصول پر قائم ہے اس لئے کہ اس کی بنیاد رسم وروایات کے بجائے ہدایت الٰہی پر ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کے قوانین ایک ہی وحدت کے ساتھ وابستہ ہیں، خود قرآن اس کی شہادت دیتا ہے۔

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ أن أقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (شوری)

ترجمہ: تمہارے لئے بھی اسی دین کو شروع کیا ہے، جس کی تعلیم نوح کو دی تھی اور اے پیغمبر! یہ بھی جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی ہے اور یہی دین ہے جس کی تعلیم ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دی تھی کہ اس دین کو قائم کریں اور اس میں اختلاف نہ کریں۔

سرچشمہ قانون

اسی طرح انسانی قانون چند انسانی ذہنوں کی پیداوار ہے جبکہ اسلامی قانون خود خالق کائنات کا دیا ہوا عطیہ ہے اور آج اس حقیقت کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں کہ انسان کبھی خود اپنے لئے قانون مرتب نہیں کر سکتا، اس لئے کہ انسان محدود علم واحساس رکھتا ہے وہ کروڑوں انسانوں کی نفسیات کا قدر مشترک معلوم نہیں کر سکتا اور تمام لوگوں کے احساسات وطبائع کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون سازی ہرگز نہیں کر سکتا، قانون خواہ کتنے ہی اخلاص کے ساتھ بنایا جائے مگر اس میں طبعی میلانات اور ذاتی رجحانات کا اثر ناگزیر طور

پر آئے گا... اس لئے قانون سازی کا حق صرف خالق کائنات کو ہے۔

قانون جماعت سے یا جماعت قانون سے؟

انسانی قانون اور اسلامی قانون کے درمیان ایک اصولی فرق یہ بھی ہے کہ انسانی قانون میں قانون جماعت سے مؤخر ہوتا ہے، سوسائٹی پہلے ہوتی ہے اور اس کی تنظیم کے لئے قانون بنایا جاتا ہے، قانون جماعت کو پیدا نہیں کرتا۔

جبکہ اسلام میں قانون جماعت سے مقدم ہے جماعت کے وجود اور اس کے حالات پر قانون کا انحصار نہیں ہوتا بلکہ قانون پہلے بنتا ہے اس کے مطابق جماعت کی تعمیر ہوتی ہے، اگر حالات سازگار نہیں ہیں تو ان کی اصلاح کی جاتی ہے اور ان کو نفاذ قانون کے لائق بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر حالات کی بنا پر قانون نہیں بدلا جاسکتا۔

نفاذ کی قوت

انسانی قانون قوت نفاذ کے لحاظ سے بھی کمزور واقع ہوا ہے اسے اپنے افراد پر مکمل قابو نہیں ہوتا اور نہ تنہا قانون جرائم کے انسداد کے لئے کافی ہوتا ہے اس کو اپنے کسی بھی قانون کے عملی نفاذ کے لئے مضبوط مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے اس قانون میں مجرمین کے بچ نکلنے کے بہت سے امکانات موجود ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف اسلامی قانون کا آغاز ہی فکر آخرت اور حلال وحرام کے احساس سے ہوتا ہے وہ انسانی ضمیر کی تربیت کرتا ہے اور اس کے ظاہر و باطن کو قانون کے لئے تیار کرتا ہے، وہ اپنے ہر شہری کے دل ودماغ میں یہ احساس راسخ کرتا ہے کہ

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته. (متفق علیہ ریاض الصالحین للنواوی)

ترجمہ: تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی متعلقہ ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

انما انا بشر وانه ياتيني الخصم فلعل بعضكم ان يكون الحن بحجته من بعض فاحسب انه صدق فاقضي له بذلك فمن قضيت له بحق فانما هي قطعة من النار فليأخذها او ليتركها

(متفق علیہ مشکوۃ باب الاقضیہ والشہادات)

ترجمہ: میں ایک انسان ہوں، میرے پاس مقدمات آتے ہیں، ممکن ہے کہ کوئی فریق اپنے مدمقابل سے زیادہ چرب زبان ہو اور میں اس کے ظاہری دلائل کی بنا پر اس کو سچ گمان کروں اور اس کے حق میں فیصلہ کردوں اس لئے اگر میں کسی بھائی کے لئے دوسرے مسلمان بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں تو محض فیصلہ کی بنا پر وہ درست نہیں ہوجائے گا وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا جو چاہے لے اور جو چاہے چھوڑ دے۔

انسانی قانون نہ صرف یہ کہ نگرانی اور حق پرستی کی اس عظیم قوت سے محروم ہے بلکہ اس کا تصور بھی اس کے دامن خیال میں نہیں ہے۔

اسلامی قانون میں انسانی نفسیات کی رعایت

اسلامی قانون فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اس میں انسانی طبائع اور نفسیات کی پوری رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے قرآن کی

آیت ذیل میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فاقم وجهك للدين حنيفاً فطرة الله التى فطر الناس عليها لاتبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لايعلمون (الروم)

ترجمہ: پس پوری یکسوئی کے ساتھ اس دین کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو اللہ کی اس فطرت کے عین مطابق ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

انسانی قانون میں کبھی بھی تمام انسانی طبائع اور تقاضوں کی رعایت ممکن نہیں ہے اس کی بیشمار مثالیں موجود ہیں (قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز)

اسلامی قانون میں انسانی مصالح کی رعایت

اسلامی قانون کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں انسانی مصالح کو قانونی اساس کا درجہ حاصل ہے انسانی مصالح سے مراد پانچ امور ہیں۔ حیات، دین، نسل، عقل اور مال، ان پانچوں چیزوں کی حفاظت سے متعلق تمام چیزیں مصالح انسانی میں داخل ہیں، دین و دنیا کے معاملات کا مدار انہی پر ہے اور انہی کے ذریعہ فرد اور جماعت کے جملہ مسائل کی نگرانی ہوتی ہے، تفصیل کے لئے مذکورہ بالا کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

آج دنیا کو پھر اسی قانون کی ضرورت ہے

مذکورہ بالا وجوہات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ انسانی دنیا کی رہنمائی آج بھی اسلامی قانون ہی کے ذریعہ ممکن ہے، اسلام ایک مکمل دین اور مکمل قانون ہے یہ ساری انسانیت کے لئے ایک فطری قانون ہے...

صدیوں سے انسان قانون سازی کے میدان میں کوشش کر رہا ہے اگرچہ کہ اس میں الٰہی قوانین سے بڑی حد تک استفادہ کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ابھی تک کوئی ایسا مکمل قانون وضع نہ کیا جا سکا جس کو ناقابل ترمیم قرار دیا جائے اور انسانی جذبات وافعال کا مکمل آئینہ دار اس کو کہا جا سکے... یہ صرف قانون اسلامی ہے جو اپنے کو کامل و مکمل بھی کہتا ہے اور ناقابل تنسیخ بھی قرار دیتا ہے۔

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الاسلام ديناً (مائدة)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور بحیثیت دین اسلام کو پسند کیا

ونزلنا عليك الكتاب تبياناً لكل شىء وهدىً ورحمة وبشرىٰ للمسلمين (الاعراف)

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا واضح بیان اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و رحمت و بشارت موجود ہے۔

قرآن ایسے اصول و کلیات سے بحث کرتا ہے جن پر ہر زمانہ اور ہر خطہ میں پیش آنے والی جزئیات کو منطبق کیا جا سکتا ہے اور

ہر دور کے حالات و واقعات میں قرآنی نظائر و امثال سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے، قرآن کا یہ دعویٰ واقعات و تجربات کی روشنی میں بالکل درست ہے۔ ولقد ضربنا للناس فی هذا القرآن من كل مثل (زمر) ترجمہ: اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثالیں بیان کردی ہیں۔

بَاب: ذِكْرِ الْقُضَاةِ

یہ باب اہل قضاء کے ذکر میں ہے

قضاء کی تعریف کا بیان

قضا کا لغوی معنی فیصلہ کرنا، ادا کرنا اور انجام دینا ہے۔ اس سے مراد وہ اصول اور قوانین فطرت ہیں، جن کے تحت یہ کارخانہ قدرت اپنے وقت پر معرض وجود میں لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ صادر فرمادیا کہ اگر کوئی شخص نیکی کرے گا تو اسکے نتائج بھی نیک ہوں گے اور برائی کے ثمرات بھی ویسے ہی برے ہوں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ. اس نے جو نیکی کمائی اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس نے جو گناہ کمایا اس پر اس کا عذاب ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لوگوں کے جھگڑوں اور منازعات کے فیصلہ کرنے کو قضاء کہتے ہیں۔

(درمختار، کتاب قضاء، بیروت)

عہدہ قضاء کے شرعی ماخذ کا بیان

(۱) إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ ۔

ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت و نور ہے اُس کے موافق انبیاء حکم کرتے رہے۔

(۲) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۔

جو لوگ خدا کے اُتارے ہوئے پر حکم نہ کریں وہ کافر ہیں۔

(۳) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

جو لوگ خدا کے اُتارے ہوئے پر حکم نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

(۴) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۔ (المائدۃ،۴۴،۴۵،۴۷)

جو لوگ خدا کے اُتارے ہوئے کے موافق حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں۔

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ اگر تو ان میں فیصلے کرے تو عدل و انصاف کے ساتھ کر، گو یہ خود ظالم ہیں اور عدل سے ہٹے ہوئے ہیں اور مان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ پھر ان کی خباثت بدباطنی اور سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ "ایک طرف تو اس کتاب اللہ کو چھوڑ رکھا ہے، جس کی تابعداری اور حقانیت کے خود قائل ہیں، دوسری طرف اس جانب جھک رہے ہیں، جسے نہیں مانتے اور جسے جھوٹ مشہور کر رکھا ہے، پھر اس میں بھی نیت بد ہے کہ اگر وہاں سے ہماری خواہش کے مطابق حکم ملے گا تو

لے لیں گے، ورنہ چھوڑ چھاڑ دیں گے۔

یہ فرمایا کہ یہ کیسے تیری فرماں برداری کریں گے؟ انہوں نے تو تورات کو بھی چھوڑ رکھا ہے، جس میں اللہ کے احکامات ہونے کا اقرار نہیں بھی ہے لیکن پھر بھی بے ایمانی کر کے اس سے پھر جاتے ہیں۔ پھر اس تورات کی مدحت وتعریف بیان فرمائی جو اس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ بن عمران پر نازل فرمائی تھی کہ اس میں ہدایت ونورانیت تھی۔ انبیاء جو اللہ کے زیر فرمان تھے، اسی پر فیصلے کرتے رہے، یہودیوں میں اسی کے احکام جاری کرتے رہے، تبدیلی اور تحریف سے بچے رہے، ربانی یعنی عابد، علماء اور احبار یعنی ذی علم لوگ بھی اسی روش پر رہے۔ کیونکہ انہیں یہ پاک کتاب سونپی گئی تھی اور اس کے اظہار کا اور اس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ وشاہد تھے۔ اب تمہیں چاہئے کہ بجز اللہ کے کسی اور سے نہ ڈرو۔

ہاں قدم قدم اور لحہ لحہ پر خوف رکھو اور میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول فروخت نہ کیا کرو۔ جان لو کہ اللہ کی وحی کا حکم جو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اس میں دو قول ہیں جو ابھی بیان ہوں گے انشاء اللہ۔ ان آیتوں کا ایک شان نزول بھی سن لیجئے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں کو اس آیت میں تو کافر کہا دوسری میں ظالم تیسری میں فاسق۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کے دو گروہ تھے، ایک غالب تھا۔

دوسرا مغلوب۔ ان کی آپس میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب، ذی عزت فرقے کا کوئی شخص اگر مغلوب ذلیل فرقے کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس وسق دیت دے اور ذلیل لوگوں میں سے کوئی عزیز کو قتل کر دے تو ایک سو وسق دیت دے۔ یہی رواج ان میں چلا آ رہا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں آئے، اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان نیچے والے یہودیوں میں سے کسی نے کسی اونچے یہودی کو مار ڈالا۔ یہاں سے آدمی گیا کہ لاؤ سو وسق دلاؤ دلواؤ، وہاں سے جواب ملا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کے، ایک ہی دین کے، ایک ہی نسب کے، ایک ہی شہر کے پھر ہماری دیت کم اور تمہاری زیادہ؟ ہم چونکہ اب تک تمہارے دبے ہوئے تھے، اس ناانصافی کو بادل ناخواستہ برداشت کرتے رہے لیکن اب جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عادل بادشاہ یہاں آ گئے ہیں ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دو۔ اس بات پر ادھر ادھر سے آستینیں چڑھ گئیں، پھر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ اچھا اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔ لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے آپس میں جب مشورہ کیا تو ان کے سمجھداروں نے کہا دیکھو اس سے ہاتھ دھو رکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ناانصافی پہ مبنی حکم کریں۔ یہ تو صریح زیادتی ہے کہ ہم آدھی دیں اور پوری لیں اور فی الواقع ان لوگوں نے دب کر اسے منظور کیا تھا جو تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم اور ثالث مقرر کیا ہے تو یقیناً تمہارا یہ حق مارا جائے گا کسی نے رائے دی کہ اچھا یوں کرو، کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چپکے سے بھیج دو، وہ معلوم کر آئے کہ آپ فیصلہ کیا کریں گے؟

اگر ہماری حمایت میں ہو تب تو بہت اچھا چلو اور ان سے حق حاصل کر آؤ اور اگر خلاف ہوا تو پھر الگ تھلگ ہی اچھے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کے چند منافقوں کو انہوں نے جاسوس بنا کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ اس سے پہلے کہ وہ یہاں پہنچیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتار کر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں فرقوں کے بداروں سے مطلع فرما دیا۔ (ابوداود)

ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنونضیر اور بنو قریظہ تھے۔ بنونضیر کی پوری دیت تھی اور بنو قریظہ کی آدھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی دیت یکساں دینے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ ایک روایت ہے کہ قرظی اگر کسی نضری کو قتل کر ڈالے تو اس سے قصاص لیتے تھے لیکن اس کے خلاف میں قصاص تھا ہی نہیں سو وسق دیت تھی۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ادھر یہ واقعہ ہوا، ادھر زنا کا قصہ واقع ہوا، ہاں ایک بات اور ہے جس سے اس دوسری شان نزول کی تقویت ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے۔

آیت ، وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ، المائدہ:45)

یعنی ہم نے یہودیوں پر تورات میں یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے عوض جان، آنکھ کے عوض آنکھ۔ واللہ اعلم۔ پھر انہیں کافی کہا گیا جو اللہ کی شریعت اور اس کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلے اور حکم نہ کریں گو یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے بقول مفسرین اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص کو شامل ہے۔ بنو اسرائیل کے بارے میں اتری اور اس امت کا بھی یہی حکم ہے۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے۔ سدی فرماتے ہیں جس نے وحی الٰہی کے خلاف عمداً فتویٰ دیا جاننے کے باوجود اس کے خلاف کیا وہ کافر ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں جس نے اللہ کے فرمان سے انکار کیا، اس کا یہ حکم ہے اور جس نے انکار تو نہ کیا لیکن اس کے مطابق نہ کہا وہ ظالم اور فاسق ہے۔ خواہ اہل کتاب ہو خواہ کوئی اور شعبی فرماتے ہیں۔ مسلمانوں میں جس نے کتاب کے خلاف فتویٰ دیا وہ کافر ہے اور یہودیوں میں دیا ہو تو ظالم ہے اور نصرانیوں میں دیا ہو تو فاسق ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ اس کا کفر اس آیت کے ساتھ ہے۔ طاؤس فرماتے ہیں۔ اس کا کفر اس کے کفر جیسا نہیں جو سرے سے اللہ کے رسول قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو۔ عطاء فرماتے ہیں۔ کتم (چھپانا) کفر سے کم ہے اسی طرح ظلم وفسق کے بھی ادنیٰ اعلیٰ درجے ہیں۔ اس کفر سے وہ ملت اسلام سے پھر جانے والا جاتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف تم جا رہے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، مائدہ)

قاضی کے بیان میں حکم کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو قضاء سونپی گئی یا فرمایا اسے لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور اس کے علاوہ سند سے بھی حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 1349)

حضرت انس سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قضاء کے عہدے پر فائز ہونا چاہتا ہے اور اسکے لیے سفارشیں کرتا ہے اسے اس کے نفس پر چھوڑ دیا جاتا ہے یعنی غیبی مدد نہیں ہوتی اور جسے زبردستی اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے اللہ اس کی مدد کے لیے ایک فرشتہ اتارتا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور اسرائیل کی عبدالاعلی سے منقول حدیث سے زیادہ صحیح

ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 1348)

امارت وقضاء کے معنی ومفہوم کا بیان

امارت سے مراد "سرداری وحکمرانی" ہے اور قضاء سے مراد "شرعی عدالت" ہے اسلامی نظام حکومت کی عمارت کے یہ دو بنیادی ستون ہیں! امیر وامام (یعنی سربراہ مملکت) اسلام کے قانون اساسی کا محافظ، نظم حکومت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ذمہ دار حفاظت مذہب اور امت اسلامیہ کی طاقت وقوت کا امین، اور امور عامہ کا نگہبان ہوتا ہے اسلامی معاشرہ کے افراد کا تعلق جن امور سے ہے ان سب پر امیر وامام ہی کا اختیار کارفرما ہوتا ہے۔

قاضی، اسلامی عدالت کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے شہریوں کے حقوق (امن، آزادی، مساوات) کا محافظ ہوتا ہے اور وہ معاملات کا فیصلہ کرنے میں شریعت کی طرف سے حکم کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے نزاعی مقدمات کا شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کا اس سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ عدل وانصاف، دیانت داری اور ایمانداری کے تقاضوں کو ہر حالت میں مدنظر رکھے۔

اسلام اور حکومت کرنے کا بیان

اسلام، دنیا کا یگانہ مذہب بھی ہے اور دنیا کی سب سے بڑی طاقت بھی اسلام جس طرح انسانیت عامہ کی دینی، مذہبی اور اخلاقی، اخروی فلاح کا سب سے آخری اور مکمل قانون ہدایت ہے اس طرح وہ ایک ایسی لافانی سیاسی طاقت بھی ہے جو انسانوں کے عام فائدے، عام بہتری اور عام تنظیم کے لئے حکومت وسیاست سے اپنے تعلق کو برملا اظہار کرتی ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ مذہب کی حیثیت سے کچھ اور بھی ہے اس کو حکومت حاکمیت، سیاست اور سلطنت سے وہی تعلق ہے جو اس کائنات کی کسی بھی بڑی حقیقت سے ہوسکتا ہے اس کو محض ایک ایسا نظام نہیں کہا جاسکتا ہے جو صرف باطن کی اصلاح کا فرض انجام دیتا ہے بلکہ اس کو ایسا دینی نظام بھی سمجھنا چاہئے جو خداترس وخداشناس روح کی قوت سے دنیا کے مادی نظام پر عالمگیر غلبہ کا دعویٰ رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم جو اسلامی تصورات ونظریات کا سرچشمہ ہے اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو ہدایات کی شارح وترجمان ہیں، ان کا ایک بہت بڑا حصہ اسلام اور حکومت وسیاست کے تعلق کو ثابت کرتا ہے کہیں تاریخی انداز میں، کہیں تعلیمات کے پیرایہ میں اور کہیں نعمت الٰہی کو ظاہری کرتے ہوئے ہم پر یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اسلام اور حکومت خدا کا حق ہے اس لئے اسلام کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ اس زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے اور اس کا اتارا ہوا قانون نافذ کیا جائے۔

ہم میں سے جو کج فکر لوگ "مذہب اور سیاست" کے درمیان تفریق کی دیوار حائل کرکے اسلام کو سیاست وحکومت سے بالکل بے تعلق وبے واسطہ رکھنا چاہتے ہیں وہ دراصل مسلم مخالف عناصر کے اس شاطر دماغ کی سازش کا شکار ہیں جو خود تو حقیقی معنے میں آج تک حکومت کو "مذہب" سے آزاد نہ کرسکا لیکن مسلمانوں کی سیاسی پرواز اور ہمہ گیر پیش قدمی کو مضمحل کرنے کے لئے "مذہب"

اور سیاست وحکومت" کی مستقل بحثیں پیدا کر کے مسلمانوں کے چشمہ فکر وعمل میں دین اور دنیا کی پلیدگی کا زہر گھول رہا ہے۔

قاضی کے لئے امتحان کا بیان

2308 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "جس شخص کو لوگوں کے درمیان قاضی بنا دیا جائے' تو اسے چھری کے بغیر ذبح کر دیا گیا"۔

شرح

ذبح سے اس کے متعارف معنی (یعنی ہلاکت بدن) مراد نہیں ہے بلکہ غیر متعارف معنی "ذہنی وروحانی ہلاکت" مراد ہے۔ چنانچہ جس شخص کو قاضی مقرر کیا جاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ ہمہ وقت کی الجھن و پریشانی اور روحانی، (اذیت) یا یوں کہئے۔ کہ درد بے دواء اور مفت کی بیماری میں مبتلا رہتا ہے بلکہ اس کو اپنی عاقبت کی خرابی کا خوف بھی رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ چھری سے ذبح ہو جانا صرف لمحہ بھر کے لئے اذیت برداشت کرنا ہے جب کہ یہ اذیت عمر بھر کی ہے بلکہ اس کی حسرت و پشمانی قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔

مجبور قاضی کے لئے فرشتے کی مدد کا بیان

2309 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا اِسْرَآئِيْلُ عَنْ عَبْدِ الْاَعْلٰى عَنْ بِلَالِ بْنِ اَبِىْ مُوْسٰى عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ الْقَضَاءَ وُكِلَ اِلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ جُبِرَ عَلَيْهِ نَزَلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَسَدَّدَهٗ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص قاضی کے عہدے کا مطالبہ کرے گا اسے اس کی اپنی ذات کے سپرد کر دیا جائے گا اور جسے اس کام کے لیے مجبور کیا جائے گا اس کی طرف فرشتہ نازل ہوگا' جو اس کی صحیح رہنمائی کرے گا۔

فرشتوں کی مدد کا بیان

صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگ احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں نہایت سفید کپڑے پہنے ہوئے دو شخصوں کو دیکھا جو کافروں سے خوب لڑ رہے تھے ان شخصوں کو نہ اس سے پہلے کبھی

2308: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3571

2309: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3577' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1322م

دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا، یہ جبرئیل اور میکائیل دو فرشتے تھے، اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لیے بہت سی لڑائیوں میں فرشتے بھیجے: چنانچہ بدر کی لڑائی میں قرآنی ارشاد کے مطابق پانچ ہزار فرشتے مدد کو آئے اسی طرح جنگ حنین اور احد میں بھی آئے، فرشتوں کا مدد کو آنا آپ کے معجزات میں سے ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ بدر کے دن ایک انصاری مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اچانک اس انصاری نے کوڑے مارنے کی آواز سنی اور اسکے ساتھ یہ آواز بھی آئی جیسے کوئی سوار کہہ رہا ہو بڑھ کر چل اے حیزوم، انصاری نے سامنے جو دیکھا تو وہ مشرک چت پڑا ہوا ہے، اس کی ناک اور منہ پھٹ گیا اور کوڑے کے اثر سے وہاں کی تمام جگہ ہری اور سبز ہوگئی انصاری نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو یہ تیسرے آسمان کا فرشتہ ہماری مدد کو آیا تھا اور حیزوم اس کے گھوڑے کا نام تھا۔

ابن اسحاق اور بیہقی میں ابو واقد لیثی کی روایت ہے کہ میں بدر کی لڑائی میں ایک مشرک ک و مارنے کے لیے جھپٹا میری تلوار اس پر پڑنے سے پہلے کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا ج سر زمین پر پڑا ہوا ہے، حاکم بیہقی اور ابو نعیم میں سہیل بن حنیف سے اسی طرح کی ایک روایت ہے کہ بدر کے دن ہم تلوار کا اشارہ ہی کر رہے تھے کہ تلوار مشرکوں کے سر تک پہنچنے قبل ہی ان کا سر کٹ کر زمین پر گر پڑتا تھا یہ فرشتوں کی مدد تھی جو مسلمانوں کی طرف سے کفار کو قتل کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے یہ نبی کا معجزہ ہے۔

بیہقی میں ابو بردہ بن نیاز رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کٹے ہوئے تین سر لا کر عرض کیا ان میں سے دو کو تو میں نے مارا ہے تیسرے کا حال معلوم نہیں کہ کس نے مارا ہے بس اتنا میں نے دیکھا کہ یاک گورا اور لمبا آدمی اسکو قتل کر گیا اور میں نے اس کا سر اٹھالیا، آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ فلاں فرشتہ تھا جس نے اس تیسرے کو قتل کیا۔

بیہقی نے سائب بن ابی جیش کی روایت ہے (سائب جنگ بدر میں کافروں کی طرف سے لڑنے آئے تھے) یہ بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم جب قریش شکست کھا کر بھاگے تو میں بھی بھاگا، مجھے کسی نے قید نہیں کیا تھا، اچانک ایک گورہ اور لمبا آدمی جو آسمان اور زمین کے درمیان گھوڑے پر سوار نظر آرہا تھا اس نے مجھے باندھ کر ڈالدیا، اتنے میں عبدالرحمٰن بن عوف آئے انہوں نے مجھے بندھا ہوا دیکھ کر لشکر والوں سے دریافت کیا اسے کس نے باندھا ہے؟ کسی نے یہ نہ کہا کہ میں نے باندھا ہے، بندھا ہوا ہی لے کر مجھے آنحضور ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، آپ ﷺ نے پوچھا تجھے کس نے باندھا ہے میں نہ کہا باندھنے والے کو میں نہیں پہچانتا اور جو منظر میں نے باندھتے وقت دیکھا تھا وہ بتانا مناسب نہیں سمجھا! کیونکہ اس میں فرشتے کا ذکر اور اسلام کی سچائی کا ذکر ہو جاتا، آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا تجھے کسی فرشتے نے باندھا دیا ہے۔

امام احمد، ابن سعد اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنگ بدر میں ابوالیسر نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا تھا حالانکہ ابوالیسر بہت کمزور اور عباس بہت طاقت ور آدمی تھے، نبی کریم ﷺ نے ابوالیسر سے پوچھا کہ تم نے عباس کو کیسے قید کر لیا، ابوالیسر نے عرض کیا کہ ان کو قید کرنے میں مجھ کو ایک ایسے شخص نے مدد کی جس کو میں نے پہلے دیکھا تھا نہ بعد میں دیکھا، آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ معزز فرشتہ تھا جس نے تمہاری مدد کی تھی۔

بیہقی کی روایت میں حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ آنکھوں دیکھا حال بیان فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں بہت سے گورے چٹے آدمی چت کبرے گھوڑے پر سوار مجھے نظر آئے، ان کا مقابلہ کوئی نہ کرسکتا تھا، یہ فرشتے تھے جو سہیل کو نظر آئے تھے آنحضور ﷺ اور صحابہ کی مدد کے لیے بھیجے گئے تھے جیساکے قرآن میں اس کا ذکر ہے۔

مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار ابوجہل نے لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر میں نے محمد کو زمین پر ناک رگڑتے یعنی نماز میں سجدہ کرتے کبھی دیکھ لیا تو اپنے پیروں سے اس کی گردن روند ڈالوں گا، اتفاق ایسا ہوا کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے ابوجہل اپنے ارادہ کو پورا کرنے کی غرض سے آگے بڑھا پھر اچانک الٹے پاؤں پھرا جیسے ہاتھوں سے کوئی چیز روک رہا ہو لوگوں نے اس سے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا میں نے اپنے اور محمد کے درمیان دہکتی آگ کی ایک خندق دیکھی اور بڑا خوفناک منظر دیکھا اور کچھ پر بھی نظر آئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابوجہل میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے کرلے جاتے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دعائے رسول ﷺ کا بیان

2310- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَعْلَى وَأَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَبْعَثُنِي وَأَنَا شَابٌّ أَقْضِي بَيْنَهُمْ وَلَا أَدْرِي مَا الْقَضَاءُ قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِي صَدْرِي ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ اهْدِ قَلْبَهُ وَثَبِّتْ لِسَانَهُ قَالَ فَمَا شَكَكْتُ بَعْدُ فِي قَضَاءٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ

◆◆ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مجھے یمن بھیجا' میں نے عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! آپ ﷺ مجھے بھیج رہے ہیں' میں نوجوان آدمی ہوں' میں ان کے درمیان فیصلے کروں گا' حالانکہ مجھے تو پتہ ہی نہیں ہے' فیصلہ کیسے کیا جاتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے میرے سینے پر اپنا دست مبارک مارا اور پھر ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت نصیب کر اس کی زبان کو ثابت رکھنا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اس کے بعد کبھی بھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے مجھے مشکل پیش نہیں آئی۔

شرح

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور فیصلوں کا بیان

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے خلیفہ رابع اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، خالق ارض وسماء نے آپ کی فطرت میں وہ اوصاف وکمالات ودیعت رکھے تھے، جو بنی آدم کے خواص اور نوع انسانی کے برگزیدہ لوگوں میں ہوتے ہیں۔

چنانچہ آپ کا ایک خاص اور امتیازی وصف یہ تھا کہ آپ مت مسلمہ کے پیچیدہ اور مشکل معاملات اور دشوار سے دشوار تر

2310 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

مقدمات کی تہہ تک فوراً پہنچ جاتے اور اپنے حکیمانہ انداز میں اس کو ایسا حل کر دیتے کہ جس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں رہتی، قضایا نمٹانے اور درست فیصلہ کرنے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

خود آپ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے پاس یمن کے کچھ لوگ آئے اور درخواست کی کہ ہمارے پاس (یمن) ایک ایسے شخص کو بھیج دیجئے جو فقہ اور سنت کا علم سکھائے اور ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر سکے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ یمن چلے جاؤ اور وہاں کے لوگوں کو فقہ وسنت کی تعلیم دو اور کتاب اللہ کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرنا، چلتے وقت میں نے عرض کیا حضور ﷺ مجھ کو حکومت پر بھیج رہے ہیں، میں تو ابھی جوان (ناتجربہ کار) ہوں، مجھ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ فیصلہ کرنا اور مقدمات طے کرنا کس کو کہتے ہیں، آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر پھیرا اور فرمایا: " خداوندا! علی کے دل کو راہ نیک دکھانا اور اس کی زبان حق بات پر ثابت رکھنا"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جو دانہ پھوڑ کر اس میں درخت اگاتا ہے، میں نے دو شخصوں کے درمیان کبھی کسی مقدمہ میں فیصلہ کرنے میں کسی طرح شک نہیں کیا؛ بلکہ کیسا ہی باریک اور الجھاو والا مقدمہ کیوں نہ ہو جب میرے سامنے پیش ہوتا تو بے دھڑک وبلا تردد فیصلہ کر دیتا۔

حتی کہ رسالت مآب ﷺ نے بھی اپنی حیات مبارکہ میں بعض مقدمات کا فیصلہ بذات خود نہ کر کے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور فیصلے کے صحیح ہو جانے پر آپ ﷺ نے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اسی کو نافذ فرمایا۔

جیسا کہ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول معظم ﷺ کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے، ایک نے دعویٰ کیا حضور ﷺ میرے پاس ایک گدھا تھا اور اس شخص کے پاس ایک بیل، اس کے بیل نے میرے گدھے کو مار ڈالا، حاضرین جلسہ میں سے ایک صاحب بولے کہ جانور بے زبان پر کیا ضمان وتاوان، حبیب اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے علی! تم ان دونوں میں تصفیہ کر دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فریقین سے سوال کیا، یہ دونوں رسی میں بندھے تھے یا کھلے تھے یا ایک بندھا تھا اور ایک کھلا تھا؟ فریقین نے جواب دیا گدھا بندھا تھا، مگر بیل چھوڑا ہوا تھا اور بیل کا مالک اس کے پاس تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا: بیل والے پر ضمان ہے، گدھے کی قیمت اس کے مالک کے حوالہ کر دے، حضرت رسول الثقلین ﷺ نے یہ فیصلہ پسند فرمایا اور یہی حکم جاری کیا۔

نیز حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں بھی یہ بات بہت مشہور تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قضاء کے باب میں سب سے آگے ہیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علی ہم لوگوں میں بڑے فیصلہ کرنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اہل مدینہ میں آپ (علی) اچھے قاضی اور فیصلہ کرنے والے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر کوئی معتمد شخص ہمارے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتوے اور احکام بیان کرے تو ہم مقدمات میں ان سے ہٹ کر کوئی فتویٰ نہیں دیں گے۔

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس دشوار اور پیچیدہ مقدمہ میں اللہ سے پناہ مانگتے تھے، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے نہ ہوتی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لو لا علی لهلك عمر (اگر (رائے وفیصلہ دینے میں) علی رضی

اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اہل مدینہ میں علم فرائض کے اور کار قضاء وافتاء میں علی رضی اللہ عنہ سب سے اعلیٰ ہیں۔

تاریخ وادب کی کتابوں میں یہ جملہ ضرب المثل بن گیا تھا: قضية ولا ابا حسن لها، (ایک پیچیدہ مسئلہ ہے مگر اس کے حل کے لئے ابوالحسن نہیں۔

اس کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ نے آپ کی شان میں یہ جملہ ارشاد فرمایا: "واقضاهم علی حق کے مطابق سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے (حضرت) علی ہیں۔

حساب اور فیصلہ

آپ نے پوری زندگی اس وصف کمال کو فصل خصومات میں صرف کیا جس کے چند نظام درج ذیل ہیں۔ ابن حبیش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخص کھانے بیٹھے، ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دوسرے کے پاس تین، جب دونوں نے اپنا اپنا کھانا سامنے رکھا تو ایک تیسرا شخص ادھر سے گذرا اور ان کو سلام کیا، دونوں نے اس کو بلایا، وہ بھی آ کر بیٹھ گیا، تینوں نے مل کر وہ سب آٹھ روٹیاں کھا ڈالیں، تیسرا شخص اٹھ کھڑا ہوا اور جاتے ہوئے آٹھ درہم دونوں کو دیتے ہوئے کہا: یہ کھانے کا عوض ہے، جو میں نے تمہارے ساتھ کھایا ہے، اس کے جانے کے بعد دونوں میں حجت وتکرار شروع ہوئی جس کی پانچ روٹیاں تھیں، اس نے کہا: میں پانچ درہم لوں گا اور تجھ کو تین درہم ملیں گے؛ کیونکہ تیری روٹیاں تین تھیں، تین روٹی والے نے کہا: میں تو نصف سے کم پر ہرگز راضی نہ ہوں گا، یعنی چار درہم لے کر چھوڑوں گا، یہ جھگڑا اتنا طول پکڑا کہ بالآخر حضرت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا اور انصاف طلب کیا گیا، آپ نے دونوں کے بیانات سن کر تین روٹی والے سے فرمایا تم کو تین درہم ملتے ہیں، یہ کم نہیں ہے؛ کیونکہ تمہاری تین ہی روٹیاں تھیں؛ لہٰذا تم کو جو ملتا ہے اس پر راضی ہو جاؤ، مدعی: میں اپنا پورا حق لوں گا، علی رضی اللہ عنہ: اگر حق پر چلتے ہو تو تمہارا حق صرف ایک درہم ہے، تین درہم جو تم کو ملتا ہے تمہارے حق سے کہیں زیادہ ہے، مدعی: سبحان اللہ! آپ نے اچھا فیصلہ کیا، تین درہم یہ شخص خود دیتا رہا اور میں اس پر راضی نہ ہوا، اب آپ فرماتے ہیں کہ تیرا حق ایک ہی درہم ہے، علی رضی اللہ عنہ: بے شک تمہارا حق صرف ایک درہم ہے، تمہارا فریق تین درہم پر صلح کرتا رہا، مگر تم نے نہ مانا اور بات بڑھادی، اب تم مانتے نہیں تو سن لو کہ تمہارا حق کیا ہے، مدعی: فرمایئے اور وجہ معقول بیان کیجئے، علی رضی اللہ عنہ: آٹھ آٹھ روٹیوں کے تین ٹکڑے برابر کے کرو تو چوبیس (۲۴) ٹکڑے ہوئے، اب تم تین آدمی کھائے، یہ تو معلوم نہیں کہ کس نے زیادہ کھایا اور کس نے کم: لہٰذا فرض کرلو کہ سب برابر کھائے، مدعی: ہاں، بے شک، علی رضی اللہ عنہ: تو اس صورت میں ہر ایک نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے، صرف ایک ٹکڑا بچا جو تیسرے نے کھایا اور تمہارے فریق کی پانچ روٹیاں تھیں، جن کے پندرہ ٹکڑے ہوئے، آٹھ خود کھایا اور سات تیسرے کو کھلائے، اب تمہاری تین روٹیوں کے نو ٹکڑوں میں سے صرف ایک ٹکڑا تیسرے آدمی نے کھایا جس کا عوض ایک درہم ہے اور تمہارے فریق کے سات ٹکڑے کھائے جس کا عوض سات درہم ہے، مدعی: آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا، بے شک میرا حق ایک ہی درہم ہے اور میں راضی ہوں۔

روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ عہد رسالت میں حاکم بن کر یمن پہنچے تو وہاں یہ مقدمہ آپ کی عدالت میں دائر ہوا کہ ایک غار شیر کو شکار کرنے کے واسطے کھودا گیا تھا، اتفاقاً چار شخص اس غار پر ہو کر گزرے، ان میں ایک کا پاؤں پھسلا اور گرنے لگا تو دوسرے کو پکڑ لیا، پہلا شخص غار میں چلا تو اس کے ساتھ دوسرا بھی چلا، اس نے تیسرے کو اور تیسرے نے چوتھے کو پکڑا، آخر چاروں غار میں گر پڑے اور بمقتضائے الٰہی شیر بھی اس غار میں آ پہنچا، اس نے چاروں کو چیر پھاڑ کر ہلاک کر ڈالا، مرنے والے تو مر گئے، مگر ان کے اولیاء میں باہم تنازع ہوا، ایک نے دوسرے پر دعویٰ کیا اور دیت طلب کرنے لگے، آپ کے اجلاس میں دعویٰ پیش ہوا، آپ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان فیصلہ کئے دیتا ہوں، اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ گے تو بہتر ہوگا، ورنہ تم لوگوں کو باہمی تکرار اور جنگ وجدال سے روکوں گا یہاں تک کہ تم رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو اور حضور نبوی ﷺ سے تمہارے بارے میں حکم صادر ہو، میرا فیصلہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ گڑھا کھدوایا ہے، ان کے قبیلے والوں کو جمع کرو اور ان سے دیت بہ تفصیل ذیل لو، یعنی ایک ربع دیت ایک ثلث ایک نصف ایک دیت کامل جو شخص ان میں اول گرنے لگا تھا اس کی دیت تو ایک ربع ہے؛ کیونکہ اس کے پکڑنے سے تین آدمی ضائع ہوئے؛ لہٰذا اس کی دیت بھی بقدر تین ربع ساقط ہوگئی اور دوسرے کی دیت جس کو پہلے نے پکڑا تھا، ایک ثلث ہے؛ کیونکہ یہ باعث ہلاکت دو شخصوں کا ہوا، تیسرے کی نصف؛ کیونکہ اس نے ایک کو ہلاک کیا، چوتھے کی دیت کامل یہ کسی کے ہلاک ہونے کا سبب نہیں بنا، وہ لوگ آپ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی تجویز بھی پیش کی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ پسند فرمایا اور اسی کے مطابق حکم دیا۔

حسن بن معتمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخصوں نے ایک قریشی عورت کے پاس سو دینار امانت رکھے اور یہ کہہ دیا کہ ہم دونوں جب آئیں تو دینا، صرف ایک کے حوالے نہ کرنا، اس کو ایک سال گزر گیا، اب ان دونوں میں سے ایک شخص آیا اور عورت سے ظاہر کیا کہ میرا ساتھی مر گیا ہے، امانت مجھ کو واپس دے، عورت نے انکار کیا، مرد نے عورت کے اقرباء کو بیچ میں ڈالا، بعد گفتگو عورت نے مجبور ہو کر اس کو دینار دے دئے، پھر ایک برس کے بعد دوسرا شخص آیا اور امانت طلب کی، عورت نے سارا قصہ کہہ سنایا، جس میں دونوں کی تکرار ہوئی اور عورت نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپ نے عورت پر ادائے تاوان کا حکم کرنا چاہا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا کہ میرے نزدیک تو ضامن ہے، عورت نے کہا: خدا کے واسطے آپ فیصلہ نہ کریں اور ہمارے مقدمہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کر دیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فریقین کو خدمت مرتضی رضی اللہ عنہ میں بھیج دیا، آپ پہچان گئے کہ دونوں مردوں کی چالاکی ہے، غریب عورت کو مفت پھانسا ہے، آپ نے مدعی سے فرمایا: کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ایک کو نہ دینا؛ بلکہ جب دونوں ایک ساتھ آئیں تو دینا؟ مدعی نے جواب دیا: ہاں! یہ بات کہی تھی، آپ نے فرمایا: تو جاؤ اور حسب شرط اپنے ساتھی کو لاؤ، جب امانت ملے گی۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں تین شخص ایک مقدمہ لے کر آئے کہ ایک لونڈی مشترکہ سے ایک ہی طہر میں تینوں نے صحبت کی، اس کا لڑکا پیدا ہوا، ہر ایک مدعی تھا کہ میرا لڑکا ہے، آپ

نے ہرایک سے جداگانہ یہ سوال کیا کہ کیا تم یہ لڑکا اس شخص کو (دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) دینے میں خوش ہو گے؟ ہر ایک نے جواب دیا نہیں، یہ ہرگز پسند نہیں، آپ نے فرمایا: تم شرکاء متخاصمین ہو، میں قرعہ ڈالتا ہوں، جس کا نام نکلے اسی کا لڑکا ہے، وہ دو ثلث قیمت بچے کی اپنے دوسرے شرکاء کو ادا کرے؛ چنانچہ اسی پر فیصلہ ہوا، جب آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ سنا تو پسند کرکے فرمایا: جیسا علی نے فیصلہ کیا ہے، میرے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔

حارث سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے اجلاس میں ایک شخص اپنی عورت لے کر حاضر ہوا اور ظاہر کیا کہ اس عورت نے وقت نکاح مجھ سے عیب چھپایا تھا، اب معلوم ہوا ہے کہ مجنونہ ہے، آپ نے غور وتامل فرمایا اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عورت بہت حسین وجمیل ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے اس سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: تیرا شوہر کیا کہتا ہے؟ عورت نے جواب دیا: امیر المومنین مجھ کو جنون نہیں ہے؛ لیکن وقت مباشرت مجھ پر غشی طاری ہو جاتی ہے، یہ سمجھتا ہے کہ جنون ہے، آپ نے عورت کے جواب سن کر شوہر سے فرمایا: اس کو لے جاؤ اور اچھی طرح رکھو؛ البتہ تو اس کے قابل نہیں، تجھ کو یہ تمیز نہیں کہ یہ مجنونہ ہے یا نازک مزاج حسینہ ہے۔

ایک مرتبہ تین شخص سترہ اونٹ لے کر آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہ سترہ اونٹ ہمارے مشترکہ منافع کے ہیں، ان میں نصف حصہ ایک شخص کا ہے، تیسرا حصہ دوسرے کا اور نواں حصہ تیسرے کا ہے، ہم اپنا اپنا نفع تقسیم کرنا چاہتے ہیں، براہ کرم ایسی صورت میں تقسیم کردیں کہ کسی اونٹ کو ذبح کرنا یا بیچ کر تقسیم نہ کیا جائے اور ہر ایک اپنا اپنا حق حاصل کرلے، آپ نے اپنے غلام قنبر کو حکم دیا کہ اونٹوں کو ایک قطار میں کھڑا کردو اور ایک طرف اپنا اونٹ لے کر ان ہی میں کھڑا کردو، جب حسب الحکم تعمیل ہو چکی، تو آپ نے پہلے شخص کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنا نصف حصہ ان اونٹوں میں سے لے لو، چنانچہ اس نے نو اونٹ علیحدہ کرلئے، پھر دوسرے کو بلایا اور فرمایا کہ تم اپنا تیسرا حصہ لے لو، اس نے اپنے تیسرے حصے کے چھ اونٹ علاحدہ کرلئے، پھر تیسرے کو فرمایا کہ تم اپنا نواں حصہ لے لو، چنانچہ اس نے اپنے حصہ کے دو اونٹ لے لئے، پھر آپ نے قنبر کو حکم دیا کہ تم اپنا اونٹ لے جاؤ، تینوں سائل خوش ہو کر چلے گئے اور اپنا اونٹ اپنے ہی پاس رہا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں لوگ کسی حادثہ یا واقعہ کی تاریخ مختلف طریقوں سے قلم بند کرتے تھے اور ان کے درمیان اختلاف تھا کہ تاریخ کس بنیاد پر مقرر کی جائے، بعض لوگوں کا خیال تھا کہ جس طرح اہل فارس اپنے بادشاہوں اور حکمرانوں کی پیدائش یا تخت نشینی سے زمانہ کا تعین کرتے ہیں، اس کو اختیار کیا جائے اور کچھ لوگوں کا رجحان تھا کہ رومیوں کا طریقہ اپنانا چاہئے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی تاریخ کو اسلامی جنتری کی ابتداء قرار دیا جائے، سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ رسول ﷺ کی ہجرت مکہ سے مدینہ جس دن ہوئی ہے، اس کو اسلامی تقویم کی اساس وبنیاد بنایا جائے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ فیصلہ بہت پسند آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ تاریخ کا تعین ہجرت نبوی ﷺ کی بنیاد پر کیا جائے۔

ایک مرتبہ ایک نوجوان چند آدمیوں کی شکایت لے کر آیا کہ لوگ میرے باپ کو سفر میں لے گئے تھے، یہ سب لوگ تو واپس

آ گئے؛ لیکن میرا باپ واپس نہ آیا، میں ان سے پوچھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے اور جب اس کا مال دریافت کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اس کے پاس کچھ مال نہ تھا؛ حالاں کہ وہ بہت سامال اپنے ساتھ لے گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو علیحدہ علیحدہ رکھا اور پہلے ایک کو بلایا اور اس سے تمام تفصیلات معلوم کیں، مگر اس نے اس کے قتل کرنے کا اقرار نہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے ایک نعرہ تکبیر بلند کیا، جتنے ان کے ساتھ علیحدہ کمروں میں تھے، انہوں نے سمجھا کہ ان کے ساتھی نے راز فاش کردیا، اس کے بعد جب یکے بعد دیگرے وہ سب بلائے گئے تو سبھوں نے اس کے باپ کے قتل کرنے کا اقرار کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ اس کو قصاص میں قتل کردیا جائے۔

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ عہد فاروقی میں ایک مجنونہ عورت کی نسبت زنا ثابت ہوا، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اعظم ص نے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور ایک عورت نے چھ ماہ میں بچہ جنا، لوگوں نے حرامی نطفہ قرار دے کر دربار خلافت میں مقدمہ پیش کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے بعد تحقیقات اس کو بھی سنگسار کرنے کو فرمایا، ابھی مجرموں پر حد جاری ہونے نہ پائی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے دوسری عورت کی نسبت فرمایا کہ اقل مدت چھ ماہ ہے اور یہ آیت کریمہ "وحملہ وفصالہ ثلاثون شہرا" پیش کی اور مجنونہ کی نسبت یہ حدیث (مجنون مرفوع القلم ہے) سنائی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تسلیم کیا اور فرمایا: "**لو لا علی لھلك عمر**

جب عیسائیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ دعوت دی کہ وہ بیت المقدس آ کر صلح کی دستاویز اپنے ہاتھ سے لکھیں تو لوگ (عیسائی) ان کو مسجد اقصیٰ کی چابیاں حوالہ کریں اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی آمد پر موقوف ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور ان سے رائے معلوم کیں، ہر ایک نے الگ الگ رائے دی، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں نہ جائیں؛ تا کہ وہ اپنی ذلت محسوس کریں اور ان کی ایک طرح سے تحقیر ہو؛ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ضرور جانا چاہئے (کیونکہ اس میں ایک تاریخی اعزاز ہے، جو ہمیشہ یادگار رہے گا اور یہ بات ہر ایک کو ہر ایک زمانہ میں حاصل نہیں ہوتی) اور اس طرح مسلمانوں پر بوجھ کم ہوگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ پسند آیا اور سفر کے لئے تیار ہوئے اور اپنی جگہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کو امور خلافت کی ذمہ داری سپرد کر کے رجب ھ کو شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

محمد بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ "میں مسجد دمشق میں گیا، ایک بوڑھا شخص نظر آیا، بڑھاپے کی وجہ سے اس کی گردن کی ہڈیاں ایک دوسرے سے مل گئی تھی، میں نے پوچھا تم تو بڑی عمر والے ہو، تم نے کس کو دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: بے شک میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے، میں نے سوال کیا: کسی غزوہ میں شریک ہوئے ہو؟ کہا: ہاں، جنگ یرموک میں جہاد کیا ہے، میں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ سنا ہو تو بیان کرو؟ اس نے اس طرح کہنا شروع کیا: میں ایک مرتبہ چند جوانوں کے ہمراہ حج کو چلا، راہ میں ایک مقام پر شتر مرغ کے انڈے پڑے پائے، وہ ہم لوگوں نے حالت احرام میں توڑ پھوڑ ڈالے، جب ارکان حج سے فارغ ہو کر واپس آئے تو انڈوں کا ذکر حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے کیا: آپ کچھ جواب نہیں دیئے؛

بلکہ ہم سے مڑکر ارشاد فرمایا کہ پیچھے پیچھے چلے آویں، چلتے چلتے ہم لوگ دولت سرائے نبی ﷺ پر پہنچے، آپ نے بڑھ کر ایک دروازہ پر دستک دی، اندر سے کسی عورت نے جواب دیا، آپ نے پوچھا: ابوالحسن (علی) ہیں؟ جواب ملا: نہیں! پھر آپ وہاں سے چل پڑے اور ایک سایہ دار مقام پر پہونچ کر گزرے اور ہم کو بھی ارشاد ہوا کہ چلے آو، بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، آپ زمین پر بیٹھے ہوئے اپنے ہاتھ سے مٹی برابر کررہے تھے، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی فرمایا: خوش آمدید یا امیر المومنین! فاروق رضی اللہ عنہ: یہ لوگ حالت احرام میں تھے کہ راستہ میں شترمرغ کے انڈے توڑ ڈالے، علی رضی اللہ عنہ: آپ نے خود کیوں تکلیف فرمائی، ان ہی لوگوں کو بھیج دیا ہوتا، فاروق رضی اللہ عنہ: مجھ کو خود آنا لازم تھا (کیونکہ ایک مسئلہ شرعی کا استفسار منظور تھا) علی رضی اللہ عنہ: جس قدر انڈے توڑے ہیں، اتنے ہی نراونٹوں کو اسی قدر جوان اونٹنیوں پر چھوڑ دیں، ان اونٹنیوں کے جس قدر بچے پیدا ہوں، جب وہ قابل قربانی ہوں، قربانی کیے جائیں، یہ اس گناہ کا کفارہ ہے، فاروق رضی اللہ عنہ: اونٹنی کا حمل تو گر بھی جاتا ہے، پھر اس کا کیا تدارک ہوگا، علی رضی اللہ عنہ: انڈے بھی گندے ہوجاتے ہیں، فاروق رضی اللہ عنہ: خداوند مجھ پر کوئی سخت کام نہ پڑے، مگر ابوالحسن میرے پاس ہی ہوں۔

قطع نظر اس کے کہ اس صورت میں علماء فقہاء دین کے نزدیک محرم پر شکاری پرندے کے انڈے تلف کردینے میں کیا جزا واجب ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ قابل تعریف ہے، آپ کی قوت اجتہاد اور استقامت دین کی کیا نفیس نظیر ہے۔

حسن بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ یحنس (ایک شخص کا نام) اور صفیہ اور اس کے علاوہ اور پانچ لوگ قید ہو کر آئے اور صفیہ نے ان پانچ میں سے کسی ایک سے زنا کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا، زانی اور یحنس دونوں نے دعویٰ کیا کہ بچہ میرا ہے، بالآخر مقدمہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان دونوں کے درمیان رسول ﷺ کے فیصلے (الولد للفراش وللعاہر الحجر) کے مطابق فیصلہ کروں گا (چنانچہ آپ نے فیصلہ کیا کہ) بچہ عورت کا ہے (اور زانی کے لئے کچھ نہیں ہے) پھر اس کے بعد آپ نے دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگوائے۔

حمید بن عبداللہ بن یزید مدنی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے ایک مقدمہ کا ذکر کیا گیا جس کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے کیا تو نبی ﷺ نے اس کو پسند کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم میں یعنی اہل بیت میں حکمت رکھی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے یہ چند قصے بطور نمونہ کے ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سے قصے ہیں، جو کتب حدیث وتاریخ میں مذکورہ ہیں۔

حوالہ جات

المستدرک، کنز العمال علی مسند الامام احمد بن حنبل، شمس التواریخ، طبقات الکبری، مستدرک ک، کنز العمال علی مسند الامام احمد بن حنبل، لبنات ... رری

الاستیعاب لابن عبدالبر؛ طبقات الکبری؛ المرتضیٰ؛ مشکوٰۃ؛ کنز العمال؛ الخلفاء؛ کنز العمال علی مسند الامام احمد بن حنبل؛ ازالۃ الخلفاء؛ مستدرک؛ ازالۃ الخلفاء؛
اسد الغابۃ؛ البدایہ والنہایہ؛ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ؛ مسند احمد؛ الکامل؛ ازالۃ الخلفاء؛ مسند احمد؛ ازالۃ الخلفاء

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عجیب فیصلہ اور عجیب ترین استدلال

الفصول المہمہ فی مناقب الائمہ کے حوالہ سے خنثیٰ مشکل کے بارے میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ایسا واقعہ پیش ہوا جس نے اس زمانہ کے تمام علماء کرام کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا کہ ایک شخص نے ایک خنثیٰ سے شادی کی اور مہر میں اس شخص نے اپنی بیوی (خنثیٰ) کو ایک لونڈی دی وہ خنثیٰ اس قسم کا تھا کہ اس کا فرج مردوں اور عورتوں دونوں قسم کا تھا اس شخص نے اپنی بیوی (خنثیٰ) کے ساتھ جماع کیا تو اس سے ایک لڑکا تولد ہوا اور جب اس خنثیٰ نے اپنی لونڈی کے ساتھ جماع کیا تو اس سے بھی ایک لڑکا پیدا ہوا یہ بات مشہور ہوگئی اور معاملہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے خنثیٰ مشکل سے سوال کیا تو اس نے بتایا کہ اس کا فرج عورتوں والا بھی ہے کہ اس سے ماہواری بھی آتی ہے اور مردوں والا بھی ہے کہ اس سے خروج منی بھی ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں غلاموں برق اور قنبر کو بلایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ خنثیٰ مشکل کی دونوں طرف والی پسلیاں شمار کریں اگر بائیں جانب کی ایک پسلی دائیں جانب کم ہو تو پھر اس خنثیٰ مشکل کو مرد سمجھا جائے گا ورنہ عورت وہ اسی طرح ثابت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے مرد ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا اور اس کے خاوند اور اس کے درمیان تفریق کردی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اکیلا پیدا فرمایا اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر احسان کا ارادہ فرمایا کہ اس کا جوڑ پیدا فرمائے تاکہ ان میں سے ہر ایک اپنے جوڑے سے سکون حاصل کرے جب حضرت آدم علیہ السلام سو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بائیں جانب سے اماں حضرت حواء سلام اللہ علیہا کو پیدا فرمایا جب بیدار ہوئے تو ان کی بائیں جانب ایک حسین وجمیل عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ تو اس لئے مرد کی بائیں جانب کی پسلی عورت سے کم ہوتی ہے اور عورت کی دونوں جانب کی پسلیاں برابر ہوتی ہے کل پسلیوں کی تعداد چوبیس ہے بارہ دائیں جانب اور بارہ بائیں جانب ہوتی ہیں جبکہ مرد کی دائیں جانب بارہ اور بائیں جانب گیارہ ہوتی ہیں تو مرد کی کل پسلیاں چوبیس کی بجائے تئیس ہوتی ہیں اس حالت کے اعتبار سے عورت کو ضلع اعوج کہا جاتا ہے اور حدیث شریف میں تصریح ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے تو یہ ٹوٹ جائے گی اس لئے اس کو اپنی حالت پر چھوڑ کر اس سے نفع اٹھا۔ (الاشباہ والنظائر)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، راوی نے ابراہیم تیمی سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی اور اسے پہچان لیا، اور فرمایا یہ میری زرہ ہے جو فلاں دن گر گئی تھی، یہودی نے کہا کہ یہ میری زرہ ہے اور میرے قبضے میں ہے، لہٰذا میرا اور آپ کا فیصلہ مسلمانوں کا قاضی کر سکتا ہے، الغرض یہ دونوں قاضی شریح کی عدالت میں پہنچے، قاضی شریح نے جب حضرت علی کو دیکھا تو اپنی کرسی عدالت سے کھڑے ہو گئے اور حضرت علی اس کرسی پر بیٹھ گئے،، اس کے بعد فرمایا اگر میرا دشمن مسلمان ہوتا تو میں اس کے ساتھ بیٹھتا، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے،، نہ تو غیر مسلموں کو اپنی مجالس میں بٹھاؤ اور نہ ان

کے مریضوں کی عیادت کرو، بلکہ انہیں راہ چلتے بھی تنگ سے تنگ جگہ چلنے پر مجبور کرو، اگر وہ تمہیں برا کہیں تو ان کی پٹائی کرو اور اگر وہ تمہیں ماریں تو تم انہیں قتل کردو،، پھر اس یہودی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا یہ میری زرہ ہے۔

یہودی نے کہا کہ امیر المومنین سچ کہتے ہیں مگر گواہ لائیے! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام قنبر اور بیٹے حسن کو بلایا،، انہوں نے گواہی دی، قاضی شریح نے (جو بے چارے کھڑے ہو کر مقدمے کی ساعت کر رہے تھے) کہا کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں،، اس پر علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں کیا تم نے عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نہیں سنی کہ حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں؟ قاضی شریح نے کہا واللہ ایسا ہی ہے،، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو حسن کی گواہی قبول نہیں کرتا، اللہ کی قسم تو بھی ہمارے پاس فیصلہ لے کر آئے گا،، یقیناً اس کے گھر والوں کے درمیان چالیس دن کے اندر فیصلہ کر دیا جائے گا،، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زرہ یہودی کو دے دی! اس یہودی نے کہا کہ آپ میرے کہنے سے قاضی کے پاس آئے اور اپنے خلاف فیصلے کو مان لیا،، یہ زرہ آپ کی ہے، آپ رکھ لیجئے،، اور میں اسلام قبول کرتا ہوں،، اس پر علی رضی اللہ عنہ نے کہا تو یہ زرہ بھی رکھو اور یہ گھوڑا بھی لے لے! اور اس کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا، آخر کار وہ یہودی جنگِ صفین میں قتل ہوا، (المیزان)

بَاب: التَّغْلِيظِ فِي الْحَيْفِ وَالرِّشْوَةِ

یہ باب زیادتی کرنے اور رشوت لینے کی شدید مذمت میں ہے

2311 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا مُجَالِدٌ عَنْ عَامِرٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ حَاكِمٍ يَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَلَكٌ اٰخِذٌ بِقَفَاهُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهُ اِلَى السَّمَآءِ فَاِنْ قَالَ اَلْقِهِ اَلْقَاهُ فِيْ مَهْوَاةٍ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو بھی بندہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا' جب وہ قیامت کے دن آئے گا' تو فرشتے نے اس کی گدی کو پکڑا ہوا ہو گا' اور اس کے سر کو آسمان کی طرف بلند کرے گا' تو اگر (اللہ تعالیٰ نے) یہ فرمایا: اسے ڈال دو! تو وہ اسے ایسے گڑھے میں ڈالے گا' جس میں وہ چالیس برس تک گرتا رہے گا''۔

رشوت کے سبب خوف مسلط ہو جانے کا بیان

حضرت عمرو ابن العاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب قوم میں زنا کی کثرت ہو جاتی ہے اس کو قحط اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور جس قوم میں رشوت کی وبا عام ہو جاتی ہے اس پر رعب (وخوف) مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (احمد، مشکوۃ المصابیح جلد سوم: رقم الحدیث، 738)

2311. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

رشوت "اس مال کو کہتے ہیں جو کسی شخص کو اس شرط کے ساتھ دیا جائے کہ وہ اس کے کام میں مدد کرے۔ بعض حضرات نے اس کی تعریف میں اس قید کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اس کام میں اتنی مشقت ومحنت نہ ہو جس کی اجرت عام طور پر دیئے گئے مال کی بقدر دی جاتی ہو جیسے کسی بادشاہ یا حاکم کے سامنے کوئی بات سفارش کے طور پر کہہ دینی یا اس میں سعی وکوشش کرنی اس سے معلوم ہوا کہ محنت ومشقت کے بقدر مال دینا رشوت نہیں کہلائے گا اسی طرح اگر بلا شرط مال دیا جائے تو بھی رشوت کے حکم میں نہیں ہوگا۔

بہرکیف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشوت محض ایک سماجی برائی اور ایک شرعی گناہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک اخلاقی ظلم بھی ہے کہ جس کی سزا آخرت میں تو ملے گی اس کا وبال مختلف صورتوں میں اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے چنانچہ یہاں حدیث میں اسی کو ذکر کیا گیا ہے کہ رشوت کی نحوست ساری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور اسے بزدل بنا کر غیروں کی ہیبت میں اور اپنوں کے خوف میں مبتلا کر دیتی ہے۔

غیروں کی ہیبت تو یوں مسلط ہو جاتی ہے کہ راشی رشوت لینے والا اپنا ضمیر وایمان بیچ ڈالتا ہے اور جب وہ ضمیر وایمانداری کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے اندر سے وہ ساری توانائی اور قوت ختم ہو جاتی ہے جو اس کو غیروں کے مقابلہ پر عظمت وبرتری کا احساس دلاتی ہے۔ اپنوں کا خوف اس طرح مسلط ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی حاکم وکارکن رشوت نہیں لیتا تو وہ اپنا حکم اپنے ہر ادنیٰ واعلیٰ پر جاری کرتا ہے اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتا لیکن جب وہ رشوت سے آلودہ ہو جاتا ہے تو پھر اس پر ایک خوف مسلط ہو جاتا ہے جو اسے قدم قدم پر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی اور اجرائے احکام سے جھجکا تا رہتا ہے کہ اس کے کسی حکم یا کسی کاروائی سے کوئی ایسا شخص ناراض نہ ہو جائے جس سے کہ اس کو رشوت کی صورت میں ناجائز مالی فائدے حاصل ہیں یا جو اس کو رشوت ستانی کے جرم کا راز دار ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب رشوت کی وبا عام ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ہر حاکم وکارکن ہیبت وخوف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پورا نظام حکومت بہت خوفناک قسم کی بدحالی وبے اعتمادی اور لاقانونیت کا شکار ہو جاتا ہے اور ساری قوم بے اطمینانی اور مصائب وپریشانیوں میں گھر کر رہ جاتی ہے۔

2312- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ عِمْرَانَ الْقَطَّانِ عَنْ حُسَيْنٍ يَعْنِي ابْنَ عِمْرَانَ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِي مَا لَمْ يَجُرْ فَاِذَا جَارَ وَكَلَهُ اِلٰى نَفْسِهٖ

حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ (کی تائید) قاضی کے ساتھ ہوتی ہے جب تک وہ ظلم نہیں کرتا جب وہ ظلم کا ارتکاب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اپنے نفس کے سپرد کر دیتا ہے۔

شرح

رشوت انسانی سوسائٹی کا ایسا بدترین اور مہلک مرض ہے، جو سماج کی رگوں میں زہریلے خون کی طرح سرایت کر کے پورے

2312 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1330

نظام انسانیت کو کھوکھلا اور تباہ کر دیتا ہے۔ رشوت ظالم کی مدد کرتی ہے اور مظلوم کو جبر وظلم برداشت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ رشوت ہی کے ذریعہ گواہ، وکیل اور حاکم حق کو ناحق اور ناحق کو حق ثابت کرتے ہیں۔ رشوت قومی امانت میں سب سے بڑی خیانت ہے۔ رشوت کے معنی ڈول کی رسی ہے، جب کہ اصطلاحی معنی میں رشوت وہ مال ناحق ہے، جس کو لینے والے کی طلب پر اس کے حوالے کیا جائے یعنی رشوَت لینے والے کی طلب پر جو مال بطور رشوت اسے دیا جائے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ رشوت ہر وہ اجرت اور مزدوری ہے، جس کا حرام ہونا شرعی اصولوں سے ثابت ہو، یعنی ہر ایسا مال رشوت ہے، جو کسی معصیت کے دفاع یا مفاد کی تکمیل کے عوض دیا جائے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ رشوت وہ ہے، جو حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لئے دیا جائے، یعنی ثابت شدہ شرعی حق کو باطل ثابت کرنے یا شرعاً جو چیز باطل ہو، اس کو حق ثابت کرنے کے لئے جو کچھ خرچ کیا جائے، وہ رشوت کہلاتا ہے۔

حلال واضح ہے، حرام واضح ہے، حق باقی رہنے والا ہے، جب کہ باطل مٹ جانے والا ہے۔ رشوت حرام ہے۔ حاکم، قاضی، ملازم یا عہدہ دار کو کسی قسم کی مالی حرص کے بغیر اپنا فرض منصبی انجام دینا چاہئے۔ جس طرح رشوت لینے والے کا فعل حرام ہے، رشوت دینے اور واسطہ بننے کا فعل بھی سراسر حرام ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو، نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر اس کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا لیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو (سورۃ البقرہ) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے رشوت کو سود کی ایک قسم بتایا ہے اور رشوت کھانے والے کو آتش دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ حرام کے ارتکاب پر ہی وعید سنائی جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رشوت حرام ہے۔ رشوت کے ذریعہ آدمی غیر کا مال ہڑپنے کا راستہ پاتا ہے۔ جس طرح رشوت لینے والے کو گناہ ہوگا، اسی طرح رشوت دینے والا اور بیچ کا ایجنٹ بھی اس جرم کا مرتکب سمجھا جائے گا۔

2313- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي ذِئْبٍ عَنْ خَالِهِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے''۔

شرح

رشوت (یا راء کے پیش کے ساتھ یعنی رُشوت) اس مال کو کہتے ہیں جو کسی (حاکم وعامل وغیرہ) کو اس مقصد کے لئے دیا جائے کہ وہ باطل (ناحق) کو حق کردے اور حق کو باطل کردے۔ ہاں اگر اپنا حق ثابت کرنے یا اپنے اوپر ہونے والے کے دفعیہ کے لئے کچھ دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

رشوت کے سبب قومی وبال کا بیان

بادشاہ گشتاسپ کا ایک وزیر تھا جس کا نام راست روش تھا۔ اس کے نام کی وجہ سے بادشاہ اس کو متقی پرہیزگار سمجھتا تھا۔ اور اس

2313 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3580' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1337

کے بارے میں کسی سے کوئی بری بات سننا پسند نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ اس میں حقیقتا کوئی صلاحیت نہیں تھی۔ ایک دن وزیر نے بادشاہ سے عرض کیا: کہ قوم ہمارے عدل کی زیادتی اور ہماری تادیب کی کمی کی وجہ سے نافرمان ہوگئی ہے۔ کہا جاتا ہے جب بادشاہ عدل کرتا ہے تو رعیت ظلم کرتی ہے۔ اب ان سے فساد کی بو پھیل گئی ہے۔ ان کو ادب اور جھڑکی دینا اور سرکشوں اور ظالموں کو دور کرنا اور بدکاروں اور فسادیوں کو نکالنا اور بدمعاشوں کو سزا دینا مجھ پر لازم ہو چکا ہے۔ پھر حالت یہ ہوئی کہ بادشاہ جس کو سزا دینے کے لئے گرفتار کرتا تھا وہ وزیر کو رشوت دیتا تو وزیر اس کو رہا کر دیتا۔ اس کی نحوست یہ ہوئی کہ قوم کمزور ہوگئی اور حالات ان پر تنگ ہو گئے اور خزانے خالی ہو گئے۔ جب بادشاہ کو وزیر کی غداری کا علم ہوا تو اس نے خزانے کو دیکھا تو اس میں کوئی چیز نہ پائی۔ جس سے وہ اپنے لشکر کی ضروریات کو پورا کرے۔ بادشاہ اسی پریشانی کے عالم میں ایک دن سوار ہو کر جنگل کو نکل گیا۔ اس نے دور سے ایک خیمہ دیکھا جب اس کے اندر گیا تو اس نے بکریوں کو سوتے ہوئے اور ایک کتا کو پھانسی پر لٹکے ہوئے دیکھا۔ پھر اس نے بادشاہ کو سلام کیا اور نیچے اترنے کی درخواست کی اور بادشاہ کی تعظیم اور عزت کی اور جو کچھ حاضر تھا اس کو پیش خدمت کر دیا۔

بادشاہ نے اس سے کہا۔ میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ جب تک مجھے اس کتے کے متعلق نہ بتاؤ گے۔ یہ سن کر اس نوجوان نے کہا۔ یہ کتا میری بکریوں کا امین تھا تو اس نے بھیڑیے کی مؤنث سے یاری لگالی اور اس کے ساتھ سونے، اٹھنے لگا اور وہ مؤنث ہر روز آتی اور ایک بکری چرا لے جاتی۔ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔ جب میں نے بکریوں کو دیکھا تو اس میں سے ہر روز ایک بکری کم ہوتی جارہی تھی۔ پھر میں بھیڑیے کی مؤنث کو دیکھا کہ اس نے بکری اٹھائی اور کتا اس سے خاموش رہا۔ پھر مجھے یقین ہو گیا کہ بکریوں کے کم ہونے کا سبب کیا ہے۔ تو میں نے کتے کو پھانسی دے دی۔ جب بادشاہ نے یہ بات سنی تو دل میں غور فکر کیا کہ ہماری قوم ہماری بکریاں ہے۔ لہٰذا ہم پر لازمی ہے کہ ہم اس سے دریافت کریں۔ تا کہ اس کی صحیح حقیقت کا معلوم ہو سکے۔ اس کے بادشاہ اپنے محل میں آیا اور سوچ بچار کیا تو معلوم ہوا کہ۔ یہ خرابی اس کے وزیر کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پھر اس نے ایک مثال بیان کی اور کہا۔ جس نے فسادیوں کے نام سے دھوکہ کھایا وہ بغیر زاد اور توشہ کے واپس آیا اور جس نے زاد اور توشہ میں خیانت کی وہ بغیر روح کے واپس پلٹا۔ پھر اس نے وزیر کو پھانسی دینے کا حکم جاری کر دیا۔ (حکایات قلیوبی، علامہ شہاب الدین قلیوبی)

رشوت کے گناہ کے سبب نقصانات کا بیان

شراب نوشی اور بدکاری سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ بعض برائیاں تو ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہوسکتی ہیں ایک شخص کے نزدیک وہ برائی ہے۔ اور دوسرا اسے کوئی عیب نہیں سمجھتا لیکن رشوت ایک ایسی برائی ہوتی ہے جس کے بُرا ہونے پر ساری دنیا متفق ہے کوئی مذہب وملت، کوئی مکتب فکر یا انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا نہیں ملے گا جو رشوت کو بدترین گناہ یا جرم نہ سمجھتا ہو، حد یہ ہے کہ جو لوگ دن کے وقت دفتروں میں بیٹھ کر دھڑلے سے رشوت کا لین دین کرتے ہیں وہ بھی جب شام کو کسی محفل میں معاشرے کی خرابیوں پر تبصرہ کریں گے تو ان کی زبان پر سب سے پہلے رشوت کی گرم بازاری ہی کا شکوہ آئے گا اور اس کی تائید میں وہ (اپنے نہیں) اپنے رفقائے کار کے دو چار واقعات سنا دیں گے، سننے والے یا تو ان واقعات پر ہنسی مذاق میں کچھ فقرے چست کر دیں گے یا پھر کوئی بہت سنجیدہ محفل ہوئی تو اس میں غم وغصہ کا اظہار کیا جائے گا لیکن اگلی ہی صبح سے یہی شرکائے مجلس پورے

اطمینان کے ساتھ اسی کاروبار میں مشغول ہو جائیں گے۔

غرض رشوت کی خرابیوں سے پوری طرح متفق ہونے کے باوجود کوئی شخص جو اس انسانیت سوز حرکت کا عادی ہو چکا ہوا سے چھوڑنے کے لیے تیار نظر نہیں آتا اور اگر اس کے بارے میں کسی سے کچھ کہا جائے تو مختصر سا جواب یہ ہے کہ ساری دنیا رشوت لے رہی ہے تو ہم کیا کریں؟ گویا ان کے نزدیک رشوت چھوڑنے کی شرط یہ ہے کہ پہلے دوسرے تمام لوگ اس برائی سے تائب ہو جائیں تب ہی چھوڑنے پر غور کر سکتا ہوں اس کے بغیر نہیں اور چونکہ رشوت لینے والے کے پاس بھی بہانہ ہے لہٰذا یہ تباہ کن بیماری ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے فرق یہ ہے کہ جب کوئی وباء پھیلتی ہے تو وہاں کوئی مریض یہ سوال نہیں کرتا کہ جب تک تمام دوسرے لوگ تندرست نہ ہو جائیں میں بھی صحت کی تدبیر نہیں کروں گا لیکن رشوت کے بارے میں یہ استدلال نا قابل تردید سمجھ کر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک استدلال نہیں ایک بہانہ ہے اور بات صرف یہ ہے کہ رشوت لینے والے کو اپنے اس عمل میں فوری طور سے کافی فائدہ ہوتا نظر آتا ہے اس لیے نفس اس فائدے کو حاصل کرنے کے لئے ہزار حیلے بہانے تراش لیتا ہے لیکن آیئے ذرا یہ دیکھیں کہ رشوت لینے میں واقعتا کوئی فائدہ ہے بھی یا نہیں؟ بظاہر تو رشوت لینے میں یہ کھلا فائدہ نظر آتا ہے کہ ایک شخص کی آمدنی کسی زائد محنت کے بغیر بڑھتی جاتی ہے لیکن اگر ذرا باریک بینی سے کام لیا جائے تو اس وقتی فائدے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک ٹائیفائڈ میں مبتلا بچے کو چٹ پٹی غذاؤں میں بڑا لطف آتا ہے لیکن بچے کے ماں باپ یا اس کے معالج جانتے ہیں کہ یہ چند لمحوں کا فائدہ نہ صرف اس کی تندرستی کو دور سے دور تر کر دے گا بلکہ انجام کار اسے زیادہ طویل عرصہ تک لذیذ غذاؤں سے محروم ہو جانا پڑے گا۔

یہ مثال صرف رشوت کے اخروی نقصانات پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ ذرا انصاف سے کام لیا جائے تو رشوت کے دنیوی نقصانات کے بارے میں بھی اتنی ہی سچی ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جب معاشرے میں یہ لعنت پھیل جاتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی ایک جگہ سے کوئی رشوت وصول کرتا ہے تو اسے دسیوں جگہ خود رشوت دینی پڑتی ہے بظاہر تو وہ ممکن ہے کہ اسے آج سو روپے زیادہ ہاتھ آ گئے لیکن کل جب اسے خود دوسرے لوگوں سے کام پڑیگا تو یہ سو روپے نہ جانے کتنے سو ہو کر خود اس کی جیب سے نکل جائیں گے۔

پھر رشوت کا یہ نقد نقصان کیا کم ہے کہ اس کی بدولت پورا معاشرہ بدامنی اور بے چینی کا جہنم بن جاتا ہے کیوں کہ کسی بھی ملک میں باشندوں کے امن وسکون کی سب سے بڑی ضمانت اس ملک کا قانون اور اس قانون کے محافظ ادارے ہی ہو سکتے ہیں لیکن جس جگہ رشوت کا بازار گرم ہو وہاں بہتر سے بہتر قانون بھی بالکل مفلوج اور ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے آج ہم معاشرے کی بدامنی کو ختم کرنے کے لئے کوئی قانون بنانے بیٹھتے ہیں تو سب سے بڑا مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ اس قانون کو رشوت کے زہر سے کیسے بچایا جائے؟ چوری، ڈاکے، قتل، اغواء، بدکاری اور دھوکے فریب کے انسانیت کش حادثات سے آج ہر شخص سہما ہوا ہے لیکن یہ نہیں سوچتا کہ ان حادثات کے روز افزوں ہونے کا سبب درحقیقت وہ رشوت ہے جو ہر اچھے سے اچھے قانون کو چند نوٹوں کے عوض بیچ کر اس کی ساری افادیت کو خاک میں ملا دیتی ہے اور جسے ہم نے اپنے روزمرہ کے طرز عمل سے شیر مادر بنا کر رکھ دیا ہے۔

ہم نے اگر کسی مجرم سے رشوت لے کر اسے قانون کی گرفت سے بچالیا ہے تو درحقیقت ہم نے جرم کی اہمیت، قانون کے احترام اور سزا کی ہیبت کو دلوں سے نکالنے میں مدد دی ہے اور ان مجرموں کا حوصلہ بڑھایا ہے جو کل خود ہمارے گھر پر ڈاکہ ڈال سکتے ہیں۔

ایک سرکاری افسر کسی سرکاری ٹھیکہ دار سے رشوت لے کر اس کے ناقص تعمیری کام کو منظور کرا دیتا ہے اور ممکن ہے کہ آج آمدنی زیادہ ہوگئی، لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ جس ناقص پل کی تعمیر پر اس نے صاد کرا دیا ہے کل جب گرے گا تو اس کی زد میں خود وہ اور اس کے بچے بھی آسکتے ہیں، جس ناقص مال کی بنی ہوئی سڑک اس نے منظور کرا دی ہے وہ ہزار ہا دوسرے افراد کی طرح خود اس کے لئے بھی عذاب جان بنے گی، اور سب سے بڑھ کر یہ سرکاری کاموں کے سلسلے میں رشوت کے عام لین دین سے ہم نے سرکاری خزانے کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا بار کوئی حکمران ہی نہیں اٹھائے گا، بلکہ اس کے نتائج زائد ٹیکسوں کی شکل میں ملک کے تمام باشندوں کو بھگتنے پڑیں گے جن میں ہم خود بھی داخل ہیں اس سے ملک میں گرانی بھی پیدا ہوگی، خزانہ بھی کمزور پڑے گا، ملک کے ترقیاتی کام بھی رکیں گے، اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی منزل بھی دور ہوگی، اور دوسری اقوام ہمیں بدستور تمسخر تر سمجھتی رہیں گی۔

یہ تو چند سرسری سی مثالیں تھیں، لیکن اگر ہم ذرا اس رخ سے مزید سوچیں تو اندازہ ہو کہ رشوت کے لین دین کی بدولت ہم خود دنیا میں مستقل طور سے کن پیچیدہ مصائب اور سنگین مشکلات میں مبتلا ہو گئے ہیں؟

رشوت کے یہ دنیوی نقصانات تو اجتماعی نوعیت کے ہیں اور بالکل سامنے کے ہیں، لیکن اگر ذرا اور گہری نظر سے دیکھئے تو خاص رشوت لینے والے کی انفرادی زندگی بھی رشوت کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں رہتی۔ حدیث میں ہے کہ:

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي والرائش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے رشوت دینے والے پر بھی، رشوت لینے والے پر بھی اور رشوت کے دلال پر بھی۔

جس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کے حق میں بھی دعائے خیر ہی کی ہو اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی شخص پر لعنت بھیجنا معمولی بات نہیں۔ اس کا اثر آخرت میں تو ظاہر ہوگا ہی، لیکن دنیا میں بھی یہ لوگ اس لعنت کے اثر سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ جو لوگ معاشرے کو تباہی کے راستے پر ڈال کر حق داروں کا دل دکھا کر غریبوں کا حق چھین کر اور ملت کی کشتی میں سوراخ کر کے رشوت لیتے ہیں۔ بظاہر ان کی آمدنی میں خواہ کتنا اضافہ ہو جاتا ہو، لیکن خوشحالی اور راحت و آسائش روپے پیسے کے ڈھیر، عالیشان کوٹھیوں، شاندار کاروں اور اپ ٹو ڈیٹ فرنیچر کا نام نہیں ہے، بلکہ دل کے اس سکون اور روح کے اس قرار اور ضمیر کے اس اطمینان کا نام ہے جسے کسی بازار سے کوئی بڑی سے بڑی قیمت دے کر بھی نہیں خریدا جاسکتا، یہ صرف اور صرف اللہ کی دین ہوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی کو یہ دولت دیتا ہے تو ٹوٹے چھونپڑے، کھجور کی چٹائی اور ساگ روٹی میں بھی دے دیتا ہے اور کسی کو نہیں دیتا تو شاندار بنگلوں، کاروں اور کارخانوں میں بھی نصیب نہیں ہوتی۔

آج اگر آپ کو رشوت کے ذریعے کچھ زائد آمدنی ہوگئی ہے، لیکن ساتھ ہی کوئی بچہ بیمار پڑ گیا ہے تو کیا یہ زائد آمدنی آپ کو کوئی سکون دے سکے گی؟ آپ کی ماہانہ آمدنی کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے، لیکن اگر اسی تناسب سے گھر میں ڈاکٹر اور دوائیں آنے لگی

ہیں تو آپ کو کیا ملا؟ اور اگر فرض کیجئے کہ کسی نے مرمار کر رشوت کے روپے سے تجوریاں بھر لیں، لیکن اولاد نے باغی ہو کر زندگی اجیرن بنادی، داماد نے جینا دوبھر کر دیا، یا اسی قسم کی کوئی اور پریشانی کھڑی ہوگئی تو کیا یہ ساری آمدنی اسے کوئی راحت پہنچا سکے گی؟

واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے باغی ہو کر روپیہ تو جمع کر سکتا ہے لیکن اس روپے کے ذریعے راحت وسکون حاصل کرنا اس کے بس کی بات نہیں، عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ حرام طریقے سے کمائی ہوئی دولت پریشانیوں اور آفتوں کا ایسا چکر لے کر آتی ہے جو عمر بھر انسان کو گردش میں رکھتا ہے قرآن کریم جو لوگ یتیموں کا مال غلط کھاتے ہیں وہ ایسے مصائب کا شکار کر دیئے جاتے ہیں جن کی موجودگی میں لذیذ سے لذیذ غذا بھی آگ معلوم ہوتی ہے۔

لہٰذا رشوت خوروں کے اونچے مکان اور شاندار اسباب دیکھ کر اس دھوکے میں نہ آنا چاہئے کہ انہوں نے رشوت کے ذریعے خوش حالی حاصل کر لی، بلکہ ان کی اندرونی زندگی میں جھانک کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے بیشتر افراد کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔

اس کے برعکس جو لوگ حرام سے اجتناب کر کے اللہ کے دیئے ہوئے حلال رزق پر قناعت کرتے ہیں، ابتداء میں انہیں کچھ مشکلات پیش آسکتی ہیں، لیکن مآل کار دنیا میں بھی وہی فائدے میں رہتے ہیں، ان کی تھوڑی سی آمدنی میں بھی زیادہ کام نکلتے ہیں، ان کے اوقات اور کاموں میں بھی برکت ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ دل کے سکون اور ضمیر کے اطمینان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔

اوپر رشوت کے جو نقصانات بیان کیے گئے وہ تمام تر دنیوی نقصانات تھے، اور اس لعنت کا سب سے بڑا نقصان آخرت کا نقصان ہے، دنیا میں اور ہزار چیزوں میں اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اس بارے میں کسی مذہب اور کسی مکتب فکر کا اختلاف نہیں کہ ہر انسان کو ایک نہ ایک دن موت ضرور آئے گی اگر بالفرض رشوتیں لے لے کر کسی شخص نے چند روز مزے اڑا بھی لئے تو بالآخر اس کا انجام سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ ہے کہ: الراشي والمرتشي كلاهما في النار

رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے۔

اور اس لحاظ سے رشوت کا گناہ شراب نوشی اور بدکاری سے بھی زیادہ سنگین ہے کہ شراب نوشی اور بدکاری سے اگر کوئی شخص صدق دل کے ساتھ توبہ کر لے تو وہ اسی لمحے معاف ہو سکتا ہے، لیکن رشوت کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے ہے، اس لئے جب تک ایک ایک حقدار کو اس کی رقم نہ چکائے یا اس سے معافی نہ مانگے، اس گناہ کی معافی کا کوئی راستہ نہیں، عام طور سے جب انسان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اسے اپنی آخرت کی فکر لاحق ہو ہی جاتی ہے، اگر اس وقت عارضی دنیوی مفاد کے لالچ میں ہم یہ گناہ کرتے رہے تو یقین کیجئے کہ موت سے پہلے ہی جب آخرت کی منزل سامنے ہوگی تو یہ اعمال دنیا کے ہر آرام وراحت کو مستقل عذاب جان بنا کر رکھ دیں گے اور اس عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اگر تنہا میں نے رشوت ترک کر دی تو اس سے پورے معاشرے پر کیا اثر پڑے گا؟ لیکن یہی وہ شیطان کا دھوکہ ہے جو معاشرے سے اس لعنت کے خاتمے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، جب ہر شخص دوسرے کا انتظار کرے

گا تو معاشرہ بھی اس لعنت سے پاک نہیں ہوگا۔ آپ رشوت کو ترک کر کے کم از کم خود اس کے دینوی اور آخرت کے نقصانات سے محفوظ ہو سکیں گے اس کے بعد آپ کی زندگی دوسروں کے لئے نمونہ بنے گی کیا بعید ہے کہ آپ کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس لعنت سے تائب ہو جائیں، تاریکی میں ایک چراغ جل اٹھے تو پھر چراغ سے چراغ جلنے کا سلسلہ تا دور ہو سکتا ہے کہ اس سے پورا ماحول بقعہ نور بن جائے پھر جب کوئی شخص اللہ کے لئے اپنے نفس کے کسی تقاضے کو چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہوتی ہے، دور دور سے ایک کام کو مشکل سمجھنے کے بجائے اسے کر کے دیکھئے، اللہ تعالیٰ سے اس کی آسانی کی دعا مانگئے۔ ان شاء اللہ اس کی مدد ہوگی ضرور ہوگی، بالضرور ہوگی اور کیا عجب ہے معاشرے کو اس لعنت سے پاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو منتخب کیا ہو۔

بَاب: الْحَاكِمِ يَجْتَهِدُ فَيُصِيبُ الْحَقَّ

یہ باب ہے کہ جب کوئی قاضی اجتہاد کرے اور صحیح نتیجہ اخذ کرے

2314 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّرَاوَرْدِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ اَبِي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ فَاَخْطَاَ فَلَهُ اَجْرٌ قَالَ يَزِيدُ فَحَدَّثْتُ بِهِ اَبَا بَكْرِ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقَالَ هٰكَذَا حَدَّثَنِيهِ اَبُو سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جب کوئی قاضی فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد سے کام لے اور درست فیصلہ کرے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور جب وہ فیصلہ کرتے ہوئے غلطی کرے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

یزید نامی راوی بیان کرتے ہیں: میں نے یہ روایت ابوبکر بن عمرو بن حزم کو سنائی تو انہوں نے بتایا: ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایت اسی طرح مجھے سنائی ہے۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ اگر حاکم وقاضی کسی سے قضیہ ومعاملہ کا حکم وفیصلہ دینا چاہے جس کے بارے میں کتاب وسنت اور اسلامی فقہ میں کوئی صریح اور واضح ہدایت نہیں ہے اور پھر وہ اجتہاد کرے یعنی کتاب وسنت کے احکام وتعلیمات وفقہ اسلامی کے مسائل اور اسلامی عدالتوں کے نظائر میں پوری طرح غور وفکر کرنے کے بعد وہ کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جائے جس کے بارے میں اس کے ضمیر کی

2314: اخرجه البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 7352' اخرجه مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4462' ورقم الحدیث: 4463' ورقم الحدیث: 4464' اخرجه ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3574

رہنمائی نہ ہو کہ یہ مبنی برحق ہے اور پھر وہی نتیجہ اس کا حکم و فیصلہ بن جائے تو وہ حکم و فیصلہ ظاہری قانون کے اعتبار سے تو بالکل صحیح تسلیم کیا جائے گا البتہ عقبیٰ کے لحاظ سے اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

ایک تو یہ کہ اگر حقیقت میں بھی وہ فیصلہ کتاب وسنت کی منشاء کے موافق رہا تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر اس کا فیصلہ کتاب وسنت کے موافق نہیں ہوا ہے تو اس کو ایک ہی اجر ملے گا۔ بالکل یہی حکم مجتہد کا ہے کہ اگر وہ استنباط مسائل کے وقت اپنے اجتہاد کے نتیجے میں کتاب وسنت کی منشاء تک پہنچ گیا تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر کتاب وسنت کی منشاء تک پہنچنے میں خطا کر گیا تو اس کو ایک ثواب ملے گا۔

لہٰذا یہ حدیث جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی اسلام کو ایسی جزئیات میں اجتہاد کا اختیار حاصل ہے جو اسلامی قانون کے ماخذ میں صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہیں اور جن کا کوئی حکم واضح نہیں وہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں کبھی تو صحیح حکم تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی خطا کر جاتا ہے یعنی صحیح حکم تک نہیں پہنچ پاتا لیکن اجر وثواب اس کو بہر صورت ملتا ہے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی چیز کا حکم ومسئلہ نصوص یعنی کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے قیاس پر عمل کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہو تو اس صورت میں قیاس پر عمل کرنا تحری قبلہ کی مانند ہوگا جس طرح اگر کسی شخص کو کسی وجہ سے قبلہ کی سمت کا پتہ نہ چلے اور وہ نماز کے وقت غور وفکر اور تحری کر کے اپنے گمان غالب کے مطابق قبلہ کی کوئی سمت مقرر کر لے اور اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہوگی اگرچہ حقیقت میں قبلہ اس سمت نہ ہو اسی طرح قیاس پر عمل کرنے والا، مصیبت یعنی درست عمل کرنے والا ہوگا اگرچہ اس قیاس میں اس سے خطاء (غلطی) ہوگئی ہو۔

تین طرح کے قاضیوں کا بیان

2315- حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ تَوْبَةَ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ حَدَّثَنَا اَبُوهَاشِمٍ قَالَ لَوْلَا حَدِيثُ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ اثْنَانِ فِي النَّارِ وَوَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ رَجُلٌ عَلِمَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهِ فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ جَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ لَقُلْنَا اِنَّ الْقَاضِيَ اِذَا اجْتَهَدَ فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ

ابوہاشم کہتے ہیں اگر ابن بریدہ کی اپنے والد کے حوالے سے نقل کردہ یہ روایت نہ ہوتی۔ ''نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں دو جہنم میں جائیں گے ایک جنت میں جائے گا ایک وہ شخص جو حق کا علم حاصل کرے اور اس کے مطابق فیصلہ دے تو وہ جنت میں جائے گا۔ ایک وہ شخص جو جہالت ہونے کے باوجود لوگوں کے لیے فیصلہ دے وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ ایک وہ شخص جو فیصلہ دیتے ہوئے ظلم کرے وہ بھی جہنم میں جائے گا۔''

(ابوہاشم کہتے ہیں) تو ہم یہ کہتے کہ بے شک قاضی جب اجتہاد سے کام لیتا ہے تو وہ جنت میں جائے گا۔

2315: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3573

شرح

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص مسلمانوں کے منصب قضاء کا طالب اور خواستگار ہوا یہاں تک کہ اس نے اس کو حاصل بھی کر لیا اور پھر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں) اس کا عدل وانصاف ظلم پر غالب ہوگا تو جنت ملے گی اور اگر ظلم غالب ہوگا تو دوزخ ملے گی۔ لیکن علماء نے لکھا ہے کہ دونوں ہی صورتوں میں "غالب" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس درجہ کا ہو کہ دوسرے کے لئے رکاوٹ بن جائے۔ مثلاً اس کے عدل وانصاف کا وصف اس طرح حاوی ہو کہ اس کا ظلم سر نہ اٹھا سکے۔ یا اس کے ظلم کی خصلت اتنی حاوی ہو کہ اس کے مقابلہ پر اس کا عدل ظاہر نہ ہو سکے۔

بَاب لَا يَحْكُمُ الْحَاكِمُ وَهُوَ غَضْبَانُ

یہ باب ہے کہ کوئی بھی فیصلہ کرنے والا غصے کی حالت میں فیصلہ نہ دے

2316 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ وَاَحْمَدُ بْنُ ثَابِتٍ الْجَحْدَرِيُّ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ اَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِىْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَقْضِى الْقَاضِىْ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ قَالَ هِشَامٌ فِىْ حَدِيْثِهٖ لَا يَنْبَغِىْ لِلْحَاكِمِ اَنْ يَقْضِىَ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ

◆◆ عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: کوئی بھی قاضی غصے کے عالم میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ دے۔ ہشام نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

"فیصلہ کرنے والے کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ وہ غصے کے عالم میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ دے۔"

شرح

غصہ کی حالت میں چونکہ غور وفکر کی قوت مغلوب ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں مبنی بر انصاف کے فیصلے کا صادر ہونا محل نظر ہو جاتا ہے اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ کوئی حاکم وقاضی غیض وغضب کی حالت میں کسی قضیہ کا فیصلہ نہ کرے تا کہ اس کا غیض وغضب، اس کے غور وفکر اور اجتہاد میں رکاوٹ نہ بنے اور وہ منصفانہ فیصلہ دے سکے اسی طرح سخت گرمی سردی، بھوک پیاس اور بیماری کی حالت میں بھی کوئی حکم وفیصلہ نہ دے کیونکہ ان اوقات میں بھی حواس پوری طرح قابو میں نہیں ہوتے اور دماغ حاضر نہیں رہتا۔ لہذا اگر کوئی حاکم وقاضی ان احوال میں حکم وفیصلہ دے گا تو وہ کراہت کے ساتھ جاری ونافذ ہوگا۔

علامہ ابن القیم کہتے ہیں کہ مفتی سخت غصہ، یا زیادہ بھوک، یا زیادہ قلق، یا پریشان کن خوف وڈر، یا نیند کا غلبہ، یا پاخانہ پیشاب کی حاجت میں فتویٰ نہ دے، اسی طرح جب دل اور طرف لگا ہوا ہو، بلکہ جب آدمی یہ محسوس کرے کہ مذکورہ امور کی وجہ سے وہ اعتدال

2316: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 7158' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4465' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3589' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1334' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 5421' ورقم الحدیث: 5436

کی حالت سے باہر چلا گیا ہے، اور اس کی تحقیق وجستجو کی قدرت متاثر ہوگئی ہے، تو اس کو فتویٰ سے رک جانا چاہئے، اس پر بھی اگر وہ ان حالتوں میں فتویٰ دیتا ہے تو اس کا فتویٰ صحیح ہے لیکن اگر ایسی حالت میں فیصلہ کرتا ہے، تو کیا اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، یا نہیں نافذ ہوگا؟ اس بارے میں امام احمد کے مذہب میں تین اقوال ہیں: پہلا یہ کہ نافذ ہوگا، دوسرا یہ کہ نافذ نہیں ہوگا، تیسرا یہ کہ مسئلہ کو سمجھنے کے بعد اگر غصہ ہو تو اس میں نافذ ہوگا، اور اگر مسئلہ کے سمجھنے سے پہلے غصہ ہو تو نافذ نہیں ہوگا۔ (الروضۃ الندیۃ)

بَاب قَضِيَّةِ الْحَاكِمِ لَا تُحِلُّ حَرَامًا وَّلَا تُحَرِّمُ حَلَالًا

یہ باب ہے کہ قاضی کا فیصلہ کسی حرام چیز کو حلال یا حلال چیز کو حرام نہیں کرتا

2317 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اُمِّ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَّلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ وَّاِنَّمَا اَقْضِیْ لَكُمْ عَلٰی نَحْوِ مِمَّا اَسْمَعُ مِنْكُمْ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ شَيْئًا فَلَا يَاْخُذْهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ يَاْتِیْ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

◆◆ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ اپنے مقدمات لے کر آتے ہو میں بھی ایک انسان ہوں' ہوسکتا ہے! تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنا موقف پیش کرنے میں زیادہ تیز زبان ہو اور میں تم سے جو بات سنوں اس کے مطابق تمہارے لیے فیصلہ دے دوں' تو جس شخص کے حق میں' میں اس کے بھائی کے حق سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کا فیصلہ دوں' تو وہ اسے حاصل نہ کرے کیونکہ میں نے اس کے لیے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیا ہوگا' جسے وہ ساتھ لے کر قیامت کے دن آئے گا۔

شرح

جس شخص کیخلاف کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس شخص نے اس عورت کے ساتھ شادی کی ہوئی ہے اور وہ عورت ثبوت بھی پیش کردے' اور قاضی اس عورت کو اس کی بیوی قرار دیدے حالانکہ اس شخص نے اس عورت کے ساتھ شادی نہ کی ہو' تو وہ عورت اس مرد کے ساتھ رہ سکتی ہے اور اسے اپنے ساتھ صحبت کرنے دے سکتی ہے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور پہلے امام ابویوسف کی بھی یہی رائے تھی۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے' اور یہی امام محمد کی رائے بھی ہے: وہ مرد اس عورت کے ساتھ صحبت نہیں کرسکتا۔ امام شافعی بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے: قاضی نے ثبوت کے معاملے میں غلطی کی ہے' کیونکہ گواہوں نے اس کے ساتھ جھوٹ بولا تھا' تو یہ بالکل اسی طرح ہو جائے گا' جیسے اس (قاضی) کے سامنے یہ بات ظاہر ہو جائے وہ گواہ غلام تھے یا کافر

2317: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2458' ورقم الحدیث: 2680' ورقم الحدیث: 6967' ورقم الحدیث: 7169' ورقم الحدیث: 7181' ورقم الحدیث: 7185' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4448' ورقم الحدیث: 4450' ورقم الحدیث: 4451' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3583' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1339' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 5416' ورقم الحدیث: 5437

تھے۔ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: قاضی کے نزدیک گواہ سچے ہی شمار ہوں گے' اور وہ چیز حجت بنے گی' کیونکہ سچائی کی حقیقت پر مطلع ہونا عملاً ناممکن ہے' جبکہ کفر یا غلامی پر مطلع ہونے کا حکم اس کے خلاف ہے ان دونوں پر مطلع ہونا آسان ہے۔ جب فیصلے کی بنیاد ثبوت پر ہو اور اسے باطنی طور پر نافذ کرنا ممکن ہو یعنی نکاح کو برقرار رکھنا' تو اختلاف ختم کرنے کے لئے یہ فیصلہ نافذ تصور ہوگا۔ جبکہ ''املاک مرسلہ'' کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ اسباب میں تضاد پایا جاتا ہے' تو یہاں امکان نہیں ہے' تو باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (ہدایہ، کتاب نکاح، لاہور)

قضاء قاضی کے ظاہرا و باطنا نفاذ کا مطلب

بعض لوگ غلط فہمی اور جلد بازی میں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ قضاء قاضی کے ظاہرا و باطنا نفاذ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس حرکت پر اس سے باز پرس نہیں ہوگی۔ جب کہ یہ امام ابوحنیفہ کا موقف قطعاً نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ ایک شخص نے غلط اور جھوٹا دعویٰ کسی عورت سے نکاح کا کیا۔ اور اپنی تائید میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے۔ اور قاضی نے بھی اس عورت کے مدعی کے منکوحہ ہونے کا فیصلہ کر دیا تو اب قضاء قاضی کی وجہ سے وہ عورت اس کی منکوحہ ہو جائے گی اور اس شخص کو حق استمتاع حاصل ہو جائے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس شخص کو جھوٹا دعویٰ کرنے اور جھوٹے گواہ پیش کرنے کا گناہ ہوگا۔

قضاء قاضی کے ظاہرا و باطنا نفاذ کی شرطیں

قضاء قاضی کے ظاہرا و باطنا نفاذ کی کچھ شرطیں بھی ہیں یونہی اسے مطلق اور آزاد نہیں چھوڑا گیا ہے کہ جس معاملے میں جو شخص چاہے۔ جو بھی دعویٰ کر دیا اور جھوٹے گواہ پیش کر دے تو اس کے تعلق سے قضاء قاضی کا ظاہرا و باطنا نفاذ ہوگا۔ قضاء قاضی کے ظاہرا و باطنا نفاذ کی شرطیں یہ ہیں۔

قاضی کا وہ فیصلہ عقود یا فسوخ سے متعلق ہو یعنی کا دعویٰ کا عقد ہو، مثلاً یہ دعویٰ کہ میں نے اس سے نکاح کیا تھا یا فسخ کا دعویٰ ہو۔ مثلاً کوئی عورت دعویٰ کرے کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ لہٰذا اگر عقود و فسوخ کا دعویٰ نہ ہو تو قضاء قاضی باطنا نافذ نہیں ہوگی۔

املاک مرسلہ کے معنی و مفہوم و حکم کا بیان

(۱) املاک مرسلہ کا دعویٰ نہ ہو۔ املاک مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے لیکن ملکیت میں آنے کا سبب بیان نہ کرے ایسی املاک کا املاک مرسلہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص املاک مرسلہ کا دعویٰ کرے اور قاضی اس کے حق میں فیصلہ کر دے تو قضاء قاضی ظاہرا نافذ ہوگی باطنا نافذ نہیں ہوگی۔

(۲) معاملہ انشاء کا احتمال رکھتا ہو۔ یعنی اس بات کا احتمال ہو کہ وہ عقد اب قائم کر دیا جائے۔ مثلاً نکاح اور اگر وہ معاملہ انشاء کا احتمال نہ رکھتا ہو تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہرا نافذ ہوگا۔ باطنا نافذ نہ ہوگا مثلاً میراث کا دعویٰ۔ میراث ایک مرتبہ ورثاء کی

طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اس میں دوبارہ انشاء کا احتمال نہیں رہتا۔ مثلاً کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ مکان مجھے اپنے باپ کی میراث میں ملا تھا اور مدعیٰ علیہ انکار کر دے اور مدعی اس پر جھوٹا بینہ پیش کر دے اور قاضی اس بینہ کے مطابق مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ میراث کے اندر انشاء ممکن نہیں ہے۔

(۴) وہ معاملہ ""محل قابل للعقد"" ہو یعنی اگر اس محل میں ہی عقد قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ نہ ظاہراً نافذ ہوگا اور نہ باطناً۔ مثلاً کوئی شخص کسی محرم عورت کے بارے میں دعویٰ کرے کہ یہ میری منکوحہ ہے۔ تو اس صورت میں اگر وہ مدعی گواہ پیش کر دے اور قاضی فیصلہ بھی کر دے تب بھی اس کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً کسی طرح بھی نافذ نہیں ہوگا کیونکہ محل قابل للعقد ہی نہیں ہے۔

قاضی نے فیصلہ بینہ کی بنیاد پر یا مدعی کے نکول عن الیمین کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو۔ تب قاضی کا فیصلہ باطناً نافذ ہوگا۔ لیکن اگر قاضی نے مدعیٰ علیہ کی یمین کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو تو اس صورت مین قاضی کا فیصلہ ظاہراً نافذ ہوگا۔ باطناً نہیں۔ بہر حال ان مذکورہ شرائط کے ساتھ حنفیہ کے نزدیک قضاء قاضی ظاہراو باطناً نافذ ہوگا۔

عموی طور پر یہی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس طرح احناف نے چوپٹ دروازہ کھول دیا ہے کہ جس شخص کو کوئی عورت پسند آئے وہ جھوٹی گواہی کے ذریعہ اسے حاصل کر لے۔

یہ بظاہر قوی اعتراض معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت سطحی اعتراض ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مفروضہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ وہمی اور حقیقی۔

ایک مفروضہ تو وہ ہے جو بعض اندیشوں کی بنیاد پر قائم کیا لیکن اس کا وقوع نہیں ہوا وہ صرف خیال اور وہم کی حد تک محدود رہ گیا دوسرا مفروضہ وہ ہوتا ہے جو اندیشوں کی بنیاد پر ہی قائم کئے جاتے ہین لیکن وہ وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اور مفروضہ قائم کرنے والے کی رائے درست ہوتی ہے۔

ایک مثال دوں جب ہندوستان امریکہ صدر بش کے دور صدارت مین امریکا سے نیوکلیر معاہدہ کر رہا تھا تو بائیں بازو کی پارٹیاں شور مچا رہی تھیں کہ اس سے ہندوستان امریکہ کا محتاج اور دست نگر بن جائے گا اور بھی دنیا بھر کے اندیشے۔

لیکن یہ صرف خیال تک ہی رہا۔ بعض عالمی امور میں ہندوستان نے امریکہ سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی بات سامنے رکھی۔ ابھی ہندوستان نے اپنا سب سے بڑا دفاعی سودا کیا ہے۔ اس کے حصول کے لئے امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس کوشاں تھے۔ امریکہ صدر براک اوبامانیا اس کے لئے بڑی کوششیں بھی کیں لیکن ہندوستان نے اپنے مفادات کو دھیان میں رکھتے ہوئے فرانس کے جنگی جہاز رافیل کے حق میں یہ سودا کیا۔

امام صاحب کے تعلق سے جو لوگ شور مچاتے ہیں کہ انہوں نے چوپٹ دروازہ کھول دیا ہے وہ صرف اس سوال کا جواب دیں۔

مسلمانوں کی چودہ سو سالہ دور حکومت میں اقتدار کے در و بست پر حنفی قابض رہے ہیں۔ قاضی بھی عموماً حنفی رہے ہیں۔ حنفی فقہ

عمل رائج اوقت قانون رہی ہے۔ چاہے وہ عباسی خلافت ہو، سلجوقی حکومت، عثمانی حکومت ہو، مغلیہ حکومت ہو۔ ہمیں تاریخ میں ایسے کتنے واقعات ملتے ہیں کہ لوگ اس پر جری ہو گئے تھے کہ جس عورت کو دل چاہا اس کے تعلق سے جھوٹے گواہ پیش کر کے اسے حاصل کر لیتے تھے۔ تاریخ کا یہ طویل دورانیہ دیکھیں اور اس کے مقابل میں ہمیں ہزار دو ہزار بھی ایسے واقعات مل جائیں تو یہ اس طویل دورانیہ کے مقابلہ میں بہت کم ہوں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہزار دو ہزار تو بہت دور کی بات ہے۔ اس کا پانچ فیصد بھی تاریخ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخ کی یہ گواہی بتا رہی ہے کہ مخالفین کے جو اندیشے تھے وہ وہمی اور خیالی تھے۔ صداقت وحقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے علاوہ امام صاحب کے موقف میں چند دیگر باتیں بھی قابل غور ہیں۔

کسی شخص نے کسی عورت کے خلاف منکوحہ ہونے کا دعویٰ کر دیا اور قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا تو آپ کہتے ہیں کہ یہ عورت ظاہراً تو اس کی منکوحہ ہے لیکن باطناً اس کی منکوحہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں نکاح نہیں ہوا اور عورت پر واجب ہے کہ اس فیصلے کے بعد وہ اس شخص کو اپنے اوپر قدرت نہ دے اس لئے کہ حقیقت میں وہ اس کی منکوحہ نہیں ہے اور اگر وہ عورت اس شخص کو اپنے اوپر قدرت دیتی ہے اور حق زوجیت ادا کرنے کی اجازت دیتی ہے تو وہ خود گناہ گار ہوتی ہے اور اگر حق زوجیت ادا کرنے نہیں دیتی تو شوہر کو قاضی کی حمایت حاصل ہے۔ اس لئے کہ شوہر جا کر قاضی کی عدالت میں یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ عورت حق زوجیت ادا کرنے کی اجازت نہیں دے رہی ہے۔ اب قاضی شوہر کے حق میں ہی فیصلہ کرے گا۔ اور اگر وہ عورت شوہر کے پاس سے بھاگ جاتی ہے تو قاضی اس کو پکڑوا کر دوبارہ شوہر کے پاس بھیج دے گا۔ اس طرح وہ عورت ایک عذاب میں مبتلا ہو جائے گی اور اس کے پاس مخلصی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

اگر شوہر نے اس سے زبردستی وطی کر لی اور بچہ پیدا ہو گیا تو آپ کہیں گے کہ وہ بچہ ظاہر الثابت النسب ہے حقیقتاً ثابت النسب نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں وہ اپنے باپ کا وارث ہے باطناً وارث نہیں۔ اور اسی حالت میں جب کہ وہ عورت اس مدعی کے پاس تھی اگر اس عورت نے کسی اور سے نکاح کر لیا تو اس صورت میں قاضی اس کو زانیہ قرار دے گا اور اس کا وہ نکاح زنا میں شمار ہوگا۔ لیکن باطناً وہ نکاح درست ہے اور اس دوسرے شوہر سے اگر اس کے بچے ہو گئے تو وہ بچے ظاہر الثابت النسب نہیں اور باطناً الثابت النسب ہیں۔ یہی معاملہ وراثت وغیرہ کا بھی ہوگا۔ آپ کہیں گے کہ ایک بچہ ظاہراً وارث ہے اور دوسرا باطناً وارث ہے۔

احکام کے ظاہر پر عمل کرنے میں قاعدہ فقہیہ

احکام میں ظاہر پر عمل کیا جاتا ہے اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

اس کا ثبوت یہ اصل ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا ہم صبح سویرے ہی قبیلہ جہینہ کی بستیوں میں پہنچ گئے میں نے ایک آدمی پر حملہ کیا اس نے کہا ”لا الہ الا اللہ“ لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا، پھر مجھے اس فعل کے بارے میں کچھ تردد ہوا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کیا تم نے اس شخص کے کلمہ پڑھنے کے باوجود تم نے اسے قتل کردیا؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس نے اپنی جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا؟ جس سے تم کو پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں، رسول اللہ ﷺ بار بار یہی کلمات دہراتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کاش! میں اس وقت اسلام لایا ہوتا۔ الخ)

(صحیح مسلم، ج ۱، ص ۶۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس قاعدہ سے بہت سے مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ مثلا خاص کر حدود کے بارے میں کہ جب گواہوں کی شہادت پوری نہ ہو ،حالانکہ اگر تین گواہوں نے قسم کھا کر بھی کہا کہ ہم نے زنا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو حد ثابت نہ ہوگی اگرچہ ان کے نزدیک حقیقت یہی ہے کہ زنا ہوا ہے لیکن چونکہ گواہی کا نصاب چار گواہوں کا ہے اس لئے حکم حد ثابت نہ ہوگا بلکہ حد کا معاملہ اللہ کے سپرد کردیا جائے گا۔

قاعدہ، ہر وہ خیال جس کی غلطی ظاہر ہوجائے وہ قابل اعتبار نہیں ہوتا

ہر وہ خیال جس کی غلطی ظاہر ہوجائے وہ قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ (الفروق) (الاصول)

اس کا ثبوت یہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص روزے میں بھول سے کچھ کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔ (مسلم ج ۱ ص باب ان اکل الناسی)

اگر کسی روزہ دار نے بھول کر کھا پی لیا اور بعد میں اسے یاد آیا کہ وہ تو روزہ دار تھا تو اس کا روزہ نہ ٹوٹے گا کیونکہ بعد میں ظاہر ہونے والی غلطی قابل اعتبار نہ ہوگی۔

حضرت سیدنا امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی کو یہ سمجھتے ہوئے زکوٰۃ دی کہ وہ فقیر ہے بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو غنی ہے یا ہاشمی ہے یا کافر ہے یا اس نے اندھیرے میں زکوٰۃ دی پھر اس پر ظاہر ہوا کہ وہ اسکا باپ ہے یا اسکا بیٹا ہے تو ان صورتوں میں اس پر اعادہ واجب نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ ج ۱ ص ۲۱۸، رحمانیہ لاہور)

الفاظی کے سبب دلائل میں اضافہ کرنے کا بیان

2318 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَّلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَمَنْ قَطَعْتُ لَهٗ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ قِطْعَةً فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "میں بھی ایک انسان ہوں' ہو سکتا ہے' تم میں سے کوئی ایک شخص اپنے دلائل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ بہتر ہو' تو جس شخص کو میں اس کے بھائی کے حصے کی کوئی چیز دیدوں' تو میں نے اس کو جہنم کا ٹکڑا دیا ہوگا"۔

2318: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

"میں ایک انسان ہوں" کے ذریعہ اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ سہو اور نسیان کسی انسان سے بعید نہیں ہے اور انسان کی فطرت اور وضع بشری کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کسی معاملہ کے صرف اسی پہلو کو دیکھے جو ظاہری طور پر عیاں ہو اور اس کے متعلق اسی بات کو قبول کرے جو ایک کھلی ہوئی دلیل کی صورت میں اس کے سامنے آئے اور چونکہ میں بھی ایک انسان اور اس حیثیت سے وہ تمام احکام دعوارض مجھ پر بھی پیش آتے ہیں جو بشریت کا خاصہ ہیں اور جن کا تعلق انسانی جبلت سے ہے، لہٰذا جن معاملات میں مجھے وحی کے ذریعہ براہ راست بارگاہ الوہیت سے حقیقت رسی کی قوت عطا کی جاتی ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے مجھے تعلیم وہدایت دی جاتی ہے ان کے علاوہ دوسرے امور میں مجھے انہی ضابطوں اور قاعدوں کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے جن کی بنیاد انسانی عقل اور بشری تقاضوں پر ہے۔ چنانچہ جب میرے سامنے کوئی قضیہ آتا ہے تو میں اس کے ظاہری پہلوؤں کے مطابق ہی فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر مدعی اپنے دلائل اپنے گواہ اور اپنے زور بیان سے میرے سامنے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے اور اس نے جس چیز کا مطالبہ کیا ہے وہ اسی کا حق ہے تو میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں کہ ظاہری حکم کا تقاضہ یہی ہے اب اس کے بعد مدعی جانے کہ اگر حقیقت میں اس کا دعویٰ صحیح ہے اور جس چیز کا اس نے مطالبہ کیا ہے وہ اسی کا حق ہے تو وہ اپنی مراد پالے۔

لیکن اگر حقیقت میں اس کا دعویٰ صحیح نہ تھا اور جس چیز کا اس نے مطالبہ کیا تھا وہ اس کا حق نہیں تھا بلکہ کسی دوسرے کا حق تھا اور میں نے اس کے ظاہری دلائل وثبوت اور اس کی چرب زبانی اور قوت لسانی سے یہ سمجھا کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ اور اس کا مدعا اس کو دلوا دیا تو اس کو چاہئے کہ وہ اس چیز کو اپنے حق میں حلال نہ جانے بلکہ یہ سمجھ کر کہ یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو ملا ہے۔ اس سے اجتناب کرے۔

بَاب مَنِ ادَّعٰى مَا لَيْسَ لَهٗ وَخَاصَمَ فِيْهِ

یہ باب ہے کہ جو شخص ایسی چیز کا دعوے دار ہو جو اس کی ملکیت نہ ہو اور وہ اس بارے میں جھگڑا کرے

2319- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ عَبْدِ الْوَارِثِ بْنِ سَعِيْدٍ اَبُوْ عُبَيْدَةَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ اَبِيْهِ حَدَّثَنِي الْحُسَيْنُ بْنُ ذَكْوَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ اَنَّ اَبَا الْاَسْوَدِ الدِّيْلِيَّ حَدَّثَهٗ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰى مَا لَيْسَ لَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

◆◆ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

''جو شخص ایسی چیز کا دعوے دار ہو جو اس کی نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اسے جہنم اپنی مخصوص جگہ پر پہنچنے کے لیے تیار رہنا چاہئے''۔

2320- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ ثَعْلَبَةَ بْنِ سَوَاءٍ حَدَّثَنِيْ عَمِّيْ مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ مَطَرٍ

2319: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔ 2320: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 3598

ثَوْرُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعَانَ عَلٰی خُصُومَةٍ بِظُلْمٍ اَوْ يُعِينُ عَلٰی ظُلْمٍ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰی يَنْزِعَ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص کسی اختلافی معاملے میں ظلم کے طور پر کسی کی مدد کرتا ہے یا جو ظلم کے بارے میں کسی کی مدد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی حالت میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے الگ ہو جائے''۔

بَابُ الْبَيِّنَةِ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعٰی عَلَيْهِ

یہ باب ہے کہ دعویدار پر ثبوت فراہم کرنا لازم ہے
اور جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہے وہ قسم اٹھائے گا

2321- حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَنْبَاَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمِ ادَّعٰی نَاسٌ دِمَآءَ رِجَالٍ وَّاَمْوَالَهُمْ وَلٰكِنِ الْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعٰی عَلَيْهِ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''اگر لوگوں کو ان کے دعووں کی بنیاد پر ان کو دینا شروع کر دیا جائے' تو لوگ دوسروں کی جانوں اور مالوں کے بارے میں دعویٰ کرنے لگ جائیں گے' لیکن جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہو اس پر قسم اٹھانا لازم ہوگا''۔

شرح

امام نووی نے اپنی کتاب شرح مسلم میں لکھا ہے کہ بیہقی کی روایت میں جو حسن یا صحیح اسناد سے منقول ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (مذکورہ بالا حدیث میں بطریق مرفوع ان الفاظ کا اضافہ بھی منقول ہے کہ '' گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم کھانا اس شخص کا حق ہے جو انکار کرے یعنی مدعا علیہ۔ '' تشریح: لیکن قسم کھانا مدعا علیہ کا حق ہے '' کا مطلب یہ ہے کہ اگر فریق دوم یعنی مدعا علیہ، فریق اول یعنی مدعی کے دعویٰ سے انکار کرے اور مدعی اس سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس (مدعا علیہ) پر قسم کھانا ضروری ہے اس (مسلم کی) روایت میں مدعی سے گواہ طلب کرنے کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ یہ مدعی کا گواہ پیش کرنے کا ذمہ دار ہونا شریعت کا ثابت شدہ اور بالکل ظاہری ضابطہ ہے اس اعتبار سے گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ گواہ پیش کرنے کی ذمہ داری مدعی پر ہے اگر مدعی گواہ پیش نہ کرے تو پھر مدعا علیہ قسم اور جحد (انکار) کے ذریعہ اپنی صفائی پیش کرنے کا حق رکھتا ہے یہ مفہوم حضرت ابن عباس کی دوسری روایت سے ظاہر ہے۔

2321: اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2514' ورقم الحدیث: 2668' ورقم الحدیث: 4552' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4445' ورقم الحدیث: 4446' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3619' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1342' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 40

2322- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَا حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ فَجَحَدَنِي فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْيَهُودِيِّ احْلِفْ قُلْتُ إِذًا يَحْلِفُ فَيَذْهَبُ بِمَالِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ (إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرے اور ایک یہودی کے درمیان ایک زمین کا تنازع چل رہا تھا۔ اس نے میری بات کا انکار کیا میں اسے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟ میں نے جواب دیا: جی نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے فرمایا تم قسم اٹھاؤ! میں نے عرض کی: یہ تو قسم اٹھا لے گا اور میری زمین پر قبضہ کر لے گا' تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل کی۔

''بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے نام کے عہد اور اس کے نام کی قسم کے بدلے میں تھوڑی قیمت خریدتے ہیں۔''

شرح

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔(آل عمران ۷۷)

بیشک اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ ان سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر فرمائے گا اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک۔

جھوٹی قسم کے ذریعہ مال کمانے والے کے لئے عذاب

(۱) عبد الرزاق وسعید بن منصور واحمد وعبد بن حمید بخاری مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ ابن جریر ابن المنذر وابن ابی حاتم اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے ایسی قسم کھائی جس میں وہ جھوٹا ہے تاکہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال مارے تو (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوں گے اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی میں نے زمین واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا اس کو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے گیا مجھ سے رسول اللہ (صلی اللہ

2322: اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2515' ورقم الحدیث: 2516' ورقم الحدیث: 2266' ورقم الحدیث: 2267' ورقم الحدیث: 2356' ورقم الحدیث: 2357' ورقم الحدیث: 2416' ورقم الحدیث: 2417' ورقم الحدیث: 2673' ورقم الحدیث: 2676' ورقم الحدیث: 2677' ورقم الحدیث: 4549' ورقم الحدیث: 4550' ورقم الحدیث: 6659' ورقم الحدیث: 6660' ورقم الحدیث: 6676' ورقم الحدیث: 6677' ورقم الحدیث: 7183' ورقم الحدیث: 7184' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 353' ورقم الحدیث: 354' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3243' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1269

علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں پھر آپ نے یہودی سے فرمایا تو قسم کھالے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے اتارا لفظ آیت ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا۔

(۲) عبد بن حمید، بخاری، مسلم، اور ابن المنذر نے عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی بازار میں سودا لے کر کھڑا ہوا اور اللہ کی قسم کھانے لگا کہ اس نے اس مال کے اتنے پیسے دیئے تھے جبکہ اس نے اتنے پیسے نہیں دیئے تھے تاکہ مسلمان کو پھنسائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا۔

(۳) احمد، عبد بن حمید، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، طبرانی، بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عساکر نے عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ امرؤ القیس اور حضرموت کے ایک آدمی کے درمیان جھگڑا تھا اس معاملہ کو دونوں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے گئے آپ نے حضرمی سے فرمایا اپنے گواہ لے آ ورنہ وہ قسم کھالے گا حضرمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر اس نے قسم کھالی تو وہ میری زمین لے جائے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعہ اپنے بھائی کا حق مار لے اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوں گے امرؤ القیس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس کے لیے کیا ہے جو اس کو چھوڑ دے (یعنی اپنے حق کو) حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا حق ہے آپ نے فرمایا جنت (اس کو ملے گی) امرؤ القیس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ گواہ ہو جائیے کہ تحقیق میں نے اس (اپنے حق) کو چھوڑ دیا (اس پر) یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا آخری آیت تک۔

(۴) ابن جریر نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اشعث بن قیس اور ایک آدمی ایک زمین کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جھگڑا لے گئے جو اس آدمی کی زمین ان کے ہاتھ میں تھی جو انہوں نے زمانہ جاہلیت میں لی تھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا (اس آدمی سے) اپنے گواہ قائم کر اس آدمی نے کہا میرے پاس کوئی گواہ نہیں جو اشعث پر گواہی دے پھر آپ نے اشعث سے فرمایا کہ تیرے لیے قسم (کھانا) ہے اشعث نے عرض کیا ہم قسم کھائیں گے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت ان الذین یشترون بعھد اللہ (یہ آیت سن کر) اشعث پیچھے ہٹ گئے اور عرض کیا میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور میں تم لوگوں کو بھی گواہ بناتا ہوں کہ میرا مقابل سچا ہے اور اس کی زمین اس کو لوٹا دی اور اپنے پاس سے بہت زیادہ اس کو دے دی۔

(۵) ابن جریر نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے دن کے اول حصہ میں اپنا سامان فروخت کے لیے پیش کیا جب دن کا آخری حصہ (یعنی شام) ہوئی تو ایک آدمی آیا تاکہ اس سے سامان خریدے تو مالک نے قسم کھا کر کہا کہ دن کے اول حصہ میں اتنی قیمت پر اس نے سامان نہیں بیچا اگر شام نہ ہوتی تو میں اس کو اس بھاؤ کے ساتھ فروخت نہ کرتا (اس پر) اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا۔

(۶) ابن جریر نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا ابورافع کنانہ بن ابی تحقیق کعب بن الاشرف اور حیی بن اخطب کے بارے میں نازل ہوئی۔

(۷) ابن ابی شیبہ نے ابن عون کے طریق سے ابراہیم محمد اور حسن رحمۃ اللہ علیہم ان تینوں حضرات سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت ان الذین یشترون بعهد الله وایمانهم ثمنا قلیلا سے مراد وہ آدمی ہے جو کسی آدمی کے مال کو اپنی قسم کے ذریعہ مار لیتا ہے۔

(۸) مسلم، ابوداؤد، ترمذی نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضر موت سے اور ایک آدمی کندہ سے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آئے حضرمی نے کہا یا رسول اللہ! اس آدمی نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے جو میرے باپ کی تھی کندی نے کہا یہ زمین میرے قبضہ میں ہے میں اسے کاشت کرتا ہوں اس میں اس کا کوئی حق نہیں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت سے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہے اس نے کہا نہیں پھر فرمایا پس تیرے لیے اس کی قسم ہے (یعنی کندی اب قسم کھائے گا) حضرمی نے کہا نہیں پھر فرمایا پس تیرے لیے اس کی قسم کھانے کی پرواہ نہیں کرتا اور نہ ہی یہ کسی چیز سے ڈرتا ہے آپ نے فرمایا تیرے اس میں سے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں وہ آدمی چلا تاکہ قسم کھائے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جب اس نے پیٹھ پھیری کہ اگر اس نے ایسے مال پر قسم کھائی تاکہ وہ اس کو ظلم کے طور پر کھا جائے تو اللہ تعالیٰ سے وہ اس حال میں ملاقات کرے گا جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے اعراض کرنے والا ہوگا۔

(۹) ابوداؤد و ابن ماجہ نے اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی کندہ سے اور دوسرا حضر موت سے ایک زمین کے بارے میں جھگڑا لے کر آئے جو یمن میں تھی حضرمی نے کہا یا رسول اللہ! میری زمین اس کے والد نے غصب کر لی تھی اور اب وہ اس کے ہاتھ میں ہے آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہے عرض کیا نہیں لیکن میں قسم کھاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میری زمین کو اس کے باپ نے غصب کیا ہے کندی قسم کھانے کے لیے تیار ہو گیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کوئی آدمی اگر کسی کا مال قسم کے ذریعہ (ناحق) لے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ جذام والا ہوگا (یعنی اس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے) کندی نے (یہ سن کر) کہا یہ زمین اسی کی ہے۔

(۱۰) احمد البزار ابو یعلی طبرانی نے حسن سند کے ساتھ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے دو آدمیوں نے ایک زمین کے بارے میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جھگڑا کیا لیک ان میں سے حضر موت سے تھا آپ نے ایک پر قسم لازم فرمائی دوسرے نے شور مچا دیا اور کہا اب تو وہ میری زمین لے جائے گا آپ نے فرمایا اگر قسم کے ذریعہ ظلم کرتے ہوئے اس نے تیری زمین کو ہتھیا لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت نہیں کرے گا نہ اس کو پاک کرے گا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا راوی نے کہا دوسرا آدمی ڈر گیا اور زمین اس کو واپس کر دی۔

(۱۱) احمد بن منیع نے اپنی سند میں اور حاکم نے اس کو صحیح کہا اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایسا گناہ جس کا کفارہ نہیں ہوتا اس میں ہم یمین الغموس کو شمار کرتے تھے کہا گیا یمین غموس کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کوئی آدمی اپنی (جھوٹی) قسم کے ذریعہ کسی دوسرے آدمی کا مال مارے۔

(۱۲) ابن حبان، طبرانی، حاکم نے اس کو صحیح کہا حرث بن برصاء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی

اللہ علیہ وسلم) کو حج میں دو جمروں کے درمیان یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنی جھوٹی قسم کے ذریعہ اپنے بھائی کا مال مار لے تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے چاہیے کہ یہ حکم تمہارا حاضر آدمی اپنے غائب کو پہنچادے دو یا تین مرتبہ آپ نے ایسا فرمایا۔

(۱۳) البزار نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جھوٹی قسم مال کو لے جاتی ہے (یعنی مال کو برباد کر دیتی ہے)۔

جھوٹی قسم گھروں کو برباد کردیتی ہے

(۱۴) بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں سے سب سے جلدی عذاب لانے والا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سب سے جلدی ثواب لانے والی صلہ رحمی ہے اور جھوٹی قسم گھروں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

(۱۵) حرث بن ابی اسامہ اور حاکم نے (اس کو صحیح کہا) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس شخص نے کسی مسلمان آدمی کا مال جھوٹی قسم کے ذریعہ مار لیا تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے اس کو کوئی چیز نہیں مٹا سکتی اس نقطہ کو قیامت کے دن تک۔

(۱۶) الطبرانی اور حاکم نے اس کو صحیح کہا کعب بن مالک و ابن سعد احمد و نسائی ابن ماجہ نے جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلنان کا مال (جھوٹی) قسم کے ذریعہ مار لیا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیں گے اور اس کے لیے آگ واجب کر دیں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اگر چہ وہ مال تھوڑا سا ہو؟ آپ نے فرمایا اگر چہ ایک مسواک کیوں نہ ہو۔

(۱۷) ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ حارثی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان کا حق مار لیا اپنی جھوٹی قسم سے ساتھ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آگ کو واجب کر دیں گے اس پر جنت کو حرام کر دیں گے صحابہ کرام نے عرض کیا اگر چہ تھوڑی ہی چیز ہو یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اگر چہ ایک چھڑی ہو پیلو کے درخت سے (تین مرتبہ ایسا فرمایا)۔

(۱۸) ابن ماجہ، ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کوئی غلام یا باندی اس منبر کے پاس جھوٹی قسم کھاتی ہے اگر چہ ایک تر مسواک پر ہو تو اس کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔

(۱۹) عبدالرزاق نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے میرے اس منبر کے پاس جھوٹی قسم کھائی تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے اگر چہ ایک سبز مسواک پر کیوں نہ ہو ابو عبیدہ وخطابی رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں منبر کے پاس جھوٹی قسم کھائی جاتی تھی۔

(۲۰) عبدالرزاق نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جھوٹی قسم سامان کو گم کر دیتی ہے (یعنی بکوا دیتی ہے) اور کمائی کو مٹا دیتی ہے۔

(۲۱) عبدالرزاق وعبد بن حمید، ابوداؤد وابن جریر اور حاکم نے اس کو صحیح کہا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور وہ کہا کرتے تھے کہ جس شخص نے اپنے بھائی کا مال مار لینے کے لیے جھوٹی قسم کھائی تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنا لے ایک کہنے والے نے ان سے کہا کیا یہ ایسی چیز ہے جو تو نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنی ہے؟ تو فرمایا بلاشبہ تم اس کو ضرور پاؤ گے پھر یہ آیت پڑھی۔ لفظ آیت ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم۔

جھوٹی قسم کھانا بڑا گناہ ہے

(۲۴) بخاری نے ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ دو عورتیں گھر میں جوتا سی رہی تھیں ستال (جس سے سوراخ کرتے ہیں) اس کے ہاتھ سے آر پار نکل گئی تو اس نے دوسری پر دعویٰ کر دیا مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے لے جایا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اگر لوگوں کو ان دعویٰ کے مطابق دے دیا جائے تو چلا جائے گا قوم کا خون اور ان کا مال جس میں وہ اللہ کے نام کی قسم اٹھائیں اور اس کا اقرار کریں پھر یہ آیت پڑھی لفظ آیت ان الذین یشترون بعھد اللہ لوگوں نے اس کے سامنے اس کا ذکر کیا اس عورت نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

(۲۵) عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن المنذر نے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ جھوٹی قسم کھانا بڑے گناہوں میں سے ہے پھر یہ آیت پڑھی لفظ آیت ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا۔

(۲۶) ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم یہ جانتے تھے جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہوتے تھے کہ بلاشبہ وہ گناہ جس کی مغفرت نہیں کی جائے گی وہ جھوٹی قسم ہے جس میں قسم اٹھانے والا جھوٹا ہو۔

(۲۷) ابن ابی حاتم نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے قرآن اس لیے پڑھا تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں سے مال حاصل کرے تو اس حال میں اللہ تعالیٰ کے پاس آئے گا کہ اس کا چہرہ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ہوگا یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا۔

(۲۸) ابن ابی شیبہ نے مصنف میں زاذان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن اس لیے پڑھا تاکہ اس کے ذریعہ (لوگوں سے مال) لے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ ایک ہڈی ہوگا جس پر گوشت (نہ) ہوگا۔

(۲۹) احمد، عبد بن حمید، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے شعب الایمان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف دیکھیں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا چادر کو (بطور تکبر کے) نیچے لٹکانے والا اپنے سامان کو جھوٹی قسم کے ساتھ بیچنے والا اور احسان جتانے والا۔

(۳۰) عبدالرزاق، احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے الاسماء والصفات میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں فرمائیں گے نہ ان کی طرف دیکھیں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا ایک وہ آدمی جس

نے کسی مسافر کو زائد پانی (جو اس کی ضرورت سے زائد تھا) نہ دیا اور دوسرا وہ آدمی جس نے عصر کے بعد اپنے سامان پر جھوٹی قسم کھائی دوسرے آدمی نے اس کی بات کو سچا قرار دیتے ہوئے اس کو خرید لیا اور تیسرا وہ آدمی جس نے کسی امام کی بیعت کی اگر وہ اس کو کچھ دے تو اس کی وفاداری کرے اور اگر اس کو کچھ نہ دے تو اس کی وفاداری نہ کرے۔

(۳۱) بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے کوئی بات نہیں کریں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا بوڑھا زنا کرنے والا محتاج تکبر کرنے والا اور وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے سامان دیا ہو پھر اس کو قسم کے ساتھ بیچتا ہے اور قسم کے ساتھ خریدتا ہے۔

(۳۲) طبرانی اور حاکم نے اس کو صحیح کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اجازت دی ہے کہ میں ایسے مرغے کے بارے میں بیان کروں کہ اس کی گردن عرش کے نیچے جھکی ہوئی ہے اور وہ کہتا ہے اے ہمارے رب تو پاک ہے کتنی تیری شان بلند ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ وہ شخص میرے نام کی جھوٹی قسم کھاتا ہے۔ (تفسیر درمنثور، سورہ آل عمران، لاہور)

زمین کے بارے میں فیصلے کا بیان

حضرت اشعث ابن قیس سے روایت ہے کہ قبیلہ کندہ کا ایک شخص اور حضرموت کا ایک شخص دونوں یمن کی ایک زمین کے بارے میں اپنا قضیہ لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرمی نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! اس شخص کے باپ نے میری زمین مجھ سے چھین لی تھی اور اب وہ اس کے قضیہ میں ہے" (میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری وہ زمین مجھ کو واپس دلوائی جائے) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا کہ " کیا تمہارے پاس گواہ ہیں (جو گواہی دے سکیں کہ وہ زمین واقعۃً تمہاری تھی؟) اس نے عرض کیا کہ " نہیں! لیکن میں اس سے اللہ کی قسم کھلوا کر یہ اقرار کراؤں گا کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ زمین میری (حضرمی کی) ہے جس کو اس کے باپ نے مجھ سے چھین لیا ہے۔" چنانچہ وہ (کندی) قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا (اور جب قسم کھانے چلا) تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (یاد رکھو) جو بھی شخص (جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال ہڑپ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوگا۔" کندی نے یہ (سن کر) کہا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ) وہ زمین اسی شخص کی ہے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 901)

(الالقی اللہ وھو اجذم)، جذام ایک مشہور بیماری کا نام ہے جس میں اعضائے جسمانی سڑ گل جاتے ہیں ویسے لغت میں "جذام" کی اصل "جذم" ہے جس کے معنی ہیں " کاٹنا" جلدی سے کاٹنا۔ "نیز یہ لفظ قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے یا کٹے ہوئے ہاتھ " کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں حدیث میں یہ لفظ " قطع ید " ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے مراد ہے " برکت ہونا اور بھلائی سے خالی ہونا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا: (من تعلم القرآن ثم نسیہ لقی اللہ وھو اجذم) یعنی جس شخص نے قرآن سیکھا (یاد کیا) پھر اس کو بھول گیا تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔ یعنی بے "

برکت۔ "بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہاں اجذم سے مراد "مقطوع الحجۃ" (بے دلیل) ہے یعنی وہ شخص اس حال میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگا کہ اس کے پاس نہ تو اپنے دین ودیانت کی اور اللہ ترسی وحقوق شناسی کی بظاہر کوئی دلیل ہوگی جس سے وہ اپنی نجات کا راستہ تلاش کر سکے اور نہ اس کے پاس ایسی زبان ہوگی جس کے ذریعہ وہ عرض معروض کی جرأت کر سکے۔

بَاب مَنْ حَلَفَ عَلٰی يَمِيْنٍ فَاجِرَةٍ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالًا

یہ باب ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم اٹھائے تا کہ اس کے ذریعے کسی کا مال ہڑپ کر لے

2323 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَّاَبُوْ مُعَاوِيَةَ قَالَا حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی يَمِيْنٍ وَّهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "جو شخص کوئی قسم اٹھائے اور وہ اس میں جھوٹا ہو جس کے ذریعے وہ کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرنا چاہتا' تو وہ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا' تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا"۔

2324 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ كَثِيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَخَاهُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ كَعْبٍ اَنَّ اَبَا اُمَامَةَ الْحَارِثِیَّ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَقْتَطِعُ رَجُلٌ حَقَّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَاَوْجَبَ لَهُ النَّارَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا قَالَ وَاِنْ كَانَ سِوَاكًا مِّنْ اَرَاكٍ

حضرت ابوامامہ حارثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے' جو شخص اپنی قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا مال ہتھیا لے گا اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اس کے لیے جہنم کو لازم کر دے گا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر چہ وہ (ہتھیائی جانے والی) چیز بہت تھوڑی سی ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ وہ پیلو کے درخت کی مسواک ہو۔

بَاب الْيَمِيْنِ عِنْدَ مَقَاطِعِ الْحُقُوْقِ

یہ باب ہے کہ جس جگہ حقوق منقطع ہو جاتے ہیں' وہاں قسم اٹھانا

2325 - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ ح و حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ ثَابِتٍ الْجَحْدَرِیُّ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيْسٰی قَالَا حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ هَاشِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نِسْطَاسٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

2324: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 351' ورقم الحدیث: 352' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 5434

2325: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3246

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بِیَمِیْنِ اٰثِمَۃٍ عِنْدَ مِنْبَرِی ہٰذَا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ وَلَوْ عَلٰی سِوَاکٍ اَخْضَرَ

◆◆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص میرے اس منبر کے پاس جھوٹی قسم اٹھائے گا' وہ جہنم میں اپنی جگہ پر پہنچنے کے لیے تیار رہے اگر چہ وہ سبز مسواک کے بارے میں ہو''۔

شرح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھوٹی قسم کھانا زیادہ سخت گناہ ہے، اگر چہ ہر جگہ جھوٹی قسم کھانا خود ایک سخت گناہ ہے، بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ مدعی کو اختیار ہے جہاں پر چاہے اور جن الفاظ سے چاہے مدعی علیہ سے قسم لے سکتا ہے، اور بعضوں نے کہا: صرف عدالت میں قسم ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانا کافی ہے، اس سے زیادہ کے لئے مدعی جبر نہیں کر سکتا۔

جھوٹی قسم اٹھانے کی مذمت کا بیان

2326 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیٰی وَزَیْدُ بْنُ اَخْزَمَ قَالَا حَدَّثَنَا الضَّحَّاکُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ یَزِیْدَ بْنِ فَرُّوْخَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیٰی وَہُوَ اَبُوْیُوْنُسَ الْقَوِیُّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَۃَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا ہُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحْلِفُ عِنْدَ ہٰذَا الْمِنْبَرِ عَبْدٌ وَّلَا اَمَۃٌ عَلٰی یَمِیْنٍ اٰثِمَۃٍ وَّلَوْ عَلٰی سِوَاکٍ رَطْبٍ اِلَّا وَجَبَتْ لَہُ النَّارُ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اس منبر کے پاس کوئی غلام یا کنیز کوئی جھوٹی قسم اٹھائیں گے خواہ وہ قسم ایک تر مسواک کے بارے میں ہو' تو اس کے لیے جہنم واجب ہو جائے گی''۔

بَاب بِمَا یُسْتَحْلَفُ اَہْلُ الْکِتَابِ

یہ باب ہے کہ اہل کتاب سے کن الفاظ میں حلف لیا جائے گا؟

2327 - حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِیَۃَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُرَّۃَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَا رَجُلًا مِّنْ عُلَمَآءِ الْیَہُوْدِ فَقَالَ اَنْشُدُکَ بِالَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرَاۃَ عَلٰی مُوْسٰی

◆◆ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علمائے یہود سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کو بلایا

2326-اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2327'اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4415' ورقم الحدیث: 4416' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4447' ورقم الحدیث 4448' اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2558

اور فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں! جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔

2328- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ مُجَالِدٍ أَنْبَأَنَا عَامِرٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيَهُودِيَّيْنِ أَنْشُدُكُمَا بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یہودیوں سے فرمایا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں! جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔

اسلام کے سوا کسی مذہب کی قسم اٹھانے کا بیان

حضرت ثابت ابن ضحاک کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم کھائے۔ تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے کہا، اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو اور جس شخص نے (دنیا میں) اپنے آپ کو کسی چیز (مثلاً چھری وغیرہ) سے ہلاک کر لیا تو وہ قیامت کے دن اسی چیز کے عذاب میں مبتلاء کیا جائے گا۔ (یعنی اگر کسی شخص نے چھری گھونپ کر خودکشی کر لی تو قیامت میں اس کے ہاتھ میں وہی چھری دی جائے گی جس کو وہ اپنے جسم میں گھونپتا رہے گا اور جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے نجات کا حکم نہ ہوگا وہ مسلسل اسی عذاب میں مبتلا رہے گا اور جس شخص نے کسی مسلمان پر لعنت کی تو وہ (اصل گناہ کے اعتبار سے) ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا ہو، اور اسی طرح جس شخص نے کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائی تو گویا اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا (کیونکہ کفر کی تہمت لگانا اسباب قتل سے ہے لہٰذا کفر کی تہمت قتل کر دینے کی مانند ہے) اور جھوٹا دعویٰ کرے تاکہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مال و دولت میں کمی کر دے گا۔ (بخاری ومسلم مشکوٰۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 592)

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے مثلاً یوں قسم کھائی کہ اگر میں فلاں کام کروں تو یہودی یا نصرانی ہوں، یا دین اسلام سے یا پیغمبر اسلام سے اور یا قرآن سے بیزار ہوں۔ اور پھر اس نے اس کے برخلاف کیا یعنی قسم کو جھوٹی کر دیا، بایں طور کہ اس نے وہ کام کر لیا جس کے نہ کرنے کی اس نے قسم کھائی تھی تو وہ ایسا ہی یہودی و نصرانی ہو گیا یا دین اسلام یا پیغمبر اسلام یا قرآن سے بیزار ہو گیا کیونکہ قسم دراصل اس کام کو روکنے کے واسطے ہوتی ہے جس کے لئے وہ قسم کھائی گئی ہے۔ لہٰذا قسم کا سچ ہونا تو یہ ہے کہ قسم کھانے والا وہ کام نہ کرے اور اگر وہ اس کام کو کرے گا تو اپنی قسم میں جھوٹا ہوگا تو لامحالہ ویسا ہی ہوگا جیسا کہ اس نے کہا ہے۔

حدیث کے اس ظاہری مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا محض قسم کھانے کی وجہ سے اس قسم کو توڑنے کے بعد کافر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس طرح کی قسم کھا کر ایک صریح حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر اس قسم کو جھوٹی کر کے گویا کفر کو برضا و رغبت اختیار کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بتانا ہو کہ اس طرح کی قسم کھانے والا واقعۃً یہودی وغیرہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی مراد بطور تہدید و تنبیہ یہ ظاہر کرنا ہو کہ وہ شخص یہودیوں وغیرہ کی مانند عذاب کا مستوجب ہوتا ہے، چنانچہ اس کی نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ (من ترک الصلوۃ فقد کفر) (یعنی جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو

2328: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4450' ورقم الحدیث: 4452' ورقم الحدیث: 4453' ورقم الحدیث: 4454

گیا) اس ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ نماز چھوڑنے والا کافروں کے عذاب سے مستوجب ہوتا ہے۔ اب ہی یہ بات کہ اس طرح قسم کھانا اگرچہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھا ہی لے تو کیا شرعی طور پر اس کو قسم کہیں گے اور کیا اس قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور بعض علماء کا قول تو یہ ہے کہ یہ قسم ہے اور اگر اس قسم کو توڑا جائے گا تو اس شخص پر کفارہ واجب ہوگا۔

ان کو دلیل ہدایہ وغیرہ میں منقول ہے۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس طرح کہنے پر قسم کا اطلاق نہیں ہوگا یعنی شرعی طور پر اس کو قسم نہیں کہیں گے اور جب یہ قسم ہی نہیں ہے تو اس کو توڑنے پر کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا، ہاں اس طرح کہنے والا سخت گناہگار ہوگا خواہ وہ اپنی بات کو پورا کرے یا توڑ ڈالے۔

دوسرے مذہب کی قسم کے سبب کافر ہونے کا بیان

درمختار میں لکھا ہے کہ (مذکورہ بالا مسئلہ میں) زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا (اس قسم کے برخلاف عمل کرنے کی صورت میں کافر نہیں ہوجاتا خواہ وہ اس طرح کا تعلق گذرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ سے ہو بشرطیکہ وہ اس طرح کہنے کے بارے میں قسم ہی کا اعتقاد رکھتا ہو لیکن اگر وہ اس قسم کے ہونے سے لاعلم ہو اور اس اعتقاد کے ساتھ یہ الفاظ ادا کرے کہ اس طرح کہنے والا اپنی بات کو جھوٹا ہونے کی صورت میں کافر ہوجاتا ہے تو خواہ وہ اس بات کا تعلق گذرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ میں کسی شرط کے پورا ہونے کے ساتھ وہ دونوں ہی صورتوں میں کفر کو خود برضا و رغبت اختیار کرنے کی وجہ سے کافر ہوجائے گا۔

اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص یوں کہے" اگر میرا فلاں عزیز صحت یاب ہوجائے تو میں فلاں غلام آزاد کردوں گا، جب کہ ہو فلاں غلام درحقیقت اس کی ملکیت میں نہ ہو، تو اس صورت میں اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، اگر اس کے بعد وہ غلام اس کی ملکیت ہی میں کیوں نہ آجائے ہاں اگر اس نے آزادی کو ملکیت کے ساتھ مشروط کردیا یعنی یوں کہا کہ "اگر میرا فلاں عزیز صحت یاب ہوگیا اور فلاں غلام میری ملکیت میں آگیا یا فلاں غلام کو میں نے خرید لیا تو میں اس کو آزاد کردوں گا" تو اس صورت میں وہ غلام ملکیت میں آنے کے بعد یا خریداری کے بعد اس نذر کے مطابق آزاد ہوجائے گا۔

تا کہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو۔ یہ اکثر کے اعتبار سے دعویٰ کی علت و سبب کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر لوگ محض اپنے مال و دولت میں اضافہ کی خاطر جھوٹے وعدے کرتے ہیں مذکورہ ثمرہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مال میں کمی کر دیا جانا) مرتب ہوگا۔ جھوٹے وعدے کا مذکورہ ثمرہ محض مال و دولت ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہی ثمرہ ان لوگوں کے حق میں بھی مرتب ہوتا ہے جو اپنے احوال و فضائل اور کمالات کے بارے میں محض اس مقصد سے جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ عام انسانوں کی نظروں میں ان کا جاہ و مرتبہ زیادہ سے زیادہ بڑھے۔

بَابُ الرَّجُلَانِ يَدَّعِيَانِ السِّلْعَةَ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ

یہ باب ہے کہ جب دو آدمی ایک سامان کے بارے میں دعویٰ کریں اور ان کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو

2329- حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ خِلَاسٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّ رَجُلَيْنِ ادَّعَيَا دَابَّةً وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ فَأَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْتَهِمَا عَلَى الْيَمِينِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: دو آدمیوں نے ایک جانور کے بارے میں دعویٰ کیا' لیکن ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو یہ ہدایت کی وہ قسم اٹھا کر اس میں سے آدھا آدھا حصہ لے لیں۔

شرح

اس کی صورت یہ ہے کہ جانور ایک تیسرے شخص کے پاس ہو اور دو شخص اس کا دعویٰ کریں، اور تیسرا شخص کہے کہ میں اصل مالک کو نہیں پہچانتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے، اور امام شافعی کے نزدیک وہ جانور تیسرے کے پاس رہے گا، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں دعوے داروں کو آدھا آدھا بانٹ دیں گے، اسی طرح اگر دو شخص ایک چیز کا دعویٰ کریں، اور دونوں گواہ پیش کریں اور کوئی ترجیح کی وجہ نہ ہو تو اس چیز کو آدھا آدھا بانٹ دیں گے، (ابوداود، حاکم، بیہقی)۔

دونوں مدعیان کو نصف نصف تقسیم کردینے کا بیان

2330-حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا رَوْحُ ابْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي مُوسٰى أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَصَمَ إِلَيْهِ رَجُلَانِ بَيْنَهُمَا دَابَّةٌ وَلَيْسَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةٌ فَجَعَلَهَا بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی ایک جانور کے بارے میں مقدمہ لے کر آئے ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی کوئی ثبوت نہیں تھا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جانور دو حصوں میں ان دونوں کے لیے کر دیا (یعنی دونوں کو آدھے آدھے جانور کا مالک قرار دیا)

شرح

حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعویٰ کیا (یعنی ہر ایک نے کہا یہ اونٹ میرا ہے) اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے (اپنے دعویٰ کے ثبوت میں) دو دو گواہ

2329: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3616' ورقم الحدیث: 3617' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث: 2364

2330: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3613' ورقم الحدیث: 3614' ورقم الحدیث: 3615' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 5439

پیش کئے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان دونوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا۔ (ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت نیز نسائی و ابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعویٰ کیا لیکن ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا۔

(ابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 898)

اس اونٹ کو ان دونوں میں آدھوں آدھ تقسیم کر دیا۔" کے بارے میں خطابی کہتے ہیں کہ شاید وہ اونٹ دونوں کے قبضے میں ہوگا۔ اور ملا علی قاری کہتے ہیں کہ۔ یا وہ اونٹ کسی ایسے تیسرے آدمی کے قبضہ میں ہوگا جو اس اونٹ کے بارے میں ان دونوں سے کوئی تنازعہ رکھتا تھا۔ پہلی روایت میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ دونوں مدعی اپنے اپنے گواہ رکھتے تھے جب کہ دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھے؟ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ دونوں روایتوں میں مذکورہ قضیے الگ الگ ہوں اور یہ بھی کوئی بعید نہیں ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ رکھتا ہوں اور دوسری روایت میں حقیقت حکم کا بیان ہے کہ جب دونوں نے گواہ پیش کئے تو دونوں کی گواہیاں باہم متعارض ہونے کی بنا پر ساقط قرار پائیں لہٰذا وہ دونوں ہی ایسے دو مدعیوں کی مانند ہوئے جو گواہ نہ رکھتے ہوں۔" اس اعتبار سے "ان دونوں میں کسی کے پاس گواہ نہیں تھے۔" کے معنی یہ ہونگے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک۔ کے پاس بھی اس طرح کے گواہ نہیں تھے جن کو دوسرے کے گواہوں پر ترجیح دی جا سکتی ہو۔" اس اونٹ کو ان دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا" کے بارے میں ابن ملک کہتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر دو آدمی کسی ایک چیز کی ملکیت کا دعویٰ کریں اور ان میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں یا ان میں سے ہر ایک کے پاس گواہ ہوں اور وہ چیز دونوں کے قبضے میں ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی قبضے میں نہ ہوں تو اس چیز کو ان دونوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کیا جائے۔ اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں کا ایک جانور کے بارے میں تنازعہ ہوا (کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس جانور کو اپنی ملکیت کہتا تھا) اور ان دونوں کے پاس گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قسم کھانے پر قرعہ ڈال لو (جس کے نام قرعہ نکل آئے وہ قسم کھا کر کہے کہ یہ جانور میرا ہے) اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

اس روایت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ اس روایت کے حکم کی مانند ہے جو پہلی فصل کے آخر میں ذکر کی گئی ہے اور جس کو حضرت ابوہریرہ ہی نے نقل کیا ہے۔

بَاب مَنْ سُرِقَ لَهُ شَيْءٌ فَوَجَدَهُ فِي يَدِ رَجُلٍ اشْتَرَاهُ

یہ باب ہے کہ جس شخص کی کوئی چیز چوری ہو جائے اور وہ اس چیز کو کسی ایسے شخص کے پاس پائے جس نے اسے خریدا تھا

2331 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ

2331: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اَبِيهِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ضَاعَ لِلرَّجُلِ مَتَاعٌ اَوْ سُرِقَ لَهُ مَتَاعٌ فَوَجَدَهُ فِي يَدِ رَجُلٍ يَبِيعُهُ فَهُوَ اَحَقُّ بِهِ وَيَرْجِعُ الْمُشْتَرِي عَلَى الْبَائِعِ بِالثَّمَنِ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جب کسی شخص کا کوئی سامان ضائع ہو جائے یا اس کی کوئی چیز چوری ہو جائے اور پھر وہ اس چیز کو کسی ایسے شخص کے پاس پائے جس نے اسے خرید لیا تھا' تو وہ (یعنی اس چیز کا مالک) اس چیز کا زیادہ حقدار ہوگا' اور خریدار فروخت کرنے والے سے (اپنی ادا شدہ) رقم واپس لے گا''۔

شرح

حضرت سمرۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا مال بعینہ کسی کے پاس دیکھے تو وہ اس کو لے لینے کا حقدار ہے اور اس کو خریدنے والا اس شخص کا پیچھا کرے جس نے اسے بیچا ہے (احمد ابوداؤد نسائی، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 170)

حدیث کے مفہوم کا حاصل یہ ہے کہ مثلا ایک شخص نے کسی کا کوئی مال غصب کیا یا کسی کی کوئی چیز چوری کی یا کسی شخص کی کوئی گمشدہ چیز اس کے ہاتھ لگ گئی اور اس نے وہ چیز کسی دوسرے شخص کو بیچ دی تو اب اگر مالک اپنی وہ چیز خریدنے والے کے پاس دیکھے تو اسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی چیز اس سے لے لے اور خریدنے والے نے وہ چیز جس سے خریدی ہے اس کا پیچھا کر کے اس سے اپنی قیمت واپس لے لے۔

مفلس ہو جانے والے کے لئے اپنا مال خریدنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص مفلس ہو جائے اور وہ شخص (کہ جس نے اس کے ہاتھ اپنے مال بیچا تھا اس کے پاس اپنا مال بعینہ پائے تو وہ کسی دوسرے کے مقابلے میں اس مال کا زیادہ حق دار ہے۔

(مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 123)

اس ارشاد گرامی کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ زید نے بکر سے کوئی مال خریدا مگر اس کی قیمت ابھی ادا نہیں کر پایا تھا کہ مفلس ہو گیا اور حاکم وقاضی نے بھی اس کے مفلس ودیوالیہ ہو جانے کا فیصلہ کر دیا اب بکر (یعنی بیچنے والے) نے دیکھا کہ زید کے پاس اس کا بیچا ہوا مال جوں کا توں موجود ہے یعنی نہ تو وہ ظاہری طور پر ضائع وہلاک ہوا ہے اور نہ تصرفات شرعیہ مثلا ہبہ ووقف کے ذریعہ معنوی طور پر ختم ہوا ہے تو اس صورت میں بکر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی کی ہوئی بیع کو فسخ کر دے اور زید سے اپنا مال واپس لے لے کیونکہ دوسرے قرض خواہوں کی بہ نسبت وہ مقدم ہے لہذا بجائے اس کے کہ وہ مال دوسرے قرض خواہ زید سے لیں بکر اس کے لینے کا زیادہ حق دار ہے۔ اور اگر زید نے مال کی خریداری کے وقت قیمت کا کچھ حصہ ادا کر دیا ہو اور بقیہ حصہ ادا کرنے سے پہلے مفلس ودیوالیہ ہو گیا ہو تو اس صورت میں بکر اس مال کی اتنی ہی مقدار لے جو قیمت کے بقیہ حصہ کے بقدر ہو۔

چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا یہی مسلک ہے ان حضرات کی طرف سے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا

جاتا ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک چونکہ اس صورت میں بیچنے والے کو نہ تو بیع فسخ کر دینے کا اختیار ہے اور نہ وہ مال واپس لے لینے کا حق اسے پہنچتا ہے اس لئے حنفیہ اس حدیث کو عقد بالخیار پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ بیع اس شرط کے ساتھ ہوئی ہو کہ بیچنے والے کو فلاں مدت تک اس بیع کو فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا چنانچہ بیع کے بعد اگر خریدار مفلس و دیوالیہ ہو جائے اور مدت خیار کے اندر بائع (بیچنے والا) کو معلوم ہو گیا کہ خریدار مفلس و دیوالیہ ہو گیا ہے تو اب اس کے لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ بیع کو فسخ کر دے اور اپنا مال واپس لے لے۔

بَاب الْحُكْمِ فِيمَا اَفْسَدَتِ الْمَوَاشِي

یہ باب ہے کہ جانور جو نقصان کر دیتے ہیں اس کے بارے میں فیصلہ

2332- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ الْمِصْرِيُّ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ ابْنَ مُحَيِّصَةَ الْاَنْصَارِيَّ اَخْبَرَهُ اَنَّ نَاقَةً لِلْبَرَاءِ كَانَتْ ضَارِيَةً دَخَلَتْ فِي حَائِطِ قَوْمٍ فَاَفْسَدَتْ فِيهِ فَكُلِّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فَقَضٰى اَنَّ حِفْظَ الْاَمْوَالِ عَلٰى اَهْلِهَا بِالنَّهَارِ وَعَلٰى اَهْلِ الْمَوَاشِي مَا اَصَابَتْ مَوَاشِيهِمْ بِاللَّيْلِ

◆◆ حضرت ابن محیصہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت براء رضی اللہ عنہ کی ایک اونٹنی جو بڑی سرکش تھی وہ کسی شخص کے باغ میں داخل ہوئی اس نے وہاں بہت نقصان پہنچایا اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا: دن کے وقت اپنے اموال کی حفاظت کرنا ان کے مالکان پر لازم ہے اور رات کے وقت جانور جو نقصان کریں گے اس کی ادائیگی جانور کے مالک پر لازم ہوگی۔

شرح

ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور دن میں کسی کے باغ کو خراب کر دے تو اس کا تاوان جانور کے مالک پر نہیں آتا کیونکہ دن میں باغ کی حفاظت کرنا باغ والے کی ذمہ داری ہے لہٰذا یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے کہ اس نے اپنے باغ کی نگہبانی کیوں نہیں کی اور کسی جانور کو باغ میں کیوں گھسنے دیا۔

اور اگر کوئی جانور رات میں کسی کے باغ کو نقصان پہنچائے تو اس کا تاوان اس جانور کے مالک پر واجب ہوگا کیونکہ یہ جانور کے مالک کا قصور ہے کہ جب رات میں اپنے جانوروں کی نگہبانی اس کے ذمہ ہے تو اس نے اپنے جانور کو آزاد چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کے نقصان کا باعث کیوں بنا؟ یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ جانور کا مالک جانور کے ساتھ نہ ہو اگر مالک جانور کے ساتھ ہوگا خواہ وہ جانور پر سوار ہو یا اسے کھینچ کر لائے جا رہا ہو تو پھر دن میں بھی جانور کے پہنچائے ہوئے نقصان کا تاوان جانور کے مالک پر ہوگا چاہے وہ جانور اپنے ہاتھ پاؤں سے نقصان پہنچائے چاہے منہ سے۔

یہ تو حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کا مسلک ہے اس بارے میں حنفی مسلک یہ ہے کہ اگر جانور کے ساتھ نہ ہو تو پھر

2332 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3570

اس پر نقصان کا تاوان واجب نہیں ہوتا خواہ وہ جانوردن میں نقصان پہنچائے خواہ رات میں۔ اور حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاؤں کا روندا ہوا معاف ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ کا جلایا ہوا معاف ہے (ابوداؤد)

یعنی اگر کوئی جانور کسی کی چیز کو پاؤں سے روند کچل کر تلف وضائع کر دے تو اس کی وجہ سے اس جانور کے مالک پر تاوان واجب نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ مالک جانور کے ساتھ نہ ہو اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی برے مقصد مثلاً ایذاء رسانی وغیرہ کے بغیر محض اپنی ضرورت یا کسی اور وجہ سے آگ جلائی اور اس کی کوئی چنگاری ہوا میں اڑ کر کسی دوسرے کے سامان پر جا پڑی جس سے وہ سامان جل گیا تو اس صورت میں آگ جلانے والے پر نقصان کا تاوان نہیں واجب ہوگا بشرطیکہ اس نے جس وقت آگ جلائی ہو اس وقت ہوا ٹھہری ہوئی ہو اور آگ جلنے کے بعد چلی ہو اور اگر اس نے ایسے وقت آگ جلائی جب کہ ہوا چل رہی تھی اور اس کی وجہ سے آگ سے نقصان پہنچ جانے کا احتمال تھا تو پھر اس پر تاوان واجب ہوگا۔

فصل اجاڑنے والی بکریوں کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے ان میں سے ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا مالک تھا کھیت کے مالک نے کہا۔ اس آدمی نے اپنی بکریاں میرے کھیت میں ہانک دیں اور میرے کھیت میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ یہ ساری بکریاں تیری ہیں۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ تھا۔ پھر بکریوں والا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گیا اور ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کا کیا ہوا فیصلہ بتایا۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے نبی! آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے سوا ایک اور فیصلہ ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: وہ کیا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کھیت والے کو تو معلوم ہے کہ ہر سال اگی کتنی فصل ہوتی ہے وہ اس فصل کی قیمت بکریوں والے سے وصول کرے اور بکریوں والا بکریوں کے بال، اون اور ان کے بچوں کو بیچ کر وہ قیمت ادا کرے۔ جبکہ بکریوں کی نسل تو ہر سال چلتی رہتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: تم نے صحیح فیصلہ کیا اور فیصلہ یہی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۱۸۶۵۶)

خراب کردہ فصل کی مثل لازم ہونے کا بیان

2332 م-حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ ابْنِ عَفَّانَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حَرَامِ بْنِ مُحَيِّصَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ نَاقَةً لِآلِ الْبَرَاءِ اَفْسَدَتْ شَيْئًا فَقَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

حرام بن محیصہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: حضرت براء رضی اللہ عنہ کے خاندان کی ایک اونٹنی نے کوئی چیز خراب کر دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس خراب شدہ چیز) کی مثل کی ادائیگی لازم ہونے کا فیصلہ دیا۔

منفعت حقیقی وحکمی کے سبب ضمان ہونے کا بیان

حضرت مخلد بن خفاف کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا جس کی کمائی میں وصول کرتا رہا پھر مجھے اس کے ایک ایسے عیب کا علم ہوا جو اس میں خریداری سے پہلے کا تھا اور بیچنے والے نے مجھے اس سے مطلع نہیں کیا تھا چنانچہ اس غلام کے معاملہ کو میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ وقت) کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے مجھے یہ فیصلہ سنایا کہ غلام کو واپس کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اس کی کمائی بھی واپس کر دی جائے۔ پھر میں حضرت عروہ بن زبیر کی خدمت میں حاضر ہوا جو ایک جلیل القدر تابعی اور فقہاء میں سے تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فیصلہ سے انہیں آگاہ کیا حضرت عروہ نے فرمایا کہ میں شام کے وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں جاؤں گا اور ان کو بتاؤں گا کہ حضرت عائشہ نے مجھ سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قسم کے ایک معاملہ میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ منفعت ضمان یعنی تاوان کے ساتھ ہے۔

چنانچہ حضرت عروہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مطلع کیا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ ارشاد گرامی سننے کے بعد پھر مجھے یہ حکم دیا کہ میں غلام کی کمائی اس شخص سے لے لوں جسے دینے کے لئے مجھے پہلے حکم دیا گیا تھا۔ (شرح السنہ، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 104)

منفعت ضمان یعنی تاوان کے ساتھ ہے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگر وہ غلام خریدنے والے کے پاس مرجاتا یا اس میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا تو ظاہر ہے کہ اس خریدار کا نقصان ہوتا بیچنے والے کا کچھ نہ جاتا اسی طرح غلام سے کوئی منفعت حاصل ہوگی تو اس کا حقدار خریدار ہی ہوگا بیچنے والے کا اس پر کوئی حق نہیں ہوگا۔

بَاب الْحُكْمِ فِيمَنْ كَسَرَ شَيْئًا

یہ باب ہے کہ جو شخص کوئی چیز توڑ دے اس کے بارے میں فیصلہ

2333 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ قَيْسِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سُوْاءَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَخْبِرِينِي عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اَوَ مَا تَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ (وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ) قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَصْحَابِهِ فَصَنَعْتُ لَهُ طَعَامًا وَّصَنَعَتْ لَهُ حَفْصَةُ طَعَامًا قَالَتْ فَسَبَقَتْنِي حَفْصَةُ فَقُلْتُ لِلْجَارِيَةِ انْطَلِقِي فَاَكْفِئِي قَصْعَتَهَا فَلَحِقَتْهَا وَقَدْ هَمَّتْ اَنْ تَضَعَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَكْفَاَتْهَا فَانْكَسَرَتِ الْقَصْعَةُ وَانْتَشَرَ الطَّعَامُ قَالَتْ فَجَمَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فِيهَا مِنَ الطَّعَامِ عَلَى النِّطْعِ فَاَكَلُوْا ثُمَّ بَعَثَ بِقَصْعَتِي فَدَفَعَهَا اِلٰى حَفْصَةَ فَقَالَ خُذُوْا ظَرْفًا مَكَانَ ظَرْفِكُمْ وَكُلُوْا مَا فِيهَا قَالَتْ فَمَا رَاَيْتُ ذٰلِكَ فِي وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ﷺ قیس بن وہب بنوسوائہ سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب کا بیان نقل کرتے ہیں' میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے

2333 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

گزارش کی: آپ مجھے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتائیے تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے قرآن کی تلاوت نہیں کی۔
(ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ”بے شک تم عظیم اخلاق کے مالک ہو“۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: نبی اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ موجود تھے میں نے آپ ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا' سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی نبی اکرم ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا مجھ پر سبقت لے گئیں میں نے کنیز سے کہا' تم جاؤ اور جا کر اس کا پیالہ الٹ دو' وہ کنیز اس وقت ان کے پاس پہنچی جب وہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے وہ برتن رکھنے والی تھیں' اس کنیز نے ان کا پیالہ الٹ دیا' جس کے نتیجے میں پیالہ ٹوٹ گیا اور کھانا بکھر گیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی اکرم ﷺ نے اس برتن کو (یعنی اس کے ٹکڑوں کو) جمع کیا' اور اس میں کھانے کی جو چیز موجود تھی اسے بھی چمڑے کے دسترخوان پر جمع کیا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے کھالیا' پھر نبی اکرم ﷺ نے میرا پیالہ لے کر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو دیدیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اپنے برتن کی جگہ یہ برتن لے لو اور اس میں جو چیز موجود ہے وہ تم کھالو“۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' میں نے نبی اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک پر (ناراضگی) کے کوئی آثار نہیں دیکھے۔

2334- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ اِحْدَى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاَرْسَلَتْ اُخْرٰى بِقَصْعَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتْ يَدَ الرَّسُوْلِ فَسَقَطَتِ الْقَصْعَةُ فَانْكَسَرَتْ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكِسْرَتَيْنِ فَضَمَّ اِحْدَاهُمَا اِلَى الْاُخْرٰى فَجَعَلَ يَجْمَعُ فِيْهَا الطَّعَامَ وَيَقُوْلُ غَارَتْ اُمُّكُمْ كُلُوْا فَاَكَلُوْا حَتّٰى جَاءَتْ بِقَصْعَتِهَا الَّتِىْ فِىْ بَيْتِهَا فَدَفَعَ الْقَصْعَةَ الصَّحِيْحَةَ اِلَى الرَّسُوْلِ وَتَرَكَ الْمَكْسُوْرَةَ فِىْ بَيْتِ الَّتِىْ كَسَرَتْهَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ کسی ایک اُمّ المومنین کے ہاں موجود تھے دوسری اُمّ المومنین نے ایک پیالہ بھجوایا جس میں کھانے کی کوئی چیز تھی (تو جس اُمّ المومنین کے ہاں نبی اکرم ﷺ موجود تھے) انہوں نے پیالہ لانے والے کے ہاتھ پر مارا اس کے ہاتھ سے پیالہ گر کر ٹوٹ گیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے دو ٹکڑے پکڑے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملایا اور آپ ﷺ اس میں وہ کھانے کی چیز رکھنے لگے اور ارشاد فرمانے لگے: تمہاری امی کو غصہ آ گیا ہے تم لوگ اسے کھالو ان لوگوں نے اسے کھالیا پھر وہ اُمّ المومنین اپنے گھر میں موجود پیالہ لے کر آئیں' تو نبی اکرم ﷺ نے وہ صحیح پیالہ' کھانے والی چیز لانے والے کو دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ اسی اُمّ المومنین کے گھر میں رہنے دیا جنہوں نے اسے توڑا تھا۔

کسی چیز کے نقصان میں صور اربعہ کا بیان

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کسی چیز میں نقصان کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) نرخ کا کم ہو جانا۔ (۲) اس کے اجزا کا جاتا رہنا مثلاً غلام کی آنکھ جاتی رہی۔ (۳) وصف مرغوب فیہ کا فوت ہو جانا مثلاً بہرا ہو گیا، آنکھ کی روشنی جاتی رہی،

2334: اخرجہ ابوداؤد فی ”السنن“ رقم الحدیث: 3567' اخرجہ النسائی فی ”السنن“ رقم الحدیث: 3965

گیہوں خشک ہوگیا، سونے چاندی کے زیور تھے ٹوٹ کر سونا چاندی رہ گئے۔ (۴) معنی مرغوب فیہ جاتے رہے مثلاً غلام کوئی کام کرنا جانتا تھا غاصب کے پاس جا کر وہ کام بھول گیا۔

پہلی صورت میں اگر مغصوب چیز دے دی تو ضمان واجب نہیں اور دوسری صورت میں مطلقاً ضمان واجب ہے۔ اور تیسری صورت میں اگر مغصوب اموالِ ربا میں سے نہ ہو تو ضمان واجب ہے اور وہ مغصوب اموالِ ربا میں سے ہو تو ضمان نہیں مثلاً گیہوں غصب کیے تھے وہ خراب ہو گئے یا چاندی کا برتن یا زیور غصب کیے تھے اور غاصب نے توڑ ڈالے اس میں مالک کو اختیار ہے کہ وہی خراب لے لے یا اس کا مثل لے لے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ چیز بھی لے اور نقصان کا معاوضہ بھی لے۔

اور چوتھی صورت میں اگر معمولی نقصان ہے تو نقصان کا ضمان لے سکتا ہے اور زیادہ نقصان ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ چیز لے لے اور جو کچھ نقصان ہوا وہ لے یا چیز کو نہ لے بلکہ اس کی پوری قیمت وصول کرے۔ (فتاویٰ شامی، کتاب غصب، بیروت)

بَاب الرَّجُلِ يَضَعُ خَشَبَةً عَلٰى جِدَارِ جَارِهٖ

یہ باب ہے کہ آدمی کا اپنے پڑوسی کی دیوار پر اپنا شہتیر رکھنا

2335- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَاْذَنَ اَحَدَكُمْ جَارُهٗ اَنْ يَّغْرِزَ خَشَبَةً فِيْ جِدَارِهٖ فَلَا يَمْنَعْهُ فَلَمَّا حَدَّثَهُمْ اَبُوْ هُرَيْرَةَ طَاْطَؤُا رُءُوْسَهُمْ فَلَمَّا رَاٰهُمْ قَالَ مَالِيْ اَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ وَاللّٰهِ لَاَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ اَكْتَافِكُمْ

◄◄ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا پتہ چلا ہے جب کوئی شخص اپنے پڑوسی سے یہ اجازت مانگے کہ وہ اس کی دیوار میں اپنا شہتیر گاڑ لے تو وہ پڑوسی اسے منع نہ کرے۔

جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے یہ روایت بیان کی تو انہوں نے اپنے سروں کو جھکا لیا۔

جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو بولے کیا وجہ ہے؟ کہ میں دیکھ رہا ہوں۔ تم اس سے اعراض کر رہے ہو؟ اللہ کی قسم! میں اس اعراض کی وجہ سے تمہارے کندھوں کے درمیان ماروں گا۔

شرح

ہر وقت تم کو سناوں گا، یا تمہارے مونڈھوں کے بیچ میں اس حدیث کو لکھ کر لگا دوں گا، تا کہ ہر وقت ہر شخص دیکھے، یا تم اس کو چھپا نہ سکو، یا یہ مطلب ہے کہ تم تو دیوار پر کڑی رکھنے اور لکڑی گاڑ لینے کو گوارہ نہیں کرتے، میں تمہارے کندھوں پر بھی رکھوں گا، بعض روایتوں میں "اکنافکم نون" سے ہے یعنی تمہارے ہر طرف اس حدیث کو پھیلا دوں گا۔

2335 اخرجہ بخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2463 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4106 ورقم الحدیث 4107 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 3634 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1353

ہمسائے کے لئے رعایت کا بیان

2336 - حَدَّثَنَا اَبُوْ بِشْرٍ بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ اَنَّ هِشَامَ بْنَ يَحْيٰى اَخْبَرَهُ اَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ سَلَمَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَخَوَيْنِ مِنْ بَلْمُغِيْرَةِ اَعْتَقَ اَحَدُهُمَا اَنْ لَا يَغْرِزَ خَشَبًا فِيْ جِدَارِهِ فَاَقْبَلَ مُجَمِّعُ بْنُ يَزِيْدَ وَرِجَالٌ كَثِيْرٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعْ اَحَدُكُمْ جَارَهُ اَنْ يَّغْرِزَ خَشَبَةً فِيْ جِدَارِهِ فَقَالَ يَا اَخِيْ اِنَّكَ مَقْضِيٌّ لَكَ عَلَيَّ وَقَدْ حَلَفْتُ فَاجْعَلْ اُسْطُوَانًا دُوْنَ حَائِطِيْ اَوْ جِدَارِيْ فَاجْعَلْ عَلَيْهِ خَشَبَكَ

عکرمہ بن سلمہ بیان کرتے ہیں: "بلمغیرہ" سے تعلق رکھنے والے دو بھائیوں میں سے ایک نے اپنا غلام آزاد کرنے کی قسم اٹھائی کہ وہ دوسرے کو اپنی دیوار پر شہتیر نہیں رکھنے دے گا' تو حضرت مجمع بن یزید رضی اللہ عنہ اور انصار سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد وہاں آئے' اور انہوں نے بتایا: ہم گواہی دے کر یہ بات بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔
''کوئی بھی شخص اپنے پڑوسی کو اس بات سے منع نہ کرے کہ وہ پڑوسی اپنا شہتیر اس کی دیوار پر رکھ لے''۔

2337 - حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِي ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ اَبِي الْاَسْوَدِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعْ اَحَدُكُمْ جَارَهُ اَنْ يَّغْرِزَ خَشَبَةً عَلٰى جِدَارِهِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اس بات سے نہ روکے کہ وہ اس کی دیوار میں اپنا شہتیر گاڑ لے۔

شرح

منع نہ کرنے کا یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ لکڑی گاڑنے کی وجہ سے کوئی نقصان وضرر نہ پہنچتا ہو حضرت امام احمد اور محدثین کے نزدیک مذکورہ بالا حکم وجوب کے طور پر ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے۔

بَابُ اِذَا تَشَاجَرُوْا فِيْ قَدْرِ الطَّرِيْقِ

یہ باب ہے کہ جب راستے کی مقدار کے بارے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہو جائے

2338 - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا مُثَنَّى بْنُ سَعِيْدٍ الضُّبَعِيُّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوا الطَّرِيْقَ سَبْعَةَ اَذْرُعٍ

2336: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2337: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2338: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 3633' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1356

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
''سات ہاتھ جتنا راستہ بناؤ''۔

2339- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى وَمُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ هَيَّاجٍ قَالَا حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيْقِ فَاجْعَلُوْهُ سَبْعَةَ اَذْرُعٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
''جب راستے کے بارے میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے' تو تم اسے سات ہاتھ جتنا بناؤ''۔

شرح

یہ وہاں ہے جہاں ایک جگہ پر کئی لوگ رہتے ہوں اور راستہ کی لمبائی چوڑائی پہلے سے معلوم نہ ہو۔ اب اس میں جھگڑا کریں تو سات ہاتھ کے برابر راستہ چھوڑ دینا چاہیے' لیکن جو راستے پہلے سے بنے ہوئے ہیں اور ان کی لمبائی چوڑائی معلوم ہے، ان میں کسی کو تصرف کرنے مثلاً عمارت بنانے اور راستہ کی زمین تنگ کر دینے کا اختیار نہیں ہے، اور سات ہاتھ کا راستہ ضرورت کے لئے کافی ہے۔ نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف آدمی، گھوڑے اور اونٹ راستوں پر چلتے تھے، ان کے لئے اتنا لمبا چوڑا راستہ کافی تھا، لیکن عام راستے جہاں آمد و رفت عام ہو اور گاڑیاں اور بگھیاں بہت چلتی ہوں وہاں اگر یہ لمبائی اور چوڑائی تنگ ہو تو حاکم کو اختیار ہے جتنا راستہ ضروری معلوم ہو اس کی تحدید کر دے۔

بَاب مَنْ بَنٰى فِيْ حَقِّهٖ مَا يَضُرُّ بِجَارِهٖ

یہ باب ہے کہ جو شخص اپنے حق میں کوئی ایسی چیز بنائے جس سے اس کے پڑوسی کو تکلیف ہو

2340- حَدَّثَنَا عَبْدُ رَبِّهٖ بْنُ خَالِدٍ النُّمَيْرِيُّ اَبُو الْمُغَلِّسِ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ يَحْيٰى بْنِ الْوَلِيْدِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى اَنْ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا ہے۔
''نہ ابتدائی طور پر نقصان پہنچانے کی اجازت ہے نہ (بدلے کے طور پر) نقصان پہنچانے کی اجازت ہے''۔

شرح

پڑوسی کے مکان کی طرف ایک نئی کھڑکی یا روشندان کھولے، یا پرنالہ یا نالی نکالے یا ایک پاخانہ گھر بنائے، ان امور میں قاعدہ

2339 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2340 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کلیہ یہ ہے کہ اگر پڑوسی کو اس سے نقصان ہوتا ہو تو یہ تصرف صحیح نہ ہوگا، ورنہ صحیح ہے۔

2341 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنْبَأَنَا مَعْمَرٌ عَنْ جَابِرٍ الْجُعْفِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''نہ ابتدائی طور پر کسی کو نقصان پہنچانے کی اجازت ہے نہ (بدلے کے طور پر) کسی کو نقصان پہنچانے کی اجازت ہے''۔

نقصان کو دور کیا جائے گا قاعدہ فقہیہ

الضرر یزال۔ (الاشباہ والنظائر ص ۴۲) نقصان کو دور کیا جائے گا۔

اس قاعدہ کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لا ضرر ولا ضرار** ''نہ نقصان اٹھایا جائے اور نہ نقصان پہنچایا جائے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۶۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث کو امام دارقطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے امام بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے امام حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی روایت کیا ہے امام ابن حجر عسقلانی نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (انجاح الحاجہ، ج ۲، ص ۱۶۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو نہ تو ابتداءً کوئی نقصان پہنچائے اور نہ ہی انتقامی کاروائی کے طور پر اسے نقصان پہنچائے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ نے انتقامی کاروائی کے لئے اصول وقواعد بیان کئے ہیں جو اجتماعی اصول ہیں اور انہی کی بدولت فساد ختم ہو جاتا ہے۔ اور کئی دنیاوی معاملات خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے جاسکتے ہیں۔

حدود جاری کرنے کا مقصد

حدود کا اصل مقصد شریعت اسلامیہ کی طرف سے یہ ہے کہ لوگوں میں جاری نقصان کو دور کیا جائے۔ اسی طرح البنائیہ میں ہے کہ حدود کو نافذ کرنے سے لوگوں کو جان، عزت اور مال کے نقصان سے بچانا مقصود ہے کیونکہ حد زنا صیانۃ النفس کے لئے ہے حد قذف عزت کو محفوظ کرنے کے لئے ہے اور حد سرقہ مال کے تحفظ کے لئے ہے۔ (ہدایہ اولین ج ۲ مع البنائیہ ص ۴۸۶، المجتبائے دہلی)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث بیان کرتے ہیں جس کے آخر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا یہ شہر (مکہ) نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا: تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزت تم (میں سے ہر ایک) پر اس طرح حرام ہے جیسا کہ آج کا دن، آج کے مہینے میں، آج کے شہر میں محترم ہے۔ حاضر کو چاہیے کہ غائب تک پہنچادے۔ پھر آپ دوسری مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے، ان کو ذبح کیا۔ پھر آپ بکریوں کے ایک گلے (ریوڑ) کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو ہمارے درمیان تقسیم کر دیا۔ (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۶۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

شریک جائیداد میں حقوق

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی زمین یا باغ میں کوئی شریک ہو ،پس اس کے لئے اپنے شریک کی اجازت کے بغیر اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اگر وہ راضی ہو تو، لے، لے اور ناپسند کرے تو چھوڑ دے۔ (مسلم، ج۲، ص۳۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ حدیث بھی اس قاعدہ کے ثبوت میں اصل کا ثبوت پیش کر رہی ہے کہ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے مشترکہ زمین بیچنے سے منع کیا تا کہ دوسرے کا اسکی بیع کی وجہ سے نقصان نہ ہو اور اسلام کے اصولوں کا تقاضہ یہ ہے کہ لوگوں سے نقصان کو دور کیا جائے۔

لوگوں کے نقصان کی حرمت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلماً نہیں لے گا مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق بنا کر (اس کے گلے میں) ڈال دے گا۔ (مسلم، ج۲، ص۳۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وقف

اگر کوئی شخص اپنا مال صرف بیٹوں کے لئے وقف کرے اور بیٹیوں کو اس مال سے محروم رکھنے کی کوشش کرے تو اس کا وقف توڑ دیا جائے گا کیونکہ اس میں بیٹیوں کا نقصان ہے جس کا ازالہ شریعت کے مطابق ضروری ہے۔

قرض خواہوں کا نقصان

اسی طرح وہ وقف جس میں قرض خواہوں کو نقصان پہنچے یا نقصان پہنچانا مقصود ہو، تو اس وقف کو توڑ دیا جائے گا۔

پڑوسی کے اخلاقی وقانونی حقوق

اگر کوئی شخص درختوں کو فروخت کر دے اس کے بعد گاہک جب درختوں کو کاٹنے کے لئے درختوں پر چڑھے اور اسکی وجہ سے پڑوسیوں کی بے پردگی ہوتی ہو، تو گاہک پر لازم ہوگا کہ وہ درخت پر چڑھتے وقت ایک یا دو مرتبہ انہیں خبردار کر دے تا کہ وہ پردہ کر لیں اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو معاملہ عدالت میں پیش کیا جائے گا تا کہ قاضی اسے درخت کاٹنے سے روک دے۔ (الاشباہ والنظائر ص ۱۱۸، مطبوعہ منیریہ مصر)

انتباہ

کسی شخص کو اپنی ملکیت میں تصرف سے روکا نہ جائے گا لیکن جب اس سے واضح نقصان پیدا ہو۔ (بحر رائق ج۲ ص۳۳، مطبوعہ کمپنی کراچی)

N.M.S.

2342- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ

عَنْ لُؤْلُؤَةَ عَنْ اَبِیْ صِرْمَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ضَارَّ اَضَرَّ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ شَاقَّ شَقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابوصرمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص (دوسرے کو) نقصان پہنچائے گا' اللہ تعالیٰ اسے نقصان لاحق کرے گا اور جو شخص دوسرے کو تکلیف پہنچائے گا' اللہ تعالیٰ اُسے تکلیف کا شکار کرے گا۔

بَاب الرَّجُلَانِ يَدَّعِيَانِ فِیْ خُصٍّ

یہ باب ہے کہ جب دو آدمی ایک ہی جھونپڑی کے بارے میں دعویٰ کر دیں

2343- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَعَمَّارُ بْنُ خَالِدٍ الْوَاسِطِیُّ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ دَهْثَمِ بْنِ قُرَّانٍ عَنْ نِمْرَانَ بْنِ جَارِيَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ قَوْمًا اخْتَصَمُوْا اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ خُصٍّ كَانَ بَيْنَهُمْ فَبَعَثَ حُذَيْفَةَ يَقْضِیْ بَيْنَهُمْ فَقَضٰى لِلَّذِيْنَ يَلِيْهِمُ الْقِمْطُ فَلَمَّا رَجَعَ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَهٗ فَقَالَ اَصَبْتَ وَاَحْسَنْتَ

نمران بن جاریہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جھونپڑی کے بارے میں مقدمہ لے کر آئے جوان کے (محلے) کے درمیان تھی' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے بھیجا' تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے حق میں فیصلہ دیا جن کے گھر کے ساتھ اس کی رسیاں بندھی ہوئی تھیں' جب وہ واپس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں بتایا: تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم نے ٹھیک فیصلہ دیا ہے اور اچھا فیصلہ دیا ہے''۔

شرح

حضرت ام سلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو آدمیوں کے بارے میں نقل کرتے ہیں جو اپنا ایک میراث کا معاملہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے تھے اور دونوں میں سے کسی کا کوئی گواہ نہیں تھا بلکہ صرف دعویٰ تھا (یعنی ان میں سے ایک شخص نے دربار رسالت میں دعویٰ کیا کہ فلاں چیز میری ہے جو مجھے میراث میں ملی ہے اور دوسرے شخص نے بھی اسی چیز کے بارے میں یہی دعویٰ کیا اور دونوں میں سے کوئی بھی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ نہیں رکھتا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان دونوں کے جواب سن کر) فرمایا" (یاد رکھو) میں جس شخص کے لئے کسی ایسی چیز کا فیصلہ کر دوں جو اس کے بھائی کا حق ہو تو وہ چیز اس کے لئے آگ کے ایک ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہوگی (یعنی اگر مثلاً مدعی نے کسی ایسی چیز کا دعویٰ کیا ہے جس کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی نہیں ہے بلکہ واقعۃً مدعا علیہ کی ہے لیکن اس نے جھوٹے گواہوں یا جھوٹی قسم کے ذریعہ اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور میں نے ظاہری قانون کے مطابق اس کی گواہوں اور قسم پر اعتبار کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا اور وہ چیز اس کو دلوا دی تو

2342: اخرجه ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3635' اخرجه الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1940

اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ چیز اس کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ثابت ہوگی یعنی اس کو دوزخ کی آگ کا سزاوار بنائے گی) ان دونوں میں سے ہر ایک نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "یارسول اللہ! میرا حق میرے ساتھی (یعنی فریق مخالف) کے لئے ہے (میں اپنا دعویٰ ترک کرتا ہوں) آپ نے فرمایا" نہیں! (یہ کیسے ممکن ہے کہ چیز ایک ہو اور اس کے حق دار دو ہوں) بلکہ تم دونوں جاؤ اس چیز کو (آدھوں آدھ) تقسیم کرلو اور اپنا اپنا حق لے لو (یعنی تقسیم میں عدل وایمانداری کو ملحوظ رکھو) اور (یہ طریقہ اختیار کرو کہ پہلے اس چیز کو دو حصے کرلو (اور اگر یہ تنازعہ ہو کہ ان دونوں حصوں میں سے کون سا حصہ کس کو ملے تو) ان دونوں حصوں کو قرعہ پر ڈال لو (تاکہ طے ہو جائے کہ ان دونوں حصوں میں کون سا حصہ کس شخص کو ملے گا اس طرح تم دونوں میں سے ہر ایک اس حصہ کو لے لے جس پر اس کا قرعہ نکلا ہے اور پھر تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ اپنا (وہ) حق اپنے ساتھی کو معاف کردے (جو اس کی طرف سے چلا گیا ہو۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم دونوں کے درمیان یہ فیصلہ اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے کر رہا ہوں۔ اس معاملہ میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی ہے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 896)

حضرت جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں نے دربار رسالت میں) ایک جانور کے بارے میں دعویٰ کیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے گواہ پیش کئے کہ یہ جانور اس کا (یعنی میں نے ہی اس کی ماں پر نر کو چھوڑا تھا جس کے نتیجہ میں یہ پیدا ہوا اور اس طرح اس کے پیدا ہونے کا میں ہی سبب بنا تھا گویا ان دونوں میں سے ہر ایک نے یہی دعویٰ کیا) چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور کو اس شخص کا حق قرار دیا جس کے وہ قبضے میں تھا۔ (شرح السنۃ، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 897)

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی ایسا قضیہ ہو جس میں کسی چیز کی ملکیت کو ثابت کرنے کے لئے دونوں فریق اپنے اپنے گواہ پیش کریں تو دونوں میں سے اس فریق کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔ جس کے قبضے میں وہ چیز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت کے لئے ہے جب کہ وہ قضیہ کسی جانور کے متعلق ہو اور ہر فریق یہ دعویٰ کرے کہ اس جانور کو اسی نے جنوایا ہے۔ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی قضیہ پیش ہو جس میں دو آدمیوں نے ایک جانور یا کسی کی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کیا اور وہ جانور کسی ایک کے قبضے میں ہو تو اس جانور یا اس چیز پر قابض کا حق تسلیم کیا جائے اور اس سے قسم کھلوائی جائے گی۔ ہاں اگر فریق مخالف نے اپنے گواہ پیش کر دیئے جنہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ جانور یا یہ چیز قابض کی نہیں ہے بلکہ اس فریق کی ہے تو وہ جانور یا وہ چیز قابض سے لے کر دوسرے فریق کے حوالے کر دی جائے گی اور اگر یہ صورت دونوں ہی فریق اپنے اپنے گواہ پیش کر دیں تو پھر قابض کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔ حنفی مسلک میں یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ مذکورہ صورت میں (یعنی جب کہ دونوں فریق اپنے اپنے گواہ پیش کریں) قابض کے گواہوں کا اعتبار نہ کیا جائے، لیکن اگر دعویٰ کا تعلق جانور کے جنوانے سے ہو یعنی ہر فریق یہ دعویٰ کرے کرے کہ یہ جانور میری ملکیت ہے اور میں نے اس کو جنوایا ہے ہے پھر ہر ایک اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے تو پھر قابض کے لئے فیصلہ کیا جائے گا اور اگر قضیہ کا تعلق کسی ایسی چیز سے ہو جو دونوں فریق کے قبضے میں ہو اور دونوں فریق اس کے پورے حصے پر اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ کریں تو دونوں سے قسم کھلوائی جائے اور اس چیز کو دونوں کے درمیان ہر ایک قبضے کے مطابق تقسیم کر دی جائے اسی طرح اگر وہ چیز ان میں سے کسی ایک کے بھی قبضے میں نہ ہو مگر دونوں ہی اپنے اپنے دعویٰ کے

ثبوت میں گواہ پیش کریں تو اس چیز کو دونوں کے درمیان تقسیم کردیا جائے۔

بَاب مَنِ اشْتَرَطَ الْخَلَاصَ

یہ باب ہے کہ جو شخص ''خلاص'' کی شرط عائد کرے

2344- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا بِيعَ الْبَيْعُ مِنْ رَجُلَيْنِ فَالْبَيْعُ لِلْاَوَّلِ قَالَ اَبُو الْوَلِيدِ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ اِبْطَالُ الْخَلَاصِ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''جب دو آدمیوں کے ساتھ سودا ہو جائے تو سودا پہلے والے کے حق میں ہوگا''۔ شیخ ابوالولید کہتے ہیں: اس حدیث میں ''خلاص'' کو باطل قرار دیا گیا ہے۔

شرح

یعنی اگر دوسرے خریدار نے اپنے بائع سے یہ شرط لگائی تھی کہ جس طرح تم سے ہو سکے یہ مال چھڑا کر مجھ کو دینا تو یہ شرط مفید نہ ہوگی اور بائع پہلے خریدار سے اس کے چھڑانے پر مجبور نہ کیا جائے گا، مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید کے پاس ایک گھوڑا تھا، زید نے اس کو عمرو کے ہاتھ بیچ دیا، اس کے بعد زید کے وکیل (ایجنٹ) نے اس کو بکر کے ہاتھ بیچ دیا اور بکر نے وکیل سے شرط لگائی کہ اس گھوڑے کو چھڑا کر میرے حوالہ کرنا تمہارے ذمہ ہے، اس نے قبول کیا جب بھی وہ گھوڑا عمرو ہی کو ملے گا کیونکہ اس کی بیع پہلی تھی اور بکر کی بیع دوبارہ صحیح نہیں ہوئی۔

بَاب الْقَضَاءِ بِالْقُرْعَةِ

یہ باب قرعہ اندازی کی بنیاد پر فیصلہ دینے کے بیان میں ہے

2345- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلَى حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ اَبِي قِلَابَةَ عَنْ اَبِي الْمُهَلَّبِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلًا كَانَ لَهُ سِتَّةُ مَمْلُوكِينَ لَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ فَاَعْتَقَهُمْ عِنْدَ مَوْتِهِ فَجَزَّاَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَاَرَقَّ اَرْبَعَةً

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص کے چھ غلام تھے اس شخص کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا۔ اس نے مرنے کے قریب ان سب غلاموں کو آزاد کر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مختلف حصوں میں تقسیم کیا اور ان میں سے دو کو آزاد کر دیا اور باقی چار کو غلام رہنے دیا۔

2345: اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4311' ورقم الحدیث: 4312' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3958' ورقم الحدیث: 3959' ورقم حدیث: 3960' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1364

شرح

جب آدمی بیمار ہو تو اس کو چاہیے کہ وارثوں کا خیال رکھے، اور اپنی ساری دولت تقسیم نہ کر دے، اگر ایسا ہی ضروری ہو تو تہائی مال تک اللہ کی راہ میں دے دے، اور دو تہائی دولت وارثوں کے لئے چھوڑ دے، اگر ساری دولت کے صدقہ کی وہ وصیت کرے تو یہ وصیت تہائی مال ہی میں نافذ ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا، دو غلاموں کو قرعہ ڈال کر آزاد کرایا، اور قرعہ اس واسطے ڈالا کہ وہ جھگڑا نہ کریں، اور دو وارثوں کی ملکیت میں بدستور غلام رہے، دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں سخت کلمہ کہا کیونکہ اس نے وارثوں کا خیال نہیں رکھا تھا۔

قرعہ اندازی کرنے کا بیان

2346- حَدَّثَنَا جَمِيلُ بْنُ الْحَسَنِ الْعَتَكِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ خِلَاسٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلَيْنِ تَدَارَآ فِي بَيْعٍ لَيْسَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةٌ فَأَمَرَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْتَهِمَا عَلَى الْيَمِينِ أَحَبَّا ذَلِكَ أَمْ كَرِهَا

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' دو آدمیوں کے درمیان ایک سودے کے بارے میں اختلاف ہو گیا' ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی ثبوت نہیں تھا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو یہ ہدایت کی کہ وہ قسم اٹھا کر قرعہ اندازی کر لیں' خواہ ان دونوں کو یہ بات پسند ہو یا ان دونوں کو یہ بات پسند نہ ہو۔

2347- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَمَانٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَافَرَ أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر تشریف لے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کر لیتے تھے۔

2348- حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنْبَأَنَا الثَّوْرِيُّ عَنْ صَالِحٍ الْهَمْدَانِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ أُتِيَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَهُوَ بِالْيَمَنِ فِي ثَلَاثَةٍ قَدْ وَقَعُوا عَلَى امْرَأَةٍ فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ فَسَأَلَ اثْنَيْنِ فَقَالَ أَتُقِرَّانِ لِهَذَا بِالْوَلَدِ فَقَالَا لَا ثُمَّ سَأَلَ اثْنَيْنِ فَقَالَ أَتُقِرَّانِ لِهَذَا بِالْوَلَدِ فَقَالَا لَا فَجَعَلَ كُلَّمَا سَأَلَ اثْنَيْنِ أَتُقِرَّانِ لِهَذَا بِالْوَلَدِ قَالَا لَا فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالَّذِي أَصَابَتْهُ الْقُرْعَةُ وَجَعَلَ عَلَيْهِ ثُلُثَيِ الدِّيَةِ فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ

◄► حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یمن میں تھے تو ان کے سامنے تین آدمیوں کا مقدمہ پیش کیا گیا جنہوں نے ایک ہی طہر کے دوران ایک عورت کے ساتھ صحبت کی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں سے دریافت کیا کیا تم دونوں اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ بچہ اس تیسرے فرد کا ہے؟ ان دونوں نے جواب دیا: جی نہیں! پھر آپ نے باقی دوسے بھی

2348 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2270' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3488

یہی سوال کیا: کیاتم دونوں اس کے لیے بچے کا اقرار کرتے ہو؟ تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا: جی نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن بھی دو افراد سے یہ سوال کیا: کیاتم اس تیسرے کے لیے بچے کا اقرار کرتے ہو؟ تو ان دونوں نے یہی جواب دیا: جی نہیں۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی اور بچے کا نسب اس کے ساتھ لاحق کر دیا جس کے نام قرعہ نکلا تھا اور آپ نے اس کے ذمے دو تہائی دیت کی ادائیگی لازم قرار دی۔

جب اس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطراف کے دانت نظر آنے لگے۔

شرح

ہنسی کی وجہ یہ تھی کہ یہ فیصلہ عجیب طور کا تھا، اور دو تہائی دیت کی اس سے اس لئے دلوائی کہ دعوی کے مطابق اس لڑکے میں تینوں شریک تھے، اب قرعہ جھگڑا ختم کرنے کے لئے کیا، نہ نسب ثابت کرنے کے لئے، تو اس شخص کو بچہ کا دو تہائی کا بدلہ دوسرے دعویداروں کو دینا پڑا اور یہ علی رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے تھی، لیکن ابوداود نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت میں یہ حکم فرمایا: وہ بچہ اپنی ماں کے پاس رہے گا، اور کسی سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا، نہ وہ ان دعویداروں میں سے کسی مرد کا وارث ہوگا۔

بَاب الْقَافَةِ

یہ باب قیافہ شناسی کے بیان میں ہے

قیافہ شناسی کے معنی ومفہوم کا بیان

قیافہ یہ ہے کہ اعضاء کی مناسبت کا علم جو باپ اور اس کی اولاد میں ہوتی ہے، اور قیافہ کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں اور کوئی ثبوت نہ ہو جیسے ایک لونڈی دو شخصوں میں مشترک ہو، پھر اس سے بچہ پیدا ہو، اور دونوں شریک اس بچہ کا دعوی پیش کریں تو قیافہ کی رو سے بچہ ایک کو دلا دیں گے، اور وہ دوسرے کو لونڈی کی آدھی قیمت دے کر کل لونڈی کا مالک ہو جائے گا، نیز قیافہ کوئی شرعی دلیل نہیں، اور نہ ہی اس سے نسب ثابت ہو سکتا ہے۔

2349 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَهِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَىَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مَّسْرُوْرًا وَّهُوَ يَقُوْلُ يَا عَائِشَةُ اَلَمْ تَرَىْ اَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِيَّ دَخَلَ عَلَىَّ فَرَاٰى اُسَامَةَ وَزَيْدًا عَلَيْهِمَا قَطِيفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُءُ وْسَهُمَا

2349' اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6771' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3602' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 2267' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2129' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3494

وَقَدْ بَدَتْ اَقْدَامُهُمَا فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ

◆◆ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' ایک دن نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے' تو بہت خوش تھے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! تم جانتی ہو؟ مدلج قبیلے سے تعلق رکھنے والے مجزز (نامی قیافہ شناس) نے کیا' اہے؟ وہ میرے پاس آیا اس نے اسامہ اور زید کو دیکھا ان دونوں پر ایک چادر پڑی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ان کے چہرے چھپے ہوئے تھے اور ان کے پاؤں ظاہر تھے' تو وہ بولا: یہ باپ بیٹے کے پاؤں ہیں۔

شرح

نبی کریم ﷺ کے متبنی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ گورے رنگ کے تھے، اور ان کے بیٹے اسامہ سانولے رنگ کے تھے، منافقوں نے یہ طوفان اٹھایا کہ اسامہ زید کے بیٹے نہیں ہیں، اس سے نبی کریم ﷺ کو بڑا رنج ہوا، جب قیافہ شناس نے دونوں کے پاؤں دیکھ کر ایک طرح کے بتلائے تو مزید اطمینان ہوا کہ اسامہ زید ہی کے بیٹے ہیں، ہر چند پہلے بھی اس کا یقین تھا مگر قیافہ شناس کے کہنے پر اور زیادہ یقین ہوا، منافقوں کا منہ بند ہوا اور نبی کریم ﷺ کو خوشی حاصل ہوئی۔

قیافہ شناس کے قول کے معتبر ہونے سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت زید بن حارثہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی (لے پالک) تھے بہت گورے اور خوبصورت تھے جب کہ ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ کالے تھے اور اپنی ماں کے ہم رنگ تھے ان کی ماں جن کا نام ام ایمن تھا ایک لونڈی اور کالے رنگ کی تھیں باپ بیٹے رنگت کے اس فرق کی وجہ سے منافق حضرت اسامہ کے نسب میں عیب لگاتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ ایسے حسین اور خوبصورت باپ کا بیٹا اتنا کالا کیسے ہوسکتا ہے؟ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کی اس بات سے بہت کبیدہ خاطر ہوتے تھے کہ اسی دوران میں یہ واقعہ پیش آیا۔ مجزر مدلجی عرب کا ایک مشہور قیافہ شناس اور اپنے فن میں یگانہ روزگار تھا وہ آدمی کی صورت دیکھ کر اس کے حالات وکوائف اور اوصاف وخصوصیات معلوم کرلیا کرتا تھا چنانچہ مسجد نبوی میں آیا اور اس نے حضرت زید اور حضرت اسامہ کے پیر دیکھے تو اس نے علم قیافہ کی رو سے یہ فیصلہ کیا کہ یہ پیر جن دو آدمیوں کے ہیں ان دونوں کو آپس میں باپ بیٹا ہونا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بہت خوش ہوئے کیونکہ اہل عرب کے ہاں قیافہ شناس کا قول معتبر ہوتا تھا اور اس کے فیصلہ کو سند کا درجہ دیا جاتا تھا لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی اطمینان ہوگیا کہ اب جب کہ اسامہ کا نسب اس سند سے ثابت ہوگیا ہے تو منافقین بھی ان کے نسب کے بارے میں طعن کرنے کی ہمت نہیں کریں گے۔

لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس حدیث سے لازم نہیں آتا کہ شرعی احکام اور اثبات نسب میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہوتا ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے البتہ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ قیافہ شناس کے قول کو معتبر مانتے ہیں یہاں تک کہ ان کے مسلک میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی لونڈی دو آدمیوں کی مشترک ملکیت ہو اور اس کے بچہ پیدا ہو اور پھر وہ دونوں شریک اس بچہ کے نسب کا دعویٰ کریں یعنی ہر ایک یہ کہے کہ یہ میرا بچہ ہے تو اس صورت میں ان دونوں کو قیافہ شناس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اور وہ قیافہ شناس اپنے قیافہ کی بنیاد پر جو فیصلہ کرے اس کو قبول کر لینا چاہئے جب کہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں وہ بچہ شرعی حکم کے اعتبار سے دونوں کا ہوگا اگرچہ واقعہ کے اعتبار سے وہ کسی ایک کا ہوگا اور وہ لونڈی دونوں کی ام ولد ہوگی۔

نبی کریم ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت کا بیان

2350- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ قُرَيْشًا أَتَوُا امْرَأَةً كَاهِنَةً فَقَالُوا لَهَا أَخْبِرِينَا أَشْبَهَنَا أَثَرًا بِصَاحِبِ الْمَقَامِ فَقَالَتْ إِنْ أَنْتُمْ جَرَرْتُمْ كِسَاءً عَلَى هَذِهِ السِّهْلَةِ ثُمَّ مَشَيْتُمْ عَلَيْهَا أَنْبَأْتُكُمْ قَالَ فَجَرُّوا كِسَاءً ثُمَّ مَشَى النَّاسُ عَلَيْهَا فَأَبْصَرَتْ أَثَرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ هَذَا أَقْرَبُكُمْ إِلَيْهِ شَبَهًا ثُمَّ مَكَثُوا بَعْدَ ذَلِكَ عِشْرِينَ سَنَةً أَوْ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ بَعَثَ اللَّهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: قریش ایک کاہنہ عورت کے پاس آئے اور انہوں نے اس سے کہا' تم ہمیں اس بارے میں بتاؤ کہ ہم میں سے کون اس مقام والے صاحب (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام) کا زیادہ بہتر پیروکار ہے' تو اس عورت نے کہا: اگر تم اس نرم جگہ کے اوپر چادر بچھا دو تو میں تمہیں اس بارے میں بتادوں گی' راوی کہتے ہیں: ان لوگوں نے وہ چادر بچھادی' پھر وہ لوگ اس پر چلے' جب اس کاہنہ نے نبی اکرم ﷺ کے قدموں کے نشان دیکھے تو اس نے کہا:

''تم سب میں یہ صاحب ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں''۔

(راوی کہتے ہیں) اس کے بیس برس' یا جو اللہ کو منظور تھا' اتنا عرصہ گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا (یعنی یہ اعلان نبوت سے بیس سال پہلے کا واقعہ ہے)۔

بَاب تَخْيِيرِ الصَّبِيِّ بَيْنَ أَبَوَيْهِ

یہ باب ہے کہ بچے کو ماں' باپ کے بارے میں اختیار دینا

2351- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ عَنْ أَبِي مَيْمُونَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ غُلَامًا بَيْنَ أَبِيهِ وَأُمِّهِ وَقَالَ يَا غُلَامُ هَذِهِ أُمُّكَ وَهَذَا أَبُوكَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ایک لڑکے کو اس کے والد اور اس کی والدہ کے درمیان اختیار دیا تھا آپ ﷺ نے فرمایا: اے لڑکے یہ تمہاری امی ہے اور یہ تمہارے ابو ہیں (تم ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جا سکتے ہو)

2350: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2351: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2277' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1357

بچے کو کب اختیار دیا جائے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ بچے کو اس کے باپ اور اس کی ماں کے درمیان اختیار دیا جائے۔ (جامع ترمذی ج1 ص162، فاروقی کتب خانہ ملتان)

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جب بچہ بالغ ہو جائے تو اسے اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا اپنی ماں کے ساتھ رہنا چاہتا ہے لیکن یہ حدیث باب الحضانۃ سے بالکل نہیں ہے۔ (قوت المغتذی ج1 ص162، فاروقی کتب خانہ ملتان)

نبی کریم ﷺ کی دعا کا بیان

2352 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ عُثْمَانَ الْبَتِّيِّ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اَبَوَيْهِ اخْتَصَمَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا كَافِرٌ وَّالْاٰخَرُ مُسْلِمٌ فَخَيَّرَهٗ فَتَوَجَّهَ اِلَى الْكَافِرِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اهْدِهٖ فَتَوَجَّهَ اِلَى الْمُسْلِمِ فَقَضٰى لَهٗ بِهٖ

◆◆ عبدالحمید نامی راوی اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک ماں باپ اپنا مقدمہ لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک کافر تھا اور دوسرا فریق مسلمان تھا' تو نبی اکرم ﷺ نے (ان کے بچے) کو اختیار دیا وہ کافر کی طرف متوجہ ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے دعا کی اے اللہ! تو اسے ہدایت نصیب کر! تو وہ مسلمان کی طرف متوجہ ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے مسلمان کے حق میں اس کا فیصلہ دے دیا۔

خیر کی تابعیت

اگر کسی شخص کے والدین میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو اس شخص کا نکاح اور ذبیحہ حلال ہے اور وہ شخص کتابی ہو گا۔ حالانکہ قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ مجوسی جو جانب حرمت ہے اس کا اعتبار کیا۔ لیکن علمائے احناف فرماتے ہیں کہ یہاں اس شخص کو کتابی کے تابع کیا جائے گا کیونکہ مجوسی کتابی سے زیادہ شر (برا) ہے لہٰذا بیٹا کتابی کے تابع ہو گا کیونکہ اگر اس کے بچپن پر حکم لگایا جائے تو "کل مولود علی فطرۃ" کے مطابق بھی اسے خیر کے تابع کرنا چاہیے۔

بَاب الصُّلْحِ

یہ باب صلح کرنے کے بیان میں ہے

صلح کے لغوی معنی ومفہوم کا بیان

صلح اصل میں صلاح اور صلوح کا اسم ہے جو فساد بمعنی تباہی کے مقابلہ پر استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت کے سربراہ کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ نظریہ توحید کے مطابق عالمگیر امن کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے تبلیغ اسلام کی مطمح نظر کی خاطر

2352 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2244' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3495

انسانی سلامتی وآزادی کی حفاظت اور سیاسی وجنگی مصلح کے پیش نظر دشمن اقوام سے معاہدہ صلح وامن کر لے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں اپنے سب سے بڑے دشمن کفار مکہ سے صلح کی جو "صلح حدیبیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ صلح کی مقدار دس سال مقرر کی گئی تھی اور حدیث وتاریخ کے اس متفقہ فیصلہ کے مطابق کہ حدیبیہ کا یہی وہ معاہدہ صلح ہے جس نے نہ صرف اسلام کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں بڑی آسانیاں پیدا کی بلکہ دنیا کو معلوم ہو گیا کہ اسلام، انسانیت اور امن کے قیام کا حقیقی علمبردار ہے اور مسلمان اس راہ میں اس حد تک صادق ہیں کہ جنگ جو عرب اور بالخصوص کفار مکہ کے وحشیانہ تشدد اور عیارانہ سازشوں کے باوجود اس معاہدہ کی پوری پوری پابندی کرتے رہے لیکن اس معاہدہ صلح کی مدت پر تین سال ہی گذرے تھے کہ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بنوخزاعہ کے مقابلہ پر جنگ کرنے والے بنوبکر کی مدد کر کے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا۔

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جھگڑے کو دور کرنے کے لیے جو عقد کیا جائے اُس کو صلح کہتے ہیں۔ وہ حق جو باعث نزاع تھا اس کو مصالح عنہ اور جس پر صلح ہوئی اُس کو بدل صلح اور مصالح علیہ کہتے ہیں۔ صلح میں ایجاب ضروری ہے اور معین چیز میں قبول بھی ضروری ہے اور غیر معین میں قبول ضروری نہیں۔ مثلاً مدعی نے معین چیز کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے کہا اتنے روپے پر اس معاملہ میں مجھ سے صلح کر لو مدعی نے کہا میں نے کی جب تک مدعی علیہ قبول نہ کرے صلح نہیں ہوگی۔ اور اگر روپے اشرفی کا دعویٰ ہے اور صلح کسی دوسری جنس پر ہوئی تو اس میں بھی قبول ضروری ہے کہ یہ صلح بیع کے حکم میں ہے اور بیع میں قبول ضروری ہے اور اُسی جنس پر ہوئی مثلاً سو روپے کا دعویٰ تھا پچاس پر صلح ہوئی یہ جائز ہے اگرچہ مدعی علیہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے قبول کیا یعنی پہلے مدعی علیہ نے صلح کو خود کہا کہ اتنے میں صلح کر لو اس کے بعد مدعی نے کہا کہ میں نے کی صلح ہو گئی اگرچہ مدعی علیہ نے قبول نہ کیا ہو کہ یہ اسقاط ہے یعنی اپنے حق کو چھوڑ دینا۔ (درمختار، کتاب صلح، بیروت)

صلح کے شرعی ماخذ کا بیان

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

(۱) لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ۔ (النساء)

اُن کی بہتیری سرگوشیوں میں بھلائی نہیں ہے مگر اس کی سرگوشی جو صدقہ یا اچھی بات یا لوگوں کے مابین صلح کا حکم کرے۔"

(۲) وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ۔ (النساء)

اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے بدخلقی اور بے توجہی کا اندیشہ ہو تو اُن دونوں پر یہ گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح اچھی چیز ہے۔

(۳) وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (الحجرات)

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ جائیں تو اُن میں صلح کرا دو پھر اگر ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو اُس بغاوت کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پھر جب وہ لوٹ آیا تو دونوں میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو بیشک انصاف کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے۔ مسلمان بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

صلح کے مأخذ شرعی میں احادیث کا بیان

(۱) صحیح بخاری شریف میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی کہتے ہیں کہ بنی عمرو بن عوف کے مابین کچھ مناقشہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ اُن میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے تھے نماز کا وقت آ گیا اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف نہیں لائے حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) نے اذان کہی اور اب بھی تشریف نہیں لائے حضرت بلال نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر یہ کہا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) وہاں رُک گئے اور نماز تیار ہے کیا آپ امامت کریں گے فرمایا اگر تم کہو تو پڑھا دوں گا حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) نے اقامت کہی اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آگے آ گئے کچھ دیر بعد حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے اور صفوں سے گزر کر صف اول میں تشریف لے جا کر قیام فرمایا لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارنا شروع کیا حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اودھر متوجہ ہوں مگر وہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو کسی طرف متوجہ نہ ہوتے مگر جب لوگوں نے بکثرت ہاتھ پر ہاتھ مارنا شروع کیا کہ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے ادھر توجہ کی دیکھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے پیچھے تشریف فرما ہیں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے آگے تشریف لے جانے کا اشارہ کیا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تم نماز جیسے پڑھا رہے ہو پڑھاؤ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے ہاتھ اٹھا کر اللہ (عزوجل) کی حمد کی اور اُلٹے پاؤں چل کر صف میں شامل ہو گئے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آگے بڑھے اور نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر لوگوں سے فرمایا: "اے لوگو! نماز میں کوئی بات پیش آ جائے تو تم نے ہاتھ پر ہاتھ مارنا شروع کر دیا یہ کام عورتوں کے لیے ہے اگر کوئی چیز نماز میں کسی کو پیش آ جائے تو سُبْحٰنَ اللّٰہ سُبْحٰنَ اللّٰہ کہے امام جب اس کو سُنے گا متوجہ ہو جائے گا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اے ابوبکر جب میں نے اشارہ کر دیا تھا پھر تمہیں نماز پڑھانے سے کون سا امر مانع آیا عرض کی ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکرؓ) کو یہ سزاوار نہیں (1) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نماز پڑھے (امام بنے)۔ (صحیح البخاری، "کتاب الصلح)

(۲) صحیح بخاری میں ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے کہ اچھی بات پہنچاتا ہے یا اچھی بات کہتا ہے"۔ (صحیح البخاری، "کتاب الصلح)

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: "میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔ (بخاری شریف)

(۴) حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ پر جھگڑا کرنے والوں کی آواز سنی اُن میں ایک دوسرے سے کچھ معاف کرانا چاہتا تھا اور اُس سے آسانی کرنے کی خواہش کرتا تھا اور دوسرا کہتا تھا خدا کی

قسم ایسا نہیں کروں گا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر تشریف لائے فرمایا کہاں ہے وہ جو اللہ کی قسم کھاتا ہے کہ نیک کام نہیں کریگا اُس نے عرض کی میں حاضر ہوں یارسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم) وہ جو چاہے مجھے منظور ہے۔ (صحیح البخاری "کتاب الصلح)

(۵) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن ابی حذرَد رضی اللہ عنہ پر میرا دَین تھا میں نے تقاضا کیا اس میں دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کاشانہ اقدس میں ان کی آوازیں سنیں، تشریف لائے اور حجرہ کا پردہ ہٹا کر کعب بن مالک کو پکارا عرض کی لبیک یارسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم)! حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آدھا دَین معاف کردو کعب نے کہا میں نے معاف کیا دوسرے صاحب سے فرمایا: "اب تم اٹھو اور ادا کردو۔ (صحیح بخاری)

(۶) حضرت امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک شخص نے دوسرے سے زمین خریدی مشتری کو اُس زمین میں ایک گھڑا ملا جس میں سونا تھا اس نے بائع سے کہا یہ سونا تم لے لو کیوں کہ میں نے زمین خریدی ہے سونا نہیں خریدا ہے بائع نے کہا میں نے زمین اور جو کچھ زمین میں تھا سب کو بیع کردیا ان دونوں نے یہ مقدمہ ایک شخص کے پاس پیش کیا اُس حاکم نے دریافت کیا تم دونوں کی اولادیں ہیں ایک نے کہا میرے لڑکا ہے دوسرے نے کہا میری ایک لڑکی ہے حاکم نے کہا ان دونوں کا نکاح آپس میں کردو اور یہ سونا اُن پر خرچ کردو اور مہر میں دے دو۔

(۷) امام ابوداود نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مسلمانوں کے مابین ہر صلح جائز ہے مگر وہ صلح کہ حرام کو حلال کردے یا حلال کو حرام کردے۔

صلح کے حکم کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صلح کا حکم یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ دعویٰ سے بری ہو جائے گا اور مصالح علیہ مدعی کی مِلک ہو جائے گا چاہے مدعیٰ علیہ حقِ مدعی سے منکر ہو یا اقراری ہو اور مصالح عنہ مِلکِ مدعیٰ علیہ ہو جائے گا اگر مدعیٰ علیہ اقراری تھا بشرطیکہ وہ قابلِ تملیک بھی ہو یعنی مال ہو اور اگر وہ قابلِ مِلک ہی نہ ہو مثلاً قصاص یا مدعیٰ علیہ اس امر سے انکاری تھا کہ یہ حقِ مدعی ہے تو ان دونوں صورتوں میں مدعیٰ علیہ کے حق میں فقط دعوے سے برأت ہوگی۔ (درمختار، کتاب صلح، بیروت)

صلح کی شرائط کا بیان

(۱) عاقل ہونا۔ بالغ اور آزاد ہونا شرط نہیں لہٰذا نابالغ کی صلح بھی جائز ہے جب کہ اُس کی صلح میں سرعام نقصان نہ ہو۔ غلام ماذون اور مکاتب کی صلح بھی جائز ہے جب کہ اس میں نفع ہو۔ نشہ والے کی صلح بھی جائز ہے۔

(۲) مصالح علیہ کے قبضہ کرنے کی ضرورت ہو تو اس کا معلوم ہونا مثلاً اتنے روپے پر صلح ہوئی یا مدعیٰ علیہ فلاں چیز مدعی کو دیدے گا اور اگر اُس کے قبضہ کی ضرورت نہ ہو تو معلوم ہونا شرط نہیں مثلاً ایک شخص نے دوسرے کے مکان میں ایک حق کا دعویٰ کیا تھا کہ میرا اس میں کچھ حصہ ہے دوسرے نے اُس کی زمین کے متعلق دعویٰ کیا کہ میرا اس میں کچھ حق ہے اور صلح یوں ہوئی کہ دونوں اپنے اپنے دعوے سے دست بردار ہو جائیں۔

(۳) مصالح عنہ کا عوض لینا جائز ہو یعنی مصالح عنہ مصالح کا حق ہو اپنے محل میں ثابت ہو عام از یں کہ مصالح عنہ مال ہو یا غیر مال مثلاً قصاص و تعزیر جب کہ تعزیر حق العبد کی وجہ سے ہو اور اگر حق اللہ کی وجہ سے ہو تو اس کا عوض لینا جائز نہیں مثلاً کسی اجنبیہ کا بوسہ لیا اور کچھ دے کر صلح کر لی یہ جائز نہیں۔ اور اگر مصالح عنہ کے عوض میں کچھ لینا جائز نہ ہو تو صلح جائز نہیں مثلاً حق شفعہ کے بدلے میں شفیع کا کچھ لے کر صلح کر لینا یا کسی نے زنا کی تہمت لگائی تھی اور کچھ مال لے کر صلح ہو گئی یا زانی اور چور یا شراب خوار کو پکڑا تھا اُس نے کہا مجھے حاکم کے پاس پیش نہ کرو اور کچھ لے کر چھوڑ دیا یہ ناجائز ہے۔ کفالت بالنفس میں مکفول عنہ نے کفیل سے مال لے کر صلح کر لی۔ یہ صلح تو ناجائز ہی ہیں اس صلح سے شفعہ بھی باطل ہو جائے گا اور کفالت بھی جاتی رہی اسی طرح حد قذف بھی اگر قاضی کے یہاں پیش کرنے سے پہلے صلح ہو گئی۔ (درمختار، کتاب صلح، بیروت)

(۴) نابالغ کی طرف سے کسی نے صلح کی تو اس صلح میں نابالغ کا کھلا ہوا نقصان نہ ہو مثلاً نابالغ پر دعویٰ تھا اُس کے باپ نے صلح کی اگر مدعی کے پاس گواہ تھے اور اوتنے ہی پر مصالحت ہوئی جتنا حق تھا یا کچھ زیادہ پر تو صلح جائز ہے اور غبن فاحش پر صلح ہوئی یا مدعی کے پاس گواہ نہ تھے تو صلح ناجائز ہے اور اگر باپ نے اپنا مال دے کر صلح کی ہے تو بہر حال جائز ہے کہ اس میں نابالغ کا کچھ نقصان نہیں ہے۔

(۵) نابالغ کی طرف سے صلح کرنے والا وہ شخص ہو جو اُس کے مال میں تصرف کر سکتا ہو مثلاً باپ دادا وصی ہیں۔ (۶) بدل صلح مال متقوم ہو اگر مسلمان نے شراب کے بدلے میں صلح کی یہ صلح صحیح نہیں۔ (درمختار، کتاب صلح، بیروت)

صلح کی اقسام کا بیان

صلح کی تین اقسام ہیں۔ (۱) اقرار کے ساتھ صلح کرنا (۲) سکوت کے ساتھ صلح کرنا ہے۔ اور اس کی تعریف یہ ہے کہ مدعی علیہ نہ تو اس کا اقرار کرے اور نہ ہی اس کا انکار کرے۔

(۳) صلح کی تیسری قسم انکار کرنے کے ساتھ ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک صلح کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ''وَالصُّلْحُ خَيْرٌ'' اس میں مطلق طور فرمایا گیا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ہر صلح جائز ہے۔ سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال کرے یا حلال کو حرام کر دے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ انکار کے ساتھ صلح اور سکوت کے ساتھ صلح یہ دونوں جائز نہیں ہیں۔ اسی روایت کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ کیونکہ انکار کے ساتھ صلح اور سکوت والی صلح یہ بھی اسی صفت پر ہیں۔ کیونکہ بدل خواہ دینے والے پر حلال ہے مگر وہ لینے والے پر بھی حرام ہے۔ پس یہ معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ کیونکہ مدعی علیہ اپنی جان سے جھگڑے کو دور کرنے کے لئے مال دیتا ہے اور یہ رشوت ہے۔

ہماری دلیل وہ آیت مبارکہ ہے جس کو ہم تلاوت کر آئے ہیں اور روایت کردہ حدیث کا ابتدائی حصہ بھی دلیل ہے جبکہ دوسرے حصے کی تاویل یہ ہے کہ جب وہ ایسی چیز میں صلح کرے جو بعینہ حرام ہو جس طرح شراب یا ایسی چیز کو حرام کرے جو بعینہ حلال ہو جس طرح کسی نے اپنی بیوی سے اس بات پر صلح کی کہ سوکن سے جماع نہ کرے گا۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ ایسی صلح ایک درست دعویٰ کے بعد ہوئی ہے پس اس کے جائز ہونے والا حکم دیا جائے گا کیونکہ مدعی وہ مال کے اپنے حق کا بدلہ سمجھ کر لینے والا ہے اور یہ مشروع ہے جبکہ مدعیٰ علیہ اپنے آپ سے لڑائی کو دور کرنے کے لئے وہ مال مدعی کے حوالے کر رہا ہے اور یہ بھی جائز ہے کیونکہ مال جان کی حفاظت کے لئے ہوتا ہے۔ اور ظلم کو دور کرنے کے لئے رشوت دینا بھی جائز ہے۔

صلح کی تین صورتیں ہیں کبھی یوں ہوتی ہے کہ مدعیٰ علیہ حق مدعی کا مقر ہوتا ہے اور کبھی یوں کہ منکر تھا اور کبھی یوں کہ اُس نے سکوت کیا تھا اقرار انکار کچھ نہیں کیا تھا۔ پہلی قسم یعنی اقرار کے بعد صلح۔ اس کی چند صورتیں ہیں اگر مال کا دعویٰ تھا اور مال پر صلح ہوئی تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہے۔ اس صلح پر بیع کے تمام احکام جاری ہوں گے مثلاً مکان وغیرہ جائداد غیر منقولہ پر صلح ہوئی یعنی مدعیٰ علیہ نے یہ چیزیں دے دیں تو اس میں شفیع کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہوگا اور اگر بدل صلح میں کوئی عیب ہو تو واپس کرنے کا حق ہے خیار رویت بھی ہے خیار شرط بھی ہوسکتا ہے اور مصالح علیہ یعنی بدل صلح مجہول ہے تو صلح فاسد ہے مصالح عنہ کا مجہول ہونا صلح کو فاسد نہیں کرتا کیونکہ اُس کو ساقط کرتا ہے اُسکی جہالت سبب نزاع نہیں ہوسکتی بدل صلح کی تسلیم پر قدرت بھی شرط ہے۔ مصالح عنہ یعنی جس کا دعویٰ تھا اگر اُس میں کسی نے اپنا حق ثابت کر دیا تو مدعی کو بدل صلح اُس کے عوض میں پھیرنا ہوگا۔ کل کا استحقاق ہوا کل پھیرنا ہوگا اور بعض کا ہوا بعض پھیرنا ہوگا اور بدل صلح میں استحقاق ہو جائے تو اُس کے مقابل میں مدعی مصالح عنہ سے لے گا یعنی کل میں استحقاق ہوا تو کل لے گا اور بعض میں ہوا تو بعض یعنی بقدر حصہ ہوگا۔ (متون)

2353 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا كَثِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا

◆◆ کثیر بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے مسلمانوں کے درمیان ہر صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو کسی حلال چیز کو حرام قرار دے یا حرام چیز کو حلال قرار دے۔

بیوع میں معتبر چیزوں پر صلح کرنے کا بیان

جب اقرار کے ساتھ صلح ہوئی ہوں تو ان چیزوں کا ہی اعتبار کیا جائے گا جو بیوع میں معتبر ہوتی ہیں بشرطیکہ مال کے عوض مال پر صلح ہوئی ہو اس لئے کہ اس میں بیع کا معنی موجود ہے اور وہ متعاقدین کے حق میں ان کی رضامندی سے مال کے بدلے مال کا تبادلہ کرنا ہے اور جب مدعیٰ علیہ کی دی ہوئی زیج زمین یا عقار ہو تو اس میں شفعہ ہوگا اور عیب کے سبب اس کو واپس کیا جائے گا اور اس میں خیار شرط اور رویئت ثابت ہوگا اور بدل کی جہالت اس کو فاسد کر دے گی اس لئے کہ بدل کی جہالت ہی تو منازعت کی طرف لے جانے والی ہے نہ کہ مصالحت عنہ کی جہالت اس لئے کہ مصالح عنہ تو ساقط ہو جاتی ہے اور اس صلح میں قدر علی تسلیم البدل شرط ہے اور

2353 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1352

جب مال کے بدلے منافع پر صلح ہوئی ہو تو اسکو اجارات پر قیاس کیا جائے گا اس لئے کہ اس میں اجارہ کا معنی موجود ہے اور وہ مال پر منافع کی تملیک ہے اور عقود میں معانی کا ہی اعتبار کیا جاتا ہے لہٰذا اس میں توقیت شرط ہوگی اور مدت کے دوران ایک کے مرنے سے صلح باطل ہو جاتی ہے اس لئے کہ یہ صلح اجارہ ہے فرمایا کہ وہ صلح جو خاموشی یا انکار کے بدلے میں ہو وہ مدعی علیہ کے نکار کے حق میں قسم کا دیہ دینے اور خصومت ختم کرنے کا بدلہ ہے اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے حکم میں ہوتی ہے اسی دلیل کے سبب جو ہم بیان کرآئے ہیں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ عقد صلح کا حکم مدعی اور مدعی علیہ دونوں کے حق میں الگ الگ ہو جس طرح کہ دو عقد کرنے والوں کے حق میں اقالہ کا حکم بدلتا رہتا ہے اور انکار کی صورت میں یہ ظاہر ہے خاموشی میں بھی یہی حکم ہوگا اس لئے کہ خاموشی میں انکار اور اقرار دونوں کا احتمال ہوتا ہے لہٰذا شک کے سبب مدعی علیہ کے حق میں یہ بدلہ نہ ہوگا۔ (ہدایہ کتاب بیوع، لاہور)

علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو صلح بیع کے حکم میں ہے اُس میں دو باتوں میں بیع کا حکم نہیں ہے۔ 1 ذین کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ اقراری تھا ایک غلام دے کر مصالحت ہوئی اور مدعی نے اس پر قبضہ کر لیا اس غلام کا مرابحہ تولیہ اگر کرنا چاہے گا تو بیان کرنا ہوگا کہ مصالحت میں یہ غلام ہاتھ آیا ہے بغیر بیان جائز نہیں۔ 2 صلح کے بعد دونوں بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ ذین تھا ہی نہیں صلح باطل ہو جائے گی۔ جس طرح حق وصول پانے کے بعد بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ ذین تھا ہی نہیں جو کچھ لیا ہے دے دینا ہوگا اور اگر ذین کے بدلے میں کوئی چیز خریدی پھر دونوں یہ کہتے ہیں کہ ذین نہیں تھا تو خریداری باطل نہیں اور اگر ہزار کا دعویٰ تھا اور دوسری چیز مثلاً غلام لے کر صلح کی پھر دونوں کہتے ہیں کہ ذین نہیں تھا تو مدعی کو اختیار ہے کہ غلام واپس کرے یا ہزار روپے دے۔

اور بیع کے حکم میں اُس وقت ہے جب خلاف جنس پر مصالحت ہوئی مثلاً دعویٰ تھا روپے کا اور صلح ہوئی اشرفی یا کسی اور چیز پر اور اگر اسی جنس پر مصالحت ہو جس کا دعویٰ تھا یعنی روپے کا دعویٰ تھا اور روپے ہی پر مصالحت ہوئی اور کم پر ہوئی یعنی سو کا دعویٰ تھا پچاس پر صلح ہوئی تو یہ ابرا ہے یعنی معاف کر دینا اور اگر اُتنے ہی پر صلح ہوئی جتنے کا دعویٰ تھا تو استیفا ہے یعنی اپنا حق وصول پا لیا اور اگر زیادہ پر صلح ہوئی تو ربا یعنی سود ہے۔ (بحر الرائق، کتاب صلح، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور مال کا دعویٰ تھا اور روپے پر صلح ہوئی اور اسکی میعاد یہ قرار پائی کہ کھیت کٹے گا تو روپیہ دیا جائے گا یعنی مدت مجہول ہے یہ صلح جائز نہیں کہ بیع میں مدت مجہول ہونا ناجائز ہے۔ (درمختار، کتاب صلح، بیروت)

صلح کرکے قتل معاف کرنے میں مذاہب فقہاء کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں اور جب کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے، اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل کو مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے دیت وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے دیت ادا کر دے، حیل وحجت نہ کرے۔

امام مالک کا مشہور مذہب اور امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعی اور امام احمد کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورت قصاص سے درگزر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ حسن، قتادہ، زہرہ، ابن شبرمہ، لیث اور اوزاعی کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علماء دین ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہے گا پھر فرماتے ہیں کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ اللہ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا انہیں قصاص سے درگزر کرنے اور دیت لینے کی اجازت نہ تھی لیکن اس بات پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینی بھی جائز کی گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں قصاص دیت اور معافی اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی دیت نہ تھی، بعض لوگ کہتے ہیں اہل تورات کے ہوں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کرلینے کے بعد بھی زیادتی پر تل جائے اس کے لئے سخت دردناک عذاب ہے۔ مثلاً دیت لینے کے بعد پر قتل کے درپے ہو وغیرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا قصاص یعنی بدلہ لے یا درگزر کرے۔ معاف کردے یا دیت یعنی جرمانہ لے لے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو ان میں سے ایک کر چکنے کے بعد بھی جو زیادتی کرے وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے گا۔ (احمد)

دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دیت وصول کرلی پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل کروں گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے عقلمند و قصاص میں نسل انسان کی بقاء ہے اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہوا تو دو مرے لیکن دراصل اگر سوچو تو پتہ چلے گا کہ یہ سبب زندگی ہے، قاتل کو خود خیال ہو گا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اس فعل بد سے رک جائے گا تو دو آدمی قتل و خون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات تو بیان فرمائی تھی کہ آیت (القتل انفی للقتل) قتل قتل کو روک دیتا ہے لیکن قرآن پاک میں بہت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کرے گا نہ کہ وہ قتل کیا جائے گا زمین پر امن وامان سکون و سلام رہے گا، تقویٰ نیکیوں کے کرنے اور کل برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۱۷۸)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جنایت عمد جس میں قصاص واجب ہوتا ہے خواہ وہ قتل ہو یا اس سے کم مثلاً قطع عضو اس میں اگر دیت سے زیادہ پر صلح ہوئی یہ جائز ہے اور جنایت خطا میں دیت سے زیادہ پر صلح ناجائز ہے کہ اس میں شرع کی طرف سے دیت مقرر ہے اس پر زیادتی نہیں ہوسکتی ہاں دیت میں جو چیزیں مقرر ہیں ان کے علاوہ دوسری جنس پر صلح ہو اور یہ چیز قیمت میں زیادہ ہو تو یہ صلح جائز ہے۔

(درمختار، کتاب صلح، بیروت)

بَابُ الْحَجْرِ عَلٰی مَنْ یُفْسِدُ مَالَهٗ

یہ باب ہے کہ جو شخص اپنا مال ضائع کر دیتا ہو اس کے تصرف پر پابندی عائد کرنا

حجر کے لغوی معنی و مفہوم کا بیان

اور کسی شخص کے تصرفات قولیہ روک دینے کو حجر کہتے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے مختلف مراتب پر پیدا فرمایا ہے کسی کو سمجھ بوجھ اور دانائی و ہوشیاری عطا فرمائی اور بعض کی عقلوں میں فتور اور کمزوری رکھی جیسے مجنون اور بچے کہ ان کی فہم و عقل میں جو کچھ قصور ہے وہ مخفی نہیں اگر ان کے تصرفات نافذ ہو جایا کریں اور بسا اوقات یہ اپنی کم فہمی سے ایسے تصرفات کر جاتے ہیں جو خود ان کے لیے مضر ہیں تو انھیں کو نقصان اوٹھانا پڑے گا لہٰذا اس کی رحمتِ کاملہ نے ان کے تصرفات کو روک دیا کہ ان کو ضرر نہ پہنچنے پائے۔ باندی غلام کی عقل میں فتور نہیں ہے مگر یہ خود اور جو ان کے پاس ہے سب ملکِ مولیٰ ہے لہٰذا ان کو پرائی مِلک میں تصرّف کرنے کا کیا حق ہے۔

کتاب حجر کے شرعی ماٰ خذ کا بیان

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۔ (النساء ،۵)

اور بے عقلوں کو ان کے مال نہ دو جو تمہارے پاس ہیں جن کو اللہ نے تمہاری بسر اوقات کیا ہے اور انہیں اس میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہو۔ (کنز الایمان)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوگوں سے فرماتا ہے کہ کم عقل بیوقوں کو مال کے تصرف سے روکیں، مال کو اللہ تعالیٰ نے تجارتوں وغیرہ میں لگا کر انسان کا ذریعہ معاش بنایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کم عقل لوگوں کو ان کے مال کے خرچ سے روک دینا چاہئے، مثلاً نابالغ بچہ ہو یا مجنون و دیوانہ ہو یا کم عقل بیوقوف ہو اور بیدین ہو بری طرح اپنے مال کو لٹا رہا ہو، اسی طرح ایسا شخص جس پر قرض بہت چڑھ گیا ہو جسے وہ اپنے کل مال سے بھی ادا نہیں کر سکتا اگر قرض خواہ حاکم وقت سے درخواست کریں تو حاکم وہ سب مال اس کے قبضے سے لے لے گا اور اسے بیدخل کر دے گا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہاں (سفہاء) سے مراد تیری اولاد اور عورتیں ہیں، اسی طرح حضرت ابن مسعود حکم بن عیینہ حسن اور ضحاک رحمتہ اللہ سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں، حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں یتیم مراد ہیں، مجاہد عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے کہ عورتیں مراد ہیں،

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک عورتیں بیوقوف ہیں مگر جو اپنے خاوند کی اطاعت گزار ہوں، ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث مطول مروی ہے، حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرکش خادم ہیں۔ پھر فرماتا ہے انہیں کھلاؤ پہناؤ اور اچھی بات کہو ابن عباس فرماتے ہیں یعنی تیرا مال جس پر تیری گزر بسر موقوف ہے اسے اپنی بیوی بچوں کو نہ دے ڈال کر پھر ان کا ہاتھ تکتا پھرے بلکہ اپنا مال اپنے قبضے میں رکھ اس کی اصلاح کرتا رہ اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے کھانے کپڑے کا

بندوبست کراوران کے خرچ اٹھا،

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا، ایک وہ شخص جس کی بیوی بدخلق ہواور پھر بھی وہ اسے طلاق نہ دے دوسرا وہ شخص جو اپنا مال بیوقوف کو دے دے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بیوقوف کو اپنا مال نہ دو تیسرا وہ شخص جس کا قرض کسی پر ہواور اس نے اس قرض پر کسی کو گواہ نہ کیا ہو۔ ان سے بھلی بات کہو یعنی ان سے نیکی اور صلہ رحمی کرو، اس آیت سے معلوم ہوا کہ محتاجوں سے سلوک کرنا چاہئے اسے جسے بالفعل تصرف کا حق نہ ہو اس کے کھانے کپڑے کی خبر گیری کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ نرم زبانی اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے۔

یتیم کے مال میں میں تصرف کرنے کا بیان

اور جب تم دیکھو کہ یہ اپنے دین کی صلاحیت اور مال کی حفاظت کے لائق ہو گئے ہیں تو ان کے ولیوں کو چاہئے کہ ان کے مال انہیں دے دیں۔ بغیر ضروری حاجت کے صرف اس ڈر سے کہ یہ بڑے ہوتے ہی اپنا مال ہم سے لے لیں گے تو ہم اس سے پہلے ہی ان کے مال کو ختم کر دیں ان کا مال نہ کھاؤ۔ جسے ضرورت نہ ہو خود امیر ہو کھاتا پیتا ہو تو اسے تو چاہئے کہ ان کے مال میں سے کچھ بھی نہ لے، مردار اور بہے ہوئے خون کی طرح یہ مال ان پر حرام محض ہے، ہاں اگر والی مسکین محتاج ہو تو بیشک اسے جائز ہے کہ اپنی پرورش کے حق کے مطابق وقت کی حاجت اور دستور کے موجب اس مال میں سے کھا پی لے اپنی حاجت کو دیکھیے اور اپنی محنت کو اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت کے مطابق لے اور اگر محنت حاجت سے کم ہو تو محنت کا بدلہ لے لے، پھر ایسا ولی اگر مالدار بن جائے تو اسے اس کھائے ہوئے اور لئے ہوئے مال کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ واپس نہ دینا ہوگا اس لئے کہ اس نے اپنے کام کے بدلے لے لیا ہے۔ امام شافعی کے ساتھیوں کے نزدیک یہی صحیح ہے، اس لئے کہ آیت میں بغیر بدل کے مباح قرار دیا ہے اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مال نہیں ایک یتیم میری پرورش میں ہے تو کیا میں اس کے کھانے سے کھا سکتا ہوں آپ نے فرمایا ہاں اس یتیم کا مال اپنے کام میں لا سکتا بشرطیکہ حاجت سے زیادہ نہ اڑا نہ جمع کرنہ یہ ہو کہ اپنے مال کو تو بچا رکھے اور اس کے مال کو کھاتا چلا جائے، ابن ابی حاتم میں بھی ایسی ہی روایت ہے،

ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں اپنے یتیم کو ادب سکھانے کے لئے ضرورتاً کس چیز سے ماروں؟ فرمایا جس سے تو اپنے بچے کو تنبیہ کرتا ہے اپنا مال بچا کر اس کا مال خرچ نہ کرنہ اس کے مال سے دولت مند بننے کی کوشش کر، حضرت ابن عباس سے کسی نے پوچھا کہ میرے پاس بھی اونٹ ہیں اور میرے ہاں جو یتیم پل رہے ہیں ان کے بھی اونٹ ہیں میں اپنی اونٹنیاں دودھ پینے کے لئے فقیروں کو تحفہ دے دیتا ہوں تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ ان یتیموں کی اونٹنیوں کا دودھ پی لوں؟ آپ نے فرمایا اگر ان یتیموں کی گم شدہ اونٹنیوں کی کو تو ڈھونڈ لاتا ہے ان کے چارے پانی کی خبر گیری رکھتا ہے ان کے حوض درست کرتا رہتا ہے اور ان کی نگہبانی کیا کرتا ہے تو بیشک دودھ سے نفع بھی اٹھا لیکن اس طرح کہ نہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے نہ حاجت سے زیادہ لے، (موطا امام مالک)

حضرت عطاء بن رباح حضرت عکرمہ حضرت ابراہیم نخعی حضرت عطیہ عوفی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول

ہے دوسرا قول یہ ہے کہ تنگ دستی کے دور ہو جانے کے بعد وہ مال یتیم کو واپس دینا پڑے گا اس لئے کہ اصل تو ممانعت ہے البتہ ایک وجہ سے جواز ہو گیا تھا جب وہ وجہ جاتی رہی تو اس کا بدل دینا پڑے گا جیسے کوئی بے بس اور مضطر ہو کر کسی غیر کا مال کھا لے لیکن حاجت کے نکل جانے کے بعد اگر اچھا وقت آیا تو اسے واپس دینا ہوگا، دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تخت خلافت پر بیٹھے تو اعلان فرمایا تھا کہ میری حیثیت یہاں یتیم کے والی کی حیثیت ہے اگر مجھے ضرورت ہی نہ ہوئی تو میں بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاجی ہوئی تو بطور قرض لوں گا جب آسانی ہوئی پھر واپس کر دوں گا (ابن ابی الدنیا)

یہ حدیث سعید بن منصور میں بھی ہے اور اس کو اسناد صحیح ہے، بیہقی میں بھی یہ حدیث ہے، ابن عباس سے آیت کے اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ بطور قرض کھائے اور بھی مفسرین سے یہ مروی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں معروف سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ تین انگلیوں سے کھائے اور روایت میں آپ سے یہ مروی ہے کہ وہ اپنے ہی مال کو صرف اپنی ضرورت پوری ہو جانے کے لائق ہی خرچ کرے تاکہ اسے یتیم کے مال کی حاجت ہی نہ پڑے،

حضرت عامر شعبی فرماتے ہیں اگر ایسی بے بسی ہو جس میں مردار کھانا جائز ہو جاتا ہے تو بیشک کھا لے لیکن پھر ادا کرنا ہوگا، یحییٰ بن سعید انصار اور ربیعہ سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ اگر یتیم فقیر ہو تو اس کا ولی اس کی ضرورت کے موافق دے اور پھر اس ولی کو کچھ نہ ملے گا، لیکن عبارت یہ ٹھیک نہیں بیٹھتا اس لئے کہ اس سے پہلے یہ جملہ بھی ہے کہ جو غنی ہو وہ کچھ نہ لے، یعنی جو ولی غنی ہو تو یہاں بھی یہی مطلب ہوگا جو ولی فقیر ہو نہ یہ کہ جو یتیم فقیر ہو، دوسری آیت میں ہے آیت (وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّه) 6 . الانعام:152) یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ ہاں بطور اصلاح کے پھر اگر تمہیں حاجت ہو تو حسب حاجت بطریق معروف اس میں سے کھاؤ پیو پھر ادلیاء سے کہا جاتا ہے کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور تم دیکھ لو کہ ان میں تمیز آ چکی ہے تو گواہ رکھ کر ان کے مال ان کے سپرد کر دو، تاکہ انکار کرنے کا وقت ہی نہ آئے، یوں تو دراصل سچا شاہد اور پورا نگراں اور باریک حساب لینے والا اللہ ہی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ولی نے یتیم کے مال میں نیت کیسی رکھی؟ آیا خورد برد کیا تباہ و برباد کیا جھوٹ سچ حساب لکھا اور دیا یا صاف دل اور نیک نیتی سے نہایت چوکسی اور صفائی سے اس کے مال کا پورا پورا خیال رکھا اور حساب کتاب صاف رکھا، ان سب باتوں کا حقیقی علم تو اسی دانا و بینا نگران و نگہبان کو ہے،

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابوذر میں تمہیں ناتواں پاتا ہوں اور جو اپنے لئے چاہتا ہوں وہی تیرے لئے بھی پسند کرتا ہوں خبردار ہرگز دو شخصوں کا بھی سردار اور امیر نہ بننا نہ کبھی کسی یتیم کا ولی بننا۔ (تفسیر ابن کثیر، نساء ۵)

حجر کے اسباب ثلاثہ کا بیان

حجر کو ثابت کرنے والے اسباب تین ہیں۔ (۱) کم سن ہونا (۲) غلام ہونا (۳) پاگل ہونا۔ پس چھوٹے بچے کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ولی کی اجازت کے سوا تصرف کرے۔ اور اپنے آقا کی اجازت کے بغیر غلام کے لئے تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور پاگل کا تصرف بھی جائز نہیں ہے۔ چھوٹے بچے کے تصرف کا عدم جواز اس دلیل سے ہے کہ اس میں عقل و سمجھ کم ہوتی ہے

جبکہ وہ ولی کی اجازت سے اہل ہونے والا ہے اور غلام کے تصرف کا عدم جواز اس کے آقا کے حق ہونے کے سبب بنے ہے۔ تاکہ غلام کا نفع ضائع نہ ہو اور قرض کے لازم ہو جانے کے سبب سے اس کی رقبہ مملوک نہ بن جائے۔ لہٰذا اسکا تصرف منع ہو گیا۔ مگر اجازت دینے کی وجہ سے آقا اپنے حق کو ضائع کرنے پر رضامند ہوا ہے۔ اور پاگل کے ساتھ تو کوئی اہلیت بھی جمع ہونے والی نہیں ہے پس اس کا تصرف کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ یہ خلاف اس کے کہ غلام خود بہ خود تصرف کرنے کا اہل ہے اور بچے کی اہلیت کی توقع بھی کی جاسکتی ہے۔ پس اس طرح بچے، غلام اور پاگل کے درمیان فرق واضح ہو چکا ہے۔ (ہدایہ، کتاب حجر، لاہور)

جدید دور میں بعض اسباب حجر کا بیان

علامہ امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حجر کے اسباب تین ہیں۔ نابالغی، جنون، رقیت نتیجہ یہ ہوا کہ آزاد عاقل بالغ کو قاضی مجبور نہیں کرسکتا ہاں اگر کسی شخص کے تصرفات کا ضرر عام لوگوں کو پہنچتا ہو تو اس کو روک دیا جائے گا مثلاً طبیب جاہل کہ فن طب میں مہارت نہیں رکھتا اور علاج کرنے کو بیٹھ جاتا ہے لوگوں کو دوائیں دے کر ہلاک کرتا ہے۔ آج کل بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص سے یا مدرسہ میں طب پڑھ لیتے ہیں اور علاج و معالجہ سے سابقہ بھی نہیں پڑتا دو تین برس کے بعد سند طب حاصل کر کے مطب کھول لیتے ہیں اور ہر طرح کے مریض پر ہاتھ ڈال دیتے ہیں مرض سمجھ میں آیا ہو یا نہ آیا ہو نسخے پلانا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ اس کہنے کو کسر شان سمجھتے ہیں کہ میری سمجھ میں مرض نہیں آیا ایسوں کو علاج کرنا کب جائز و درست ہے۔

علاج کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مدت دراز تک استاد کامل کے پاس بیٹھے اور ہر قسم کا علاج دیکھے اور استاد کی موجودگی میں علاج کرے اور طریق علاج کو استاد پر پیش کرتا رہے جب استاد کی سمجھ میں آجائے کہ یہ شخص اب علاج میں ماہر ہو گیا تو علاج کی اجازت دے۔

آج کل تعلیم اور امتحان کی سندوں کو علاج کے لیے کافی سمجھتے ہیں مگر یہ غلطی ہے اور سخت غلطی ہے، اسی کی دوسری مثال جاہل مفتی ہے کہ لوگوں کو غلط فتوے دے کر خود بھی گمراہ و گنہگار ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی کرتا ہے طبیب ہی کی طرح آج کل مولوی بھی ہو رہے ہیں کہ جو کچھ اس زمانہ میں مدارس میں تعلیم ہے وہ ظاہر ہے۔

اول تو درس نظامی جو ہندوستان کے مدارس میں عموماً جاری ہے اس کی تکمیل کرنے والے بھی بہت قلیل افراد ہوتے ہیں عموماً کچھ معمولی طور پر پڑھ کر سند حاصل کر لیتے ہیں اور اگر پورا درس بھی پڑھا تو اس پڑھنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اب اتنی استعداد ہو گئی کہ کتابیں دیکھ کر محنت کر کے علم حاصل کرسکتا ہے ورنہ درس نظامی میں دینیات کی جتنی تعلیم ہے ظاہر کہ اس کے ذریعہ سے کتنے مسائل پر عبور ہو سکتا ہے مگر ان میں اکثر کو اتنا بیباک پایا گیا ہے کہ اگر کسی نے ان سے مسئلہ دریافت کیا تو یہ کہنا ہی نہیں جانتے کہ مجھے معلوم نہیں یا کتاب دیکھ کر بتاؤں گا کہ اس میں وہ اپنی توہین جانتے ہیں اٹکل پچو جی میں جو آیا کہہ دیا۔ صحابہ کبار و ائمہ اعلام کی زندگی کی طرف اگر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ باوجود زبردست پایہ اجتہاد رکھنے کے بھی وہ کبھی ایسی جراءت نہیں کرتے تھے جو بات نہ معلوم ہوتی اس کی نسبت صاف فرما دیا کرتے کہ مجھے معلوم نہیں۔ ان نو آموز مولویوں کو ہم خیر خواہانہ نصیحت کرتے ہیں کہ تکمیل درس نظامی کے بعد فقہ و اصول و کلام و حدیث و تفسیر کا بکثرت مطالعہ کریں اور دین کے مسائل میں جسارت نہ کریں جو کچھ

دین کی باتیں ان پر منکشف وواضح ہو جائیں ان کو بیان کریں اور جہاں اشکال پیدا ہو اس میں کامل غور وفکر کریں خود واضح نہ ہو تو دوسروں کی طرف رجوع کریں کہ علم کی بات پوچھنے میں کبھی عار نہ کرنا چاہیے۔ (بہار شریعت، کتاب حجر، لاہور)

تصرف پر پابندی لگا دینے کا بیان

2354- حَدَّثَنَا اَزْهَرُ بْنُ مَرْوَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا كَانَ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ عُقْدَتِهٖ ضَعْفٌ وَّكَانَ يُبَايِعُ وَاَنَّ اَهْلَهٗ اَتَوُا النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ احْجُرْ عَلَيْهِ فَدَعَاهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ لَا اَصْبِرُ عَنِ الْبَيْعِ فَقَالَ اِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ هَا وَلَا خِلَابَةَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک شخص کی زبان میں کچھ لکنت تھی وہ خرید وفروخت کیا کرتا تھا اس کے گھر والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تصرف کرنے پر پابندی لگا دیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا اور اسے ایسا کرنے سے منع کیا' تو اس نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرا خرید و فروخت کے بغیر گزارا نہیں ہوتا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم نے خرید وفروخت کرنی ہو' تو یہ کہہ دیا کرو: یہ لو اور کوئی دھوکہ نہیں ہے

شرح

بچہ اور مجنوں کا نہ ہی عقد درست ہوگا اور نہ ہی ان کے اقرار کا اعتبار کیا جائے گا اسی دلیل کے سبب جس کو ہم نے بیان کیا ہے لہٰذا ان کی طلاق اور ان کا اعتاق دونوں چیزیں درست نہیں ہوں گی اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچے اور نیم پاگل کی طلاق کے علاوہ باقی سب کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اعتاق نقصان محض ہے اور بچہ کسی بھی حالت میں طلاق کی مصلحت سے واقف نہیں ہوتا اس لئے کہ اس میں شہوت نہیں ہوتی اور اس بچے کے شہوت کی حد کو پہنچ جانے کے اعتبار سے اس کا ولی میاں بیوی میں موافقت نہ ہونے پر واقف نہیں ہوتا اس لئے بچہ کے اعتاق نہ تو ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے اور نہ ہی ولی کی اجازت سے نافذ ہوں گے جبکہ دوسرے عقود میں ایسا نہیں ہے۔

جب بچہ اور مجنوں نے کوئی چیز ہلاک کردی تو ان پر اس کا ضمان واجب ہوگی تا کہ مالک کے حق کو زندہ کیا جا سکے یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اتلاف کا موجب ضمان ہونا قصد پر موقوف نہیں ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جس طرح سونے والے کے لڑھکنے سے کوئی آدمی مر جائے اور یہ نقصان پر شہادت ہو جانے کے بعد کسی پر کوئی دیوار گر جائے اس تولی تصرف کے خلاف ہوگا جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مجنون نہ طلاق دے سکتا ہے نہ اقرار کر سکتا ہے اسی طرح نابالغ کہ نہ اس کی طلاق

2354: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3501 'اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1250

صحیح نہ اقرار، مجنون اگر ایسا ہے کہ کبھی کبھی اسے افاقہ ہو جاتا ہے اور افاقہ بھی پوری طور پر ہوتا ہے تو اس حالت میں اس پر جنون کا حکم نہیں ہے اور اگر ایسا افاقہ ہے کہ عقل ٹھکانے پر نہیں آئی ہو تو نابالغ عاقل کے حکم میں ہے۔ (درمختار، کتاب اکراہ، بیروت)

اور اگر مدیون مجنون و ناقص العقل یا بچہ یا شیخ فانی ہو یا گونگا ہونے یا زبان نہ جاننے کی وجہ سے اپنے مدعا کا بیان نہ کرسکتا ہو۔

خرید و فروخت میں تین دن کا اختیار رکھنے کا بیان

2355- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ يَحْيٰی بْنِ حَبَّانَ قَالَ هُوَ جَدِّیْ مُنْقِذُ بْنُ عَمْرٍو وَكَانَ رَجُلًا قَدْ اَصَابَتْهُ اٰمَّةٌ فِیْ رَاْسِهٖ فَكَسَرَتْ لِسَانَهٗ وَكَانَ لَا يَدَعُ عَلٰی ذٰلِكَ التِّجَارَةَ وَكَانَ لَا يَزَالُ يُغْبَنُ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ لَهٗ اِذَا اَنْتَ بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ ثُمَّ اَنْتَ فِیْ كُلِّ سِلْعَةٍ ابْتَعْتَهَا بِالْخِيَارِ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَاِنْ رَضِيْتَ فَاَمْسِكْ وَاِنْ سَخِطْتَ فَارْدُدْهَا عَلٰی صَاحِبِهَا

حضرت منقذ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص کے سر میں چوٹ آئی' جس کے نتیجے میں اس کی زبان میں لغزش پیدا ہوگئی' وہ شخص تجارت کرنا ترک نہیں کرتا تھا' اور تجارت میں اس کے ساتھ عام طور پر دھوکہ ہو جاتا تھا' وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔

''جب تم کوئی سودا کرو تو یہ کہو' کوئی دھوکہ نہیں چلے گا' پھر تم نے جو بھی سامان خریدا ہو اس میں تم تین دن تک اختیار رکھو' اگر تم راضی رہے' تو اس کو اپنے پاس رکھو گے' اگر تمہیں یہ پسند نہ آیا' تو تم اس کے مالک کو واپس کردو گے''۔

شرح

یعنی: مجھ کو دھوکہ مت دو، اگر فریب ثابت ہوگا تو معاملہ فسخ کرنے کا مجھ کو اختیار ہوگا، دوسری روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ مجھ کو تین دن تک اختیار ہے (طبرانی اور بیہقی)۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ (۱) جس کی عقل زائل ہوگئی ہو بلا وجہ لوگوں کو مارے، گالیاں دے، شریعت نے اس میں کوئی اپنی اصطلاح جدید مقرر نہیں فرمائی، وہی ہے جسے فارسی میں دیوانہ، اردو میں پاگل کہتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) مجنون کی ولایت عصبہ کو ہے۔ سب میں مقدم اس کا بیٹا عاقل بالغ، وہ نہ ہو تو باپ، پھر دادا، پھر بھائی، پھر بھتیجا، پھر چچا، پھر چچا کا بیٹا الی آخر العصبات، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ولایت مال صرف سات کو ہے۔ بیٹا، پھر اس کا وصی، پھر باپ، پھر اس کا وصی، پھر دادا، پھر اس کا وصی، یا ان وصیوں کا وصی علی الترتیب، اور ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) شرعاً مجنون وصبی غیر عاقل ایک حکم میں ہیں، اور صبی عاقل کا حکم اس سے جدا ہے۔ وہ خرید و فروخت باجازت ولی کرسکتا ہے اور مجنون نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

2355: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

(۵) مجنون کی طلاق نہیں واقع ہو سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۶) ذرائیں یانہیں۔ ولی موجود ہو یانہیں۔ مجنون کے دئے طلاق نہیں ہو سکتی جبکہ اس کا جنون ثابت ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۷) اس کا جواب گزرا کہ صبی لایعقل اور مجنون کا ایک حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۸) نہیں واقع ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ، کتاب حجر، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حضرت امام اعظم کے نزدیک جب نادان لڑکا بالغ ہو جائے تو اس کو اس کا مال نہیں دیا جائے گا جب تک کہ وہ پچیس سال کا ہو جائے اور جب وہ اس عمر میں پہنچنے سے پہلے اپنے مال میں تصرف کرتا ہے تو اس کا تصرف نافذ ہوگا اور جب وہ پچیس سال کا ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا اگرچہ اس سے دانش مندی کا صدور نہ ہو۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ جب تک اس سے دانش مندی کا ظہور نہیں ہوگا اس وقت تک اس کا مال اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا اور اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نہ دینے کی علت سفاہت ہے لہٰذا جب تک یہ علت باقی رہے گی اس وقت تک یہ حکم بھی باقی رہے گا اور یہ بچپن کی طرح ہو گیا۔

حضرت امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ بیوقوف کو ادب سکھانے کے لئے مال نہیں دیا جاتا اور عام طور پر پچیس سال کی عمر کے بعد ادب نہیں سکھایا جاتا کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ کبھی پچیس سال میں انسان دادا بن جاتا ہے اس لئے روکنے اور نہ دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور دینا لازم ہے اور اس لئے کہ مال کا روکنا بچپن کے اثر کے سبب ہوتا ہے اور یہ اثر ابتدائے بلوغت کے زمانے تک رہتا ہے۔

اور عمر لمبی ہونے کے ساتھ ساتھ یہ اثر ختم ہو جاتا ہے لہٰذا منع کس طرح باقی رہے گا اسی لئے امام اعظم فرماتے ہیں کہ جب کوئی بچہ عقل مند ہو کر بالغ ہوا پھر وہ بیوقوف نکل گیا تو اس کا مال اس سے نہیں روکا جائے گا اس لئے کہ یہ سفاہت بچپن کے اثر کے سبب نہیں ہے۔

پس یاد رہے کہ امام اعظم کے اس قول پر کوئی مسئلہ متفرع نہیں ہوتا بلکہ قائلین حجر کے قول پر ہی مسئلہ متفرع ہوتا ہے لہٰذا ان کے نزدیک جب احمق پر حجر درست ہے تو جب وہ کوئی چیز بیچتا ہے تو اس کا بیچنا نافذ نہیں ہوگا تاکہ اس پر حجر کا فائدہ ظاہر ہو جائے اور جب اس بیع کے نفاذ میں کوئی مصلحت ہو تو حاکم اس کو جائز قرار دے اس لئے کہ تصرف کا رکن پایا گیا ہے اور بیع کا موقوف ہونا اس کی ہمدردی کے پیش نظر ہے اور جیسا کہ قاضی ہمدرد بنا کر ہی متعین کیا جاتا ہے لہٰذا وہ اس احمق کے بارے میں مصلحت دیکھ لے گا جس طرح کہ اس بچے کے متعلق کہ جو بیع کو جانتا ہو اور ارادے سے بیع کرے۔

اور وہ نابالغ جس کا مال ولی یا وصی کے قبضہ میں تھا وہ بالغ ہوا اور اس کی حالت اچھی معلوم ہوتی ہے اور چال چلن ٹھیک ہیں (یہاں نیک چلنی کے صرف یہ معنے ہیں کہ مال کو موقع سے خرچ کرتا ہو اور بے موقع خرچ کرنے سے رکتا ہو جس کو رشد کہتے ہیں) تو اس کے اموال اسے دے دیے جائیں اور اگر چال چلن اچھے نہ ہوں تو اموال نہ دیے جائیں جب تک اس کی عمر پچیس سال کی نہ ہو جائے اور اس کے تصرفات پچیس سال سے قبل بھی نافذ ہوں گے اور اس عمر تک پہنچنے کے بعد بھی اس میں رشد ظاہر نہ ہوا تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اب مال دے دیا جائے وہ جو چاہے کرے مگر صاحبین فرماتے ہیں کہ اب بھی نہ دیا جائے جب تک

رشد ظاہر نہ ہو مال سپرد نہ کیا جائے اگرچہ اس کی عمر ستر سال کی ہو جائے۔ اور بالغ ہونے کے بعد نیک چلن تھا اور اموال دے دیے گئے اب اس کی حالت خراب ہو گئی تو امام اعظم کے نزدیک حجر نہیں ہو سکتا مگر صاحبین کے نزدیک محجور کر دیا جائے گا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے۔ (ہدایہ، کتاب حجر، لاہور)

بالغ غیر سمجھدار کو مال دینے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر چال چلن اچھے نہ ہوں تو اموال نہ دیے جائیں جب تک اس کی عمر پچیس سال کی نہ ہو جائے اور اس کے تصرفات پچیس سال سے قبل بھی نافذ ہوں گے اور اس عمر تک پہنچنے کے بعد بھی اس میں رشد ظاہر نہ ہوا تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اب مال دے دیا جائے وہ جو چاہے کرے مگر صاحبین فرماتے ہیں کہ اب بھی نہ دیا جائے جب تک رشد ظاہر نہ ہو مال سپرد نہ کیا جائے اگرچہ اس کی عمر ستر سال کی ہو جائے۔ یہی مذہب امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا ہے۔ (شرح الوقایہ، کتاب حجر، بیروت)

بَاب تَفْلِيسِ الْمُعْدَمِ وَالْبَيْعِ عَلَيْهِ لِغُرَمَائِهِ

یہ باب ہے کہ جس شخص کے پاس کچھ نہ ہو اس کے قرض خواہوں کے لیے اسے مفلس قرار دینا اور سودے میں اس کے خلاف فیصلہ دینا

2356- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْاَشَجِّ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ اُصِيْبَ رَجُلٌ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا فَكَثُرَ دَيْنُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا عَلَيْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا مَا وَجَدْتُّمْ وَلَيْسَ لَكُمْ اِلَّا ذٰلِكَ يَعْنِى الْغُرَمَاءَ

◆◆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں ایک شخص نے کچھ پھل خریدا جسے آفت لاحق ہو گئی' تو اس کے ذمے قرض بہت زیادہ ہو گیا' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اسے صدقہ کرو لوگوں نے اسے صدقہ دیا تو بھی اس کے قرض کی پوری ادائیگی کا بندوبست نہیں ہو سکا تو نبی اکرم ﷺ نے (قرض خواہوں سے) ارشاد فرمایا: جو تمہیں مل گیا ہے یہی حاصل کر لو تمہیں صرف یہی مل سکتا ہے۔

(راوی کہتے ہیں:) یعنی نبی اکرم ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے یہ بات ارشاد فرمائی۔

2356: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3958' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3469' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 655' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4543' ورقم الحدیث: 4692

شرح

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت کے زمانے میں ایک شخص نے ایک پھل دار درخت خرید ا اور درخت پر لگے ہوئے پھل اب ہی اس کے تصرف میں نہیں آئے تھے سوء اتفاق سے ان پر آفت نازل ہوئی اور وہ سب جھڑ گئے ادھر اس نے اس کی قیمت بھی ادا نہیں کی تھی چنانچہ جب بیچنے والے نے قیمت کا مطالبہ کیا تو اس نے لوگوں سے قرض لے کر وہ قیمت ادا کی اس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ قرض دار ہو گیا۔ آنحضرت نے جب اس کی پریشان حالی دیکھی تو لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا کہ وہ صدقہ و خیرات کے ذریعہ اس کی مدد کریں تا کہ وہ قرض کے بار سے ہلکا ہو جائے۔ لوگوں نے اس کی مدد کی مگر ان کی مدد بھی اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہو سکی۔ لوگوں کی مدد سے جتنا قرض وہ ادا کر سکتا تھا اتنا ادا کر دیا بقیہ قرض کی ادائیگی سے جب وہ بالکل ہی عاجز ہو گیا تو آنحضرت نے قرض خواہوں سے وہ الفاظ ارشاد فرمائے جو حدیث کے آخر میں نقل کئے گئے ہیں۔

چنانچہ قرض خواہوں سے آنحضرت کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ جب اس شخص کا افلاس بالکل ظاہر ہو گیا ہے اور اس کی خستہ حالی عیاں ہو چکی ہے تو اب تمہارے لئے یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ تم اسے پریشان کرو اسے ڈرا دھمکا دیا اسے قید و بند کی مصیبت میں مبتلا کرو بلکہ اس صورت میں تم لوگوں پر واجب ہے کہ اسے مہلت دے دو جب دیکھو کہ اس کے پاس ادائیگی قرض کا کچھ سامان فراہم ہو گیا ہے اس وقت مطالبہ کرنا اور اس سے اپنا قرض واپس لے لینا آپ کے ارشاد کا یہ مطلب قطعاً نہیں تھا کہ قرضدار کے ذمہ سے قرض خواہوں کا حق ہی سرے سے ساقط ہو گیا ہے بلکہ جیسا کہ ابھی بتایا گیا اس سے آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرض دار کو مہلت مل جائے۔

2357- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزٍ عَنْ سَلَمَةَ الْمَكِّيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَعَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ مِّنْ غُرَمَائِهِ ثُمَّ اسْتَعْمَلَهُ عَلَى الْيَمَنِ فَقَالَ مُعَاذٌ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَخْلَصَنِيْ بِمَالِيْ ثُمَّ اسْتَعْمَلَنِيْ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے قرض خواہوں سے نجات دلا دی تھی' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا گورنر مقرر کیا تھا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مال کے عوض میں مجھے نجات دلائی تھی' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عامل مقرر کیا تھا۔

شرح

انسانی زندگی میں کسی ایک حالت کو قرار و دوام نہیں ہے آج کچھ ہے کل کچھ یہ روزانہ کے مشاہدہ کی بات ہے انسان کی اقتصادی و مالی زندگی کو ہی دیکھ لیجئے جس طرح ایک مفلس اور قلاش شخص راتوں رات رحمت الٰہی کے نتیجہ میں مال و زر کے خزانوں کا مالک بن جاتا ہے اسی طرح بڑے بڑے کاروباری دیکھتے ہی دیکھتے دیوالیہ ہو جاتے ہیں جو لوگ ہر وقت لاکھوں میں کھیلتے رہتے

2357: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہیں مال، وزر بیٰ جن کا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے چشم وزدن میں وہ پائی پائی کے محتاج نظر آتے ہیں۔ یہی کائنات کا نظام ہے اور یہی قدر کا کھیل ہے حالات کو کسی ایک راستے پر برقرار رکھنا نہ کبھی کسی کے بس میں رہا ہے اور نہ کبھی کسی کے بس میں رہے گا۔ یہ سارے معاملے قدرت الٰہی کے پابند رہے ہیں اور ہمیشہ اسی طرح پابند رہیں گے لیکن بدلے ہوئے حالات کو متوازن بنانا اور متوازن بنانے میں مدد دینا انسان کے بس میں ہے جسے وہ اختیار کر کے ایک دوسرے کے دکھ درد کو بانٹ بھی سکتا ہے اور بدلے ہوئے حالات کو سنوارنے میں مدد بھی دے سکتا ہے۔

بَاب مَنْ وَجَدَ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ قَدْ اَفْلَسَ

یہ باب ہے کہ جو شخص اپنے سامان کو بعینہٖ کسی ایسے شخص کے پاس پائے جسے مفلس قرار دیا جا چکا ہو

2358- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ جَمِيْعًا عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِىْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ اَبِىْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ قَدْ اَفْلَسَ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ مِنْ غَيْرِهٖ

◈◈ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص اپنے سامان کو بعینہٖ کسی کے پاس پائے جسے مفلس قرار دیا جا چکا ہو تو وہ اس سامان کا کسی دوسرے شخص کے مقابلے میں زیادہ حقدار ہوگا''۔

شرح

کیونکہ اب وہ مفلس ہو گیا تو قرض خواہوں کو اس سے زیادہ کچھ نہیں پہنچتا کہ اس کے پاس جو مال ہو وہ لے لیں، مگر مکان رہنے کا اور ضروری کپڑا اور سردی کا کپڑا، اور سد رمق کے موافق خوراک اس کی اور اس کے گھر والوں کی یہ چیزیں قرض میں نہیں لی جائیں گی۔ (الروضۃ الندیہ)۔

2359- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَبِىْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ بَاعَ سِلْعَةً فَاَدْرَكَ سِلْعَتَهُ بِعَيْنِهَا عِنْدَ رَجُلٍ وَّقَدْ اَفْلَسَ وَلَمْ يَكُنْ قَبَضَ مِنْ ثَمَنِهَا شَيْئًا فَهِىَ لَهُ وَاِنْ كَانَ قَبَضَ مِنْ ثَمَنِهَا شَيْئًا فَهُوَ اُسْوَةٌ لِّلْغُرَمَاءِ

2358: اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2402' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 3963' ورقم الحدیث: 3965' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 3519' ورقم الحدیث 3520' ورقم الحدیث: 3521' ورقم الحدیث: 3522' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث۔ 1262' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 4690' ورقم الحدیث۔ 4691

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص اپنا سامان فروخت کرے اور پھر اپنے سامان کو بعینہٖ کسی ایسے شخص کے پاس پائے اور وہ مفلس ہو چکا ہو اور اس پہلے شخص نے اپنے سامان کی قیمت میں سے کچھ بھی وصول نہ کیا ہو تو وہ چیز اس شخص کو مل جائے گی لیکن اگر اس نے اپنے سامان کی کچھ قیمت وصول کی ہوئی ہو تو پھر وہ بھی دیگر قرض خواہوں کی مانند شمار ہوگا۔

شرح

یعنی اس کو بیچ کر قرض خواہوں کا قرضہ حصے کے طور پر اس سے ادا کریں گے، بائع کو بھی اپنے حصہ کے موافق ملے گا۔ حدیث سے یہ نکلا کہ اگر مشتری نے اسباب میں کچھ تصرف کیا ہو یعنی اس حال پر باقی نہ رہا جو بائع کے وقت پر تھا تب بھی وہ بائع کو نہ ملے گا بلکہ اس کو بیچ کر سب قرض خواہوں کو حصہ ادا کریں گے، بائع بھی اپنے حصہ کے موافق لے گا۔

2360 - حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ فُدَيْكٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ ذِئْبٍ عَنْ اَبِي الْمُعْتَمِرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ رَافِعٍ عَنِ ابْنِ خَلْدَةَ الزُّرَقِيِّ وَكَانَ قَاضِيًا بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ جِئْنَا اَبَا هُرَيْرَةَ فِيْ صَاحِبٍ لَّنَا قَدْ اَفْلَسَ فَقَالَ هٰذَا الَّذِيْ قَضٰى فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ مَّاتَ اَوْ اَفْلَسَ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ اَحَقُّ بِمَتَاعِهٖ اِذَا وَجَدَهٗ بِعَيْنِهٖ

ابن خلدہ زرقی جو مدینہ منورہ کے قاضی تھے وہ بیان کرتے ہیں: ہم اپنے ایک ساتھی کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو مفلس قرار دیا جا چکا تھا' تو انہوں نے بتایا: اس بندے کی وہی صورت حال ہے' جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا تھا۔

''جو شخص فوت ہو جائے یا اسے مفلس قرار دیدیا جائے' تو سامان کا (پرانا) مالک اپنے سامان کا زیادہ حقدار ہوگا' جب وہ بعینہٖ اس سامان کو اس شخص کے پاس پالے''۔

2361 - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ كَثِيْرِ بْنِ دِيْنَارٍ الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا الْيَمَانُ بْنُ عَدِيٍّ حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيْدِ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرِئٍ مَّاتَ وَعِنْدَهٗ مَالُ امْرِئٍ بِعَيْنِهِ اقْتَضٰى مِنْهُ شَيْئًا اَوْ لَمْ يَقْتَضِ فَهُوَ اُسْوَةٌ لِّلْغُرَمَاءِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے پاس کسی دوسرے شخص کا مال بعینہٖ موجود ہو' تو خواہ اس میں سے اس نے کچھ ادائیگی کی ہو یا ادائیگی نہ کی ہو' تو وہ شخص بھی دیگر قرض خواہوں کی مانند ہوگا''۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا ایک شخص تھا جو لوگوں سے قرض لین دین کا معاملہ کرتا تھا (یعنی لوگوں کو

2360 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3523

2361: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

قرض دیا کرتا تھا) اور اس نے اپنے کارندے سے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب کسی تنگدست کے پاس (قرض وصول کرنے جاؤ) تو اس سے درگذر کرو شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگذر فرمائے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (یعنی اس کا انتقال ہو) تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگذر فرمایا (اور اس کے گناہوں پر مؤاخذہ نہیں کیا)

حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ مفلس و تنگدست سے اپنا قرض وصول کرنے میں تاخیر کرے یا اس کو معاف کر دے (یعنی اپنا پورا قرض یا جس قدر ممکن ہو معاف کر دے۔ تشریح: یوں تو فرض اعمال نفل اعمال سے ستر درجہ زیادہ فضیلت کے حامل ہیں لیکن بعض مسائل و معاملات میں نفل اعمال فرض اعمال سے زیادہ فضیلت کے رکھتے ہیں انہیں میں سے ایک تو تنگدست و مفلس کو اپنا حق (مثلاً قرض وغیرہ) معاف کر دینا ہے کہ یہ اگرچہ مستحب ہے لیکن مفلس و تنگدست کو قرض وغیرہ ادا کرنے میں مہلت دینے سے افضل ہے جو واجب ہے دوسرے سلام کرنے میں پہل کرنا سنت ہے لیکن یہ افضل ہے سلام کا جواب دینے سے جو فرض ہے تیسرے وقت سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے لیکن یہ افضل ہے وقت شروع ہو جانے کے بعد وضو کرنے سے جو فرض ہے۔

حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو شخص اپنا مطالبہ وصول کرنے میں مفلس کو مہلت دے یا اس کو اپنا پورا مطالبہ یا اس کا کچھ حصہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات دے گا۔

حضرت ابوالیسر کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو شخص تنگدست کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا (یعنی قیامت کے دن اسے گرمی کی تپش اور اس دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا (مسلم ،مشکوٰۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 125)

امام احمد، ابن ماجہ اور حاکم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جو شخص مفلس و تنگدست کو مہلت دے تو ادائیگی کا دن آنے تک اس کو ہر دن کے بدلے اس کے قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے اور وہ پھر اسے مہلت دے دے اور اس کی ادائیگی کا دن آنے تک ہر دن کے بدلے اس کے قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے اور وہ پھر اسے مہلت دے دے تو اس کو ہر دن کے بدلے اس کے قرض کی دگنی مقدار کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ اس روایت کو تمثیلی طور پر یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی کو دو مہینے کے وعدے پر ایک سو روپے قرض دیئے اور دو مہینے کے بعد اس کی مفلسی و تنگدستی کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک مہینے کی مہلت دیدی تو اسے پورے مہینے اس طرح کا ثواب ملتا رہے گا کہ گویا وہ ہر دن ایک سو روپیہ صدقہ و خیرات کرتا ہے اسی طرح ایک مہینے کی مدت گزر جانے کے بعد دوبارہ مہلت دینے میں ایسا ہی ثواب ملتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب تیسری مرتبہ مہلت دے گا تو اسے ہر دن ایسا ثواب ملے گا جیسے کہ وہ ہر دن دو سو روپے صدقہ و خیرات کرتا ہے۔

اَبْوَابُ الشَّهَادَاتِ

یہ ابواب گواہیوں کے بیان میں ہے

گواہی کے مقصد کا بیان

جب معاشرہ میں دینی اور دنیاوی معاملات بعض اوقات ایسی صورت اختیار کر لیں کہ صاحب معاملہ کسی پر کسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میرا حق ہے لیکن تنہا اُس کے اقراری دعویٰ یا بیان کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا، اس لیے نہیں کہ وہ نا قابل اعتبار ہے۔ بلکہ اس لیے کہ اگر محض دعویٰ و بیان کی رو سے کسی کا کسی پر کوئی حق ثابت ہو جایا کرے تو دنیا سے امان اٹھ جائے اور لوگوں کا جینا دوبھر ہو جائے۔ اسی لئے حضور اکرم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں کو محض دعویٰ کی وجہ سے دے دیا جایا کرے تو کتنے ہی لوگ خون اور مال کا دعویٰ کر ڈالیں گے۔ لیکن مدعی (دعویدار) کے ذمہ بیّنہ (گواہ) ہے اور منکر پر قسم۔ (مسلم بیہقی)

تو ثابت ہوا کہ مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت، یا اپنے کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے حاکم اسلام کی مجلس میں ایسے اشخاص کو پیش کرے جو اس کے دعویٰ کی تصدیق کریں۔ لفظ شہادت کے ساتھ کسی کی تصدیق کرنے یا سچی خبر دینے کو شہادت یا گواہی کہتے ہیں۔

پھر چونکہ شہادت بھی شرعاً ایک خاص اعزاز و منصب ہے اس لئے ہر کس و ناکس نہ اس شہادت کا اہل ہے اور نہ ایرا غیرا، گواہی کے لئے موزوں اس کے اہل وہی ہیں جن کی سیرت و کردار پر اسلامی معاشرہ کو اطمینان ہو اور جو اپنے اخلاق و دیانت کے لحاظ سے بالعموم لوگوں کے درمیان قابل اعتماد سمجھے جاتے ہوں جن کی بات پر اعتبار کیا جاتا ہو اور جن کی دیانت کم از کم عام طور پر مشتبہ نہ ہو۔

ادائے شہادت کے وجوب کی شرائط کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ادائے شہادت واجب ہونے کے لیے چند شرائط ہیں۔ (۱) حقوق العباد میں مدعی کا طلب کرنا اور اگر مدعی کو اس کا گواہ ہونا معلوم نہ ہو اور اس کو معلوم ہو کہ گواہی نہ دے گا تو مدعی کی حق تلفی ہو گی اس صورت میں بغیر طلب گواہی دینا واجب ہے۔

(۲) یہ معلوم ہو کہ قاضی اس کی گواہی قبول کرے گا اور اگر معلوم ہو کہ قبول نہیں کریگا تو گواہی دینا واجب نہیں۔ (۳) گواہی کے لیے یہ معین ہے اور اگر معین نہ ہو یعنی اور بھی بہت سے گواہ ہوں تو گواہی دینا واجب نہیں جب کہ دوسرے لوگ گواہی دے دیں اور وہ اس قابل ہوں کہ اُن کی گواہی مقبول ہو گی۔ اور اگر ایسے لوگوں نے شہادت دی جن کی گواہی مقبول نہ ہو گی اور اس نے نہ دی تو یہ گنہگار ہے اور اگر اس کی گواہی دوسروں کی بہ نسبت جلد قبول ہو گی اگر چہ دوسروں کی بھی قبول ہو گی اور اُس نے نہ دی گنہگار ہے۔

(۴) دو عادل کی زبانی اس امر کا بطلان معلوم نہ ہوا ہو جس کی شہادت دینا چاہتا ہے مثلاً مدعی نے دَین کا دعویٰ کیا ہے جس کا یہ

شبہ ہے مگر دوسروں سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ قرض ادا کرچکا ہے یا زوج نکاح کا مدعیہ اور گواہ کو معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دے چکا ہے
یا مشتری غلام خریدنے کا دعویٰ کرتا ہے اور گواہ کو معلوم ہوا ہے کہ مشتری اُسے آزاد کرچکا ہے۔ یا قتل کا دعویٰ ہے اور معلوم ہے کہ ولی
معاف کرچکا ہے ان سب صورتوں میں قرض و نکاح و بیع و قتل کی گواہی دینا درست نہیں۔ اور اگر خبر دینے والے عادل نہ ہوں تو گواہ کو
اختیار ہے گواہی دے اور قاضی کے سامنے جو کچھ سنا ہے ظاہر کردے اور یہ بھی اختیار ہے کہ گواہی سے انکار کردے۔ اور اگر خبر دینے
والا ایک عادل ہو تو گواہی سے انکار نہیں کرسکتا۔ نکاح کے دعوے میں گواہ سے دو عادل نے کہا کہ ہم نے خود معاینہ کیا ہے کہ دونوں
نے ایک عورت کا دودھ پیا۔ یا گواہوں نے دیکھا ہے کہ مدعی اُس چیز میں اُس طرح تصرف کرتا ہے جیسے مالک کیا کرتے ہیں اور دو
عادل نے ان کے سامنے یہ شہادت دی کہ وہ چیز دوسرے شخص کی ہے تو گواہی دینا جائز نہیں۔

(۵) جس قاضی کے پاس شہادت کے لیے بلایا جاتا ہے وہ عادل ہو۔

(۶) گواہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ مقر نے خوف کی وجہ سے اقرار کیا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے تو گواہی نہ دے مثلاً مدعی علیہ سے جبراً
ایک چیز کا اقرار کرایا گیا تو اس اقرار کی شہادت درست نہیں۔

(۷) گواہ ایسی جگہ ہو کہ وہ کچہری سے قریب ہو یعنی قاضی کے یہاں جاکر گواہی دے کر شام تک اپنے مکان کو واپس آسکتا
ہو اور اگر زیادہ فاصلہ ہو کہ شام تک واپس نہ آسکتا ہو تو گواہی نہ دینے میں گناہ نہیں اور اگر بوڑھا ہے کہ پیدل کچہری تک نہیں جاسکتا
اور خود اُسکے پاس سواری نہیں ہے مدعی اپنی طرف سے اُسے سوار کرکے لے گیا اس میں حرج نہیں اور گواہی مقبول ہے اور اگر اپنی
سواری پر جاسکتا ہو اور مدعی سوار کرکے لے گیا تو گواہی مقبول نہیں۔ (بحرالرائق، کتاب شہادات)

بَاب كَرَاهِيَةِ الشَّهَادَةِ لِمَنْ لَمْ يَسْتَشْهِدُ

یہ باب ہے کہ ایسے شخص کی گواہی کا ناپسندیدہ ہونا جس سے گواہی طلب نہ کی گئی ہو

2362 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرُو بْنُ رَافِعٍ قَالَا حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ السَّلْمَانِيِّ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَبْدُرُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کون سے لوگ زیادہ بہتر ہیں؟ نبی
اکرم ﷺ نے فرمایا: جو میرے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں' پھر ان کے بعد والے ہیں' پھر ان کے بعد والے ہیں' پھر ان کے بعد وہ
لوگ آئیں گے' جن کی گواہی' قسم اٹھانے سے پہلے ہوگی اور ان کی قسم' گواہی سے پہلے ہوگی۔ (یعنی وہ جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے اور
جھوٹی گواہیاں دیں گے)

2362: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2652' ورقم الحدیث: 2651' ورقم الحدیث: 2429' ورقم الحدیث: 6658' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:
6416' ورقم الحدیث: 6417' ورقم الحدیث: 6418' ورقم الحدیث: 6419' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 3859

شرح

گواہی قسم سے پہلے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی۔" سے گواہی وقسم میں عجلت پسندی وزیادتی کو بطور کنایہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ عجلت میں وزیادتی کی وجہ سے گواہی دینے اور قسم کھانے میں اس قدر لاپرواہ ہوگا کہ کبھی گواہی سے پہلے قسم کھائے گا اور کبھی پہلے گواہی دے گا اور پھر قسم کھائے گا۔ مظہر نے کہا ہے یہ جملہ گواہی وقسم میں تیز روی وعجلت پسندی کی تمثیل کے طور پر ہے یعنی گواہی دینے اور قسم کھانے میں اتنی تیزی اور پھرتی دکھایا کرے گا کہ نہ تو اس کو دین کی کوئی پرواہ ہوگی اور نہ وہ ان چیزوں میں کوئی پرواہ کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ پہلے قسم کھائے یا پہلے گواہی دے۔ یا یہ کہ اس کو یہ بھی یاد نہیں رہے گا کہ اس نے پہلے قسم کھائی ہے یا پہلے گواہی دی ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی دراصل جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم کے عام ہو جانے کی خبر دینے کے طور پر ہے کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں لوگ گواہی دینے کو پیشہ بنالیں گے اور جھوٹی قسم کھانا ان کا تکیہ کلام بن جائے گا۔ جیسا کہ آجکل عام طور پر رواج ہے کہ پیشہ ور گواہ عدالتوں میں جھوٹی گواہی دیتے پھرتے ہیں اور ان کو اس بات کا ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا کہ وہ چند روپوں کی خاطر عدالت میں جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی دے کر اپنی آخرت کو کس طرح برباد کر رہے ہیں۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص کبھی تو قسم کے ذریعہ اپنی گواہی کو ترویج دے گا یعنی یوں کہے گا کہ "اللہ کی قسم! میں سچا گواہ ہوں۔" اور کبھی گواہی کے ذریعہ اپنی قسم کو ترویج دے گا یعنی اعلان کرتا پھرے گا کہ "لوگ میری قسم کے سچے ہونے پر گواہ رہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا بیان

2363- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْجَرَّاحِ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَطَبَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيْنَا مِثْلَ مُقَامِيْ فِيْكُمْ فَقَالَ احْفَظُوْنِيْ فِيْ اَصْحَابِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰى يَشْهَدَ الرَّجُلُ وَمَا يُسْتَشْهَدُ وَيَحْلِفَ وَمَا يُسْتَحْلَفُ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "جابیہ" کے مقام پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے درمیان اسی طرح کھڑے ہوئے تھے جس طرح میں تمہارے درمیان کھڑا ہوا ہوں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بارے میں تم میری حفاظت کرنا (یعنی میرے ساتھ نسبت کے حوالے سے ان کا احترام کرنا)' پھر ان کے بعد والوں کے بارے میں بھی' پھر ان کے بعد والوں کے بارے میں بھی' پھر جھوٹ عام ہو جائے گا' یہاں تک کہ آدمی گواہی دے گا حالانکہ اس سے گواہی نہیں مانگی گئی ہوگی اور وہ قسم اٹھائے گا حالانکہ اس سے قسم نہیں

2363- اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

لی گئی ہوگی''۔

شرح

قرن" عہد زمانہ کو کہتے ہیں، جس کی مقدار بعض حضرات نے چالیس سال، بعض نے اسی سال اور بعض نے سو سال مقرر کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ " قرن " کا اطلاق ماہ وسال کے تعین کے اعتبار سے محدود عہد زمانہ پر نہیں ہوتا بلکہ ہر وہ عہد یا زمانہ " قرن" کہلاتا ہے جو تقریبا یکساں عمر رکھنے والے لوگوں پر مشتمل ہو گویا " قرن " جو لفظ "اقتران" سے ماخوذ ہے ایسی مقدار ہے جس میں اس زمانہ کے لوگ اپنی عمروں اور احوال کے اعتبار سے ایک دوسرے کے نزدیک ہوتے ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن سے مراد صحابہ کا قرن ہے۔ اس قرن کی ابتداز مانہ رسالت سے ہوتی ہے اور اس کا آخر وہ زمانہ ہے جب تک کہ ایک صحابی بھی دنیا میں باقی رہا یعنی ۱۲۰ھ تک دوسرا قرن کہ تابعین کا قرن ہے ۱۰۰ھ سے ۱۷۰ھ تک کے زمانہ پر مشتمل ہے اور تیسرا قرن کہ جو اتباع تابعین کا قرن ہے۔ تابعین کے قرن کے بعد سے شروع ہو کر تقریبا ۲۲۰ھ تک کے زمانہ پر مشتمل ہے اس قرن کے بعد اس مخصوص خیر و برکت کا سلسلہ ختم ہو گیا جو قرن اول (یعنی زمانہ رسالت اور قرن صحابہ) اور اس سے ملے ہوئے دونوں قرنوں کو زمانی فرق کی نسبت سے کم و بیش حاصل رہی پھر تو بدعتوں کا ظہور شروع ہو گیا دین کے نام پر عجیب و غریب چیزیں پیدا ہونے لگیں، فلاسفہ اور نام نہاد عقلاء نے سر اٹھائے، معتزلہ کا جتم ہوا اور انہوں نے دین کو مسخ کرنے کا بیڑہ اٹھایا، قرآن کو مخلوق کہنے کا فتنہ اٹھا، جس نے اہل صم کو زبردست آزمائش و امتحان سے دوچار کیا لوگوں کی دینی زندگی کو گھن لگنے لگا، نت نئے افکار و خیالات جنم لینے لگے، اختلاف و نزاعات پھیلنے لگے، آخرت کا خوف کم ہوا اور دنیا کی طرف رجحان بڑھنے لگا کہ جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمائی۔ "" جو خود بخود گواہی دینگے اور کوئی ان کی گواہی نہ چاہے گا۔

حدیث کے ان الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر طلب گواہی دینا ایک بری حرکت ہے جب کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ گواہوں میں بہتر وہ گواہ ہے جو گواہی دے اس سے پہلے کہ اس سے گواہی کی درخواست کی جائے " بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے لیکن درحقیقت ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ بغیر طلب گواہی دینے کی برائی ظاہر والی حدیث کا تعلق اس شخص سے ہے، جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ فلاں واقعہ یا معاملہ کا گواہ ہے لیکن اس کے باوجود صاحب معاملہ (مثلا مدعی) نہ تو اس سے گواہی دینے کی درخواست کرتا ہے اور نہ اس کو عدالت میں بطور گواہ پیش کرنا چاہتا ہے، ایسی صورت میں اگر وہ شخص از خود (بغیر طلب) گواہی دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی گواہی کے کوئی معنی تو ہوں گے نہیں البتہ یہ ضرور ثابت ہوگا کہ وہ اس گواہی کے پردہ میں کوئی فاسد غرض رکھتا ہے، اس کے برخلاف اگر یہ صورت ہو کہ ایک شخص کسی واقعہ یا معاملہ کا گواہ ہے لیکن اس کا گواہ ہونا صاحب معاملہ کو معلوم نہیں، وہ دیکھ رہا ہے کہ اگر میں نے گواہی نہ دی تو ایک مسلمان بھائی کا حق ڈوب جائے گا یا اس کو بلاوجہ کوئی مالی نقصان اٹھانا پڑے گا، اس جذبہ خیر کے ساتھ وہ صاحب معاملہ کو بتاتا ہے کہ میں اس واقعہ یا معاملہ کا گواہ ہوں اور اگر تم چاہو تو تمہاری طرف سے عدالت میں پیش ہو کر گواہی دے سکتا ہوں، بغیر طلب گواہی دینے والا ایسا شخص یقیناً قابل تعریف ہوگا اور کہا جائے گا کہ دوسری حدیث (جس میں بغیر طلب گواہی دینے والے کو بہترین گواہ فرمایا گیا ہے) ایسے شخص کو کے حق میں ہے۔ یا یہ کہ

بغیر طلب گواہی دینے کی اچھائی بیان کرنے والی حدیث دراصل اس بات کو مبالغہ کے طور پر یعنی زیادہ سے زیادہ شدت اور تاکید کے ساتھ بیان کرنے کے لئے ہے کہ جو شخص کسی واقعہ یا معاملہ کا سچا گواہ ہو اس کو چاہئے کہ گواہی دینے سے اعراض نہ کرے اور جب اس سے کوئی گواہی طلب کی جائے تو دیر نہ کرے فوراً حاضر ہو اور گواہی نہ چھپائے، اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بغیر طلب کے گواہی دینے کی برائی ظاہر کرنے والی حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو گواہ بننے کا اہل نہ ہو یا اس شخص پر محمول ہے جو جھوٹی گواہی دے۔

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ بغیر طلب گواہی دینے کی برائی بیان کرنے والی اس حدیث کا تعلق حقوق العباد سے متعلق گواہی دینے سے ہے اور اچھائی بیان کرنے والی حدیث کا محمول حقوق اللہ سے متعلق گواہی دینا ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ گواہی کو چھپانے میں مصلحت نہ ہو اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث میں "شہادت" سے مراد سوگند (قسم) ہے اس صورت میں حدیث کے ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہوگا۔

ان میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو جھوٹی قسم کھائیں گے اس سے پہلے کہ کوئی ان کو قسم دے اور قسم کھلوائے۔ جو خیانت کریں گے اور ان کی دیانت وامانت پر اعتماد نہیں کیا جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ خیانت و بددیانتی میں وہ اس قدر جری اور مشہور ہو جائیں گے کہ لوگ ان کو امانت دار اور بادیانت ماننا چھوڑ دیں گے اور ان کو امانت کے وصف سے خالی سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر کسی سے کبھی کبھار کوئی خیانت سرزد ہو جائے تو اس اعتبار نہیں۔ "جو نذر مانیں گے اور اپنی نذر کو پورا نہیں کریں گے" یعنی نہ صرف یہ کہ نذر پوری نہیں کریں گے بلکہ اس بات کو اہمیت بھی نہیں دینگے کہ نذر مان کر اس کا پورا نہ کرنا کتنی بری بات ہے۔ حالانکہ نذر پوری کرنا لازم ہے اور اللہ کے جو نیک بندے اس پر عمل کرتے ہیں ان کی تعریف قرآن میں بیان کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرنے نکلے گی اور پھر وہ لوگ (آپس میں) ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ لوگ جواب میں کہیں گے کہ ہاں (ہمارے درمیان صحابی رسول موجود ہیں) پس ان لوگوں کے لئے قلعہ وشہر کے دروازے وا ہو جائیں گے (یعنی صحابہ کی برکت وشوکت سے دشمنوں کے مقابلہ پر ان کو فتح حاصل ہوگی) پھر لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے گی اور پھر وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص بھی موجود ہے جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صحبت کا شرف حاصل کیا ہے (جس کو تابعی کہتے ہیں) وہ جواب میں کہیں گے کہ ہاں (ہمارے درمیان تابعی موجود ہیں) پس (تابعی کی برکت سے) ان کے لئے قلعہ وشہر کے دروازے وا ہو جائیں گے پھر لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے گی اور پھر وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے صحبت یافتہ حضرات کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ (جس کو تبع تابعی کہتے ہیں) وہ جواب میں کہیں

گے کہ ہاں (ہمارے درمیان تبع تابعی موجود ہیں) پس (تبع تابعی کی برکت سے) ان لوگوں کے لئے قلعہ وشہر کے دروازے" ہو جائیں گے (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس وقت لوگوں میں سے ایک لشکر (دشمنوں کے مقابلہ پر لڑنے کے لئے) بھیجا جائے گا اور پھر وہ اہل لشکر آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ذرا دیکھو تمہارے درمیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی موجود ہے یا نہیں؟ (تلاش کرنے کے بعد) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایک صحابی موجود ہیں پس (ان صحابی کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی۔ اس کے بعد (اگلے زمانہ میں) ایک دوسرا لشکر (کسی دوسرے علاقہ میں دشمنوں کے مقابلہ پر) روانہ کیا جائے گا اور پھر وہ اہل لشکر کے آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ذرا دیکھو، تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص موجود ہے یا نہیں جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا ہو؟ (تلاش کرنے پر) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایک ایسے شخص یعنی تابعی موجود ہیں۔ پس (ان تابعی کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر اس کے بعد (اگلے زمانہ میں) ایک تیسرا لشکر روانہ کیا جائے گا اور پھر وہ لشکر آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ذرا دیکھو تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص موجود ہے یا نہیں جس نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہو جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا ہو؟ (تلاش کرنے پر) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایسے شخص موجود ہیں پس (ان کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر اس کے بعد (اگلے زمانہ میں) ایک چوتھا لشکر روانہ کیا جائے گا اور پھر وہ لشکر آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ذرا دیکھو تمہارے درمیان کوئی ایسا لشکر موجود ہے یا نہیں جس نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہو جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھنے والے کسی شخص کو دیکھا ہو؟ (تلاش کرنے پر) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایک ایسے شخص موجود ہیں: پس (ان کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح: جلد پنجم: رقم الحدیث، 616)

ان دونوں روایتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کا ذکر تو ہے ہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی حقیقت کی پیش بیانی فرمائی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین یا چار قرنوں (زمانوں) میں وقوع پزیر ہونے والی تھی اس کے ساتھ ہی ان روایتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تابعین تبع تابعین اور تبع تابعین کے فضیلت اور ان کا باعث خیر و برکت ہونا بھی مذکور بھی ہے، ان دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں تو تین فرقوں یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین کا ذکر ہے جب کہ مسلم کی دوسری روایتوں میں چار فرقوں یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور تبع اتباع تابعین کا ذکر ہے اور بخاری کی بھی ایک صحیح روایت میں جو حدیث خیر القرون سے متعلق ہے چار قرنوں کا ذکر ہے چونکہ اس درجہ کے اہل خیر چوتھے قرن میں نادر و کمیاب تھے اور پہلے تین قرنوں میں اہل خیر و برکت اور اہل علم و دانش کی کثرت تھی، کوتاہ بینی، ناسمجھی اور فتنہ وفساد کی راہ مسدود تھی اس لئے اکثر روایتوں میں تین ہی قرنوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بطریق مرفوع منقول ہے کہ: خیر الناس القرن الذی انا فیہ ثم الثانی ثم الثالث۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں پھر دوسرے زمانہ کے اور پھر تیسرے زمانہ کے لوگ۔" طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ: خیر الناس قرنی ثم الثانی ثم الثالث ثم

تجئی قوم لاخیر فیھم ۔ (طبرانی)

بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں پھر دوسرے زمانہ کے لوگ پھر تیسرے زمانے کے لوگ اور پھر جو قوم آئے گی اس سے (پہلے زمانے جیسے) بہترین لوگ نہیں ہوں گے۔ "" "جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا ہو" یہ مسلم کی دوسری روایت کے الفاظ ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ "تابعی" ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس نے صحابہ کو دیکھا جیسا کہ "صحابی" ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو لیکن بعض علماء کا کہنا ہے کہ "صحابی" ہونے کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو لیکن "تابعی ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحبت وملازمت بھی نصیب ہوئی ہو جیسا کہ پہلی روایت میں شرف صحبت کا ذکر ہے اس صورت میں کہا جائے گا کہ یہاں "صحابہ کو دیکھا ہو" سے مراد یہ ہے کہ وہ صحابہ کی صحبت میں رہا ہو۔

شرح السنۃ میں ابومنصور بغدادی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمارے تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے افضل خلفاء اربعہ ہیں اور ان میں بھی ترتیب کا اعتبار ہے یعنی سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق، ان کے بعد حضرت عثمان غنی اور ان کے بعد حضرت علی۔ خلفاء اربعہ کے بعد سب سے افضل وہ تمام صحابہ ہیں جن کو "عشرہ مبشرہ" کہا جاتا ہے۔ ان کے بعد سب سے افضل وہ صحابہ ہیں جو جنگ بدر میں شریک تھے، ان کے بعد سب سے افضل وہ صحابہ ہیں جو جنگ احد میں شریک تھے، ان کے بعد بیعت رضوان میں شریک صحابہ، ان کے بعد وہ انصار صحابہ جنہوں نے دونوں مرتبہ بیعۃ العقبۃ الاولی اور بیعۃ العقبۃ الثانیہ کے موقع پر مکہ میں آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ اسی طرح وہ صحابہ جن کو "سابقون اولون" کہا جاتا ہے یعنی جنہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی اور ابتداء اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور جن کو دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور کعبہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا موقع ملا ان صحابہ سے افضل ہیں جو ان کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کون دوسری سے افضل ہے اسی طرح حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں واضح رہے کہ حضرت معاویہ عدول اہل فضل اور خیار صحابہ میں سے ہیں، ان کے بارے میں کوئی بھی برا خیال رکھنا یا ان کی شان میں کوئی ایسی بات کہنا جو مرتبہ صحابیت کے منافی ہو اسی طرح ممنوع جس طرح دوسرے صحابہ کے بارے میں۔ رہی یہ بات کہ بعض صحابہ کے درمیان جو باہمی نزع ہوا، یا باہمی جنگ وجدل کی نوبت آئی تو اس پر بحث وتمحیص کرنا اور اس کوئی نتیجہ نکال کر کسی کی تنقیص کرنا ہمارا مقام نہیں ہے، وہ سارے معاملات ان کے اپنے اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی صحابی ایسا نہیں تھا جس نے ان معاملات میں نفسانی تقاضوں یا دنیاوی اغراض کے تحت شرکت کی ہو، وہ سب صحابہ اپنے اپنے موقف کے درست اور جائز ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور اپنی باہمی لڑائیوں اور تنازعات کی بنا پر ان میں سے کوئی عدول کے زمرہ سے خارج نہیں ہوگا اور نہ اس کی حیثیت اور اس کے مرتبہ میں کوئی نقص آیا، مختصر یہ کہ اہل سنت وجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ان کے بارے میں زبان کھولتے وقت محتاط رہا جائے، ان کے حق

میں منہ سے وہی بات نکالی جائے جو تعریف اور بھلائی کی ہو، اگر ان میں سے کسی کے متعلق کوئی ایسی چیز منقول ہو جو بظاہر تعریف کے کام کے خلاف نظر آتی ہو تو اس کو نظر انداز کیا جائے۔ دین وایمان کی سلامتی اسی میں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے کی ممانعت وحرمت کا بیان

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میرے صحابہ کو برا نہ کہو، حقیقت یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد کے پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کا ثواب میرے صحابہ کے ایک مد یا آدھے مد کے ثو کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد پنجم: رقم الحدیث، 610)

تم "کے مخاطب خود صحابہ میں کے بعض حضرات تھے، جیسا کہ ایک روایت میں اس ارشاد گرامی کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خالد ابن ولید اور حضرت عبدالرحمن ابن عوف کے درمیان کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور حضرت خالد ابن ولید نے حضرت عبدالرحمن ابن عوف کو برا کہا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد ابن ولید وغیرہ کو خطاب کر کے فرمایا میرے صحابہ کو برا نہ کہو پس "میرے صحابہ " سے وہ مخصوص صحابہ مراد ہیں جو ان مخاطب صحابہ یعنی حضرت خالد ابن ولید وغیرہ سے پہلے اسلام لائے تھے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں "تم" کے ذریعہ پوری امت کو مخاطب کیا گیا ہو اور چونکہ نور نبوت نے پہلے ہی یہ دیکھ لیا تھا کہ آگے چل کر میری امت میں لوگ بھی پیدا ہوں گے، جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہیں گے، ان کی شان میں گستاخیاں کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں میں احترام صحابہ کے جذبات کو بیدار کرنے کے لئے حکم دیا کہ شخص میرے کسی صحابی کو برا نہ کہے۔ مد اس زمانہ کے ایک پیمانہ کا نام تھا جس میں سیر بھر کے قریب جو وغیرہ آتا تھا، حدیث کے اس جزء کی مراد ان صحابہ کے بلند وبالا مقام ومرتبہ کا تعین کرنا ہے کہ ان لوگوں کے کمال اخلاص وللہیت کی بناء پر ان کا چھوٹا سا نیک عمل اپنے بعد والوں کے اسی طرح کے بڑے سے بڑے نیک عمل پر بھاری ہے مثلا اگر ان صحابہ میں سے کوئی شخص سیر بھر یا آدھ سیر جو وغیرہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس عمل پر ان کو جتنا ثواب ملتا ہے اتنا ثواب ان کے بعد والوں کو اس صورت میں بھی نہیں مل سکتا کہ اگر وہ اللہ کے راہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردیں اور یہ اس وجہ ہے کہ اخلاص وصدق نیت اور جذبہ ایثار وللہیت کا جو کمال ان کے اندر تھا وہ بعد والوں کو نصیب نہیں ہوسکتا۔

دوسرے یہ کہ ان کا مال خالص طیب وپاکیزہ ہوتا تھا اور ان کی اپنی حاجتیں وضرورتیں اس بات کا تقاضا کرتی تھیں کہ ان کے پاس جو کچھ ہے اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کریں لیکن اس کے باوجود اپنی استطاعت کے مطابق وہ اللہ کی راہ میں خوش دلی کے ساتھ خرچ کرتے اور اپنی تمام ضرورتوں کو پس پشت ڈال دیتے، یہ تو ان کے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے اجر وثواب کا ذکر ہے۔ اسی پر قیاس کر کے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے انتہائی سخت حالات میں اللہ کے دین کا جھنڈا بلند کرنے اور اللہ کے رسول کا پیغام پہنچانے کے لئے ریاضت ومجاہدہ کے جن سخت ترین مراحل کو طے کیا۔ یہاں تک کہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اس کی بناء پر ان کو کیا اجر وثواب ملا ہوگا اور ان کے درجات ومراتب کس قدر بلند ہوئے ہوں گے۔ حدیث کے پہلے جزء سے اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد گرامی "میرے صحابہ کو برا نہ کہو" مخصوص اصحاب کے حق میں ہے لیکن اس سے یہ بات بہرحال ثابت ہوتی ہے کہ

کسی غیر صحابی کا صحابی کو برا کہنا بطریق اولی ممنوع ہے۔

کیونکہ حدیث اصل مقصد ان لوگوں کے حق میں بدگوئی اور بدزبانی سے اجتناب کی تلقین وہدایت کرنا ہے۔ جن کو قبول اسلام میں سبقت کی فضیلت وبرتری حاصل ہے اور جو اپنی اس فضیلت وبرتری کو بناء پر بعد والوں کے لئے یقیناً واجب التعظیم ہیں۔ علی ابن حرب طائی اور خثیمہ ابن سلیمان نے حضرت ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ **لاتسبوا اصحاب محمد فلمقام احدهم ساعة خير من عمل احدكم عمره** ۔ "اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا نہ کہو، درحقیقت ان کو (اپنی عبادتوں کا) یہ مقام حاصل ہے کہ ان کا ساعت بھر کا نیک عمل تمہارے پوری عمر کے نیک عمل سے بہتر ہے۔ اور عقیلی نے ضعفا میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان الله اختارلی اصحابا وانصارا واصحارا وسياتی قوم يسبونهم ويستنقصونهم فلاتجالسوهم ولاتشاربوهم ولا تواكلوهم ولاتناكحوهم** ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب کیا اور میرے لئے میرے اصحاب میرے انصار اور میرے قرابتدار تجویز ومقرر کیے گئے۔ اور یاد رکھو، عنقریب کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو میرے صحابہ کو برا کہیں گے اور ان میں نقص نکالیں گے، پس تم نہ ان لوگوں کے ساتھ میل ملاپ اختیار کرنا نہ ان کے ساتھ کھانا پینا اور نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے والوں کے بارے میں حکم کا بیان

شرح مسلم میں لکھا ہے جاننا چاہئے کہ صحابہ کرام کو برا کہنا جرم ہے اور اکبر فواحش (سخت بڑے گناہوں) میں سے ہے ہمارا اور جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ جو کوئی صحابہ کو برا کہے اس کو سزا دی جائے اور بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ اس کو قتل کیا جائے، اسی طرح کی بات طیبی نے بھی لکھی ہے اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ صحابہ میں سے کسی کو بھی برا کہنا گناہ کبیرہ ہے اور ہمارے بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ جو شخص شیخین (یعنی ابوبکر وعمر) کو برا کہے وہ مستوجب قتل ہے۔

مشہور کتاب الاشباہ والنظائر کی کتاب السیر میں لکھا ہے جو بھی کافر اپنے کفر سے توبہ کرلے اس کے لیے دنیا وآخرت کے لئے معافی ہے۔ لیکن جو لوگ اس بناء پر کافر قرار پائے ہوں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا تھا، یا شیخین کو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو برا کہا تھا یا سحر کاری کے مرتکب ہوئے تھے اور یا زندقہ میں مبتلا تھے اور پھر توبہ کرنے سے پہلے ان کو گرفتار کرلیا گیا ہو تو اب اگر وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور ان کو معافی نہیں ملے گی اسی طرح صاحب اشباہ علامہ زین ابن نجیم نے یہ بھی کہا ہے کہ شیخین کو برا کہنا یا ان کو لعنت کرنا کفر ہے اور جو شخص حضرت علی کو شیخین پر فضیلت دے وہ مبتدع ہے۔ اور مناقب کردری میں لکھا ہے اگر وہ شخص (جو شیخین پر حضرت علی کی فضیلت کا قائل ہے) اور دونوں یعنی شیخین کی خلافت کا منکر بھی ہو تو اس کو کافر کہا جائے گا اسی طرح اگر وہ ان دونوں سے دلی بغض وعناد رکھے تو بھی اس کو کافر کہا جائے گا۔ بایں سبب کہ اس نے ان ہستیوں سے قلبی بغض وعناد رکھا جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی محبت تھی، ہاں اگر (یہ صورت ہو کہ) کوئی شخص (نہ تو شیخین پر حضرت علی کی فضیلت کا قائل ہے نہ شیخین کی خلافت کا منکر ہے نہ ان دونوں بغض وعناد رکھتا ہے اور نہ ان کو برا کہتا ہے مگر (شیخین کی بہ نسبت حضرت علی کے تئیں زیادہ پسندیدگی وگرویدگی اور محبت رکھتا ہے۔ تو وہ شخص اس بناء پر ماخوذ نہیں ہوگا۔ اس سلسلہ میں ان دونوں یعنی

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تخصیص کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان دونوں کی فضیلت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جس مخصوص طور سے منقول ہیں اس طرح سے کسی اور صحابی کے بارے میں منقول نہیں ہیں جیسا کہ آگے آنے ایک علیحدہ باب میں منقول احادیث سے واضح ہوگا یا وجہ تخصیص یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی خلافت پر مسلمانوں کا مکمل اجماع تھا ان کی قیادت وسربراہی کو کسی طرف بھی چیلنج نہیں کیا گیا ان کے برخلاف حضرت عثمان ہوں یا حضرت علی اور یا حضرت معاویہ وغیرہ دوسرے خلفاء ان کی خلافت پر اس درجہ کا اجماع نہیں تھا بلکہ ان میں سے ہر ایک کے زمانے میں بغاوت وخروج کا عمل ظاہر ہوا۔

بَاب الرَّجُلِ عِنْدَهُ الشَّهَادَةُ وَلَا يَعْلَمُ بِهَا صَاحِبُهَا

یہ باب ہے کہ جب کسی شخص کے پاس کسی معاملے میں گواہی ہو اور اس معاملے سے متعلق فرد اس بات کو نہ جانتا ہو

2364 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجُعْفِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ الْعُكْلِيُّ اَخْبَرَنِيْ اُبَيُّ بْنُ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ حَدَّثَنِيْ اَبُوْبَكْرِ ابْنُ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ حَدَّثَنِيْ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ عَمْرَةَ الْاَنْصَارِيُّ اَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ ابْنَ خَالِدِ الْجُهَنِيَّ يَقُوْلُ اِنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَيْرُ الشُّهُوْدِ مَنْ اَدّٰى شَهَادَتَهُ قَبْلَ اَنْ يُّسْاَلَهَا

◄◄ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے سب سے بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی کا مطالبہ ہونے سے پہلے ہی گواہی دیدے۔

شرح

یعنی گواہ نہ ہونے کے سبب جب کسی مسلمان کا حق مارا جا رہا ہو، یا اس کے مال یا جان کو نقصان لاحق ہو رہا ہو، تو ایسی صورت میں بغیر بلائے قاضی کے پاس جا کر گواہی دے دے۔

مطلب یہ ہے کہ گواہی دراصل "بیان حقیقت" کا دوسرا نام ہے اور حقیقت بیان کرنے کو طلب ودرخواست پر موقوف رکھنا غیر موزوں بات ہے۔ لہٰذا بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی طلب کئے جانے سے پہلے اور قبل اس کے اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم وہ ہو اور یہ کہ کیا تم گواہی دینا چاہتے ہو، وہ از خود گواہی دیدے اور اس طرح حق کو ظاہر کرنے کی ذمہ داری پوری کرے۔

طلب کیے بغیر گواہی دینے یا نہ دینے کا بیان

لیکن اس کے برعکس ایک دوسری حدیث میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو بغیر طلب کے گواہی دیں۔ چنانچہ حنفی مسلک کی

2364 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4469 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3596 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2295 ورقم الحدیث: 2296 ورقم الحدیث: 2297۔

ہدایت یہی ہے کہ جب تک گواہی طلب نہ کی جائے اس وقت تک گواہی نہ دی جائے، گواہی طلب کئے جانے کے بعد گواہی دینا واجب ہے اور حدود میں گواہی کا چھپانا افضل ہے۔ جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے کہ جس سے بغیر طلب کے گواہی دینے والے کا بہترین گواہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارے میں حنفیہ کی طرف سے دو تاویلیں کی جاتی ہیں ایک تو یہ کہ یہ ارشاد گرامی دراصل اس شخص پر محمول ہے جو کسی کے حق کا گواہ ہے لیکن مدعی کو اس کے گواہ ہونے کا علم نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو چاہئے کہ وہ مدعی کو بتا دے کہ میں اس قضیہ میں تمہارا گواہ ہوں۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق حق تعالیٰ کے حقوق میں گواہی دینے سے ہے۔ جیسے زکوٰۃ کفارہ رویت ہلال اور وصیت اور اسی طرح کی دوسری چیزیں، لہٰذا جو شخص ان میں سے کسی چیز کا شاہد ہو۔ مثلاً اس نے چاند دیکھا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ حاکم وقاضی کے ہاں حاضر ہو اور گواہی دے۔ ان دونوں تاویلوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ارشاد گرامی اس حکم کو بطور مبالغہ بیان کرنے پر محمول ہے کہ جو شخص کسی قضیہ میں گواہ کی حیثیت رکھتا ہو اور اس سے گواہی طلب کی گئی ہو تو اس طلب کے بعد اس کو چاہئے کہ وہ گواہی دینے کی اپنی ذمہ داری کو جلد سے جلد پورا کرے اور بغیر طلب کے گواہی دینے کی جو مذمت منقول ہے وہ اس کے عکس پر محمول ہے۔

بَاب الْاِشْهَادِ عَلَى الدُّيُوْنِ

یہ باب قرض کے لین دین میں گواہ مقرر کرنے کے بیان میں ہے

2365- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الْجُبَيْرِيُّ وَجَمِيْلُ بْنُ الْحَسَنِ الْعَتَكِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى) حَتّٰى بَلَغَ (فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا) فَقَالَ هٰذِهٖ نَسَخَتْ مَا قَبْلَهَا

◄► حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی۔

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں قرض کا لین دین متعین مدت کے لیے کرو''۔

اس کے بعد انہوں نے اس آیت کو یہاں تک تلاوت کیا۔

''اگر تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے لیے امین بن جائے (یعنی تمہیں کسی پر اعتماد ہو)''۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت نے اس سے پہلے حصے کو منسوخ کر دیا ہے۔

شرح

اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک کے لئے آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور تمہارے درمیان جو لکھنے والا ہو اسے چاہئے کہ انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے لکھنا سکھایا ہے، پس وہ لکھ دے (یعنی شرع اور ملکی دستور کے مطابق وثیقہ نویسی کا حق پوری دیانت سے ادا کرے)، اور مضمون وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق

2365: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

(یعنی قرض) ہو اور اسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس (زر قرض) میں سے (لکھواتے وقت) کچھ بھی کمی نہ کرے، پھر اگر وہ شخص جس کے ذمہ حق واجب ہوا ہے ناسمجھ یا ناتواں ہو یا خود مضمون لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کے کارندے کو چاہئے کہ وہ انصاف کے ساتھ لکھوا دے، اور اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو، پھر اگر دونوں مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں (یہ) ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں تم گواہی کے لئے پسند کرتے ہو (یعنی قابل اعتماد سمجھتے ہو) تاکہ ان دو میں سے ایک عورت بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے، اور گواہوں کو جب بھی (گواہی کے لئے) بلایا جائے وہ انکار نہ کریں، اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے اپنی میعاد تک لکھ رکھنے میں اکتایا نہ کرو، یہ تمہارا دستاویز تیار کر لینا اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے اور گواہی کے لئے مضبوط تر اور یہ اس کے بھی قریب تر ہے کہ تم شک میں جتلا نہ ہو سوائے اس کے کہ دست بدست ایسی تجارت ہو جس کا لین دین تم آپس میں کرتے رہتے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے کا کوئی گناہ نہیں، اور جب بھی آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو، اور نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو، اور اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہاری حکم شکنی ہوگی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں (معاملات کی) تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ (بقرہ، ۲۸۲)

یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیتوں سے بڑی ہے، حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قرآن کی سب سے بڑی آیت یہی آیت الدین ہے، یہ آیت جب نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے انکار کرنے والے حضرت آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا، ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک کی ان کی تمام اولاد نکالی، آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا، ایک شخص کو خوب تر و تازہ اور نورانی دیکھ کر پوچھا کہ الٰہی ان کا کیا نام ہے؟ جناب باری نے فرمایا یہ تمہارے داؤد ہیں، پوچھا اللہ ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال، کہا اے اللہ اس کی عمر کچھ اور بڑھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں، ہاں اگر تم اپنی عمر میں سے انہیں کچھ دینا چاہو تو دے دو، کہا اے اللہ میری عمر میں سے چالیس سال اسے دیئے جائیں، چنانچہ دے دیئے گئے، حضرت آدم کی اصلی عمر ایک ہزار سال کی تھی، اس لین دین کو لکھا گیا اور فرشتوں کو اس پر گواہ کیا گیا حضرت آدم کی موت جب آئی، کہنے لگے اے اللہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تم نے اپنے لڑکے حضرت داؤد کو دے دیئے ہیں، تو حضرت آدم نے انکار کیا جس پر وہ لکھا ہوا دکھایا گیا اور فرشتوں کی گواہی گزری، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم کی عمر پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار پوری کی اور حضرت داؤد کی ایک سو سال کی۔ (مسند احمد)

لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اس کے راوی علی بن زید بن جدعان کی حدیثیں منکر ہوتی ہیں، مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ادھار کے معاملات لکھ لیا کریں تاکہ رقم اور معیاد خوب یاد رہے، گواہ کو بھی غلطی نہ ہو، اس سے ایک وقت مقررہ کے لئے ادھار دینے کا جواز بھی ثابت ہوا، حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ معیاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینے والوں کا ادھار لین دین دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو، بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ لکھ لیا کرو اور حدیث شریف میں ہے کہ ہم ان

پڑھے ہوئے ہیں، نہ لکھنا جانیں نہ حساب، ان دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ دینی مسائل اور شرعی امور کے لکھنے کی تو مطلق ضرورت ہی نہیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بیحد آسان اور بالکل سہل کر دیا گیا۔ قرآن کا حفظ اور احادیث کا حفظ قدرتاً لوگوں پر سہل ہے، لیکن دنیوی چھوٹی بڑی لین دین کی باتیں اور وہ معاملات جو ادھار سدھار ہوں، ان کی بابت بیشک لکھ لینے کا حکم ہوا اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ حکم بھی وجوبا نہیں پس نہ لکھنا دینی امور کا ہے اور لکھ لینا دنیوی کام کا ہے۔

بعض لوگ اس کے وجوب کی طرف بھی گئے ہیں، ابن جریج فرماتے ہیں جو ادھار دے وہ لکھ لے اور جو بیچے وہ گواہ کر لے، ابو سلیمان مرعشی جنہوں نے حضرت کعب کی صحبت بہت اٹھائی تھی انہوں نے ایک دن اپنے پاس والوں سے کہا اس مظلوم کو بھی جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی لوگوں نے کہا یہ کس طرح؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ایک مدت کے لئے ادھار دیتا ہے اور نہ گواہ رکھتا ہے نہ لکھت پڑھت کرتا ہے پھر مدت گزرنے پر تقاضا کرتا ہے اور دوسرا شخص انکار کر جاتا ہے، اب یہ اللہ سے دعا کرتا ہے لیکن پروردگار قبول نہیں کرتا اس لئے کہ اس نے کام اس کے فرمان کیخلاف کیا ہے اور اپنے رب کا نافرمان ہوا ہے، حضرت ابوسعید شعبی ربیع بن انس حسن ابن جریج ابن زید وغیرہ کا قول ہے کہ پہلے تو یہ واجب تھا پھر وجوب منسوخ ہو گیا اور فرمایا گیا کہ اگر ایک دوسرے پر اطمینان ہو تو جسے امانت دی گئی ہے اسے چاہئے کہ ادا کر دے، اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے، گو یہ واقعہ اگلی امت کا ہے لیکن تاہم ان کی شریعت ہماری شریعت ہے۔ جب تک ہماری شریعت پر اسے انکار نہ ہو اس واقعہ میں جسے اب ہم بیان کرتے ہیں لکھت پڑھت کے نہ ہونے اور گواہ مقرر نہ کئے جانے پر شارع علیہ السلام نے انکار نہیں کیا۔

دیکھئے مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار ادھار مانگے، اس نے کہا گواہ لاؤ، جواب دیا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے، کہا ضمانت لاؤ، جواب دیا اللہ کی ضمانت کافی ہے، کہا تو نے سچ کہا، ادائیگی کی معیاد مقرر ہو گئی اور اس نے اسے ایک ہزار دینار گن دیئے، اس نے تری کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا، جب معیاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی ملے تو اس میں بیٹھ جاؤں اور رقم ادا کر آؤں، لیکن کوئی جہاز نہ ملا، جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی، اسے بیچ سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا، پھر منہ کو بند کر دیا اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی، میں نے تجھے ضامن کیا اور وہ اس پر خوش ہو گیا، گواہ مانگا، میں نے گواہ بھی تجھی کو رکھا، وہ اس پر بھی خوش ہو گیا، اب جبکہ اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی، اب میں اس رقم کو تجھے سونپتا ہوں اور سمندر میں ڈال دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اسے پہنچا دے، پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو جاؤں، یہاں تو یہ ہوا، وہاں جس شخص نے اسے قرض دیا تھا، جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اسے آ جانا چاہئے تھا، تو وہ بھی دریا کنارے آن کھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا، مگر جب شام ہونے کو آئی اور کوئی کشتی اس کی طرف سے نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا، کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر کہ خالی ہاتھ تو جا ہی رہا ہوں، اس لکڑی کو بھی لے چلوں، پھاڑ کر سکھا لوں گا جلانے کے کام آئے گی، گھر پہنچ کر جب اسے چیرتا ہے تو کھنا کھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں گنتا ہے تو

پوری ایک ہزار ہیں، وہیں پرچہ پر نظر پڑتی ہے، اسے بھی اٹھا کر پڑھ لیتا ہے، پھر ایک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار دینار پیش کر کے کہتا ہے یہ لیجئے آپ کی رقم، معاف کیجئے گا میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور دیر لگ گئی، آج کشتی ملی، آپ کی رقم لے کر حاضر ہوا، اس نے پوچھا کیا میری رقم آپ نے بھجوائی بھی ہے؟ اس نے کہا میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے کشتی نہ ملی تھی، اس نے کہا آپ اپنی رقم لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ، آپ نے جو رقم لکڑی میں ڈال کر اسے توکل علی اللہ ڈالی تھی، اسے اللہ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی رقم پوری وصول پالی۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے، صحیح بخاری شریف میں سات جگہ یہ حدیث آئی ہے۔

پھر فرمان ہے کہ لکھنے والا عدل وحق کے ساتھ لکھے، کتابت میں کسی فریق پر ظلم نہ کرے، ادھر ادھر کچھ کمی بیشی نہ کرے بلکہ لین دین والے دونوں متفق ہو کر جو لکھوائیں وہی لکھے، لکھا پڑھا شخص معاملہ کو لکھنے سے انکار نہ کرے، جب اسے لکھنے کو کہا جائے لکھ دے، جس طرح اللہ کا یہ احسان اس پر ہے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا اسی طرح جو لکھنا نہ جانتے ہوں ان پر یہ احسان کرے اور ان کے معاملہ کو لکھ دیا کرے۔ حدیث میں ہے یہ بھی صدقہ ہے کہ کسی کام کرنے والے کا ہاتھ بٹا دو، کسی گرے پڑے کا کام کر دو، اور حدیث میں ہے جو علم کو جان کر پھر اسے چھپائے، قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی، حضرت مجاہد اور حضرت عطا فرماتے ہیں کاتب پر لکھ دینا اس آیت کی رو سے واجب ہے۔ جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اللہ سے ڈرے، نہ کمی بیشی کرے نہ خیانت کرے۔ اگر یہ شخص بے سمجھ ہے اسراف وغیرہ کی وجہ سے روک دیا گیا ہے یا کمزور ہے یعنی بچہ ہے یا حواس درست نہیں یا جہالت اور کند ذہنی کی وجہ سے لکھوانا بھی نہیں جانتا تو جو اس کا والی اور بڑا ہو، وہ لکھوائے۔

پھر فرمایا کتابت کے ساتھ شہادت بھی ہونی چاہئے تا کہ معاملہ خوب مضبوط اور بالکل صاف ہو جائے۔ دو عورتوں کو ایک عورت کے قائم مقام کرنا عورت کے نقصان کے سبب ہے، جیسے صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتو صدقہ کرو اور بکثرت استغفار کرتی رہو، میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں تم بہت زیادہ تعداد میں جاؤ گی، ایک عورت نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو، میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل دین کی کمی کے، مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ کوئی ہو، اس نے پھر پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں دین کی عقل کی کمی کیسے ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔ گواہوں کی نسبت فرمایا کہ یہ شرط ہے کہ وہ عدالت والے ہوں۔

امام شافعی کا مذہب ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں گواہ کا ذکر ہے وہاں عدالت کی شرط ضروری ہے، گو وہاں لفظوں میں نہ ہو اور جن لوگوں نے ان کی گواہی رد کر دی ہے جن کا عادل ہونا معلوم نہ ہو ان کی دلیل بھی یہی آیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گواہ عادل اور پسندیدہ ہونا چاہئے۔ دو عورتیں مقرر ہونے کی حکمت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ اگر ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے گی فتذکر کی، دوسری قرأت فتذکر بھی ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت اس کے ساتھ مل کر شہادت مرد کے کر دے گی انہوں نے تکلف کیا ہے، صحیح بات پہلی ہی ہے واللہ اعلم۔ گواہوں کو چاہئے کہ جب وہ بلائے جائیں انکار نہ کریں یعنی جب ان سے

کہا جائے کہ آؤ اس معاملہ پر گواہ رہو تو انہیں انکار نہ کرنا چاہئے جیسے کاتب کی بابت بھی یہی فرمایا گیا ہے، یہاں سے یہ بھی فائدہ حاصل کیا گیا ہے کہ گواہ رہنا بھی فرض کفایہ ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ جب گواہ گواہی دینے کے لئے طلب کیا جائے یعنی جب اس سے واقعہ پوچھا جائے تو وہ خاموش نہ رہے، چنانچہ حضرت ابومجلز مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب گواہ بننے کے لئے بلائے جاؤ تو تمہیں اختیار ہے خواہ گواہ بننا پسند کرو یا نہ کرو یا نہ جاؤ لیکن جب گواہ ہو چکو پھر گواہی دینے کے لئے جب بلایا جائے تو ضرور جانا پڑے گا، صحیح مسلم اور سنن کی حدیث میں ہے اچھے گواہ وہ ہیں جو بے پوچھے ہی گواہی دے دیا کریں۔

بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ بدترین گواہ وہ ہیں جن سے گواہی طلب نہ کی جائے اور وہ گواہی دینے بیٹھ جائیں اور وہ حدیث جس میں ہے کہ پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں پر اور گواہیاں قسموں پر پیش پیش رہیں گی، اور روایت میں آیا ہے کہ ان سے گواہی نہ لی جائے گی تاہم وہ گواہی دیں گے تو یاد رہے (مذمت جھوٹی گواہی دینے والوں کی اور تعریف سچی گواہی دینے والوں کی ہے) اور یہی ان مختلف احادیث میں تطبیق ہے، حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں آیت دونوں حالتوں پر شامل ہے، یعنی گواہی دینے کے لئے بھی اور گواہ رہنے کے لئے بھی انکار نہ کرنا چاہئے۔

پھر فرمایا چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا لکھنے سے بے پرواہ نہ بنو بلکہ مدت وغیرہ بھی لکھ لیا کرو۔ ہمارا یہ حکم پورے عدل والا اور بغیر شک و شبہ فیصلہ ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا جبکہ نقد خرید و فروخت ہو رہی ہو تو چونکہ باقی کچھ نہیں رہتا اس لئے اگر نہ لکھا جائے تو کسی جھگڑے کا احتمال نہیں، لہٰذا کتابت کی شرط تو ہٹا دی گئی، اب رہی شہادت تو سعید بن مسیب تو فرماتے ہیں کہ ادھار ہو یا نہ ہو، ہر حال میں اپنے حق پر گواہ کر لیا کرو، دیگر بزرگوں سے مروی ہے کہ (آیت فان امن الخ) فرما کر اس حکم کو بھی ہٹا دیا، یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جمہور کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں بلکہ استحباب کے طور پر اچھائی کے لئے ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید و فروخت کی جبکہ اور کوئی گواہ شاہد نہ تھا۔

چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور اعرابی آپ کے پیچھے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ کی طرف رقم لینے کے لئے چلا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ذرا جلد نکل آئے اور وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا، لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے، انہوں نے قیمت لگانی شروع کی یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا تھا اس سے زیادہ دام لگ گئے، اعرابی کی نیت پلٹی اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دے کر کہا حضرت یا تو گھوڑا اسی وقت نقد دے کر لے لو یا میں اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر رک کے اور فرمانے لگے تو تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکا ہے پھر یہ کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلط کہتا ہے، میرے تیرے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے، اب لوگ ادھر اُدھر سے بیچ میں بولنے لگے، اس گنوار نے کہا اچھا تو گواہ لائیے کہ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا، مسلمانوں نے ہر چند کہا کہ بدبخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے پیغمبر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے تو حق ہی نکلتا ہے، لیکن وہ یہی کہے چلا جائے کہ لاؤ گواہ پیش کرو، اتنے میں حضرت خزیمہ آ گئے اور اعرابی کے اس قول کو سن

فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے، حضرت خزیمہ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور سچائی کی بنیاد پر یہ شہادت دی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج سے حضرت خزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے۔ پس اس حدیث سے خرید و فروخت پر گواہی دو گواہوں کی ضروری نہ رہی، لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تجارت پر بھی دو گواہ ہوں، کیونکہ ابن مردویہ اور حاکم میں ہے کہ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی، ایک تو وہ کہ جس کے گھر بداخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے، دوسرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اس کی بلوغت کے پہلے اسے سونپ دے، تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے، امام حاکم اسے شرط و بخاری و مسلم پر صحیح بتلاتے ہیں، بخاری مسلم اس لئے نہیں لائے کہ شعبہ کے شاگرد اس روایت کو حضرت ابوموسیٰ اشعری پر موقوف بتاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ کاتب کا چاہئے کہ جو لکھا گیا وہی لکھے اور گواہ کو چاہئے کہ واقعہ کے خلاف گواہی نہ دے اور نہ گواہی کو چھپائے، حسن قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے ابن عباس یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کو ضرر نہ پہنچایا جائے مثلاً انہیں بلانے کے لئے گئے، وہ کسی اپنے کام میں مشغول ہوں تو یہ کہنے لگے کہ تم پر یہ فرض ہے۔ اپنا حرج کرو اور چلو، یہ حق انہیں ہیں۔ اور بہت سے بزرگوں سے بھی یہی مروی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں جس سے روکوں اس کا کرنا اور جو کام کرنے کو کہوں اس سے رک جانا یہ بدکاری ہے، جس کا وبال تم سے چھٹے گا نہیں۔

پھر فرمایا اللہ سے ڈرو اس کا لحاظ رکھو، اس کی فرمانبرداری کرو، اس کے روکے ہوئے کاموں سے رُک جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھا رہا ہے جیسے اور جگہ فرمایا آیت (يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ) الانفال:29) اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں دلیل دے دے گا، اور جگہ ہے ایمان لو! اللہ سے ڈرتے رہو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھو وہ تمہیں دوہری رحمتیں دے گا اور تمہیں نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلتے رہو گے۔ پھر فرمایا تمام کاموں کا انجام اور حقیقت سے ان کی مصلحتوں اور دور اندیشیوں سے اللہ آگاہ ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، اس کا علم تمام کائنات کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اسے حقیقی علم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، بیروت)

ضابطہ شہادت کے چند اہم اصولوں کا بیان

یہاں تک معاملات میں دستاویز لکھنے اور لکھوانے کے اہم اصول کا بیان تھا۔ آگے یہ بتلایا گیا کہ دستاویز کی صرف تحریر کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اس پر گواہ بھی بنالیں کہ اگر کسی وقت باہمی نزاع پیش آجائے تو عدالت میں ان گواہوں کی گواہی سے فیصلہ ہو سکے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محض تحریر حجت شرعی نہیں جب تک کہ اس پر شہادت شرعی موجود نہ ہو خالی تحریر پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، آج کل کی عام عدالتوں کا بھی یہی دستور ہے کہ تحریر پر زبانی تصدیق و شہادت کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتیں۔

گواہی کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا ضروری ہیں۔

اس کے بعد ضابطہ شہادت کے چند اہم اصول بتلائے گئے مثلاً (۱) گواہ دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہونا ضروری ہیں ایک اکیلا مرد یا صرف دو عورتیں عام معاملات کی گواہی کے لئے کافی نہیں۔

گواہوں کی شرائط کا بیان

(۲) دوسرے یہ کہ گواہ مسلمان ہوں، لفظ مِنْ رِّجَالِكُمْ میں اس کی طرف ہدایت کی گئی ہے (۳) تیسرے یہ کہ گواہ ثقہ اور عادل ہوں جن کے قول پر اعتماد کیا جا سکے فاسق وفاجر نہ ہوں مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ میں یہ حکم مذکور ہے۔

گواہی دینے سے بلا عذر شرعی انکار کرنا گناہ ہے

اس کے بعد لوگوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ جب ان کو کسی معاملہ میں گواہ بنانے کے لئے بلایا جائے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں کیونکہ شہادت ہی احیائے حق کا ذریعہ اور جھگڑے چکانے کا طریقہ ہے اس لئے اس کو اہم قومی خدمت سمجھ کر تکلیف برداشت کریں اس کے بعد پھر معاملات کی دستاویز لکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو لکھنا چاہئے اس میں اُکتائیں نہیں کیونکہ معاملات کا قلم بند کر لینا انصاف کو قائم رکھنے اور صحیح دینے اور شک وشبہ سے بچنے کے لئے بہترین ذریعہ ہے، ہاں اگر کوئی معاملہ دست بدست ہو ادھار نہ ہو اس کو اگر نہ لکھیں تب بھی کچھ حرج نہیں مگر تا ہم اس میں بھی کیا جائے کہ معاملہ پر گواہ بنالیں کہ شاید کسی وقت فریقین میں کوئی نزاع واختلاف پیش آجائے۔ مثلاً بائع کہے کہ قیمت وصول نہیں ہوئی یا مشتری کہے کہ مجھے مبیع پوری وصول نہیں ہوئی تو اس جھگڑے کے فیصلہ میں شہادت کام آئے گی۔

اسلام میں عدل وانصاف قائم کرنے کا اہم اصول کہ گواہوں کو کوئی نقصان یا تکلیف نہ پہنچے:

آیت کے شروع میں لکھنے والوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ لکھنے یا شاہد بننے سے انکار نہ کریں تو یہاں یہ احتمال تھا کہ لوگ ان کو پریشان کریں گے اس لئے آخر آیت میں فرمایا وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ یعنی کسی لکھنے والے یا گواہی دینے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے یعنی ایسا نہ کریں کہ اپنی مصلحت اور فائدہ کے لئے ان کی مصلحت اور فائدہ میں خلل ڈالیں۔ پھر فرمایا وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ یعنی اگر تم نے لکھنے والے یا گواہ کو نقصان پہنچایا تو اس میں تم کو گناہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ لکھنے والے یا گواہ کو نقصان پہنچانا حرام ہے، اسی لئے فقہاء نے فرمایا کہ اگر لکھنے والا اپنے لکھنے کی مزدوری مانگے یا گواہ اپنی آمد ورفت کا ضروری خرچ طلب کرے تو یہ اس کا حق ہے اس کو ادا نہ کرنا بھی اس کو نقصان پہنچانے میں داخل اور ناجائز ہے، اسلام نے اپنے نظام عدالت میں جس طرح گواہ کو گواہی دینے پر مجبور کیا ہے اور گواہی چھپانے کو سخت گناہ قرار دیا ہے اس طرح اس کا بھی انتظام کیا کہ لوگ گواہی سے بچنے پر مجبور نہ ہو جائیں اسی دوطرفہ احتیاط کا یہ اثر تھا کہ ہر معاملہ میں سچے بیغرض گواہ مل جاتے اور فیصلے جلد اور آسان حق کے مطابق ہو جاتے۔ آج کی دنیا نے اس قرآنی اصول کو نظر انداز کر دیا ہے تو سارا نظام عدالت برباد ہو گیا۔ واقعہ کے اصلی اور سچے گواہ ملنا تقریباً مفقود ہو گیا ہر شخص گواہی سے جان چرانے پر مجبور ہو گیا، وجہ یہ کہ جس کا نام گواہی میں آ گیا اگر معاملہ پولیس اور فوجداری کا ہے تو روز وقت بیوقت تھانیدار صاحب اس کو بلا بھیجتے ہیں اور بعض اوقات گھنٹوں بٹھائے رکھتے ہیں، دیوانی عدالتوں میں بھی گواہ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جیسے یہ کوئی مجرم ہے پھر روز روز مقدمہ کی پیشیاں بدلتی ہیں تاریخیں لگتی ہیں گواہ بیچارہ اپنا کاروبار اور مزدوری اور ضروریات چھوڑ کر آنے پر مجبور ہے ورنہ وارنٹ کے ذریعہ گرفتار کیا

جائے اس لئے کوئی شریف کاروباری آدمی کسی معاملہ کا گواہ بننا اپنے لئے ایک عذاب سمجھنے اور مقدور بھر اس سے بچنے پر مجبور کر دیا گیا صرف پیشہ ور گواہ ملتے ہیں جن کے ہاں جھوٹ سچ میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم نے ان بنیادی ضروریات کو اہمیت کے ساتھ بتلا کر ان تمام خرابیوں کا انسداد فرمایا۔ آیت کے آخر میں ارشاد ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ یعنی ڈرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اصول صحیحہ کی تعلیم دیتا ہے (یہ اس کا احسان ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے چونکہ اس آیت میں بہت سے احکام آئے ہیں بعض فقہاء نے بیس اہم مسائل فقہی اس آیت سے نکالے ہیں اور قرآن کریم کی عام عادت ہے کہ قانون بیان کرنے سے آگے اور پیچھے خوف خدا اور خوف روز جزاء دلا کر لوگوں کے ذہنوں کو تعمیل حکم کے لئے آمادہ کرتا ہے، اسی طریقہ کے مطابق اس آیت کا خاتمہ خوف خداوندی پر کیا اور یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں اگر تم کسی ناجائز حیلہ سے بھی کوئی خلاف ورزی کرو گے تو خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

دوسری آیت میں دو اہم مضمون بیان فرمائے گئے۔ ایک یہ کہ ادھار کے معاملہ میں اگر کوئی یہ چاہے کہ اعتماد کے لئے کوئی چیز گروی رکھ لے تو اس کی بھی اجازت ہے، مگر اس میں لفظ مقبوضۃ سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ شئے مرہونہ سے نفع اٹھانا اس کے لئے جائز نہیں، مرتہن کو صرف اتنا حق ہے کہ اپنے قرض وصول ہونے تک اس کی چیز پر اپنا قبضہ رکھے اور منافع اس کے وہ سب اصل مالک کا حق ہیں۔

دوسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو کسی نزاعی معاملہ کا صحیح علم ہو وہ شہادت کو نہ چھپائے اور اگر اس نے چھپایا تو اس کا دل گنہگار ہے، دل کو اس لئے گنہگار فرمایا کہ کوئی شخص اس کو خالی زبان ہی کا گناہ نہ سمجھے کیونکہ اول ارادہ تو دل ہی سے ہوا ہے، اس لئے اول گناہ دل ہی کا ہے۔

بَاب مَنْ لَّا تَجُوْزُ شَهَادَتُهٗ

یہ باب ہے کہ کس شخص کی گواہی جائز نہیں ہے؟

خائن ومحدود کی گواہی کے عدم قبول کا بیان

2366 - حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّقِّيُّ حَدَّثَنَا مُعَمَّرُ بْنُ سُلَيْمَانَ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَا حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ اَرْطَاةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَّلَا خَائِنَةٍ وَّلَا مَحْدُوْدٍ فِي الْاِسْلَامِ وَلَا ذِيْ غِمْرٍ عَلٰى اَخِيْهِ

◆◆ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''خیانت کرنے والے مرد خیانت کرنے والی عورت' جس مسلمان پر حد جاری ہوئی ہو اور جو شخص اپنے کسی بھائی کے خلاف دشمنی رکھتا ہو (اس کی اپنے بھائی کے خلاف) ان کی گواہی جائز نہیں ہے''۔

2366: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خائن مرد وعورت کی گواہی یا کسی ایسے مرد وعورت کی گواہی جن پر حد جاری ہو چکی ہو یا کسی دشمن کی گواہی یا ایسے شخص کی گواہی جو ایک مرتبہ جھوٹا ثابت ہو چکا ہے یا کسی کے مضروری کی اس کے حق میں گواہی اور ولاء یا قرابت میں تہمت زدہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی یعنی ان تمام مذکورہ اشخاص کی گواہی قابل قبل نہیں فزاری کہتے ہیں کہ قانع سے مراد تابع ہے یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف یزید بن زیاد دمشقی کی روایت سے جانتے ہیں اور یہ ضعیف ہیں پھر یہ حدیث ان کے علاوہ کوئی راوی بھی زہری سے نقل نہیں کرتے اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت ہے ہمیں اس حدیث کا مفہوم کا علم نہی اور میرے نزدیک اس کی سند بھی صحیح نہیں اہل علم کا عمل اس طرح ہے کہ قریب کی قریب کے لئے شہادت جائز ہے ہاں باپ کی بیٹے کے لئے شہادت میں اختلاف ہے اس طرح بیٹے کی باپ کے لئے پس اکثر علماء ان دونوں کی ایک دوسرے کے لئے شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

لیکن بعض اہل علم اس کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ وہ دونوں عادل ہوں پھر بھائی کی بھائی کے لئے شہادت اور قرابت داروں کی آپ میں شہادت کے متعلق علماء میں کوئی اختلاف نہیں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی دشمن کی کسی پر شہادت کسی صورت بھی جائز نہیں اگر چہ گواہ عادل ہی کیوں نہ ہوں ان کی دلیل عبدالرحمن سے منقول حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا صاحب عدوات کی گواہی جائز نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم، رقم الحدیث، 182)

محدود فی القذف کی گواہی جائز نہ ہونے کا بیان

محدود فی القذف کی گواہی بھی جائز نہیں اگر چہ اس نے توبہ کر لی ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محدودین کی گواہی کو قبول نہ کرو کبھی بھی اور اس لئے کہ ان کی گواہی قبول نہ کرنا تمامیت حد میں سے ہے اس لئے کہ شہادت کو قبول نہ کرنا مانع قذف ہے اسی وجہ سے شہادت کا رد ہونا توبہ کے بعد بھی باقی رہے گا جیسے اصل حد باقی رہتی ہے برخلاف محدود فی غیر القذف کے اس لئے کہ اس کی گواہی کو رد کرنا فسق کی وجہ سے ہوتا ہے اور توبہ کی وجہ سے فسق ختم ہو گیا امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر محدود فی القذف توبہ کر لے تو اس کی گواہی مقبول ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ الا الذین تابوا کے ذریعے توبہ کرنے والے کا استثناء کر دیا ہم کہتے ہیں کہ استثناء اس طرف لوٹے گا جو اس سے متصل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فاولئك هم الفسقون ہے یا یہ استثناء منقطع جو لکن کے معنی میں ہے اور اگر کافر کو بہتان لگانے کی وجہ سے حد ماری گئی اور پھر وہ ایمان لے آیا تو اس کی شہادت مقبول ہو گی اس لئے کہ کافر کو شہادت کا حق حاصل تھا اور تمامیت حد سے وہ مردود ہو گیا اور اسلام لانے سے اسے دوسری کا حق حاصل ہوا ہے غلام کے خلاف جب اس کو حد لگائی گئی ہو پھر وہ آزاد ہو گیا اس لئے کہ غلام کے لئے شہادت کا حق ہی نہیں تھا لہذا آزادی کے بعد اس کی شہادت کا مردود ہونا اس کی حد کو مکمل کرنے سے ہو گا۔ (ہدایہ، کتاب شہادات، لاہور)

حد قذف والے کی گواہی میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ محدود فی القذف کی گواہی بھی جائز نہیں اگرچہ اس نے توبہ کرلی ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محدودین کی گواہی کو قبول نہ کرو کبھی بھی اور اس لئے کہ ان کی گواہی قبول نہ کرنا تمامیت حد میں سے ہے۔ جبکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جب وہ توبہ کرلیتا ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

(فتح القدیر، ج ۷، ص ۱۰۸، بیروت)

محدود فی القذف کی شہادت نہ قبول کرنے میں فقہ حنفی کی ترجیح

ایک بحث یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں 'اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا' کا استثناء 'اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ' سے متعلق ہے یا 'لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا' سے۔ دوسری تاویل ماننے کی صورت میں اس بات کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر قذف کا مرتکب توبہ و اصلاح کرلے تو اس کی گواہی قابل قبول قرار دے دی جائے، تاہم احناف نے اسے فسق سے متعلق مانا ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ دنیا میں قذف کے مرتکب کی گواہی قبول کرنے کی کسی حال میں کوئی گنجائش نہیں۔ ہماری رائے میں کلام میں تین قرینے ایسے ہیں جو احناف کی دلیل کو راجح قرار دیتے ہیں۔

ایک یہ کہ 'لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا' میں 'اَبَدًا' کی قید از روے بلاغت اس کے بعد کسی استدراک کی گنجائش ماننے میں مانع ہے۔ اگر قرآن مجید کو یہ کہنا ہوتا کہ توبہ کے بعد ان کی گواہی قبول کرلی جائے تو اصل حکم میں 'اَبَدًا' کی قید کا اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

دوسرے یہ کہ 'اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ' میں توبہ کا جو اثر اور نتیجہ بیان کیا گیا ہے، وہ دنیوی سزا سے نہیں، بلکہ اخروی سزا سے متعلق ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ پورا استدراک دراصل 'اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ' کے ساتھ متعلق ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس استدراک کو رد شہادت سے متعلق مانا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ توبہ و اصلاح کے متحقق ہو جانے کا فیصلہ ظاہر میں کیسے کیا جائے گا؟ اگر تو یہ فرض کیا جائے کہ قذف کا ارتکاب کرنے والے افراد ضرور یا ایسے ہوں گے جو اپنی ظاہری زندگی میں فسق و فجور میں معروف ہوں تو ان کی توبہ و اصلاح کا کسی حد تک اندازہ ان کے ظاہری طرز زندگی میں تبدیلی سے کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے قذف کی سزا صرف ایسے افراد کے لیے بیان نہیں کی، بلکہ بظاہر بہت قابل اعتماد اور متقی افراد بھی اگر کسی پر زنا کا الزام لگائیں اور چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو ان کے لیے بھی یہی سزا ہے۔ ایسے افراد کے ہاں توبہ اور اصلاح کا ظہور، ظاہر ہے کہ ان کے باطن میں ہوگا جس کا فیصلہ کرنے کا کوئی ظاہری معیار موجود نہیں۔ چنانچہ یہ کہنا کہ ایسے لوگ اگر توبہ و اصلاح کریں تو ان کی گواہی قبول کرلی جائے، عملی اعتبار سے ایک بے معنی بات قرار پاتی ہے۔

بیٹے کے حق میں باپ کی گواہی کے قبول نہ ہونے کا بیان

اپنے بیٹے اور پوتے کے حق میں باپ کی گواہی مقبول نہیں ہے اور بیٹے کی گواہی اس کے والدین اور اجداد کے حق میں مقبول نہیں ہے اور اصل ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ بیٹے کی شہادت اپنے والد کے لئے اور والد کی شہادت اپنے بیٹے کے لئے اور بیوی کی شہادت اپنے شوہر کے لئے اور شوہر کی شہادت اپنی بیوی کے لئے اور غلام کی شہادت اپنے آقا کے لئے اور آقا کی شہادت اپنے غلام کے لئے اور مزدور کی شہادت اس کے مستاجر کے لئے مقبول نہیں ہے اور اس لئے کہ منافع اولاد اور آباء کے درمیان مشترک ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کو زکوۃ دینا بھی جائز نہیں لہٰذا ایک طرح سے یہ شہادت ذات کے لئے ہوگی یا اس میں تہمت پیدا ہوگی صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ حضرات مشائخ کے قول کے مطابق اجیر سے مراد وہ خاص شاگرد ہیں جو استاذ کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھتے ہوں اور استاذ کے نفع کو اپنا نفع خیال کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے کہ جو شخص کسی گھر والوں پر قناعت کرتا ہو تو ان کے حق میں اس شخص کی گواہی مقبول نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے وہ خادم مراد ہے جو سالانہ، ماہانہ یا روزانہ پر مقرر ہو اور ادائے شہادت کے وقت اپنے منافع کی وجہ سے مستحق اجرت ہو اس لئے یہ ادائے شہادت کے لئے اجرت پر لئے ہوئے اجیر کی طرح ہو جائے گا۔ (ہدایہ، کتاب شہادات، لاہور)

فرع واصل کا ایک دوسرے کے لئے گواہی دینے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فرع کی گواہی اصل کے لیے اور اصل کی فرع کے لیے یعنی اولاد اگر ماں باپ دادا دادی وغیرہم اصول کے حق میں گواہی دیں یا ماں باپ دادا دادی وغیرہم اپنی اولاد کے حق میں گواہی دیں یہ نامقبول ہے۔ہاں اگر باپ بیٹے کے مابین مقدمہ ہے اور دادا نے باپ کے خلاف پوتے کے حق میں گواہی دی تو مقبول ہے اور اصل نے فرع کے خلاف یا فرع نے اصل کے خلاف گواہی دی تو مقبول ہے۔مگر میاں بی بی میں جھگڑا ہے اور بیٹے نے باپ کے خلاف ماں کے موافق گواہی دی تو مقبول نہیں یہاں تک کہ اس کی سوتیلی ماں نے اس کے باپ پر طلاق کا دعویٰ کیا اور اس کی ماں زندہ ہے اور اس کے باپ کے نکاح میں ہے اس نے طلاق کی گواہی دی یہ مقبول نہیں کہ اس میں اس کی ماں کا فائدہ ہے۔ (درمختار، کتاب شہادات)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی جس کی گواہی بیٹے دیتے ہیں اور وہ شخص طلاق دینے سے انکار کرتا ہے اسکی دو صورتیں ہیں ان کی ماں طلاق کا دعویٰ کرتی ہے یا نہیں اگر کرتی ہے تو بیٹوں کی گواہی قبول نہیں اور مدعی نہیں ہے تو مقبول ہے۔

اور جب بیٹوں نے یہ گواہی دی کہ ہماری سوتیلی ماں معاذ اللہ مرتدہ ہوگئی اور وہ منکر ہے اگر ان لڑکوں کی ماں زندہ ہے یہ گواہی مقبول نہیں اور اگر زندہ نہیں ہے تو دو صورتیں ہیں باپ مدعی ہے یا نہیں اگر باپ مدعی ہے جب بھی مقبول نہیں ورنہ مقبول ہے۔اور جب ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی پھر نکاح کیا بیٹے یہ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دی تھیں اور بغیر حلالہ کے نکاح کیا باپ اگر مدعی ہے تو مقبول نہیں ورنہ مقبول ہے۔ (بحرالرائق، کتاب شہادات)

رشتہ داروں کی باہمی شہادت کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خائن مرد وعورت کی گواہی یا کسی ایسے مرد وعورت کی گواہی جن پر حد جاری ہو چکی ہو یا کسی دشمن کی گواہی یا ایسے شخص کی گواہی جو ایک مرتبہ جھوٹا ثابت ہو چکا ہے یا کسی کے ملازم کی اس کے حق میں گواہی اور ولاء یا قرابت میں تہمت زدہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی یعنی ان تمام مذکورہ اشخاص کی گواہی قابل قبول نہیں فزاری کہتے ہیں کہ قانع سے مراد تابع ہے یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف یزید بن زیاد دمشقی کی روایت سے جانتے ہیں اور یہ ضعیف ہیں پھر یہ حدیث ان کے علاوہ کوئی راوی بھی زہری سے نقل نہیں کرتے۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت ہے ہمیں اس حدیث کا مفہوم کا علم نہیں اور میرے نزدیک اس کی سند بھی صحیح نہیں۔ اہل علم کا عمل اس طرح ہے کہ قریب کی قریب کے لئے شہادت جائز ہے ہاں باپ کی بیٹے کے لئے شہادت میں اختلاف ہے اس طرح بیٹے کی باپ کے لئے پس اکثر علماء ان دونوں کی ایک دوسرے کے لئے شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

لیکن بعض اہل علم اس کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ وہ دونوں عادل ہوں پھر بھائی کی بھائی کے لئے شہادت اور قرابت داروں کی آپ میں شہادت کے متعلق علماء میں کوئی اختلاف نہیں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی دشمن کی کسی پر شہادت کسی صورت بھی جائز نہیں اگرچہ گواہ عادل ہی کیوں نہ ہوں ان کی دلیل عبدالرحمن سے منقول حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا صاحب عدوات کی گواہی جائز نہیں ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: رقم الحدیث، 182)

بچوں کی باہمی گواہی کا بیان

حضرت ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر لڑکوں کی گواہی پر حکم کرتے تھے ان کے آپس کی مار پیٹ کے، حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ لڑکے لڑ کر ایک دوسرے کو زخمی کریں تو ان کی گواہی درست ہے لیکن لڑکوں کی گواہی اور مقدمات میں درست نہیں ہے یہ بھی جب درست ہے کہ لڑ لڑا کر جدا نہ ہو گئے ہوں مکر نہ کیا ہو اگر جدا جدا چلے گئے ہوں تو پھر ان کی گواہی درست نہیں ہے مگر جب عادل لوگوں کو اپنی شہادت پر شاہد کر گئے ہوں۔ (مؤطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1314)

بعض عائلی قوانین میں بیٹے کی گواہی کے قبول ہونے کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیٹے کی گواہی باپ کے خلاف کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے جائز ہے بشرطیکہ وہ گواہی اس کے بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں نہ ہو کیونکہ یہ گواہی باپ کے خلاف ہے (نہ کہ اس کے حق میں جو نا جائز ہے) اور اگر وہ گواہی بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں ہو تو نا جائز ہے کیونکہ یہ شاہد کی شہادت اس کی ماں کے لئے ہوئی۔ صاحب بحر نے اس پر مفصل کلام کیا اور اس سے ظاہر ہوا کہ یہی اصح اور شہادت کے بارے میں ان مسائل کثیرہ کے لئے معتمد علیہ ہے جو جامع کبیر سے منقول ہے۔ (الاشباہ والنظائر)

بچوں کی گواہی کے عدم قبول پر مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بچوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے مجمع عام میں وہ جرح کرلے تو اس کی گواہی جائز ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۷، ص ۱۰۹، بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زوج و زوجہ میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے حق میں مقبول نہیں بلکہ تین طلاقیں دے چکا ہے اور ابھی عدت میں ہے جب بھی ایک کی گواہی دوسرے کے حق میں قبول نہیں بلکہ گواہی دینے کے بعد نکاح ہوا اور ابھی فیصلہ نہیں ہوا ہے یہ گواہی بھی باطل ہوگئی اور ان میں ایک کی گواہی دوسرے کے خلاف مقبول ہے۔ مگر شوہر نے عورت کے زنا کی شہادت دی تو یہ گواہی مقبول نہیں۔ (فتاویٰ شامی، کتاب شہادات، بیروت)

دشمن اور جھگڑالو کی گواہی کا بیان

اگر کسی شخص کے خلاف گواہی دینے والا آدمی جھگڑالو ہے یا مدعی علیہ کا دشمن ہے تو اسکی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ جھگڑالو یا دشمن ہونے کی وجہ سے جھوٹ کو غالب رکھتے ہوئے نقصان پہنچا سکتا ہے اور یہی غالب توقع ہے۔ لہٰذا اسکی گواہی قبول نہ کی جائے۔

شوہر اور بیوی کی گواہی کا بیان

شوہر اور بیوی اگر ایک دوسرے کے حق میں گواہی دیں تو ان کی گواہی کو قبول نہ کیا جائے اسکی علت یہ ہے کہ ان دونوں کا مفاد باہم مشترک ہے اس لئے غالب اعتبار یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی رعایت کریں گے۔

شوہر بیوی کی باہمی شہادت کے عدم قبول پر مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور میاں بیوی میں کسی کی گواہی دوسرے کے حق میں قبول نہ کی جائے گی جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قبول ہوگی۔ اور امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ کا مذہب وہی ہے جو احناف کا مذہب ہے۔ اور اسی طرح ابن ابی لیلیٰ، امام ثوری، امام نخعی علیہم الرحمہ بھی کہتے ہیں کہ گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے ہم بیان کرچکے ہیں اور اس لئے بھی کہ زوجین کی منفعت عادتاً متصل ہوتی ہے اور یہی مقصود ہے۔ (فتح القدیر، ج ۷، ص ۱۲۵، بیروت)

دیہاتی کی گواہی کا شہری کے خلاف ہونے کا بیان

2367 - حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِىْ نَافِعُ بْنُ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلٰى صَاحِبِ قَرْيَةٍ

2367: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3602

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:
"دیہاتی کی گواہی شہری کے خلاف جائز نہیں ہے"۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کسی دیہاتی کی شہری کے خلاف گواہی جائز نہیں۔ (سنن ابوداؤد)

بَاب الْقَضَاءِ بِالشَّاهِدِ وَالْيَمِينِ

یہ باب ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ دینے کے بیان میں ہے

2368- حَدَّثَنَا اَبُوْمُصْعَبٍ الْمَدِينِيُّ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الزُّهْرِيُّ وَيَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ اَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کے ساتھ قسم لے کر فیصلہ دے دیا تھا۔

ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ کرنے سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

حدیث کا ظاہری مفہوم یہ بتاتا ہے کہ اگر مدعی اپنے دعوی کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کر سکے تو اس (مدعی) سے دوسرے گواہ کے بدلے ایک قسم لے لی جائے اور اس قسم کو ایک گواہ کا قائم مقام قرار دے کر اس کا دعوی تسلیم کر لیا جائے چنانچہ حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد تینوں کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور چونکہ قرآن کے حکم کو خبر واحد کے ذریعہ منسوخ کرنا جائز نہیں ہے۔

اس لئے اس روایت کی بناء پر ایسے مسلک کی بنیاد صحیح نہیں ہو سکتی جو قرآن کے حکم کے منافی ہو درآنحالیکہ اس روایت کے بارے میں یہ احتمال بھی ہے جب مدعی اپنا دعوی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا ہوا اور وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کر سکا ہو تو چونکہ وہ اپنے ثبوت شہادت کی تکمیل نہ کر سکا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک گواہ کے وجود کا اعتبار نہیں کیا اس لئے مدعا علیہ کو قسم کھانے کا حکم دیا مدعا علیہ کے قسم کھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قضیہ کا فیصلہ دیا۔ اسی کو راوی نے "ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ دینے سے تعبیر کیا

علامہ طیبی شافعی کہتے ہیں کہ آئمہ کا یہ اختلاف بھی اس صورت میں ہے جب کہ قضیہ کا تعلق کسی مالی دعوی سے ہو اگر دعوی کا تعلق مال کے علاوہ کسی اور معاملہ سے ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام آئمہ کا مسلک یہی ہے کہ گواہ اور قسم (یعنی مدعی) کی طرف سے مثلاً ایک گواہ پیش کرنے اور ایک قسم کھانے کا اعتبار نہ کیا جائے۔

2368 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3610' ورقم الحدیث: 3611' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1343

ابن الجوزی نے التحقیق میں کہا کہ اس حدیث کے راوی بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ فرمایا اور جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی قول ہے کہ مدعی سے قسم لی جائے، اگر وہ قسم کھالے تو اس کا دعویٰ ثابت ہو گیا، اور اگر قسم کھانے سے انکار کرنے تو اب مدعی علیہ سے قسم لیں گے، اگر اس نے قسم کھالی تو مدعی کا دعویٰ ساقط ہو گیا، اور اگر انکار کیا تو مدعی کا دعویٰ ثابت ہو گیا، اور پھر مدعی کا حق مدعی علیہ سے دلوایا جائے گا، الا یہ کہ وہ معاف کر دے، مگر یہ امر اموال کے دعویٰ میں ہوگا (یعنی ایک شاہد اور قسم پر فیصلہ) جب کہ حدود، نکاح، طلاق، عتاق، سرقہ اور قذف وغیرہ میں دو گواہ ضروری ہیں۔

2369- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد (امام محمد باقر رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ایک گواہ کے ساتھ قسم لے کر فیصلہ دے دیا تھا۔

2370- حَدَّثَنَا اَبُو اِسْحٰقَ الْهَرَوِيُّ اِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ الْمَخْزُوْمِيُّ حَدَّثَنَا سَيْفُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمَكِّيُّ اَخْبَرَنِي قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشَّاهِدِ وَالْيَمِيْنِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ذریعے فیصلہ دے دیا تھا۔

2371- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ اَسْمَاءَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ مِصْرَ عَنْ سُرَّقٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجَازَ شَهَادَةَ الرَّجُلِ وَيَمِيْنَ الطَّالِبِ

حضرت سرق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کی گواہی اور مدعی کی قسم کو جائز قرار دیا ہے (یعنی ان کی بنیاد پر فیصلہ دینا جائز قرار دیا ہے)۔

بَاب شَهَادَةِ الزُّوْرِ

یہ باب جھوٹی گواہی دینے کے بیان میں ہے

جھوٹی گواہی دینا سخت گناہ ہونے کا بیان

2372- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الْعُصْفُرِيُّ عَنْ اَبِيهِ عَنْ حَبِيبِ

2369 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1344

2370 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4447' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3608' ورقم الحدیث: 3609

2371: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بْنِ النُّعْمَانِ الْاَسَدِيِّ عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ الْاَسَدِيِّ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ (وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ)

◄► حضرت خریم بن فاتک اسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر فارغ ہوئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جھوٹی گواہی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر قرار دیا گیا ہے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔

''اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو' دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرتے ہوئے اور کسی کو اس کا شریک نہ بناتے ہوئے''۔

شرح

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ، قول زور سے مراد جھوٹ ہے، حق کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل اور جھوٹ میں داخل ہے خواہ عقائد فاسدہ شرک و کفر ہوں یا معاملات میں اور شہادت میں جھوٹ بولنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب کبیرہ گناہوں میں سے بڑے کبیرہ یہ گناہ ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا اور عام باتوں میں جھوٹ بولنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری لفظ وَقَوْلَ الزُّوْرِ کو بار بار فرمایا۔ (رواہ البخاری)

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں کھڑے ہو کر تین بار فرمایا جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر کردی گئی پھر آپ نے مندرجہ بالا فقرہ تلاوت فرمایا۔ اور روایت میں ہے کہ صبح کی نماز کی بعد آپ نے کھڑے ہو کر یہ فرمایا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی مروی ہے اللہ کے دین کو خلوص کے ساتھ تھام لو باطل سے ہٹ کر حق کی طرف آ جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانے والوں میں نہ بنو۔ پھر مشرک کی تباہی کی مثال بیان فرمائی کہ جیسے کوئی آسمان سے گر پڑے پس یا تو اسے پرندہ اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی ہلاکت کے دور دراز گڑھے میں پہنچا دے گی۔ چنانچہ کافر کی روح کو لے کر جب فرشتے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور وہیں سے وہ پھینک دی جاتی ہے اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔

جھوٹی گواہی پر سخت وعید کا بیان

2373- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفُرَاتِ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ تَزُوْلَ قَدَمَا شَاهِدِ الزُّوْرِ حَتّٰى يُوْجِبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جھوٹی گواہی دینے والے

2372 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3599' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 2310

2373: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شخص کے پاؤں اپنی جگہ سے ہلنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم کو واجب قرار دیتا ہے"۔

بَاب شَهَادَةِ اَهْلِ الْكِتَابِ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ

یہ باب اہل کتاب کا آپس میں گواہی دینے کے بیان میں ہے

2374- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ خَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجَازَ شَهَادَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ

◄► حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گواہی کو درست قرار دیا ہے۔

شرح

اہل ذمہ کی گواہی ایک دوسرے پر قبول کی جائے گی خواہ ان کی اقوام میں اختلاف ہو۔ جبکہ امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ ان کی گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ فاسق ہے۔ (ان کی دلیل یہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ کافر ہی ظالم ہیں۔ پس اس کی خبر میں توقف واجب ہوگیا۔ اور اسی طرح اس کی شہادت مسلمان پر قبول نہ کی جائے گی پس وہ مرتد کی طرح ہو جائے گا۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ کی گواہی ان میں ایک دوسرے پر جائز قرار دی ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے اور اپنی اولاد پر اہل ولایت میں سے ہیں۔ پس وہ جنس شہادت کے سبب اہل شہادت میں سے ہو جائیں گے۔ جبکہ اعتقادی فسق مانع نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنے دین میں حرام اعتقاد سے بچنے والا ہے اور جھوٹ تو تمام ادیان میں منع ہے بہ خلاف مرتد کے کیونکہ اس کی ولایت ہی نہیں ہے۔ اور اسی طرح بہ خلاف ذمی کی گواہی کے کہ جب وہ مسلمان پر ہو کیونکہ اس کو اپنے دین کی جانب نسبت ہونے کے سبب مسلمان کے لئے اس کی ولایت نہ ہوگی۔ کیونکہ ذمی مسلمان پر بہتان لگائے گا۔ اور مسلمان کا ذمی کو مغلوب کرنا یہ اس کو غصہ دلانے میں اضافہ کرے گا۔ اور کفار کے ادیان خواہ مختلف ہوں مگر ان میں مغلوب بنانا نہیں ہے۔ پس وہ ان کو غصہ دلانے میں تیار کرنے والا نہ ہوگا۔ (ہدایہ، کتاب شہادات، لاہور)

اگر دو غیر مسلم گواہ ایک مسلم اور ایک غیر مسلم کے خلاف قتل کی گواہی دیں تو ان میں سے مسلمان کے خلاف ان کی گواہی رد کر دی جائے گی، جبکہ یہی گواہی غیر مسلم کے خلاف قابل قبول ہوگی، البتہ اس سے قصاص کے بجائے دیت لی جائے گی۔

اگر چار نصرانی گواہ کسی نصرانی کے بارے میں گواہی دیں کہ اس نے کسی مسلمان لونڈی کے ساتھ زنا کیا ہے تو اگر تو وہ زنا بالجبر کی گواہی دیں تو نصرانی پر زنا کی حد جاری کی جائے گی، لیکن اگر وہ کہیں کہ زنا لونڈی کی رضامندی سے ہوا تھا تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی (کیونکہ اس طرح غیر مسلموں کی گواہی پر ایک مسلمان لونڈی کو سزا دینا پڑے گی)، بلکہ مسلمان لونڈی کے ساتھ ساتھ نصرانی کو بھی چھوڑ دیا جائے گا اور گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی۔

2374: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اگر کسی مسلمان کو کہیں کوئی چیز پڑی ہوئی مل جائے اور کوئی غیر مسلم علامات بتا کر اس چیز کا مالک ہونے کا دعویٰ کرے اور اپنے دعوائے ملکیت پر دو غیر مسلم گواہ پیش کر دے تو بھی اس کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ غیر مسلموں کی گواہی پر وہ چیز مسلمان سے نہیں لی جا سکتی۔

اگر کوئی نصرانی فوت ہو جائے اور اس کی موت کے بعد ایک مسلمان دو نصرانی گواہ پیش کر کے یہ دعویٰ کر دے کہ میت کے ذمے اس کے ایک ہزار درہم واجب الادا ہیں اور ایک نصرانی بھی دو نصرانی گواہ پیش کر کے یہی دعویٰ کر دے (جبکہ میت کے مال میں دونوں میں سے کسی ایک ہی کے مطالبے کو پورا کرنے کی گنجائش ہو) تو مسلمان کا دعویٰ قبول کرتے ہوئے اس کو ایک ہزار درہم دلوا دیے جائیں گے اور نصرانی کے دعوے کو کوئی حیثیت نہیں دی جائے گی، کیونکہ اس کا دعویٰ ماننے کی صورت میں مسلمان کو ضرر لاحق ہوتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، ۳/۵۲۱، البحر الرائق ۷/۹۵، مصنف عبد الرزاق، رقم ۱۵۵۳۴)

یہود و نصاریٰ کی باہمی شہادت کا بیان

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دو یہودیوں سے فرمایا میں تم دونوں کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: رقم الحدیث، 486)

اور شعبی نے کہا کہ دوسرے دین والوں کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف لینی جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ہم نے ان میں باہم دشمنی اور بغض کو ہوا دے دی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ اہل کتاب کی (ان مذہبی روایات میں) نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یہ کہہ لیا کرو کہ اللہ پر اور جو کچھ اس نے نازل کیا سب پر ہم ایمان لائے۔

مشرکوں کی گواہی مشرکوں پر نہ مسلمانوں پر قبول ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک مشرکوں کی گواہی مشرکوں پر قبول ہوگی۔ اگرچہ ان کے مذہب مختلف ہوں۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو چار یہودیوں کی شہادت پر رجم کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، اے مسلمانو! اہل کتاب سے کیوں سوالات کرتے ہو۔ حالانکہ تمہاری کتاب جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بعد میں نازل ہوئی ہے۔ تم اسے پڑھتے ہو اور اس میں کسی قسم کی آمیزش بھی نہیں ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہے کہ اہل کتاب نے اس کتاب کو بدل دیا، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دی تھی اور خود ہی اس میں تغیر کر دیا اور پھر کہنے لگے یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے۔ ان کا مقصد اس سے صرف یہ تھا کہ اس طرح تھوڑی پونجی (دنیا کی) حاصل کر سکیں پس کیا جو علم (قرآن) تمہارے پاس آیا ہے وہ تم کو ان (اہل کتاب سے پوچھنے کو نہیں روکتا۔ اللہ کی قسم! ہم نے ان کے کسی آدمی کو کبھی نہیں دیکھا کہ وہ ان آیات کے متعلق تم سے پوچھتا ہو جو تم پر (تمہارے نبی کے ذریعہ) نازل کی گئی ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب شہادات)

اسلام نے ثقہ عادل گواہ کے لیے جو شرائط رکھی ہیں۔ ایک غیر مسلم کا ان کے معیار پر اترنا ناممکن ہے۔ اس لیے علی العموم اس کی

گواہی قابل قبول نہیں۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اسی مسلک کے دلائل بیان فرما رہے ہیں۔ یہ امر دیگر ہے کہ امام وقت حاکم مجاز کسی غیر مسلم کی گواہی اس بنا پر قبول کرے کہ بعض دوسرے مستند قرائن سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہو۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چار یہودیوں کی گواہی پر ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو زنا کے جرم میں سنگساری کا حکم دیا تھا۔ جبکہ قاعدہ کلیہ یہی رہا ہے۔ جو احناف کا مذہب ہے۔

یہود کو شہادت پر مساوات کا حکم دینے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، فان جاؤ ك فحكم بينهم تو بنو نظیر کا معمول تھا کہ جب بنی قریظہ کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو اس کی نصف دیت دیتے اور جب بنی قریظہ بنی نضیر کے کسی آدمی کو قتل کر دیتے تو وہ پوری دیت ادا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نزول کے بعد ان کے درمیان مساوات کر دی۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: رقم الحدیث، 198)

ابن جبیر سے مروی ہے قبیلہ بنی سہم کا ایک آدمی تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ سفر میں نکلا وہ سہمی شخص ایک ایسی جگہ پر مر گیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، جب وہ دونوں اس کے ترکہ کو لے کر آئے تو بنی سہم نے اس کے سامان میں سے ایک چاندی کا سونا جڑا ہو پیالہ غائب پایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے حلف لیا پھر وہ پیالہ مکہ میں پایا گیا جس کے پاس پایا گیا اس نے کہا کہ ہم نے اسے تمیم داری سے خریدا ہے تو اس سہمی شخص کے ورثاء میں سے دو آدمی کھڑے ہوئے اور قسم کھا کے کہا کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ صحیح ہے اور یہ کہ پیالہ ہمارے ساتھی کا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ) (المائدة:106)

کہ اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آپہنچے تو آپس میں مسلمان ہی کو گواہ بناؤ۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: رقم الحدیث، 213)

اہل ذمہ کی گواہی میں فقہی تصریحات کا بیان

بعض لوگوں نے اس آیت کے عزیز حکم کو منسوخ کہا ہے لیکن اکثر حضرات اس کے خلاف ہیں اثنان خبر ہے، اس کی تقدیر شهداة اثنین ہے مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے یا دلالت کلام کی بنا پر فعل محذوف کر دیا گیا ہے یعنی ان یشھد اثنان، ذوا عدل صفت ہے، منکم سے مراد مسلمانوں میں سے ہونا یا وصیت کرنے والے کے اہل میں سے ہونا ہے، من غیر کم سے مراد اہل کتاب ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ منکم سے مراد قبیلہ میں اور من غیر کم سے مراد اس کے قبیلے کے سوا، شرطیں دو ہیں ایک مسافر کے سفر میں ہونے کی صورت میں موت کے وقت وصیت کے لیے غیر مسلم کی گواہی چل سکتی ہے، حضرت شریح سے یہی مروی ہے،

امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں اور تینوں امام خلاف ہیں، امام ابوحنیفہ ذمی کافروں کی گواہی آپس میں ایک دوسرے پر جائز مانتے ہیں، زہری کا قول ہے کہ سنت جاری ہو چکی ہے کہ کافر کی شہادت جائز نہیں نہ سفر میں نہ حضر میں۔

ابن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں اتری ہے جس کی موت کے وقت اس کے پاس کوئی مسلمان نہ تھا یہ ابتدائے اسلام کا وقت تھا جبکہ زمین کافروں سے بھری تھی اور وصیت سے ورثہ بٹتا تھا، ورثے کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، پھر وصیت منسوخ ہوگئی ورثے کے احکام اترے اور لوگوں نے ان پر عمل درآمد شروع کر دیا، پھر یہ بھی کہ ان دونوں غیر مسلموں کو وصی بنایا جائے گا یا گواہ؟

اس گواہی کی نسبت اللہ کی طرف اس کی عزت وعظمت کے اظہار کے لئے ہے بعض نے اسے قسم کی بنا پر مجرور پڑھا ہے لیکن مشہور قرأت پہلی ہی ہے وہ ساتھ ہی یہ بھی کہیں کہ اگر ہم شہادت کو بدلیں یا الٹ پلٹ کریں یا کچھ حصہ چھپا لیں تو ہم بھی گنہگار، پھر اگر یہ مشہور ہو یا ظاہر ہو جائے یا اطلاع مل جائے کہ ان دونوں نے مرنے والے کے مال میں سے کچھ چرا لیا یا کسی قسم کی خیانت کی۔ اولیان کی دوسری قرأت اولان بھی ہے مطلب یہ ہے کہ جب کسی خبر صحیح سے پتہ چلے کہ ان دونوں نے کوئی خیانت کی ہے تو میت کے وارثوں میں سے جو میت کے زیادہ نزدیک ہوں وہ دو شخص کھڑے ہوں اور حلفیہ بیان دیں کہ ہماری شہادت ہے کہ انہوں نے چرایا اور یہی زیادہ حق زیادہ صحیح اور پوری سچی بات ہے، ہم ان پر جھوٹ نہیں باندھتے اگر ہم ایسا کریں تو ہم ظالم، یہ مسئلہ اور قسامت کا مسئلہ اس بارے میں بہت ملتا جلتا ہے، اس میں بھی مقتول کے اولیاء قسمیں کھاتے ہیں، تمیم داری سے منقول ہے کہ اور لوگ اس سے بری ہیں صرف میں اور عدی بن بداء اس سے متعلق ہیں۔

یہ دونوں نصرانی تھے اسلام سے پہلے ملک شام میں بغرض تجارت آتے جاتے تھے ابن سہم کے آقا بدیل بن ابو مریم بھی مال تجارت لے کر شام کے ملک گئے ہوئے تھے ان کے ساتھ ایک چاندی کا جام تھا، جسے وہ خاص بادشاہ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے لے جا رہے تھے۔ اتفاقاً وہ بیمار ہو گئے ان دونوں کو وصیت کی اور مال سونپ دیا کہ یہ میرے وارثوں کو دے دینا اس کے مرنے کے بعد ان دونوں نے وہ جام تو مال سے الگ کر دیا اور ایک ہزار درہم میں بیچ کر آدھوں آدھ بانٹ لئے باقی مال واپس لا کر بدیل کے رشتہ داروں کو دے دیا، انہوں نے پوچھا کہ چاندی کا جام کیا ہوا؟ دونوں نے جواب دیا ہمیں کیا خبر؟ ہمیں تو جو دیا تھا وہ ہم نے تمہیں دے دیا۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں آئے اور اسلام نے مجھ پر اثر کیا، میں مسلمان ہو گیا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ انسانی حق مجھ پر رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں میں پکڑا جاؤں گا تو میں بدیل کے وارثان کے پاس آیا اور اس سے کہا پانچ سو درہم جو تو نے لے لئے ہیں وہ بھی واپس کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس سے قسم لی جائے اس پر یہ آیت اتری اور عمرو بن عاص نے اور ان میں سے ایک اور شخص نے قسم کھائی عدی بن بداء کو پانچ سو درہم دینے پڑے۔ (ترمذی)

ایک روایت میں ہے کہ عدی جھوٹی قسم بھی کھا گیا تھا اور روایت میں ہے کہ اس وقت ارض شام کے اس حصے میں کوئی مسلمان نہ تھا۔ یہ جام چاندی کا تھا اور سونے سے منڈھا ہوا تھا اور مکے میں سے جام خریدا گیا تھا جہاں سے ملا تھا انہوں نے بتایا تھا کہ ہم نے اسے تمیم اور عدی سے خریدا ہے، اب میت کے دو وارث کھڑے ہوئے اور قسم کھائی، اسی کا ذکر اس آیت میں ہے ایک روایت میں

ہے کہ قسم عصر کی نماز کے بعد اٹھائی تھی ابن جریر میں ہے کہ ایک مسلمان کی وفات کا موقعہ سفر میں آیا، جہاں کوئی مسلمان اسے نہ ملا تو اس نے اپنی وصیت پر دو اہل کتاب گواہ رکھے، ان دونوں نے کوفے میں آ کر حضرت ابوموسیٰ اشعری کے سامنے شہادت دی وصیت بیان کی اور ترکہ پیش کیا حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ واقعہ پہلا ہے پس عصر کی نماز کے بعد ان سے قسم لی کہ نہ انہوں نے خیانت کی ہے، نہ جھوٹ بولا ہے، نہ بدلا ہے، نہ چھپایا ہے، نہ الٹ پلٹ کیا ہے بلکہ سچ وصیت اور پورا ترکہ انہوں نے پیش کر دیا ہے آپ نے ان کی شہادت کو مان لیا، حضرت ابوموسیٰ کے فرمان کا مطلب یہی ہے کہ ایسا واقعہ حضور کے زمانے میں تمیم اور عدی کا ہوا تھا اور اب یہ دوسرا اس قسم کا واقع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، مائدہ ۱۰۶)

ذمی کے خلاف حربی کی گواہی کے قبول نہ ہونے کا بیان

اور ذمی کے خلاف حربی مستامن کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ اس سے مراد امن دیا گیا حربی ہے اللہ بہتر جاننے والا ہے اس لیے کہ حربی مستامن کو ذمی پر ولایت نہیں ہے کیونکہ کہ ذمی دارالاسلام میں ہے اور یہ امن والے حربی سے اچھی حالت ہے۔

حربی کے خلاف ذمی کی گواہی قبول کی جائے گی جس طرح مسلم کی گواہی حربی اور ذمی دونوں کے خلاف مقبول کی جاتی ہے اور امن والے حربیوں میں سے بعض کی گواہی دوسرے بعض کے حق میں قبول کی جائے گی اس شرط کے ساتھ کہ سب ایک ہی ملک کے ہوں اور اگر وہ دو ملکوں سے ہوں جیسے روم اور ترک تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ ملک مختلف ہونا ولایت کو منقطع کر دیتا ہے اسی وجہ سے باہمی میراث ممنوع ہو جاتی ہے ذمی کے خلاف اس لئے کہ وہ دارالسلام کا باشندہ ہے اور مستامن ایسا نہیں ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور کافر کی گواہی مسلم کے خلاف قبول نہیں۔ مرتد کی گواہی اصلاً مقبول نہیں۔ ذمی کی گواہی ذمی پر قبول ہے اگرچہ دونوں کے مختلف دین ہوں مثلاً ایک یہودی ہے دوسرا نصرانی ہے۔ اسی طرح ذمی کی شہادت مستامن پر درست ہے اور مستامن کی ذمی پر درست نہیں۔ ایک مستامن دوسرے مستامن پر گواہی دے سکتا ہے جب کہ دونوں ایک سلطنت کے رہنے والے ہوں۔ اور جب دو شخصوں میں دنیوی عداوت ہو تو ایک کی گواہی دوسرے کے خلاف مقبول نہیں اور اگر دین کی بنا پر عداوت ہو تو قبول کی جاسکتی ہے جبکہ اُن کے مذہب میں مخالف مذہب کے مقابل جھوٹی گواہی دینا جائز نہ ہو اور وہ حد کفر کو بھی نہ پہنچا ہو۔ (درمختار، کتاب شہادات، بیروت)

اَبْوَابُ الْهِبَاتُ

یہ ابواب کے ہبہ کے بیان میں ہے

ہبہ کے معنی ومفہوم کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہبہ مفت میں عین چیز کا کسی کو مالک بنانا ہے۔ اور قبضہ دینے پر تام ہو جاتا ہے۔ (درمختار، کتاب عاریت، بیروت شرح تنویر الابصار، کتاب ہبہ، بیروت)

ہبہ کی لغوی واصطلاحی تعریف کا بیان

ہبہ کے لغوی معنی تحفہ دینا، احسان کرنا ہے۔ ہبہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنی کسی چیز کا بلا عوض مالک بنانا ہے۔ (التعریفات)

ہبہ اور عطیہ وغیرہ کسی مالدار یا غریب، مرد یا عورت ہر ایک کو دیا جا سکتا ہے یہ محبت بڑھانے اور تعلقات استوار کرنے کی غرض سے دیا جاتا ہے یا پھر آخرت میں اس کا ثواب حاصل کرنے کے لیے دیا جاتا ہے۔

ہبہ کے ارکان وشرائط کا بیان

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہبہ کے ارکان دو ہیں (۱) ایجاب (۲) قبول، ہبہ کرنے والا اپنی زبان سے ہبہ یا اس جیسا لفظ جو ہبہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہو کہہ دینے سے ایجاب اور جس شخص کو دیا جا رہا ہے وہ اسے قبول کر لے تو قبول پایا جائے گا مگر ہبہ کے تام اور مکمل ہونے کے لیے جسے ہبہ کیا گیا ہے اس شخص کا ہبہ کی ہوئی چیز پر قبضہ کرنا ضروری ہے بغیر قبضہ کے ہبہ مکمل نہیں ہوگا۔

ہبہ کی شرائط حسب ذیل ہیں۔ (۱) ہبہ کرنے والا عاقل اور بالغ ہو۔

(۲) ہبہ کرتے وقت وہ چیز ہبہ کرنے والے کے پاس موجود ہو لہٰذا جو چیز ابھی موجود نہ ہو اس کا ہبہ درست نہیں جیسے کوئی کہے میری بکری کو امسال جو بچہ پیدا ہوگا وہ تیرے لیے ہبہ ہے یہ درست نہیں۔

(۳) جس چیز کو ہبہ کر رہا ہے وہ شریعت کی نگاہ میں قیمت والا مال ہو لہٰذا جو شریعت کی نگاہ میں مال نہ ہو اس کا ہبہ درست نہ ہوگا جیسے مردار، خون وغیرہ۔ (بدائع الصنائع، ج ۱۲، ص ۱۸۸)

ہبہ کے شرعی ماخذ کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (صحیح بخاری: جلد اول: رقم الحدیث، 2415)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عروہ سے کہا اے میرے بھانجے ایک ایسا بھی وقت تھا کہ ہم ایک چاند دیکھتے پھر دوسرا چاند دیکھتے پھر تیسرا چاند دیکھتے دو دو مہینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہ سلگتی میں نے پوچھا اے خالہ پھر کون سی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ رکھتی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا دو کالی چیزیں یعنی چھوہارے اور پانی مگر یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں چند انصار تھے ان کے پاس دودھ والی بکریاں تھیں اور وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا دودھ دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بھی پلاتے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: رقم الحدیث، 2416)

وہ الفاظ جن سے ہبہ منعقد ہو جاتا ہے

وہبت، نحلت اور اعطیت کے ساتھ ہبہ منعقد ہو جاتا ہے اس لئے کہ پہلا لفظ ہبہ کے لئے صریح ہے اور دوسرا اس کے لئے استعمال ہونے والا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کیا تم نے اس طرح اپنی اولاد کو نحلہ دیا ہے اور تیسرا لفظ بھی ہبہ کے لئے استعمال ہونے والا ہے پس اعطاک اللہ اور وہبک اللہ دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہونے والے ہیں واہب کے میں نے یہ غلہ تجھے کھانے کیلئے دیا ہے کہنے سے بھی ہبہ منعقد ہو جاتا ہے اسی طرح جعلت هذا الثوب لك کہنے سے اور اعمرتك هذا الشیء کہنے سے اور حملتك علی هذا الدابة کہا اور اس نے ہبہ کی نیت کی ہو تو ہبہ منعقد ہو جائے گا لہذا اطعام سے ہبہ منعقد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب اطعام کو ایسی چیز کی جانب منسوب کیا جائے جو خود کھائی جاتی ہو تو اس سے عین کی تملیک مراد ہوگی اس صورت کے خلاف کہ جب اس نے اطعمتك هذا الارض کہا ہو تو عاریت نہیں ہوگی اس لئے کہ زمین نہیں کھائی جاتی اور ایسا کہنے سے اس کی پیداوار کھانے کا کھلانے اطلاق کیا جائے گا اور دوسرے لفظ سے ہبہ کے منعقد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حرف لام تملیک کے لئے موضوع ہے اور تیسرے لفظ سے ہبہ کے منعقد ہونے کا سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ جس نے کوئی چیز کسی کو عمری کے طور پر دی تو معمر لہ کے لئے زندگی بھر وہ چیز اس کی ہو گیا اور اس کے بعد اسکے وارثوں کی ہوگی اسی طرح جب یہ کہا ہو کہ میں نے زندگی بھر کیلئے یہ گھر تجھے دیا اس دلیل کے سبب جسکو ہم نے بیان کیا ہے۔

چوتھے لفظ سے ہبہ کے منعقد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حمل کے لغوی معنی سوار کرنے کے ہیں تو یہ عاریت ہوگی لیکن اس میں ہبہ کا احتمال ہے جیسا کہ بولا جاتا ہے کہ امیر نے فلاں کو گھوڑے پر سوار کیا اور اس سے مالک بنانا مراد ہوتا ہے لہذا ہبہ کی نیت کے وقت اس پر ہی محمول کیا جائے گا۔ (ہدایہ، کتاب ہبہ، لاہور)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور ہبہ کے بہت سے الفاظ ہیں۔ میں نے تجھے ہبہ کیا، یہ چیز تمھیں کھانے کو دی۔ یہ چیز میں نے فلاں کے لیے یا تیرے لیے کردی، میں نے یہ چیز تیرے نام کردی، میں نے اس چیز کا تجھے مالک کردیا، اگر قرینہ ہو تو

ہبہ ہے ورنہ نہیں کیونکہ مالک کرنا بیع وغیرہ بہت چیزوں کو شامل ہے۔ عمر بھر کے لیے یہ چیز دیدی، اس گھوڑے پر سوار کردیا، یہ کپڑا پہننے کو دیا، میرا یہ مکان تمہارے لیے عمر بھر رہنے کو ہے، یہ درخت میں نے اپنے بیٹے کے نام لگایا ہے۔

(بحرالرائق، کتاب ہبہ، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہبہ کے بعض الفاظ ذکر کردیے اور اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر لفظ ایسا بولا جس سے ملک رقبہ سمجھی جاتی ہو یعنی خود اُس شے کی ملک تو ہبہ ہے اور اگر منافع کی تملیک معلوم ہوتی ہو تو عاریت ہے اور دونوں کا احتمال ہے تو نیت دیکھی جائے گی۔ (درمختار، کتاب عاریت، بیروت)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہبہ کا قبول کرنا کبھی الفاظ سے ہوتا ہے اور کبھی فعل سے مثلاً اس نے ایجاب کیا یعنی کہا میں نے یہ چیز تمہیں ہبہ کردی اُس نے لے لی ہبہ تمام ہوگیا۔ (بحرالرائق، کتاب ہبہ، بیروت)

بَاب الرَّجُلِ يَنْحَلُ وَلَدَهُ

یہ باب آدمی کا اپنی اولاد کو کوئی چیز عطیہ دینے کے بیان میں ہے

2375- حَدَّثَنَا اَبُوْبِشْرٍ بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ اَبِىْ هِنْدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ انْطَلَقَ بِهٖ اَبُوْهُ يَحْمِلُهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اشْهَدْ اَنِّىْ قَدْ نَحَلْتُ النُّعْمَانَ مِنْ مَّالِىْ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَكُلَّ بَنِيْكَ نَحَلْتَ مِثْلَ الَّذِىْ نَحَلْتَ النُّعْمَانَ قَالَ لَا قَالَ فَاَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِىْ قَالَ اَلَيْسَ يَسُرُّكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا لَكَ فِى الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلٰى قَالَ فَلَا اِذًا

◄► حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ان کے والد انہیں گود میں اٹھا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے اور عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر گواہ بن جائیں میں نے نعمان کو اپنے مال میں سے اتنا، اور اتنا کچھ دے دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم نے نعمان کو جو عطیہ دیا ہے تم نے اپنے سارے بچوں کو اسی کی مانند عطیہ دیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: جی نہیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنالو۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ وہ سب تمہارے ساتھ برابر کا اچھا سلوک کریں؟ تو انہوں نے عرض کی: جی ہاں! تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر ایسا نہ کرو۔

شرح

حضرت نعمان بن بشیر کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن ان کے والد حضرت بشیر انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

2375۔ اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2578، ورقم الحدیث: 2650 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4157، ورقم الحدیث 4158، ورقم الحدیث 4159، ورقم الحدیث 4160، ورقم الحدیث 4161، ورقم الحدیث: 4162، اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3542، اخرجہ النسائی فی "السنن"، رقم حدیث 3681، ورقم حدیث 3682، ورقم الحدیث: 3683، ورقم الحدیث: 3684

خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے (نعمان) کو ایک غلام عطاء کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اپنے سب بیٹوں کو اسی طرح ایک ایک غلام دیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر نعمان سے بھی اس غلام کو واپس لے لو ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعمان کے والد سے فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہاری نظر میں نیکی کے اعتبار سے یکساں ہوں (یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہاری نظر میں نیکی کے اعتبار سے یکساں ہوں یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں اور سب ہی تمہاری فرمانبرداری اور تمہاری تعظیم کریں انہوں نے کہا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس صورت میں (جب کہ تم نے اپنے تمام بیٹوں سے اپنے تئیں یکساں اچھے سلوک کے خواہشمند ہو تو) صرف اپنے ایک بیٹے (نعمان) کو غلام نہ دو۔ ایک اور روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت نعمان کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد نے مجھے ایک چیز دی تو عمرہ بنت رواحہ میری والدہ نے میرے والد حضرت بشیر سے کہا کہ میں اس پر اس وقت تک رضا مند نہیں ہوں جب تک کہ تم اس ہبہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنالو چنانچہ حضرت بشیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اپنے بیٹے نعمان کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے ایک چیز دی ہے اور عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا کہ میں اس ہبہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنالوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ جس طرح تم نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے کیا اسی طرح اپنے سب بیٹوں کو بھی ایک ایک غلام دیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو حضرت نعمان کہتے ہیں کہ میرے والد (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سن کر) واپس آئے اور مجھے جو چیز دی تھی وہ واپس لے لی۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بشیر کی یہ بات سن کر فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 234)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے درمیان فرق وامتیاز کرنا انتہائی نامناسب ہے چنانچہ ارشاد گرامی کی روشنی میں یہ مستحب ہے کہ کوئی چیز اپنے کسی ایک بیٹے بیٹی کو نہ دی جائے بلکہ وہ چیز برابری کے طور پر سب بیٹے بیٹیوں کو دی جائے۔ حضرت بشیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم کہ اس غلام کو واپس لے لو اولویت پر محمول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس غلام کو واپس لے لینا ہی اولی اور زیادہ بہتر ہے۔

اولاد کا ہبہ صحیح ہونے سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد میں بعضوں کو کچھ دی تو اس کا ہبہ صحیح ہوگا مگر کراہت کے ساتھ۔ اس کے برعکس حضرت امام احمد ثوری اور اسحق وغیرہ کے نزدیک یہ حرام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی حدیث (لا اشہد علی جور) (میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا) ان حضرات کی دلیل ہے جب کہ اول الذکر یعنی حضرت امام ابوحنیفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک سے استدلال کرتے ہیں جو ایک روایت میں منقول ہیں کہ (فاشہد علی ہذا غیری) (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر سے کہا کہ تم اس بارے میں میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنالو۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر یہ ہبہ

(یعنی حضرت بشیر کا اپنے ایک بیٹے کو غلام دینا) حرام یا باطل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ کسی اور کو گواہ بنالو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بشیر کا یہ ہبہ بہر حال صحیح اور جائز تھا لیکن چونکہ غیر پسندیدہ اور مکروہ تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گواہ بننا مناسب نہیں سمجھا اور یہ فرمادیا کہ کسی اور کو گواہ بنالو۔

2376- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ اَخْبَرَاهُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ اَنَّ اَبَاهُ نَحَلَهُ غُلَامًا وَّاَنَّهُ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشْهِدُهُ فَقَالَ اَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ قَالَ لَا قَالَ فَارْدُدْهُ

◆◆ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ان کے والد نے انہیں ایک غلام عطیے کے طور پر دیا پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کے لیے حاضر ہوئے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح عطیہ دیا ہے انہوں نے عرض کی: جی نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم اسے واپس لے لو۔

شرح

یہ صورت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اولاد کو عطیہ دینے میں سب کا حصہ برابر کا ہوگا، کم زیادہ ہو تو ہبہ باطل ہے مگر جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ سب کو برابر دینا مندوب ہے، عطیہ و ہبہ میں کسی کو زیادہ دینے سے ہبہ باطل نہیں ہوتا لیکن ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ظلم کہا ہے اور نعمان کے والد بشیر سے آپ کا یہ فرمانا "فاردده" (اسے واپس لے لو) اس بات کی تائید کر رہا ہے کہ اولاد کے ساتھ عطیہ میں برابر کا سلوک واجب ہے، یہی احمد، سفیان ثوری اور اسحق ابن راہویہ وغیرہ کا مذہب ہے۔

بَاب مَنْ اَعْطٰى وَلَدَهُ ثُمَّ رَجَعَ فِيهِ

یہ باب ہے کہ جو شخص اپنی اولاد کو کوئی چیز دے کر پھر اسے واپس لے

2377- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَّاَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي عَدِيٍّ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّابْنِ عُمَرَ يَرْفَعَانِ الْحَدِيثَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُعْطِيَ الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعَ فِيهَا اِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ

2376- اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2686' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4153' ورقم الحدیث: 4154' ورقم الحدیث: 4155' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 1367' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3674' ورقم الحدیث: 3675' ورقم الحدیث 3676' ورقم الحدیث 3677

2377- اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3539' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1299' ورقم الحدیث: 2131' ورقم الحدیث 2132' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3692' ورقم الحدیث: 3705

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما "مرفوع" حدیث کے طور پر یہ بات نقل کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کسی بھی شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی عطیہ دینے کے بعد اسے واپس لے البتہ والد کا حکم مختلف ہے۔

اس نے اپنی اولاد کو جو چیز عطیہ کی ہو (وہ واپس لے سکتا ہے)

شرح

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں ہبہ واپس لے لینا جائز ہے لیکن مکروہ ہے چنانچہ جن احادیث سے ہبہ واپس لے لینے کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے وہ ان کو کراہت پر محمول کرتے ہیں ہاں ہبہ کی سات صورتیں ایسی ہیں جن میں امام اعظم کے نزدیک بھی اپنا ہبہ واپس لے لینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ فقہ کی بعض کتابوں میں سات حرفوں کے اس مجموعے (دمع خزقہ) سے ان ساتوں صورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بایں طور کہ اس مجموعہ کا ہر حرف ایک صورت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی تفصیلی وضاحت یہ ہے کہ حرف دال سے مراد زیادتی متصلہ ہے یعنی جس ہبہ میں کسی چیز کا اضافہ ہوگیا ہو یا اس میں کوئی چیز ملالی گئی ہو تو اس ہبہ کی واپس درست نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اس صورت کو یوں سمجھئے کہ زید نے بکر کو زمین کا ایک ایسا قطعہ ہبہ کردیا جس میں نہ کوئی عمارت تھی اور نہ درخت وغیرہ تھے اب بکر نے اس زمین میں کوئی عمارت بنالی یا اس میں کوئی درخت وغیرہ لگالئے تو اس صورت میں ہبہ کرنیوالے یعنی زید کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنا ہبہ یعنی اس زمین کو واپس لے لے۔ حرف میم واہب یا موہوب لہ کی موت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرض کیجئے حسن نے نعیم کو اپنی کوئی چیز ہبہ کردی اور پھر حسن مرگیا تو اب حسن کے ورثاء کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ موہوب لہ یعنی نعیم سے اس چیز کی واپسی کا مطالبہ کریں جو حسن نے اس کو ہبہ کی تھی یا اگر نعیم مرجائے تو واہب یعنی حسن کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ نعیم کے ورثاء سے اس چیز کے بارے میں کسی قسم کا کوئی مطالبہ کرے جو اس نے نعیم کو ہبہ کردی تھی۔ حرف ع سے اشارہ ہے کہ ہبہ بالعوض " کی طرف یعنی اگر کوئی شخص کسی کو اپنی کوئی چیز کسی چیز کے عوض میں ہبہ کرے تو واہب کو اپنے اس ہبہ کو واپس لے لینے کا حق نہیں پہنچتا۔ حرف خ سے اشارہ ہے خروج کی طرف یعنی اگر موہوب موہوب لہ کی ملکیت سے نکل گئی بایں طور کہ اس نے وہ چیز یا تو کسی کے ہاتھ فروخت کردی یا کسی کو دے ڈالی تو اس صورت میں واہب موہوب لہ سے اس چیز کا تقاضہ کرکے نہیں لے سکتا۔ حرف ز سے زوجین کی طرف اشارہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے خاوند کو کوئی چیز ہبہ کر دے تو وہ ایک دوسرے سے اس چیز کو واپس نہیں لے سکتے۔

حرف ق سے قرابت (رشتہ داری) کی طرف اشارہ ہے اور قرابت بھی وہ جس میں محرمیت ہو یعنی اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو یا کوئی بیٹا اپنے باپ کو یا ماں کو یا دادا کو یا نانا کو یا بھائی کو یا بہن کو اور یا کسی بھی ایسے عزیز کو کہ جس سے محرمیت کی قرابت ہو اپنی کوئی چیز ہبہ کردے تو اس ہبہ کو واپس لے لینا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ اور حرف ز سے موہوب کے ہلاک وضائع ہوجانے کی طرف اشارہ ہے یعنی اگر موہوب وہ چیز جو ہبہ کی گئی تھی) موہوب لہ کے پاس سے ہلاک یا ضائع ہوگئے تو واہب کے لئے یہ جائز نہیں ہے

کہ وہ موہوب لہ سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

اولاد سے ہبہ شدہ چیز واپس لینے کا بیان

2378- حَدَّثَنَا جَمِيلُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ عَامِرٍ الْأَحْوَلِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَرْجِعُ أَحَدُكُمْ فِي هِبَتِهِ إِلَّا الْوَالِدَ مِنْ وَلَدِهِ

◆◆ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: کوئی بھی شخص اپنی ہبہ کی ہوئی چیز واپس نہ لے البتہ والد اپنی اولاد سے (ہبہ کی گئی چیز واپس لے سکتا ہے)

اجنبی کے لئے ہبہ در جوع کرنے کا بیان

جب کسی آدمی نے کسی اجنبی کیلئے کوئی چیز ہبہ کی تو اس کو رجوع کا حق ہے جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہبہ میں رجوع نہیں ہوتا اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ واہب اپنے ہبہ کو واپس نہیں لے سکتا لیکن باپ اپنے بیٹے کو جو ہبہ کرتا ہے اس کو واپس لے سکتا ہے اور اس لئے کہ رجوع تملیک کی ضد ہے اور عقد اپنی ضد کا تقاضہ نہیں کرتا اپنی لڑکے کو ہبہ کرنے کے خلاف اس لئے کہ اس ہبہ میں تملیک تام نہیں ہوتی کیونکہ لڑکا اپنے باپ کا جزء ہوتا ہے۔

ہماری دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ واہب اپنے ہبہ کا زیادہ حق دار ہوتا ہے جب تک کہ موہوب لہ اس کو بدلہ نہ دے اور اس لئے کہ عقد سے عام طور پر بدلہ کی خواہش مقصود ہوتی ہے لیکن بدلہ نہ ملنے کی صورت میں واہب کو ختم کرنے کا حق حاصل ہوگا اس لئے کہ یہ عقد بھی فسخ کو قبول کرتا ہے۔

امام شافعی کی بیان کردہ حدیث سے رجوع میں خود مختار ہونے کی نفی کی گئی ہے اور والد کیلئے رجوع کا اثبات ہوتا ہے اس لئے کہ وہ والد ہونے کے سبب اس کا مالک ہے اور اس کو رجوع کہا جاتا ہے اور قدوری میں جو فلہ الرجوع مذکور ہے وہ حکم کو بیان کرنے کے لئے ہے لیکن رجوع کا مکروہ ہونا لازم ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہبہ واپس لینے والا قے کو چاٹنے والے کی مثل ہے اور یہ تشبیہ اسکی قباحت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

پس رجوع کرنے میں کچھ رکاوٹیں بھی پیش آتی ہیں جن میں سے کچھ یہاں ذکر گئی ہیں پس فرمایا کہ ہبہ سے رجوع جائز نہیں ہے مگر یہ کہ موہوب لہ ہبہ کا عوض دے دے اس لئے کہ واہب کا مقصد حاصل ہو چکا ہے یا موہوب لہ اس میں کوئی اس طرح کی زیادتی کر دے جو اس سے ملی ہوئی ہو اس لئے کہ زیادتی کے بغیر اس میں رجوع کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں اور زیادتی کیساتھ بھی واپس لینے کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ وہ زیادتی عقد کے تحت داخل نہیں ہے۔

فرمایا کہ جب واہب یا موہوب لہ میں سے کوئی عاقد مر جائے اس لئے کہ موہوب لہ کے مرنے سے ملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہو جائے گی تو یہ اس طرح ہو جائے گا کہ جس طرح موہوب لہ کی زندگی میں ملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہوئی ہے اور جب

2378 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3691

وارث مرتا ہے تو اس کا وارث عقد سے اجنبی ہوتا ہے اس لئے کہ وارث نے ایجاب ہی نہیں کیا تھا یا موہوبہ چیز موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے اس لئے کہ یہ نکلنا واہب کی جانب سے قدرت دینے کے نتیجے سے ہوا ہے لہٰذا واہب اسکو ختم نہیں کرسکتا اور اس لئے کہ سبب کے نیا ہونے سے ملکیت بھی نئی ہوجائے گی۔ (ہدایہ، کتاب ہبہ، لاہور)

حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے لیے ہدیہ دینے کے بعد واپس لینا حلال نہیں۔ ہاں البتہ باپ اپنے بیٹے کو چیز دینے کے بعد واپس لے سکتا ہے اور جو شخص کوئی چیز دے کر واپس لیتا ہے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے جو کھا کر پیٹ بھرنے کے بعد قے کرے اور دوبارہ اسے کھانے لگے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام شافعی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ باپ کے علاوہ کسی شخص کو ہدیہ دینے کے بعد واپس لینا حلال نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 2233)

ہبہ کو واپس لینے کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہبہ کو واپس لینے والا یعنی کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ وتحفہ دے کر پھر اسے واپس لے لینے والا) اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے چاٹتا ہے اور ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم کسی بری مثال سے تشبیہ دیے جائیں (بخاری)

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ملت اور ہماری قوم جس عزوشرف کی حامل ہے اور اس انسانیت کے جن اعلیٰ اصول اور شرافت وتہذیب کے جس بلند معیار سے کے نوازا گیا ہے اس کے پیش نظر ہماری ملت وقوم کے کسی بھی فرد کے لئے یہ بات قطعاً مناسب نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا کام کرے جو اس کے ملی شرف اور اس کی قومی عظمت کے منافی ہو اور اس کی وجہ سے اس پر کوئی بری مثال چسپاں کی جائے۔

اس سے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ وتحفہ دے کر واپس لینا چونکہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کتا اپنی قے چاٹ لیتا ہے اس لئے کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی کوئی چیز ہدیہ کرے اور پھر اسے واپس لے لے اور اس طرح اس پر یہ بری مثال چسپاں کی جانے لگے۔

یہ تو حدیث کی وضاحت اور اس سے پیدا ہونے والا ایک اخلاقی اور نفسیاتی پہلو تھا لیکن اس کا فقہی اور شرعی پہلو یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق کسی کو کوئی چیز بطور ہبہ یا بطور صدقہ دینا اور پھر لینے والے کے قبضے میں اس چیز کے چلے جانے کے بعد اس کو واپس لے لینا جائز تو ہے مگر مکروہ ہے البتہ بعض صورتوں میں جائز نہیں ہے جس کی تفصیل دوسری فصل کی پہلی حدیث کے ضمن میں ذکر کی جائے گی اور اس بارے میں ایک حدیث بھی منقول ہے۔

یہاں مذکورہ حدیث کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کراہت پر محمول ہے اور اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ کسی کوئی چیز دے کر واپس لے لینا بے مروتی اور غیر پسندیدہ بات ہے لیکن بقیہ تینوں ائمہ یعنی حضرت امام شافعی حضرت امام مالک، اور حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک چونکہ یہ حدیث حرمت پر محمول ہے اس لئے ان تینوں کا مسلک یہ ہے کہ ہدیہ اور صدقہ دے کر واپس

لے لینا جائز نہیں ہے البتہ حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ اس سے واپس لے سکتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد کا قول بھی یہی ہے اور آگے آنے والی بعض احادیث بھی ان پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان احادیث کے جو معنی حنفیہ نے مراد لئے ہیں وہ بھی آگے مذکور ہوں گے۔

بَاب الْعُمْرٰى

یہ باب عمریٰ کے بیان میں ہے

عمریٰ کے معنی ومفہوم کا بیان

اس موقع پر بھی جان لیجیے کہ عمری کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان تمہیں تمہاری زندگی تک کے لئے دیا یہ جائز ہے اس صورت میں جب تک وہ شخص جس کو مکان دیا گیا ہے زندہ ہے اس سے وہ مکان واپس نہیں لیا جاسکتا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد وہ مکان واپس لیا جاسکتا ہے یا نہیں اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ عمری کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ کوئی شخص مثلاً اپنا مکان کسی کو دے اور یہ کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان تمہیں دیدیا جب تک تم زندہ رہو گے یہ تمہاری ملکیت میں رہے گا تمہارے مرنے کے بعد تمہارے وارثوں اور اولاد کا ہو جائے گا۔

اس صورت کے بارے میں تمام علماء کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ یہ ہبہ ہے اس صورت میں مکان مالک کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور جس شخص کو دیا گیا ہے اس کی ملکیت میں آجاتا ہے اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس مکان کے مالک ہو جاتے ہیں اگر ورثاء نہ ہوں تو بیت المال میں داخل ہو جاتا ہے۔

عمری کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ دینے والا بلا کسی قید وشرط کے یعنی مطلقاً یہ کہے کہ یہ مکان تمہاری زندگی تک تمہارا ہے اس صورت کے بارے میں علماء کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اس کا بھی حکم وہی ہے جو پہلی صورت کا حکم ہے چنانچہ حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے اور بعد اس کے وارثوں کا حق نہیں ہوتا بلکہ اصل مالک یعنی جس نے اس شخص کو دیا تھا کی ملکیت میں واپس آجاتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دینے والا یوں کہے کہ یہ مکان تمہاری زندگی تک تمہارا ہے تمہارے مرنے کے بعد میری اور میرے وارثوں کی ملکیت میں آجائے گا اس صورت کے بارے میں بھی زیادہ صحیح یہی بات ہے کہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو پہلی صورت ہے حنفیہ کے نزدیک یہ شرط کہ تمہارے مرنے کے بعد میری اور میرے وارثوں کی ملکیت میں آجائے گا فاسد ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ کسی فاسد شرط کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعی کا بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے لیکن حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ عمری کی یہ صورت ایک فاسد شرط کی وجہ سے فاسد ہے۔ عمری کے بارے میں حضرت امام مالک کا یہ قول ہے کہ اس کی تمام صورتوں میں بنیادی مقصد دی جانیوالی چیز کی منفعت کا مالک کرنا ہوتا ہے۔

2379 - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ اَبِىْ زَائِدَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عُمْرٰى فَمَنْ اُعْمِرَ شَيْئًا فَهُوَ لَهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''عمریٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے جس شخص کو عمریٰ کے طور پر کوئی چیز دی جائے وہ اسی کی ملکیت ہوگی''۔

2380 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَعْمَرَ رَجُلًا عُمْرٰى لَهٗ وَلِعَقِبِهٖ فَقَدْ قَطَعَ قَوْلُهٗ حَقَّهٗ فِيْهَا فَهِىَ لِمَنْ اُعْمِرَ وَلِعَقِبِهٖ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جو شخص عمریٰ کے طور پر کسی کو کوئی چیز دے تو وہ اس شخص کو ملے گی اور اس کی اولاد کو ملے گی کیونکہ اس کے قول نے اس چیز میں اس شخص کے حق کو ختم کر دیا ہے' تو یہ چیز اسے ملے گی جسے عمریٰ کے طور پر دی گئی ہے اور اس کے پسماندگان کو ملے گی''۔

2381 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ حُجْرٍ الْمَدَرِىِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ الْعُمْرٰى لِلْوَارِثِ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ وارث کے لیے قرار دی ہے۔

شرح

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عمریٰ دینے سے وہ چیز ہمیشہ کے لئے دینے والے کی ملکیت سے نکل جائے گی اور اس کی ہو جائے گی جس کو عمریٰ دیا گیا، اس کے بعد اس کے وارثوں کو ملے گی، اہل حدیث اور جمہور علماء کا یہی قول ہے۔

عمریٰ کا معمر لہ کے لئے جائز ہونے کا بیان

عمریٰ جائز ہے اور معمر لہ کی زندگی میں وہ چیز اس کی ہوگی اور اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے وارثوں کی ہوگی اس حدیث

2379: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2380: اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2625' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4164' ورقم الحدیث۔ 4165' ورقم الحدیث 4166' ورقم الحدیث 4167' ورقم الحدیث 4168' ورقم الحدیث: 4169' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3550' ورقم الحدیث: 3552' ورقم الحدیث: 3553' ورقم الحدیث 3554' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 3148' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3744' ورقم الحدیث 3745' ورقم الحدیث 3747' ورقم الحدیث۔ 3748' ورقم الحدیث: 3749' ورقم الحدیث: 3750' ورقم الحدیث: 3751' ورقم الحدیث: 3752' ورقم الحدیث 3753' ورقم الحدیث 3754

2381: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3559' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3718' ورقم الحدیث 3719' ورقم الحدیث 3721' ورقم الحدیث۔ 3723' ورقم الحدیث۔ 3724' ورقم الحدیث 3725' ورقم الحدیث: 3726

کے سبب جو ہم بیان کر چکے ہیں اور عمری اس کو کہتے ہیں کہ کوئی آدمی زندگی بھر کے لئے اس شرط پر دے کہ جب معمر لہ مرجائے تو وہ گھر اس کو واپس کر دیا جائے تو اس طرح تملیک درست ہوگی اور شرط باطل ہو جائے گی اس حدیث کے سبب جو ہم نے روایت کی ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ہبہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا طرفین فرماتے ہیں کہ رقبی باطل ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جائز ہے اس لئے کہ داری لک رقبی تملیک ہے اور داری لک میں جو رقبہ جوڑ دیا گیا ہے وہ شرط فاسد ہے جس طرح کہ عمری شرط فاسد ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عمری کو جائز قرار دیا ہے اور رقبی کو مسترد فرما دیا ہے اور اس لئے کہ ان کے نزدیک رقبی کا معنی یہ ہے کہ جب میں تجھ سے پہلے مرگیا تو میرا گھر تیرا ہے اور لفظ رقبی مراقبہ سے مشتق ہے گویا کہ ایک دوسرے کے مرنے کا انتظار کرتا ہے اور اس میں موت پر تملیک کو معلق کرنا ہے اس لئے یہ باطل ہے اور جب طرفین کے نزدیک رقبی درست نہیں ہے تو ان کے نزدیک وہ معاملہ عاریت ہوا اس لئے کہ یہ تمام مطلق نفع اٹھانے کو لازم کرنے والا ہے۔ (ہدایہ، کتاب ہبہ، لاہور)

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمری جائز ہے (بخاری و مسلم)

آپ کا لین دین معاشرہ انسانی کے باہمی ربط و تعلق کے استحکام کا ذریعہ ہے آپس کے تعلقات ایک دوسرے سے محبت اور باہمی ارتباط کی خوشگواری و پائیداری آپس کے ہدایا و تحائف پر بھی منحصر ہوتی ہے کیونکہ اس ذریعہ فطرت انسانی ایک خاص قسم کی محبت و مسرت اور جذبہ ممنونیت سے سرشار ہوتی ہے۔ یہ آپس کا لین دین کئی طریقوں سے ہوتا ہے ہدیہ و تحفہ اور ہبہ کے ساتھ ساتھ ایک صورت عمری بھی ہے جو بظاہر ہبہ کی ایک شاخ ہے چنانچہ حدیث بالا اسی کے جواز کو ظاہر کر رہی ہے۔

عمریٰ کے معنی و مفہوم کا بیان

جان لیجیے کہ عمری کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان تمہیں تمہاری زندگی تک کے لئے دیا یہ جائز ہے اس صورت میں جب تک وہ شخص جس کو مکان دیا گیا ہے زندہ ہے اس سے وہ مکان واپس نہیں لیا جا سکتا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد وہ مکان واپس لیا جا سکتا ہے یا نہیں اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ عمری کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ کوئی شخص مثلاً اپنا مکان کسی کو دے اور یہ کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان تمہیں دے دیا جب تک تم زندہ رہو گے یہ تمہاری ملکیت میں رہے گا تمہارے مرنے کے بعد تمہارے وارثوں اور اولاد کا ہو جائے گا اس صورت کے بارے میں تمام علماء کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ یہ ہبہ ہے اس صورت میں مکان مالک کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور جس شخص کو دیا گیا ہے اس کی ملکیت میں آ جاتا ہے اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس مکان کے مالک ہو جاتے ہیں اگر ورثاء نہ ہوں تو بیت المال میں داخل ہو جاتا ہے۔

عمری کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ دینے والا بلا کسی قید و شرط کے یعنی مطلقاً یہ کہے کہ یہ مکان تمہاری زندگی تک تمہارا ہے اس صورت کے بارے میں علماء کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اس کا بھی حکم وہی ہے جو پہلی صورت کا حکم ہے چنانچہ حنفیہ کا مسلک بھی یہی

ہے اور بعد اس کے وارثوں کا حق نہیں ہوتا بلکہ اصل مالک یعنی جس نے اس شخص کو دیا تھا کی ملکیت میں واپس آ جاتا ہے۔

موت کے بعد عمریٰ کو واپس لوٹانے میں مذاہب اربعہ

تیسری صورت یہ ہے کہ دینے والا یوں کہے کہ یہ مکان تمہاری زندگی تک تمہارا ہے تمہارے مرنے کے بعد میری اور میرے وارثوں کی ملکیت میں آ جائے گا اس صورت کے بارے میں بھی زیادہ صحیح یہی بات ہے کہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو پہلی صورت ہے حنفیہ کے نزدیک یہ شرط کہ تمہارے مرنے کے بعد میری اور میرے وارثوں کی ملکیت میں آ جائے گا فاسد ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ کسی فاسد شرط کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعی کا بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے لیکن حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ عمریٰ کی یہ صورت ایک فاسد شرط کی وجہ سے فاسد ہے۔ عمریٰ کے بارے میں حضرت امام مالک کا یہ قول ہے کہ اس کی تمام صورتوں میں بنیادی مقصد دی جانے والی چیز کی منفعت کا مالک کرنا ہوتا ہے۔ (شرح الوقایہ کتاب ہبہ، بیروت)

عمریٰ معمرلہ کے ورثاء کی ملکیت بن جاتا ہے

حضرت جابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمریٰ اپنے مالک یعنی معمرلہ کے ورثاء کی میراث ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

معمرلہ اس شخص کو کہتے ہیں جسے بطور عمریٰ کوئی چیز دی جاتی ہے چنانچہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو مثلاً کوئی مکان بطور عمریٰ دیا جاتا ہے وہ مکان اس کی زندگی تک تو اس کی ملکیت رہتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ملکیت بن جاتا ہے گویا یہ حدیث اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے جمہور علماء کے مسلک کی دلیل ہے۔

عمریٰ ورقبیٰ سے انتقال ملکیت کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص اور اس کے ورثاء کو کوئی چیز بطور عمریٰ دی جاتی ہے تو وہ عمریٰ اسی شخص کا ہو جاتا ہے جسے وہ دیا گیا ہے (یعنی وہ چیز اس کی ملکیت ہو جاتی ہے) عمریٰ دینے والے کی ملکیت میں واپس نہیں آتا کیونکہ دینے والے نے اس طرح دیا ہے کہ اس میں میراث جاری ہو جاتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز کسی شخص کو بطور عمریٰ دی جاتی ہے وہ اس شخص کی ہو جاتی ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کی ملکیت میں چلی جاتی ہے دینے والے کی ملکیت میں واپس نہیں آتی۔ حضرت ابوہریرہ. کی جو روایت (۲) اوپر گزری ہے اس کی تشریح کے ضمن میں عمریٰ کی تین صورتیں بیان کی گئی تھیں اس حدیث میں انہیں سے پہلی صورت کا بیان ہے۔

حضرت جابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رقبیٰ کرو اور نہ عمریٰ کرو کیونکہ جو چیز یعنی مثلاً مکان یا زمین) بطور رقبیٰ یا بطور عمریٰ دی جاتی ہے وہ اس کے ورثاء کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد)

عمریٰ کی طرح رقبیٰ بھی ہبہ ہی کی ایک شاخ ہے اس کی وضاحت بھی ابتداء باب کے حاشیہ میں کی جا چکی ہے چنانچہ رقبیٰ کی

صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ میں اپنا مکان تمہیں اس شرط کے ساتھ دیتا ہوں کہ اگر میں تم سے پہلے مرگیا تو یہ مکان تمہاری ملکیت میں رہے گا اور اگر تم مجھ سے پہلے مرگئے تو پھر یہ میری ملکیت میں آجائے گا رقبی مشتق ہے ارقاب سے جو مراقبہ کے معنی میں ہے گویا رقبی میں ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے۔

اس حدیث میں عمری اور رقبی سے منع کیا گیا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ تم جو چیز بطور عمری یا رقبی کسی کو دیتے ہو وہ اس شخص کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور تمہاری ملکیت چونکہ کلیۃً ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس شخص کے مرنے کے بعد وہ چیز اس کے ورثاء کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے لہٰذا تم اپنے مال کو بطور عمری یا رقبی اپنی ملکیت سے نکال کر اپنا نقصان نہ کرو۔

اب رہی یہ بات کہ جب پہلے ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عمری اور رقبی جائز ہیں تو پھر اس ممانعت کا محمول کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ ممانعت اس وقت فرمائی گئی ہوگی جب یہ دونوں جائز نہیں تھے اس صورت میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے یا پھر اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ عمری اور رقبی اگرچہ مصلحت کے خلاف ہیں لیکن جب یہ وقوع پذیر ہو جاتے ہیں (یعنی کسی کو کوئی چیز بطور عمری یا رقبی دے دی جاتی ہے) تو شرعی طور پر یہ صحیح ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز نہ صرف اس کی ملکیت میں آجاتی ہے کہ جس کو دی گئی ہے بلکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ملکیت میں پہنچ جاتی ہے اس صورت میں اس حدیث کو منسوخ قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔

عمری کے بارے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ حنفیہ کے ہاں جائز ہے لیکن رقبی کے بارے میں ملا علی قاری یہ لکھتے ہیں کہ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد کے نزدیک تو جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام ابو یوسف کے قول کے مطابق جائز ہے۔

حنفی علماء میں سے بعض شارحین حدیث نے اس حدیث کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ نہی (ممانعت) ارشادی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنا مال کسی مدت متعینہ تک کے لئے ہبہ نہ کرو کہ جب وہ مدت پوری ہو جائے تو اپنا مال واپس لے لو کیونکہ جب تم اپنی کوئی چیز کسی کو دے دو تو وہ تمہاری ملکیت سے نکل گئی اب وہ تمہاری ملکیت میں نہیں آئے گی خواہ تم وہ چیز ہبہ کی صراحت کر کے دو یا عمری اور رقبی کے طور پر دو۔

رقبیٰ کے صحیح ہونے یا نہ ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام اعظم، امام محمد اور ایک قول کے مطابق امام مالک علیہم الرحمہ کے نزدیک رقبیٰ درست نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک رقبیٰ درست ہے کیونکہ یہ ایسی شرط پر مشتمل ہے جس کے سبب موت کے بعد اس کو لوٹا دیا جاتا ہے۔ پس یہ عمریٰ کے حکم میں ہو جائے گا۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسی تعلیق کے معلق ہے جو خود خطرناک یعنی موت ہے۔ (شرح الوقایہ، کتاب ہبہ، بیروت)

بَاب الرُّقْبٰی

یہ باب رقبیٰ کے بیان میں ہے

رقبی کے معنی ومفہوم کا بیان

رقبی یہ ہے کہ کوئی دوسرے سے کہے کہ میں نے یہ مکان تم کو اس شرط پر دیا کہ اگر میں پہلے مرجاوں تو مکان تمہارا ہے اور اگر تم پہلے مرجاو گے تو مکان میں لے لوں گا، اس کا حکم بھی اہل حدیث اور شافعی، احمد، ابو یوسف کے نزدیک عمری کا سا ہے، یعنی وہ چیز اسی کی ہو جائے گی جس کے لئے رقبی کیا گیا ہے، اور اس کو رقبی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے، رقب ترقب سے ہے یعنی انتظار کرنا۔

2382- حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ أَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنْبَأَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ أَبِيْ ثَابِتٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا رُقْبٰى فَمَنْ أُرْقِبَ شَيْئًا فَهُوَ لَهٗ حَيَاتَهٗ وَمَمَاتَهٗ قَالَ وَالرُّقْبٰى أَنْ يَّقُوْلَ هُوَ لِلْاٰخَرِ مِنِّيْ وَمِنْكَ مَوْتًا

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "رقبی کی کوئی حیثیت نہیں ہے جس شخص کو رقبی کے طور پر کوئی چیز دی گئی ہو تو وہ زندگی اور موت میں اسی کی ہوگی"۔

راوی کہتے ہیں: رقبیٰ سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے یہ کہے کہ مرنے کی صورت میں یہ میری طرف سے یا تمہاری طرف سے ہوگا۔

(اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ یہ گھر میں تمہیں رہنے کے لیے دے رہا ہوں اگر میں مرگیا تو یہ تمہارا ہوگا اور تم مرگئے تو یہ واپس میرے پاس آجائے گا)۔

شرح

آپ کا لین دین معاشرہ انسانی کے باہمی ربط وتعلق کے استحکام کا ذریعہ ہے آپس کے تعلقات ایک دوسرے سے محبت اور باہمی ارتباط کی خوشگواری و پائیداری آپس کے ہدایا وتحائف پر بھی منحصر ہوتی ہے کیونکہ اس ذریعہ فطرت انسانی ایک خاص قسم کی محبت ومسرت اور جذبہ ممنونیت سے سرشار ہوتی ہے۔ یہ آپس کا لین دین کئی طریقوں سے ہوتا ہے ہدیہ وتحفہ اور ہبہ کے ساتھ ساتھ ایک صورت عمری بھی ہے جو بظاہر ہبہ کی ایک شاخ ہے چنانچہ حدیث بالا اسی کے جواز کو ظاہر کررہی ہے۔

یعنی دونوں صورتوں میں وہ شئی دینے والے کے ملک سے نکل جائے گی، اور جس کو عمری یا رقبی کے طور پر دی گئی ہے اس کی ہو جائے گی، اور اس کے بعد اس کے وارثوں کو ملے گی۔

2383 - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ح و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ قَالَا حَدَّثَنَا

2382 اخرجه النسائي في "السنن" رقم الحديث: 3735 ورقم الحديث: 3736 ورقم الحديث: 3737

دَاوُدُ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعُمْرٰى جَائِزَةٌ لِمَنْ اُعْمِرَهَا وَالرُّقْبٰى جَائِزَةٌ لِمَنْ اُرْقِبَهَا

◆◆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

عمریٰ اس شخص کے لئے جائز ہوگی جسے عمریٰ کے طور پر وہ چیز دی گئی ہو اور رقبیٰ اس شخص کے لئے جائز ہوگی جسے رقبیٰ کے طور پر وہ چیز دی گئی ہو۔

شرح

حضرت جابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رقبی کرو اور نہ عمری کرو کیونکہ جو چیز یعنی مثلاً مکان یا زمین) بطور رقبی یا بطور عمری دی جاتی ہے وہ اس کے ورثاء کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔

(ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 230)

عمری کی طرح رقبی بھی ہبہ ہی کی ایک شاخ ہے اس کی وضاحت بھی ابتداء باب کے حاشیہ میں کی جا چکی ہے چنانچہ رقبی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ میں اپنا مکان تمہیں اس شرط کے ساتھ دیتا ہوں کہ اگر میں تم سے پہلے مرگیا تو یہ مکان تمہاری ملکیت میں رہے گا اور اگر تم مجھ سے پہلے مرگئے تو پھر یہ میری ملکیت میں آ جائے گا رقبی مشتق ہے ارقاب سے جو مراقبہ کے معنی میں ہے گویا رقبی میں ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے۔

اس حدیث میں عمری اور رقبی سے منع کیا گیا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ تم جو چیز بطور عمری یا رقبی کسی کو دیتے ہو وہ اس شخص کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور تمہاری ملکیت چونکہ کلیۃً ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس شخص کے مرنے کے بعد وہ چیز اس کے ورثاء کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے لہٰذا تم اپنے مال کو بطور عمری یا رقبی اپنی ملکیت سے نکال کر اپنا نقصان نہ کرو۔ اب رہی یہ بات کہ جب پہلے ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عمری اور رقبی جائز ہیں تو پھر اس ممانعت کا محمول کیا ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ ممانعت اس وقت فرمائی گئی ہوگی جب یہ دونوں جائز نہیں تھے اس صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے یا پھر اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ عمری اور رقبی اگرچہ مصلحت کے خلاف ہیں لیکن جب یہ وقوع پذیر ہو جاتے ہیں (یعنی کسی کو کوئی چیز بطور عمری یا رقبی دیدی جاتی ہے) تو شرعی طور پر یہ صحیح ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز نہ صرف اس کی ملکیت میں آ جاتی ہے کہ جس کو دی گئی ہے بلکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ملکیت میں پہنچ جاتی ہے اس صورت میں اس حدیث کو منسوخ قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔ عمری کے بارے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ حنفیہ کے ہاں جائز ہے۔

لیکن رقبی کے بارے میں ملا علی قاری یہ لکھتے ہیں کہ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد کے نزدیک تو جائز نہیں ہے

2383 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 3558' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 1351' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 3741' ورقم الحدیث 3742

لیکن حضرت امام ابو یوسف کے قول کے مطابق جائز ہے۔ حنفی علماء میں سے بعض شارحین حدیث نے اس حدیث کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ نہی (ممانعت) ارشادی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنا مال کسی مدت متعینہ تک کے لئے ہبہ نہ کرو کہ جب وہ مدت پوری ہو جائے تو اپنا مال واپس لے لو کیونکہ جب تم اپنی کوئی چیز کسی کو دیدو تو وہ تمہاری ملکیت سے نکل گئی اب وہ تمہاری ملکیت میں نہیں آئے گی خواہ تم وہ چیز ہبہ کی صراحت کر کے دو یا عمریٰ اور رقبیٰ کے طور پر دو۔

بَاب الرُّجُوْعِ فِي الْهِبَةِ

یہ باب ہبہ کو واپس لینے کے بیان میں ہے

2384- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ عَوْفٍ عَنْ خِلَاسٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مَثَلَ الَّذِيْ يَعُوْدُ فِيْ عَطِيَّتِهٖ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اَكَلَ حَتّٰى اِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِيْ قَيْئِهٖ فَاَكَلَهٗ

◄► حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص اپنے دیئے ہوئے عطیے کو واپس لیتا ہے اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے' جو کچھ کھاتا ہے' جب وہ سیر ہو جائے' تو قے کر دیتا ہے' پھر دوبارہ اس قے کی طرف جا کر اسے کھا لیتا ہے''۔

ہبہ کو واپس لینے سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ملت اور ہماری قوم جس عز و شرف کی حامل ہے اور اس انسانیت کے جن اعلی اصول اور شرافت و تہذیب کے جس بلند معیار سے کے نوازا گیا ہے اس کے پیش نظر ہماری ملت و قوم کے کسی بھی فرد کے لئے یہ بات قطعا مناسب نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا کام کرے جو اس کے ملی شرف اور اس کی قومی عظمت کے منافی ہو اور اس کی وجہ سے اس پر کوئی بری مثال چسپاں کی جائے۔ اس سے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ دے کر واپس لینا چونکہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کتا اپنی قے چاٹ لیتا ہے اس لئے کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی کوئی چیز ہدیہ کرے اور پھر اسے واپس لے لے اور اس طرح اس پر یہ بری مثال چسپاں کی جانے لگے۔ یہ تو حدیث کی وضاحت اور اس سے پیدا ہونیوالا ایک اخلاقی اور نفسیاتی پہلو تھا لیکن اس کا فقہی اور شرعی پہلو یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق کسی کو کوئی چیز بطور ہبہ یا بطور صدقہ دینا اور پھر لینے والے کے قبضے میں اس چیز کے چلے جانے کے بعد اس کو واپس لے لینا جائز تو ہے مگر مکروہ ہے البتہ بعض صورتوں میں جائز نہیں ہے جس کی تفصیل دوسری فصل کی پہلی حدیث کے ضمن میں ذکر کی جائے گی اور اس بارے میں ایک حدیث بھی منقول ہے۔ یہاں مذکورہ حدیث کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کراہت پر محمول ہے اور اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ کسی کوئی چیز دے کر واپس لے لینا بے مروتی اور غیر پسندیدہ بات ہے لیکن بقیہ تینوں ائمہ یعنی حضرت امام

3384 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شافعی حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک چونکہ یہ حدیث حرمت پر محمول ہے اس لئے ان تینوں کا مسلک یہ ہے کہ ہدیہ اور صدقہ دے کر واپس لے لینا جائز نہیں ہے البتہ حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ اس سے واپس لے سکتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد کا قول بھی یہی ہے اور آگے آنیوالی بعض احادیث بھی ان پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان احادیث کے جو معنی حنفیہ نے مراد لئے ہیں وہ بھی آگے مذکور ہوں گے۔

2385 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا اسی طرح ہے جیسے اپنی قے کو واپس لینے والا شخص ہے''۔

2386 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُوْسُفَ الْعَرْعَرِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ اَبِي حَكِيمٍ حَدَّثَنَا الْعُمَرِيُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِي قَيْئِهِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں 'اپنے ہبہ کو واپس لینے والا اس کتے کی مانند ہے جو اپنی قے کو دوبارہ کھالیتا ہے۔

بَاب مَنْ وَهَبَ هِبَةً رَجَاءَ ثَوَابِهَا

یہ باب ہے کہ جو شخص ثواب کی امید رکھتے ہوئے کوئی چیز ہبہ کرے

2387 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ الْاَنْصَارِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ اَحَقُّ بِهِبَتِهِ مَا لَمْ يُثَبْ مِنْهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''آدمی اپنی ہبہ کا سب سے زیادہ حقدار ہوتا ہے' جب تک اسے اس کے بدلے میں کوئی چیز نہ دی گئی ہو''۔

3385 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 2621' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4146' ورقم الحدیث: 4149' ورقم الحدیث: 4150' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 3538' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3695' ورقم الحدیث: 3696' ورقم الحدیث 3697' ورقم الحدیث 3698' ورقم الحدیث 3699 اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2391

2386 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2387 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور ہدیہ ایک جوان اونٹنی لے کر آیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دیہاتی کو اس ایک اونٹنی کے بدلے میں چھ جوان اونٹنیاں عطا فرمائیں لیکن وہ دیہاتی پھر بھی خوش نہ ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے یا کوئی بات شروع کرتے تو پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان فرماتے) بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں شخص بطور ہدیہ میرے لئے ایک اونٹنی لایا تھا میں نے بھی اس کے بدل میں اس کو چھ اونٹنیاں دیں مگر وہ پھر بھی ناخوش رہا چنانچہ میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اب میں قریشی ثقفی اور دوسی کے علاوہ اور کسی کا کوئی ہدیہ قبول نہ کروں۔

(ترمذی ابوداؤد نسائی، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 238)

اگر آپ کسی کو اپنی کوئی چیز بطور ہدیہ وتحفہ دیں تو اس کے عوض وبدلہ کی توقع رکھنا آپ کے خلوص کے منافی ہوگا لیکن اگر آپ کو کوئی شخص اپنی کوئی چیز بطور تحفہ وہدیہ دے تو کسی بھی صورت میں آپ کی طرف سے اس کے بدلے کی ادائیگی آپ کی عالی ہمتی، بلند حوصلگی اور آپس کے احساس مروت ومحبت کے عین مطابق ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی صحابی اپنی کوئی چیز بطور ہدیہ دیتے تھے تو اس کا بدلہ ملنے کی ہلکی سی خواہش بھی ان کے ذہن میں نہیں ہوتی تھی کیونکہ ان کا ہدیہ سراپا خلوص اور ہمہ تن نیاز مندی کا ایک اظہار محبت ہوتا تھا جو اپنے دامن میں کسی مادی خواہش کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں آنے دیتا تھا لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی چیز بطور ہدیہ پیش کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نہ کسی صورت میں اس کو اس کا بدلہ ان سے کہیں زیادہ کر کے عطا فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ سخاوت وفیاضی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی ہمتی نیز باہمی ربط وتعلق کے ایک عظیم جذبہ کا مظہر ہوتا تھا۔

چنانچہ جب ایک دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ ایک اونٹنی لے کر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول اس کے ہدیہ سے کئی گنا زیادہ بدلہ یعنی چھ جوان اونٹنیاں اسے دیں مگر اس پر بھی وہ خوش نہیں ہوا یہ بات یقیناً بڑی عجیب تھی ایک تو اس وجہ سے کہ بظاہر وہ اپنے ہدیہ میں گویا مخلص نہیں تھا اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اونٹنی اس لئے لے کر آیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بدلہ دیں اور بدلہ بھی ایسا کہ جو اس کی خواہش کے مطابق ہو چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھ اونٹنیاں دیں تو وہ اس پر خوش نہیں ہوا اور اس طرح اس نے دنیاوی مال میں اپنے جذبہ حرص کا اظہار کیا چنانچہ اس کی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی ناگوار ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ میں نے قریشی انصاری ثقفی اور دوسی کے علاوہ اور کسی کا ہدیہ قبول نہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

قریشی ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے اور انصاری سے مراد انصار مدینہ ہیں، ثقفی اور دوسی دو قبیلوں کے نام ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبیلوں کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا اور ان کا استثناء کیا کہ قبیلے عالی ہمتی بلند حوصلگی اور سخاوت

وفیاضی میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے اور حضرت جابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی چیز بطور ہدیہ دی جائے اور وہ اس کا بدلہ دینے پر قادر ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس کا بدلہ دے اور جو شخص بدلہ دینے پر قادر نہ ہو تو وہ ہدیہ دینے والے کی تعریف وتوصیف کرے اور اس کے دیئے ہوئے ہدیہ کا اظہار کرے) کیونکہ جس شخص نے اپنے محسن کی تعریف کی اس نے گویا اس کا شکر ادا کیا (یعنی فی الجملہ اس کا بدلہ اتارا) اور جس شخص نے کسی کا احسان چھپایا یعنی نہ تو اس نے کچھ دے کر اور نہ تعریف کر کے اس کا بدلہ اتارا تو اس نے کفران نعمت کیا اور یاد رکھو جو شخص اپنے آپ کو کسی ایسی چیز سے آراستہ کرے جو اسے نہیں دی گئی ہے تو اس کی مثال جھوٹ موٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی سی ہے (ترمذی ابوداؤد) تشریح: محسن کی تعریف کرنے کو اس کا شکر ادا کرنے کا قائم مقام اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ تعریف دراصل شکر ہی کی ایک شاخ ہے کیونکہ شکر کا مفہوم ہے دل میں محبت رکھنا زبان سے تعریف کرنا اور ہاتھ پاؤں سے خدمت کرنا۔

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اندر کسی ایسے دینی یا دنیاوی کمال وصفت کا اظہار کرے در حقیقت اس میں نہیں ہے تو وہ جھوٹ موٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی مانند ہے۔ جھوٹ موٹ کے دو کپڑے پہننے والے سے مراد وہ شخص ہے جو علماء اور صلحاء کا لباس پہن کر اپنے آپ کو عالم وصالح ظاہر کرے حالانکہ واقعہ کے اعتبار سے نہ وہ عالم ہو اور نہ صالح ہو۔ اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کوئی ایسا پیراہن پہنے جس کی آستینوں کے نیچے مزید دو آستینیں لگائے تا کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ اس نے دو پیراہن پہن رکھے ہیں۔ اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ عرب میں ایک شخص تھا جو انتہائی نفیس قسم کے دو کپڑے پہنتا تھا تا کہ لوگ اسے عزت دار اور باحیثیت سمجھیں اور جب وہ کوئی جھوٹی گواہی دے تو اس کی اس ظاہری پوشاک کو دیکھ کر اسے جھوٹا نہ سمجھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شخص کے ساتھ اس شخص کو تشبیہ دی جو اپنے آپ کو کسی ایسے کمال کا حامل ظاہر کرے جو اس کے اندر نام ونشان کو بھی موجود نہ ہو۔

بَاب عَطِيَّةِ الْمَرْاَةِ بِغَيْرِ اِذْنِ زَوْجِهَا

یہ باب ہے کہ عورت کا اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر عطیہ دینا

2388- حَدَّثَنَا اَبُوْيُوْسُفَ الرَّقِّيُّ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ الصَّيْدَلَانِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنِ الْمُثَنّٰى بْنِ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ خُطْبَةٍ خَطَبَهَا لَا يَجُوْزُ لِامْرَاَةٍ فِيْ مَالِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا اِذَا هُوَ مَلَكَ عِصْمَتَهَا

◆◆ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے خواتین کو خطبہ دیتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی:

''عورت کے لیے' اپنے مال کے بارے میں کوئی بھی چیز اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے

2388: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

وہ مرد اس عورت کی عصمت کا مالک ہوتا ہے"۔

شرح

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے گھر کھانے میں سے صدقہ دیتی ہے بشرطیکہ وہ اسراف نہیں کرتی تو اسے اس کے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور اس کے شوہر کو مال کمانے کی وجہ سے ثواب ملتا ہے اور داروغہ (مطبخ کے نگران) کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے (جیسا کہ مالک کو ثواب ملتا ہے) اور ان میں سے کسی کے ثواب میں دوسرے کے ثواب کی وجہ سے کمی نہیں ہوتی (یعنی ہر ایک کو پورا ثواب ملتا ہے)۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: رقم الحدیث، 447)

اس حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ شوہر نے بیوی کو اپنے مال سے صدقہ وخیرات کرنے کی اجازت دے رکھی ہو خواہ اس نے صراحۃً اجازت دی ہو یا دلالۃً۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اہل حجاز کا یہ معمول تھا کہ انہوں نے اپنی مہمان نوازی اور سخاوت کے پیش نظر اپنی بیویوں اور اپنے خدمت گاروں (مثلاً داروغہ مطبخ وغیرہ) کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ مہمانوں کی بھرپور ضیافت کریں اور فقراء ومساکین نیز پڑوس کے لوگوں کو کھانا وغیرہ کھلا دیا کریں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس ارشاد گرامی کے ذریعے اپنی امت کو ترغیب دلائی کہ یہ نیک اور اچھی عادت اختیار کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی (کے مال) میں سے اس کی اجازت کے بغیر صدقہ خیرات دیتی ہے تو اسے آدھا ثواب ملتا ہے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: رقم الحدیث، 448)

اس کی اجازت کے بغیر، کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز وہ صدقہ میں دے رہی ہے خاص طور پر اس کی اجازت شوہر نے نہیں دی ہوئی ہے لیکن وہ شوہر کی صراحۃً یا دلالۃً اجمالی رضا جانتی ہو اور وہ چیز تھوڑی اور کمتر ہو کہ اس کو دینے کو کوئی منع نہیں کرتا جیسے ہمارے یہاں عام طور پر عورتیں دروازوں پر مانگنے والوں کو آٹے کی چٹکی روٹی کا ٹکڑا یا ایک آدھ پیسہ دے دیتی ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں اپنے خطبہ میں فرماتے تھے کہ کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں سے کچھ خرچ نہ کرے۔ (خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً) عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا کھانے میں سے بھی خرچ نہ کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا ہمارے اموال میں نفیس ترین چیز ہے۔

(ترمذی، مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: رقم الحدیث، 451)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جب شوہر کی اجازت کے بغیر ان چیزوں کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے جو کھانے سے کم تر درجہ کی ہیں تو کھانا خرچ کرنا کیسے درست ہوگا، جب کہ یہ افضل ترین چیز ہے۔ بظاہر اس حدیث میں اور اس بارے میں ذکر کی گئی گزشتہ احادیث میں تعارض نظر آتا ہے لیکن ان احادیث کی تشریحات اگر سامنے ہوں تو پھر کوئی تعارض نظر نہیں آئے گا کیونکہ ان تشریحات کے ذریعے احادیث میں تطبیق بیان کر دی گئی ہے۔

بیوی کو شوہر کے مال سے خرچ کرنے کی اجازت کا بیان

2389 - حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِي اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَحْيٰى رَجُلٌ مِّنْ وَلَدِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ جَدَّتَهُ خَيْرَةَ امْرَاَةَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحُلِيٍّ لَهَا فَقَالَتْ اِنِّي تَصَدَّقْتُ بِهٰذَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجُوْزُ لِلْمَرْاَةِ فِي مَالِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا فَهَلِ اسْتَاْذَنْتِ كَعْبًا قَالَتْ نَعَمْ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ زَوْجِهَا فَقَالَ هَلْ اَذِنْتَ لِخَيْرَةَ اَنْ تَتَصَدَّقَ بِحُلِيِّهَا فَقَالَ نَعَمْ فَقَبِلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب عبداللہ بن یحییٰ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' ان کی دادی سیدہ خیرہ رضی اللہ عنہا جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا زیور لے کر حاضر ہوئیں' انہوں نے عرض کی: میں اسے صدقہ کرتی ہوں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: عورت کے لیے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال کو اس طرح استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے' کیا تم نے کعب سے اجازت لی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''جی ہاں''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا اور دریافت کیا۔ ''کیا تم نے خیرہ رضی اللہ عنہا کو یہ اجازت دی ہے' وہ اپنے زیور کو صدقہ کر دے؟'' انہوں نے عرض کی: جی ہاں' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے اس زیور کو قبول کر لیا۔

شرح

حضرت ابواللحم رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے آقا کے حکم کے مطابق گوشت (کو سکھانے کے لئے اس) کے پارچے بنا رہا تھا کہ میرے پاس ایک مسکین وفقیر آیا میں نے اسے اس میں سے کھانے کے لئے دے دیا۔ جب میرے آقا کو اس کا علم ہوا تو اس نے مجھے مارا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا ماجرا کہہ سنایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے آقا کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں مارا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ میرے کھانے میں سے بغیر میری اجازت کے دے دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (اگر تم صدقہ کرنے کا حکم دے دیتے یا اس صدقہ کرنے سے تم راضی وخوش ہوتے تو) تم دونوں ثواب کے حق دار ہوتے۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عمیر نے کہا میں ایک شخص کا غلام تھا چنانچہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنے مالک کے مال میں کچھ (یعنی قلیل ور درجہ کی چیز جس کے خرچ کرنے کی عام طور پر اجازت ہوتی ہے) بطور صدقہ خرچ کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور اس کا ثواب تم دونوں کو آدھا آدھا ملے گا (مسلم مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: رقم الحدیث 453)

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر کی شکایت پر ان کے آقا ابواللحم سے جو کچھ کہا یا عمیر کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مالک کے مال میں غلام و ملازم کو مطلقاً تصرف کا حق حاصل ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف اس بات پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا کہ غلام و ملازم کو کسی ایسی بات پر مارا جائے جسے مالک تو غلطی یا اپنا نقصان تصور کرتا ہے مگر حقیقت میں وہ مالک کے حق میں غلطی یا نقصان نہیں ہے بلکہ اس کے اس میں بہتری و بھلائی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواللحم رضی اللہ عنہ کو ترغیب دلائی کہ ان کے غلام نے ان کے حق میں چونکہ بہتر اور نیک کام ہی کیا ہے۔ اس لئے اس سے درگزر کریں اور ثواب کو غنیمت جانیں جو ان کا مال خرچ ہونے کی وجہ سے انہیں ملا ہے۔ گویا یہ ابواللحم کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور تعلیم تھی نہ کہ عمیر کے فعل کی تقریر یعنی عمیر کے فعل کو آپ نے جائز قرار نہیں دیا۔

اَبوَابُ الصَّدَقَاتِ

یہ ابواب صدقات کے بیان میں ہے

بَاب الرُّجُوعِ فِي الصَّدَقَةِ

یہ باب صدقہ واپس لینے کے بیان میں ہے

2390 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''تم اپنا (دیا ہوا) صدقہ واپس نہ لو''۔

2391 - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي اَبُوْجَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْعَبَّاسِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِي يَتَصَدَّقُ ثُمَّ يَرْجِعُ فِي صَدَقَتِهِ مَثَلُ الْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَاْكُلُ قَيْئَهُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص کوئی چیز صدقہ کرے اور پھر اس صدقے کو واپس لے' اس کی مثال اس کتے کی مانند ہے' جو قے کرنے کے بعد واپس جا کر اپنی قے کو کھا لیتا ہے''۔

بَاب مَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَوَجَدَهَا تُبَاعُ هَلْ يَشْتَرِيهَا

یہ باب ہے کہ جو شخص کوئی چیز صدقہ کرے اور پھر اس چیز کو فروخت ہوتے ہوئے پائے تو کیا وہ اسے خرید سکتا ہے؟

2392 - حَدَّثَنَا تَمِيمُ بْنُ الْمُنْتَصِرِ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ

2390-اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث:1490' ورقم الحدیث:2623' ورقم الحدیث:2636' ورقم الحدیث:2970' ورقم الحدیث:3003' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 4139' ورقم الحدیث:4140' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث:2614

2392 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يَعْنِي عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عُمَرَ اَنَّهُ تَصَدَّقَ بِفَرَسٍ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَبْصَرَ صَاحِبَهَا يَبِيعُهَا بِكَسْرٍ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لَا تَبْتَعْ صَدَقَتَكَ

◄► حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں گھوڑا صدقہ کیا' پھر انہوں نے اس گھوڑے والے شخص کو کم قیمت پر وہ گھوڑا فروخت کرتے ہوئے دیکھا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم اپنی صدقہ کی ہوئی چیز کو نہ خریدو''۔

2393- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُوْنَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ اَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ اَنَّهُ حَمَلَ عَلٰى فَرَسٍ يُقَالُ لَهُ غَمْرٌ اَوْ غَمْرَةٌ فَرَاَى مُهْرًا اَوْ مُهْرَةً مِّنْ اَفْلَائِهَا يُبَاعُ يُنْسَبُ اِلٰى فَرَسِهِ فَنَهٰى عَنْهَا

◄► حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے اپنا گھوڑا صدقے کے طور پر دیدیا' جس کا نام ''غمر'' یا ''غمرہ'' تھا' پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس گھوڑے کی نسل میں سے ایک بچے کو فروخت کیا جا رہا تھا' جس کی نسبت ان کے اس گھوڑے کی طرف بھی کی جارہی تھی' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسے خریدنے سے بھی منع کر دیا۔

بَاب مَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ثُمَّ وَرِثَهَا

یہ باب ہے کہ جو شخص کوئی چیز صدقہ کرے اور اسے پھر وہی چیز وراثت میں مل جائے

2394- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ جَاءَتِ امْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي تَصَدَّقْتُ عَلٰى اُمِّي بِجَارِيَةٍ وَّاِنَّهَا مَاتَتْ فَقَالَ اٰجَرَكِ اللّٰهُ وَرَدَّ عَلَيْكِ الْمِيْرَاثَ

◄► عبداللہ بن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' ایک خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی' اس نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے اپنی والدہ کو ایک کنیز صدقے کے طور پر دی تھی' والدہ کا انتقال ہوگیا ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہیں اجر نصیب کرے گا اور اس نے وراثت میں وہ چیز تمہیں لوٹا دی ہے''۔

2395- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ عَنْ

2393 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2395 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اَعْطَيْتُ اُمِّيْ حَدِيقَةً لِيْ وَاِنَّهَا مَاتَتْ وَلَمْ تَتْرُكْ وَارِثًا غَيْرِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ صَدَقَتُكَ وَرَجَعَتْ اِلَيْكَ حَدِيقَتُكَ

◄► عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: میں نے اپنا ایک باغ اپنی والدہ کو دیدیا تھا اب اُن کا انتقال ہو گیا ہے انہوں نے میرے علاوہ اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تمہارا صدقہ واجب (ثابت) ہو گیا اور تمہارا باغ تمہاری طرف واپس آجائے گا"۔

بَابُ مَنْ وَقَفَ

یہ باب ہے کہ جو شخص کوئی چیز وقف کر دے

شمس الائمہ امام سرخسی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ غیر کی ملکیت سے مملوک کو روکنا ہے۔ اور اس کا سبب کامیابی حاصل کرنا ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ واقف آزاد، بالغ، عاقل اور اس محل کا غیر منقول ہونا ہے اور اس کا رکن یہ ہے کہ یہ زمین صدقہ کے طور پر مساکین کے لئے وقف ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸، ص ۲۳۲، بیروت)

وقف کے شرعی معنی و مفہوم کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔
(صحیح مسلم: جلد دوم: رقم الحدیث، 1730)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین ملی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا مشورہ کرنے کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خیبر میں ایسی زمین ملی ہے کہ اس جیسا مال مجھے کبھی نہیں ملا اور میرے نزدیک وہ سب سے محبوب چیز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو اصل زمین اپنے پاس روک رکھو اور اس کی پیداوار صدقہ کر دو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس شرط پر وقف کیا کہ اس کی ملکیت نہ فروخت کی جائے نہ خریدی جائے اور نہ میراث بنے اور نہ ہبہ کی جائے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فقراء اور رشتہ داروں اور آزاد کرنے میں اور اللہ کے راستے میں اور مہمانوں میں صدقہ کر دیا اور جو اس کا منتظم ہو وہ اس میں سے نیکی کے ساتھ کھائے یا اپنے دوستوں کو جمع کیے بغیر کھلائے راوی نے کہا میں نے یہ حدیث جب محمد بن سیرین کے سامنے بیان کی تو جب میں غیر متمول فیہ میں پہنچا تو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے غَيْرَ مُتَاَثِّلٍ فرمایا ابن عون نے کہا مجھے اس نے خبر دی جس نے یہ کتاب پڑھی کہ اس میں غَيْرَ مُتَاَثِّلٍ مَالًا تھا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: رقم الحدیث، 1731)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خیبر کی کچھ زمین کہ جس میں کھجوریں پیدا ہوتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت کے حصے کے طور پر ملی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خیبر میں اپنے حصے کی ایسی زمین پائی ہے کہ اس سے زیادہ بہتر وعمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ اس زمین کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں دیدوں اس لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرمائیے (کہ میں اس بارے میں کیا کروں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم بھی چاہتے ہو تو اصل زمین کو وقف کر دو اور اس سے جو کچھ پیدا ہو اسے بطور صدقہ تقسیم کر دو۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو اس شرط کے ساتھ خدا کی راہ میں دیدیا یعنی اسے وقف کر دیا کہ اصل زمین کو نہ تو فروخت کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ اسے کسی کی میراث قرار دی جائے اور اس کی پیداوار کو بطور صدقہ اس طرح صرف کیا جائے کہ اس سے فقیروں قربتداروں کو نفع پہنچایا جائے غلاموں کی مدد کی جائے یعنی جس طرح مکاتب کو زکوۃ دیدی جاتی ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنے مالک کو بدل کتابت دے کر آزاد ہو جائے اسی طرح اس زمین کی پیداوار سے بھی مکاتب کی اعانت کی جائے اللہ کی راہ میں یعنی غازیوں اور حاجیوں پر خرچ کیا جائے مسافروں کی ضرورتیں پوری کی جائیں باوجودیکہ وہ اپنے وطن میں مال وزر کے مالک ہوں) اور مہمانوں کی مہمانداری کی جائے۔

اور اس زمین کا متولی بھی بقدر حاجت اس میں سے کھائے یا اپنے اہل وعیال کو کہ جو مستطیع نہ ہونے کی سبب سے اس کے زیر کفالت ہوں کھلائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے جبکہ وہ متولی اس وقف کی آمدنی سے مالدار نہ بنے یعنی جو شخص اس زمین کی دیکھ بھال کرنے اور اس کی پیداوار کو مذکورہ بالا لوگوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری پر بطور متولی معمور کیا جائے اگر وہ بھی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے اس زمین کی پیداوار اور آمدنی میں سے کچھ لے لیا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہاں البتہ اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اس زمین کے ذریعے مالدار و متمول بن جائے چنانچہ ابن سیرین نے غیر متمول کا مطلب یہی بیان کیا ہے کہ وہ متولی اس زمین کو اپنے لئے مال وزر جمع کرنے کا ذریعہ نہ بن جائے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 225)

یہ حدیث وقف کے صحیح ہونے کی دلیل ہے چنانچہ تمام مسلمانوں کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی جائیداد مثلاً زمین ومکان وغیرہ کسی نیک مقصد اور اچھے کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کی راہ میں وقف کر دیتا ہے تو یہ جائز ہے اور وہ وقف کرنیوالا بیشمار اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقف جائیداد نہ فروخت کی جا سکتی ہے اور نہ ہبہ ہو سکتی ہے اور نہ کسی کی میراث بن سکتی ہے۔ یہ حدیث وقف کو بھی ظاہر کرتی ہے کیونکہ وقف ایک صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب وقف کرنیوالے کو برابر ملتا رہتا ہے۔

خیبر ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے تقریباً ۶۰ میل شمال میں ایک حرے کے درمیان واقع ہے اس علاقے میں کھجور وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس بستی پر مسلمانوں نے عنوۃ یعنی بزور طاقت فتح اور غلبہ حاصل کیا تھا اسی موقع پر غانمین یعنی مال غنیمت لینے والے اس کی زمین وباغات کے مالک قرار پائے اور انہوں نے اسے آپس میں تقسیم کیا جس

کا ایک حصہ حضرت عمر فاروق کو بھی ملا اپنے اسی حصے کی زمین کو انہوں نے اللہ کی راہ میں وقف کر دیا
شرح السنن میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقف کرنیوالے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اس وقف سے بقدر ضرورت نفع حاصل کرے بایں طور کہ اس آمدنی کا کچھ حصہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات زندگی پر خرچ کرے یا اس سے فائدہ اٹھائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے مذکورہ وقف نامہ کی شرائط کی گویا توثیق فرما کر وقف کی آمدنی میں سے بقدر ضرورت حصہ اس شخص کے لئے مباح قرار دیا جو اس کا متولی ہو اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ وقف کرنیوالا اپنے وقف کا متولی ہوتا ہے۔

نیز اس بات کی دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر یہ فرمایا کہ ایسا کوئی شخص ہے جو بیر رومہ مدینہ کا ایک کنواں جو ایک یہودی کی ملکیت تھا) خریدے جو شخص اس کنویں کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے گا تو اس کنویں میں اس شخص کا ڈول مسلمانوں کے ڈول کی طرح ہو گا یعنی جس طرح عام مسلمان اس کنویں سے پانی حاصل کریں گے اسی طرح وہ شخص بھی اس سے پانی حاصل کرتا رہے گا چنانچہ حضرت عثمان غنی نے اس کنویں کو خرید لیا اور عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

وقف کے صحیح ہونے میں فقہاء احناف کے اختلاف کا بیان

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واقف سے وقف کی ملکیت ختم نہیں ہوتی یہاں تک کہ حاکم اس کے ختم ہونے کا حکم جاری کر دے۔ یا پھر وقف کرنے والا اس کو اپنی موت سے معلق کرتے ہوئے اس طرح کہہ دے کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرا گھر فلاں شخص کے لئے وقف ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: وقف کرتے ہی اس کو ملکیت ختم ہو جائے گی جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: جب تک وقف کرنے والا کسی متولی بنا کر اس کے سپرد نہ کرے گا اس وقت ملکیت ختم نہ ہوگی۔

وقف کا لغوی معنی ہے روکنا۔ لہٰذا ''وَقَفْتُ الدَّابَّةَ وَأَوْقَفْتُهَا'' دونوں کا ایک ہی معنی ہے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وقف کا شرعی معنی یہ ہے کہ کسی عین چیز کو واقف کی ملکیت سے روک کر اس کے منافع کو صدقہ کرنا وقف ہے۔ جس طرح عاریت میں ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے منفعت معدوم ہوتی ہے اور معدوم کا صدقہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ پس امام صاحب کے نزدیک وقف کرنا صحیح نہ ہوا اسی طرح مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ زیادہ صحیح یہ ہے وقف امام صاحب کے نزدیک بھی صحیح ہے مگر ضروری نہیں ہے۔ جس طرح عاریت جائز ہے لیکن ضروری نہیں ہے۔

صاحبین کے نزدیک شرعی وقف کا معنی یہ ہے کہ کسی عین مال کو اللہ کی ملکیت پر روک رکھنا پس وقف شدہ چیز کی ملکیت وقف کرنے والے سے ختم ہو کر اللہ کی منتقل ہو جاتی ہے اس سبب کے ساتھ کہ اس کا نفع لوگوں کی طرف لوٹنے والا ہے۔ پس ان ائمہ کے نزدیک وقف لازم ہو جائے گا جس طرح بیچنا، ہبہ کرنا اور وراثت میں دینا درست نہ ہوگا اور وقف کا لفظ دونوں معانی کو شامل ہے جبکہ ترجیح دلیل کی بنیاد پر ہوگی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خیبر کے مقام پر واقع ایک ثمغ نامی شخص نے اپنی زمین

کو صدقہ کرنا چاہا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اس زمین کی اصل صدقہ کردو تاکہ اس کو دوبارہ فروخت نہ کیا جائے اور نہ ہی وراثت میں جائے اور نہ ہی ہبہ کی جا سکے۔ کیونکہ کبھی وقف کرنے والے کو وقف لازم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ اس کو ہمیشہ اجر ملتا رہے۔ اور اس کی ذات سے ملکیت کو ختم کرتے ہوئے اللہ کی ملکیت کو ثابت کرنا اس ضرورت کے تحت ممکن بھی ہے کیونکہ شریعت میں اس کی مثال مسجد کی شکل میں موجود ہے پس اسی طرح کیا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارکہ ہے کہ اللہ کے فرائض میں سے کسی بھی چیز میں روکنا نہیں ہے۔

حضرت شریح سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے آئے حبس کو بیچ دیا تھا کیونکہ موقوف چیز میں واقف کی ملکیت باقی رہتی ہے اسی دلیل کے سبب کہ کاشتکاری اور رہائش کے اعتبار سے واقف کے لئے وقف شدہ میں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اور اس کی ملکیت واقف ہی کی رہے گی۔ کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے کہ واقف کو موقوف زمین کی آمدنی ان کے مصارف میں صرف کرنے کا حق حاصل ہے اور اوقاف کے مصارف کے لئے ناظم مقرر کرنے کا اختیار ہے البتہ واقف وقف کے منافع کو صدقہ کرتا ہے پس یہ عاریت کے مشابہ ہو جائے گا۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ وقف کرنے والا وقف کی آمدنی ہمیشہ صدقہ کرنے کا ضرورت مند ہوا کرتا ہے۔ جبکہ وقف سے اس کی ملکیت نہ ہونے کے سبب وہ صدقہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ اور اسی طرح بغیر کسی مالک کے ملکیت کا زوال بھی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ کسی چیز کا باقی ہونا اور اس کا مالک نہ ہو تو اس طرح مشروع ہی نہیں ہے۔ جس طرح سانڈ وغیرہ کو چھوڑنا جائز نہیں ہے بہ خلاف اعتاق کے کیونکہ اتلاف ہے۔ بہ خلاف مسجد کے کیونکہ مسجد اللہ کے لئے بنائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے جب تک وقف چیز سے واقف کا حق ختم نہ ہو جائے پس وقف اللہ کے لئے نہ ہوا۔

امام قدوری علیہ الرحمہ کا قول '' : لَا يَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ إِلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ '' یہ حاکم کے لئے درست ہے کیونکہ یہ اختلافی مسئلہ کا فیصلہ ہے البتہ موت پر معلق کرنے کی صورت میں یہ صحیح ہے کہ واقف کی ملکیت ختم نہ ہوگی جبکہ اس نے ہمیشہ کے لئے اس کا نفع صدقہ کر دیا ہے پس یہ ہمیشہ کے لئے صدقہ وصیت کے مرتبے میں ہو جائے گا پس اس صورت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی لازم ہو جائے گا۔ اور حاکم سے مراد وہ بندہ ہے جس کو بادشاہ کی جانب سے فیصلہ کرنے کا حق دیا گیا ہو البتہ وہ حاکم جس کو لوگوں نے منتخب کیا ہے تو اس کے بارے میں مشائخ فقہاء کا اختلاف ہے۔ (ہدایہ، کتاب الوقف، لاہور)

وقف کے سبب عدم زوال ملکیت میں جمہور فقہاء کا موقف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (خیبر کی اپنی زمین) وقف کی اور فرمایا کہ اگر اس میں سے اس کا متولی بھی کھائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہاں آپ نے اس کی کوئی تخصیص نہیں کی تھی کہ خود آپ ہی اس کے متولی ہوں گے یا کوئی دوسرا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ میرا خیال ہے کہ تم اپنی زمین (باغ بیر حاء صدقہ کرنا چاہتے ہو تو) اپنے عزیزوں کو دے دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عزیزوں اور چچا کے لڑکوں میں بانٹ دیا۔

تو معلوم ہوا کہ وقف کرنے والا اپنے وقف کو اپنے قبضہ میں بھی رکھ سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے

اور مالکیہ وغیرہ کے نزدیک وقف اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک مال وقف کو اپنے قبضہ سے نکال کر دوسرے کے قبضے میں نہ دے۔ جمہور کی دلیل حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے افعال ہیں ان سب نے اپنے اوقاف کو اپنے ہی قبضہ میں رکھا تھا۔ اس کا نفع خیرات کے کاموں میں صرف کرتے۔ باب کے تحت ذکر کردہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی متولی رہ سکتے تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ متولی ہو سکے تو ان کو اس میں سے کھانا بھی درست ہوگا، باب کا یہی مطلب ہے۔ اس لئے وقف کو عام اور خاص دو قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے جس سے مراد وہ اوقاف ہوتے ہیں جن کا اصل مقصد کچھ تو امور دینی اور کارہائے خیر میں امداد کرنا ہے اور کچھ خاص اشخاص یا خاص کسی جماعت کی نفع رسانی ہے۔ وقف خاص جن کا مقصود اصلی واقف کے عیال واطفال یا اقرباء کے لئے آذوقہ مہیا کرنا ہو، لغوی معنی وقف کے باندھ دینا، حبس کر دینا ہے اور اصل میں یہ لفظ گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کے باندھنے میں استعمال کیا جاتا ہے اور علمائے اسلام کی اصطلاح میں وقف سے مراد کسی کار خیر کے لئے اپنا مال دے دینا۔ وقف کی تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ کسی جائداد مثل اراضی ومکانات وغیرہ کے حق ملکیت سے دست بردار ہو کر راہ خدا میں اس کو اس طرح سے دے دینا کہ بندگان خدا کو اس سے فائدہ ہو جبکہ مال موقوف وقف کرنے کے وقت واقف کا اپنا ہو۔ واقف اپنے قبض و ملک کی شرط بھی لگا سکتا ہے۔ کسی دوسرے مقام پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو قربانی کے جانور کو ہانک رہا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جا، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو قربانی کا جانور ہے، آپ نے تیسری بار یا چوتھی بار فرمایا کہ اے بیوقوف! اس پر سوار ہو جا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: رقم الحدیث، 27م)

وقف کی تعریف

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وقف کا معنی یہ ہے کہ کسی شے کو اپنی ملک سے خارج کر کے خالص اللہ عزوجل کی ملک کر دینا اسطرح کہ اُسکا نفع بندگانِ خدا میں سے جس کو چاہے ملتا رہے۔ (فتاویٰ عالم گیری، کتاب الوقف)

اصل چیز روک کر اس سے حاصل ہونے والا نفع خرچ کرنا وقف کہلاتا ہے۔ اصل سے مراد وہ چیز ہے جو بعینہ بچی رہے اور اس کا نفع خرچ کیا جا سکے، مثلاً گھر، اور دوکانیں، اور باغات وغیرہ۔ اور نفع سے مراد وہ غلہ ہے جو اصل سے حاصل ہو مثلاً پھل اور اجرت اور گھروں میں رہائش وغیرہ کرنا۔

کسی بھی چیز کی اصل کو روک کر رکھنے اور اس میں ہبہ یا وراثت کے تصرف نہ کرنے بلکہ کسی بھی قسم کا تصرف نہ کرنے کو وقف کہا جاتا ہے تا کہ اس چیز کے نفع کو وقف کرنے والے کی ارادہ کے مطابق خیر و بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جا سکے۔

وقف کا حکم کا بیان

یہ ایسی نیکی ہے جو اسلام میں مستحب ہے، اس کی دلیل صحیح حدیث میں موجود ہے۔ صحیحین میں عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ انہوں نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خیبر کا کچھ مال ملا ہے، مجھے اس سے بہتر مال کبھی حاصل نہیں ہوا، آپ اس کے متعلق مجھے کیا حکم دیتے ہیں: تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو اس کی اصل روکے رکھو اور اسے صدقہ کر دو، لیکن یہ ہے کہ اس اصل کو نہ تو ھبہ کیا جائے گا، اور نہ وہ وراثت بنے گا" تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فقراء و مساکین اور رشتہ داروں اور اللہ کے راستے اور مسافروں اور مہمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے کہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب آدم کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل رک جاتے ہیں، صرف تین قسم کے عمل جاری رہتے ہیں: صدقہ جاریہ، یا ایسا علم جس سے اس کے بعد نفع بھی حاصل کیا جاتا رہے، یا نیک اور صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔

اور جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کوئی بھی وقف کے علاوہ کسی کی بھی قدرت نہیں رکھتے تھے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: (بلند و بالا عمارتیں اور خاص مساجد وقف کرنے میں آئمہ کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اس کے علاوہ میں ان کا اختلاف ہے۔

وقف کی شرائط کا بیان

وقف کرنے کے لیے شرط ہے کہ وہ جائز التصرف ہو، یعنی اس کا تصرف کرنا جائز ہو؛ وہ اس طرح کہ وقف کرنے والا شخص بالغ، آزاد، اور عقلمند و سمجھدار ہو، لہٰذا بچے، بیوقوف، اور غلام کا وقف صحیح نہیں ہوگا۔

وقف دو امور میں سے ایک کے ساتھ ہوگا: پہلا: وقف پر دلالت کرنے والا قول؛ مثلاً وہ یہ کہے کہ: میں نے یہ جگہ وقف کی یا اسے مسجد بنایا۔

دوسرا: انسان کے عرف میں وقف پر دلالت کرنے والا کام: مثلاً اس شخص کی طرح جس نے اپنے گھر کو مسجد بنا دیا، اور اس میں لوگوں کو نماز ادا کرنے کی عام اجازت دے دی، یا اس نے اپنی زمین کو قبرستان بنا کر لوگوں کو وہاں دفن کرنے کی اجازت دے دی۔

وقف کے الفاظ کی اقسام

پہلی قسم: صریح الفاظ. مثلاً وہ یہ کہے کہ: وقفت (وقف کر دیا) حبست، (میں نے روک لیا) سبلت (میں نے اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا) سمیت (میں نے اللہ کے نام دیا) یہ صریح الفاظ ہیں؛ کیونکہ وقف کے علاوہ کسی معنی کا احتمال نہیں؛ لہٰذا جب ان الفاظ میں سے کوئی لفظ بھی ادا کیا تو اس کے ساتھ کوئی اور معاملہ زیادہ کیے بغیر ہی وقف ہو جائے گا۔

دوسری قسم: کنایہ کے الفاظ: مثلاً وہ یہ کہے: تصدقت (میں نے صدقہ کیا) حرمت (میں نے حرام کیا) ابدت (میں نے ہمیشہ

کردیا) یہ کنایہ کے الفاظ ہیں، کیونکہ یہ وقف کے علاوہ دوسرے معنی کا بھی محتمل ہے۔
لہٰذا جب بھی اس نے ان الفاظ میں سے کوئی لفظ بولا تو اس کے ساتھ وقف کی نیت کی شرط لگائی جائے گی، یا اس کے ساتھ کوئی صریح لفظ بولا جائے گا، یا اس کے ساتھ کنایہ کے دوسرے الفاظ میں سے کئی لفظ۔
صریح الفاظ کے ساتھ ملا کر بولنے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً وہ اس طرح کہے:
تصدقت بكذا صدقة موقوفة او محبسة او مسبلة اور مؤبدة (میں نے وقف صدقہ کیا، یا روکا ہوا یا خیرات کیا ہوا، یا ہمیشہ کے لیے
اور کنایہ کا لفظ وقف کے حکم کے ساتھ ملانے کی مثال یہ ہے کہ وہ اس طرح کہے. تصدقت بكذا صدقة لا تباع و لا تورث. میں نے ایسا صدقہ کیا جو نہ تو فروخت ہو سکتا ہے اور نہ ہی وراثت بن سکتا ہے۔

وقف صحیح ہونے کی شرائط کا بیان

اول: جس طرح بیان کیا جا چکا ہے کہ وقف کرنے والا تصرف کرنے کا اہل اور مجاز ہو۔
دوم: وقف کی جانے والی چیز ایسی ہو جس کا فائدہ مستقل طور پر اٹھایا جائے، اور اس کی اصل باقی رہے؛ لہٰذا ایسی چیز وقف کرنی صحیح نہیں جو فائدہ حاصل کرنے کے بعد باقی نہ رہے، مثلاً کھانا، اور غلہ وغیرہ
سوم: وقف کی جانے والی چیز معین ہو؛ لہٰذا غیر معین چیز وقف کرنا صحیح نہیں ہوگا، جس طرح کوئی یہ کہے: میں نے اپنے غلاموں اور عمارتوں میں سے کوئی غلام اور گھر وقف کیا۔
چہارم: وقف نیکی پر ہو؛ کیونکہ وقف کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے؛ مثلاً مساجد اور عمارتیں، اور رہائش گاہیں، اور کنویں اور نل وغیرہ، علمی کتب، مشکیں، لہٰذا نیکی کے علاوہ کسی اور کام کے لیے وقف کرنا صحیح نہیں؛ مثلاً کفار کی عبادت گاہوں کے لیے وقف کرنا، اور ملحدوں زندیق اور بے دین لوگوں کی کتابیں، اور درباروں کی روشنی یا اسے تعمیر کرنے کے لیے وقف کرنا، اور کیونکہ یہ سب کچھ معصیت و شرک اور کفر میں معاونت ہے۔
پنجم: وقف کے صحیح ہونے میں شرط ہے کہ اگر معین چیز ہو تو اس معین چیز کی ملکیت کا ثبوت ہونا شرط ہے، کیونکہ وقف ملکیت ہوتی ہے، لہٰذا جو مالک ہی نہیں اس پر وقف صحیح نہیں، مثلاً میت اور جانور۔
ششم: وقف صحیح ہونے میں شرط یہ ہے کہ: وقف پورا ہو، لہٰذا معلق اور مؤقت وقف کرنا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی اپنی موت کے ساتھ وقف معلق کرتا ہے تو یہ جائز ہوگا۔
مثلاً وہ یہ کہے: جب میں مر جاؤں تو میرا گھر فقراء پر وقف ہے۔ اس کی دلیل ابو داود کی مندرجہ ذیل حدیث ہے: عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آ جائے تو ان کی ثمغ نامی زمین صدقہ ہے۔ اور یہ مشہور ہو گیا اور کسی نے بھی اس پر انکار نہیں کیا، تو یہ اجماع تھا، اور موت پر معلق وقف مال کے ثلث میں سے ہونا چاہیے، کیونکہ یہ وصیت کے حکم میں ہوگا۔
اور وقف کے احکام میں یہ شامل ہے کہ: وقف کرنے والے کی شرط کے مطابق اس وقف میں کام کرنا واجب ہے، لیکن اگر

شریعت کے مخالف ہوتو پھر نہیں، بلکہ اسے نیکی کے کام میں صرف کیا جائے گا، اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:" مسلمان اپنی شرط پر قائم رہتے ہیں، لیکن ایسی شرط جو حرام کو حلال، یا حلال کو حرام کردے" (یعنی اس پر عمل نہیں ہوگا(

اور اس لیے بھی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے وقف کیا اور اس کے لیے شرط بھی رکھی، اور اگر اس کی شرط پر عمل کرنا واجب نہ ہوتو اس میں کوئی فائدہ ہی نہیں، اور اگر اس میں اس نے مقدار یا مستحقین میں سے کسی کو کسی ایک یا سب پر مقدم رکھنے کی شرط رکھی، یا مستحق میں کسی وصف کے معتبر ہونے کی شرط لگائی، یا کسی وصف کے نہ ہونے کی شرط لگائی، یا وقف پر نگرانی کی شرط رکھی، یا اس کے علاوہ تو جب تک وہ شرط کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو اس شرط پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر وہ کوئی شرط نہ رکھے تو پھر مالدار اور فقیر مرد وعورت، سب وقف کی گئی چیز میں برابر ہونگے۔

اور جب وقف کرنے والا وقف کے نگران کی تعیین نہ کرے، یا اس نے کسی شخص کو متعین کیا اور مر گیا، تو معین ہونے کی صورت میں نگرانی ہوگی، اور اگر وقف کسی ادارے وغیرہ پر ہو یعنی مساجد یا ان کے لیے وقف ہو جن کا شمار ممکن نہ ہو مثلا مساکین، تو پھر نگرانی حاکم وقت خود کرے گا، یا جس کو وہ مقرر کرے۔

نگران کو اللہ تعالیٰ کا ڈر اور تقوی اختیار کرتے ہوئے وقف کی نگرانی اچھے اور احسن انداز میں کرنی چاہیے کیونکہ یہ اس کے ذمہ امانت ہے۔

اور جب وہ اپنی اولاد پر وقف کرے تو اس کے مستحقات میں مرد وعورت سب برابر ہونگے، کیونکہ یہ ان سب میں مشترکہ ہے، اور شراکت کا اطلاق استحقاق میں برابری کا متقاضی ہے؛ جس طرح اگر اس نے ان کے لیے کوئی چیز مقرر کردی تو وہ ان کے درمیان برابر ہوگی؛ تو اسی طرح جب اس نے ان پر کوئی چیز وقف کی، پھر اس کی صلبی اولاد کے بعد وقف ان کے بیٹوں کی اولاد پوتے پوتیوں میں منتقل ہو جائے گا، نہ کہ بیٹی کی اولاد میں، کیونکہ وہ تو کسی اور آدمی کی اولاد میں سے ہیں، لہذا تو اپنے باپ کی طرف منسوب ہونگے، اور اس لیے بھی کہ وہ مندرجہ ذیل فرمان باری تعالیٰ کے تحت نہیں:

فرمان باری تعالیٰ ہے: (اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارہ میں وصیت کرتا ہے)۔

اور کچھ علماء کرام ایسے بھی ہیں جو انہیں لفظ اولاد میں شامل کرنے کی رائے رکھتے ہیں؛ کیونکہ بیٹیاں بھی اولاد ہیں، تو اس طرح طرح اولاد کی اولاد اس کی حقیقی اولاد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور اگر وہ یہ کہے: میرے بیٹوں پر وقف ہے، یا فلاں کے بیٹوں پر، وقف کو ان کے صرف مردوں کے خاص کر دیا؛ کیونکہ لفظ بنین حقیقتا اسی کے وضع کیا گیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: (کیا اس کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے)۔

لیکن یہ ہے کہ جن کے لیے وقف کیا گیا ہے اگر وہ قبیلہ ہو؛ مثلا بنو ہاشم، اور بنو تمیم، تو اس میں عورتیں بھی داخل ہونگی؛ کیونکہ قبیلے کا نام مرد وعورت دونوں کو شامل ہے۔

لیکن اگر اس نے جماعت، اور گروہ جن کا شمار ممکن ہو کے لیے وقف کیا: تو انہیں عام رکھنا، اور ان میں برابری قائم کرنا واجب

ہے، اور اگر ان کا شمار ناممکن ہو مثلاً بنو ہاشم، اور بنو تمیم؛ تو پھر انہیں عام رکھنا واجب نہیں؛ کیونکہ یہ ناممکن ہے، اور ان کے بعض افراد پر ہی انحصار کرنا، اور کچھ کو دوسروں پر فضیلت دینا جائز ہے۔

اور وقف ایسی چیز ہے جو ان معاہدوں میں سے ہے جو صرف قول سے ہی لازم ہو جاتا ہے، جس کا فسخ کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "اس کی فروخت نہیں کی جائے، اور نہ ہبہ ہوگی اور نہ ہی وراثت بنے گی۔"

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اہل علم کے ہاں اس حدیث پر عمل ہے۔

لہٰذا اس کا فسخ اور ختم کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے، اور نہ ہی فروخت کیا جا سکتا ہے، اور نہ ہی آپس میں اسے منتقل کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر اس کا فائدہ مکمل طور پر تعطل کا شکار ہو جائے، مثلاً گھر منہدم ہو گیا، اور وقف کی آمدن سے اسے تعمیر کرنا ناممکن ہو، یا زرعی زمین خراب ہو جائے، اور بے آباد ہو جائے، جس کو وادی کے کناروں کے ساتھ آباد کرنا بھی ناممکن ہو، یا وقف کی آمدن میں بھی اتنا کچھ نہ ہو جو اسے آباد کر سکے، تو اس حالت میں ہو جانے والا وقف فروخت کر دیا جائے گا، اور اس کی قیمت اسی طرح کے وقف میں صرف کی جائے گی؛ کیونکہ یہ وقف کرنے والے کے مقصد کے زیادہ قریب ہے، اور اگر مکمل اس جس طرح کا حصول ناممکن ہو، تو پھر اس سے ملتے جلتے میں صرف کر دیا جائے؛ اور اس کے بدلے میں دوسری چیز صرف خریدنے سے ہی وقف بن جائے گی۔

2396 - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَصَابَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَرْضًا بِخَيْبَرَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْمَرَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أَصَبْتُ مَالًا بِخَيْبَرَ لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ هُوَ أَنْفَسُ عِنْدِي مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُنِي بِهِ فَقَالَ إِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا قَالَ فَعَمِلَ بِهَا عُمَرُ عَلَى أَنْ لَا يُبَاعَ أَصْلُهَا وَلَا يُوهَبَ وَلَا يُورَثَ تَصَدَّقَ بِهَا لِلْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبَى وَفِي الرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَهَا بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین ملی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینے کے لیے آئے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے خیبر میں ایسی زمین ملی ہے کہ مجھے کبھی ایسی کوئی زمین نہیں ملی جو میرے لیے اس زمین سے زیادہ بہترین ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اصل زمین کو روک کے رکھو اور اسے صدقہ بھی کر دو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں ایک کام کیا کہ اصل زمین کو فروخت نہیں کیا جا سکتا تھا ہبہ نہیں کیا جا سکتا تھا وارثت میں منتقل نہیں کیا جا

2396 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2737' ورقم الحدیث: 2772' ورقم الحدیث: 2773' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4200' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 2878' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1375' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3601' ورقم الحدیث: 3602' ورقم حدیث 3603

تھا اور انہوں نے اس (زمین کی پیداوار) کو غریبوں کے لیے، قریبی رشتہ داروں کے لیے، غلاموں کے لیے، مسافروں کے لیے، اللہ کی راہ میں، مسافروں اور مسلمانوں کے لیے صدقہ کر دیا تھا جو شخص اس کا نگران تھا اس پر کوئی گناہ نہ ہوتا اگر وہ مناسب طریقے سے خود کھا لیتا یا اپنے کسی دوست کو کھلا دیتا' البتہ وہ اسے جمع نہیں کر سکتا تھا۔

موقوف کا واقف کی ملکیت سے نکل جانے کا بیان

جب اختلاف فقہاء کے باوجود وقف درست ہے تو موقوف چیز واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی مگر وہ موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہ ہو گی۔ کیونکہ جب وہ موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہو گئی تو اس پر موقوف نہ رہے گا البتہ اس میں بیع نافذ ہو جائے گی۔ جس طرح دوسری املاک میں نافذ ہوا کرتی ہے کیونکہ جب موقوف علیہ وقف کا مالک بن جائے تو پہلے مالک وہ وقف شرط کے سبب موقوف علیہ کی طرف منتقل نہ ہوتا جس طرح اس کی دوسری املاک منتقل نہیں ہوتیں۔ مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ امام قدوری علیہ الرحمہ کا قول واقف کی ملکیت سے خارج ہونا یہ صاحبین کے موقف کے مطابق درست معلوم ہوتا ہے۔ اسی اختلاف کے سبب جس کی تقریر پہلے ذکر کر دی گئی ہے۔ (ہدایہ، کتاب الوقف، لاہور)

مشترکہ زمین وقف کرنے کی تقسیم کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مشترک زمین وقف کی اور تقسیم یوں ہوئی کہ ایک حصہ کے ساتھ کچھ روپیہ بھی ملتا ہے اگر وقف میں یہ حصہ مع روپیہ کے لیا جائے کہ شریک اتنا روپیہ بھی دیگا تو وقف میں یہ حصہ لینا جائز نہ ہوگا کہ وقف کو بیع کرنا لازم آتا ہے اور اگر وقف میں دوسرا حصہ لیا جائے اور واقف اپنے شریک کو وہ روپیہ دے تو جائز ہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وقف کے علاوہ اُس روپے سے کچھ زمین خرید لی اور اس روپے کے مقابل جتنا حصہ ملے گا وہ اسکی مِلک ہے وقف نہیں ہے۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب وقف)

اصل کی ملکیت پر فرع وقف کرنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو خیبر میں جو ایک سو حصے ملے ہیں اس قسم کا مال و دولت آج تک مجھ کو نصیب نہ ہو سکا اور وہ مال و دولت مجھ کو بہت پسندیدہ بھی ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس کو صدقہ خیرات کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی اصل اپنے پاس رکھو اور پھل راہ خدا میں دے دو۔ (سنن نسائی: جلد دوم: رقم الحدیث، 1544)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس قسم کی دولت مل گئی ہے کہ آج تک اس قسم کا مال و دولت کبھی حاصل نہیں ہوا۔ میرے پاس سو اونٹ وغیرہ تھے جن کو دے کر میں نے اہل عرب سے کچھ زمین خریدی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس سے اللہ کا تقرب حاصل کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین کو اپنے پاس رکھو اور اس کے منافع کو راہ خدا میں وقف کر دو۔

(سنن نسائی: جلد دوم: رقم الحدیث، 1545)

موت کے وقف کو معلق کرنے کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مریض نے کہا اگر میں اس مرض سے مرجاؤں تو میری یہ زمین وقف ہے یہ وقف صحیح نہیں اور اگر یہ کہا کہ میں مرجاؤں تو میری اس زمین کو وقف کردینا یہ وقف کے لیے وکیل کرنا ہے اس کے مرنے کے بعد وکیل نے وقف کیا تو صحیح ہوگیا کہ وقف کے لیے توکیل درست ہے اور توکیل کو شرط پر معلق کرنا بھی درست ہے مثلاً یہ کہا کہ اگر میں اس گھر میں جاؤں تو میرا مکان وقف ہے یہ وقف صحیح نہیں اور اگر یہ کہتا کہ میں اس گھر میں جاؤں تو تم میرے مکان کو وقف کردینا تو وقف صحیح ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب الوقف)

یعنی اُس صورت میں صحیح ہے کہ وہ زمین اس کے ترکہ کی تہائی کے اندر ہو یا ورثہ اس وقف کو جائز کردیں اور ورثہ جائز نہ کریں تو ایک تہائی وقف ہے باقی میراث کہ یہ وقف وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت تہائی تک جاری ہوگی بغیر اجازت ورثہ تہائی سے زیادہ میں وصیت جاری نہیں ہوسکتی۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی نے کہا اگر میں مرجاؤں تو میرا مکان فلاں پر وقف ہے یہ وقف نہیں بلکہ وصیت ہے یعنی وہ شخص اگر اپنی زندگی میں باطل کرنا چاہے تو باطل ہوسکتی ہے اور مرنے کے بعد یہ وصیت ایک تہائی میں لازم ہوگی ورثہ اس کو رد نہیں کرسکتے اگرچہ وارث ہی پر وقف کیا ہو مثلاً یہ کہا کہ میں نے اپنے فلاں لڑکے اور نسلاً بعد نسل اُسکی اولاد پر وقف کیا اور جب سلسلہ نسل منقطع ہوجائے تو فقراء و مساکین پر صرف کیا جائے تو اس صورت میں دو تہائی ورثہ لینگے اور ایک تہائی کی آمدنی تنہا موقوف علیہ لے گا اُس کے بعد اُس کی اولاد لیتی رہے گی۔ (درمختار، کتاب الوقف)

ایک تہائی پر وقف کے اطلاق کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرض الموت میں اپنے اموال کی ایک تہائی وقف کرسکتا ہے اسکو کوئی روک نہیں سکتا۔ تہائی سے زیادہ کا وقف کیا اور اسکا کوئی وارث نہیں تو جتنا وقف کیا سب جائز ہے اور وارث ہو تو ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے اگر ورثہ جائز کردیں تو جو کچھ وقف کیا سب صحیح و نافذ ہے اور ورثہ انکار کریں تو ایک تہائی کی قدر کا وقف درست ہے اس سے زیادہ کا باطل اور اگر ورثہ میں اختلاف ہو بعض نے وقف کو جائز رکھا اور بعض نے رد کردیا تو ایک تہائی وقف ہے اور اس سے زیادہ میں جس نے جائز رکھا اُس کا حصہ وقف ہے اور جس نے رد کردیا اُس کا حصہ وقف نہیں، مثلاً ایک شخص کی نو بیگھہ زمین تھی اور کل وقف کر دی، اُسکے تین لڑکے ہیں ایک لڑکا باپ کے وقف کو جائز رکھتا ہے اور دو نے رد کردیا تو پانچ بیگھے وقف کے ہوئے اور چار بیگھے دو لڑکوں کو ترکہ میں ملیں گے کہ تین بیگھے تو تہائی کی سبب سے وقف ہوئے اور دو بیگھے اُس لڑکے کے حصہ کے جس نے جائز رکھا ہے اور اگر اس صورت میں چھ بیگھے وقف کرے تو چار بیگھے وقف ہونگے۔ (ردمحتار، کتاب وقف)

مریض نے وقف کیا تھا ورثہ نے جائز نہیں رکھا اس سبب سے ایک تہائی میں قاضی نے وقف کو جائز کیا اور دو تہائی میں باطل کردیا اسکے بعد واقف کے کسی اور مال کا پتہ چلا کہ یہ کل جائداد جس کو وقف کیا ہے اُسکی تہائی کے اندر ہے تو اگر وہ دو تہائیاں جو ورثہ

کو دی گئی تھیں ورثہ کے پاس موجود ہوں تو کل وقف ہے اور اگر وارثوں نے بیچ کر ڈالی ہے تو بیع درست ہے مگر اتنی ہی قیمت کی دوسری جائداد خرید کر وقف کر دی جائے۔ (فتاوی ہندیہ، خانیہ)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مریض نے اپنی کل جائداد وقف کر دی اور اُسکی وارث صرف زوجہ ہے اگر اس نے وقف کو جائز کر دیا جب تو کل جائداد وقف ہے ورنہ کل مال کا چھٹا حصہ زوجہ پائے گی باقی پانچ حصے وقف ہیں۔ (بحرالرائق)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مریض پر اتنا دین ہے کہ اُسکی تمام جائداد کو گھیرے ہوئے ہے اس نے اپنی جائداد وقف کر دی تو وقف صحیح نہیں بلکہ تمام جائداد بیچ کر دَین ادا کیا جائے گا اور تندرست پر ایسا دین ہوتا تو وقف صحیح ہوتا مگر جبکہ حاکم کی طرف سے اُسکے تصرفات روک دیے ہوں تو اس کا وقف بھی صحیح نہیں۔ راہن نے جائداد مرہونہ وقف کر دی اگر اسکے پاس دوسرا مال ہے تو اُس سے دین ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا اور وقف صحیح ہوگا اور دوسرا مال نہ ہو تو مرہون کو بیع کر کے دین ادا کیا جائے گا اور وقف باطل ہے۔ (درمختار، کتاب وقف)

مریض نے ایک جائداد وقف کی جو تہائی کے اندر تھی مگر اُسکے مرنے سے پہلے مال ہلاک ہو گیا کہ اب تہائی سے زائد ہے یا مرنے کے بعد مال کی تقسیم ہو کر ورثہ کو نہیں ملا تھا کہ ہلاک ہو گیا تو اس کی ایک تہائی وقف ہوگی۔ اور دو تہائیوں میں میراث جاری ہوگی۔ مریض نے زمین وقف کی اور اس میں درخت ہیں جن میں واقف کے مرنے سے پہلے پھل آئے تو پھل وقف کے ہیں اور اگر جس دن وقف کیا تھا اُسی دن پھل موجود تھے تو یہ پھل وقف کے نہیں بلکہ میراث ہیں کہ ورثہ پر تقسیم ہونگے۔

مریض نے بیان کیا کہ میں وقف کا متولی تھا اور اُسکی اتنی آمدنی اپنے صرف میں لایا، لہٰذا یہ رقم میرے مال سے ادا کر دی جائے یا یہ کہا کہ میں نے اتنے سال کی زکاۃ نہیں دی ہے میری طرف سے زکاۃ ادا کی جائے اگر ورثہ اُسکی بات کی تصدیق کرتے ہوں تو وقف کا روپیہ جمیع مال سے ادا کیا جائے یعنی وقف کا روپیہ ادا کرنے کے بعد کچھ بچے تو وارثوں کو ملے گا ورنہ نہیں اور زکاۃ تہائی مال سے ادا کی جائے یعنی اِس سے زیادہ کے لیے وارث مجبور نہیں کیے جاسکتے اپنی خوشی سے کل مال ادائے زکاۃ میں صرف کر دیں تو کر سکتے ہیں اور اگر وارث اسکے کلام کی تکذیب کرتے ہیں کہتے ہیں اس نے غلط بیان کیا تو وقف اور زکاۃ دونوں میں تہائی مال دیا جائے گا مگر تکذیب کی صورت میں وقف کا متولی و منتظم وارثوں پر حلف دے گا کہ قسم کھائیں ہمیں نہیں معلوم ہے کہ جو کچھ مریض نے بیان کیا وہ سچ ہے اگر قسم کھالیں گے تہائی مال تک وقف کے لیے لیا جائے گا اور قسم سے انکار کریں تو وقف کا روپیہ جمیع مال سے لیا جائے گا اور زکاۃ بہر صورت ایک تہائی سے ادا کرنی ضروری ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الوقف)

صحت میں وقف کیا تھا اور متولی کے سپرد کر دیا تھا مگر اُس کی آمدنی کو صرف کرنا اپنے اختیار میں رکھا تھا کہ جس کو چاہے گا دے گا واقف نے مرتے وقت وصی سے یہ کہا کہ اسکی آمدنی کا پچاس روپیہ فلاں کو دینا اور سو روپیہ فلاں کو دینا اور وصی سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم جو مناسب دیکھنا کرنا اور واقف مر گیا اور اُسکا ایک لڑکا تنگدست ہے تو بہ نسبت اوروں کے اس لڑکے کو دینا بہتر ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب الوقف)

2397- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْعَدَنِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ الْمِائَةَ سَهْمِ الَّتِي بِخَيْبَرَ لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ هُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهَا وَقَدْ أَرَدْتُ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْبِسْ أَصْلَهَا وَسَبِّلْ ثَمَرَهَا قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ فَوَجَدْتُ هٰذَا الْحَدِيثَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ فِي كِتَابِي عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ عُمَرُ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! خیبر میں مجھے ملنے والے 100 حصے، مجھے کبھی ایسی کوئی زمین نہیں ملی جو میرے نزدیک ان سے زیادہ محبوب ہو میں انہیں صدقہ کرنا چاہتا ہوں
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اصل زمین کو روک کے رکھو اور اس کی پیداوار کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دو۔
ابن ابوعمر نامی راوی کہتے ہیں: مجھے یہ روایت اپنی کتاب میں دوسری جگہ پر سفیان کے حوالے سے عبداللہ، نافع کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول روایت کے طور پر ملی ہے وہ بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اس کے بعد انہوں نے حسب سابق حدیث ذکر کی ہے۔

شوافع کے نزدیک اپنی ذات کے لئے وقف کے باطل ہونے کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی تھی (اپنے وقف کے لئے) کہ جو شخص اس کا متولی ہو اس کے لئے اس وقف میں سے کھا لینے سے کوئی حرج نہ ہوگا۔ (دستور کے مطابق) واقف خود بھی وقف کا مہتمم ہو سکتا ہے اور دوسرا شخص بھی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے اونٹ یا کوئی اور چیز اللہ کے راستے میں وقف کی تو جس طرح دوسرے اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں خود وقف کرنے والا بھی اٹھا سکتا ہے اگرچہ (وقف کرتے وقت) اس کی شرط نہ لگائی ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب الوصایا)

واقف اپنے وقف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جب اس چیز کو خود اپنے اوپر اور نیز دوسروں پر وقف کر دیا ہو یا وقف میں ایسی شرط کر لی ہو یا اس میں سے ایک حصہ اپنے لئے خاص کر لیا ہو یا متولی کو کچھ دلایا ہو اور خود ہی متولی ہو۔

علامہ قسطلانی نے کہا شافعیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اپنی ذات پر وقف کرنا باطل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر کتاب الشروط میں موصولاً گزر چکا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے یہ نکالا کہ جب وقف کے متولی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کھانے کی اجازت دی تو خود وقف کرنے والے کو بھی اس میں سے کھانا یا کچھ فائدہ لینا درست ہوگا۔ کیونکہ کبھی وقف کرنے والا خود اس جائداد کا متولی ہوتا ہے۔ آخری مضمون میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا کہ اگر کوئی چیز فقیروں پر وقف کی اور وقف کرنے والا فقیر نہیں ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا درست نہیں۔ البتہ اگر وہ فقیر ہو جائے یا اس کی اولاد میں سے کوئی فقیر ہو جائے تو فائدہ اٹھا سکتا ہے یہی مختار ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقف میں یہ شرط لگائی تھی کہ اس کا متولی اس میں سے کھا سکتا ہے اور اپنے دوست کو کھلا سکتا ہے پر وہ دولت نہ جوڑے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۷۷۷)

2397 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3605' ورقم الحدیث۔ 3606

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کسی نے یہ شرط لگائی کی ہے کہ اپنے اوپر اور اپنی اولاد و خدام پر خرچ کروں گا اور وقف کا غلہ آیا اسے بیچ ڈالا اور ثمن پر قبضہ بھی کرلیا مگر خرچ کرنے سے پہلے مرگیا تو یہ رقم ترکہ ہے وارثوں کا حق ہے فقرا اور وقف والوں کا حق نہیں۔ (فتح القدیر، کتاب الوقف)

عدم تابید کے باوجود صدقہ موقوف ہونے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب واقف نے یہ شرط کی ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں کُل آمدنی یا اسکے اتنے جز کا میں مستحق ہوں اور میرے بعد فقرا کو ملے یا یہ شرط کہ آمدنی سے میرا قرض ادا کیا جائے پھر فقرا کو۔ یا یہ کہ میری زندگی تک میں لوں گا پھر قرض ادا ہوگا پھر فقرا کو ہے فقط اتنا ہی کہا کہ اللہ (عزوجل) کے لیے یہ صدقہ موقوفہ ہے، اس شرط پر کہ جب تک میں زندہ رہوں آمدنی میں لوں گا تو وقف صحیح ہے کہ اگرچہ اس میں تابید نہیں ہے، نہ فقرا کا ذکر ہے مگر لفظ صدقہ سے تابید اور بعد میں فقرا ہی کے لیے ہونا سمجھا جاتا ہے۔ واقف نے اپنے لیے شرط کی کہ اسکی آمدنی میں خود بھی کھاؤں گا اور دوست احباب مہمانوں کو بھی کھلاؤں گا اس سے جو بچے فقرا کے لیے ہے اور اسی طرح اپنی اولاد کے لیے نسلاً بعد نسل یہی شرط لگائی تو وقف و شرط دونوں جائز۔

اور جب وقف میں یہ شرط کی کہ فلاں وارث کو وقف کی آمدنی سے بقدر کفایت دیا جائے تو جب تک یہ تنہا ہے تنہا کے لائق مصارف دیے جائیں اور جب بال بچوں والا ہو جائے تو اتنا دیا جائے کہ سب کے لیے کافی ہو کہ اِن سب کے مصارف اُسی کے ساتھ شمار ہونگے۔ واقف نے یہ شرط کی کہ اسکی آمدنی صرف کرنے کا مجھے اختیار ہے میں جہاں چاہوں گا صرف کروں گا تو شرط جائز ہے اور اُسے اختیار ہے کہ مساکین کو دے یا اُس سے حج کرائے یا کسی مالدار شخص کو دے ڈالے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الوقف)

وقف کرنے کے بعد اپنی اولاد کو اجازت تصرف دینے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک گھر وقف کیا تھا (مدینہ میں) جب کبھی مدینہ آتے اس گھر میں قیام کیا کرتے تھے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھروں کو وقف کردیا تھا اور اپنی ایک مطلقہ لڑکی سے فرمایا تھا کہ وہ اس میں قیام کریں لیکن اس گھر کو نقصان نہ پہنچائیں اور نہ اس میں کوئی دوسرا نقصان کرے اور جو خاوند والی بیٹی ہوتی اس کو وہاں رہنے کا حق نہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے (وقف کردہ) گھر میں رہنے کا حصہ اپنی محتاج اولاد کو دے دیا تھا۔

عبدان نے بیان کیا کہ مجھے میرے والد نے خبر دی انہیں شعبہ نے انہیں ابواسحاق نے انہیں ابوعبدالرحمٰن نے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ محاصرے میں لئے گئے تو (اپنے گھر کے) اوپر چڑھ کر آپ نے باغیوں سے فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے قسمیہ پوچھتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیئر رومہ کو کھودے گا اور اسے مسلمانوں کے لئے وقف کردے گا تو اسے جنت کی بشارت ہے تو میں نے ہی اس کنویں کو کھودا تھا۔ کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا تھا کہ جیش عسرت (غزوہ تبوک پر جانے والے لشکر) کو جو شخص ساز و سامان سے لیس کردے گا تو اسے جنت کی بشارت ہے تو میں نے ہی اسے مسلح کیا تھا۔

راوی نے بیان کیا کہ آپ کی ان باتوں کی سب نے تصدیق کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقف کے متعلق فرمایا تھا کہ اس کا منتظم اگر اس میں سے کھائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ منتظم خود واقف بھی ہو سکتا ہے اور کبھی دوسرے بھی ہو سکتے ہیں اور ہرایک کے لئے یہ جائز ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، 6778)

یعنی کسی نے اپنے وقف سے خود بھی فائدہ اٹھانے کی شرط لگائی تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ ابن بطال نے کہا کہ اس مسئلے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ اگر کسی نے کوئی چیز وقف کرتے ہوئے اس کے منافع سے خود یا اپنے رشتہ داروں کے نفع (اٹھانے) کی بھی شرط لگائی تو جائز ہے مثلاً کسی نے کوئی کنواں وقف کیا اور شرط لگائی کہ عام مسلمانوں کی طرح میں بھی اس میں سے پانی پیا کروں گا تو وہ پانی بھی لے سکتا ہے اور اس کی یہ شرط جائز ہوگی۔

حضرت زبیر بن عوام کے اثر کو دارمی نے اپنی مسند میں وصل کیا ہے۔ آپ خاوند والی بیٹی کو اس میں رہنے کی اس لئے اجازت نہ دیتے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں رہ سکتی ہے یہ اثر ترجمہ باب سے اس طرح مطابق ہوتا ہے کہ کوئی بیٹی ان کی کنواری بھی ہوگی اور صحبت سے پہلے اس کو طلاق دی گئی ہوگی تو اس کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے اس کا رہنا گویا خود باپ کا وہاں رہنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن سعد نے وصل کیا ہے یہ وہ گھر تھا جس کو عمر رضی اللہ عنہ وقف کر گئے تھے تو اثر ترجمہ باب کے مطابق ہو گیا۔ عبدان امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ تھے تو یہ تعلیق نہ ہوگی اور دار قطنی اور اسماعیل نے اس کو وصل بھی کیا ہے۔ دوسری روایتوں میں یوں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کنواں خرید کر کے وقف کیا تھا کھدوانا مذکور نہیں ہے لیکن شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو کچھ وسیع کرنے کے لئے کھدوایا بھی ہو۔

یہ روایت لا کر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کیا جس کو ترمذی نے نکالا۔ اس میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی رومہ کا کنواں خرید لے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اپنا ڈول بھی اس میں ڈالے اس کو بہشت میں اس سے بھی عمدہ کنواں ملے گا۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کنواں بیس ہزار یا پچیس ہزار میں خریدا تھا۔ مذکور جیش عسرۃ یعنی تنگی کا لشکر جس سے مراد وہ لشکر ہے جو جنگ تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا تھا اس جنگ کا سامان مسلمانوں کے پاس بالکل نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر سب سامان اپنی ذات سے فراہم کر دیا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی زیادہ اظہار مسرت فرماتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے زندہ جنتی ہونے کی بشارت پیش فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب اپنی آزمائش کے دنوں میں صحابہ کرام کو اس طرح مخاطب فرمایا جو اثر میں مذکور ہے تو بیشتر صحابہ نے آپ کی تصدیق کی اور گواہی دی جن میں حضرت علی، طلحہ، زبیر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم پیش پیش تھے۔ اس حدیث کے ذیل میں حضرت عثمان کے مناقب سے متعلق حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے کئی ایک احادیث کو نقل کیا ہے الحتیاج الی ذلك لدفع مضرة اوتحصل منفعة وانما یکرہ ذلك عندالمفاخرة والکاثرة والعجب (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

یعنی اس سے اس امر کا جواز ثابت ہوا کہ کسی نقصان کو دفع کرنے یا کوئی نفع حاصل کرنے کے لئے آدمی خود اپنے مناقب بیان

کرسکتا ہے، لیکن فخر اور خود پسندی کے طور پر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

مشترکہ زمین کے وقف کا بیان

زمین مشترک میں اس نے اپنا حصہ وقف کر دیا تو اسکا بٹوارہ شریک سے خود یہ واقف کرائے گا اور واقف کا انتقال ہو گیا ہو تو متولی کا کام ہے اور اگر اپنی نصف زمین وقف کر دی تو وقف وغیر وقف میں تقسیم یوں ہوگی کہ وقف کی طرف سے قاضی ہوگا اور غیر وقف کی طرف سے یہ خود یا یوں کرے کہ غیر وقف کو فروخت کر دے اور مشتری کے مقابلہ میں وقف کی تقسیم کرائے۔

ایک زمین دو شخصوں میں مشترک تھی دونوں نے اپنے حصے وقف کر دیے تو باہم تقسیم کر کے ہر ایک اپنے وقف کا متولی ہو سکتا ہے۔ ایک شخص نے اپنی کُل زمین وقف کر دی تھی اس پر کسی نے نصف کا دعویٰ کیا اور قاضی نے مدعی کو نصف زمین دلوا دی تو باقی نصف بدستور وقف رہے گی اور واقف اِس شخص سے زمین تقسیم کرا لے گا۔

دو شخصوں میں زمین مشترک تھی اور دونوں نے اپنے حصے وقف کر دیئے خواہ دونوں نے ایک ہی مقصد کے لیے وقف کیے یا دونوں کے دو مقصد مختلف ہوں مثلاً ایک نے مساکین پر صرف کرنے کے لیے دوسرے نے مدرسہ یا مسجد کے لیے اور دونوں نے الگ الگ اپنے وقف کا متولی مقرر کیا یا ایک ہی شخص کو دونوں نے متولی بنایا یا ایک شخص نے اپنی کل جائداد وقف کی مگر نصف ایک مقصد کے لیے اور نصف دوسرے مقصد کے لیے یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ (عالمگیری)

زمین مشاع میں اپنا حصہ وقف کیا جسکی مقدار ایک جریب ہے مگر تقسیم میں اُس زمین کا اچھا ٹکڑا اسکے حصہ میں آیا اس سبب سے ایک جریب سے کم ملا یا خراب ٹکڑا ملا اس سبب سے ایک جریب سے زیادہ ملا یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، چند مکانات میں اسکے حصے ہیں اس نے اپنے کُل حصے وقف کر دیئے اب تقسیم میں یہ چاہتا ہے کہ ایک ایک جز نہ لیا جائے بلکہ سب حصوں کے عوض میں ایک پورا مکان وقف کے لیے لیا جائے ایسا کرنا جائز ہے۔ (عالمگیری، کتاب الوقف)

مشترک زمین وقف کی اور تقسیم یوں ہوئی کہ ایک حصہ کے ساتھ کچھ روپیہ بھی ملتا ہے اگر وقف میں یہ حصہ مع روپیہ کے لیا جائے کہ شریک اتنا روپیہ بھی دیگا تو وقف میں یہ حصہ لینا جائز نہ ہوگا کہ وقف کو بیع کرنا لازم آتا ہے اور اگر وقف میں دوسرا حصہ لیا جائے اور واقف اپنے شریک کو وہ روپیہ دے تو جائز ہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وقف کے علاوہ اُس روپے سے کچھ زمین خرید لی اور اس روپے کے مقابل جتنا حصہ ملے گا وہ اسکی مِلک ہے وقف نہیں۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب وقف)

وقف میں شرط لگانے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی تو آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشورہ کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے خیبر میں ایک زمین کا ٹکڑا ملا ہے اس سے بہتر مال مجھے اب تک کبھی نہیں ملا تھا آپ اس اسکے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر جی چاہے تو اصل زمین اپنے ملکیت میں باقی رکھ اور پیداوار صدقہ کر دے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس شرط کے ساتھ صدقہ کر دیا کہ نہ اسے

بیچا جائے گا نہ اس کا ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس میں وراثت چلے گی۔ اسے آپ نے محتاجوں کے لئے رشتہ داروں کے لئے اور غلام آزاد کرانے کے لئے اللہ کے دین کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے اور مہمانوں کے لئے صدقہ (وقف) کر دیا اور یہ کہ اس کا متولی اگر دستور کے مطابق اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق وصول کر لے یا کسی محتاج کو دے تو اس پر کوئی الزام نہیں۔ ابن عون نے بیان کیا کہ جب میں نے اس حدیث کا ذکر ابن سیرین سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ (متولی) اس میں سے مال جمع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۲۷۳۷)

حدیث اور باب میں مطابقت ظاہر ہے واقف اپنی وقف کو جس جس طور چاہے مشروط کر سکتا ہے جیسا کہ یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شرطوں کی تفصیلات موجود ہیں اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ واقف اپنی تجویز کردہ شرطوں کے تحت اپنے وقف پر اپنی ذاتی ملکیت بھی باقی رکھ سکتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وقف کا متولی نیک نیتی کے ساتھ دستور کے مطابق اس میں سے اپنا خرچ بھی وصول کر سکتا ہے۔ اس وقف نامہ میں مصارف کی ایک مدفی سبیل اللہ بھی مذکور ہے۔ جس سے مجاہدین کی امداد مراد ہے اور وہ جملہ کام جن سے اللہ کے دین کی تبلیغ واشاعت ہوتی ہو جس طرح اسلامی مدارس اور تبلیغی ادارے وغیرہ وغیرہ۔

یعنی وقف کا لغوی معنی روکنا ہے کہا جاتا ہے کہ میں نے اس طرح اس کو وقف کر دیا یعنی روک دیا ٹھہرا دیا اور شریعت میں اپنی کسی ملکیت کو اللہ کے راستے میں روک دینا وقف کر دینا کہ اس کے منافع کو فقراء اور مسافروں پر خرچ کیا جائے اور اس کی اصل واقف کی ملکیت میں باقی رہے وقف کی صحت کے لئے الفاظ میں نے وقف کیا میں نے اسے روک دیا وغیرہ وغیرہ صریح الفاظ ہیں۔ بطور کنایہ یہ بھی درست ہے کہ میں نے اسے صدقہ کر دیا۔ لفظ حرمت میں نے اس کے منافع کا استعمال اپنے لئے حرام قرار دے لیا اس کو بعض نے وقف کے لئے لفظ صریح قرار دیا اور بعض نے غیر صریح قرار دیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب کی حدیث کے مطابق یعنی اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں جن میں سے اصل وقف کی صحت کا ثبوت بھی ہے۔ بقول علامہ نووی ائمہ شافعیہ اور جماہیر کا یہی مذہب ہے اور اس پر عام مسلمانوں کا اجماع بھی دلیل ہے جو مساجد اور کنویں وغیرہ کے وقف کی صحت پر ہو چکا ہے اور اس حدیث سے خرچ کرنے کی بھی فضیلت ثابت ہوئی جو اپنے محبوب ترین مال میں سے کیا جاتا ہے اور اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ثابت ہوئی اور اس سے اہل علم وفضل سے صلاح ومشورہ کرنا بھی ثابت ہوا اور صلہ رحمی کی فضیلت اور رشتہ ناطہ والوں کے لئے وقف کرنے کی فضیلت بھی ثابت ہوئی۔

اول کلام کا آخر کلام کے ناسخ ہونے کا بیان

وقف میں یہ شرط ہے کہ اگر میں چاہوں گا اسے بیچ کر دوسری زمین خریدوں گا یہ لفظ نہیں ہے کہ خرید کر اُسکی جگہ پر کر دوں گا اس شرط کے ساتھ بھی وقف صحیح ہے اگر زمین بیچے گا تو زر ثمن اُسکے قائم مقام ہوگا پھر جب دوسری زمین خریدے گا تو وہ پہلی کے قائم مقام ہو جائے گی۔ (خانیہ)

وقف نامہ میں پہلے یہ لکھا کہ میں نے اسے وقف کیا اِس کو نہ بیع کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ پھر آخر میں یہ لکھا کہ متولی کو یہ اختیار ہے کہ اسے بیچ کر دوسری زمین خرید کر اس کی جگہ پر وقف کر دے تو اگرچہ پہلے لکھ چکا ہے کہ بیع نہ کی جائے مگر اس کی

بیع جائز ہے کہ آخر کلام اول کلام کا ناسخ یا موضح ہے اور اگر عکس کیا یعنی پہلے تو یہ لکھا کہ متولی کو بیع واستبدال کا اختیار ہے مگر آخر میں لکھ دیا کہ بیع نہ کی جائے تو اب بدلنا جائز نہیں۔ (فتاوی ہندیہ)

امام و مؤذن مقرر کرنے میں بانی مسجد یا اُسکی اولاد کا حق بہ نسبت اہل محلہ کے زیادہ ہے مگر جب کہ اہل محلہ نے جس کو مقرر کیا وہ بانی مسجد کے مقررہ کردہ سے اولیٰ ہے تو اہل محلہ ہی کا مقرر کردہ امام ہوگا۔ (درمختار)

وقف زمین کا وکیل سے تبادلہ کرانے کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب یہ شرط تھی کہ میں تبادلہ کروں گا اور خود نہ کیا بلکہ وکیل سے کرایا تو بھی جائز ہے اور مرتے وقت وصیت کر گیا تو وصی تبادلہ نہیں کر سکتا اور اگر یہ شرط تھی کہ میں اور فلاں شخص مل کر تبادلہ کریں گے تو تنہا وہ شخص تبادلہ نہیں کر سکتا اور یہ تنہا کر سکتا ہے۔ (فتح القدیر، باب وقف)

مسجد کے لئے وقف جگہ کو منتقل کرنے کا فقہی بیان

اور اگر وقف مسجد ہو تو وہ اسی جگہ میں معطل رہے گی، مثلاً کہ اگر وہ محلہ خراب ہو گیا اور منہدم ہو گیا، تو پھر وہ فروخت کر کے کسی دوسری مسجد میں اس کی قیمت صرف کردی جائے گی.

اور اگر کسی مسجد کے لیے وقف ہو، اور اس کی آمدن مسجد کی ضروریات سے زیادہ ہو تو اس آمدن کو دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز ہے؛ کیونکہ اس سے فائدہ اسی جنس میں لیا جا رہا ہے جس میں وہ وقف کیا گیا تھا، اور مسجد کے لیے وقف کردہ چیز کی مسجد کی ضروریات سے زیادہ آمدن کو مساکین پر صدقہ کرنا جائز ہے.

شخصی ملکیت کی اراضی میں مسجد تعمیر کی گئی ہو اور وہ مسجد کے نام پر وقف کی گئی ہو اور مسلمان اس مسجد میں باقاعدہ نماز کی ادائیگی کرتے رہے ہوں تو یہ بھی شرعی مسجد ہے یہ زمین بھی تا قیامت مسجد کے حکم میں ہے اس سلسلہ میں حکومت کی منظوری ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

قوله يزول ملكه عن المسجد اعلم ان المسجد يخالف سائر الاوقاف في عدم اشتراط التسليم الى المتولي عند محكمه وفي منع الشيوع عند ابي يوسف وفي خروجه عن ملك الواقف عند الامام وان لم يحكم به حاكم ۔ (ج۴، ۳۵۹)

یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جو جگہ ایک دفعہ مسجد کے لئے وقف کردی جائے وہ اسی مسجد کے لئے تا قیامت خاص ہوتی ہے لہٰذا اس مسجد کی اراضی کو کسی دوسرے مقصد کے لئے استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

وقوله ولو خرب ما حوله اي ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر قوله عند الامام والثاني فلايعود ولايجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه اولاً وهو الفتوىٰ حاوي القدسي واكثر المشائخ عليه مجتبى وهو

الاسبب ۔

وفی الفتاویٰ الهندية: واذا خرب المسجد واستغنی اهله وصار بحيث لايصلی فيه عاد ملكاً لواقفه او لو رثته حتی جاز لهم ان يبيعوه او يبنو داراً وقيل هو لمسجد ابداً وهو الاصح كذا فی خزانة المفتيين ۔

سرکاری رقبہ پر مسجد کی تعمیر کے لئے حکومت کی اجازت ضروری ہے ایسی جگہوں پر حکومت سے باضابطہ اجازت کے بغیر مسجد وغیرہ تعمیر نہیں کرنی چاہئے اگر حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری اراضی پر مسجد تعمیر ہوئی ہو تو محلہ کے مسلمانوں کی اجتماعی دینی ضرورت کے پیش نظر حکومت شرعاً و اخلاقاً اس مسجد کو باقی رکھنے کی پابند ہوگی ایک تو کیونکہ یہ مسجد شرعی مسجد بن چکی ہے جس کا انہدام جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ مسجد چونکہ مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت ہے اور سرکاری اراضی یا املاک بھی قوم کی اجتماعی املاک شمار ہوتی ہیں اگر مسلمان اپنی کسی اجتماعی ضرورت کے لئے اپنی اجتماعی ملکیت سے بقدر ضرورت مستفید ہو رہے ہوں تو اسے خلاف شریعت نہیں کہا جاسکتا اس لئے اگر حکومت اپنی اس شرعی و اخلاقی پابندی کا پاس نہ رکھے اور قدیم مساجد کو گرانے کے لئے غیر قانونی ہونے کو بنیاد بنا کر قدیم مساجد کو گرانے کی کوشش کرے تو یہ حکومتی اقدام اللہ تعالیٰ کے اس غیض و غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا جو مساجد کو مٹانے گرانے اور ویران و منہدم کرنے والوں کے لئے طے کر رکھا ہے ایسے اقدام کے ذمہ داروں کو آخرت کے عظیم عذاب کے علاوہ دنیا کی ذلت و رسوائی کا سامنا بھی کرنا ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہ کا اعلان ہے:

ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعیٰ فی خرابها اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين لهم فی الدنيا خزی ولهم فی الآخرة عذاب عظيم ۔ (البقرہ)

ترجمہ: اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

اور فتاویٰ حمادیہ میں ہے: فيفرض الكلام فيما لو بنی علی الساحة مسجداً فالله تعالیٰ ذم من سعی فی خراب المساجد فلايجوز هدمه ۔

بَاب الْعَارِيَةِ

یہ باب عاریت کے بیان میں ہے

عاریت کی تعریف کا بیان

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے عاریت کی تعریف یہ کی ہے کہ کسی معین اور مباح چیز کا نفع لینا جس کا نفع لینا مباح ہو اور نفع حاصل کرنے کے بعد اصل چیز کو مالک کو واپس کرنا۔ تو اس تعریف سے وہ چیز خارج ہوگی جس کا نفع حاصل کیا جائے تو وہ ضائع

ہو جائے مثلاً کھانے پینے والی چیزیں۔

دوسرے شخص کو چیز کی منفعت کا بغیر عوض مالک کر دینا عاریت ہے، جس کی چیز ہے اُسے معیر کہتے ہیں اور جس کو دی گئی مستعیر ہے اور چیز کو مستعار کہتے ہیں۔ عاریت کے لیے ایجاب وقبول ہونا ضروری ہے اگر کوئی ایسا فعل کیا جس سے قبول معلوم ہوتا ہوتو یہ فعل ہی قبول ہے مثلاً کسی سے کوئی چیز مانگی اُس نے لاکر دیدی اور کچھ نہ کہا عاریت ہوگئی اور اگر وہ شخص خاموش رہا کچھ نہیں بولا تو عاریت نہیں۔ (بحرالرائق، کتاب عاریت، بیروت)

عاریت کے شرعی ماخذ کا بیان

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور استعمال کرنے والی چیزوں سے روکتے ہیں) (الماعون، ۷)

یعنی وہ چیزیں جو لوگ عام طور پر آپس میں لیتے دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ضرورت کی چیزوں سے لوگوں کو روکتے اور عاریت نہیں دیتے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک دن (ایک ... سے کہ کفار کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا ہے) مدینہ میں گھبراہٹ اور خوف کی ایک فضا پیدا ہوگئی ہے۔ (یہ دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ کا گھوڑا کہ جسے مندوب یعنی سست کہا جاتا تھا عاریۃً مانگا اور اس پر سوار ہو کر تحقیق حال کے لیے مدینہ سے باہر نکلے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو فرمایا کہ میں نے خوف وگھبراہٹ کی کوئی چیز نہیں دیکھی ہے نیز میں نے گھوڑے کو کشادہ قدم یعنی تیز رفتار پایا ہے (بخاری ومسلم)

حضرت ابوطلحہ کا گھوڑا پہلے بہت ڈھیلا اور سست رفتار تھا اسی واسطے اس کا نام ہی مندوب یعنی سست رکھ دیا گیا تھا مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ گھوڑا بڑا چاق وچوبند اور تیز رفتار ہوگیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کو عاریۃً مانگنا اور اسے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے نیز کسی جانور کو کسی نام سے موسوم کر دینا بھی جائز ہے اسی طرح سامان جنگ کا نام رکھنا بھی جائز ہے۔

یہ حدیث جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت وبہادری اور کمال جانبازی کو ظاہر کرتی ہے کہ جب دشمن کی فوج کے مدینہ کے قریب آ جانے کے خوف سے پورے مدینہ میں اضطراب وگھبراہٹ کی ایک عام فضا پیدا ہوگئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بے خوف ہو کر تحقیق حال کے لئے تن تنہا مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے وہیں یہ حدیث اس بات کی بھی غماز ہے کہ دشمنوں کی ٹوہ لینی اور ان کے حالات پر مطلع ہونے کے لئے سعی کرنا ضروری ہے۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خوف واضطراب کے موقع پر خوف کے خاتمہ کی خوشخبری لوگوں کو دینا مستحب ہے۔

مشروعیت عاریت پر کتاب وسنت سے استدلال کا بیان

عاریت کتاب وسنت اور اجماع کے ساتھ مشروع ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور استعمال کرنے والی چیزوں سے

روکتے ہیں)(الماعون،۷)

یعنی وہ چیزیں جولوگ عام طور پر آپس میں لیتے دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ضرورت کی چیزوں سے لوگوں کو روکتے اور عاریت نہیں دیتے۔

جو علماء کرام عاریت کو واجب کہتے ہیں انہوں نے اسی مندرجہ بالا آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر مالک غنی ہو تو اسے کوہ چیز عاریت دینے سے نہیں روکنا چاہیے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے گھوڑا عاریتا لیا تھا اور صفوان بن امیہ سے درعیں عاریتا حاصل کی تھیں۔

کسی محتاج اور ضرورت مند کو کوہ چیز عاریتا دینے میں دینے والے کو اجر وثواب اور قرب حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ عمومی طور پر نیکی اور بھلاء کے کاموں میں تعاون ہے۔

عاریت کے صحیح ہونے کے لیے چار شرائط ہیں

پہلی شرط: عاریت دینے والے کی اہلیت: اس لیے کہ اعارہ میں احسان کی قسم پائی جاتی ہے، اس لیے بچے اور مجنون نہ ہی بے وقوف کی عاریت صحیح ہوگی۔ دوسری شرط: جسے عاریت دی جارہی ہے وہ بھی لینے کا اہل ہو، تاکہ اس کا قبول کرنا صحیح ہو۔

تیسری شرط: عاریتا دی جارہی چیز کا نفع مباح ہونا چاہیے: تو مسلمان غلام کافر کو عاریتا نہیں دیا جاسکتا، اور نہ ہی محرم کا شکار وغیرہ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور تم براء اور دشمنی کے کاموں میں تعاون نہ کرو)۔

چوتھی شرط: کہ عاریتا دی گئی چیز سے نفع حاصل کرنے کے بعد اس کی اصل باقی رہنا ضروری ہے جس کے اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔

عاریت دینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اپنی چیز واپس لے لے لیکن اگر اس چیز کے واپس لینے سے عاریتا لینے والے کو کوئی نقصان ہونے کا خدشہ ہو پھر نہیں۔

جیسے کہ اگر کسی نے سامان اٹھانے کے لیے کشتی عاریتا لی تو اسے اس وقت تک واپس نہیں لیا جاسکتا جب تک کہ وہ سمندر میں ہے، اور اسی طرح اگر کسی نے دیوار عاریتا حاصل کی تا کہ وہ اپنی چھت اس پر رکھ سکے تو جب تک اس کے اوپر چھت کی لکڑیاں ہیں اس وقت تک اسے واپس نہیں لیا جاسکتا۔

اسی طرح عایت لینے والے پر واجب ہے کہ وہ عاریۃ لی گئی چیز کی حفاظت بھی اپنے مال کی طرح ہی کرے تاکہ اس کے مالک تک صحیح سالم لوٹائی جاسکے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے مالکوں کو لوٹادو)۔

تو یہ آیت امانت کے لوٹانے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور اس میں عاریت بھی شامل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (آپ امانت کو امانت رکھنے والے کے پاس لوٹادیں)۔

تو یہ نصوص انسان کے پاس امانت رکھی گئی چیز کی حفاظت اور اسے مالک کو صحیح سالم واپس کرنے کے وجوب پر دلالت کرتیں

ہیں، اور اس عموی حکم میں عاریت بھی شامل ہوتی ہے، اس لیے عاریت لینے والا اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور وہ چیز اس سے مطلوب بھی ہے، اور اس کے لیے تو صرف اس چیز سے نفع حاصل کرنا جائز ہے وہ بھی عرف عام کی حدود میں رہتے ہوئے، تو اس لیے وہ اسے ایسے استعمال نہیں کر سکتا کہ وہ چیز ہی ضائع ہو جائے اور نہ ہی اس کے یہ جائز ہے کہ وہ اس کا ایسا استعمال کرے جو صحیح نہ ہو اس لیے کہ اس کے مالک نے اس کی اجازت نہیں دی۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (احسان کا بدلہ احسان ہی ہے)۔ اور اگر اسے جس کے لیے عاریتا حاصل کیا گیا تھا استعمال نہیں کرتا بلکہ کسی اور چیز میں استعمال کرتا ہے اور وہ چیز ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن ہوگا اور اس کا نقصان دینا واجب ہے۔

اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جو کچھ ہاتھ نے لیا اسے واپس کرنا ہے) اسے پانچ نے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ تو اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ انسان نے جو کچھ لیا ہے وہ اسے واپس کرنا ہے اس لیے کہ وہ دوسرے کی ملکیت ہے اس لیے وہ اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مالک یا اس کے قائم مقام تک نہیں پہنچ جاتی۔

اگر عاریتا لی گ ء چیز سے صحیح طریقے پر نفع حاصل کرتے ہوئے وہ چیز ضائع ہو جائے تو عاریتا لینے والے پر کوء ضمان نہیں اس لیے کہ دینے والے اس استعمال کی اجازت دی تھی اور جو کچھ اجازت شدہ پر مرتب ہو اس کی ضمانت نہیں ہوتی۔

اور اگر عاریتا لی گئی جس کام کے لیے لی گئی تھی اس کے علاوہ کسی اور استعمال میں ضائع ہو جائے تو اس کی ضمان میں علماء کرام کا اختلاف ہے: کچھ کا کہنا ہے کہ: اس پر ضمان واجب ہے چاہے وہ اس نے زیادتی کی یا نہیں کی اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل قول کا عموم ہے: (ہاتھ نے جو کچھ لیا ہے وہ اس کے ذمہ ہے حتی کہ وہ اسے واپس کر دے)۔

یہ بھی اس جیسا ہی ہے کہ اگر کوئی جانور مر جائے یا کپڑے جل جائیں، یا جو چیز کی عاریتا لی گئی ہے وہ چوری ہو جائے۔ کچھ علماء کا کہنا ہے کہ اگر وہ کوئی زیادتی نہیں کرتا تو اس پر ضمان نہیں ہے، اس لیے کہ زیادتی کے بغیر اسے ذمہ کوء ضمان نہیں، شائد کہ یہی قول راجح ہے اس لیے کہ عاریتا لینے والے نے مالک کی اجازت سے اپنے قبضہ میں کیا ہے تو وہ اس کے پاس امانت کی طرح ہی ہے۔

مستعیر پر عاریتا لی گئی چیز کی حفاظت واجب ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کا خیال رکھے اور جب اس کا کام ختم ہو جائے تو اسے مالک کی طرف جلدی لوٹائے اور اس میں کسی قسم کی بھی سستی اور کاہلی سے کام نہ لے اور نہ ہی اسے ضائع ہونے دے اس لیے کہ وہ اس کے پاس امانت ہے اور اس کے مالک نے اس پر احسان کیا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے: (اور کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ کچھ اور بھی ہے)

عاریت کے حکم کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عاریت کا حکم یہ ہے کہ چیز مستعیر کے پاس امانت ہوتی ہے اگر مستعیر نے تعدی نہیں کی ہے اور چیز ہلاک ہوگئی تو ضمان واجب نہیں اور اسکے لیے شرط یہ ہے کہ شے مستعار انتفاع کے قابل ہو اور عوض لینے کی اس میں شرط نہ ہو، اگر معاوضہ شرط ہو تو اجارہ ہو جائے گا اگرچہ عاریت ہی کا لفظ بولا ہو۔ منافع کی جہالت اس کو فاسد نہیں کرتی اور عین

مستعار کی جہالت سے عاریت فاسد ہے مثلاً ایک شخص سے سواری کے لیے گھوڑا مانگا اُس نے کہا اصطبل میں دو گھوڑے بندھے ہیں اُن میں سے ایک لے لو مستعیر ایک لیکر چلا گیا اگر ہلاک ہو گا ضمان دینا ہو گا اور اگر مالک نے یہ کہا اُن میں سے جو تو چاہے ایک لے لے تو ضمان نہیں بغیر مانگے کسی نے کہہ دیا یہ میرا گھوڑا ہے اس پر سواری لو یا غلام ہے! اس سے خدمت لو یہ عاریت نہیں یعنی خرچہ مالک کو دینا ہو گا اس کے ذمہ نہیں۔ (بحرالرائق، کتاب عاریت، بیروت)

2398- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا شُرَحْبِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَّالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ”عاریت کے طور پر دی گئی چیز ادا کی جائے گی اور عارضی استعمال کے لیے دی گئی چیز واپس لوٹائی جائے گی“۔

عاریت کے جواز واحسان کا بیان

عاریت جائز ہے کیونکہ یہ ایک طرح کا احسان ہے اور حضور علیہ السلام نے حضرت صفوان سے چند زر ہیں عاریت پر لی تھی اور عاریت بدل کے بغیر منافع کی تملیک ہے حضرت امام کرخی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دوسرے کی ملکیت سے فائدہ اٹھانے کا نام عاریت ہے۔ کیونکہ اباحت کے لفظ سے بھی عاریت منعقد ہو جاتی ہے اور اس میں مدت بیان کرنا بطور شرط نہیں ہے۔

جبکہ جہالت کے ساتھ تملیک درست نہیں ہوتی لہٰذا اس میں نہی موثر ہوتی ہے مستعیر دوسرے کو اجارہ پر دینے کا مالک نہیں ہے ہم کہتے ہیں کہ عاریت تملیک کی خبر دیتی ہے اس لئے کہ عاریت عریت سے مشتق ہے جس کے معنی عطیہ کے ہیں اس کے سبب لفظ تملیک سے عاریت منعقد ہو جاتی ہے اور اعیان کی طرح منافع بھی ملکیت میں آنے کے قابل ہوتے ہیں۔

ہاں تملیک کی دو اقسام ہیں تملیک بالبدلہ اور تملیک بغیر البدلہ پس اعیان دونوں طرح کے تملیک کو قبول کرتے ہیں لہٰذا منافع بھی دونوں کو قبول کرے گا اور دونوں میں علت حاجت کو دور کرنا ہے اور اباحت کا لفظ تملیک کے لئے استعارہ کے طور پر لیا گیا ہے جس طرح کہ اجارہ میں ہے اس لئے اجارہ بھی لفظ اباحت سے منعقد ہو جاتا ہے جبکہ وہ تملیک ہے اور یہ جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی نہیں ہے اس لئے کہ یہ تملیک لازم نہیں ہوتی اس لئے اس جہالت سے نقصان نہیں ہوتا اور اس لئے بھی کہ ملکیت قبضہ کرنے یعنی نفع اٹھانے کے وقت ثابت ہوتی ہے اور اس وقت کوئی جہالت نہیں رہتی اور اس میں ممانعت اس لئے موثر ہوتی ہے کہ وہ منافع کو حاصل کرنے سے روکتی ہے لہٰذا نہی کے بعد مستعیر اپنی ملکیت میں منافع نہیں حاصل کر سکتا اور وہ اجارہ پر اس لئے نہیں دے سکتا کیونکہ اس طرح کرنے سے مالک کو زیادہ نقصان ہو گا۔

عاریت والی چیز کو لوٹانے کا بیان

2399- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَّعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الدِّمَشْقِيَّانِ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ

2398. اخرجہ الترمذی فی ”الجامع“ رقم الحدیث: 1265 ‘اخرجہ ابن ماجہ فی ”السنن“ رقم الحدیث: 4884

2399 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَّالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ

◄◄ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''عاریت کے طور پر دی ہوئی چیز قابل واپسی ہوگی اور عارضی استعمال کے لیے دی ہوئی چیز لوٹائی جائے گی''۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب عاریت ہلاک ہوگئی اگر مستعیر نے تعدی نہیں کی ہے یعنی اُس سے اُسی طرح کام لیا جو کام کا طریقہ ہے اور چیز کی حفاظت کی اور اُس پر جو کچھ خرچ کرنا مناسب تھا خرچ کیا تو ہلاک ہونے پر تاوان نہیں اگرچہ عاریت دیتے وقت یہ شرط کرلی ہو کہ ہلاک ہونے پر تاوان دینا ہوگا کہ یہ باطل شرط ہے جس طرح رہن میں ضمان نہ ہونے کی شرط باطل ہے۔

اور تعدی کی بعض صورتیں یہ ہیں بہت زور سے لگام کھینچی یا ایسا مارا کہ آنکھ پھوٹ گئی یا جانور پر اتنا بوجھ لاد دیا کہ معلوم ہے ایسے جانور پر اتنا بوجھ نہیں لادا جاتا یا اتنا کام لیا کہ اُتنا کام نہیں لیا جاتا۔ گھوڑے سے اُتر کر مسجد میں چلا گیا گھوڑا وہیں راستہ میں چھوڑ دیا وہ جاتا رہا، جانور اس لیے لیا کہ فلاں جگہ مجھے سوار ہوکر جانا ہے اور دوسری طرف نہر پر پانی پلانے لے گیا۔ بیل لیا تھا ایک کھیت جوتنے کے لیے اُس سے دوسرا کھیت جوتا، اس بیل کے ساتھ دوسرا اعلیٰ درجہ کا بیل ایک ہل میں جوت دیا اور ویسے بیل کے ساتھ چلنے کی اس کی عادت نہ تھی اور یہ ہلاک ہوگیا۔ جنگل میں گھوڑا لیے ہوئے چت سوگیا اور باگ ہاتھ میں ہے اور کوئی شخص چرالے گیا اور بیٹھا ہوا سویا تو ضمان نہیں اور اگر سفر میں ہوتا تو چاہے لیٹ کر سوتا یا بیٹھ کر اس پر ضمان نہیں ہوتا۔ (بحرالرائق، کتاب عاریت بیروت)

حضرت امیہ بن صفوان رضی اللہ عنہ اپنے والد (صفوان) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی جنگ کے دن ان (صفوان) سے کئی زرہیں عاریۃً لیں انہوں نے پوچھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ زرہیں غصب کے طریقہ پر لے رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ عاریۃً لے رہا ہوں جو کہ واپس کردی جائیں گی۔ (سنن ابوداؤد)

غزوۂ حنین کے موقع پر جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ زرہیں صفوان سے مستعار لیں تو چونکہ صفوان اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہیں تھے اسی لیے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زرہیں دیتے ہوئے جو سوال کیا وہ بظاہر حد ادب سے گرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں صفوان اسلام کی دولت سے مشرف ہوگئے تھے رضی اللہ عنہ۔

2400- حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ح و حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَكِيْمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ عَدِيٍّ جَمِيْعًا عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى

2400-اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3561' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1266

اَلْيَدِ مَا اَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَهُ

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "ہاتھ نے جو کچھ لیا ہے اسے واپس کرنا اس پر لازم ہے"۔

مستعار لی ہوئی چیز کے امانت ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت شریح، حضرت نخعی حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جو چیز مستعار لی جاتی ہے وہ مستعار لینے والے کے پاس بطور امانت ہوتی ہے کہ اگر وہ تلف وضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ دینا واجب نہیں ہوتا ہاں اگر مستعار لینے والا اس چیز کو قصداً ضائع کر دے تو پھر اس پر اس چیز کا بدل واجب ہوتا ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

لیکن حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ حضرت امام شافعی اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ چیز ضائع وتلف ہو جائے تو مستعار لینے اولے پر اس کا بدل یعنی اس چیز کی قیمت ادا کرنا واجب ہوتا ہے اسی لئے ان حضرات کے نزدیک لفظ مضمونۃ جو واپس کردی جائیں گی کے یہ معنی ہیں تلف ہو جانے کی صورت میں ان کا بدل ادا کیا جائے گا۔ (شرح الوقایہ، کتاب عاریت، بیروت)

بَابُ الْوَدِيعَةِ

یہ باب ودیعت کے بیان میں ہے

ودیعت کے شرعی ماخذ کا بیان

(اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۔(النساء ۵۸)

اللہ (عزوجل) حکم فرماتا ہے کہ امانت جس کی ہو اُسے دے دو۔

(وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۔(المؤمنون، ۸)

اور فلاح پانے والے وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہد کی رعایت رکھتے ہیں۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں مذکورہ آیات سے یہ معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے پاس مال کو بطور امانت رکھنا شریعت کے مطابق مباح ہے۔ اور ودیعت امانت ہی کی طرح ہے لہٰذا ودیعت کے شرعی ماخذ کے طور انہی آیات سے استدلال کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی گئی تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

حضرت عروہ بارقی سے روایت ہے کہ نبی کریم نے اپنے واسطے بکری خریدنے کے لیے ایک اشرفی دی انہوں نے آپ کے لیے دو بکریاں خرید لیں پھر ایک بکری ایک اشرفی میں فروخت کردی اور نبی کی خدمت میں ایک بکری اور ایک اشرفی پیش کردی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برکت کی دعا دی۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ کی دعا کا اثر تھا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں بھی ان کو نفع

ہوتا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عروہ بن جعد بارقی نے فرمایا کہ ایک قافلہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک اشرفی دی آگے وہی مضمون ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ (سنن ابن ماجہ)

ایداع ومتعلقات ایداع کے مفہوم کا بیان

دوسرے شخص کو اپنے مال کی حفاظت پر مقرر کردینے کو ایداع کہتے ہیں اور اُس مال کو ودیعت کہتے ہیں جس کو عام طور پر امانت کہا جاتا ہے جس کی چیز ہے اُسے مودِع اور جس کی حفاظت میں دی گئی اُسے مودَع کہتے ہیں ایداع کی دو صورتیں ہیں کبھی صراحۃً کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے یہ چیز تمھاری حفاظت میں دی اور کبھی دلالۃً بھی ایداع ہوتا ہے مثلاً کسی کی کوئی چیز گر گئی اور مالک کی غیر موجودگی میں لے لی یہ چیز لینے والے کی حفاظت میں آ گئی اگر لینے کے بعد اُس نے چھوڑ دی ضامن ہے اور اگر مالک کی موجودگی میں لی ہے ضامن نہیں۔

ودیعت کے حکم کا بیان

ودیعت کا حکم یہ ہے کہ وہ چیز مودَع کے پاس امانت ہوتی ہے اُس کی حفاظت مودَع پر واجب ہوتی ہے اور مالک کے طلب کرنے پر دینا واجب ہوتا ہے۔ ودیعت کا قبول کرنا مستحب ہے۔ ودیعت ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان واجب نہیں۔ (بحرالرائق، کتاب ودیعت، بیروت)

ودیعت سے متعلق شرائط کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ودیعت کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مال اِس قابل ہو جو قبضہ میں آسکے لہٰذا بھاگے ہوئے غلام کے متعلق کہہ دیا میں نے اُس کو ودیعت رکھا یا ہوا میں پرند اُڑ رہا ہے اوس کو ودیعت رکھا ان کا ضمان واجب نہیں۔ یہ بھی شرط ہے کہ جس کے پاس امانت رکھی جائے وہ مکلف ہو تب حفاظت واجب ہوگی اگر بچہ کے پاس کوئی چیز امانت رکھ دی اُس نے ہلاک کردی ضمان واجب نہیں اور غلام مجور کے پاس رکھ دی اس نے ہلاک کردی تو آزاد ہونے کے بعد اُس سے ضمان لیا جاسکتا ہے۔ (درمختار، کتاب ودیعت، بیروت)

ودیعت والی چیز پر تاوان لازم نہ ہونے کا بیان

2401- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ الْجَهْمِ الْأَنْمَاطِيُّ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُوَيْدٍ عَنِ الْمُثَنَّى عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُودِعَ وَدِيعَةً فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ

◄► عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"جس شخص کو ودیعت کے طور پر کوئی چیز دی جائے اس پر تاوان لازم نہیں ہوگا"۔

2401 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ودیعت کا مودَع کے ہاتھ میں امانت ہونے کا بیان

فرمایا کہ مودَع کے ہاتھ میں ودیعت کا مال بطور امانت ہوتا ہے۔اور اگر یہ مال ہلاک ہو جائے تو مودَع اس کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عاریت پر لینے والا جب خیانت کرنے والا نہ ہو تو اس پر ضمان نہیں ہے۔اور اسی طرح جب مودَع بھی خیانت کرنے والا نہ ہو تو اس پر بھی ضمان نہ ہوگا کیونکہ عوام کو امانت رکھنے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔اور اگر ہم مودَع کو ضامن بنادیں لوگ ودیعتوں کو قبول کرنے سے اعراض کرنے لگیں گے اور لوگوں کی ضروریات ختم ہو جائیں گی۔

(ہدایہ، کتاب الودیعت، لاہور)

حضرت عطاء، بن ابی رباح صفوان بن یعلی، اپنے والد یعلی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جب میرے قاصد تمہارے پاس آئیں تو انہیں تیس زرہیں دے دینا اور تیس اونٹ دے دینا۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ عاریۃ مضمونہ ہوں گی، یعنی اس کا ضمان ادا کیا جائے گا یا عاریۃ مؤداہ۔کے طور پر لیں گے آپ نے فرمایا کہ بلکہ مؤداہ کے طور پر یعنی تمہیں واپس مل جائیں گی۔(سنن ابوداؤد)

مودَع کا بہ ذات خود مال کی حفاظت کرنے کا بیان

اور مودَع کے لئے یہ حق حاصل ہے کہ وہ بہ ذات خود اس مال کی حفاظت کرے اور ان لوگوں سے حفاظت کرائے جو اس کی نگرانی میں ہیں اور ظاہر بھی یہی ہے کہ مودَع اپنے مال کی حفاظت کی طرح دوسرے کے مال کی حفاظت بھی کرے۔کیونکہ ودیعت کو اپنے عیال کے ہاں حوالے کرنے کے سوا مودَع کے لئے کوئی ذریعہ نہیں ہے۔کیونکہ اس کے لئے ہمیشہ گھر رہنا ممکن نہیں ہے اور نہ گھر سے باہر مال ودیعت کو رکھنا ممکن ہے۔پس مودِع مودَع کے اہل وعیال سے حفاظت کرانے پر رضامند ہوگا۔لیکن جب مودَع نے اپنے اہل وعیال کے سوا کسی دوسرے کی نگرانی میں مال دیا ہے یا اس نے کسی دوسرے کو بطور ودیعت دیا ہے تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ مال کا مالک اس کے قبضہ پر تو رضامند ہوا ہے لیکن اس کے سوا کے کسی دوسرے کے قبضہ پر رضامند نہیں ہوا ہے جبکہ امانت میں لوگوں کے قبضے مختلف ہوا کرتے ہیں۔کیونکہ کوئی بھی چیز اپنی مثل کو متضمن نہیں ہوا کرتی۔جس طرح وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا۔دوسرے کی حفاظت میں رکھنا بھی امانت ہے ہاں البتہ جب مودَع دوسرے کی محفوظ جگہ کو کرائے پر لے لیتا ہے تو اب وہی حفاظت کرنے والا شمار کیا جائے گا۔

امین پر ضمان کی شرط بیان کرنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امین پر ضمان کی شرط کر دینا کہ اگر یہ چیز ہلاک ہوئی تو تاوان لوں گا یہ باطل ہے۔مودَع کو اختیار ہے کہ خود حفاظت کرے یا اپنی عیال سے حفاظت کرائے جیسے وہ خود اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے کہ ہر وقت اُسے اپنے ساتھ نہیں رکھتا اہل وعیال کے پاس چھوڑ کر باہر جایا کرتا ہے۔عیال سے مُراد وہ ہیں جو اُس کے ساتھ رہتے ہوں حقیقۃً اُس کے ساتھ ہوں یا حکماً لہٰذا اگر سمجھ والے بچہ کو دے دی جو حفاظت پر قادر ہے یا بی بی کو دے دی اور یہ دونوں اُس کے ساتھ نہ ہوں

جب بھی ضمان واجب نہیں ہو یہیں عورت نے خاوند کی حفاظت میں چیز چھوڑ دی ضامن نہیں۔ (درمختار، کتاب ودیعت، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب بی بی اور نابالغ بچہ یا غلام یہ اگر چہ اُس کے ساتھ نہ رہتے ہوں مگر عیال میں شمار ہوں گے فرض کرو یہ شخص ایک محلہ میں رہتا ہے اور اس کی زوجہ دوسرے محلہ میں رہتی ہے اور اُس کو نفقہ بھی نہیں دیتا ہے پھر بھی اگر ودیعت اپنی زوجہ کو سپرد کر دی اور تلف ہو گئی تاوان لازم نہیں ہوگا اور بالغ لڑکا یا ماں باپ جو اس کے ساتھ رہتے ہوں ان کو ودیعت سپرد کر سکتا ہے اور ساتھ نہ رہتے ہوں تو نہیں سپرد کر سکتا کہ تلف ہونے پر ضمان لازم ہوگا۔ زوجہ کا لڑکا دوسرے شوہر سے ہے جبکہ اس کے ساتھ رہتا ہے تو عیال میں ہے اُس کے پاس ودیعت کو چھوڑ سکتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب ودیعت، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو شخص اس کی عیال میں ہے اُس کی حفاظت میں امانت کو اُس وقت رکھ سکتا ہے جب یہ امین ہو اور اگر اس کی خیانت معلوم ہو اور اس کے پاس چھوڑ دی تو تاوان دینا ہوگا۔ اس نے اپنی عیال کی حفاظت میں چھوڑ دی اور وہ اپنے بال بچوں کی حفاظت میں چھوڑے یہ بھی جائز ہے۔ (درمختار، کتاب ودیعت، بیروت)

بَاب الْاَمِيْنِ يَتَّجِرُ فِيْهِ فَيَرْبَحُ

یہ باب ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھوائی گئی ہو وہ اسے تجارت میں استعمال کرے اور اسے فائدہ ہو (تو اس کا حکم کیا ہوگا)

2402- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ شَبِيْبِ بْنِ غَرْقَدَةَ عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ دِيْنَارًا يَشْتَرِىْ لَهٗ شَاةً فَاشْتَرٰى لَهٗ شَاتَيْنِ فَبَاعَ اِحْدَاهُمَا بِدِيْنَارٍ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدِيْنَارٍ وَّشَاةٍ فَدَعَا لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ قَالَ فَكَانَ لَوِ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيْهِ

◆◆ حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دینار دیا تاکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بکری خرید یں' تو انہوں نے دو بکریاں خرید لیں پھر ان دونوں میں سے ایک کو ایک دینار کے عوض میں فروخت کر دیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دینار اور بکری لے کر حاضر ہوئے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے برکت کی دعا کی۔

راوی کہتے ہیں: ان کا یہ عالم تھا اگر وہ مٹی بھی خریدتے تھے' تو انہیں اس میں بھی فائدہ ہوا کرتا تھا۔

2402م- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سَعِيْدٍ الدَّارِمِىُّ حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْخِرِّيْتِ عَنْ اَبِىْ لَبِيْدٍ لِمَازَةَ بْنِ زَبَّارٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ اَبِى الْجَعْدِ الْبَارِقِيِّ قَالَ قَدِمَ جَلَبٌ فَاَعْطَانِى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا فَذَكَرَ نَحْوَهٗ

2402- اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3640' ورقم الحدیث: 3641' ورقم الحدیث: 3642' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3384' ورقم الحدیث 3385' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1258

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔ حضرت عروہ بن ابوجعد بارقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک قافلہ آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک دینار دیا (اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث ذکر کی ہے)

عاریت والی چیز کو منافع کے لئے کرائے پر دینے کا بیان

مستعیر کو عاریت والی چیز عاریت پر دینا جائز ہے اس شرط کے ساتھ کہ استعمال کرنے والے کے استعمال سے وہ چیز بدل نہ جائے۔

جبکہ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کو عاریت پر دینے کا حق نہیں ہے اس لئے کہ یہ منافع کی اباحت ہے۔ جس طرح کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور جس کے لئے کوئی چیز مباح کی جاتی ہے وہ دوسرے کے لئے اباحت کا مالک نہیں ہوتا یہ حکم اس سبب سے ہے کہ منافع ملکیت کے قابل نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ معدوم ہوتا ہے اور ضرورت کی بنا پر ہم نے اس کو اجارہ کے حق میں موجود مانا ہے اور یہاں مباح کرنے سے یہ ضرورت پوری ہو چکی ہے ہم کہتے ہیں کہ عاریت منافع کی تملیک ہے۔ جس طرح کہ ہم بیان کر چکے ہیں لہٰذا مستعیر اعارہ کا مالک ہو گا جس طرح کو اس کو یہ حق ہوتا ہے جس کو بالخدمت وصیت کی جائے تو وہ اپنے خادم کو دوسرے کی خدمت کے لئے دے دیا اور منافع اجارہ میں ملکیت کے قابل ہے لہٰذا حاجت کو دور کرنے کے پیش نظر اعارہ میں بھی منافع مملوک ہونے کے قابل بنائیں گے ہاں وہ چیز جو استعمال کرنے سے بدل جاتی ہے اس کو اعارہ پر دینا جائز نہیں ہے تا کہ معیر سے مزید نقصان کو دور کیا جاسکے اس لئے کہ معیر مستعیر اول کے استعمال سے راضی ہوا ہے اور دوسرے کے استعمال سے راضی نہیں ہوا ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب عاریت مطلق ہو اور اس کی چار قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ اعارہ وقت اور انتفاع دونوں کی قید سے مطلق ہو اور اس قسم میں مستعیر کو یہ حق ہے کہ وہ جب جس وقت جیسے چاہے اس سے انتفاع کرے تا کہ اطلاق پر عمل ہو۔

دوسری قسم یہ ہے کہ عاریت وقت اور انتفاع کی قید سے مقید ہو اور اس صورت میں مستعیر کو معیر کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرنے کا حق نہیں ہے تا کہ تقیید پر عمل ہو جائے مگر یہ کہ وہ مخالفت معیر کی معین کردہ چیز کے ہم مثل ہو یا اس سے اچھی ہو تو اس کی اجازت ہو گی اور ایک گیہوں دوسرے گیہوں کی مثل ہوتا ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ عاریت وقت کے حق میں مقید ہو اور انتفاع کے حق میں مطلق ہو۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ وقت کے حق میں مطلق ہو اور انتفاع کے حق میں مقید ہو ان دونوں صورتوں میں مستعیر کے لئے معیر کے متعین کردہ وقت اور انتفاع سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

جب کسی نے کوئی سواری استعارہ پر لی اور کچھ معین نہیں کیا تو مستعیر کو یہ حق ہے کہ اس پر خود بھی سامان لادے اور اس کو دوسرے کو بھی سامان لادنے کے لئے دے دے اس لئے کہ لادنا متفاوت نہیں ہوتا اس کو یہ بھی حق ہے کہ خود سوار ہو اور دوسرے کو بھی سوار کرائے اگر چہ رکوب الگ الگ ہوتا ہے اس لئے کہ جب مالک نے انتفاع کو مطلق کر رکھا ہے تو مستعیر کو یہ حق ہے کہ وہ اس

کو معین کر دے گی کہ جب وہ خود سوار ہو گیا تو دوسرے کو سوار ہونے کا حق نہیں ہے اور جب دوسرے کو سوار کر دیا تو اس کو خود سوار ہونے کا حق نہیں ہے اور جب اس نے ایسا کیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا اس لئے کہ ارکاب معین ہو چکا ہے۔ (ہدایہ)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب مالک نے مستعیر سے منفعت کے متعلق کہہ دیا ہے کہ اس چیز سے یہ کام لیا جائے یا وقت کی پابندی کر دی ہے کہ اتنے وقت تک یا دونوں باتیں ذکر کر دی ہیں یہ تین صورتیں ہوئیں عاریت میں چوتھی صورت یہ ہے کہ وقت و منفعت دونوں میں کسی بات کی قید نہ ہو اس میں مستعیر کو اختیار ہے کہ جس قسم کا نفع چاہے اور جس وقت میں چاہے لے سکتا ہے کہ یہاں کوئی پابندی نہیں۔ تیسری صورت میں کہ دونوں باتوں میں تقیید ہو یہاں مخالفت نہیں کر سکتا مگر ایسی مخالفت کر سکتا ہے کہ جو کام لیتا ہے اُسی کے مثل ہے جو اس نے کہہ دیا یا اُس چیز کے حق میں اُس سے بہتر ہے۔ مثلاً جانور لیا ہے کہ اس پر یہ دو من گیہوں لاو کر فلاں جگہ پہنچائے گا اور بجائے اُس گیہوں کے دوسرے دو من گیہوں لاد کر اُسی جگہ لے گیا کہ گیہوں، گیہوں دونوں یکساں ہیں یا اس سے کم مسافت پر لے گیا کہ یہ اُس سے آسان ہے یا گیہوں کی دو بوریاں لادنے کو کہا تھا جَو کی دو بوریاں لادیں کہ یہ اُن سے ہلکے ہوتے ہیں۔

پہلی اور دوسری صورت میں مخالفت نہیں کر سکتا مگر ایسی مخالفت کر سکتا ہے کہ جو کہہ دیا ہے اُسی کی مثل ہو یا اُس سے بہتر اور چوتھی صورت میں اُس پر خود سوار ہو سکتا ہے دوسرے کو سوار کر سکتا ہے خود بوجھ لاد سکتا ہے دوسرے کو لادنے کے لیے دے سکتا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ خود سوار ہوا تو دوسرے کو اب نہیں سوار کر سکتا اور دوسرے کو سوار کیا تو خود سوار نہیں ہو سکتا کہ اگرچہ مالک کی طرف سے قید نہ تھی مگر ایک کے کرنے کے بعد وہی متعین ہو گیا دوسرا نہیں کر سکتا۔ اجارہ میں بھی یہی صورتیں اور یہی احکام ہیں اور مخالفت کرنے کی صورت میں اگر وہ مخالفت جائز نہ ہو اور چیز ہلاک ہو جائے تو عاریت و اجارہ دونوں میں ضمان دینا ہوگا۔ (درمختار، کتاب عاریت، بیروت)

عاریت والی چیز کو عاریت پر دینے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عاریت والی چیز کسی کو بطور عاریت دی تو یہ ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اگرچہ معیر نے متعین نہ کیا اور یہی مذہب امام مالک اور ایک دلیل کے مطابق امام شافعی کا ہے۔ کیونکہ وہ منافع کی ملکیت ہے۔ جبکہ امام شافعی کا صحیح مذہب اور امام احمد علیہما الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ عاریت کو کسی دوسرے شخص پر بطور عاریت دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عاریت میں ملکیت منافع صرف اسی کے لئے مباح ہوئے ہیں کسی دوسرے کے لئے مباح نہیں ہوئے۔

(شرح الوقایہ، کتاب عاریت، بیروت)

بَابُ الْحَوَالَةِ

یہ باب حوالہ کے بیان میں ہے

حوالہ کی تعریف کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وہ دین کو محیل کے ذمہ سے محیل علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنا ہے۔
(درمختار شرح تنویر الابصار، کتاب الحوالہ)

حوالہ کے رکن ومفہوم کا بیان

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حوالہ یہ ہے کہ احالہ کو کسی دوسرے کے سپرد کر دیا جائے۔ جو شخص حوالے کرتا ہے اس کو محیل کہتے ہیں اور جس شخص کے ہاں حوالے کیا جائے اس کو محتال علیہ کہتے ہیں۔ اور جس شخص کے لئے حوالہ کیا جائے اس کو محتال لہ کہتے ہیں۔ اور جس چیز کے ساتھ حوالہ کیا جائے اس کو محتال بہ ہے۔ یا جس چیز پر حوالہ واقع ہو اس کو محتال بہ بھی کہتے ہیں۔

حوالہ کا رکن ایجاب وقبول ہے اور اس میں شرط ہے کہ ایجاب محیل کی جانب سے ہو جبکہ قبول محتال علیہ اور محتال لہ دونوں کی جانب سے ہو۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ محیل کہے میں نے فلاں شخص پر اتنے دراہم کا حوالہ کیا اور اس کے قبول میں محتال علیہ اور محتال لہ دونوں یہ کہیں کہ ہم راضی ہوئے یا ایسے الفاظ جن سے رضامندی کا اظہار ہو جائے تو حوالہ ہو جائے گا۔
(بدائع الصنائع، احکام بیوع)

دَین کو اپنے ذمہ سے دوسرے کے ذمہ کی طرف منتقل کر دینے کو حوالہ کہتے ہیں، مدیون کو محیل کہتے ہیں اور دائن کو محتال اور محتال لہ اور محال اور محال لہ اور حویل کہتے ہیں اور جس پر حوالہ کیا گیا اُس کو محتال علیہ اور محال علیہ کہتے ہیں اور مال کو محال بہ کہتے ہیں۔ (درمختار، کتاب حوالہ، ج ۸، ص ۵، بیروت)

حوالہ کے شرعی ماخذ کا بیان

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امانتدار خزانچی بھی خیرات کرنے والوں میں سے ایک ہے جو اپنے دل کی خوشی سے مالک کی دلائی ہوئی رقم پوری پوری دے۔
(صحیح بخاری، جلد اول، رقم الحدیث، 2135)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں ہجرت کے واقعہ میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنی دیل کے ایک شخص کو پھر بنی عبد بن عدی سے ایک راہبر جو راہ بتانے میں بہت ہوشیار تھا مزدوری پر رکھا اس نے عاص بن وائل کے خاندان سے قسم کا معاہدہ کیا تھا اور وہ کفار قریش کے دین پر تھا ان دونوں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کو دونوں نے اپنی اپنی سواریاں دیدیں اور اس کو ہدایت کی کہ تین راتوں کے بعد غار ثور کے پاس لے کر آئے چنانچہ وہ تین راتوں کے بعد صبح کو دونوں

[illegible]
[illegible]

حوالہ کے شرائط کا فقہی بیان

(۱) محیل کا عاقل بالغ ہونا، مجنون یا ناسمجھ بچے نے حوالہ کیا یہ صحیح نہیں اور بالغ سمجھ وال بچہ نے حوالہ کیا یہ اجازت ولی پر موقوف [illegible] مریض [illegible] محتال علیہ [illegible] وصول کر سکتا ہے [illegible] محیل اگر مرض الموت میں [illegible] حوالہ [illegible] محیل کا راضی ہونا بھی شرط نہیں [illegible] مدیون نے خود حوالہ نہیں کیا محتال علیہ نے دائن سے یہ کہا کہ فلاں شخص پر جو تمہارا دین ہے اس کو میں اپنے اوپر حوالہ لیتا ہوں تم اس کو قبول کرو اس نے منظور کیا حوالہ صحیح ہو گیا اس کو دین ادا کرنا ہو گا مگر مدیون سے اس صورت میں وصول نہیں کر سکتا کہ یہ حوالہ اس کے حکم سے نہیں ہوا۔

(۲) محتال کا عاقل بالغ ہونا، مجنون یا ناسمجھ بچے نے حوالہ قبول کیا یہ صحیح نہیں اور نابالغ سمجھ وال نے کیا تو اجازت ولی پر موقوف ہے جب کہ محتال علیہ بنسبت محیل کے زیادہ مالدار ہو۔

(۳) محتال کا راضی ہونا، اگر محتال یعنی دائن کو حوالہ قبول کرنے پر مجبور کیا گیا حوالہ صحیح نہ ہوا۔

(۴) محتال کا اسی مجلس میں قبول کرنا یعنی اگر مدیون نے حوالہ کر دیا اور دائن وہاں موجود نہیں ہے جب اس کو خبر پہنچی اس نے منظور کر لیا یہ حوالہ صحیح نہ ہوا۔ ہاں اگر مجلس حوالہ میں کسی نے اس کی طرف سے قبول کر لیا جب خبر پہنچی اس نے منظور کر لیا یہ حوالہ صحیح ہو گیا۔

(۵) محتال علیہ کا عاقل بالغ ہونا۔ سمجھ وال بچہ نے حوالہ قبول کر لیا جب بھی صحیح نہیں اگرچہ اُسے تجارت کی اجازت ہو اگرچہ اُس کے ولی نے بھی منظور کر لیا ہو۔

(۶) محتال علیہ کا قبول کرنا۔ یہ ضرور نہیں کہ اسی مجلس حوالہ ہی میں اس نے قبول کیا ہو بلکہ اگر وہاں موجود نہیں ہے مگر جب خبر ملی اس نے منظور کر لیا صحیح ہو گیا یہ ضرور نہیں کہ محیل کا اس کے ذمہ دین ہو، ہو یا نہ ہو جب قبول کر لے گا صحیح ہو جائے گا۔

(۷) جس چیز کا حوالہ کیا گیا ہو وہ دین ضروری ہو، عین کا حوالہ یا دین غیر ضروری مثلاً بدلِ کتابت کا حوالہ صحیح نہیں خلاصہ یہ کہ جس دین کی کفالت نہیں ہو سکتی اُس کا حوالہ بھی نہیں ہو سکتا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب حوالہ، بیروت)

قرض میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہونے کا بیان

2403 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّلْمُ مَطْلُ الْغَنِيِّ وَاِذَا اُتْبِعَ اَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيْءٍ فَلْيَتْبَعْ

2403-اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4702

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''ظلم یہ ہے کہ خوشحال آدمی (قرض واپس کرنے کے لیے) ٹال مٹول کرے اور جب کسی شخص کو کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے' تو اسے اس دوسرے کی طرف چلے جانا چاہیے''۔

شرح

اور جب حوالہ مکمل ہو گیا ہے تو محتال علیہ کے قبول کرنے سے محیل قرض سے بری ہو جائے گا۔ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ وہ بری نہ ہوگا انہوں نے اس کا کفالہ پر قیاس کیا ہے۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک عقد کو توثیق کرنے والا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حوالہ کا لغوی معنی یہ ہے منتقل کرنا اور اسی سے حوالہ غراس مشتق ہے یعنی جب کسی سے قرض کے ذمہ سے منتقل ہو جائے۔ تو وہ اس میں باقی نہ رہے گا جبکہ کفالہ ملانے کے لئے ہوتا ہے اور احکام شرعیہ میں لغوی معانی مطابق ہوا کرتے ہیں اور توثیق زیادہ مالدار اور ادا کرنے میں اچھے آدمی کو اختیار کرنے سے حاصل ہوگا اور اگر محیل نے ادا کیا تو محتال لہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ مال ہلاک ہونے کے سبب سے محیل کی طرف مطالبہ کے عود کر آنے کا احتمال ہے پس محیل احسان کرنے والا نہ ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب حوالہ صحیح ہو گیا محیل یعنی مدیون دَین سے بری ہو گیا جب تک دَین کے ہلاک ہونے کی صورت پیدا نہ ہو محیل کو دَین سے کوئی تعلق نہ رہا۔ دائن کو یہ حق نہ رہا کہ اس سے مطالبہ کرے۔ اگر محیل مر جائے محتال اُس کے ترکہ سے دَین وصول نہیں کر سکتا البتہ ورثہ سے کفیل لے سکتا ہے کہ دَین ہلاک ہونے کی صورت میں ترکہ سے دَین وصول ہو سکے۔ دائن محیل کو معاف کرنا چاہے معاف نہیں کر سکتا نہ دَین اُسے ہبہ کر سکتا ہے کہ اُس کے ذمہ دَین ہی نہ رہا۔ مشتری نے بائع کو ثمن کا حوالہ کسی دوسرے پر کر دیا بائع مبیع کو روک نہیں سکتا۔

راہن نے مرتہن کو دوسرے پر حوالہ کر دیا مرتہن رہن کو روکنے کا حقدار نہ رہا یعنی رہن واپس کرنا ہوگا۔ عورت نے مہر معجّل کا مطالبہ کیا تھا شوہر نے حوالہ کر دیا عورت اپنے نفس کو نہیں روک سکتی۔ (فتاویٰ شامی، کتاب حوالہ، بیروت)

2404 - حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ تَوْبَةَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَّاِذَا اُحِلْتَ عَلٰى مَلِيءٍ فَاتْبَعْهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''خوشحال شخص کا (قرض کی واپسی میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے' اور جب تمہیں حوالہ (کے طور پر ضمانت دینے کے لیے کہا جائے) تو تم اسے قبول کرلو''۔

شرح

یعنی اگر آدمی مفلس ہو اور پیسہ پاس نہ ہو تو قرض ادا کرنے میں مجبوری ہے' لیکن پیسہ ہوتے ہوئے لوگوں کا قرض نہ دینا اس

2404 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

میں دیر لگانا گناہ ہے اور قرض خواہ پر ظلم ہے گویا اس کا حق مارنا گناہ ہے، اور اپنے نفس پر بھی ظلم ہے اس واسطے کہ زندگی کا اعتبار نہیں، شاید مر جائے اور قرض خواہ کا قرض رہ جائے، اس لئے جب پیسہ ہو تو فوراً قرض ادا کر دے۔

حوالہ کا قرضوں میں جائز ہونے کا بیان

حوالہ قرضوں میں جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس بندے کا مالدار پر حوالہ کیا جائے تو وہ اس کی اتباع کرے کیونکہ محتال علیہ نے ایسی چیز کو ضروری کیا ہے جس کو حوالے کرنے پر وہ قدرت رکھتا ہے پس کفالہ کی طرح حوالہ بھی درست ہوگا اور حوالہ کو اس سبب سے قرضوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کہ وہ یہ نقل وتحویل میں آنے کی خبر دینے والا ہے اور تحویل قرض میں ہوا کرتی ہے عین میں تحویل نہیں ہوتی۔ (ہدایہ، کتاب الحوالہ، لاہور)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالدار کا (ادائے قرض میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جس شخص کا قرض کسی مالدار کے حوالہ کر دیا جائے تو وہ اس کو قبول کرلے (یعنی اس سے تقاضا کرے۔ (بخاری، رقم الحدیث، ۲۱۶۱)

اور حوالہ جائز ہے مدیون کبھی دَین ادا کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور دائن کا تقاضا ہوتا ہے اس صورت میں دائن کو دوسرے پر حوالہ کر دیتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ مدیون کا دوسرے پر دَین ہے مدیون اپنے دائن کو اُس دوسرے پر حوالہ کر دیتا ہے کیوں کہ دائن کو اُس پر اطمینان ہوتا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ اُس سے بآسانی مجھے وصول ہو جائے گا۔

حوالہ سے رجوع میں فقہی مذاہب اربعہ

حسن اور قتادہ نے کہا کہ جب کسی کی طرف قرض منتقل کیا جارہا تھا تو اگر اس وقت وہ مالدار تھا تو رجوع جائز نہیں حوالہ پورا ہو گیا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اگر ساجھیوں اور وارثوں نے یوں تقسیم کی، کسی نے نقد مال لیا کسی نے قرضہ، پھر کسی کا حصہ ڈوب گیا تو اب وہ دوسرے ساجھی یا وارث سے کچھ نہیں لے سکتا۔ (صحیح بخاری، کتاب حوالات)

یعنی جب محتال لہ نے حوالہ قبول کر لیا، تو اب پھر اس کو محیل سے مواخذہ کرنا اور اس سے اپنے قرض کا تقاضا کرنا درست ہے یا نہیں۔ حوالہ کہتے ہیں قرض کا مقابلہ دوسرے پر کر دینے کو جو قرض دار حوالہ کرے اس کو محیل کہتے ہیں اور جس کے قرض کا حوالہ کیا جائے اس کو محتال لہ اور جس پر حوالہ کیا جائے اس کو محتال علیہ کہتے ہیں۔ درحقیقت حوالہ دین کی بیع ہے بعوض دین کے مگر ضرورت سے جائز رکھا گیا ہے۔

قتادہ اور حسن کے اثروں کو ابن ابی شیبہ اور اثرم نے وصل کیا، اس سے یہ نکلتا ہے کہ اگر محتال علیہ حوالہ ہی کے وقت مفلس تھا تو محتال لہ پھر محیل پر رجوع کر سکتا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ محتال کسی حالت میں حوالہ کے بعد پھر محیل پر رجوع نہیں کر سکتا۔ حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ توی کی صورت میں محتال لہ محیل پر رجوع کر سکتا ہے۔ توی یہ ہے کہ محتال علیہ حوالہ ہی سے منکر ہو جائے اور حلف کھالے اور گواہ نہ ہوں۔ یا افلاس کی حالت میں مر جائے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محتال محیل پر جب رجوع کرا

سکتا ہے کہ محتال علیہ کے مالداری کی شرط ہوئی ہو پھر وہ مفلس نکلے۔ مالکیہ نے کہا اگر محیل نے دھوکہ دیا ہو مثلاً وہ جانتا ہو کہ محتال علیہ دیوالیہ ہے لیکن محتال کو خبر نہ کی اس صورت میں رجوع جائز نہ ہوگا ورنہ نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قرض ادا کرنے میں) مال دار کی طرف سے ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور اگر تم میں سے کسی کا قرض کسی مالدار پر حوالہ دیا جائے تو اسے قبول کرے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث، ۲۲۸۷)

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حوالہ کے لیے محیل اور محتال کی رضامندی کافی ہے۔ محتال علیہ کی رضامندی ضروری نہیں۔ جمہور کا یہی قول ہے اور حنفیہ نے اس کی رضامندی بھی شرط رکھی ہے۔

بَاب الْكَفَالَةِ

یہ باب کفالہ کے بیان میں ہے

کفالت کے لغوی معانی کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اصطلاحِ شرع میں کفالت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص اپنے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ضم کردے یعنی مطالبہ ایک شخص کے ذمہ تھا دوسرے نے بھی مطالبہ اپنے ذمہ لے لیا خواہ وہ مطالبہ نفس کا ہو یا دین یا عین کا۔ جس کا مطالبہ ہے اس کو طالب ومکفول لہ کہتے ہیں اور جس پر مطالبہ ہے وہ اصیل ومکفول عنہ ہے اور جس نے ذمہ داری کی وہ کفیل ہے اور جس چیز کی کفالت کی وہ مکفول بہ ہے۔ (درمختار، کتاب کفالہ، بیروت)

.1 اپنے ذمے کوئی بار یا کام لینا، ذمہ داری وکالت، (عموماً) کفیل ہونا، نان نفقہ، خرچ وغیرہ کا۔ "کارکنوں کی گرفتاری کی صورت میں ان کے متعلقین کی کفالت کے لیے فنڈز نہیں تھے۔ .2 شے مکفولہ یا مرہونہ، جو چیز رہن رکھی جائے، جو شے گروی رکھی جائے نیز تحفظ۔ .3 ایک چیز کو دوسری چیز سے ملا دینا۔ .4 (شرع) ملانا، ذمہ کفیل سے طرف ذمہ اصیل کے مطالبہ میں۔ (نورالہدایہ، .5 ضمانت، زرضمانت، سیکورٹی۔

کفالت کی تعریف کا بیان

علامہ محمد بن محمد بن شہاب المعروف ابن بزار حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کفالہ لغت میں ملانے کو کہتے ہیں اور وہ کبھی مطالبہ میں ہوتا ہے اصل دین میں نہیں ہوتا جیسے مؤکل کے ساتھ وکیل کہ دین مؤکل کے لئے ہے اور مطالبہ وکیل کے لئے ہے۔

(فتاویٰ بزازیہ، کتاب کفالہ)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اصطلاحِ شرع میں کفالت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص اپنے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ضم کردے یعنی مطالبہ ایک شخص کے ذمہ تھا دوسرے نے بھی مطالبہ اپنے ذمہ لے لیا خواہ وہ مطالبہ نفس کا ہو یا دین یا عین کا ہو جس کا مطالبہ ہے اس کو طالب ومکفول لہ کہتے ہیں اور جس پر مطالبہ ہے وہ اصیل ومکفول عنہ ہے اور جس نے ذمہ

داری کی وہ کفیل ہے اور جس چیز کی کفالت کی وہ مکفول بہ ہے۔ (درمختار، کتاب کفالہ)

کفالت دین میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مطالبہ میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے اور قول اول زیادہ صحیح ہے۔ مطالبہ سے مراد عام ہے چاہے حاضر ہو جیسے مدیون پر یا متوقع ہو جیسے ضمان درک وغیرہ میں، ہندیہ میں محیط سرخسی کے حوالے سے ہے کہ اگر کسی نے دوسرے شخص سے کہا جو تم فلاں پر پہنچوں وہ مجھ پر ضروری ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ کفالہ کی سبب وجوب یعنی مبایعت کی طرف اضافت ہے اور وہ کفالہ جس کو مستقبل کے کسی وقت کی طرف منسوب کیا جائے جائز ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں لوگوں کا تعامل جاری ہے اھ، اور اسی میں کافی سے منقول ہے کہ کفالہ کو شروط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے جیسے کہا کہ جو تم فلاں کے ساتھ بیع کرو وہ مجھ پر ضروری ہے اور تیرا جو حق اس پر ثابت ہو وہ مجھ پر ضروری ہے اور جو فلاں نے تجھ سے غصب کیا وہ مجھ پر ضروری ہے۔

کفالت کے حکم کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کفالت کا حکم یہ ہے کہ اصیل کی طرف سے اس نے جس چیز کی کفالت کی ہے اُس کا مطالبہ اس کے ذمہ ضروری ہو گیا یعنی طالب کے لیے حق مطالبہ ثابت ہو گیا وہ جب چاہے اس سے مطالبہ کر سکتا ہے اس کو انکار کی گنجائش نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اس سے مطالبہ اُسی وقت کرے جب اصیل سے مطالبہ نہ کر سکے بلکہ اصیل سے مطالبہ کر سکتا ہو۔ جب بھی کفیل سے مطالبہ کر سکتا ہے۔ اور اصیل سے مطالبہ شروع کر دیا جب بھی کفیل سے مطالبہ کر سکتا ہے۔ ہاں اگر اصیل سے اُس نے اپنا حق وصول کر لیا تو کفالت ختم ہو گئی اب کفیل بری ہو گیا مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ (فتاویٰ شامی، کتاب بیوع، کتاب کفالہ)

حضرت مریم رضی اللہ عنہ کی کفالت کا بیان

جب حضرت مریم نذر میں قبول کر لی گئیں تو مسجد کے مجاورین میں جھگڑا ہوا کہ انہیں کس کی پرورش میں رکھا جائے، آخر قرعہ اندازی کی نوبت آئی۔ سب نے اپنے اپنے قلم جن سے تورات لکھتے تھے چلتے پانی میں چھوڑ دیئے کہ جس کا قلم پانی کے بہاؤ پر نہ بہے بلکہ اُلٹا پھر جائے اسی کو حقدار سمجھیں۔ اس میں بھی قرعہ حضرت زکریا کے نام نکلا اور حق حقدار کو پہنچ گیا۔

حق تعالیٰ نے لڑکے سے بڑھ کر اسے قبول فرمایا۔ بیت المقدس کے مجاورین کے دلوں میں ڈال دیا کہ عام دستور کے خلاف لڑکی کو قبول کر لیں۔ اور ویسے بھی مریم کو قبول صورت بنایا اور اپنے مقبول بندہ زکریا کی کفالت میں دیا اور اپنی بارگاہ میں حسن قبول سے سرفراز کیا۔ جسمانی، روحانی، علمی، اخلاقی ہر حیثیت سے غیر معمولی طور پر بڑھایا جب مجاورین میں اسکی پرورش کے متعلق اختلاف ہوا تو قرعہ انتخاب حضرت زکریا کے نام نکال دیا۔ تاکہ لڑکی اپنی خالہ کی آغوش شفقت میں تربیت پائے اور زکریا کے علم و دینت سے مستفید ہو۔ زکریا علیہ السلام نے پوری مراعاۃ اور جدوجہد کی۔ جب مریم سیانی ہوئیں تو مسجد کے پاس ان کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا۔ مریم دن بھر وہاں عبادت وغیرہ میں مشغول رہتی اور رات اپنی خالہ کے گھر گزارتی۔

اس کمرہ میں حضرت زکریا کے علاوہ سب کا داخلہ ممنوع تھا۔ حضرت مریم علیہ السلام کے لیے سامان خورد ونوش بھی حضرت

زکریا ہی وہاں پہنچایا کرتے تھے۔ پھر بارہا ایسا بھی ہوا کہ حضرت زکریا خوراک دینے کے لیے اس کمرہ میں داخل ہوئے تو حضرت مریم کے پاس پہلے ہی سے سامان خورد ونوش پڑا دیکھا۔ وہ اس بات پر حیران تھے کہ جب میرے بغیر یہاں کوئی داخل نہیں ہوسکتا تو یہ کھانا اسے کون دے جاتا ہے؟ حضرت مریم سے پوچھا تو انہوں نے بلاتکلف کہہ دیا۔ اللہ کے ہاں سے ہی مجھے یہ رزق مل جاتا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی۔ واضح رہے کہ یہ آیت خرق عادت امور پر واضح دلیل ہے۔ انبیاء کے ہاں معجزات اور اولیاء اللہ کے ہاں کرامات کا صدور ہوتا ہی رہتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ ہی کی مشیت وقدرت سے ہوتا ہے۔ اور حضرت زکریا کے لیے حیرت واستعجاب کی باتیں دو تھیں۔ ایک یہ کہ آپ جو سامان خورد ونوش حضرت مریم کے پاس پڑا دیکھتے وہ عموماً بے موسم پھلوں پر مشتمل ہوتا تھا اور دوسرے یہ کہ جب میرے سوا اس کمرہ میں کوئی داخل ہو ہی نہیں سکتا تو یہ پھل اور دوسرا سامان خورد ونوش حضرت مریم کو دے کون جاتا ہے؟ اب جو لوگ خرق عادت امور یا معجزات کے منکر ہیں، انہیں یہاں بھی مشکل پیش آ گئی اور ہمارے زمانے کے ایک مفسر قرآن سرسید تو بڑی آسانی سے ایسی مشکل سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں اور اس طرح کے واقعات کو بلاتکلف خواب کا واقعہ کہہ دیتے ہیں۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں بھی انہوں نے یہی کچھ کیا تھا اور یہاں بھی یہی کچھ کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ خواب ہی واقعہ تھا تو حضرت زکریا کو حیرانی کس بات پر ہوئی تھی جو اس سوال کا موجب بنی کہ (یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا 37)-3 آل عمران: 37) مریم! یہ تجھے کہاں سے یا کیسے مل گیا؟ اور یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ایسے مفسر، مفسر قرآن ہوتے ہیں یا محرف قرآن؟

کفالت کا معنی پرورش ہونے کا بیان

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ یَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓی اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ۔(طٰہٰ،۴۰)

تیری بہن چلی پھر کہا کیا میں تمہیں وہ لوگ بتادوں جو اس بچہ کی پرورش کریں، تو ہم تجھے تیری ماں کے پاس پھیر لائے کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کرے اور تو نے ایک جان کو قتل کیا۔ تو ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور تجھے خوب جانچ لیا، تو تو کئی برس مدین والوں میں رہا پھر تو ایک ٹھہرائے وعدہ پر حاضر ہوا اے موسیٰ۔ (کنز الایمان)

کفالت کا معنی ضمانت ہونے کا بیان

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ۔(ص،۲۳)

بیشک یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی اب یہ کہتا ہے وہ بھی مجھے حوالے کر دے اور بات میں مجھ پر زور ڈالتا ہے۔ یعنی ایک دنبی بھی میری دنبیوں میں شامل کر دے تاکہ میں ہی اس کا بھی ضامن اور کفیل ہو

جائے۔

کفیل کے ضامن ہونے کا بیان

2405 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَّالْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ قَالَا حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنِيْ شُرَحْبِيْلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الزَّعِيْمُ غَارِمٌ وَّالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ

◄► حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:
''کفیل، ضامن ہوگا اور قرض ادا کیا جائے گا''۔

کفالہ کی اقسام کا بیان

کفالہ کی دو اقسام ہیں۔(۱) کفالہ بہ نفس (۲) کفالہ بہ مال۔کفالہ بہ نفس کی جائز ہے اسی کے سبب سے مکفول بہ کو حاضر کرنا ضروری ہے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ کفالہ بہ نفس جائز نہیں ہے کیونکہ کفیل اس چیز کی کفالت کو قبول کرنے والا ہے جس کو سپرد کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔اس لئے کہ مکفول بہ کے نفس اس کو طاقت حاصل نہیں ہے بہ خلاف کفالہ بہ مال کے کیونکہ کفیل کو اپنے مال پر ولایت حاصل ہوتی ہے۔

ہماری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ کفیل ضامن ہے اور یہ ارشاد گرامی کفالہ کی دونوں اقسام کے مشروع ہونے کا فائدہ دینے والا ہے کیونکہ اس طرح کفیل مکفول بہ کو سپرد کرنے کی طاقت رکھنے والا ہے کہ مکفول لہ کو اس کا بتادے اور وہ مکفول بہ اور مکفول لہ کے درمیان تصفیہ کرادے یا پھر اسکے بارے میں قاضی کے مددگاروں سے مدد حاصل کرلے۔اور اسی طرح کفالہ بہ نفس کی تو ضرورت پڑتی ہے اور میں کفالہ کو ثابت کرنے کا معنی بھی پایا جا رہا ہے اور وہ مطالبے میں ذمہ کو ملانا ہے۔

علامہ علی بن سلطان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کفالت یا تو نفس کی ہوتی ہے اور وہ ان لفظوں سے منعقد ہوتی ہے کہ میں اس کے نفس کا کفیل بنا ہوں یا وہ میرے ذمے یا کفالت مال کی ہوتی ہے اور یہ مال مکفول کے مجہول ہونے کے باوجود صحیح ہو جاتی ہے جبکہ دین صحیح ہو مثلا یوں کہے کہ جو تیرا مال فلاں پر ہے یا جو تجھے اس بیع میں حاصل ہوگا میں اس کا ضامن ہوں۔

(شرح الوقایہ فی مسائل الہدایہ، کتاب کفالہ)

کفالہ بہ مال کے جائز ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مال کی کفالت ہمارے نزدیک جائز ہے اگرچہ مال مکفول بہ کی مقدار مجہول ہی کیوں نہ ہو اور یہی مذہب امام مالک، امام احمد علیہما الرحمہ اور قدیمی قول کے مطابق امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے جبکہ ان کا جدید قول مختلف فیہ ہے۔(فتح القدیر، کتاب کفالہ، ج ۱۶، ص ۱۶۳، بیروت)

2406 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّارَوَرْدِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِيْ عَمْرٍو

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا لَزِمَ غَرِيمًا لَهُ بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ اُعْطِيكَهُ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا اُفَارِقُكَ حَتّٰى تَقْضِيَنِي اَوْ تَأْتِيَنِي بِحَمِيلٍ فَجَرَّهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ تَسْتَنْظِرُهُ فَقَالَ شَهْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنَا اَحْمِلُ لَهُ فَجَاءَهُ فِي الْوَقْتِ الَّذِي قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَيْنَ اَصَبْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ مَعْدِنٍ قَالَ لَا خَيْرَ فِيهَا وَقَضَاهَا عَنْهُ

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک شخص نے اپنے مقروض کو دس دینار کے عوض میں پکڑ لیا' تو مقروض نے کہا: میرے پاس تو ایسی کوئی چیز نہیں جو میں تمہیں دیدوں' تو قرض خواہ نے کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم! میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا' جب تک تم مجھے ادائیگی نہیں کرتے' یا پھر کوئی ضمانتی نہیں دیتے' پھر وہ اسے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا: تم اسے کتنی مہلت دیتے ہو؟ اس نے عرض کی: ایک مہینے کی' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''پھر میں اس کی ضمانت دیتا ہوں''۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وقت بیان کیا تھا' اس وقت میں وہ شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم نے یہ چیز کہاں سے لی تھی؟ اس نے جواب دیا: ''ایک معدن میں سے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اس میں بھلائی نہیں ہے'' پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف سے وہ ادائیگی کر دی''۔

2407 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَامِرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ اَبِي قَتَادَةَ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَاِنَّ عَلَيْهِ دَيْنًا فَقَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ اَنَا اَتَكَفَّلُ بِهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْوَفَاءِ قَالَ بِالْوَفَاءِ وَكَانَ الَّذِي عَلَيْهِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ اَوْ تِسْعَةَ عَشَرَ دِرْهَمًا

◄► عبداللہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ ادا کریں' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ ادا کر لو کیونکہ اس کے ذمے قرض ہے (اس لیے میں اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کروں گا) تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اس کا ضامن بنتا ہوں' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پورے کا؟ انہوں نے عرض کی: پورے کا (راوی کہتے ہیں) ان صاحب کے ذمے اٹھارہ یا انیس درہم (قرض تھا)۔

2406 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3328

2407 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1069' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 1959' ورقم الحدیث: 4706

شرح

معلوم ہوا کہ قرض بری بلا ہے، نبی کریم ﷺ نے اس کی وجہ سے صلاۃ جنازہ پڑھنے میں تامل کیا، بعضوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے تنبیہ کے لئے ایسا کیا تا کہ دوسرے لوگ قرض کی ادائیگی کا پورا پورا خیال رکھیں، قرض وہ بلا ہے کہ شہید کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں پر قرض معاف نہیں ہوتا، وہ حقوق العباد ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ امام کو جائز ہے کہ بعض مردوں پر جن سے گناہ سرزد ہوا ہو صلاۃ جنازہ نہ پڑھے، دوسرے لوگوں کو ڈرانے کے لئے، لیکن دوسرے لوگ صلاۃ جنازہ پڑھ لیں، حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے ضمانت درست ہے اگر چہ اس نے قرض کے موافق مال نہ چھوڑا ہو، اکثر اہل علم کا یہی قول ہے اور امام ابو حنیفہ کہتے ہیں: اگر قرض کے موافق اس نے مال نہ چھوڑا ہو تو ضمانت درست نہیں۔

حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا، صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جنازہ کی نماز پڑھ لیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر قرض تو نہیں ہے صحابہ نے کہا کہ نہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر قرض تو نہیں؟ عرض کیا گیا کہ ہاں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں صحابہ نے عرض کیا کہ تین دینار اس نے چھوڑے ہیں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی پھر ایک تیسرا جنازہ لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس پر قرض تو نہیں ہے صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں تین دینار اس پر قرض ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں عرض کیا گیا کہ کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو ابو قتادہ نے جب یہ سنا تو کہا کہ یا رسول اللہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی نماز جنازہ پڑھ لیجئے اس کا قرض میں ادا کر دوں گا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ (بخاری، مشکوۃ المصابیح، جلد سوم: رقم الحدیث، 130)

ہو سکتا ہے کہ تینوں جنازے ایک ہی دن اور ایک ہی مجلس میں لائے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ الگ الگ دن اور الگ الگ مجلس میں یہ جنازے لائے گئے ہوں۔ دوسرے شخص پر جو قرض تھا اس کی مقدار انہیں تین دینار کے برابر رہی ہو گی جو وہ چھوڑ کر مرا تھا اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس شخص پر جتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے بقدر اثاثہ چھوڑ کر مرا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی۔

میت کی جانب سے کفالت سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

تیسرا چونکہ اپنے قرض کی ادائیگی کے بقدر مال چھوڑ کر نہیں مرا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا اس انکار کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اس سے لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ قرض سے پرہیز کریں اور اگر بدرجہ مجبوری قرض لیں تو اس کی ادائیگی میں تاخیر و تقصیر سے باز رہیں یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنا اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ میں اس کے لئے دعا کروں اور دعا قبول نہ ہو کیونکہ اس پر لوگوں کا حق تھا جس سے بری الذمہ ہوئے بغیر وہ مر گیا تھا۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ میت کی طرف سے ضامن ہونا جائز ہے خواہ میت نے ادائیگی قرض کے لئے مال چھوڑا ہو یا نہ

چھوڑا ہو چنانچہ حضرت امام شافعی اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے بخلاف حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

بعض حنفی علماء کہتے ہیں کہ حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد نے اس حدیث سے اس بات کا استدلال کیا ہے کہ اس میت کی طرف سے کفالت جائز ہے جس نے کچھ بھی مال نہ چھوڑا ہو اور اس پر قرض ہو یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر میت کی طرف سے کفالت جائز نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تیسرے جنازہ کی نماز نہ پڑھتے۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مفلس میت کی طرف سے کفالت صحیح نہیں ہے کیونکہ مفلس میت کی طرف سے کفالت دراصل دین ساقط کی کفالت ہے اور یہ بالکل صاف مسئلہ ہے کہ دین ساقط کی کفالت باطل ہے۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت ابوقتادہ نے میت کی طرف سے اس کے قرض کی کفالت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوقتادہ کی کفالت کو تسلیم کر کے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے صرف یہی ثابت نہیں ہوتا کہ ابوقتادہ نے اس شخص کی زندگی ہی میں اس کی طرف سے کفالت کر لی ہو گی اس موقع پر تو انہوں نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا اقرار و اظہار کیا کہ میں اس کی کفالت پہلے ہی کر چکا ہوں اب میں اس کے قرض کا ذمہ دار ہوں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس اقرار و اظہار پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابوقتادہ نے اس وقت میت کی طرف سے کفالت کی نہیں تھی بلکہ از راہ احسان و تبرع یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں گا۔

بَاب مَنِ ادَّانَ دَيْنًا وَّهُوَ يَنْوِي قَضَائَهُ

یہ باب ہے کہ جو شخص قرض لے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اسے ادا کرے گا

2408- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ عَمْرِو بْنِ هِنْدٍ عَنِ ابْنِ حُذَيْفَةَ هُوَ عِمْرَانُ عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ مَيْمُوْنَةَ قَالَ كَانَتْ تَدَّانُ دَيْنًا فَقَالَ لَهَا بَعْضُ اَهْلِهَا لَا تَفْعَلِيْ وَاَنْكَرَ ذٰلِكَ عَلَيْهَا قَالَتْ بَلٰى اِنِّيْ سَمِعْتُ نَبِيِّيْ وَخَلِيْلِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّدَّانُ دَيْنًا يَعْلَمُ اللّٰهُ مِنْهُ اَنَّهٗ يُرِيْدُ اَدَائَهٗ اِلَّا اَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الدُّنْيَا

◄► اُم المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات منقول ہے وہ قرض لیا کرتی تھیں ان کے خاندان کے کسی فرد نے ان سے کہا آپ ایسا نہ کیا کریں اس شخص نے ان کے اس طرز عمل کو پسند نہیں کیا' تو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں ایسا ضرور کروں گی کیونکہ میں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خلیل (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے' جو شخص کوئی قرض لیتا ہے اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہو کہ وہ اسے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے' تو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اس کی طرف سے وہ ادا کروا دیتا ہے۔

2409- حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ فُدَيْكٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ سُفْيَانَ مَوْلَى الْاَسْلَمِيِّيْنَ عَنْ

2408 ،خرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4700 2409: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

جعفر بن محمد عن أبيه عن عبد الله بن جعفر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كان الله مع الدائن حتى يقضي دينه ما لم يكن فيما يكره الله قال فكان عبد الله بن جعفر يقول لخازنه اذهب فخذ لي بدين فإني أكره أن أبيت ليلة إلا والله معي بعد الذي سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم

⬥⬥ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ قرض لینے والے شخص کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ اس قرض کو ادا نہیں کر دیتا بشرطیکہ وہ کسی چیز کے بارے میں نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو"۔

راوی کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اپنے خادم سے یہ کہا کرتے تھے جاؤ اور میرے لیے قرض لے کر آؤ کیونکہ جب سے میں نے نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ بات سنی ہے میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں کوئی ایسی رات بسر کروں جس میں اللہ تعالیٰ میرے ساتھ نہ ہو۔

شرح

اس باب کی حدیث میں قرض لینے کی فضیلت مذکور ہے، اور مراد اس قرض سے وہ ہے جو اپنے یا اپنے بچوں یا رشتہ داروں کے ضروری اخراجات کے لئے لیا جائے، یا اللہ کی راہ میں فقراء و مساکین، طالب علموں اور مسافروں کو کھلانے کے لئے ہو، جو شخص ایسی باتوں میں مقروض ہو جاتا ہے اور اس کی نیت ادا کرنے کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد ضرور کرتا ہے اور اس کا قرض ادا کرا دیتا ہے، اور بغیر ضرورت کے قرض لینا کسی طرح جائز نہیں، اور ہمیشہ اللہ والے اور نیک لوگ قرض سے ڈرتے رہے اور اس سے پناہ مانگتے رہے، اور سب سے برا قرض وہ ہے جو ہمارے زمانے میں لوگ لیتے ہیں جس میں سود دیتے ہیں اور حرام میں مبتلا ہوتے ہیں۔

قرض کی ادائیگی کا ایمان افروز واقعہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ ایک واقعہ نقل فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی نے دوسرے سے ایک ہزار دینار قرض طلب کیا تو دوسرے آدمی نے اس سے کہا کہ کوئی گواہ لاؤ، تاکہ اس پر گواہ بناؤں۔ تو اس آدمی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے۔ تو دوسرے نے کہا کہ چلو کفیل لاؤ۔ تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کافی ہے بطور کفیل تو اس دوسرے آدمی نے کہا کہ تو نے سچ کہا اور ایک ہزار دینار اس کو دے دیے، چناں چہ وہ قرض لے کر سمندری سفر پر چلا گیا اور اس نے اپنی ضرورت پوری کی پھر واپسی کے لیے کشتی کو تلاش کرنا شروع کیا، تاکہ واپس آ کر قرض اتار دے، اس لیے کہ جس دن قرض واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا، وہ آ گیا تھا، قرض دینے والے کے پاس جانے کے لیے اس نے کشتی تلاش کی، لیکن اس کو کشتی نہیں ملی، لہٰذا اس نے ایک موٹی لکڑی لی اور اس کو اندر سے کھوکھلا کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ کر اس کو بند کر دیا اور ایک خط بھی لکھ کر اس میں رکھ دیا، جو دائن (قرض دینے والے کے نام لکھا تھا) اور اس لکڑی کو لے کر سمندر کے پاس آیا، پھر کہا کہ اے اللہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے فلاں سے ایک ہزار دینار قرض طلب کیا تھا تو اس نے مجھ سے کفیل مانگا تھا اور میں نے

کہا تھا کہ اللہ بطور کفیل کافی ہے تو وہ اس پر راضی ہو گیا، پھر مجھ سے گواہ مانگا تو میں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے۔ تو وہ اس پر بھی راضی ہو گیا اور اب میں نے بہت کوشش کی کشتی ڈھونڈنے کی، تاکہ میں اس کا قرض ادا کر دوں۔

لیکن میں نے کشتی نہیں پائی، لہٰذا میں آپ کے سپرد کرتا ہوں اور اس کو سمندر میں پھینک دیا اور وہ لکڑی سمندر میں چلی گئی، پھر وہ وہاں سے لوٹا اور کشتی کی تلاش میں رہا جو اس شہر کی طرف جائے۔ دوسری جانب وہ قرض دینے والا سمندر کی طرف نکلا، یہ دیکھنے کے لیے کہ شاید آج اس کا مقروض قرض لے کر آ جائے (اس نے مقروض کو نہیں پایا)، لیکن ایک لکڑی دیکھی تو سوچا کہ چلو جلانے کے کام آ جائے گی، جب اس لکڑی کو توڑا تو اس میں سے ایک ہزار دینار اور خط نکلا، پھر وہ آدمی جس نے اس سے قرض لیا تھا، وہ قرض لے کر آ گیا اور معذرت کرنے لگا کہ اس دن میں نے بہت کشتی تلاش کی، لیکن مجھے کشتی نہیں ملی تو اس دوسرے آدمی نے پوچھا کہ کیا تو نے میری طرف کوئی چیز بھیجی ہے؟ تو اس آدمی نے کہا کہ میں آپ کو بتا نہیں رہا کہ میں نے کشتی نہیں پائی کہ میں آپ تک قرض پہنچا دیتا تو دوسرے آدمی نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تیری طرف سے ادا کر دیا جو تو نے لکڑی میں بھیجا تھا لہٰذا مجھے اپنا قرض مل گیا اور یہ ہزار دینار تو واپس لے جا۔ (فتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد، کتاب القرض)

بَاب مَنِ ادَّانَ دَيْنًا لَمْ يَنْوِ قَضَائَهُ

یہ باب ہے کہ جو شخص کچھ قرض لے اور اس کی نیت اسے ادا کرنے کی نہ ہو

2410- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَيْفِيِّ بْنِ صُهَيْبِ الْخَيْرِ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ زِيَادِ بْنِ صَيْفِيِّ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ شُعَيْبِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا صُهَيْبُ الْخَيْرِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ يَدِينُ دَيْنًا وَهُوَ مُجْمِعٌ أَنْ لَا يُوَفِّيَهُ إِيَّاهُ لَقِيَ اللَّهَ سَارِقًا

◈ حضرت صہیب الخیر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''جو بھی شخص کوئی چیز قرض لیتا ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے وہ اسے ادا نہیں کرے گا' تو وہ چور کے طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گا''۔

2410م- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

◈ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

2411- حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ مَوْلَى ابْنِ مُطِيعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ

2410 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔ 2410م: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2411: اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2387

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "جو شخص لوگوں کا مال ضائع کرنے کے لیے اسے حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضائع کر دیتا ہے"۔

بَاب التَّشْدِيْدِ فِي الدَّيْنِ

یہ باب قرض کے بارے میں سختی کرنے کے بیان میں ہے

قرض سے فارغ ہونے والے کی روح کا بیان

2412 - حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَالِمِ ابْنِ اَبِي الْجَعْدِ عَنْ مَعْدَانَ بْنِ اَبِي طَلْحَةَ عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ مَنْ فَارَقَ الرُّوْحُ الْجَسَدَ وَهُوَ بَرِیْءٌ مِنْ ثَلَاثٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ مِنَ الْكِبْرِ وَالْغُلُوْلِ وَالدَّيْنِ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "جس کی روح جسم سے اس حالت میں جدا ہو کہ وہ تین چیزوں سے بری الذمہ ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ تکبر، خیانت اور قرض"۔

شرح

حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرض دار اپنے قرض کی وجہ سے محبوس کر دیا جائے گا (یعنی جنت میں داخل ہونے اور بندگان صالح کی صحبت میں پہنچنے سے روک دیا جائے گا) چنانچہ وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت کرے گا۔ (شرح السنہ)

منقول ہے کہ حضرت معاذ بن جبل قرض لیا کرتے تھے ایک مرتبہ ان کے قرض خواہ اپنے قرض کی وصولی کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کا سارا مال واسباب ان کے قرض کی ادائیگی کے لئے بیچ ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاذ مفلس ہو گئے یہ حدیث مرسل ہے اور یہ الفاظ مصابیح کے نقل کردہ ہیں مشکوۃ کے مؤلف کہتے ہیں کہ) مجھے یہ روایت اصول یعنی صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں ملی ہے البتہ یہ روایت منتقی میں ملی ہے اور وہ بھی اس طرح ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن مالک کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل ایک سخی جوان تھا اور اپنی سخاوت کی وجہ سے کوئی مال واسباب اپنے پاس نہیں رکھتے تھے (کیونکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ سب دوسروں کو دیدیا کرتے تھے) اسی وجہ سے وہ ہمیشہ قرض لیتے رہتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنا مال واسباب قرض کی نذر کر دیا۔ پھر وہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات کی خواہش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قرض خواہوں سے سفارش کر دیں کہ وہ سارا قرض یا قرض کا کچھ حصہ معاف کر دیں) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قرض خواہوں سے اس سلسلے میں گفتگو کی مگر انہوں نے کچھ بھی معاف نہیں کیا۔

اور اگر وہ کسی کا قرض معاف کر سکتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے معاذ کا قرض ضرور معاف کر دیتے (لہذا جب

2412 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1573

انہوں نے معاف کرنے سے صاف انکار کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قرض خواہوں کے مطالبات پورے کرنے کے لئے معاذ کا سارا مال واسباب بیچ دیا یہاں تک کہ اس کی وجہ سے معاذ مفلس ہو گئے سعید نے اس روایت کو اپنی سنن میں بطریق ارسال نقل کیا ہے (شرح السنہ، مشکوۃ المصابیح، جلد سوم: رقم الحدیث 136)

اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت کرے گا کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شخص کو نہ تو جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی اور نہ نیک بخت لوگوں کی صحبت میں اسے جانے دیا جائے گا اور اس طرح جب وہ یہ دیکھے گا کہ تمام ہی نیک بخت لوگ تو جنت میں جا رہے ہیں اور میں ایسا بد بخت ہوں کہ ان کی رفاقت وصحبت کی سعادت سے بھی محروم ہوں نیز اسے کوئی ایسا سفارشی بھی نظر نہیں آئیگا جو اسے اس قید تنہائی سے نجات دلائے تو وہ اپنی تنہائی اور اس قید کی وحشت سے مضطرب ہو کر بارگاہ الہی میں شکوہ کرے گا چنانچہ جب تک وہ قرض کی وجہ سے چھٹکارا نہ پا جائے گا بایں طور کہ یا تو وہ اس قرض کے عوض میں اپنی نیکیاں قرض خواہوں کو دے دے یا قرض خواہوں کے گناہوں کو ان کے قرض کے عوض اپنے اوپر لا دلے یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے قرض خواہوں کو راضی کر دے اور وہ اپنا حق معاف کر دیں اس وقت تک وہ اسی تنہائی میں رہے گا گویا یہ تنہائی بھی اس کے لئے ایک عذاب کے درجے کی چیز ہو گی جس سے وہ سخت رنج واذیت محسوس کریگا۔ ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ قرض دار اپنے قرض کی وجہ سے اپنی قبر میں قید کیا جائے گا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی قید تنہائی کا شکوہ کریگا۔

2413 - حَدَّثَنَا اَبُوْ مَرْوَانَ الْعُثْمَانِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ

◄► حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "مومن کی جان اپنے قرض کے عوض میں لٹکی رہتی ہے یہاں تک کہ اسے اس کی طرف سے ادا کر دیا جائے"۔

شرح

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ جو قرض اپنی ادائیگی کے وقت تک مومن کی روح کو جنت اور بندگان صالح کی جماعت میں داخل ہونے سے روکتا ہے وہ قرض وہ ہے جو بلا ضرورت واقعی مال وزر کی صورت میں کسی سے لیا گیا ہو اور وہ مال وزر واہیات اور فضول کاموں میں خرچ کیا گیا ہو اور اسے اسراف کے طور پر لٹایا گیا ہو ہاں جس شخص نے اپنی واقعی ضرورت کے لئے مثلاً حقوق واجبہ کی تکمیل یا کسی کے مالی مطالبہ کی ادائیگی کے بقدر ضرورت روپیہ یا مال قرض لیا ہو۔

اور پھر قرض دار اس کو ادا کرنے سے پہلے مر گیا ہو تو ایسا قرض اس کو جنت اور بندگان صالح کی جماعت میں داخل ہونے سے ان شاء اللہ نہیں روکے گا مگر ایسے قرض کے بارے میں سلطان وقت یعنی حاکم (یا قرضدار کے متعلقین میں مستطیع لوگوں) کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ اس کا قرض ادا کر دیں اور اگر کوئی بھی اس کا قرض ادا نہیں کرے گا تو پر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں قرض خواہوں کو راضی کر دے گا تا کہ وہ اس قرض دار سے آخرت میں کوئی مطالبہ نہ کریں۔

2413: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1079

2414- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ ثَعْلَبَةَ بْنِ سَوَاءٍ حَدَّثَنَا عَمِّي مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ مَطَرٍ الْوَرَّاقِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دِينَارٌ اَوْ دِرْهَمٌ قُضِيَ مِنْ حَسَنَاتِهِ لَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے ایک دینار یا ایک درہم کی ادائیگی ہو' تو اسے اس شخص کی نیکیوں میں سے ادا کیا جائے گا' کیونکہ وہاں دینار اور درہم تو نہیں ہوں گے''۔

شرح

حضرت ابوموسیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبیرہ گناہ کہ جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے اللہ کے نزدیک ان کے بعد عظیم ترین گناہ کہ جس کا مرتکب ہو کر بندہ اللہ سے ملے یہ ہے کہ کوئی شخص اس حالت میں مرے کہ اس پر قرض کا بوجھ ہو اور اس نے اپنے پیچھے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے۔ (احمد ابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 140)

بالکل مفلسی کی حالت میں قرض کا بوجھ لے کر مرنے کے گناہ کو گناہ کبیرہ کے بعد کا درجہ اس لئے دیا گیا ہے کہ گناہ کبیرہ تو بذات خود ممنوع ہے لیکن قرض لینا بذات خود ممنوع نہیں ہے کہ وہ گناہ کبیرہ ہو بلکہ بعض احادیث میں تو (اپنی واقعی ضروریات کی تکمیل کے لئے) قرض لینے کو مستحب کہا گیا ہے چنانچہ بعض مواقع پر قرض کی جو ممانعت منقول ہے وہ اس عارض کی بناء پر ہے کہ بسا اوقات قرض لینے میں لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں یعنی قرض لینے والا جب قرض کی ادائیگی نہیں کرتا تو قرض خواہ کا مال بلا وجہ ضائع ہو جاتا ہے اس صورت میں قرض لینا گناہ بن جاتا ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں منقول گناہ کبیرہ کی اگر یہ وضاحت کر دی جائے کہ ایسے گناہ کبیرہ جو مشہور ہیں جیسے شرک اور زنا وغیرہما تو مطلب یہ ہوگا کہ بالکل مفلسی کی حالت میں قرض دار مرنے کے گناہ کا درجہ مشہور کبیرہ گناہ جیسے شرک وغیرہ کے بعد ہے اس صورت میں یہ بھی مشہور کبیرہ گناہوں کے علاوہ دوسرے کبیرہ گناہوں کے زمرہ میں آ جائے گا۔

بَاب مَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيَاعًا فَعَلَى اللّٰهِ وَعَلٰى رَسُوْلِه

یہ باب ہے کہ جو شخص قرض چھوڑ کر جائے یا بال بچے چھوڑ کر جائے تو ان کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے

2415- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ

2414 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2415 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4133' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 1962

شِهَابٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا تُوُفِّیَ الْمُؤْمِنُ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَسْاَلُ هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهٖ مِنْ قَضَاءٍ فَاِنْ قَالُوْا نَعَمْ صَلّٰى عَلَيْهِ وَاِنْ قَالُوْا لَا قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفُتُوْحَ قَالَ اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّیَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَعَلَیَّ قَضَاؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهٖ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں جب کوئی مومن انتقال کر جاتا اور اس کے ذمے قرض ہوتا' تو نبی اکرم ﷺ دریافت کرتے تھے کیا اس نے ادائیگی کے لیے کوئی ترکہ چھوڑا ہے؟ اگر لوگ جواب دیتے: جی ہاں! تو نبی اکرم ﷺ اس کی نماز جنازہ ادا کر دیتے تھے' اگر لوگ جواب دیتے: جی نہیں! تو نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے اپنے ساتھی کی نماز جنازہ ادا کرلو جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فتوحات نصیب کیں' تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں مومنین کے نزدیک ان کی جان سے زیادہ قریب ہوں' جو شخص فوت ہو اور اس کے ذمے قرض ہو' تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہوگی اور جو شخص مال چھوڑ کر جائے گا' وہ اس کے ورثاء کو ملے گا۔

2416 - حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيَاعًا فَعَلَیَّ وَاِلَیَّ وَاَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ

◆◆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص مال چھوڑ کر جائے گا وہ اس کے ورثاء کو ملے گا اور جو شخص قرض یا بال بچے چھوڑ کر جائے گا' تو ان کی ذمہ داری میری ہوگی' کیونکہ میں مومنین کے بارے میں سب سے زیادہ حقدار ہوں''۔

شرح

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۔(الاحزاب،۶)

یہ نبی (مکرم) مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب اور حق دار ہیں اور آپ کی ازواج (مطہرات) ان کی مائیں ہیں، اور خونی رشتہ دار اللہ کی کتاب میں (دیگر) مومنین اور مہاجرین کی نسبت (تقسیم وراثت میں) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں سوائے اس کے کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو، یہ حکم کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے۔

۱- البخاری وابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کوئی مومن نہیں ہے مگر میں دنیا آخرت میں تمام لوگوں سے میں اس کا زیادہ قریب ہوں۔ اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ کر آیت

2416- اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2954

النبی اولی بالمومنین من انفسھم سو جس مومن نے مال چھوڑا اس کا خفیہ دوست ہو یا اس نے قرض چھوڑا جس میں کسی کا نقصان نہیں تھا۔ تو اس کو چاہیے کہ میرے پاس آ جائے میں اس کا مولی ہوں۔

نبی کریم ﷺ کا امت سے محبت وشفقت

۲- الطیالسی وابن مردویہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب کوئی مومن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں فوت ہو جاتا تھا اس کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے آتے آپ پوچھتے کہ اس نے مال چھوڑا ہے جو اس کے قرض کو کافی ہو اگر لوگ بتاتے یہ مال نہیں چھوڑا ہے تو آپ فرماتے تم اپنے ساتھی پر نماز پڑھو۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہم پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے تو آپ نے فرمایا میں مومنین کے ان کی ذاتوں سے زیادہ قریب ہوں جس نے قرض چھوڑا تو میرے ذمہ ہے اور جو کوہ مال چھوڑ گیا تو وہ اس کے وارث کا ہیں۔

۳- احمد وابوداؤد وابن مردویہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا کرتے تھے میں ہر مومن کے ساتھ اس کی جان سے بھی زیادہ اس کا قریبی ہوں جو آدمی مر گیا اور قرضہ چھوڑ گیا تو وہ میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑ گیا تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔

۴- ابن ابی شیبہ واحمد والنسائی نے بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن کے غزوہ میں شریک ہوا میں نے ان سے کچھ زیادتی دیکھی جب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا تو میں علی کا ذکر کرتے ہوئے ان کے شان میں تنقید کی میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرہ مبارک کو متغیر دیکھا اور فرمایا اے بریدہ کیا میں ایمان والوں پر ان کی ذاتوں سے زیادہ حقدار نہیں ہوں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا میں جس کا دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے۔

۵- ابن جریر وابن ابی حاتم نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ آیت وازواجہ امھتھم کہ ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اس وجہ سے ان کے حق کو عظیم جانو۔

ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں

۶- ابن ابی حاتم نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ آیت وازواجہ امھتھم سے مراد ہے کہ ازواج مطہرات حرمت کے لحاظ سے ان کی مائیں ہیں کسی مومن کے لیے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویوں میں سے کسی سے نکاح کرے ان کی زندگی میں اگر وہ طلاق دے دیں اور نہ ان کی موت کے بعد ان سے کر سکتا ہے یہ ازواج مطہرات مومنوں پر اس طرح حرام ہیں جس طرح ان کی مائیں حرام ہیں۔

۷- ابن سعد وابن المنذر والبیہقی نے اپنی سنن میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ایک عورت نے ان سے کہا اے میری ماں تو انہوں نے فرمایا میں تمہارے مردوں کی ماں ہوں اور تمہاری عورتوں کی ماں نہیں ہوں۔

۸۔ابن سعد نے ام سلمہ (رض) سے روایت کیا کہ میں تم میں سے مردوں اور عورتوں کی ماں ہوں۔

۹۔عبدالرزاق نے وسعد بن منصور واسحٰق بن راہویہ وابن المنذر روالبیہقی نے بجالہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک لڑکے کے پاس سے گزرے اور وہ مصحف (یعنی قرآن مجید) سے پڑھ رہا تھا۔آیت النبی اولی بالمومنین من انفسہم وازواجہ امہتہم عمر نے فرمایا اے لڑکے وہو اب لہم کو مٹادے۔اس نے کہا کہ یہ ابی کا مصحف ہے حضرت عمران کے پاس تشریف لے گئے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے قرآن غافل کرتا تھا اور آپ کو بازار میں تالیاں غافل کرتی ہیں۔

۱۰-الفریابی وابن مردویہ والحاکم والبیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ اس آتی کو یوں پڑھتے تھے آتی النبی اولی بالمونین من انفسھم وازواجہ امہتھم یہ نبی مومنوں کے ساتھ خوف ان کے نفسوں سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اوران کے باپ ہیں اور نبی کی ہویا مومنوں کی باتیں ہیں۔

۱۱-الفریابی وابن ابی شیبہ وابن جریر وابن المنذر روابن ابی حاتم نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ وہ اس کو اس طرح پڑھتے تھے آیت النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امہتھم

۱۲-ابن ابی حاتم نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ پہلی قراءت میں یوں تھا آیت النبی اولی بالمومنین من انفسھم وھو اب لھم۔

۱۳-ابن جریر نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ پہلی قراءت میں یوں تھا آیت النبی اولی بالمومنین من انفسھم وھو اب لھم۔

۱۴-ابن جریر نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ آیت واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المومنین والمھجرین اور اللہ کی کتاب میں دوسرے مومنوں اور مہاجروں کی بہ نسبت رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں یعنی مسلمان ایک زمانے میں اس حال میں رہے کہ وہ ہجرت کے ذریعے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔جبکہ اعرابی مسلمان کسی مہاجر کا وارث نہ بنتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملادیا تو میراث کی وجہ سے جاری ہوگئی۔(تفسیر در منثور، سورہ احزاب، بیروت)

بَاب اِنْظَارِ الْمُعْسِرِ

یہ باب تنگ دست شخص کو مہلت دینے کے بیان میں ہے

مقروض کو مہلت دینے کا بیان

2417- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَّسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

2417-اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "جو شخص تنگ دست کو مہلت دیتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اسے آسانی فراہم کرتا ہے"۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص تھا جو لوگوں سے قرض لین دین کا معاملہ کرتا تھا (یعنی لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا) اور اس نے اپنے کارندے سے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب کسی تنگدست کے پاس (قرض وصول کرنے جاؤ) تو اس سے درگذر کرو شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگذر فرمائے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (یعنی اس کا انتقال ہو) تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگذر فرمایا (اور اس کے گناہوں پر مؤاخذہ نہیں کیا)۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ مفلس و تنگدست سے اپنا قرض وصول کرنے میں تاخیر کرے یا اس کو معاف کردے (یعنی اپنا پورا قرض یا جس قدر ممکن ہو معاف کردے۔

یوں تو فرض اعمال نفل اعمال سے ستر درجے زیادہ فضیلت کے حامل ہیں لیکن بعض مسائل و معاملات میں نفل اعمال فرض اعمال سے زیادہ فضیلت کے رکھتے ہیں انہیں میں سے ایک تو تنگدست و مفلس کو اپنا حق (مثلاً قرض وغیرہ) معاف کردینا ہے کہ یہ اگرچہ مستحب ہے لیکن مفلس و تنگدست کو قرض وغیرہ ادا کرنے میں مہلت دینے سے افضل ہے جو واجب ہے دوسرے سلام کرنے میں پہل کرنا سنت ہے لیکن یہ افضل ہے سلام کا جواب دینے سے جو فرض ہے تیسرے وقت سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے لیکن یہ افضل ہے وقت شروع ہوجانے کے بعد وضو کرنے سے جو فرض ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو شخص اپنا مطالبہ وصول کرنے میں مفلس کو مہلت دے یا اس کو اپنا پورا مطالبہ یا اس کا کچھ حصہ معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات دے گا۔

(مسلم، مشکوۃ المصابیح جلد سوم، رقم الحدیث، 125)

امام احمد، ابن ماجہ اور حاکم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جو شخص مفلس و تنگدست کو مہلت دے تو ادائیگی کا دن آنے تک اس کو ہر دن کے بدلے اس کے قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے اور وہ پھر اسے مہلت دے دے اور اس کی ادائیگی کا دن آنے تک ہر دن کے بدلے اس کے قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے اور وہ پھر اسے مہلت دے دے تو اس کو ہر دن کے بدلے اس کے قرض کی دگنی مقدار کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ اس روایت کو تمثیلی طور پر یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی کو دو مہینے کے وعدے پر ایک سو روپے قرض دیئے اور دو مہینے کے بعد اس کی مفلسی و تنگدستی کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک مہینے کی مہلت دیدی تو اسے پورے مہینے اس طرح کا ثواب ملتا رہے گا کہ گویا وہ ہر دن ایک سو روپیہ صدقہ و خیرات کرتا ہے اسی طرح ایک مہینے کی مدت گزر جانے کے بعد دوبارہ مہلت دینے میں ایسا ہی ثواب ملتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب تیسری مرتبہ مہلت دے گا تو اسے ہر دن ایسا ثواب ملے گا جیسے کہ وہ ہر دن دو سو روپے صدقہ

ذخیرات کرتا ہے۔

2418- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِىْ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ نُفَيْعٍ اَبِىْ دَاوٗدَ عَنْ بُرَيْدَةَ الْاَسْلَمِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا كَانَ لَهٗ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ وَّمَنْ اَنْظَرَهٗ بَعْدَ حِلِّهٖ كَانَ لَهٗ مِثْلُهٗ فِىْ كُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ

◆◆ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''جو شخص تنگ دست شخص کو مہلت دیتا ہے اسے ہر ایک دن کے عوض میں صدقے کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص متعین مدت گزر جانے کے بعد اسے مہلت دیتا ہے' تو اسے بھی اس کی مانند روزانہ صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے''۔

2419- حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِيُّ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ اَبِى الْيَسَرِ صَاحِبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّظِلَّهُ اللّٰهُ فِىْ ظِلِّهٖ فَلْيُنْظِرْ مُعْسِرًا اَوْ لِيَضَعْ لَهٗ

◆◆ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ' جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں' وہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت کا خاص سایہ نصیب کرے تو وہ تنگدست شخص کو مہلت دے یا پھر معاف کر دے۔

2420- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَامِرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ يُّحَدِّثُ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا مَاتَ فَقِيْلَ لَهٗ مَا عَمِلْتَ فَاِمَّا ذَكَرَ اَوْ ذُكِّرَ قَالَ اِنِّىْ كُنْتُ اَتَجَوَّزُ فِى السِّكَّةِ وَالنَّقْدِ وَاُنْظِرُ الْمُعْسِرَ فَغَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ اَنَا قَدْ سَمِعْتُ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

◆◆ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے' ایک شخص فوت ہو گیا' اس سے دریافت کیا گیا' تم نے کوئی عمل کیا ہے' تو اسے یہ بات یاد آئی یا شاید اسے یہ بات یاد کروائی گئی (یہاں پہ شک راوی کو ہے) تو اس نے کہا: میں رائج نقدی اور غیر مروج نقدی کو (قرض کے طور پر واپس لینے) میں درگزر سے کام لیتا تھا اور میں تنگ دست شخص کو مہلت دیا کرتا تھا (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی۔

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے بھی یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنی ہوئی ہے۔

2418: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2419 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 7437

2420 اخرجہ بخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2077' ورقم الحدیث: 2391' ورقم الحدیث: 3451' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 3969' ورقم الحدیث' 3970' ورقم الحدیث 3971' ورقم الحدیث: 3972

بَاب حُسْنِ الْمُطَالَبَةِ وَاَخْذِ الْحَقِّ فِیْ عَفَافٍ

یہ باب ہے کہ اچھے طریقے سے مطالبہ کرنا اور درگزر کرتے ہوئے حق وصول کرنا

2421- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفٍ الْعَسْقَلَانِیُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ یَحْیٰی قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ مَرْیَمَ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ اَیُّوْبَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَعَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَالَبَ حَقًّا فَلْیَطْلُبْهُ فِیْ عَفَافٍ وَّافٍ اَوْ غَیْرِ وَافٍ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص حق کا مطالبہ کرے اُسے چاہیے کہ نرمی کے ساتھ اس کا مطالبہ کرے خواہ وہ اسے پورا ملے یا پورا نہ ملے''۔

2422- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُؤَمَّلِ بْنِ الصَّبَّاحِ الْقَیْسِیُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَبَّبٍ الْقُرَشِیُّ حَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ السَّآئِبِ الطَّآئِفِیُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ یَامِیْنَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِصَاحِبِ الْحَقِّ خُذْ حَقَّكَ فِیْ عَفَافٍ وَّافٍ اَوْ غَیْرِ وَافٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق دار شخص سے یہ فرمایا ہے۔

''تم اپنا حق نرمی سے لو خواہ وہ تمہیں پورا ملے یا پورا نہ ملے''۔

شرح

حدیث میں عفاف کا لفظ آیا ہے، مطلب یہ ہے کہ صاحب حق اچھے ڈھنگ اور شریفانہ طور طریقے سے قرض کا مطالبہ کرے، نرمی اور شفقت کا لحاظ رکھے، خلاف شرع سختی نہ کرے، اور گالی گلوچ نہ کرے یا وہی مال لے جو حلال ہے، حرام مال سے اپنا قرض پورا نہ کرے۔

بَاب حُسْنِ الْقَضَاءِ

یہ باب اچھے طریقے سے (قرض کی) ادائیگی کرنے میں ہے

2423- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَیْلٍ سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ یُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

2421 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2422: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2423 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2305' ورقم الحدیث: 2306' ورقم الحدیث: 2390' ورقم الحدیث: 2392' ورقم الحدیث: 2393' ورقم الحدیث: 2401' ورقم الحدیث 2606' ورقم الحدیث: 2609' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4086' ورقم الحدیث: 4087' ورقم الحدیث 4088' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 1316' ورقم الحدیث: 1317' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4632' ورقم الحدیث: 4707

اللّٰہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ خَيْرَكُمْ اَوْ مِنْ خَيْرِكُمْ اَحَاسِنُكُمْ قَضَاءً

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''تم میں سب سے بہتر (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) تمہارے بہترین لوگوں میں وہ بھی شامل ہے۔ (جو اچھے طریقے سے (قرض) ادا کرتے ہوں''۔

قرض واپس کر کے دعا کرنے کا بیان

2424- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيُّ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَلَفَ مِنْهُ حِيْنَ غَزَا حُنَيْنًا ثَلَاثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اَلْفًا فَلَمَّا قَدِمَ قَضَاهَا اِيَّاهُ ثُمَّ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْوَفَاءُ وَالْحَمْدُ

اسماعیل بن ابراہیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ حنین کے لیے تشریف لے جانے لگے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تیس (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) چالیس ہزار قرض لیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ رقم واپس کردی پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ دعا دی۔

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے اہل خانہ اور تمہارے مال میں برکت دے۔''

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا) ادھار کا بدلہ یہ ہے کہ وہ واپس کیا جائے اور تعریف بھی کی جائے۔

بَاب لِصَاحِبِ الْحَقِّ سُلْطَانٌ

یہ باب ہے کہ حقدار شخص کو غلبہ حاصل ہوتا ہے

2425- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ حَنَشٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ يَطْلُبُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدَيْنٍ اَوْ بِحَقٍّ فَتَكَلَّمَ بِبَعْضِ الْكَلَامِ فَهَمَّ صَحَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ اِنَّ صَاحِبَ الدَّيْنِ لَهُ سُلْطَانٌ عَلٰى صَاحِبِهِ حَتّٰى يَقْضِيَهُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک شخص آیا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قرض (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) اپنے حق کا مطالبہ کیا' اس نے اس بارے میں کوئی بات کہی' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کی پٹائی کا ارادہ کیا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

2424- اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4697

2425- اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

''رک جاؤ! کیونکہ قرض خواہ کو اپنے ساتھی پر غلبہ حاصل ہوتا ہے جب تک وہ اس قرض کو ادا نہیں کر دیتا''۔

2426- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُثْمَانَ أَبُو شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُبَيْدَةَ أَظُنُّهُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَقَاضَاهُ دَيْنًا كَانَ عَلَيْهِ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ حَتَّى قَالَ لَهُ أُحَرِّجُ عَلَيْكَ إِلَّا قَضَيْتَنِي فَانْتَهَرَهُ أَصْحَابُهُ وَقَالُوا وَيْحَكَ تَدْرِي مَنْ تُكَلِّمُ قَالَ إِنِّي أَطْلُبُ حَقِّي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا مَعَ صَاحِبِ الْحَقِّ كُنْتُمْ ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى خَوْلَةَ بِنْتِ قَيْسٍ فَقَالَ لَهَا إِنْ كَانَ عِنْدَكِ تَمْرٌ فَأَقْرِضِينَا حَتَّى يَأْتِيَنَا تَمْرُنَا فَنَقْضِيَكِ فَقَالَتْ نَعَمْ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَأَقْرَضَتْهُ فَقَضَى الْأَعْرَابِيَّ وَأَطْعَمَهُ فَقَالَ أَوْفَيْتَ أَوْفَى اللَّهُ لَكَ فَقَالَ أُولَئِكَ خِيَارُ النَّاسِ إِنَّهُ لَا قُدِّسَتْ أُمَّةٌ لَا يَأْخُذُ الضَّعِيفُ فِيهَا حَقَّهُ غَيْرَ مُتَعْتَعٍ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دیہاتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قرض کا تقاضا کیا' جس کی ادائیگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم تھی' اس نے اس بارے میں سخت الفاظ استعمال کیے' یہاں تک کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا' اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ ادائیگی نہ کی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سختی سے پیش آؤں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اسے ڈانٹا' ان حضرات نے کہا۔

''تمہارا ستیاناس ہو' تم جانتے ہو کہ تم کس کے ساتھ بات کر رہے ہو؟ وہ بولا: میں تو اپنا حق طلب کر رہا ہوں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم حقدار شخص کا ساتھ کیوں نہیں دے رہے ہو؟''

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو پیغام بھجوایا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ ہدایت کی۔

''اگر تمہارے پاس کچھ کھجوریں موجود ہوں' تو وہ ہمیں قرض کے طور پر دیدو جب ہماری کھجوریں آئیں گی تو ہم تمہیں ادائیگی کر دیں گے''۔

تو اس خاتون نے جواب دیا' میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک ہے۔

راوی کہتے ہیں: پھر اس خاتون نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرض دیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی کو ادائیگی بھی کر دی اور اسے کھانا بھی کھلایا' وہ دیہاتی بولا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری ادائیگی کی ہے' اللہ تعالیٰ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اجر عطا کرے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بہترین لوگ اسی طرح کے ہوتے ہیں' ایسی قوم پاک نہیں ہو سکتی جس میں کمزور شخص اپنا حق کسی اندیشے کے بغیر وصول نہیں کر سکتا''۔

2426- اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

سبحان اللہ آپ ﷺ کا کیا عدل وانصاف تھا، اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ فرمایا کہ تم قرض خواہ کی مدد کرو، میری رعایت کیوں کرتے ہو، حق کا خیال اس سے زیادہ کیا ہوگا، آپ ﷺ کی نبوت کی یہ ایک کھلی دلیل ہے، نبی کے علاوہ دوسرے سے ایسا عدل وانصاف ہونا ممکن نہیں ہے، دوسری روایت میں ہے کہ پھر وہ گنوار جو کافر تھا مسلمان ہوگیا، اور کہنے لگا: میں نے آپ ﷺ سے زیادہ صابر نہیں دیکھا۔

بَاب الْحَبْسِ فِي الدَّيْنِ وَالْمُلَازَمَةِ

یہ باب ہے کہ قرض کے حوالے سے قید کروانا یا مقروض کے ساتھ رہنا

2427- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا وَبْرُ بْنُ أَبِي دُلَيْلَةَ الطَّائِفِيُّ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مَيْمُونِ بْنِ مُسَيْكَةَ قَالَ وَكِيعٌ وَأَثْنَى عَلَيْهِ خَيْرًا عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ قَالَ عَلِيٌّ الطَّنَافِسِيُّ يَعْنِي عِرْضَهُ شِكَايَتَهُ وَعُقُوبَتَهُ سِجْنَهُ

◆◆ عمرو بن شرید اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: قرض ادا کرنے کی صلاحیت رکھنے والے شخص کا ٹال مٹول کرنا اس کی پیشی اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔

علی طنافسی کہتے ہیں اس کی پیشی سے مراد اس کی شکایت (یعنی اس کے خلاف مقدمہ کرنا ہے) اور اس کی عقوبت سے مراد اسے جیل میں ڈالنا ہے۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ جو شخص صاحب استطاعت اور مالدار ہونے کے باوجود بلا عذر اپنے قرض خواہ کا قرض ادا نہ کرے تو اس کی آبروریزی بھی مباح ہے اور اس کو سزا دینا بھی درست ہے کیونکہ اس کی طرف سے بلا عذر ادائیگی قرض میں ٹال مٹول اور تاخیر ایک طرح کا ظلم ہے۔ آبروریزی کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے سرزنش کی جائے اور اسے برا بھلا کہا جائے اور اس کو سزا دینے کا مطلب یہ ہے کہ حاکم وعدالت سے چارہ جوئی کر کے اسے قید خانہ میں ڈلوا دیا جائے۔

مقروض کو قید کرنے کا بیان

2428- حَدَّثَنَا هَدِيَّةُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ حَدَّثَنَا الْهِرْمَاسُ بْنُ حَبِيبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَرِيمٍ لِي فَقَالَ لِي الْزَمْهُ ثُمَّ مَرَّ بِي آخِرَ النَّهَارِ فَقَالَ مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ

2427: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3628' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4703' ورقم الحدیث: 4704۔

2428 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3036

مِنِّی قَالَ سَمِعْتُكَ تَذْكُرُ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُقْرِضُ مُسْلِمًا قَرْضًا مَّرَّتَيْنِ اِلَّا كَانَ كَصَدَقَتِهَا مَرَّةً قَالَ كَذٰلِكَ اَنْبَأَنِی ابْنُ مَسْعُوْدٍ

◈ قیس بن رومی بیان کرتے ہیں: سلیمان نامی ایک شخص نے علقمہ کو ایک ہزار درہم اس شرط پر ادھار کیا کہ جب انہیں تنخواہ ملے گی' تو وہ ادائیگی کر دیں گے' جب علقمہ کو تنخواہ ملی تو قرض خواہ نے ان سے تقاضا کیا اور اس بارے میں ان سے سختی کی تو انہوں نے قرض ادا کر دیا' لیکن علقمہ کو اس بات پر غصہ بہت آیا' کچھ مہینے گزر گئے' پھر علقمہ اس شخص کے پاس گئے اور بولے: مجھے ایک ہزار درہم قرض دیدو' اس شرط پر کہ جب مجھے تنخواہ ملے گی' تو میں واپس کر دوں گا' اس شخص نے کہا ٹھیک ہے یہ تو بڑی عزت کی بات ہے' اے عتبہ کی ماں (یعنی اس نے اپنی بیوی سے کہا) تم وہی مہر بند تھیلی لے آؤ جو تمہارے پاس ہے' وہ خاتون اس تھیلی کو لے کر آئی تو وہ صاحب بولے: اللہ کی قسم! یہ آپ کے وہی درہم ہیں جو آپ نے مجھے قرض کی واپسی کے طور پر ادا کیے تھے' میں نے ان میں سے ایک درہم بھی نہیں ہلایا' تو علقمہ نے دریافت کیا: تمہارے باپ کی خیر ہو' تم نے میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا ہے؟ تو سلیمان نے جواب دیا' اس وجہ سے کہ جو میں نے آپ کی زبانی سنا ہے' علقمہ نے دریافت کیا: تم نے میری زبانی کیا سنا ہے' تو سلیمان نے بتایا میں نے آپ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کرتے ہوئے سنا ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔

"جو شخص کسی مسلمان کو دو مرتبہ قرض دیتا ہے' تو یہ ایک دفعہ صدقہ کرنے کی مانند ہوتا ہے" تو علقمہ نے بتایا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ روایت اسی طرح مجھے سنائی تھی۔

2431 - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْكَرِيْمِ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيْدَ و حَدَّثَنَا اَبُوْ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيْدَ بْنِ اَبِیْ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ مَكْتُوْبًا الصَّدَقَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَالْقَرْضُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ فَقُلْتُ يَا جِبْرِيْلُ مَا بَالُ الْقَرْضِ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ قَالَ لِاَنَّ السَّائِلَ يَسْاَلُ وَعِنْدَهُ وَالْمُسْتَقْرِضُ لَا يَسْتَقْرِضُ اِلَّا مِنْ حَاجَةٍ

◈ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"جس رات مجھے معراج کروائی گئی اس رات میں نے جنت کے دروازے پر یہ لکھا ہوا دیکھا"

"صدقے کا اجر دس گنا ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا ہے"۔

میں نے دریافت کیا: اے جبرائیل! کیا وجہ ہے' قرض کو صدقے سے افضل قرار دیا گیا ہے؟ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا' اس کی وجہ یہ ہے عام مانگنے والا تو اس وقت بھی مانگ لیتا ہے' جب اس کے پاس کچھ موجود ہوتا ہے' لیکن قرض لینے والا ضرورت کے وقت ہی قرض لیتا ہے"۔

2431 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2432- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنِي عُتْبَةُ بْنُ حُمَيْدٍ الضَّبِّيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي إِسْحَقَ الْهُنَائِيِّ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ الرَّجُلُ مِنَّا يُقْرِضُ أَخَاهُ الْمَالَ فَيُهْدِي لَهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْرَضَ أَحَدُكُمْ قَرْضًا فَأَهْدَى لَهُ أَوْ حَمَلَهُ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهَا وَلَا يَقْبَلْهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ جَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ قَبْلَ ذَلِكَ

◆◆ یحییٰ بن ابواسحاق بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا' ہم سے ایک شخص اپنے بھائی کو قرض دیدیتا ہے' تو کیا وہ مقروض اس شخص کو کوئی تحفہ دے سکتا ہے؟ تو انہوں نے بتایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔

"جب کوئی شخص کسی دوسرے کو قرضہ دے اور دوسرا اسے کوئی تحفہ دے یا اسے اپنی سواری سوار ہونے کے لیے دے' تو وہ قرض دینے والا اس پر سوار نہ ہو اور اس تحفے کو قبول نہ کرے' البتہ اگر اس سے پہلے بھی ان کے درمیان اس طرح کا لین دین چل رہا ہو (تو حکم مختلف ہے)"۔

شرح

قرض دینے سے پہلے بھی اس کے پاس سے تحفہ آیا کرتا ہو، یا وہ سواری دیا کرتا ہو تو اب بھی اس کا قبول کرنا درست ہے اور جو قرض سے پہلے اس کی عادت نہ تھی تو یقیناً اس کا سبب قرض ہوگا اور ہماری شریعت میں قرض دے کر منفعت اٹھانا درست نہیں، اور بخاری نے تاریخ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی کسی کو قرض دے تو اس کا تحفہ نہ لے، اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابن مسعود، ابی بن کعب، عبداللہ بن سلام اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ ان سبھوں نے کہا: جس قرض سے منفعت ہو وہ سود ہے یعنی سود کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

ان سب احادیث و آثار سے یہ معلوم ہوا کہ ہمارے زمانہ میں جو قرض دے کر اس پر شرح فیصد سے منفعت کی شرط ٹھہراتے ہیں مثلاً سات روپیہ فی صد یا دس روپیہ فی صد، یہ ربا (سود) ہے اور حرام ہے، اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے اور اس صورت میں بینک اور دوسرے کاروباری ادارے جو سودی نظام چلاتے ہیں ان سے سودی تعامل اور کاروبار بالکل حرام ہے۔

بَاب اَدَآءِ الدَّيْنِ عَنِ الْمَيِّتِ

یہ باب میت کی طرف سے قرض ادا کرنے کے بیان میں ہے

2433- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ أَبُو جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ الْأَطْوَلِ أَنَّ أَخَاهُ مَاتَ وَتَرَكَ ثَلَاثَ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَتَرَكَ عِيَالًا فَأَرَدْتُ أَنْ أُنْفِقَهَا عَلَى عِيَالِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَاكَ مُحْتَبَسٌ بِدَيْنِهِ فَاقْضِ عَنْهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَدَّيْتُ عَنْهُ

2432: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2433: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

إِلَّا دِينَارَيْنِ ادَّعَتْهُمَا امْرَأَةٌ وَلَيْسَ لَهَا بَيِّنَةٌ قَالَ فَأَعْطِهَا فَإِنَّهَا مُحِقَّةٌ

◆◆ سعد بن اطول بیان کرتے ہیں: ان کے بھائی کا انتقال ہو گیا' اس نے تین سو درہم اور بال بچے بھی چھوڑے' تم نے اس کے گھر والوں پر خرچ کرنے کا ارادہ کیا' تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے بھائی کو اس کے قرض کی وجہ سے روکا گیا ہے' تم اس کی طرف سے اسے ادا کر دو''۔

انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! میں اس کی طرف سے وہ ادائیگی کر چکا ہوں' ماسوائے ان دو دیناروں کے جس کے بارے میں ایک عورت نے دعویٰ کیا تھا اور اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا' تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم اسے بھی ادائیگی کر دو' کیونکہ وہ حقدار ہے''۔

نبی کریم ﷺ کی چہل قدمی کے سبب برکت ہونے کا بیان

2434- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحٰقَ حَدَّثَنَا هِشَامُ ابْنُ عُرْوَةَ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ أَبَاهُ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ عَلَيْهِ ثَلَاثِينَ وَسْقًا لِرَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ فَاسْتَنْظَرَهُ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَأَبَى أَنْ يُنْظِرَهُ فَكَلَّمَ جَابِرٌ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَشْفَعَ لَهُ إِلَيْهِ فَجَاءَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَ الْيَهُودِيَّ لِيَأْخُذَ ثَمَرَ نَخْلِهِ بِالَّذِي لَهُ عَلَيْهِ فَأَبَى عَلَيْهِ فَكَلَّمَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبَى أَنْ يُنْظِرَهُ فَدَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَ فَمَشَى فِيهَا ثُمَّ قَالَ لِجَابِرٍ جُدَّ لَهُ فَأَوْفِهِ الَّذِي لَهُ فَجَدَّ لَهُ بَعْدَ مَا رَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثِينَ وَسْقًا وَفَضَلَ لَهُ اثْنَا عَشَرَ وَسْقًا فَجَاءَ جَابِرٌ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَهُ بِالَّذِي كَانَ فَوَجَدَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَائِبًا فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَدْ أَوْفَاهُ وَأَخْبَرَهُ بِالْفَضْلِ الَّذِي فَضَلَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبِرْ بِذٰلِكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَذَهَبَ جَابِرٌ إِلَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ عَلِمْتُ حِينَ مَشَى فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُبَارِكَنَّ اللّٰهُ فِيهَا

◆◆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ان کے والد کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے تیس وسق ایک یہودی کا قرض چھوڑا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اس سے مزید مہلت مانگی' تو اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اس بارے میں نبی اکرم ﷺ سے بات کی تا کہ آپ ﷺ اس یہودی سے ان کی سفارش کریں نبی اکرم ﷺ اس یہودی کے پاس تشریف لائے آپ ﷺ نے اس یہودی کے ساتھ یہ بات کی کہ اس نے مرحوم سے جو قرض لینا تھا اس کے بدلے میں ان کے باغ کا پھل حاصل کر لے' تو اس نے یہ بات بھی تسلیم نہیں کی۔ نبی اکرم ﷺ اس کے ساتھ بات کرتے رہے' لیکن اس نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو مہلت دینے سے انکار کر دیا نبی اکرم ﷺ کھجوروں کے باغ میں داخل ہوئے پھر آپ ﷺ اس میں چلے (پھرے)

2434 اخرجه البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2396' ورقم الحدیث: 2709' اخرجه ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2884' اخرجه النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3642

آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ان کھجوروں کو اتار دو اور اس کا جو پورا قرض ہے اسے ادا کردو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس تشریف لے جانے کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے تیس وسق کھجوریں اتار لیں اور اس کے بعد بھی ان کے پاس 12 وسق بچ گئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورتحال کے بارے میں بتائیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود نہیں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں بتایا کہ انہوں نے اسے پوری ادائیگی کر دی ہے اور باقی بچ جانے والی کھجوروں کے بارے میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کو بتاؤ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہیں اس بارے میں بتایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس (باغ) میں چل رہے تھے اسی وقت مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس میں ضرور برکت پیدا کر دے گا۔

بَاب ثَلَاثٌ مَنِ ادَّانَ فِيهِنَّ قَضَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ

یہ باب ہے کہ تین صورتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں کوئی شخص قرض لے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادائیگی کر دیتا ہے (یعنی ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ آدمی قرض ادا کر دے)

2435 - حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا رِشْدِيْنُ بْنُ سَعْدٍ وَّعَبْدُ الرَّحْمٰنِ الْمُحَارِبِیُّ وَاَبُوْ اُسَامَةَ وَجَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ اَنْعُمٍ قَالَ اَبُوْ كُرَيْبٍ وَّحَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ ابْنِ اَنْعُمٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ عَبْدٍ الْمَعَافِرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدَّيْنَ يُقْضٰى مِنْ صَاحِبِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِذَا مَاتَ اِلَّا مَنْ يَّدِيْنُ فِیْ ثَلَاثِ خِلَالٍ الرَّجُلُ تَضْعُفُ قُوَّتُهٗ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَسْتَدِيْنُ يَتَقَوّٰى بِهٖ لِعَدُوِّ اللّٰهِ وَعَدُوِّهٖ وَرَجُلٌ يَّمُوْتُ عِنْدَهٗ مُسْلِمٌ لَّا يَجِدُ مَا يُكَفِّنُهٗ وَيُوَارِيْهِ اِلَّا بِدَيْنٍ وَّرَجُلٌ خَافَ اللّٰهَ عَلٰى نَفْسِهِ الْعُزْبَةَ فَيَنْكِحُ خَشْيَةً عَلٰى دِيْنِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ يَقْضِیْ عَنْ هٰٓؤُلَآءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کا قرض قیامت کے دن اس کی طرف سے ادا کیا جائے گا ماسوائے اس شخص کے جس نے تین میں سے کسی ایک صورت کے لیے قرض لیا ہو ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی قوت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اس لیے قرض لیتا ہے تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کے خلاف قوت حاصل کرے ایک وہ شخص کہ جس کے پاس کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اس شخص کے پاس اسے کفن دینے کے لیے کچھ نہ ہو اسے دفن کرنے کے لیے نہ ہو صرف قرض لے کر ہی ایسا کیا جا سکتا ہو اور ایک وہ شخص جو اپنے مجرد رہنے کے حوالے سے اندیشے کا شکار ہو اور اپنے دین کو بچانے کے لیے نکاح کرنا چاہتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی طرف سے اس قرض کو ادا کر دے گا"۔

2435 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اَبْوَابُ الرُّهُوْنِ

یہ ابواب رہن کے بیان میں ہے

رہن کے لغوی وشرعی مفہوم کا بیان

اس کے لغوی معنی ثابت اور قائم رہنے کے ہیں اور اصطلاح شرعی میں رہن یہ ہے کہ کسی ایسی شے کو جو شرعاً مالیت کی حامل ہو، حصول قرض کے لیے ضمانت بنایا جائے تاکہ اس شے کے اعتماد پر قرض کا حصول ممکن ہو۔ عرف عام میں اسے گروی رکھنا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے": اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور دستاویز لکھنے والا میسر نہیں تو رہن بالقبض پر معاملہ کرلو۔ سورہ بقرہ۔ رہن بالقبض کا مطلب یہ ہے کہ قرض دینے والے کو اپنے قرض کی واپسی کا اطمینان ہو جائے۔ رہن کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ وہ بھی خرید وفروخت کی طرح فعل جائز ہے کیونکہ (چند استثنائی صورتوں کے علاوہ) ہر وہ شے جس کی بیع جائز ہے اس کو رہن رکھنا بھی جائز ہے۔ رہن کا معاملہ کرنا کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ اس سلسلہ میں لکھا پڑھی بہتر ہے تاکہ شرطیں سامنے رہیں۔

رہن کے ارکان کا بیان

رہن کے تین ارکان ہیں۔ (۱) فریقین یعنی راہن اور مرتہن (شے مرہونہ کے مالک یا رہن کرنے والے کو راہن کہتے ہیں اور مرتہن جو رہن رکھ کر قرض دے)۔

(۲) اشیا معاملہ، اس میں دو چیزیں شامل ہیں۔ ایک تو شے مرہونہ رہن رکھی ہوئی چیز اور دوسرے وہ رقم قرض جو رہن کے مقابلہ میں دی گئی۔ الفاظ معاملہ (جو لین دین کے لیے استعمال کیے جائیں)۔

(۳) معاملہ رہن کے درست ہونے کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ راہن اور مرتہن دونوں معاملہ بیع کی اہلیت رکھتے ہوں۔ یعنی کوئی مجنون ودیوانہ یا بے شعور نابالغ لڑکا نہ ہو۔ ان کا کیا ہوا معاملہ رہن درست نہ ہوگا۔

راہن کو مال مرہونہ سے استفادہ کا حق نہیں ہے جب تک کہ مرتہن اس کی اجازت نہ دے۔ چنانچہ جب تک کوئی مال رہن ہے مرتہن کی اجازت کے بغیر راہن کا رہن سے کسی بھی طرح کا فائدہ حاصل کرنا (مثلاً رہن شدہ مکان میں رہنا یا کپڑا رہن ہو تو اسے پہننا وغیرہ) جائز ودرست نہیں ہے البتہ اگر مرتہن اس کی اجازت دے دے تو رہن شدہ شے کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ورنہ قرض پر براہ راست سود لینے اور رہن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تاہم یہ واضح رہے کہ مال مرہونہ سے جو بھی فائدہ ونفع حاصل ہوگا ان سب کا حقدار راہن ہے۔ البتہ اگر کوئی جانور رہن رکھا گیا ہو تو اس کا دودھ استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس سے سواری یا مال برداری کی خدمت لی جاسکتی ہے کیونکہ یہ اس چارے کا معاوضہ ہے جو مرتہن اس جانور کو کھلاتا ہے اور یہ بات

معاملہ کے وقت راہن کو بتا دی جاتی ہے۔

رہن کے شرعی وفقہی مأخذ کا بیان

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ .(البقرہ، ۲۸۳)

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو گرو (رہن) ہو قبضہ میں دیا ہوا۔ (کنزالایمان) حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ یعنی بحالت سفر اگر ادھار کا لین دین ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے یا ملے مگر قلم دوات یا کاغذ نہ ہو تو رہن رکھ لیا کرو اور جس چیز کو رہن رکھنا ہو اسے حقدار کے قبضے میں دے دو۔ مقبوضہ کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن جب تک قبضہ میں نہ آ جائے لازم نہیں ہوتا، جیسا کہ امام شافعی اور جمہور کا مذہب ہے اور دوسری جماعت نے استدلال کیا ہے کہ رہن کا مرتہن کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے۔ امام احمد اور ایک دوسری جماعت میں یہی منقول ہے۔

ایک اور جماعت کا قول ہے کہ رہن صرف میں ہی مشروع ہے، جیسے حضرت مجاہد وغیرہ لیکن صحیح بخاری صحیح مسلم شافعی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت فوت ہوئے اس وقت آپ کی زرہ مدینے کے ایک یہودی ابو الشحم کے پاس تیس وسق جو کے بدلے گروی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے کھانے کے لئے لئے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

رہن کا لغوی وفقہی مفہوم کا بیان

لغت میں کسی چیز کو محبوس کر لینے کا نام رہن ہے۔ اگر چہ اس کا سبب کوئی بھی ہو۔ اور شرعی اعتبار سے کسی چیز کو محبوس کرنا ایسے حق کے بدلے میں کہ جس کو وصول کرنا رہن سے ممکن ہو۔ جس طرح قرض ہیں۔ اور رہن ایک مشروع عمل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اقدس ہے۔ پس مقبوضہ رہان ہے۔ اور اس کی مشروعیت کی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے غلہ خریدا اور اس کے بدلے میں اپنی ذرع کو اس کے پاس گروی رکھا دیا اور جواز رہن پر اجماع کا انعقاد بھی ہو چکا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ رہن وصول کرنے کا پکا عقد ہے لہٰذا اس کو وجوب کی مضبوطی پر قیاس کریں گے اور وہ مضبوطی کفالت ہے۔

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لغت میں رہن کے معنی روکنا ہیں اس کا سبب کچھ بھی ہو اور اصطلاح شرع میں دوسرے کے مال کو اپنے حق میں اس لئے روکنا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے حق کو کلا یا جزءً وصول کرنا ممکن ہو مثلاً کسی کے ذمہ اس کا دَین ہے اس مدیون نے اپنی کوئی چیز دائن کے پاس اس لئے رکھ دی ہے کہ اُس کو اپنے دَین کی وصول پانے کے لئے ذریعہ بنے، رہن کو اُردو زبان میں گروی رکھنا بولتے ہیں، کبھی اُس چیز کو بھی رہن کہتے ہیں جو رکھی گئی ہے اس کا دوسرا نام مرہون ہے، چیز کے رکھنے والے کو راہن اور جس کے پاس رکھی گئی اُس کو مرتہن کہتے ہیں۔

عقد رہن بالا جماع جائز ہے، قرآن مجید اور حدیث شریف سے اس کا جواز ثابت ہے، رہن میں خوبی یہ ہے کہ دائن و مدیون دونوں کا اس میں بھلا ہے کہ بعض مرتبہ بغیر رہن رکھے کوئی دیتا نہیں مدیون کا بھلا یوں ہوا کہ دَین مل گیا اور دائن کا بھلا ظاہر ہے کہ

اُس کو اطمینان ہوتا ہے کہ اب میرا روپیہ مارا نہ جائے گا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب رہن، بیروت)

بَابُ الرُّهُوْنِ

یہ باب رہن کے بیان میں ہے

2436- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنِی الْاَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرٰى مِنْ يَهُوْدِیٍّ طَعَامًا اِلٰى اَجَلٍ وَّرَهَنَهُ دِرْعَهُ،

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مخصوص مدت کے بعد ادائیگی کی شرط پر ایک یہودی سے کچھ اناج خریدا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھوادی تھی۔

ایجاب وقبول سے رہن کے منعقد ہونے کا بیان

ایجاب وقبول سے رہن منعقد ہو جاتی ہے اور یہ قبضہ سے مکمل ہو جاتی ہے۔ جبکہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ رہن کا رکن صرف ایجاب ہے۔ کیونکہ یہ احسان کا عقد ہے پس یہ احسان سے مکمل ہو جائے گا۔ جس طرح صدقہ اور ہبہ میں ہوتا ہے جبکہ قبضہ لازم ہونے کی شرط ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ رہن محض عقد کرنے سے لازم ہو جاتی ہے کیونکہ دونوں اجانب سے مال کو خاص کرنا ہے پس یہ بیع کی طرح ہو جائے گا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اس کی وجہ سے عقد میں مضبوطی کا ہونا ہے۔ تو یہ کفالہ کے مشابہ ہو جائے گی۔

ہماری دلیل وہ تلاوت کردہ آیت ہے اور وہ مصدر ہے جو حرف فاء کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور اس کا محل جزاء امر مراد ہے۔ کیونکہ رہن ایک احسان کا عقد ہے۔ کیونکہ راہن رہن کے مقابلے میں مرتہن پر کسی چیز میں حقدار نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ پس رہن کو نافذ کرنا لازم ہے۔ جس طرح وصیت میں ہے۔ لہٰذا مبیع کے قبضہ کے مشابہ ہو جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ منقول چیزوں کو منتقل کرنے سوا ان میں قبضہ ثابت نہ ہوگا کیونکہ غصب کی طرح ابتدائی طور پر بھی قبضہ ضمان کو واجب کرتا ہے۔ جبکہ بیع میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ خریدار کی جانب بائع کی طرف سے ضمان کو منتقل کرتا ہے اور وہ ابتدائی طور پر واجب کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (ہدایہ، کتاب رہن، لاہور)

عقد رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے مثلاً مدیون نے کہا کہ تمہارا جو کچھ میرے ذمہ ہے اُس کے مقابلہ میں یہ چیز تمہارے پاس رہن رکھی یا یہ کہے اس چیز کو رہن رکھ لو دوسرا کہے میں نے قبول کیا۔ بغیر ایجاب وقبول کے الفاظ بولنے کے بھی بطورِ

2436 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2068' ورقم الحدیث: 2069' ورقم الحدیث: 2200' ورقم الحدیث: 2251' ورقم الحدیث: 2252' ورقم الحدیث: 2386' ورقم الحدیث: 2509' ورقم الحدیث: 2513' ورقم الحدیث: 2516' ورقم الحدیث: 4467' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4090' ورقم الحدیث: 4091' ورقم الحدیث: 4092' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4623' ورقم الحدیث: 4664

تعاطی رہن ہوسکتا ہے جس طرح بیع تعاطی سے ہو جاتی ہے۔ (فتاوی شامی، کتاب رہن، بیروت)

لفظ رہن بولنا ضروری نہیں بلکہ کوئی دوسرا لفظ جس سے معنی رہن سمجھے جاتے ہوں تو رہن ہو گیا مثلاً ایک روپیہ کی کوئی چیز خریدی اور بائع کو اپنا کپڑا یا کوئی چیز دے دی اور کہہ دیا کہ اسے رکھے رہو جب تک میں دام نہ دے دوں یہ رہن ہو گیا یونہی ایک شخص پر دَین ہے اُس نے دائن کو اپنا کپڑا دے کر کہا کہ اسے رکھے رہو جب تک دَین ادا نہ کردوں یہ رہن بھی صحیح ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

ایجاب وقبول سے عقد رہن ہو جاتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا جب تک مرتہن شے مرہون پر قبضہ نہ کرلے لہٰذا قبضہ سے پہلے راہن کو اختیار رہتا ہے کہ چیز دے یا نہ دے اور جب مرتہن نے قبضہ کرلیا تو پکا معاملہ ہو گیا اب راہن کو بغیر اُس کا حق ادا کیے چیز واپس لینے کا حق نہیں رہتا۔

مگر عنایہ میں فرمایا کہ یہ عامہ کتب کے مخالف ہے، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصریح یہ ہے کہ بغیر قبضہ رہن جائز ہی نہیں، امام حاکم شہید نے کافی میں اور امام جعفر طحاوی و امام کرخی نے اپنے اپنے مختصر میں اسی کی تصریح کی اور (درمختار، کتاب رہن، بیروت) میں مجتبٰے سے ہے کہ قبضہ شرط جواز ہے نہ کہ شرط لزوم۔

زرہ رہن میں رکھنے کا بیان

2437- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَقَدْ رَهَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعَهُ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِالْمَدِينَةِ فَأَخَذَ لِأَهْلِهِ مِنْهُ شَعِيرًا

◆◆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ رہن رکھوادی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی سے اپنے اہل خانہ کے لیے جو حاصل کیے تھے۔

2438- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ بَهْرَامَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِطَعَامٍ

◆◆ سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کچھ اناج کے عوض میں ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

2439- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ خَبَّابٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَدِرْعُهُ رَهْنٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلَاثِينَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ''جو'' کے تیس

2437 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 2069' ورقم الحدیث: 2508' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 1215' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 4624

2438: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2439 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

صاع کے عوض میں ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

بَاب الرَّهْنُ مَرْكُوبٌ وَمَحْلُوبٌ

یہ باب ہے کہ رہن (رکھے گئے جانور) پر سوار بھی ہوا جا سکتا ہے اور اس کا دودھ بھی دوہا جا سکتا ہے

2440- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِیْعٌ عَنْ زَكَرِیَّا عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الظَّهْرُ یُرْكَبُ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَلَبَنُ الدَّرِّ یُشْرَبُ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَعَلَى الَّذِیْ یَرْكَبُ وَیَشْرَبُ نَفَقَتُهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "جب جانور کو رہن رکھوایا گیا ہو تو اس پر سواری کی جا سکتی ہے اور جب جانور کو رہن رکھوایا گیا ہو تو اس کے تھن کا دودھ پیا جا سکتا ہے اور اس جانور کا خرچ اس شخص کے ذمے لازم ہو گا' جو اس پر سواری کرتا ہے اور جو اس کا دودھ پیتا ہے"۔

شرح

حدیث کے پہلے جزو کی وضاحت کے ضمن میں ملا علی قاری نے جو مسئلہ لکھا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا کوئی جانور کسی کے پاس رہن رکھے تو اس جانور کے مصارف مثلاً دانہ و چارہ وغیرہ کا بار چونکہ راہن پر ہوتا ہے اسے بار برداری کے کام میں لائے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے۔

لیکن حضرت شیخ عبدالحق نے حدیث کے آخری جملہ (وعلی الذی یرکب ویشرب النفقۃ) (اور جو شخص سواری کرے اور دودھ پئے وہی مصارف کا ذمہ دار ہے) کے تحت یہ لکھا ہے کہ جو شخص گروی رکھے ہوئے جانور پر سوار ہو گا یا اس کا دودھ پئے گا وہی اس کے مصارف کا بھی ذمہ دار ہو گا خواہ وہ راہن ہو یا مرتہن گویا مطلب یہ ہوا کہ اگر مرتہن اپنے پاس گروی رکھے ہوئے جانور کا گھاس دانہ کرتا ہے اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے تو وہ اس جانور کو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے اور اس کا دودھ پی سکتا ہے اور اگر راہن اس جانور کا (کہ جسے اس نے مرتہن کے پاس گروی رکھا ہے) گھاس دانہ کرتا ہے اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے تو پھر اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس جانور کو اپنے استعمال میں لائے اور اس کا دودھ پیئے۔

حضرت شیخ کی اس وضاحت کی روشنی میں حدیث کا یہ مطلب ہو گا کہ مرتہن کو گروی رکھے ہوئے جانور سے نفع اٹھانا اور اس کے مصارف برداشت کرنا جائز ہے حالانکہ اکثر علماء اس کے برخلاف ہیں چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ مرتہن کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے پاس گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع حاصل کرے اور یہ کہ گروی رکھی ہوئی چیز کا نفقہ (جیسے جانور کا گھاس دانہ) راہن کے ذمہ ہے مرتہن کے لئے رہن سے نفع حاصل کرنا اس لئے ناجائز ہے کہ یہ بالکل کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ جو قرض نفع لائے وہ حرام ہے اسی

2440 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:2511' ورقم الحدیث:2512' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 3526' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 1254

لئے علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث آگے آنیوالی حدیث کے ذریعہ منسوخ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرتہن کے لیے اگر راہن نے انتفاع کی اجازت دے دی ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ یہ اجازت رہن میں شرط ہے یعنی قرض ہی اس طرح دیا ہے کہ وہ اپنی چیز اس کے پاس رہن رکھے اور یہ اس سے نفع اٹھائے جیسا کہ عموماً اس زمانہ میں مکان یا زمین اسی طور پر رکھتے ہیں یہ نا جائز اور سود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شرط نہ ہو یعنی عقد رہن ہو جانے کے بعد راہن نے اجازت دی ہے کہ مرتہن نفع اٹھائے یہ صورت جائز ہے۔ اصل حکم یہی ہے جس کا ذکر ہوا مگر آج کل عام حالت یہ ہے کہ روپیہ قرض دے کر اپنے پاس چیز اسی مقصد سے رہن رکھتے ہیں کہ نفع اُٹھائیں اور یہ اس درجہ معروف و مشہور ہے کہ مشروط کی حد میں داخل ہے لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے۔ (فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

اور جس طرح مرہون سے مرتہن نفع نہیں اُٹھا سکتا راہن کے لیے بھی اس سے انتفاع جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ مرتہن اُسے اجازت دیدے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مرہونہ کا مرتہن کے ضمان میں داخل ہو جانے کا بیان

جب راہن نے مرہونہ چیز کو مرتہن کے حوالے کر دیا ہے تو وہ مرتہن کے ضمان میں داخل ہو جائے گی۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مرہونہ مرتہن کے قبضہ میں بطور امانت ہے۔ اور اس کی ہلاکت کے سبب قرض میں کچھ بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ رہن مغلق نہیں ہے۔ اور آپ ﷺ نے یہ ارشاد گرامی تین بار فرمایا ہے اس کے بعد فرمایا کہ رہن والے کے لئے اس کا نفع ہے۔ اور تاوان بھی اسی پر ہوگا۔

فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ رہن قرض کے سبب سے مضمون نہیں ہے کیونکہ رہن قرض کو مضبوط کرنے والی ہے۔ پس اس کے ہلاک ہونے کے سبب سے دین ساقط نہ ہوگا۔ اور اس کو دستاویز کی ہلاکت پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ مضبوطی کے بعد اس کو محفوظ کرنے کے معانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح ہلاکت کے سبب قرض کا ساقط ہونا بھی تقاضہ عقد کے خلاف ہے۔ کیونکہ ساقط ہونے کی صورت میں مقصد کا حق ہلاک ہو جائے گا۔ حالانکہ ہلاکت صیانت کی ضد ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مرتہن کے پاس سے ایک گھوڑے کی ہلاکت کے بعد نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تیرا حق ختم ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب رہن مشتبہ ہو جائے تو وہ اسی کے مقابلے میں ہوگی جس کے بدلے میں تھی۔ اور مشائخ فقہاء نے اس معنی کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب رہن کی ہلاکت کے بعد اس کی قیمت مشتبہ ہو جائے اور صحابہ کرام اور تابعین کرام رضی اللہ عنہم نے اس معاملہ پر اجماع کیا ہے کہ رہن مضمون ہے۔ جبکہ رہن کے طریقہ میں ان کے درمیان اختلاف بھی ہے۔ پس امانت کہہ دینا یہ اجماع کی مخالفت ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی کہ رہن مغلق نہیں ہے اس سے مراد کلی طور پر محبوس کرنا ہے۔ جس طرح مشائخ نے کہا ہے کیونکہ رہن مرتہن کی مملوک ہے اور امام سرخسی علیہ الرحمہ نے اسلاف سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ (ہدایہ، کتاب رہن، لاہور)

بَاب لَا يَغْلَقُ الرَّهْنُ

یہ باب ہے کہ رہن بند نہیں ہوگا

2441- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُخْتَارِ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَغْلَقُ الرَّهْنُ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "رہن بند نہیں ہوگا"۔ (اس سے مراد یہ ہے' قرض لینے والا اگر بروقت ادائیگی نہیں کرتا تو بھی رہن' مرتہن کی ملکیت نہیں بنے گا)۔

رہن میں غلق نہ ہونے کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص باغ رہن کرے ایک میعاد معین پار تو جو پھل اس باغ میں رہن سے پہلے نکل چکے تھے وہ رہن نہ ہوں گے مگر جس صورت میں مرتہن نے شرط کرلی ہو تو وہ پھل بھی رہن رہیں گے اور جو کوئی شخص حاملہ لونڈی کو رہن رکھے یا بعد رہن کے وہ حاملہ ہو جائے تو اس کا بچہ بھی اس کے ساتھ رہن رہے گا یہی فرق ہے پھل اور بچے میں اس واسطے کہ پھل بیع میں بھی داخل نہیں ہوتے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے کھجور کے درخت بیچے تو پھل بائع کو ملیں گے مگر جب مشتری شرط کرلے۔ سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ روکی جائے گی رہن۔

(موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث 1318)

مرہون چیز مرتہن کے ضمان میں ہوتی ہے یعنی مرہون کی مالیت اُس کے ضمان میں ہوتی ہے اور خود عین بطور امانت ہے اس کا فرق یوں ظاہر ہوگا کہ اگر مرہون کو مرتہن نے راہن سے خرید لیا تو یہ قبضہ جو مرتہن کا ہے۔ قبضہ خریداری کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ کہ یہ قبضہ امانت ہے اور مشتری کے لیے قبضہ ضمان درکار ہے اور خود وہ چیز امانت ہے۔ لہٰذا مرہون کا نفقہ راہن کے ذمہ ہے مرتہن کے ذمہ نہیں اور غلام مرہون تھا وہ مر گیا تو کفن راہن کے ذمہ ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

مرتہن کے پاس اگر مرہون ہلاک ہو جائے تو دَین اور اس کی قیمت میں جو کم ہے اُس کے مقابلہ میں ہلاک ہوگا مثلاً سو روپے دَین ہیں اور مرہون کی قیمت دو سو ۲۰۰ ہے تو سو ۱۰۰ کے مقابل میں ہلاک ہوا یعنی اس کا دَین ساقط ہو گیا اور مرتہن راہن کو کچھ نہیں دے گا اور اگر صورت مفروضہ میں مرہون کی قیمت پچاس روپے ہے تو دَین میں سے پچاس ساقط ہو گئے اور پچاس باقی ہیں اور اگر دونوں برابر ہیں تو نہ دینا ہے نہ لینا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مرہون کی قیمت اس روز کی معتبر ہے جس دن رہن رکھا ہے یعنی جس دن مرتہن کا قبضہ ہوا ہے جس دن ہلاک ہوا اُس دن کی قیمت کا اعتبار نہیں یعنی رہن رکھنے کے بعد چیز کی قیمت گھٹ بڑھ گئی اس کا اعتبار نہیں مگر اگر دوسرے شخص نے مرہون کو ہلاک کر دیا تو اُس سے تاوان میں وہ قیمت لی جائے گی جو ہلاک کرنے کے دن ہے اور یہ قیمت مرتہن کے پاس اُس مرہون کی جگہ رہن ہے یعنی

2441 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اب یہ مرہون ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

بَاب اَجْرِ الْاُجَرَآءِ

یہ باب مزدور کو معاوضہ دینے کے بیان میں ہے

اجرت پر کام کرنے کا بیان

قَالَتْ اِحْدٰيهُمَا يٰاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ .(القصص،۲۶)

ان میں سے ایک (لڑکی) نے کہا: اے (میرے) والد گرامی انھیں (اپنے پاس مزدوری) پر رکھ لیں بیشک بہترین شخص جسے آپ مزدوری پر رکھیں وہی ہے جو طاقتور امانت دار ہو (اور یہ اس ذمہ داری کے اہل ہیں)۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے صاحبزادی سے دریافت کیا کہ تمہیں ان کی قوت و امانت کا کیا علم؟ انہوں نے عرض کیا کہ قوت تو اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تنہا کنوئیں پر سے وہ پتھر اٹھالیا جس کو دس سے کم آدمی نہیں اٹھا سکتے اور امانت اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے ہمیں دیکھ کر سر جھکالیا اور نظر نہ اٹھائی اور ہم سے کہا کہ تم پیچھے چلو ایسا نہ ہو کہ ہوا سے تمہارا کپڑا اڑے اور بدن کا کوئی حصہ نمودار ہو۔

2442 - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ اُمَيَّةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ اَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ كُنْتُ خَصْمَهُ خَصَمْتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اَعْطٰى بِيْ ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اسْتَاْجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُوْفِهِ اَجْرَهُ

◄► حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''قیامت کے دن میں تین لوگوں کا مخالف ہوں گا' جس شخص کا میں مخالف ہوں گا میں قیامت کے دن اس پر غالب آ جاؤں گا' وہ شخص جو میرے نام پر (کسی کو پناہ دے) اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے وہ شخص جو کسی آزاد شخص کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھا جائے اور ایک وہ شخص جو کسی کو مزدور رکھے اس سے کام پورا لے لیکن اس کا معاوضہ پورا نہ دے''۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا، ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام اور میری سوگند کے ذریعے کوئی عہد کیا اور پھر اس کو توڑ ڈالا دوسرا وہ شخص ہے جس نے ایک آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کا مول کھایا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے کام لیا (یعنی جس کام کے لئے لگایا تھا وہ پورا کام اس سے کرایا) لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی)۔

(بخاری، مشکوۃ المصابیح۔ جلد سوم: رقم الحدیث 204)

2442: اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2227' ورقم الحدیث: 2270

اس حدیث میں ایسے تین اشخاص کی نشان دہی کی گئی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا خاص طور سے نشانہ ہوں گے ان میں سے پہلا شخص تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر یعنی اس کی قسم کھا کر کوئی عہد ومعاہدہ کرتا ہے اور پھر اس کو توڑ ڈالتا ہے یوں تو عہد معاہدہ کی پاسداری بہر صورت ایک ضروری چیز ہے کیونکہ انسان کی شرافت وانسانیت کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ جو عہد ومعاہدہ کے نام پر کیا جاتا ہے تو پھر اس کی تکمیل کہیں زیادہ ضروری ہو جاتی ہے اس لئے جو شخص اللہ کے نام پر کیے ہوئے عہد ومعاہدہ کو توڑتا ہے وہ بجا طور پر غضب الٰہی کا مستحق ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو بیچ ڈالے شرف انسانی کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان اپنے ہی جیسے ایک دوسرے آزاد انسان کو ایک بازاری مال بنا دے اور اس کی خرید وفروخت کرے چنانچہ ایسے شخص کو بھی قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اس بارے میں یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں اس کا مول کھانے کی قید محض زیادتی تنبیہ کے لئے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آزاد انسان کو فروخت کرنا ہی ایک بڑے گناہ کی بات ہے خواہ اس کا مول کھائے یا نہ کھائے۔ اگر اس کا مول نہیں کھائے گا تب بھی گنہگار ہوگا اور اس وعید میں داخل ہوگا۔

تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مزدور کو اپنے کسی کام کی تکمیل کے لئے مزدوری پر لگائے اور اپنا وہ کام پورا کرانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دے یہ ایک انتہائی قابل نفرین فعل ہے کسی شخص کی محنت اس کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے جسے حاصل کر کے اس کی اجرت نہ دینا شیوۂ انسانیت کے خلاف ہے یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ کوئی غریب اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر کے کسی کے یہاں محنت کرائی مگر اس کی محنت کی اجرت اسے نہ دی جائے چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں بھی کہ جو مزدور کی مزدوری نہ دے اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی دی ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اپنے اس انسانی ظلم کی ضرور سزا پائے گا۔

2443 - حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَطِيَّةَ السَّلَمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوا الْاَجِيرَ اَجْرَهُ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ”مزدور کو اس کا معاوضہ اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو“۔

بَاب اِجَارَةِ الْاَجِيرِ عَلٰى طَعَامِ بَطْنِهٖ

یہ باب ہے کہ مزدور کو پیٹ بھر کر کھانے کے عوض میں مزدور رکھنا

2444 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ مَسْلَمَةَ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ

2443 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2444 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اَبِي اَيُّوبَ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ قَالَ سَمِعْتُ عُتْبَةَ بْنَ النُّدَّرِ يَقُوْلُ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَاَ طٰس حَتّٰى اِذَا بَلَغَ قِصَّةَ مُوْسٰى قَالَ اِنَّ مُوْسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰجَرَ نَفْسَهٗ ثَمَانِيَ سِنِيْنَ اَوْ عَشْرًا عَلٰى عِفَّةِ فَرْجِهٖ وَطَعَامِ بَطْنِهٖ

حضرت عتبہ بن ندر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ طسم (یعنی سورۃ قصص کی ابتدائی آیات) تلاوت کیں' یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ تک پہنچ گئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود کو آٹھ سال (راوی کو شک ہے) یا دس سال کے لیے مزدور کے طور پر اس شرط پر رکھا تھا کہ انہیں پہننے کے لیے کپڑا اور کھانے کے لیے خوراک ملے گی۔

شرح

طسم یعنی سورت قصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ مدین پہنچے وہاں حضرت شعیب علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوئی پھر ان کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے عوض میں اپنے آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام کی مزدوری میں دیا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کی تلاوت کے وقت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس تذکرہ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا کلام ارشاد فرمایا۔ شرم گاہ بچانے سے مراد نکاح ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے اس معاہدہ پر نکاح کیا کہ میں آٹھ یا دس سال تک تمہاری بکریاں چراؤں گا گویا اتنی مدت تک بکریاں چرانے کو انہوں نے اپنی بیوی کا مہر قرار دیا چنانچہ ان کی شریعت میں یہ جائز تھا کہ آزاد شخص کی خدمت کو اس کی بیوی کا مہر قرار دیا جا سکتا تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معاملے میں یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کا مہر تو کچھ اور مقرر کیا ہوگا اور بکریاں چرانے کی یہ خدمت بطریق احسان قبول کی ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی مبعوث نہیں کیا ہے جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے پوچھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکریاں چرائی ہیں فرمایا ہاں میں چند قیراط کی اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چراتا تھا۔

(بخاری، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 203)

منصب نبوت کے فریضہ کی ادائیگی جن اوصاف وخصوصیات کی حامل ہوتی ہے یا یوں کہیے کہ نبی کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے معاشرہ اور سماج سے جو قریبی ربط وتعلق رکھنا پڑتا تھا اس کے لئے چونکہ یہ ضروری تھا کہ دعوت وتبلیغ اور اصلاح اور رہنمائی کے کسی بھی موڑ پر پورے معاشرے کے افراد اور نبی کے درمیان اجنبیت اور غیریت کی دیوار حائل نہ رہے اس لئے قدرت کی طرف سے ابتداء میں نبی کو ایک ایسے تربیتی اور آزمائشی دور سے گزارا جاتا تھا جس کے بعض مرحلے بظاہر تو بہت نچلی سطح کے معلوم ہوتے تھے لیکن نتائج واثرات کے اعتبار سے وہی مرحلے بہت ہی دوررس اور کارآمد ثابت ہوتے تھے۔

ایسا ہی ایک مرحلہ بکریوں کا چرانا بھی ہے جو اگرچہ بہت معمولی درجہ کی چیز معلوم ہوتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی بکریوں کا چرانا محبت وشفقت محنت ومشقت باہمی ربط وتعلق اور عام خیر خواہی ونگہداشت کا ایک بہترین سبق ہے جو کسی رہبر ومصلح کی حیات کا ایک بنیادی وصف ہے چنانچہ ہر نبی اسی لئے بکریاں چراتا تھا تاکہ اس تجربہ سے گزرنے کے بعد امت کی نگہبانی وشفقت اور معاشرے سے ربط وتعلق کا حقیقی جذبہ پوری زندگی میں سرایت کیے رہے اور قوم کی طرف سے پیش آنیوالی ہر سختی ومشقت پر صبر وتحمل کی قوت حاصل رہے نیز اس ذریعے سے وہ حقیقی خلوت وتنہائی بھی حاصل ہوجاتی تھی جو نبی کی ابتدائی زندگی کا ایک مطلوب ہوتی تھی۔ مذکورہ بالا نکتہ زیادہ واضح ہوجاتا ہے اگر یہ تجربہ پیش نظر ہو کہ ایک رہبر اور ایک بادشاہ اپنی قوم یا اپنی رعایا کے ساتھ وہی نسبت وتعلق رکھتا ہے جو ایک چرواہا اپنی بکریوں کے ساتھ رکھتا ہے۔

2445- حَدَّثَنَا أَبُو عُمَرَ حَفْصُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سَلِيمُ بْنُ حَيَّانَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ نَشَأْتُ يَتِيمًا وَهَاجَرْتُ مِسْكِينًا وَكُنْتُ أَجِيرًا لِابْنَةِ غَزْوَانَ بِطَعَامِ بَطْنِي وَعُقْبَةِ رِجْلِي أَحْطِبُ لَهُمْ إِذَا نَزَلُوا وَأَحْدُو لَهُمْ إِذَا رَكِبُوا فَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ الدِّينَ قِوَامًا وَجَعَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ إِمَامًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میری نشوونما یتیم ہونے کی حالت میں ہوئی اور میں نے غربت کے عالم میں ہجرت کی' میں بنت غزوان کا مزدور تھا' معاوضہ یہ تھا کہ مجھے کھانا ملے گا اور باری آنے پر سواری پر سوار ہونے کا موقع ملے گا' جب وہ لوگ کسی جگہ پڑاؤ کرتے تھے تو میں ان کے لیے لکڑیاں اکٹھی کر کے لاتا تھا' وہ لوگ سوار ہوجاتے تھے تو میں ان کے لیے حدی گاتا تھا (یعنی کہ میں جانوروں کے آگے پیدل چلتا تھا) تو ہر طرح کی حمد اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے' جس نے دین کو زندگی کی تمام ضروریات کا نظام بنایا ہے' اور جس نے ابوہریرہ کو امام بنایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

اسم گرامی عبدالرحمٰن بن صخر اور کنیت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ ماہ محرم میں غزوۂ خیبر والے سال مشرف باسلام ہو کر زیارت نبوی ﷺ کی سعادت حاصل کی۔ امام شافعی اور دیگر محدثین کے قول کے مطابق یہ صحابہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ حالانکہ ان کو صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت، بہت کم حاصل ہوئی بہت کم عرصہ صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہونے کے باوجود ان کے کثیر الروایۃ ہونے کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

یہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر رہتے تھے اور شاذ ونادر ہی غیر حاضر ہوتے تھے۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تم کہتے ہو کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیثیں بہت روایت کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ میں ایک مسکین آدمی تھا پیٹ بھر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے سوا مجھے کوئی کام نہ تھا۔ مہاجرین بازار میں کاروبار کرتے تھے اور انصارِ مدینہ اپنے مالوں کی حفاظت میں مصروف رہا کرتے تھے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھا آپ

2445 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے میری بات ختم کرنے تک چادر پھیلائے اور پھر اسے سمیٹ لے اور پھر اس کے بعد اسے سنی ہوئی بات کبھی نہ بھولے یہ سن کر میں نے چادر بچھادی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام ختم کیا تو میں نے وہ چادر سمیٹ لی اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کے بعد مجھے کوئی بات نہیں بھولی۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تحصیل علم کے بڑے دلدادہ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی تھی کہ انہیں نسیان کی بیماری لاحق نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صرف تین سال صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہنے کے باوجود کثرت روایت میں سب صحابہ رضی اللہ عنہ پر فوقیت لے گئے تھے۔ امام نسائی نے باب العلم میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر چند مسائل دریافت کئے حضرت زید رضی اللہ عنہ کہنے لگے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھئے پھر انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک دن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک شخص مسجد میں بیٹھے ذکر الٰہی میں مصروف تھے اسی دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر ہمارے پاس بیٹھ گئے ہم خاموش ہو گئے فرمایا جو کام آپ کر رہے تھے اسے جاری رکھئے زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے دعا مانگی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی اور کہا اے اللہ میرے ساتھیوں نے جو تجھ سے طلب کیا ہے میں وہ طلب کرتا ہوں اور تجھ سے ایسے علم کا طالب ہوں جو فراموش نہ ہونے پائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم بھی اللہ سے نہ بھولنے والے علم کے خواستگار ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسی (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) لڑکا اس بات میں تم پر فضیلت لے گیا۔ (سنن نسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ روز قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی سعادت سب سے زیادہ کس کو نصیب ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا خیال تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ سے پہلے کوئی شخص مجھ سے یہ سوال نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ آپ رضی اللہ عنہ حدیثوں کے بہت مشتاق ہیں۔ میری شفاعت کی سعادت سب سے بڑھ کر روز قیامت اس شخص کو نصیب ہوگی جو خلوص دل سے لا الٰہ الا اللہ پڑھے۔ (بخاری)

کثرت روایت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہ سے مل کر استفادہ کیا تھا اس لئے ان کا علم کامل اور وسعت پذیر ہو گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد طویل عمر پائی، آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سینتالیس سال بقید حیات رہ کر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشر و اشاعت کرتے رہے، آپ مناصب و مشاغل اور فتنوں سے دور رہے۔

انہی اسباب کے پیش نظر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں عظیم تر حافظ حدیث تھے اور حدیث کے اخذ و تحمل اور روایت دونوں میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم پر فائق تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحیثیت مجموعی جن احادیث کے حافظ تھے وہ انفرادی طور پر تمام یا اکثر صحابہ کو یاد تھیں، یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم پیش آمدہ مسائل کے حل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جانب رجوع کرتے اور ان پر اعتماد کیا کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے موقع پر حضرت ابن عمر رضی اللہ

گنہا نے فرمایا تھا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث محفوظ رکھا کرتے تھے۔ بقول امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے قریباً آٹھ سو اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین نے حدیثیں روایت کی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مروی ہیں، ان میں سے بخاری مسلم میں تین سو پچیس روایات ہیں۔ صرف بخاری میں ترانوے اور صرف مسلم میں ایک سو چوراسی حدیثیں ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں ۵۷ھ میں بعمر اٹھتر سال وفات پائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ فاقوں کی وجہ سے بھوک کی شدت سے تنگ آ کر رستے میں بیٹھ گئے لیکن خودداری کی وجہ سے کسی سے بھی سوال نہ کیا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا حضرت ابوہریرہ نے اس خیال سے ان سے بات کی کہ شاید وہ کھانے کا کہہ دیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بات کا جواب دیا اور اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔

کچھ دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے تو حضرت ابوہریرہ نے ان سے بھی کوئی بات کی اور وہ بھی ان کی بات کا جواب دے کر گھر تشریف لے گئے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت ابوہریرہ کا چہرہ دیکھ کر ماجرا سمجھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے ساتھ گھر لے آئے، گھر میں کہیں سے دودھ کا پیالہ ہدیہ آیا ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا کہ جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ ایک پیالہ دودھ ہے تو اسے کون کون پی لے گا اور میرے حصے میں تو کچھ بھی نہیں آئے گا کیونکہ اصحاب صفہ مہمان ہونگے تو پہلے انکو ہی پلایا جائے گا۔ لیکن بھوک پر حکم مقدم تھا چنانچہ اصحاب صفہ کو بلا لائے۔

اللہ کے نبی نے حضرت ابوہریرہ کو حکم دیا کہ سب کو دودھ پلاؤ حضرت ابوہریرہ نے باری باری سب کو دودھ پلایا اور سب نے سیر ہو کر پیا۔ جب سب لوگ پی چکے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے پر ہاتھ رکھا اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ابوہریرہ اب تو میں اور تم ہی باقی ہیں بیٹھو اور پیو، حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے خوب دودھ پیا اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اور پیو میں نے اور پیا اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اور پیو میں نے اور پیا اور یہاں تک کہ میرا پیٹ بھر گیا میں نے کہا کہ اللہ کے نبی ﷺ بس اب گنجائش نہیں رہی میں نے سیر ہو کر پی لیا ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھی اور باقی دودھ پی لیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کی برکت تھی کہ ایک پیالہ اتنے لوگوں کو کافی آ گیا۔ (حیات الصحابہ)

بَاب الرَّجُلِ يَسْتَقِي كُلَّ دَلْوٍ بِتَمْرَةٍ وَيَشْتَرِطُ جَلْدَةً

یہ باب ہے کہ آدمی کا اس شرط پر پانی نکالنا کہ ہر ڈول کے عوض میں ایک کھجور ملے گی اور آدمی کا یہ شرط عائد کرنا کہ وہ عمدہ ہوگی

2446 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَنَشٍ عَنْ

عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَصَابَ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصَاصَةٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ عَلِيًّا فَخَرَجَ يَلْتَمِسُ عَمَلًا يُصِيبُ فِيهِ شَيْئًا لِيُقِيتَ بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى بُسْتَانًا لِرَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ فَاسْتَقٰى لَهُ سَبْعَةَ عَشَرَ دَلْوًا كُلُّ دَلْوٍ بِتَمْرَةٍ فَخَيَّرَهُ الْيَهُودِيُّ مِنْ تَمْرِهِ سَبْعَ عَشَرَةَ عَجْوَةً فَجَاءَ بِهَا اِلٰى نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فاقہ لاحق ہوا' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ملی تو وہ کسی کام کی تلاش میں نکلے تاکہ انہیں اس کے عوض میں کوئی ایسی چیز مل جائے تاکہ وہ اس کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کا بندوبست کر سکیں' وہ ایک یہودی کے باغ میں آئے' انہوں نے اسے سترہ ڈول نکال کر دیئے' ہر ایک ڈول ایک کھجور کے عوض میں تھا' تو اس یہودی نے اپنی کھجوروں میں سے سترہ کھجوریں معاوضے کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

2447- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ اَبِي حَيَّةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ اَدْلُو الدَّلْوَ بِتَمْرَةٍ وَّاَشْتَرِطُ اَنَّهَا جَلْدَةٌ

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں ایک کھجور کے عوض میں ایک ڈول نکالتا تھا اور میں نے یہ شرط عائد کی تھی کہ وہ کھجور عمدہ ہونی چاہیے۔

انصاری صحابی کا کھجوروں کے لئے اجرت کرنے کا بیان

2448- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ جَدِّهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَالِيْ اَرٰى لَوْنَكَ مُنْكَفِئًا قَالَ الْخَمْصُ فَانْطَلَقَ الْاَنْصَارِيُّ اِلٰى رَحْلِهِ فَلَمْ يَجِدْ فِي رَحْلِهِ شَيْئًا فَخَرَجَ يَطْلُبُ فَاِذَا هُوَ بِيَهُودِيٍّ يَسْقِي نَخْلًا فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ لِلْيَهُودِيِّ اَسْقِي نَخْلَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ دَلْوٍ بِتَمْرَةٍ وَّاشْتَرَطَ الْاَنْصَارِيُّ اَنْ لَا يَاْخُذَ خَدِرَةً وَّلَا تَارِزَةً وَّلَا حَشَفَةً وَّلَا يَاْخُذَ اِلَّا جَلْدَةً فَاسْتَقٰى بِنَحْوٍ مِنْ صَاعَيْنِ فَجَاءَ بِهِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک انصاری آیا اس نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا وجہ ہے؟ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ کچھ تبدیل محسوس ہو رہا ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بھوک کی وجہ سے ہے''۔

وہ انصاری اپنی رہائش گاہ کی طرف گیا' اسے اپنی رہائشی جگہ پر کوئی چیز نہیں ملی پھر وہ کسی کام کی تلاش میں نکلا' وہاں ایک یہودی

2446: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2447 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2448: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اپنے کھجور کے باغ کو پانی دے رہا تھا' اس انصاری نے اس یہودی سے کہا' کیا میں تمہارے کھجور کے باغ کو پانی دیدوں' اس یہودی نے کہا: ٹھیک ہے' اس نے کہا ایک ڈول کے عوض میں ایک کھجور ہوگی' انصاری نے یہ شرط عائد کی کہ وہ اندر سے سیاہ یا خشک یا ردی کھجوریں نہیں لے گا' وہ صرف عمدہ کھجوریں وصول کرے گا' پھر اس نے دو صاع کھجوروں جتنا پانی نکالا' اور پھر وہ کھجوریں لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

بَاب الْمُزَارَعَةِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ

یہ باب ہے کہ ایک تہائی یا ایک چوتھائی پیداوار کے عوض میں کھیتی باڑی کرنا

مزارعت کے صحیح ہونے کی شرائط کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ زمین کا مالک یا خود کاشت کرے یا کسی دوسرے ضرورت مند بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینا جائز نہیں، لیکن بعض صورتوں میں مجبوری ہوتی ہے اور اس کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ پس صاحبین کے نزدیک بٹائی پر زمین دی جاسکتی ہے۔ صاحبین کے نزدیک مزارعت کے جواز کے لئے آٹھ شرائط ہیں۔

1۔ زمین قابل کاشت ہو

2۔ مالک و مزارع اہل عقد ہوں

3۔ مدت بیان کی جائے

4۔ یہ بات واضح کی جائے کہ بیج کس کے ذمہ ہوگا؟

5۔ جس کے ذمہ بیج نہیں اس کے حصہ کی وضاحت

6۔ مالک، زمین مزارع کے سپرد کرے اور اپنا عمل دخل یا تصرف نہ کرے

7۔ پیداوار حاصل ہونے پر اس میں شرکت مقررہ حصہ

8۔ بیج کی جنس کا تعین کرنا کہ کیا بوئے گا؟

ہمارے علمائے احناف کا فتویٰ صاحبین پر ہے، البتہ یہ یاد رہے کہ آج کل کی زمینداری اور جاگیرداری کی بنیاد کسی اصول عدل پر نہیں، سراسر ظلم پر ہے۔ ظالم حکمرانوں نے مخالف حریت پسند عوام سے زمین چھین کر اپنے پسندیدہ لوگوں میں بطور رشوت تقسیم کی ہے۔ نہ وہ حکمران اس کے جائز مالک تھے نہ اس بندر بانٹ کے مجاز۔ لہٰذا اس زمینداری و جاگیرداری کا صورت جواز سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سراسر ظالمانہ و غاصبانہ دست برد کا نتیجہ ہے۔ یہ نہ امام صاحب کے نزدیک جائز ہے نہ صاحبین کے نزدیک۔

مسلک صاحبین کے مطابق صرف وہ مزارعت جائز ہے جو غصب و نہب سے پاک ہے اور شرعی اصولوں پر مبنی ہو۔ آپ کی زمین بظاہر حلال نظر آتی ہے، لہٰذا مسلک صاحبین کے مطابق آپ شرائط بالا کے تحت بٹائی پر دے سکتے ہیں۔

2449- حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَقَالَ اِنَّمَا يَزْرَعُ ثَلَاثَةٌ رَجُلٌ لَهٗ اَرْضٌ فَهُوَ يَزْرَعُهَا وَرَجُلٌ مُنِحَ اَرْضًا فَهُوَ يَزْرَعُ مَا مُنِحَ وَرَجُلٌ اسْتَكْرٰى اَرْضًا بِذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ

◄► حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے تین لوگ زراعت کرتے ہیں ایک وہ شخص جس کی زمین ہو اور وہ خود اس پر کھیتی باڑی کرے ایک وہ شخص جسے عطیے کے طور پر زمین دی گئی ہو اور وہ اس میں کھیتی باڑی کرے اور ایک وہ شخص جو اپنی زمین کو سونے یا چاندی کے عوض کرائے پر دے۔

شرح

اس حدیث میں محاقلہ سے مراد مزارعت (بٹائی) ہی ہے، اور اس کی ممانعت کا معاملہ اخلاقاً ہے نہ کہ بطور حرمت، یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ یہ کہ اس کی اجازت دی، بلکہ خود اہل خیبر سے بٹائی پر معاملہ کیا جیسا کہ "باب النخیل والکرم" میں آئے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ تہائی یا چوتھائی پر مزارعت باطل ہے۔ اور مزارعت لغت کے اعتبار سے یہ باب مفاعلہ سے مصدر ہے اور اصطلاح شرع میں بعض حصے پر زراعت کرنے کا نام مزارعت ہے۔ اور یہ امام صاحب کے نزدیک فاسد ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ یہ جائز ہے اور اس کے جواز بنیاد نقلی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ نصف مقدار پر پھل یا کھیتی کا معاملہ کیا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ مزارعت یہ کام اور مال کے درمیان شرکت والا عقد ہے۔ پس مضاربت پر قیاس کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا جائے گا۔ اور ایک اجتماعی ضرورت کو دور کرنا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات مال والا کام نہیں کرسکتا اور جو بندہ کام کرسکتا ہے اس کے پاس مال نہیں ہوتا پس ان دونوں کے درمیان اسی عقد کو منعقد کرنے ضرورت پڑے گی۔ جبکہ نصف زوائد کے ساتھ بکری، مرغی اور ریشم کے کیڑوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ یہاں پر حصول زوائد میں کوئی اثر نہیں ہے پس ان چیزوں میں شرکت ثابت نہ ہوگی۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل وہی روایت ہے جو آپ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع کیا ہے اور وہ مزارعت ہے۔ کیونکہ مزارعت کا عقد یہ انسان کے کسی عمل سے پیدا ہونے والے بعض حصے کو اجرت پر رکھنا ہے۔ پس یہ قفیز طحان کے معنی میں ہے کیونکہ اس کی اجرت نہ معلوم ہے یا پھر اجرت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ہر طرح سے فاسد ہے۔ جبکہ اہل خیبر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ مصالحت کے طور پر ان سے مقاسمت خراج کے مسائل سے ہے اور وہ جائز ہے۔ (ہدایہ، کتاب المزارعہ)

2449 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3400' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3899' ورقم الحدیث: 3900' ورقم الحدیث 3901' ورقم الحدیث 3902' ورقم الحدیث 4549

تین چوتھائی پر مزارعت کرنے فقہی مذاہب

قیس بن مسلم نے بیان کیا اور ان سے ابوجعفر نے بیان کیا کہ مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو تہائی یا چوتھائی حصہ پر کاشتکاری نہ کرتا ہو۔ حضرت علی اور سعد بن مالک اور عبداللہ بن مسعود، اور عمر بن عبدالعزیز اور قاسم اور عروہ اور حضرت ابوبکر کی اولاد اور حضرت عمر کی اولاد اور حضرت علی کی اولاد اور ابن سیرین رضی اللہ عنہ سب بٹائی پر کاشت کیا کرتے تھے۔ اور عبدالرحمٰن بن اسود نے کہا کہ میں عبدالرحمٰن بن یزید کے ساتھ کھیتی میں ساجھی رہا کرتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کاشت کا معاملہ اس شرط پر طے کیا تھا کہ اگر بیج وہ خود (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) مہیا کریں تو پیداوار کا آدھا حصہ لیں اور اگر تخم ان لوگوں کا ہو جو کام کریں گے تو پیداوار کے اتنے حصے کے وہ مالک ہوں۔ حسن بصری رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ زمین کسی ایک شخص کی ہو اور اس پر خرچ دونوں (مالک اور کاشتکار) مل کر کریں۔ پھر جو پیداوار ہو اسے دونوں بانٹ لیں۔

زہری رحمہ اللہ علیہ نے بھی یہی فتویٰ دیا تھا۔ اور حسن نے کہا کہ کپاس اگر آدھی (لینے کی شرط) پر چنی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابراہیم، ابن سیرین، عطاء، حکم، زہری اور قتادہ رحمہم اللہ نے کہا کہ (کپڑا بننے والوں کو) دھاگا اگر تہائی، چوتھائی یا اسی طرح کی شرکت پر دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ معمر نے کہا کہ اگر جانور ایک معین مدت کے لیے اس کی تہائی یا چوتھائی کمائی پر دیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اس باب کے ذیل میں کئی ایک اثر مذکور ہوئے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ کہ ابوجعفر مذکور امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ہے جو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے والد ہیں۔ حضرت علی اور سعد اور ابن مسعود اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم کے اثروں کو ابن ابی شیبہ نے اور قاسم کے اثر کو عبدالرزاق نے اور عروہ کے اثر کو بھی ابن ابی شیبہ نے وصل کیا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے امام محمد باقر سے نکالا۔ اس میں یہ ہے ان سے بٹائی کو پوچھا تو انہوں نے کہا میں نے ابوبکر اور عمر اور علی سب کے خاندان والوں کو یہ کرتے دیکھا ہے اور ابن سیرین کے اثر کو سعد بن منصور نے وصل کیا اور عبدالرحمٰن بن اسود کے اثر کو ابن ابی شیبہ اور نسائی نے وصل کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن ابی شیبہ اور بیہقی اور طحاوی نے وصل کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب اس اثر کے لانے سے یہ ہے کہ مزارعت اور مخابرہ دونوں ایک ہیں۔ بعض نے کہا جب تخم زمین کا مالک دے تو وہ مزارعت ہے اور جب کام کرنے والا تخم اپنے پاس سے ڈالے تو وہ مخابرہ ہے۔ بہر حال مزارعت اور مخابرہ امام احمد اور خزیمہ اور ابن منذر اور خطابی کے نزدیک درست ہے اور باقی علماء نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ لیکن صحیح مذہب امام احمد کا ہے کہ یہ جائز ہے۔ حسن بصری کے اثر کو سعید بن منصور نے وصل کیا ہے اور زہری کے اثر کو ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے وصل کیا اور ابراہیم کے قول کو ابوبکر اثرم نے اور ابن سیرین کے قول کو ابن ابی شیبہ نے اور عطا اور قتادہ اور حکم اور زہری کے بھی اقوال کو انہوں نے وصل کیا۔

مطلب یہ ہے کہ مزارعت کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً فی بیگھہ لگان بصورت روپیہ مقرر کر لیا جائے۔ یہ صورت بہرحال جائز ہے۔ ایک صورت یہ کہ مالک زمین کا کوئی قطعہ اپنے لیے خاص کر لے کہ اس کی پیداوار خاص میری ہوگی یا مالک غلہ طے کر لے کہ

پیداوار کچھ بھی ہو میں اتنا غلہ لوں گا۔ یہ صورتیں اس لیے ناجائز ہیں کہ معاملہ کرتے وقت دونوں فریق ناواقف ہیں۔ مستقبل میں ہر دو کے لیے نفع ونقصان کا احتمال ہے۔ اس لیے شریعت نے ایسے دھوکے کے معاملہ سے روک دیا۔ ایک صورت یہ ہے کہ تہائی یا چوتھائی پر معاملہ کیا جائے یہ صورت بہر حال جائز ہے اور یہاں اسی کا بیان مقصود ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں: **والحق ان البخاری انما اراد بسیاق هذه الآثار الاشارة الی ان الصحابة لم ینقل عنهم خلاف فی الجواز خصوصاً اهل المدینة فیلزم من یقدم عملهم علی الاخبار المرفوعة ان یقولوا بالجواز علی قاعدتهم** (فتح الباری) یعنی حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان آثار کے یہاں ذکر کرنے سے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ صحابہ کرام سے جواز کے خلاف کچھ منقول نہیں ہے خاص طور پر مدینہ والوں سے ہو۔

2450- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ كُنَّا نُخَابِرُ وَلَا نَرٰى بِذٰلِكَ بَأْسًا حَتّٰى سَمِعْنَا رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ يَقُولُ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ فَتَرَكْنَاهُ لِقَوْلِهِ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم لوگ پہلے زمین ٹھیکے پر دے دیا کرتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے پھر ہم نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے ہم نے ان کے بیان کی وجہ سے ایسا کرنا ترک کر دیا۔

مزارعت کے چار طریقوں کا بیان

صاحبین نے کہا ہے کہ مزارعت کے چار طریقے ہیں۔ (۱) جب بیج اور زمین ایک شخص کی ہے جبکہ بیل اور محنت دوسرے شخص کی ہے تو ایسی مزارعت جائز ہے۔ کیونکہ بیل کام کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی شخص نے درزی کو اجرت پر رکھا ہے کہ اپنی سوئی کے ذریعے سلائی کرائے۔ (۲) اور جب زمین ایک شخص کی ہے جبکہ بیل، کام اور بیج دوسرے آدمی کا ہے۔ تو ایسی مزارعت بھی جائز ہے۔ کیونکہ یہ پیداوار کی کچھ معین مقدار پر زمین کو اجرت پر لیا گیا ہے۔ جس طرح یہ مسئلہ ہے کہ جب کسی شخص نے معلوم دراہم کے بدلے میں زمین کو اجرت پر لیا ہے۔

(۳) اور جب زمین، بیل اور بیج ایک آدمی کا ہے جبکہ کام صرف دوسرے آدمی کا ہے تو ایسی مزارعت بھی جائز ہے۔ کیونکہ زمین دینے والے نے کام کرنے والے کو بطور ذریعہ کے کام دیا ہوا ہے تو یہ ایسے ہی ہوگا جس طرح کسی نے اپنی سوئی دیکر درزی سے کپڑے سلوائے ہوں اور درزی کو اجرت پر لیا ہے۔ یا اس نے کسی کاریگر کا اجرت پر لیا ہے کہ وہ مکان کے مالک کے آزاروں سے پلستر کر دے۔

(۴) اور جب زمین اور بیل ایک کے ہوں اور کام دوسرے کا ہے تو ایسی مزارعت باطل ہے اور امام قدوری علیہ الرحمہ نے

2450: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3912، ورقم الحدیث: 3913، ورقم الحدیث: 3914، اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3389، اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3926، ورقم الحدیث: 3927، ورقم الحدیث: 3928

ظاہرالروایت کے مطابق یہ قول ذکر کیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ یہ مزارعت بھی درست ہے۔ کیونکہ جب مالک بیج اور بیل ان دونوں کی شرط لگائے تو جائز ہے تو یہ بھی اسی طرح جائز ہوگی۔ جس طرح صرف بیل کی شرط لگائی جائے۔ پس یہ کام کرنے والے کی جانب سے شرط لگانے کی طرح ہوجائے گا۔

ظاہرالروایت کی دیل یہ ہے کہ بیل کا نفع یہ منفعت زمین کی جنس سے نہیں ہے کیونکہ زمین کا نفع ایک فطری طور پر طاقت یافتہ ہے۔ جس سے اضافہ ہوتا ہے جبکہ بیل کا نفع یہ ایک کرنے کی حد تک طاقت رکھنے والا ہے۔ اور ہر ایک اللہ کی مخلوق ہے۔ پس ان دونوں کے منافع ایک جنس سے نہ ہوں۔ اور بیل کے منافع کو زمین کے منافع کے تابع کرنا بھی مشکل ہے بہ خلاف عامل کی جانب سے جب ہو کیونکہ وہاں دونوں منافع ایک ہی جنس کے ہیں پس بیل کے منافع کو عامل کے منافع کے تابع کر دیا جائے گا۔

اور اسی مقام پر مزارعت کے باطل ہونے کی صورتیں اور بھی ہیں جن کو صاحب قدوری نے ذکر نہیں کیا ہے اور ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ بیج ایک شخص کا ہے جبکہ زمین، بیل اور کام دوسرے آدمی کا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عقد بیج اور کام کے درمیان شرکت بن کر مکمل ہوا ہے حالانکہ اس کے لئے شرعی حکم موجود نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جب اس عقد کو بیج اور بیل کے درمیان اکٹھا کر دیا جائے تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ انفرادی طور پر درست نہیں ہے۔ لہذا اجتماعی طور پر بھی درست نہ ہوگا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں پیداوار بیج والے کو ملے گی اور اس کو مزارعت فاسدہ پر قیاس کیا جائے گا۔ جبکہ ایک روایت کے مطابق پیداوار زمین کے مالک کے لئے ہوگی۔ اور وہ بیج کا قرض لینے والا بنے گا۔ اور وہ اس طرح کہ وہ اپنی زمین کے ساتھ اتصال بیج کے سبب اس پر قبضہ کرنے والا ہے۔ (ہدایہ)

مزارعت کی فاسد صورتوں کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل شرائط سے مزارعت فاسد ہوجاتی ہے۔ پیداوار کا ایک کے لیے مخصوص ہونا۔ مالک زمین کے کام کرنے کی شرط۔ ہل بیل مالک زمین کے ذمہ شرط کر دینا۔ کھیت کاٹنا اور ڈھو کر خرمن میں پہنچانا پھر دائیں چلانا اور غلہ کو بھوسہ اوڑا کر جدا کرنا ان سب کو مزارع پر شرط کرنا مفسد ہے یا نہیں اس میں دو روایتیں ہیں اور یہاں کا عرف یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی مزارع ہی کرتا ہے مگر رواج یہ ہے کہ ان سب چیزوں میں مزدوری جو کچھ دی جاتی ہے وہ مشترک غلہ سے دی جاتی ہے مزارع اپنے پاس سے نہیں دیتا بلکہ ان تمام مصارف کے بعد جو کچھ غلہ بچتا ہے وہ حسب قرارداد تقسیم ہوتا ہے۔ ایک کو غلہ ملے گا اور دوسرے کو صرف بھوسا۔ غلہ بانٹا جائے گا اور بھوسا وہ لے گا جس کے بیج نہیں ہیں مثلاً مالک زمین۔ بھوسا بانٹا جائے گا اور غلہ صرف ایک کو ملے گا۔ اور اگر یہ شرط ہے کہ غلہ بٹے گا اور بھوسا اُس کو ملے گا جس کے بیج ہیں جیسا یہاں کا یہی عرف ہے کہ مزارع ہی بیج دیتا ہے اور بھوسہ لیتا ہے یہ صورت صحیح ہے۔ اور اسی طرح اگر بھوسے کے متعلق کچھ ذکر ہی نہ آیا کہ اس کو کون لے گا یہ بھی صحیح ہے مگر اس صورت میں بھوسا کون لے گا اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ بھی بٹے گا دوسرا یہ کہ جس کے بیج ہیں اسے ملے گا یہی ظاہر الروایہ ہے اور یہاں کا عرف دوسرے قول کے موافق ہے۔ اور ایک شخص کی زمین اور بیج اور دوسرا شخص اپنے ہل بیل سے جوتے

بوئے گا یا ایک کی فقط زمین باقی سب کچھ دوسرے کا یعنی بیج بھی اسی کے اور ہل بیل بھی اسی کے اور کام بھی یہی کریگا یا مزارع صرف کام کریگا باقی سب کچھ مالک زمین کا، یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔ اور اگر یہ ہو کہ زمین اور بیل ایک کے اور کام کرنا اور بیج مزارع کے ذمہ یا یہ کہ بیل اور بیج ایک کے اور زمین اور کام دوسرے کا یا یہ کہ ایک کے ذمہ فقط بیل یا بیج باقی سب کچھ دوسرے کا یہ چاروں صورتیں ناجائز و باطل ہیں۔ (درمختار، کتاب مزارعت، بیروت)

جوازِ مزارعت کے فقہی استدلال کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس زمین ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کاشت کرے یا خود کاشت نہ کر سکے) تو اپنے کسی بھائی کو عاریۃً دیدے اور اگر یہ دونوں ہی باتیں پسند نہ ہوں تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ المصابیح، جلد سوم، رقم الحدیث، 197)

شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے پیش نظر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے مال سے نفع حاصل کرے لہٰذا جس شخص کے پاس زمین ہو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کھیتی باڑی کرے تاکہ اس سے پیداوار ہو اور اس کی وجہ سے اسے نفع ہو اور اگر کسی وجہ سے وہ خود کاشت نہ کر سکتا ہو تو پھر وہ اس زمین کو اپنے کسی مستحق مسلمان بھائی کو عاریۃً دیدے تاکہ وہ اس میں محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ بھرے اس صورت میں انسانی اخلاق و ہمدردی کا ایک تقاضہ بھی پورا ہوگا اور اسے ثواب بھی ملے گا لیکن اگر وہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت پسند نہ کرے تو پھر اپنی زمین کو اپنے پاس رہنے دے یہ آخری حکم گویا ان دونوں صورتوں کو ترک کرنے اور مزارعت کو اختیار کرنے پر از راہ تنبیہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نہ تو اپنی زمین سے مالی فائدہ حاصل کرے کہ اس پر خود کاشت کرے اور نہ کسی مسلمان بھائی کو عاریۃً دے کر اس سے روحانی نفع حاصل کرے تو پھر بہتر یہی ہے کہ وہ اس زمین کو یوں ہی چھوڑ دے کسی کو بطور مزارعت نہ دے نیز اس میں ایسے لوگوں کے لئے بھی تنبیہ ہے جو اپنے مال سے نہ تو خود ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کی زمین عاریۃً قبول کرنے سے انکار کر دے تو اپنی زمین اپنے پاس رہنے دے اس صورت میں یہ حکم اباحت کے طور پر ہوگا۔

2451 - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِيْ عَطَاءٌ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ كَانَتْ لِرِجَالٍ مِّنَّا فُضُوْلُ اَرَضِيْنَ يُؤَاجِرُوْنَهَا عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ فُضُوْلُ اَرَضِيْنَ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْ لِيُزْرِعْهَا اَخَاهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهٗ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جن کے پاس اضافی زمین موجود تھی۔ وہ زمین کو ایک چوتھائی یا ایک تہائی پیداوار کے عوض میں ٹھیکے پر دیا کرتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس

2451 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2340' ورقم الحدیث: 2632' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3895' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم حدیث:

انسانی زمین موجود ہو وہ اس میں خود کھیتی باڑی کرے یا پھر اپنے کسی بھائی کو کھیتی باڑی کرنے کے لیے دیدے اگر وہ نہیں مانتا (یعنی بلا معاوضہ نہیں دینا چاہتا) تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے"۔

شرح

شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے پیش نظر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے مال سے نفع حاصل کرے لہٰذا جس شخص کے پاس زمین ہو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کھیتی باڑی کرے تا کہ اس سے پیداوار ہو اور اس کی وجہ سے اسے نفع ہو اور اگر کسی وجہ سے وہ خود کاشت نہ کر سکتا ہو تو پھر وہ اس زمین کو اپنے کسی مستحق مسلمان بھائی کو عاریۃ دیدے تا کہ وہ اس میں محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ بھرے اس صورت میں انسانی اخلاق و ہمدردی کا ایک تقاضہ بھی پورا ہو گا۔

اور اسے ثواب بھی ملے گا لیکن اگر وہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت پسند نہ کرے تو پھر اپنی زمین کو اپنے پاس رہنے دے یہ آخری حکم گویا ان دونوں صورتوں کو ترک کرنے اور مزارعت کو اختیار کرنے پر از راہ تنبیہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نہ تو اپنی زمین سے مالی فائدہ حاصل کرے کہ اس پر خود کاشت کرے اور نہ کسی مسلمان بھائی کو عاریۃ دے کر اس سے روحانی نفع حاصل کرے تو پھر بہتر یہی ہے کہ وہ اس زمین کو یوں ہی چھوڑ دے کسی کو بطور مزارعت نہ دے نیز اس میں ایسے لوگوں کے لئے بھی تنبیہ ہے جو اپنے مال سے نہ تو خود ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کی زمین عاریۃ قبول کرنے سے انکار کر دے تو اپنی زمین اپنے پاس رہنے دے اس صورت میں یہ حکم اباحت کے طور پر ہو گا۔

2452 - حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعِيْدٍ الْجَوْهَرِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْتَوْبَةَ الرَّبِيْعُ بْنُ نَافِعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْ لِيَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"جس شخص کے پاس زمین موجود ہو وہ اس میں خود کھیتی باڑی کرے یا اپنے کسی بھائی کو عطیے کے طور پر دیدے اگر وہ نہ مانے تو اس زمین کو اپنے پاس رکھے"۔

مزارعت کے معنی و مفہوم کا بیان

اور کسی کو اپنی زمین اس طور پر کاشت کے لیے دینا کہ جو کچھ پیداوار ہو گی دونوں میں مثلاً نصف نصف یا ایک تہائی دو تہائیاں تقسیم ہو جائے گی اس کو مزارعت کہتے ہیں، اسی کو ہندوستان میں بٹائی پر کھیت دینا کہتے ہیں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مزارعت ناجائز ہے مگر فتویٰ قول صاحبین پر ہے کہ مزارعت جائز ہے۔

2452: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 2340 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 3908

اسلام میں مزارعت کے جائز وناجائز ہونے کی بحث

مزارعت کے بارے میں بعض لوگ فقہ حنفی کے متعلق غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اور غیر مقلدین محض معنوی وفنی جملوں سے استدلال کر کے عوام میں توہمات پھیلانے میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ہم ذیل میں اس موضوع کے متعلق فقہ حنفی کی پاسبانی میں دیئے گئے دلائل اور وہ احادیث جن سے مزارعت کے بارے میں فقہاء احناف نے استدلال کیا ہے اور غلط شرائط کی بنیاد پر مزارعت سے منع کیا اور نقصان وہ شرائط سے جب خالی تو مزارعت کو جائز قرار دیا ہے۔

شریعت میں مزارعت جائز ہے، احادیثِ مبارکہ میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے اس کا جواز ثابت ہے۔ جن احادیث کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ ایسی مزارعت پر محمول ہیں جن میں غلط شرائط لگادی گئی ہوں۔

بٹائی کے متعلق حدیثِ مخابرہ کی تحقیق

کیا اس حدیثِ مخابرہ میں بٹائی کی ممانعت آئی ہے؟

عن رافع بن خديج رضي الله عنه أنه زرع أرضًا فمرّ به النبي صلى الله عليه وسلم وهو يسقيها فسأله: لمن الزرع؟ ولمن الأرض؟ فقال: زرعي وببذري وعملي لي الشطر ولبني فلان الشطر . فقال: أربيتما، فرد الأرض على أهلها وخذ نفقتك . (سنن ابوداؤد، طبع ایچ ایم سعید)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک کھیتی کاشت کی، وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا، جبکہ وہ اس کو پانی دے رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: یہ کس کی کھیتی ہے اور کس کی زمین ہے؟ میں نے جواب دیا: کھیتی میرے بیج اور عمل کا نتیجہ ہے، اور آدھی پیداوار میری اور آدھی بنی فلاں کی ہوگی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے ربا اور سود کا معاملہ کیا، زمین اس کے مالکوں کو واپس کردو اور اپنا خرچ ان سے لے لو۔

عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من لم يذر المخابرة فليؤذن بحرب من الله ورسوله . (سنن ابوداؤد، طبع ایچ ایم سعید)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو شخص مخابرہ کو نہ چھوڑے، اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔

ایک شخص جو اپنی زمین خود کاشت نہیں کرسکتا، یا نہیں کرتا، وہ اسے کاشت کے لئے کسی دُوسرے کے حوالے کردیتا ہے، اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

اوّل: یہ کہ وہ اسے ٹھیکے پر اُٹھادے اور اس کا معاوضہ زرِ نقد کی صورت میں وصول کرے۔ اسے عربی میں کراء الارض کہا جاتا ہے، فقہاء اسے اِجارات کے ذیل میں لاتے ہیں اور یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔

دوم: یہ کہ مالک، زرِ نقد وصول نہ کرے، بلکہ پیداوار کا حصہ مقرر کرلے، اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔

یہ کہ زمین کے کسی خاص قطعہ کی پیداوار اپنے لئے مخصوص کرلے، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے اور احادیث مخابرہ میں اسی صورت کی ممانعت ہے، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

یہ کہ زمین کے کسی خاص قطعہ کی پیداوار اپنے لئے مخصوص نہ کرے، بلکہ یہ طے کیا جائے کہ کل پیداوار کا اتنا حصہ مالک کو ملے گا اور اتنا حصہ کاشتکار کو (مثلاً: نصف، نصف)۔

یہ صورت مخصوص شرائط کے ساتھ جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک جائز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہے،

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: عامل النبي صلى الله عليه وسلم خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر أو زرع ۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداود، ابن ماجہ، طحاوی)

الف: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے یہ معاملہ طے کیا تھا کہ زمین (وہ کاشت کریں گے اور اس) سے جو پھل یا غلہ حاصل ہوگا اس کا نصف ہم لیا کریں گے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر بالشطر ثم أرسل ابن رواحة فقاسمهم ۔ (طحاوی، سنن ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین نصف پیداوار پر اٹھادی تھی، پھر عبداللہ بن رواحہ کو بٹائی کے لئے بھیجا کرتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کی زمین اللہ تعالیٰ نے فئے کے طور پر دی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (یہود خیبر) کو حسب سابق بحال رکھا اور پیداوار اپنے لئے اور ان کے لئے نصف رکھی، اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اس کی تقسیم پر مامور فرمایا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، حذیفہ بن یمان، سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، ابن عباس جیسے اکابر صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے مزارعت کا معاملہ ثابت ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری دور تک مزارعت پر کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا۔

چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد مروی ہے۔ كنا لا نرى بالخبر بأسًا حتّى كان عام أول فزعم رافع أن نبي الله صلى الله عليه وسلم نفى عنه ۔ (صحیح مسلم)

ہم مزارعت میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، اب یہ پہلا سال ہے کہ رافع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے: كان ابن عمر رضي الله عنهما يكري مزارعه على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وعمر، وعثمان، وصدرًا من امارة معاوية ثم حدّث عن رافع بن خديج أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن كراء المزارع ۔ (صحيح بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی زمین کرائے (بٹائی) پر دیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں۔ پھر انہیں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بتایا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر اٹھانے سے منع کیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے: **عن طاؤس عن معاذ بن جبل: أكرى الأرض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر وعثمان على الثلث والربع فهو يعمل به إلى يومك هذا.** (ابن ماجہ)

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد تک میں زمین بٹائی پر دی تھی، پس آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ یمن سے متعلق ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قاضی کی حیثیت سے یمن بھیجا تھا۔ وہاں کے لوگ مزارعت کا معاملہ کرتے تھے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال وحرام کا سب سے بڑا عالم فرمایا تھا، اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ خود بھی مزارعت کا معاملہ کیا۔ حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ (حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ) نے یمن کی اراضی میں جو طریقہ جاری کیا تھا، آج تک اسی پر عمل ہے۔

اس باب کی تمام روایات وآثار کا استیعاب مقصود نہیں، نہ یہ ممکن ہے، بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ دورِ نبوت اور خلافتِ راشدہ کے دور میں اکابر صحابہ کا اس پر عمل تھا اور مزارعت کے عدمِ جواز کا سوال کم از کم اس دور میں نہیں اٹھا تھا، جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں مزارعت کی اجازت ہے اور احادیثِ مخابرہ میں جس مزارعت سے ممانعت فرمائی گئی ہے اس سے مزارعت کی وہ شکلیں مراد ہیں جو دورِ جاہلیت سے چلی آتی تھیں۔

بعض دفعہ ایک بات کسی خاص موقع پر مخصوص انداز اور خاص سیاق میں کہی جاتی ہے، جو لوگ اس موقع پر حاضر ہوں اور جن کے سامنے وہ پورا واقعہ ہو، جس میں وہ بات کہی گئی تھی، انہیں اس کے مفہوم کے سمجھنے میں دقت پیش نہیں آئے گی، مگر وہی بات جب کسی ایسے شخص سے بیان کی جائے جس کے سامنے نہ وہ واقعہ ہوا ہے، جس میں یہ بات کہی گئی تھی، نہ وہ متکلم کے اندازِ تخاطب کو جانتا ہے، نہ اس کے لب ولہجے سے واقف ہے، نہ کلام کے سیاق کی اسے خبر ہے، اگر وہ اس کلام کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھ پائے تو محلِ تعجب نہیں: شنیدہ کے بود مانند دیدہ یہی وجہ ہے کہ آیات کے اسبابِ نزول کو علمِ تفسیر کا اہم شعبہ قرار دیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

والذي لا إله غيره! ما نزلت من آية من كتاب الله إلا وأنا أعلم فيمن نزل وأين نزلت، ولو أعلم مكان أحد أعلم بكتاب الله مني تناله المطايا لأتيته. (الاتقان، النوع الثامن)

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس کے حق میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ اور اگر مجھے کسی ایسے شخص کا علم ہوتا جو مجھ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم ہو اور وہاں سواری

جاسکتی تو میں اس کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا۔

اسی قسم کا ایک ارشاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی نقل کیا گیا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے: واللہ ما نزلت آیۃ الا وقد علمت فیم انزلت واین انزلت ان ربی وھب لی قلبا عقولا ولسانا سوئلا۔ (الاتقان، النوع الثمانون)

بخدا! جو آیت بھی نازل ہوئی، مجھے معلوم ہے کہ کس واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ میرے ربّ نے مجھے بہت سمجھنے والا دل، اور بہت پوچھنے والی زبان عطا کی ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کا وعدہ پورا کرنے کے لئے جہاں قرآن مجید کے ایک ایک شوشے کو محفوظ رکھا، وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کے ایک ایک گوشے کی بھی حفاظت فرمائی، ورنہ خدا جانے ہم قرآن پڑھ پڑھ کر کیا کیا نظریات تراشا کرتے! اور یہی وجہ ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین ؟ کے ہاں یہ اُصول تسلیم کیا گیا کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھیک مفہوم سمجھنے کے لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ اکابر صحابہ ؟ نے اس پر کیسے عمل کیا اور خلافتِ راشدہ کے دور میں اس کے کیا معنی سمجھے گئے۔

یہ اکابر صحابہ جو مزارعت کا معاملہ کرتے تھے، مزارعت کی ممانعت ان کے لئے صرف شنیدہ نہیں تھی، دیدہ تھی۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مزارعت کی کون سی قسمیں زمانہء جاہلیت سے رائج تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ممنوع قرار دیا۔ اور مزارعت کی کون سی صورتیں باہمی شقاق وجدال کی باعث ہوسکتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلاح فرمائی۔ مزارعت کی جائز و ناجائز صورتوں کو وہ گویا اسی طرح جانتے تھے جس طرح وضو کے فرائض وسنن سے واقف تھے۔ ان میں ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جو مزارعت کے کسی ناجائز معاملے پر عمل پیرا ہو، ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی نکیر کا سوال کب ہوسکتا تھا؟ یہ صورتِ حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور تک قائم رہی۔ مزارعت کے جواز وعدمِ جواز کا مسئلہ پوری طرح بدیہی اور روشن تھا، اور اس نے کوئی غیر معمولی نوعیت اختیار نہیں کی تھی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد کچھ حالات ایسے پیش آئے جن سے یہ مسئلہ بدیہی کے بجائے نظری بن گیا، اور بحث وتمحیص کی ایک صورت پیدا ہوگئی۔ غالباً بعض لوگوں نے مسئلہ مزارعت کی نزاکتوں کو پوری طرح ملحوظ نہ رکھا اور مزارعت کی بعض ایسی صورتیں وقوع میں آنے لگیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا، اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نکیر فرمائی اور مزارعت سے ممانعت کی احادیث بیان فرمادیں۔

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَارَعَةِ۔

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُخَابَرَةِ۔

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كِرَاءِ الْاَرْضِ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت سے منع فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔

ادھر بعض لوگوں کو ان احادیث کا مفہوم سمجھنے میں دقت پیش آئی، انہوں نے یہ سمجھا کہ ان احادیث کا مقصد ہر قسم کی مزارعت

کی نفی کرنا ہے۔اس طرح یہ مسئلہ بحث ونظر کا موضوع بن گیا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو افاضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت موجود تھے، انہوں نے اس نزاع کا فیصلہ کس طرح فرمایا؟ حدیث کی کتابوں میں ممانعت کی روایتیں تین صحابہ سے مروی ہیں: رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ اور ثابت بن ضحاک، رضی اللہ عنہم۔

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ کی روایت اگرچہ نہایت مختصر اور مجمل ہے، تاہم اس میں یہ تصریح ملتی ہے کہ زمین کو زرِ نقد پر اُٹھانے کی ممانعت نہیں ہے۔ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المزارعة وأمر بالمواجرة، وقال: لا بأس بها ۔(صحیح مسلم، طحاوی، میں صرف پہلا جملہ ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا اور زرِ نقد پر زمین دینے کا حکم فرمایا، اور فرمایا: اس کا مضائقہ نہیں۔

حضرت جابر اور حضرت رافع رضی اللہ عنہما کی روایات میں خاصا تنوع پایا جاتا ہے، جس سے ان کا صحیح مطلب سمجھنے میں اُلجھنیں پیدا ہوئی ہیں، تاہم مجموعی طور پر دیکھئے تو ان کی کئی قسمیں ہیں، اور ہر قسم کا الگ الگ محل ہے۔

حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی روایات کے بارے میں یہاں خاصے تنوع کا جو لفظ استعمال ہوا ہے، حضرات محدثین اسے اضطراب سے تعبیر کرتے ہیں۔

إمام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ حديث رافع حديث فيه اضطراب، يروى هذا الحديث عن رافع بن خديج عن عمومته، ويروى عنه عن ظهير بن رافع، وهو أحد عمومته، وقد روى هذا الحديث عنه على روايات مختلفة ۔(جامع ترمذی)

إمام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔وأما حديث رافع بن خديج رضى الله عنه فقد جاء بألفاظ مختلفة اضطرب من أجلها ۔(شرح معانی الآثار، ج:ص:،کتاب المزارعۃ والمساقاۃ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔وقد اختلف الرواة في حديث رافع بن خديج اختلافًا فاحشًا ۔(حجۃ اللہ البالغہ)

اوّل: بعض روایات میں ممانعت کا مصداق مزارعت کا وہ جاہلی تصور ہے جس میں یہ طے کرلیا جاتا تھا کہ زمین کے فلاں عمدہ اور زرخیز ٹکڑے کی پیداوار مالک کی ہوگی اور فلاں حصے کی پیداوار کاشتکار کی ہوگی، اس میں چند در چند قباحتیں جمع ہوگئی تھیں۔

اوّلاً: معاشی معاملات باہمی تعاون کے اُصول پر طے ہونے چاہئیں، اس کے برعکس یہ معاملہ سراسر ظلم واستحصال اور ایک فریق کی صریح حق تلفی پر مبنی تھا۔

ثانیاً: یہ شرط فاسد اور مقتضائے عقد کے خلاف تھی، کیونکہ جب کسان کی محنت تمام پیداوار میں یکساں صرف ہوئی ہے تو لازم ہے کہ اس کا حصہ تمام پیداوار میں سے دیا جائے۔

ثالثاً: یہ قمار کی ایک شکل تھی، آخر اس کی کیا ضمانت ہے کہ مالک یا کسان کے لئے جو قطعہ مخصوص کردیا گیا

ہوگا؟

رابعاً: اس قسم کی غلط شرطوں کا نتیجہ عموماً نزاع وجدال کی شکل میں برآمد ہوتا ہے، ایسے جاہلی معاملے کو برداشت کر لینے کے معنی یہ تھے کہ اسلامی معاشرے کو ہمیشہ کے لئے جدال وقتال کی آماج گاہ بنا دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان کے ہاں اکثر و بیشتر مزارعت کی یہی غلط صورت رائج تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح فرمائی، غلط معاملے سے منع فرمایا اور مزارعت کی صحیح صورت پر عمل کر کے دکھایا۔ مندرجہ ذیل روایات اس پر روشنی ڈالتی ہیں۔

عن رافع بن خديج حدثني عمّاي أنهم كانوا يكرُون الأرض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم بما ينبُت على الأربعاء أو بشيء يستثنيه صاحب الأرض فنهانا النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فقلت لرافع: فكيف هي بالدينار والدراهم؟ فقال رافع: ليس بها بأسٌ بالدينار والدراهم، وكانَّ الذي نُهي عن ذلك ما لو نظر فيه ذوُو الفهم بالحلال والحرام لم يجيزوه لما فيه من المخاطرة. (صحيح بخاري)

الف: رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے چچا بیان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ زمین مزارعت پر دیتے تو یہ شرط کر لیتے کہ نہر کے متصل کی پیداوار ہماری ہوگی، یا کوئی اور استثنائی شرط کر لیتے (مثلاً: اتنا غلہ ہم پہلے وصول کریں گے، پھر بٹائی ہوگی)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے حضرت رافع سے کہا: اگر زرِ نقد کے عوض زمین دی جائے اس کا کیا حکم ہوگا؟ رافع نے کہا: اس کا مضائقہ نہیں۔ الیث کہتے ہیں: مزارعت کی جس شکل کی ممانعت فرمائی گئی تھی، اگر حلال وحرام کے فہم رکھنے والے غور کریں تو کبھی اسے جائز نہیں کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس میں معاوضہ ملنے نہ ملنے کا اندیشہ (مخاطرہ) تھا۔

حدثني حنظلة بن قيس الأنصاري قال: سألت رافع بن خديج عن كراء الأرض بالذهب والورق، فقال: لا بأس به، انما كان الناس يوٴاجرون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم على الماذيانات واقبال الجداول وأشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلك هذا فلم يكن للناس كراء الا هذا فلذلك زجر عنه، وأما شيء معلوم مضمون فلا بأس به. (صحيح مسلم)

ب: حنظلہ بن قیس کہتے ہیں: میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ: سونے چاندی (زرِ نقد) کے عوض زمین ٹھیکے پر دی جائے، اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں! دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ جو مزارعت کرتے تھے (اور جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا) اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ زمین دار، زمین کے ان قطعات کو جو نہر کے کناروں اور نالیوں کے سروں پر ہوتے تھے، اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے، اور پیداوار کا کچھ حصہ بھی طے کر لیتے، بسا اوقات اس قطعے کی پیداوار ضائع ہو جاتی اور اس کی محفوظ رہتی، کبھی برعکس ہو جاتا۔ اس زمانے میں لوگوں کی مزارعت کا بس یہی ایک دستور تھا، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سختی سے منع کیا، لیکن اگر کسی معلوم اور قابلِ ضمانت چیز کے بدلے میں زمین دی جائے تو اس کا مضائقہ نہیں۔

اس روایت میں حضرت رافع رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ خاص طور پر توجہ طلب ہے: فلم یکن للناس کراء الا ھذا . لوگوں کی مزارعت کا بس یہی ایک دستور تھا۔ اور ان کی بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے: ترجمہ۔ ان دنوں سونا چاندی نہیں تھے۔

اس کا مطلب واللہ اعلم یہی ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے، ان دنوں زمین ٹھیکے پر دینے کا رواج تو قریب قریب عدم کے برابر تھا، مزارعت کی عام صورت بٹائی کی تھی، لیکن اس میں جاہلی قیود و شرائط کی آمیزش تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفسِ مزارعت کو نہیں بلکہ مزارعت کی اس جاہلی شکل کو ممنوع قرار دیا اور مزارعت کی صحیح صورت معین فرمائی۔ یہ صورت وہی تھی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر سے معاملہ فرمایا، اور جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمل کیا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ یقول: کنا فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ الأرض بالثلث او الربع بالماذیانات فنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك . (شرح معانی الآثار للطحاوی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زمین لیا کرتے تھے نصف پیداوار پر، تہائی پیداوار پر، اور نہر کے کناروں کی پیداوار پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تھا۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگ اپنی زمین مزارعت پر دیا کرتے تھے، شرط یہ ہوتی تھی کہ جو پیداوار گول (الساقیہ) پر ہوگی اور جو کنویں کے گردوپیش پانی سے سیراب ہوگی، وہ ہم لیا کریں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی، اور فرمایا: سونے چاندی پر دیا کرو۔

عن نافع أن ابن عمر رضی اللہ عنہ کان یکری مزارعہ علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وصدرًا من امارۃ معاویۃ ثم حدث عن رافع بن خدیج: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن کراء المزارع، فذھب ابن عمر الی رافع وذھبت معہ فسالہ، فقال: نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن کراء المزارع، فقال ابن عمر: قد علمت أنا کنا نکری مزارعنا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما علی الأربعاء شیء من التبن . (صحیح بخاری)

حضرت نافع کہتے ہیں: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اپنی زمین مزارعت پر دیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور میں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور تک بھی۔ پھر ان سے بیان کیا گیا کہ رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے، حضرت ابنِ عمر؟، حضرت رافع کے پاس گئے، میں بھی ساتھ تھا، ان سے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ ہماری مزارعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس پیداوار کے عوض ہوا کرتی تھی جو نہروں پر ہوتی تھی اور کچھ گھاس کے عوض، (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے ۔ا

فرمایا تھا)۔

حضرت رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ، سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی ان روایات سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ مزارعت کی وہ جاہلی شکل کیا تھی جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

نہی کی بعض روایات اس پر محمول ہیں کہ بعض اوقات زائد قیود و شرائط کی وجہ سے معاملہ کنندگان میں نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ تم اس قسم کی مزارعت کے بجائے زرِ نقد پر زمین دیا کرو۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ مزارعت سے منع فرماتے ہیں، تو آپ ﷺ نے افسوس کے لہجے میں فرمایا۔

يغفر الله لرافع بن خديج، أنا والله أعلم بالحديث منه، انما رجلان - قال مسدد: من الأنصار ثم اتفقا - قد اقتتلا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان كان هذا شأنكم فلا تكروا المزارع. (سنن ابوداود، ابن ماجہ)

اللہ تعالیٰ رافع کی مغفرت فرمائے، بخدا! میں اس حدیث کو ان سے بہتر سمجھتا ہوں۔ قصہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انصار کے دو شخص آئے ان کے مابین مزارعت پر جھگڑا تھا، اور نوبت مرنے مارنے تک پہنچ گئی تھی، (قد اقتتلا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان كان هذا شأنكم فلا تكروا المزارع.

جب تمہاری حالت یہ ہے تو مزارعت کا معاملہ ہی نہ کرو۔ رافع نے بس اتنی بات سن لی: تم مزارعت کا معاملہ نہ کیا کرو۔

عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه قال: كان أصحاب المزارع يكرون في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم مزارعهم بما يكون على الساق من الزرع فجاؤا رسول الله صلى الله عليه وسلم فاختصموا في بعض ذلك، فنهاهم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يكروا بذلك وقال: اكروا بالذهب والفضة. (نسائي)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمین دار اپنی زمین اس پیداوار کے عوض جو نہروں پر ہوتی تھی، دیا کرتے تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور مزارعت کے سلسلے میں جھگڑا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر مزارعت نہ کیا کرو، بلکہ سونے چاندی کے عوض دیا کرو۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص مقدمے کا فیصلہ فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریقوں کو فہمائش کی تھی کہ وہ آئندہ مزارعت کے بجائے زرِ نقد پر زمین لیا دیا کریں۔

سوم: احادیثِ نہی کا تیسرا محمل یہ تھا کہ بعض لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد زمین تھی اور بعض ایسے محتاج اور ضرورت مند تھے کہ وہ دوسروں کی زمین مزارعت پر لیتے، اس کے باوجود ان کی ضرورت پوری نہ ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو، جن کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اراضی تھی، ہدایت فرمائی تھی کہ وہ حسنِ معاشرت، مواسات، اسلامی اخوت اور بلند اخلاق کا نمونہ پیش کریں اور اپنی زائد زمین اپنے ضرورت مند بھائیوں کے لئے وقف کر دیں، اس پر انہیں اللہ کی جانب سے جو اجر و ثواب

ملے گا، وہ اس معاوضے سے یقیناً بہتر ہوگا جو اپنی زمین کا وہ حاصل کرتے تھے۔

عن رافع بن خديج رضي الله عنه قال: مر النبي صلى الله عليه وسلم على أرض رجل من الأنصار قد عرف انه محتاج، فقال: لمن هذه الأرض؟ قال: لفلان أعطانيها بالأجر، فقال: لو منحها أخاه. فأتى رافع الانصار، فقال: ان رسول الله نهاكم عن أمر كان لكم نافعًا وطاعة رسول الله انفع لكم. (نسائی)

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کی زمین پر سے گزرے، یہ صاحب محتاجی میں مشہور تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ زمین کس کی ہے؟ اس نے بتایا کہ فلاں شخص کی ہے، اس نے مجھے اُجرت پر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش! وہ اپنے بھائی کو بلاعوض دیتا۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ انصار کے پاس گئے، ان سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ایک ایسی چیز سے روک دیا ہے جو تمہارے لئے نفع بخش تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل تمہارے لئے اس سے زیادہ نافع ہے۔

عن جابر رضي الله عنه: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من كانت له أرض فليهبها أو ليعرها.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس کے پاس زمین ہو، اسے چاہئے کہ وہ کسی کو ہبہ کردے یا عاریۃً دے دے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لأن يمنح أحدكم أخاه أرضه خير له من ان يأخذ عليها كذا وكذا.

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: البتہ یہ بات کہ تم میں سے ایک شخص اپنے بھائی کو اپنی زمینِ کاشت کے لئے بلاعوض دے دے اس سے بہتر ہے کہ اس پر اتنا اتنا معاوضہ وصول کرے۔

یعنی ہم نے مانا کہ زمین تمہاری ملکیت ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ قانون کی کوئی قوت تمہیں ان کی مزارعت سے نہیں روک سکتی، لیکن کیا اسلامی اخوت کا تقاضا یہی ہے کہ تمہارا بھائی بھوکوں مرتا رہے، اس کے بچے سسکتے رہیں، وہ بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم رہے، لیکن تم اپنی ضرورت سے زائد زمین جسے تم خود کاشت نہیں کرسکتے، وہ بھی اسے معاوضہ لئے بغیر دینے کے لئے تیار نہ ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان بھائی کی ضرورت پورا کرنے پر حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے کتنا اجر و ثواب ملتا ہے؟ یہ چند ٹکے جو تم زمین کے عوض قبول کرتے ہو، کیا اس اَجر و ثواب کا مقابلہ کرسکتے ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات مہاجرین کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بعد حضراتِ انصار نے اسلامی مہمانوں کی معاشی کفالت کا بارِ گراں جس خندہ پیشانی سے اُٹھایا، ایثار و مروّت، ہمدردی و غم خواری اور اخوت و مواسات کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا، نہی عن کراء الأرض کی احادیث بھی اسی سنہری معاشی کفالت کا ایک باب ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث پر یہ باب قائم کرکے اسی طرف اشارہ کیا ہے: **باب ما كان أصحاب النبي صلى**

الله علیه وسلم یواسی بعضهم بعضًا فی الزراعة والثمرة ۔(صحیح بخاری)

ذرا غور کریں کہ ایک چھوٹا سا قصبہ (المدینہ) اس میں انصار کی کل آبادی ہی کتنی تھی؟ ان کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ لے دے کر یہی زمینیں! جو اسلام سے پہلے خود ان کی اپنی ضروریات کے لئے بھی بصد مشکل کفالت کرتی ہوں گی، ان کی جاں نثاری و بلند ہمتی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر یہ عہد کر لیا تھا کہ ہم اپنی اور اپنے بال بچوں کی نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی کفالت کریں گے۔ انہوں یہ عہد جس طرح نبھایا وہ سب کو معلوم ہے (رضی اللہ عنہم وارضاهم وجزاهم عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء) اطراف واکناف سے کھنچ کھنچ کر قافلوں کے قافلے یہاں جمع ہو رہے تھے اور حضرات انصار، أهلاً وسهلاً ومرحبًا کہہ کر ان کا استقبال فرما رہے تھے۔ کون اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ چھوٹی سی بستی اور اس کے یہ چند گنے چنے انصار الاسلام کتنے معاشی بوجھ کے نیچے دب گئے ہوں گے، لیکن صد آفرین ان وفا کیش فدائیوں کو! کہ ایک لمحے کے لئے انہوں نے اس بوجھ سے اُکتاہٹ کا احساس تک نہیں کیا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہمانوں کی خاطر اپنا سب کچھ پیش کر دیا، گویا ان کا اپنا کچھ نہیں تھا، جو کچھ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اور ان کی حیثیت محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارندوں کی تھی۔ سوچنا چاہئے کہ ان حالات میں انصار الاسلام کو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں: جس کے پاس زمین ہو وہ اپنے بھائی کو ہبہ کر دے یا اسے عاریۃً دے دے کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اسلام میں مزارعت کا باب ہی سرے سے مفقود ہے؟ ان احادیث کو مدینہ طیبہ کے معاشی ریوہ اور حضرات انصار کی کفالتِ اسلامیہ کے پس منظر میں پڑھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ان کا منشا یہ نہیں کہ اسلام میں مزارعت ناجائز ہے، (اگر ایسا ہوتا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم یہ معاملہ کیوں کرتے؟) بلکہ ان کا منشا یہ ہے کہ بقول سعدی۔ ہر چہ درویشاں را است وقف محتاجاں است

آپ اپنی ضرورت پوری کیجئے اور زائد از ضرورت کو ضرورت مندوں کے لئے حسبۃً للہ وقف کر دیجئے، یہ تھے احادیثِ نہی کے تین محمل، جس کی وضاحت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمائی، اور جن کا خلاصہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یہ ہے۔

وكان وجوه التابعين يتعاملون بالمزارعة، ويدل على الجواز حديث معاملة أهل خيبر وأحاديث النهي عنها محمولة على الاجارة بما على المأذيانات أو قطعة معينة، وهو قول رافع رضي الله عنه، أو على التنزيه والارشاد، وهو قول ابن عباس رضي الله عنهما، أو على مصلحة خاصة بذلك الوقت من جهة كثرة مناقشتهم في هذه المعاملة حينئذ، وهو قول زيد رضي الله عنه، والله أعلم! (حجۃ اللہ البالغہ)

(صحابہ کرام کے بعد) اکابر تابعین مزارعت کا معاملہ کرتے تھے، مزارعت کے جواز کی دلیل اہلِ خیبر سے معاملے کی حدیث ہے، اور مزارعت سے ممانعت کی احادیث یا تو ایسی مزارعت پر محمول ہیں جس میں نہروں کے کناروں (ماذیانات) کی پیداوار یا کسی معین قطعے کی پیداوار طے کر لی جائے، جیسا کہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یا تنزیہ وارشاد پر، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، یا اس پر محمول ہیں کہ مزارعت کی وجہ سے بکثرت مناقشات پیدا ہو گئے تھے، اس مصلحت کی بنا پر اس سے

روک دیا گیا، جیسا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

قریب قریب یہی تحقیق حافظ ابن جوزی نے التحقیق میں، اور امام خطابی نے معالم السنن میں کی ہے، مگر اس مقام پر حافظ تورپشتی شارح مصابیح (رحمہ اللہ) کا کلام بہت نفیس و متین ہے، وہ فرماتے ہیں۔

مزارعت کی احادیث جو مؤلف (صاحب مصابیح) نے ذکر کی ہیں اور جو دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں، بظاہر ان میں تعارض و اختلاف ہے، ان کی جمع و تطبیق میں مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے نہی مزارعت کے باب میں کئی حدیثیں سنی تھیں جن کے محمل الگ الگ تھے، انہوں نے ان سب کو ملا کر روایت کیا، یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کبھی کہتے ہیں: میرے چچاؤں نے مجھ سے بیان کیا، کبھی کہتے ہیں: میرے دو چچاؤں نے مجھے خبر دی بعض احادیث میں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ غلط شرائط لگالیتے تھے اور نامعلوم اُجرت پر معاملہ کرتے تھے، چنانچہ اس کی ممانعت کردی گئی۔ بعض کی وجہ یہ ہے کہ زمین کی اُجرت میں ان کا جھگڑا ہو جاتا تا آنکہ نوبت لڑائی تک پہنچ جاتی۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! اگر تمہاری یہ حالت ہے تو مزارعت کا معاملہ ہی نہ کرو یہ بات حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے۔ بعض احادیث میں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ مسلمان اپنے بھائی سے زمین کی اُجرت لے، کبھی ایسا ہوگا کہ آسمان سے برسات نہیں ہوگی، کبھی زمین کی روئیدگی میں خلل ہوگا، اندریں صورت اس بے چارے کا مال ناحق جاتا رہے گا، اس سے مسلمانوں میں باہمی نفرت و بغض کی فضا پیدا ہوگی، یہ مضمون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے سمجھا جاتا ہے کہ: جس کی زمین ہو، وہ خود کاشت کرے یا کسی بھائی کو کاشت کے لئے دے دے تاہم یہ بطور قانون نہیں بلکہ مروّت و مواسات کے طور پر ہے۔ بعض احادیث میں ممانعت کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاشتکاری پر فریفتہ ہونے، اس کی حرص کرنے اور ہمہ تن اسی کے ہو رہنے کو ان کے لئے پسند نہیں فرمایا، کیونکہ اس صورت میں وہ جہاد فی سبیل اللہ سے بیٹھ رہتے، جس کے نتیجے میں ان سے غنیمت وفیء کا حصہ فوت ہو جاتا (آخرت کا خسارہ مزید برآں رہا) اس کی دلیل ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

(اشارة الى ما رواه البخارى من حديث أبى أُمامة رضى الله عنه: لا يدخل هذا بيتا الا دخله الذل).

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں مزارعت نہ مطلقاً جائز ہے، نہ مطلقاً ممنوع، بلکہ اس بات کی تمام احادیث کا مجموعی مفاد کج دار و مریز کی تلقین ہے، حضرات فقہائے اُمت نے اس باب کی نزاکتوں کو پوری طرح سمجھا، چنانچہ تمام فقہی مسالک میں کج دار و مریز کی دقیق رعایت نظر آئے گی، اور یہ بحث و تحقیق کا ایک الگ موضوع ہے۔

بَاب كِرَآءِ الْاَرْضِ

یہ باب زمین کو کرائے پر دینے کے بیان میں ہے

2453- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَاَبُوْ اُسَامَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَوْ قَالَ

عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُكْرِي أَرْضًا لَهُ مَزَارِعًا فَأَتَاهُ إِنْسَانٌ فَأَخْبَرَهُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ وَذَهَبْتُ مَعَهُ حَتَّى أَتَاهُ بِالْبَلَاطِ فَسَأَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَتَرَكَ عَبْدُ اللّٰهِ كِرَائَهَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات منقول ہے کہ وہ اپنی زمین کھیتی باڑی کے لیے کرائے پر دیا کرتے تھے ایک صاحب ان کے پاس آئے اور انہیں یہ بتایا حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے یہ بات بتائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع کیا ہے۔

(راوی کہتے ہیں:) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گئے ان کے ساتھ میں بھی گیا "بلاط" کے مقام پر وہ (حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ) سے ملے اور ان سے اس بارے میں دریافت کیا: حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع کیا ہے' تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے زمین کو کرائے پر دینا ترک کر دیا۔

شرح

یہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اگلی حدیث کے خلاف ہے، اس میں بٹائی سے منع کیا ہے، لیکن سونے چاندی کے بدلے زمین کا کرایہ پر دینا درست بیان ہوا ہے، اور اس روایت میں مطلقاً کرایہ پر دینے سے ممانعت ہے اسی واسطے اہل حدیث نے رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترک کیا کیونکہ وہ مضطرب ہے۔

2454 - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ كَثِيرِ بْنِ دِينَارٍ الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا ضَمْرَةُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنِ ابْنِ شَوْذَبٍ عَنْ مَطَرٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيُزْرِعْهَا وَلَا يُؤَاجِرْهَا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔
"جس شخص کی زمین ہو وہ اس میں خود کھیتی باڑی کرے یا کسی دوسرے کو کھیتی باڑی کرنے کے لیے دیدے' لیکن اسے کرائے پر نہ دے۔"

2455 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُطَرِّفُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ أَبِي

2453 اخرجہ بخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 2285' ورقم الحدیث 2343' ورقم الحدیث 2344' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 3915' ورقم حدیث 3917' ورقم الحدیث 3919' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 3394' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 3920' ورقم الحدیث 3921 ورقم حدیث 3922' ورقم الحدیث 3923' ورقم الحدیث 3924

2454 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 3894' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 3886

2455 اخرجہ بخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 2186' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 3911

سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ اَبِيْ اَحْمَدَ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُحَاقَلَةُ اسْتِكْرَاءُ الْاَرْضِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے محاقلہ سے منع کیا ہے (راوی کہتے ہیں:) محاقلہ سے مراد زمین کو کرائے پر دینا ہے۔

شرح

زمین کو بٹائی یا مزارعت پر دینے کا مذکورہ بالا طریقہ درست نہیں، کہ جس میں چالیس ہزار (40000) روپے فی ایکڑ کرایہ یا پٹہ پہلے وصول کرلیا جائے، خواہ زمین میں فصل ہو یا نہ ہو۔ اس صورت میں محنت کش کو بہت زیادہ نقصان کا خدشہ ہے۔ شرعاً کچھ شرائط کے ساتھ زمین بٹائی پر دینا جائز ہے، اس کی مکمل وضاحت درج ذیل ہے:

مزارعت یا بٹائی پر زمین دینے کے حوالے سے احادیث مبارکہ اور اقوال صحابہ میں سے کچھ ایسے اقوال بھی ملتے ہیں جو کہ مزارعت یا بٹائی کی ممانعت سے متعلق ہیں۔ جیسے حضرت حنظلہ بن قیس انصاری نے سنا کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مُزْدَرَعًا كُنَّا نُكْرِى الْأَرْضَ بِالنَّاحِيَةِ مِنْهَا مُسَمًّى لِسَيِّدِ الْأَرْضِ قَالَ فَمِمَّا يُصَابُ ذٰلِكَ وَتَسْلَمُ الْأَرْضُ وَمِمَّا يُصَابُ الْأَرْضُ وَيَسْلَمُ ذٰلِكَ فَنُهِينَا وَأَمَّا الذَّهَبُ وَالْوَرِقُ فَلَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ.

اہل مدینہ میں ہماری زرعی زمین سب سے زیادہ تھی اور ہم اسے بٹائی پر دیا کرتے تھے، اس کا طریقہ یہ ہوتا کہ پیداوار کا ایک حصہ مالک زمین کا ہوگا اور ایک محنت کرنے والے کا۔ کبھی اس حصے پر آفت آجاتی اور وہ سلامت رہتا اور کبھی اُس زمین پر آفت آتی اور یہ سلامت رہتی، لہٰذا اس سے ہمیں منع کر دیا گیا اور اُن دنوں (زمین) سونے چاندی سے ٹھیکے پر نہیں دی جاتی تھی۔

(بخاری، الصحیح، 2:819، رقم: 2202)

حضرت رافع بن خدیج بن رافع نے اپنے چچا حضرت ظہیر بن رافع سے روایت کی ہے کہ حضرت ظہیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَقَدْ نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ أَمْرٍ كَانَ بِنَا رَافِقًا قُلْتُ مَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَهُوَ حَقٌّ قَالَ دَعَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَا تَصْنَعُونَ بِمَحَاقِلِكُمْ قُلْتُ نُؤَاجِرُهَا عَلَى الرُّبُعِ وَعَلَى الْأَوْسُقِ مِنَ التَّمْرِ وَالشَّعِيرِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا ازْرَعُوهَا أَوْ أَزْرِعُوهَا أَوْ أَمْسِكُوهَا قَالَ رَافِعٌ قُلْتُ سَمْعًا وَطَاعَةً.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کام سے منع کیا ہے جو ہمارے لیے نفع بخش تھا۔ میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہ درست ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر فرمایا کہ تم اپنے کھیتوں کا کیا کرتے ہو؟ میں عرض گزار ہوا کہ ہم انہیں چوتھائی بٹائی پر دیتے ہیں، چند کھجوروں یا جو کے چند وسق پر۔ فرمایا کہ یوں نہ کرو بلکہ خود کھیتی کرو یا کھیتی

کرادیا پڑی رہنے دو۔ رافع عرض گزار ہوئے کہ میں نے سنا اور مانا۔ (بخاری، الصحیح، 824:2، رقم: 2214)

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانُوا يَزْدَرِعُونَهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ تہائی، چوتھائی اور نصف حصے پر کاشتکاری کیا کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو مفت دے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنی زمین کو پڑی رہنے دے۔ (بخاری، الصحیح، 824:2، رقم: 2215)

فقہائے کرام اور مزارعت کا بیان

مزارعت، بٹائی یا ٹھیکہ پر زمین دینے کے جواز پر دلیل یہ دی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد، خیبر کے یہودیوں سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ زمینوں اور باغات پر کام کرتے رہیں اور پیداوار آدھی ان کی آدھی مسلمان حکومت کی اور مزارعت اسی کا نام ہے۔

امام محمد نے اس روایت مرسل کو دلیل بناتے ہوئے مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینے کو جائز قرار دیا۔ یعنی زمین نصف پیداوار پر دوسرے کو دینا کہ یہ فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بٹائی پر زمین دینا جائز نہیں۔ ان کے نزدیک خیبر کا معاملہ بٹائی یا مزارعت نہیں۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کی دو وجوہات بیان کی ہیں:

پہلی وجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر بزور شمشیر فتح کیا تھا۔

استرقهم و تملك أراضيهم و نخيلهم ثم جعلها في أيديهم يعملون فيها للمسلمين بمنزلة العبيد في نخيل مواليهم و كان في ذلك منفعة للمسلمين ليتفرغوا للجهاد بأنفسهم و لأنهم كانوا أبصر بذلك العمل من المسلمين۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (یہود) کو غلام بنالیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زمینوں اور کھجوروں کے مالک ہو گئے۔ پھر انہی کے ہاتھوں میں یہ اراضی رہنے دی کہ وہ مسلمانوں کے غلاموں کی حیثیت سے ان زمینوں پر اپنے مالکوں کے لئے کام کرتے رہیں۔ اس میں مسلمانوں کو فائدہ تھا کہ وہ جہاد کے لئے فارغ ہو جائیں۔

دوسری بات یہ بھی کہ یہود ان زمینوں کو مسلمانوں سے بہتر جانتے تھے اور جو کچھ ان کا پیداوار میں حصہ مقرر فرمایا یہ ان کا نفقہ تھا کیونکہ مسلمانوں کے غلام تھے اور باغوں میں مسلمانوں کے لئے کام کرتے تھے۔ لہٰذا وہ اخراجات لینے کے مستحق تھے۔ لہٰذا آپ نے ان کا خرچہ ان کی کمائی میں مقرر فرمادیا اور نصف پیداوار ان کے لئے مقرر فرمائی۔ جیسے آقا اپنے غلام پر ٹیکس لگاتا ہے۔

دوسری وجہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے بتائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گردنوں اور زمین و باغوں پر بھی احسان فرمایا۔ آدھی پیداوار کو ان پر اسلامی حکومت کو ادا کرنا لازم کر دیا۔ یہ خراج مقاسمہ کہلاتا ہے۔

خراج کی اقسام کا بیان

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج وظیفہ (خراج مؤظف) خراج مقاسمہ

خراج وظیفہ

خراج وظیفہ سے مراد جب امام کا مفتوحہ علاقہ کے لوگوں پر لگایا گیا مالی ٹیکس ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں پر ٹیکس لگایا تھا کہ وہ ہر سال بارہ سو (1200) حلے اسلامی مرکز کو دیں گے۔ چھ سو (600) محرم ابتدائے سال میں اور چھ سو رجب میں۔

خراج مقاسمہ

خراج قاسمہ سے مراد زمین کی پیداوار پر دیا جانے والا خراج ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر سے صلح کا معاہدہ کیا تھا کہ ان کی زمین سے جو پیداوار ہوگی، اس میں سے آدھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور نصف وہاں کے باشندوں کی، اس میں مزارعت ہوگی۔

امام کو اختیار ہے کہ مفتوحہ اراضی کو وہاں کے باشندوں پر احسان کرتے ہوئے ان پر خراج وظیفہ مقرر کرے اور چاہے تو ان پر خراج مقاسمہ لگا کر انہی زمینوں پر ٹھہرا دے۔ یہ بہترین فیصلہ تھا۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ فیصلہ ان کی اور ان کی اولادوں کی گردنوں پر تصرف ہے۔ جیسے عموماً غلاموں اور لونڈیوں میں ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلاوطن کیا۔ اگر یہ لوگ مسلمانوں کے مملوک وغلام ہوتے تو انہیں جلاوطن نہ کیا جاتا کیونکہ غلام کو مالک ہمیشہ اپنی ملکیت میں رکھ سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ دوسری وجہ ہی درست ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر یہ بات واضح فرمادی کہ ان پر ان کی کھجوروں اور اراضی کے معاملہ میں جو احسان کیا گیا ہے، یہ ہمیشہ کے لئے غیر مشروط نہیں۔ فرمایا:

اقرّکم ما اقرّکم الله.

میں تم کو اس وقت تک یہاں ٹھہراؤں گا جب تک اللہ ٹھہرائے گا۔

یہ فرمان استثناء کا سا ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ ان کو خیبر میں ٹھہرنے کی اجازت دائمی نہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ معلوم تھا کہ ایک وقت آئے گا جب آپ ان کو خیبر سے جلاوطن کردیں گے۔ اس کلمہ سے آپ نے اپنے قول کو وعدہ خلافی کے عیب سے بچالیا، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے بڑھ کر وعدہ خلافی اور دھوکہ دہی کے عیب سے دور تھے۔ (سرخسی، المبسوط، 2:23، دار المعرفۃ بیروت)

پس امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مزارعت جائز نہیں۔ ان کا فرمان ہے کہ مزارعت یا بٹائی پر زمین، خواہ نصف پیداوار پر خواہ تیسرے حصہ پر جائز نہیں۔

امام صاحب کے دلائل:

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُكْرِي مَزَارِعَهُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَفِي إِمَارَةِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ حَتَّى بَلَغَهُ فِي آخِرِ خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ يُحَدِّثُ فِيهَا بِنَهْيٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَأَنَا مَعَهُ فَسَأَلَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَنْهَى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَتَرَكَهَا ابْنُ عُمَرَ بَعْدُ وَكَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْهَا بَعْدُ قَالَ زَعَمَ رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْهَا.

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت اور حضرت معاویہ کی حکومت کے ابتدائی دور میں اپنی زمینوں کو بٹائی پر دیا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت معاویہ کی حکومت کے آخر میں انہیں حضرت رافع بن خدیج کی یہ حدیث پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (مجاہد کہتے ہیں) پھر حضرت ابن عمر، حضرت رافع کے پاس گئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا اور ان سے اس بارے میں سوال کیا: انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمینوں کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا، سو اس کے بعد حضرت ابن عمر نے زمین کو کرائے پر دینا چھوڑ دیا۔ پھر جب ان سے اس بارے میں سوال کیا جاتا تو کہتے ابن خدیج رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم، الصحیح، 3:1180، رقم: 1547)

قَالَ عَمْرٌو قُلْتُ لِطَاوُسٍ لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْهُ قَالَ أَيْ عَمْرُو إِنِّي أُعْطِيهِمْ وَأُغْنِيهِمْ وَإِنَّ أَعْلَمَهُمْ أَخْبَرَنِي يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلَكِنْ قَالَ أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَعْلُومًا.

حضرت عمرو کا بیان ہے کہ میں نے طاؤس سے کہا کہ کاش! آپ بٹائی پر زمین دینا چھوڑ دیتے، کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا: میں انہیں دیتا ہوں اور انہیں بے نیاز کر دیتا ہوں جب کہ اُن میں سب سے بڑے عالم یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے بتایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو مفت دے یہ اُس کے بدلے کچھ مقرر کر کے لینے سے بہتر ہے۔

(بخاری، الصحیح، 2:821، رقم: 2205)

خلاصہ کلام:

سطور بالا میں قرآن وسنت واقوال صحابہ وفقہاء کرام سے یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ جاگیرداری اور بٹائی پر زمین دینا درست نہیں۔ کبھی انسان مجبور ہو جاتا ہے اور زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے وہ کچھ کرنا پڑ جاتا ہے جو اسے سخت ناپسند ہے۔ یہ حالتِ اضطرار کہلاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا

اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

پھر جو شخص بے بس ولاچار ہو جائے، نہ خواہشمند ہو اور نہ ضرورت مند آگے بڑھنے والا ہو تو اس پر (حرام کھانا بقدر ضرورت میں) کچھ گناہ نہیں، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (البقرۃ، 2: 173)

مثلاً وراثت میں زمین ملی، چھوٹے چھوٹے بچے، بیوی اور بوڑھے والدین کیا کرے؟ یا قومی وملی فوجی خدمات کے صلہ میں سرکاری زمین ملی، کیا کرے؟ بعض رفاہی اداروں کو ان کی رفاہی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے عوام یا حکومت جاگیر دیتی ہے، اُسے کیسے آباد کیا جائے اور کس طرح پیداوار حاصل کی جائے؟ اس صورت میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ حکومت غریب مزارعین کو مفت اعانت نہیں کرتی تو کم سے کم قرض حسن دے۔ ٹریکٹر، کھاد اور زرعی قرضے بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں وڈیروں کو ہی کیوں دیئے جاتے ہیں؟ محنت کرنے والے مزدوروں اور ہاریوں کو دیں۔ جاگیردار بڑے شہروں میں پر تعیش زندگی محلات میں گزار رہا ہے۔ اس کے پاس محدود رقبہ رہنے دیں باقی ہاریوں میں تقسیم کر دیں۔ فرعونیت کا خاتمہ کریں۔ کسانوں کی روٹی وعزت کو بحال کریں۔ بقول علامہ اقبال: خواجہ نان بندۂ مزدور خورد آبروئے دختر مزدور دُرد

جاگیردار، زمیندار، ملک، وڈیرہ، نواب مزدور کی روٹی کھا گیا اور مزدور کی بیٹی کی عزت بھی پامال کر گیا۔

لہٰذا خاص حالات میں شرائط کے ساتھ بعض آئمہ نے اس مزارعت کو جائز قرار دیا ہے۔ جیسے احناف میں صاحبین اور دیگر متعدد آئمہ کرام نے۔

فهي فاسدة عند أبي حنيفة رحمه الله وعندهما جائزة والفتوىٰ على قولهما لحاجة الناس .

بٹائی پر زمین دینا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) رحمہما اللہ کے نزدیک مشروط طور پر جائز ہے اور فتویٰ لوگوں کی حاجت کی پیش نظر صاحبین کے قول پر ہی ہے۔

(الشیخ نظام وجماعۃ من علماء الہند، الفتاوی الہندیۃ، 5: 235، دار الفکر)

جواز کی نمایاں شرطیں یہ ہیں: زمین زراعت کے قابل ہو۔ مالک زمین اور بٹائی پر لینے والا، دونوں اہل عقد ہوں۔ معاہدہ کی مدت بیان کر دی جائے۔ بیج کس کے ذمہ ہوگا؟ اس امر کو واضح کیا جائے۔ جنس متعین ہو۔ دوسرے فریق کا حصہ (نصف، ثلث، ربع) وغیرہ بھی متعین ہو۔ زمین کام کرنے والے کے حوالے کر دی جائے۔ (ابن نجیم، البحر الرائق، 8: 181، دار المعرفۃ بیروت)

پس شریعت مطہرہ نے کمال حکمت سے مشروط اجازت بھی دی اور عام حالات میں اسکی حوصلہ شکنی بھی کر دی۔

(مفتی عبدالقیوم ہزاروی، منہاج القرآن)

بَاب الرُّخْصَةِ فِيْ كِرَآءِ الْاَرْضِ الْبَيْضَاءِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

یہ باب ہے کہ سونے اور چاندی کے عوض میں قابل کاشت زمین کو کرائے پر دینے کی اجازت

2456 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَمْرٍو

بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ لَمَّا سَمِعَ اِكْثَارَ النَّاسِ فِي كِرَاءِ الْاَرْضِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا مَنَحَهَا اَحَدُكُمْ اَخَاهُ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ كِرَائِهَا

◄◄ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات منقول ہے جب انہوں نے یہ سنا کہ لوگ زمین کو کرائے پہ دینے کے بارے میں بکثرت اعتراضات کر رہے ہیں' تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سبحان اللہ! نبی اکرم ﷺ نے تو یہ ارشاد فرمایا تھا: کوئی شخص اپنے بھائی کو (عطیے کے طور پر بلا معاوضہ عارضی استعمال کے لیے) زمین کیوں نہیں دیتا؟ نبی اکرم ﷺ نے اس کو کرائے پر دینے سے منع نہیں کیا تھا۔

سونے چاندی کے بدلے زمین کرائے پر دینے کا بیان

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کھیتوں کے کرایہ دینے سے حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رافع رضی اللہ عنہ سے پوچھا اگر سونے یا چاندی کے بدلے میں کرایہ کر دے انہوں نے کہا کچھ قباحت نہیں۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1299)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے ابن شہاب نے پوچھا زمین کو کرایہ پر دینا سونے یا چاندی کے بدلے میں درست ہے کہا ہاں کچھ قباحت نہیں۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1300)

حضرت ابن شہاب، نے سالم بن عبداللہ سے پوچھا کہ کھیتوں کا کرایہ دینا کیسا ہے انہوں نے کہا کچھ قباحت نہیں سونے یا چاندی کے بدلے میں ابن شہاب نے کہا کیا تم کو رافع بن خدیج کی حدیث نہیں پہنچی سام نے کہا رافع نے زیادتی کی اگر میرے پاس زمین مزروعہ ہوتی تو میں اس کو کرایہ دیتا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک زمین کرایہ کو لی ہمیشہ ان کے پاس رہی مرے دم تک ان کے بیٹے نے کہا ہم اس کو اپنی ملک سمجھتے تھے اس وجہ سے کہ مدت تک ہمارے پاس رہی جب عبدالرحمٰن مرنے لگے تو انہوں نے کہا وہ کرایہ کی ہے اور حکم کیا کہ کرایہ ادا کرنے کا جو ان پر باقی تھا سونے یا چاندی کی قسم سے۔ (موطا امام مالک جلد اول: رقم الحدیث، 1301)

2457 - حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَاَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ اَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَمْنَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ اَرْضَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ اَنْ يَاْخُذَ عَلَيْهَا كَذَا وَكَذَا لِشَيْءٍ مَعْلُوْمٍ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُوَ الْحَقْلُ وَهُوَ بِلِسَانِ الْاَنْصَارِ الْمُحَاقَلَةُ

◄◄ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

2456 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:2330' ورقم الحدیث:2342' ورقم الحدیث:2634' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:3934' ورقم الحدیث: 3935' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:3389' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:1385' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:3882' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث:2462' ورقم الحدیث:2464

2457 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:3937

''آدمی (کسی معاوضے کے بغیر) اپنی زمین اپنے کسی بھائی کو دیدے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ اس زمین اتنا اور اتنا یعنی متعین کرایہ وصول کرے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ ''حقل'' ہے اور انصار کے محاورے میں اسے محاقلہ کہا جاتا ہے۔

2458- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ حَنْظَلَةَ ابْنِ قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا نُكْرِي الْأَرْضَ عَلَى أَنَّ لَكَ مَا أَخْرَجَتْ هَذِهِ وَلِي مَا أَخْرَجَتْ هَذِهِ فَنُهِينَا أَنْ نُكْرِيَهَا بِمَا أَخْرَجَتْ وَلَمْ نُنْهَ أَنْ نُكْرِيَ الْأَرْضَ بِالْوَرِقِ

حنظلہ بن قیس بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: تو انہوں نے بتایا: ہم پہلے زمین اس شرط پر کرائے پر دیتے تھے کہ اس حصے کی جو پیداوار ہو گی وہ تمہیں ملے گی اور اس حصے کی جو پیداوار ہو گی وہ مجھے ملے گی' تو ہمیں زمین کی پیداوار کے عوض میں' زمین کو کرائے پر دینے سے منع کیا گیا ہے ہمیں چاندی کے عوض میں زمین کرائے پر دینے سے منع نہیں کیا گیا۔

شرح

اس قسم کی شرط بٹائی کی زمین میں درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس بات کا خطرہ ہے کہ کسی قطعہ زمین کی پیداوار خوب ہوا، اور دوسرے قطعہ میں کچھ پیدا نہ ہو، دراصل اسی قسم کی بٹائی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا، صحابی رسول رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے اس سے مطلق بٹائی کی ممانعت سمجھ لی۔

بَاب مَا يُكْرَهُ مِنَ الْمُزَارَعَةِ

یہ باب ہے کہ کون سی قسم کی مزارعت مکروہ ہے؟

2459- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي أَبُو النَّجَاشِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَمِّهِ ظُهَيْرٍ قَالَ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَمْرٍ كَانَ لَنَا رَافِقًا فَقُلْتُ مَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ حَقٌّ فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَصْنَعُونَ بِمَحَاقِلِكُمْ قُلْنَا نُؤَاجِرُهَا عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالْأَوْسُقِ مِنَ الْبُرِّ وَالشَّعِيرِ فَقَالَ فَلَا تَفْعَلُوا ازْرَعُوهَا أَوْ أَزْرِعُوهَا

2458. اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2327' ورقم الحدیث: 2332' ورقم الحدیث: 2772' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 3928' ورقم الحدیث 3929' ورقم الحدیث 3930' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3392' ورقم الحدیث: 3393' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 3908' ورقم الحدیث 3909' ورقم الحدیث 3910' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3911

2459 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 2339' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 3926' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 3933

◆◆ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اپنے چچا حضرت ظہیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک بات سے منع کر دیا جو ہمارے لیے سہولت کا باعث تھی' تو میں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے: وہ حق ہے تو انہوں نے بتایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم زمین کو ٹھیکے پر کس طرح دیتے ہو؟ تو ہم نے عرض کی: ہم ایک تہائی یا ایک چوتھائی پیداوار کے عوض میں گندم یا جو کے مخصوص وسق کے عوض میں (اسے ٹھیکے پر دیتے ہیں) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ایسا نہ کرو تم خود اس پر کھیتی باڑی کرو یا تم کسی دوسرے کو اس پر کھیتی باڑی کرنے کے لیے دے دو۔

شرح

اور جب مزارعت کے عقد کو کسی ایسی چیز کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے جو عقد میں تقاضہ کرنے والی نہیں ہے اور اس میں عقد کرنے والوں میں سے کسی ایک کو فائدہ ہو تو وہ عقد فاسد ہو جائے گا۔ جس طرح اٹھا کر لانے اور پیسنے کی شرط عامل پر ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب یہ عامل پر مشروط ہے تو اس کو استصناع پر قیاس کرتے ہوئے درست قرار دیا جائے گا۔ اور مشائخ بلخ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

شمس الائمہ سرخسی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے علاقوں میں زیادہ صحیح یہی ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کام کھیتی کے پک جانے سے قبل ہے جس طرح پانی لگانا اور فصل کی حفاظت کرنا ہے۔ تو وہ عامل کے ذمہ داری ہے اور جو کام فصل پک جانے کے بعد اور تقسیم سے پہلے ہے ظاہر الروایت کے مطابق وہ ان دونوں پر ہوگا۔ اور جو کام فصل پک جانے کے بعد کا ہے جس طرح پھل توڑنا ہے۔ اور ان کی حفاظت کرنا ہے تو یہ ان دونوں کی ذمہ داری پر ہے۔

اور اکیلے عامل کے لئے پھل توڑنے شرط لگائی ہے تو یہ بہ اتفاق جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں کوئی رواج نہیں ہے۔ اور وہ کام جو تقسیم کے بعد ہے۔ وہ دونوں عقد کرنے والوں پر ہے۔ کیونکہ وہ مال مشترکہ ہے۔ وہ عقد نہیں ہے۔ اور جب کھیتی کی کٹائی میں شرط زمین والے نے لگائی ہے تو یہ بھی بہ اتفاق درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں کوئی عرف نہیں ہے۔ اور جب عقد کرنے والوں نے کچی کھیتی کو کاٹنے کا ارادہ کیا ہے یا گدرائی ہوئی کھجور کو کاٹنے کا ارادہ کیا ہے یا پکی کھجور کو کاٹنے کا ارادہ کیا ہے تو یہ کام ان دونوں کے ذمہ پر ہوگا کیونکہ جس وقت ان دونوں نے کچی کھیتی کو کاٹنے اور گدرائی ہوئی کھجور کو کاٹنے کا ارادہ کیا ہے تو پس اس طرح عقد ختم ہو چکا ہے پس یہ فصل پکنے کے بعد والے حکم کی طرح ہو جائے گا۔ (ہدایہ، کتاب مزارعت)

2460 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى اَنْبَانَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَانَا الثَّوْرِيُّ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اُسَيْدِ بْنِ ظُهَيْرٍ ابْنِ اَخِي رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كَانَ اَحَدُنَا اِذَا اسْتَغْنَى عَنْ اَرْضِهِ اَعْطَاهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ وَاشْتَرَطَ ثَلَاثَ جَدَاوِلَ وَالْقُصَارَةَ وَمَا يَسْقِي الرَّبِيْعُ وَكَانَ الْعَيْشُ اِذْ ذَاكَ شَدِيْدًا وَّكَانَ يَعْمَلُ فِيْهَا بِالْحَدِيْدِ وَبِمَا شَاءَ اللّٰهُ وَيُصِيْبُ مِنْهَا مَنْفَعَةً فَاَتَانَا رَافِعُ بْنُ خَدِيْجٍ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

2460۔ اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3398' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3872' ورقم الحدیث 3873' ورقم الحدیث 3874 ورقم الحدیث 3875

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَاكُمْ عَنْ اَمْرٍ كَانَ لَكُمْ نَافِعًا وَّطَاعَةُ اللّٰهِ وَطَاعَةُ رَسُوْلِهٖ اَنْفَعُ لَكُمْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَاكُمْ عَنِ الْحَقْلِ وَيَقُوْلُ مَنِ اسْتَغْنٰى عَنْ اَرْضِهٖ فَلْيَمْنَحْهَا اَخَاهُ اَوْ لِيَدَعْ

◄► حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم میں سے جب کسی کو اپنی زمین کی ضرورت نہیں ہوتی تھی تو وہ اسے ایک تہائی یا ایک چوتھائی پیداوار کے عوض میں ٹھیکے پر دے دیتا تھا اور یہ شرط عائد کرتا تھا کہ پانی کی نالی کے تین اطراف کے آس پاس کی پیداوار اسے ملے گی' بالی کے اندر جو دانے بچ جائیں گے وہ بھی مالک کو ملیں گے اور پانی کی بڑی نالی کے پاس اس کی جو پیداوار ہے وہ بھی مالک کو ملے گی ان دنوں کام کرنا بہت مشکل ہوتا تھا مزدور اس میں لوہے کے آلات اور جو اللہ کو منظور ہوتا ان چیزوں کے ذریعے کام کیا کرتا تھا اور پھر اسے اس میں سے فائدہ حاصل ہوتا تھا۔

راوی کہتے ہیں: ایک دن حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور انہوں نے بتایا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ایک ایسے کام سے منع کر دیا جو تمہارے لیے فائدہ مند ہے' لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرنا تمہارے لیے زیادہ فائدہ مند ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں زمین ٹھیکے پر دینے سے منع کر دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جس شخص کو اپنی زمین کی ضرورت نہ ہو وہ اپنے کسی بھائی کو (کسی معاوضے کے بغیر) استعمال کے لیے دیدے یا اس زمین کو ویسے ہی رہنے دے۔

2461- حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِيُّ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ ابْنُ عُلَيَّةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ اَبِي الْوَلِيْدِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ اَنَا وَاللّٰهِ اَعْلَمُ بِالْحَدِيْثِ مِنْهُ اِنَّمَا اَتٰى رَجُلَانِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدِ اقْتَتَلَا فَقَالَ اِنْ كَانَ هٰذَا شَاْنُكُمْ فَلَا تُكْرُوا الْمَزَارِعَ فَسَمِعَ رَافِعُ بْنُ خَدِيْجٍ قَوْلَهٗ فَلَا تُكْرُوا الْمَزَارِعَ

◄► عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مغفرت کرے' اللہ کی قسم! میں حدیث کے بارے میں ان سے زیادہ علم رکھتا ہوں دو آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان دونوں کا جھگڑا چل رہا تھا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تمہارا یہ طرز عمل ہے' تو تم زرعی زمین کرائے پر نہ دو تو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے اس میں سے صرف یہ الفاظ سنے۔

''تم اپنی زرعی اراضی کرائے پر نہ دو۔''

بَابُ الرُّخْصَةِ فِي الْمُزَارَعَةِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ

یہ باب ہے کہ ایک تہائی یا ایک چوتھائی پیداوار کے عوض میں مزارعت کی اجازت

2462- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ قَالَ قُلْتُ لِطَاوُسٍ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوْ تَرَكْتَ هٰذِهِ الْمُخَابَرَةَ فَاِنَّهُمْ يَزْعُمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ فَقَالَ اَيْ

2461 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3390' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3937

عَمْرُو اِنِّیْ اُعِیْنُهُمْ وَاُعْطِیْهِمْ وَاِنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ اَخَذَ النَّاسَ عَلَیْهَا عِنْدَنَا وَاِنَّ اَعْلَمَهُمْ یَعْنِیْ ابْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهَا وَلٰكِنْ قَالَ لَاَنْ يَّمْنَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ اَنْ يَّاْخُذَ عَلَيْهَا اَجْرًا مَّعْلُوْمًا

◄► عمرو بن دینار کہتے ہیں: میں نے طاؤس سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! اگر آپ مخابرت ترک کردیں تو یہ مناسب ہوگا' کیونکہ لوگوں نے یہ بات بیان کی ہے' نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کیا ہے' تو طاؤس نے کہا: اے عمرو! میں ان لوگوں کی مدد کرتا ہوں اور لوگوں کو عطیات دیتا رہتا ہوں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ہمارے ہاں لوگوں سے اس طرز پر وصولی کی ہے اور ان میں سے سب سے بڑے عالم (راوی کہتے ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) نے مجھے یہ بات بتائی ہے' نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع نہیں کیا ہے' نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔

"آدمی کا اپنے بھائی کو کسی معاوضے کے بغیر اپنی زمین دیدینا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ اس پر کوئی متعین معاوضہ وصول کرے"۔

شرح

حضرت عمرو ابن دینار تابعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طاؤس تابعی سے کہا کہ اگر آپ مزارعت کو ترک کر دیتے تو بہتر تھا کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ طاؤس نے کہا کہ عمرو! میں اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے لوگوں کو دیتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں اور سب سے بڑے عالم یعنی حضرت ابن عباس نے مجھے بتایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اپنے کسی بھائی کو اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے دیدینا اس سے بہتر ہے کہ اس پر اس زمین کا کوئی لگان وغیرہ متعین کر کے لے لیا جائے۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 196)

مطلب یہ ہے کہ مزارعت میں تو یہ ہوتا ہے کہ کچھ دیا جاتا ہے اور کچھ لیا جاتا ہے یعنی اپنی زمین دی جاتی ہے اور اس کے عوض اس کی پیداوار میں سے کچھ حصہ متعین کر کے لیا جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس اگر کسی کے ساتھ احسان کیا جائے بایں طور کہ اسے اپنی زمین بغیر کچھ لئے بطور رعایت دی جائے تو وہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو یہ بہتر ہے۔

2463 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ ثَابِتٍ الْجَحْدَرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ اَكْرَى الْاَرْضَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ فَهُوَ يُعْمَلُ بِهِ اِلٰى يَوْمِكَ هٰذَا

◄► طاؤس بیان کرتے ہیں: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت

2463 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک تہائی یا ایک چوتھائی پیداوار کی شرط پر زمین کرائے پر دیتے تھے اور آج کے دن تک اس روایت پر عمل کیا جاتا رہا ہے۔

2484 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّمْنَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ الْاَرْضَ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ اَنْ يَّاْخُذَ خَرَاجًا مَّعْلُوْمًا

◆◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ ارشاد فرمایا ہے: آدمی کا اپنے کسی بھائی کو (کسی معاوضے کے بغیر) اپنی زمین دے دینا اس کے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ اس سے متعین معاوضہ وصول کرے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہر ایک کو کیا ملے گا اس کا عقد میں ذکر کرنا ضروری ہے۔ اور جو کچھ پیداوار ہو اس میں دونوں کی شرکت ہو اگر فقط ایک کو دینا قرار پایا تو عقد صحیح نہیں۔ اور یہ شرط کہ دوسری چیز میں سے دیا جائے گا اس سے بھی شرکت نہ ہوئی۔ اور جو مقدار ہو ہر ایک کے لیے اوس کا متعین ہو جانا ضرور ہے مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی اور جو کچھ حصہ ہو وہ جز و شائع ہو لہٰذا اگر ایک کے لیے یہ ٹھہرا کہ ایک من یا دو من دیے جائیں گے تو صحیح نہیں۔ اور اسی طرح اگر یہ ٹھہرا کہ بیج کی مقدار نکالنے کے بعد باقی کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا تو مزارعت صحیح نہ ہوئی۔ اسی طرح اگر یہ ٹھہرا کہ کھیت کے اس حصہ کی پیداوار فلاں لے گا اور باقی فلاں یا باقی کو دونوں میں تقسیم کیا جائے گا یہ مزارعت صحیح نہیں۔ اور اگر یہ ٹھہرا کہ زمین کا عشر نکال کر باقی کو تقسیم کیا جائے گا تو حرج نہیں۔ اور اسی طرح اگر یہ طے ہوا کہ دونوں میں ایک کو پہلے پیداوار کا دسواں حصہ دیا جائے اُس کے بعد اس طرح تقسیم ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔ (درمختار، کتاب مزارعت، بیروت)

کاشتکاری کی زمین مالک میں ملکیت کا بیان

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور اگر زمین مملوک ہے۔ جیسے عام دیہات کی زمین کہ زمیندار کی ملک ہوتی ہے تو اس میں شرعاً ہرگز کبھی کسی طرح کاشت کار کو حق قرار ثابت نہ ہوگا اگرچہ اس نے اس میں باغ بھی لگایا، عمارت بھی بنائی ہو، جب اجارہ یعنی اس کے پٹہ کی مدت ختم ہوگئی زمیندار کو اختیار ہوگا کہ زمین اس سے نکال لے اور اس کے درخت وعمارت کی نسبت اسے حکم دے کہ زمین خالی کردے۔

اور درختوں کے کاٹنے عمارت کے کھودنے میں زمین کا زیادہ نقصان دیکھے تو کٹنے کھودنے کے بعد جو قیمت ان درختوں اور عمارت کی ہو اس سے کٹوانے کھدوانے کی اجرت مجرا کر کے کاشتکار کو دے دے، اور پیڑ اور عمارت خود لے لے، اور اگر کاشت کار سے کوئی مدت معین نہیں ٹھہری، یونہی سال بسال کاشت کرتا ہے تو ہر ختم سال پر زمیندار کو زمین خالی کرانے اور آئندہ اسے زراعت کی ممانعت کردینے کا اختیار ہوگا اگرچہ کاشت کرتے پچاس برس گزر گئے ہوں، (فتاویٰ رضویہ، کتاب مزارعت، لاہور)

اور عقود دریہ میں ہے تجنیس میں فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کی دکان میں رہائشی انتظام کر رکھا تھا تو اس رہائشی شخص

کسی تیسرے شخص نے اس کا وہ رہائشی انتظام خرید لیا کچھ مال کے بدلے قبضہ لیا تو دکان کے مالک کو حق ہے کہ وہ اس مشتری کو رہائش اٹھانے پر مجبور کر دے اگرچہ مشتری کو ضرر بھی ہو کیونکہ مشتری نے اس کی ملکیت کو مشغول کر رکھا ہے۔

(العقود الدریہ، کتاب المساقات)

مزارعت سے متعلق بعض احکام کا بیان

علامہ امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زراعت تیار ہونے سے پہلے جو کچھ کام ہوگا مثلاً کھیت جوتنا، بونا، پانی دینا، حفاظت کرنا وغیرہ یہ سب مزارع کے ذمہ ہے چاہے وہ خود کرے یا مزدوروں سے کرائے اور دوسری صورت میں مزدوری اوسی کے ذمہ ہوگی۔ اور جو کام زراعت طیار ہونے کے بعد کے ہیں مثلاً کھیت کاٹنا اوسے لاکر خرمن میں جمع کرنا دائیں چلانا بھوسا اوڑانا وغیرہ اس کے متعلق ظاہر الروایہ یہ ہے کہ دونوں کے ذمہ ہیں کیونکہ مزارع کا کام فصل طیار ہونے پر ختم ہوگیا مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ کام بھی مزارع کے ذمہ ہیں اور بعض مشایخ نے اسی کو اختیار فرمایا کہ مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔ اور جو کام تقسیم کے بعد ہے مثلاً غلہ مکان پر پہنچانا یہ بالاتفاق دونوں کے ذمہ ہے مزارع اپنا غلہ خود لے جائے اور مالک اپنا غلہ اپنے گھر لائے یا دونوں اپنے اپنے مزدوروں سے اوٹھوا لے جائیں۔

قسم دوم یعنی فصل تیار ہونے کے بعد جو کام ہیں ان کے متعلق مزارع کے کرنے کی شرط کرلی تو یہ شرط صحیح ہے اس کی وجہ سے مزارعت فاسد نہیں ہوگی تنویر میں اس قول کو اصح کہا اور درمختار، کتاب مزارعت، بیروت میں ملتقی سے اسی پر فتویٰ ہونا بتایا۔

مگر ہندوستان میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ فصل طیار ہونے کے بعد مزدوروں سے کام کراتے ہیں اور مزدوری اسی غلہ میں سے دی جاتی ہے یعنی کھیت کاٹنے والے اور دائیں چلانے والے وغیرہ کو جو کچھ مزدوری دی جاتی ہے وہ کوئی اپنے پاس سے نہیں دیتا بلکہ اسی غلہ کی کچھ مقدار مزدوری میں دی جاتی ہے یہ طریقہ کہ جس کام کو کیا اوسی میں سے مزدوری دی جائے اگرچہ ناجائز ہے جس کو ہم اجارہ میں بیان کر چکے ہیں مگر اس سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ فصل کی طیاری کے بعد جو کام کیا جائے گا یہاں کے عرف کے مطابق وہ تنہا مزارع کے ذمہ نہیں ہے بلکہ دونوں کے ذمہ ہے کیونکہ مزدوری میں دونوں کی مشترک چیز دی جاتی ہے۔

(بہار شریعت، کتاب مزارعت، لاہور)

حضرت عمرو ابن دینار تابعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طاؤس تابعی سے کہا کہ اگر آپ مزارعت کو ترک کر دیتے تو بہتر تھا کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ طاؤس نے کہا کہ عمرو! میں اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے لوگوں کو دیتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں اور سب سے بڑے عالم یعنی حضرت ابن عباس نے مجھے بتایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اپنے کسی بھائی کو اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے دیدینا اس سے بہتر ہے کہ اس پر اس زمین کا کوئی لگان وغیرہ متعین کر کے لے لیا جائے۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ المصابیح جلد سوم رقم الحدیث، 196)

مطلب یہ ہے کہ مزارعت میں تو یہ ہوتا ہے کہ کچھ دیا جاتا ہے اور کچھ لیا جاتا ہے یعنی اپنی زمین دی جاتی ہے اور اس کے عوض

اس کی پیداوار میں سے کچھ حصہ متعین کر کے لیا جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس اگر کسی کے ساتھ احسان کیا جائے بایں طور کہ اسے اپنی زمین بغیر کچھ لئے بطور رعایت دی جائے تو وہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو یہ بہتر ہے۔

مزارعت ومساقات میں فرق کا بیان

مزارعت اور معاملہ میں بعض باتوں میں فرق ہے۔ معاملہ عقد لازم ہے دونوں میں سے کوئی بھی اس سے انحراف نہیں کرسکتا۔ ہر ایک کو پابندی پر مجبور کیا جائے گا اگر مدت پوری ہوگئی اور پھل طیار نہیں ہیں تو باغ عامل ہی کے پاس رہے گا اور ان زائد دنوں کی اوسے اُجرت نہیں ملے گی اور عامل کو بھی بلا اُجرت اتنے دنوں کام کرنا ہوگا اور مزارعت میں مالک زمین اُتنے دنوں کی اُجرت لے گا اور مزارع بھی ان زائد دنوں کے کام کی اُجرت لے گا۔ (فتاویٰ شامی، کتاب مزارعت، بیروت)

بَاب اسْتِكْرَاءِ الْاَرْضِ بِالطَّعَامِ

یہ باب ہے کہ اناج کے عوض میں زمین کرائے پر دینا

2465 - حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ اَبِي عَرُوبَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا نُحَاقِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَعَمَ اَنَّ بَعْضَ عُمُومَتِهِ اَتَاهُمْ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلَا يُكْرِيهَا بِطَعَامٍ مُّسَمًّى

◆◆ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں زمین ٹھیکے پر دیا کرتے تھے پھر حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے چچا نے یہ بات بیان کی وہ ان کے پاس آئے اور انہوں نے بتایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جس شخص کے پاس زمین موجود ہو وہ متعین اناج کے عوض میں اسے کرائے پر نہ دے۔''

دونوں کا نصف نصف دانوں پر مزارعت کرنے کا بیان

جب ان دونوں نے دانوں کے بارے میں نصف نصف کی شرط لگائی اور بھوسہ بیج والے کے لئے ہے تو مزارعت درست ہے کیونکہ اس عقد کے بارے میں حکم اسی طرح ہے۔ اور جب دوسرے شخص کے لئے بھوسے کی شرط لگادی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو شرکت کو ختم کرنے کا سبب بننے والی ہے۔ کیونکہ جب صرف بھوسہ ہی بن گیا۔ اور بیج والے کے سوا بھوسہ کسی شرط کے سبب ثابت ہوا کرتا ہے۔

اور جب مزارعت درست ہو جائے تو پیداوار شرط کے مطابق ہوگی۔ کیونکہ وہی لازم کرنے میں صحیح ہے۔ اور جب زمین میں کوئی پیداوار ہی نہیں ہوئی ہے۔ تو کام کرنے والے کو کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ وہ شرکت کے سبب حقدار بنا تھا اور پیداوار کے سوا تو کوئی

2465 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 3922' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3395' ورقم الحدیث: 3396' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 3904' ورقم الحدیث 3905' ورقم الحدیث: 3906' ورقم الحدیث: 3907' ورقم الحدیث 3918' ورقم الحدیث: 3919

شرکت ہی نہیں ہے۔ اور جب وہ اجارہ ہو تو پھر مزدوری معین ہے۔ پس کام کرنے والے عدم ذکر والی اجرت کا حقدار نہ بنے گا۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جب مزارعت فاسد ہو جائے کیونکہ اجر مثلی ذمہ داری کے طور پر واجب ہوتا ہے جبکہ پیداوار کی نہ ہونے کے سبب ذمہ داری ختم ہو چکی ہے۔ اور جب مزارعت فاسد ہو جائے تو پیداوار بیج والے کے لئے ہو گی۔ کیونکہ اس کے سبب اس کی ملکیت میں اضافہ ہے۔ جبکہ دوسرے کا حق ذکر کرنے کے سبب معین ہوا تھا اور جب تسمیہ ختم ہو چکا ہے تو سارے کا سارا اضافہ بیج والے کے لئے ہو گا۔ (ہدایہ، کتاب مزارعت، لاہور)

طے شدہ تقسیم مزارعت میں کمی بیشی کرنے کا بیان

مزارعت ہو جانے کے بعد پیداوار کی تقسیم جس طرح طے پا گئی ہے اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے یا نہیں مثلاً نصف نصف تقسیم کرنا طے پایا تھا اب ایک تہائی دو تہائیاں لینا دینا چاہتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ کمی یا بیشی مالکِ زمین کی طرف سے ہو گی یا مزارع کی طرف سے اور بہر صورت بیج مالکِ زمین کے ہیں یا مزارع کے۔ اگر کھیت طیار ہو گیا اور بیج مزارع کے ہیں اور پہلے مزارعت نصف پر تھی اب کاشتکار مالکِ زمین کا حصہ بڑھانا چاہتا ہے اسے دو تہائیاں دینا چاہتا ہے یہ ناجائز ہے بلکہ پیداوار اسی طور پر تقسیم ہو گی جو طے ہے اور اگر مالکِ زمین مزارع کا حصہ بڑھانا چاہتا ہے بجائے نصف اس کو دو تہائیاں دینا چاہتا ہے یہ جائز ہے اور اگر بیج مالکِ زمین کے ہیں اور یہ مزارع کا حصہ زیادہ کرنا چاہتا ہے یہ ناجائز ہے اور مزارع مالکِ زمین کا حصہ زیادہ کرنا چاہتا ہے یہ جائز ہے اور اگر فصل طیار ہونے سے پہلے کمی بیشی کرنا چاہتے ہیں تو مطلقاً جائز ہے مزارع کی طرف سے ہو یا مالکِ زمین کی طرف سے بیج اس کے ہوں یا اس کے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب مزارعت، بیروت)

پانی کے کھالوں پر شرط لگا کر مزارعت کرنے کا بیان

جب ان دونوں نے کھالوں کے ذریعے پیداوار پر شرط لگا دی یعنی وہ ایک کے لئے ہو گا اور جب کسی ایک کے لئے خاص جگہ مزارعت کرنے کی شرط لگائی جائے۔ تو ایسی شرط شرکت کو ختم کرنے کا سبب بنے گی۔ کیونکہ ممکن ہے اسی خاص جگہ سے پیداوار ہو۔ اور اسی طرح جب کسی ایک جانب سے طرف سے پیداوار کی شرط لگائی ہو۔ اور دوسرے کے لئے دوسری جانب کی شرط لگائی ہو۔ اور اسی طرح ایک کے لئے بھوسے کی شرط جبکہ دوسرے کے لئے گندم کی شرط لگائی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے زراعت کسی آفت کے سبب دانے نہ دے بلکہ بھوسہ ہی نکلے۔ اور اسی طرح جب بھوسہ کو نصف نصف کرنے کی شرط لگائی گئی ہے اور دانہ ان میں سے کسی ایک کے لئے خاص کیا گیا ہے کیونکہ ایسی شرط مقصد یعنی شرکت کو ختم کرنے کا سبب بن جائے گی۔

اور جب ان دونوں نے دانوں کو نصف نصف کرنے کی شرط لگائی ہے اور بھوسے کا کوئی تعین نہ کیا تو مزارعت درست ہو گی۔ کیونکہ شرکت کا مقصود صرف دانوں میں ہے۔ اور بھوسہ بیج والے کو ملے گا۔ کیونکہ وہ اس کی ملکیت میں اضافہ ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں شرط لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور شرط ہی فساد کرنے والی ہے۔ جو یہاں پر ظاہر ہونے والا ہے۔

مشائخ بلخ کے فقہاء نے کہا ہے کہ غیر منصوص چیزوں میں دلیل عرف پر قیاس کرتے ہوئے بھوسہ بھی ان دونوں کے درمیان

مشترکہ ہوگا۔ کیونکہ بھوسہ بھی دانوں کے تابع ہے۔ اور تابع اصل کی شرط کے ساتھ قائم ہونے والا ہے۔ (ہدایہ)

حضرت حنظلہ ابن قیس تابعی حضرت رافع بن خدیج صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یعنی رافع نے فرمایا کہ مجھے میرے دو چچاؤں نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مانے میں صحابہ کرام نالیوں پر ہونیوالی پیداوار کے عوض اپنی زمین اجرت پر دیا کرتے تھے (یعنی صحابہ اپنی زمین کو کسی دوسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ اجرت پر دیدیا کرتے تھے کہ وہ شخص اپنی محنت اور اپنا تخم لگا کر اس میں کاشت کرے اور اس زمین کی پانی کی نالیوں کے کناروں پر جو کچھ پیدا ہوگا وہ اس زمین کی اجرت میں مالک کا حق ہوگا اور اس کے علاوہ باقی زمین کی پیداوار کاشت کرنے والے کا حق ہوگا یا اپنی زمین کو اس قطعہ کی پیداوار کے عوض اجرت پر دیتے تھے جسے مالک اپنے لئے علیحدہ کر لیتا تھا (یعنی زمین کو اجرت پر دینے کی دوسری صورت یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی زمین جب کسی کو کاشت کے لیے دیتے تو اس کا کوئی قطعہ اپنے لئے متعین کر دیتے تھے اور یہ طے ہو جاتا تھا کہ کاشت کرنیوالا اپنی محنت اور اپنا تخم لگا کر پوری زمین پر کاشت کرے پھر اس متعین قطعہ کی جو کچھ پیداوار ہوگی وہ تو مالک لے لے گا اور باقی زمین کی پیداوار کاشت کرنیوالا لے گا چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا کیونکہ اس میں نقصان اور فریب میں مبتلا ہونے کا خوف رہتا تھا)

حدیث کے راوی حضرت حنظلہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع سے پوچھا کہ درہم و دینار کے عوض مزارعت کا کیا حکم ہے (یعنی اپنی زمین کسی کو کاشت کرنے کے لئے دیدی جائے اور اس کے عوض بطور لگان روپے لئے جائیں تو کیا حکم ہے حضرت رافع نے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور جس چیز سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے (یعنی مزارعت کی مذکورہ دونوں صورتیں) وہ ایسی چیز ہے کہ اگر حرام وحلال کی سمجھ رکھنے والا شخص اس میں غور کرے تو نقصان پہنچنے کے خوف سے اسے پسند نہ کرے (بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 194)

اپنی زمین کو کاشت کے لئے دینے کی جو دو صورتیں ذکر کی گئی ہیں اور جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ ان علماء کے نزدیک بھی محل نہی ہیں جو مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔

مزارعت کے سلسلے میں چونکہ مختلف احادیث منقول ہیں اس لئے جو علماء مزارعت کو جائز کہتے ہیں وہ بھی اپنے مسلک کو حدیث سے ثابت کرتے ہیں اور وہ علماء بھی حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں جن کے نزدیک مزارعت جائز نہیں ہے گویا دونوں طرف کے علماء کے۔ لئے تاویل کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے اکثر علماء مزارعت کو جائز کہتے ہیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں لیکن حنفیہ کے دو جلیل القدر ائمہ حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد چونکہ جواز ہی کے قائل ہیں پھر یہ کہ دفع ضرورت کی مصلحت بھی پیش نظر ہے اس لئے حنفی مسلک میں بھی فتویٰ اسی بات پر ہے کہ مزارعت جائز ہے۔

بَاب مَنْ زَرَعَ فِي اَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ

یہ باب ہے کہ جو شخص کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کھیتی باڑی کرے

2466 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَرَعَ فِي اَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَتُرَدُّ عَلَيْهِ نَفَقَتُهُ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص کسی دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کھیتی باڑی کرتا ہے' تو اسے پیداوار میں سے کچھ نہیں ملے گا اور اس نے اس پر جو خرچ کیا تھا اسے وہ واپس کر دیا جائے گا''۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ کسی کی زمین میں مالک کی اجازت و مرضی کے بغیر اگر کوئی شخص کاشت کرے تو اس زمین میں ساری پیداوار زمین کے مالک ہی کو ملے گی ہاں کاشت کرنیوالے نے اپنا جو تخم اس کاشت میں لگایا ہوگا وہ اسے مل جائے گا اس کے علاوہ اور کچھ اسے نہیں ملے گا چنانچہ حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے۔ لیکن دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں زمین کی پیداوار کاشت کرنیوالے ہی کو ملے گی البتہ اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ زمین کا نقصان اس کے مالک کو ادا کرے حنفیہ کے بعض علماء نے بھی اسی قول کو ذکر کیا ہے اور ابن مالک نے یہ کہا ہے کہ ایسے شخص پر زمین پر قبضہ کے دن سے اس کی کاشت کے دن سے زمین خالی ہونے کے دن تک اس زمین کا معاوضہ واجب ہوگا اور اس کی جو کچھ پیداوار ہوگی وہ اس شخص کی ہوگی۔

بَاب مُعَامَلَةِ النَّخِيلِ وَالْكَرْمِ

یہ باب ہے کہ کھجوروں اور انگوروں کے بارے میں معاملہ کرنا

2467 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَسَهْلُ بْنُ اَبِي سَهْلٍ وَاِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَلَ اَهْلَ خَيْبَرَ بِالشَّطْرِ مِمَّا يَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٍ اَوْ زَرْعٍ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے رہنے والوں کو وہاں کام کاج کرنے کی

2466 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3403' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1366

2467 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2329' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 3939' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3408' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1383

اجازت دی تھی اس شرط پر کہ وہاں کی ہونے والی پھلوں کی اور زرعی پیداوار کا نصف مسلمانوں کو ادا کیا جائے گا۔

2468 - حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ تَوْبَةَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى خَيْبَرَ أَهْلَهَا عَلَى النِّصْفِ نَخْلِهَا وَأَرْضِهَا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (خیبر کی زمین) وہاں کے رہنے والوں کو نصف ادائیگی کی شرط پر دی تھی یعنی کھجوروں اور وہاں کی زرعی پیداوار (کا نصف انہوں نے ادا کرنا تھا)۔

2469 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ مُسْلِمٍ الْأَعْوَرِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا افْتَتَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ أَعْطَاهَا عَلَى النِّصْفِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کرلیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف پیداوار کی ادائیگی کی شرط پر اسے (یعنی وہاں کی زمینوں کو) دیدیا۔

شرح

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن روحہ کو بھیجتے تھے خیبر کی طرف وہ پھلوں کا اور زمینوں کا اندازہ کر دیتے تھے ایک بار یہودیوں نے اپنی عورتوں کا زیور جمع کیا اور عبداللہ بن روحہ کو دینے لگے یہ لے مگر ہمارے محصول میں کمی کر دو عبداللہ بن روحہ نے کہا اے یہود خدا کی ساری مخلوق میں میں تم کو زیادہ برا سمجھتا ہوں اس پر بھی میں نہیں چاہتا کہ تم پر ظلم کروں اور جو تم مجھے رشوت دیتے ہو وہ حرام ہے اس کو ہم لوگ نہیں کھاتے اس وقت یہودی کہنے لگے اس وجہ سے اب تک آسمان اور زمین قائم ہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی ایسی زمین کی مساقات کرے جس میں درخت بھی ہوں انگور کے یا کھجور کے اور خالی زمین بھی ہو تو اگر خالی زمین ثلث یا ثلث سے کم ہو تو مساقات درست ہے۔

اور اگر خالی زمین زیادہ ہو اور درخت ثلث یا ثلث سے کم میں ہوں تو ایسی زمین کا کرایہ دینا درست ہے مگر مساقات درست نہیں کیونکہ لوگوں کا یہ دستور ہے کہ زمین میں مساقات کیا کرتے ہیں اور اس میں تھوڑی سی زمین میں درخت بھی رہتے ہیں یا جس مصحف یا تلوار میں چاندی لگی ہو اس کو چاندی کے بدلے میں بیچنے میں یا ہار یا انگوٹھی کو جس میں سونا بھی ہو سونے کے بدلے میں بیچتے ہیں اور ہمیشہ سے لوگ اس قسم کی خرید وفروخت کرتے چلے آئے ہیں۔

اور اس کی کوئی حد نہیں مقرر کی کہ اس قدر سونا یا چاندی ہو تو حلال ہے اور اس سے زیادہ ہو تو حرام ہے مگر ہمارے نزدیک لوگوں کے عملدرامد کے موافق یہ حکم ٹھہرا ہے کہ جب مصحف یا تلوار یا انگوٹھی میں سونا چاندی ثلث قیمت کے برابر ہو یا اس سے کم تو اس کی بیع چاندی یا سونے کے بدلے میں درست ہے ورنہ درست نہیں۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1297)

2468 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2469 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بَاب تَلْقِيحِ النَّخْلِ

یہ باب کھجوروں میں پیوندکاری کرنے کے بیان میں ہے

2470 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ سِمَاكٍ أَنَّهُ سَمِعَ مُوسَى بْنَ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ مَرَرْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَخْلٍ فَرَأَى قَوْمًا يُلَقِّحُونَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هَؤُلَاءِ قَالُوا يَأْخُذُونَ مِنَ الذَّكَرِ فَيَجْعَلُونَهُ فِي الْأُنْثَى قَالَ مَا أَظُنُّ ذَلِكَ يُغْنِي شَيْئًا فَبَلَغَهُمْ فَتَرَكُوهُ فَنَزَلُوا عَنْهَا فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّمَا هُوَ الظَّنُّ إِنْ كَانَ يُغْنِي شَيْئًا فَاصْنَعُوهُ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَإِنَّ الظَّنَّ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ وَلَكِنْ مَا قُلْتُ لَكُمْ قَالَ اللَّهُ فَلَنْ أَكْذِبَ عَلَى اللَّهِ

موسیٰ بن طلحہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک باغ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو کھجوروں میں پیوندکاری کر رہے تھے نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا: یہ نر کھجوروں کو لے کر انہیں مادہ کھجوروں میں شامل کر رہے ہیں' تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرا خیال ہے اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ان لوگوں کو پتہ چلا تو انہوں نے یہ عمل ترک کر دیا اور اس کے نتیجے میں ان کی پیداوار کم ہوگئی جب اس بات کی اطلاع نبی اکرم ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ صرف ایک گمان تھا اس کا اگر کوئی فائدہ ہوتا ہے' تو تم ایسا کرلیا کرو میں بھی تمہاری مانند ایک انسان ہوں اور گمان میں غلطی بھی ہو جاتی ہے اور وہ ٹھیک بھی ہوتا ہے' لیکن جب میں تمہیں یہ کہوں کہ ''اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے'' تو میں اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب نہیں کروں گا۔

2471 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَهِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ أَصْوَاتًا فَقَالَ مَا هَذَا الصَّوْتُ قَالُوا النَّخْلُ يُؤَبِّرُونَهَا فَقَالَ لَوْ لَمْ يَفْعَلُوا لَصَلَحَ فَلَمْ يُؤَبِّرُوا عَامَئِذٍ فَصَارَ شِيصًا فَذَكَرُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنْ كَانَ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ دُنْيَاكُمْ فَشَأْنُكُمْ بِهِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أُمُورِ دِينِكُمْ فَإِلَيَّ

سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ بیان کرتی ہیں' نبی اکرم ﷺ نے کچھ آوازیں سنیں' تو یہ دریافت کیا' یہ آوازیں کس چیز کی ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ کھجوروں میں پیوندکاری کی جا رہی ہے' تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ ایسا نہ کریں' تو یہ بہتر ہوگا' تو ان لوگوں نے اس سال پیوندکاری نہیں کی جس کے نتیجے میں کھجوروں کی پیداوار بہتر نہیں ہوئی انہوں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تمہارے کسی دنیاوی معاملے سے متعلق کوئی بات ہو' تو تم خود اس کو دیکھو اور اگر تمہارے دین سے متعلق کوئی معاملہ ہو' تو میری طرف رجوع کرو۔

2470 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 6079

2471 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 6081

ترشادہ پھلوں کی پیوندکاری کا بیان

ترشادہ پھلوں کی صحیح النسل افزائش کے لئے عمل پیوندکاری نہایت ضروری ہے۔ اس طریقہ سے نہ صرف صحیح النسل پودے تیار کیے جاسکتے ہیں بلکہ پودے جلد بارآوری کی طرف بھی مائل ہو جاتے ہیں۔ بیج سے تیار شدہ پودا نہ صرف دیر سے بارآور ہوتا ہے بلکہ تبدیلی آجانے کی وجہ سے اس کا صحیح النسل رہنا بھی ممکن نہیں رہتا۔ پیوندکاری کا ایک اضافی فائدہ یہ بھی ہے کہ جن پھلوں میں بیج نہیں ہوتے مثلاً مالٹا، گریپ فروٹ یا سیڈلیس کنو وغیرہ، ان کی تیزی سے افزائش نسل بذریعہ پیوندکاری ہی ممکن ہے۔ ترشادہ پھلوں کی نباتاتی افزائش نسل کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے نئے روٹ اسٹاکس پر، جو کہ پودے کی پیداواری صلاحیت پر اثر انداز ہونے کے علاوہ بیماریوں اور زمینی کیڑوں کے خلاف قوت مدافعت بھی رکھتے ہوں، ترشادہ پھلوں کی اقسام کی پیوندکاری سے نہایت اچھے نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ مزید یہ کہ پیوندی کاری کا عمل نہایت اہم اور ابتدائی عمل ہے جس پر پودوں کی نسل کو برقرار رکھنے کے علاوہ دیگر فوائد حاصل کرتے ہوئے بہت سے مسائل پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر یہ عمل درست طریقہ سے انجام نہ دیا جائے تو پودوں کی پیداواری صلاحیت اور پھل کی خاصیت پر مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ترشادہ پھلوں کے باغات کی کامیابی کا انحصار صحت مند اور صحیح النسل پودوں پر ہوتا ہے، جبکہ پیوندکاری کا طریقہ اور پیوند کے لئے استعمال ہونے والی شاخوں کا انتخاب پودوں کی بڑھوتری پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ پیوندی شاخ کے انتخاب کے لئے چند باتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ شاخیں صرف ان پودوں سے لی جائیں جو صحتمند اور اچھی پیداوار کے حامل ہوں اور انہی پودوں کی صرف ان شاخوں سے پیوندی لکڑی لی جائے جن پر پھل اچھے اور ایک ہی قد و قامت کے ہوں۔ اس مقصد کے لئے تکونی لکڑی یا کچے گلوں (واٹر اسپراؤٹ) استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ پیوندکاری کرنے کے لئے لکڑی میں گولائی اور اس پر سفید دھاریوں کی موجودگی ضروری ہے، جبکہ لکڑی کی موٹائی پینسل جتنی ہونی چاہئے۔

پیوندی لکڑی کی عمر ۳ سے ۸ ماہ تک ہونا ضروری ہے جبکہ کانٹے دار پیوندی لکڑی استعمال نہیں کرنی چاہئے۔ اگر پیوندی لکڑی کے چشموں کا پھٹاؤ ہو گیا ہو تو اس لکڑی کا انتخاب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ پیوند کے قابل نہیں رہتی۔ پیوندکاری سے پہلے روٹ اسٹاک کی دیکھ بھال بہت ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے پیوند کرنے سے ہفتے قبل روٹ اسٹاک کو یوریا کھاد ڈال کر پانی لگا دینا چاہئے تاکہ اس میں رس (سیل سیپ) اچھی طرح چل پڑے۔ جب روٹ اسٹاک پینسل کی موٹائی کے برابر ہو جائے تو پیوند کرنے کے لئے قابل ہو جاتی ہے۔ جب کھٹی کے پودوں میں رس چلنا شروع ہو جائے اور چھلکا با آسانی اتر جائے تو پیوندکاری آسانی سے ہو سکتی ہے۔

ترشادہ پودوں کی پیوندکاری کا بہترین وقت مارچ تا اپریل اور اگست سے ستمبر ہے۔ پیوندکاری کے عمل میں استعمال ہونے والے آلات کو جراثیم کش ادویات کے ذریعے صاف رکھا جائے۔ اس مقصد کے لئے ۰ فیصد کلورین بلیچ یعنی حصے پانی اور ایک حصہ بلیچ پاؤڈر کا محلول بنا کر چھڑکاؤ کرنے والی بوتل میں ڈال دیا جائے اور پیوندکاری کے دوران استعمال ہونیوالی قینچی اور چاقو پر اس کا چھڑکاؤ کیا جائے۔ جب پیوندکار ایک قسم کی ورائٹی پیوند کرنے کے بعد دوسری سائٹ یا ورائٹی پیوند کرنے لگے تو اس سے پہلے چاقو اور

قینچی کو ایک مرتبہ پھر جراثیم کش محلول سے صاف کرلینا چاہئے۔اس سادہ سے عمل کو بروئے کار لا کر نرسری کے پودوں کو وائرس اور بیکٹیریا سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے بچایا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ کھٹی روٹ اسٹاک پر آنے والی پھوٹ کو قینچی سے ہٹاتے وقت بلیچ محلول سے مرتبہ دھولینا ضروری ہے۔

ترشاوہ پودوں کو عام طور پر طریقوں سے پیوند کیا جاتا ہے، جن میں ایک طریقہ بذریعہ چشمہ یا ٹی بڈنگ اور دوسرا بذریعہ قلمی گرافٹنگ ہے۔چشمہ بڑھانے سے پہلے روٹ اسٹاک کے پودوں کی ۳۰ سے ۵۰ سینٹی میٹر اونچائی تک چھوٹی شاخیں اتار دیں۔ چشمے کو شاخ سے تراشنے کے بعد اس سے لکڑی علیحدہ کرلی جاتی ہے۔اس طرح چشمہ چھال کے اندر ٹی کٹ میں باآسانی لگ جاتا ہے۔گریپ فروٹ، میٹھا اور لیموں وغیرہ کے چشمے کے ساتھ کاٹا ہوتا ہے لیکن ان اقسام میں چشمہ والی لکڑی سے کاٹنے کو علیحدہ نہیں کیا جاتا۔

روٹ اسٹاک پر چاقو کی مدد سے انگریزی حرف ٹی کی شکل کا نشان تقریباً ۳۰ سے ۵۰ سینٹی میٹر اونچائی پر لگایا جاتا ہے، جس کی لمبائی تقریباً سینٹی میٹر ہونی چاہئے۔اس کے بعد چشمے کو ٹی کی شکل والے نشان پر چھال کے اندر اس طرح داخل کریں کہ احتیاط کے ساتھ روٹ اسٹاک کے سفید ریشے (کیمبیم لیئرز) آپس میں اچھی طرح پیوست ہوجائیں۔پھر اسے سوتر وغیرہ کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیں۔چشموں کی کامیابی کا دارومدار صحتمند چشموں کا انتخاب، پیوند کاری کا صحیح وقت، درست طریقے سے چشمے لگانے اور ان کی درست نگہداشت پر ہوتا ہے۔تقریباً ہفتے کے بعد جب چشمہ پھوٹنا شروع ہوجائے تو اس وقت روٹ اسٹاک کو پیوند کی جگہ سے تقریباً سینٹی میٹر اوپر سے کاٹ دیں، تاکہ چشموں کی بڑھوتری اچھی طرح ہوسکے۔جب چشمہ بہتر بڑھوتری شروع کردے تو اسکے اوپر باندھے گئے سوتر وغیرہ کو اتار دینا چاہئے، ورنہ وہ چھال کے اندر داخل ہوسکتی ہے اور چھال کٹ جانے کے بعد خوراک کی فراہمی رک جاتی ہے۔

اگر ٹی بڈنگ سے حوصلہ افزا نتائج حاصل نہ ہورہے ہوں تو ٹی گرافٹنگ سے پیوندکاری کی جاسکتی ہے۔اس طریقہ کار کے لئے پیوندی لکڑی کی عمر کم سے کم ماہ ہونی چاہئے۔ٹی گرافٹنگ میں روٹ اسٹاک پر انگریزی حرف ٹی کی شکل کا کٹ بنایا جاتا ہے اور پیوندی شاخ کے نچلے حصے کو قلم کی طرح سینٹی میٹر تک ترچھا کاٹا جاتا ہے۔پیوندی لکڑی کو ٹی کٹ میں داخل کرنے کے بعد اچھی طرح سوتر یا موی فیتے کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا جاتا ہے۔بعد میں پیوندی لکڑی کے اوپر والے حصے پر ذرا اوپر سے لیکر جوڑ کے نچلے سرے سے ذرا نیچے تک موی کاغذ لپیٹ کر دونوں سروں کو مضبوطی سے باندھ دیا جاتا ہے۔جب پیوندی شاخ پر چشموں سے شگوفے نکلنا شروع ہوجائیں تو موی کاغذ صرف اوپر سے کھول دیا جاتا ہے اور جب اچھی طرح بڑھوتری شروع ہوجائے تو نیچے سے بھی موی کاغذ کھول کر اتار دیا جاتا ہے۔

ٹی گرافٹنگ کے بعد جب پیوندی شاخ کی نشوونما اچھی طرح سے شروع ہوجائے تو روٹ اسٹاک کو پیوندی جوڑ سے تقریباً سینٹی میٹر اوپر سے کاٹ دینا چاہئے۔پیوندی چشمہ کے علاوہ روٹ اسٹاک سے پھوٹے ہوئے شگوفے توڑتے رہنا چاہئے ورنہ شگوفے بہت زیادہ بڑے ہوجائیں گے اور پیوندی چشمہ کی نشوونما پر منفی اثر ڈالیں گے۔

انسانی اعضاء کی پیوندکاری میں فقہی مباحث کا بیان

مولانا ندیم الواجدی لکھتے ہیں کہ گزشتہ ہفتے ہم نے عطیہ خون کے بارے میں شرعی نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی تھی، اس ضمون میں یہ بات واضح ہوکر سامنے آئی تھی کہ ایک انسان کا خون کسی دوسرے انسان کے خون میں اضطرار اور حاجت کے وقت جائز ہے، ہم نے عرض کیا تھا کہ اخبارات نے دارالعلوم دیوبند کے فتوے معنی پہناتے ہیں، مفتی صاحب نے انگ دان یعنی اعضا کے عطیہ کو ناجائز قرار دیا تھا، خون دینے کو ناجائز نہیں کہا تھا، دونوں میں فرق ہے، فقہا نے خون کو دودھ پر قیاس کیا ہے، کسی انسانی جسم کو دودھ اور خون پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ یہ دونوں چیزیں انسان کے جسم میں حسب ضرورت بنتی ہیں اور ذخیرہ ہوتی ہیں، جب کہ اعضا اگر ایک مرتبہ ضائع ہوجائیں تو دوبارہ پیدا نہیں ہوتے، اس معاملے میں غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بھی سامنے آتی ہے کہ جسم سے اگر کچھ خون نکال لیا جائے تو بہت جلد اس کی کمی پوری ہوجاتی ہے، اور ضائع شدہ خون مناسب مقدار میں دوبارہ پیدا ہوجاتا ہے، غالباً اسی لیے شریعت نے خون دینے کی اجازت دی ہے، اور عضو کا عطیہ دینے سے منع کیا ہے کیوں کہ وہ دوبارہ پیدا نہیں ہوتا۔ آج کل اعضا کی پیوبندکاری بڑے پیمانے پر جاری ہے، آنکھیں بدلی جارہی ہیں، گردے تبدیلی کیے جارہے ہیں، دل اور دماغ تک بدلے جارہے ہیں، پھیپھڑوں اور جگر کی پیوندکاری ہورہی ہے، کہتے ہیں کہ اعضا کی پیوندکاری کا سلسلہ ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح سے ہے، یقینی طور پر عہد نبوت میں بھی عضو کی تبدیلی کا سلسلہ تھا، روایات میں ہے کہ ایک صحابی حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کی ناک کٹ گئی تھی۔

انہوں نے چاندی کی ناک بنواکر لگوائی، مگر وہ سڑگئی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سونے کی ناک بنواکر لگوانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (ترمذی:4:240، رقم الحدیث:1770)

میڈیکل سائنس کی ترقی نے اعضا کی تبدیلی کو باقاعدہ ایک فن بنادیا ہے، یہ سلسلہ گزشتہ صدی کے نصف آخر سے شروع ہوا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ لگاتار ترقی کررہا ہے، اب خطرات بھی بہت کم ہوگئے ہیں اور کامیابی کے امکانات بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں، پہلے ان اعضا کو محفوظ رکھنے کی ادویات ایجاد نہیں ہوئی تھیں اس لیے یہ امکان رہتا تھا کہ مریض کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہ اعضا بیکار ہوجائیں، یا مریض کے جسم میں داخل ہونے کے بعد پوری طرح کارآمد نہ ہوں، اب ڈاکٹروں نے ان خطرات پر قابو پالیا ہے، گردوں کی خرابی کا مرض تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور اسی تیزی کے ساتھ گردے بھی تبدیل کیے جارہے ہیں، ایک معمولی جائزے کے مطابق اب تک لگ بھگ ایک لاکھ آپریشن گردوں کی تبدیلی کے لیے کیے جاچکے ہیں۔

عام طور پر یہ آپریشن کامیاب رہے اور دنیا گردہ لگوانے کے بعد مریض نے معمول کے مطابق زندگی گزاری، اور یہ دیر تک زندہ رہا جگر کی پیوندکاری کا بھی یہی حال ہے، چند سال پہلے تک جگر کی تبدیلی کی صورت میں مریض کی بقا کے مکانات سال ڈیڑھ سال تک ہی رہتے تھے، اب ایسے مریض بھی دیکھے جانے لگے ہیں جو دس پندرہ سال سے تبدیل شدہ جگر کے ساتھ زندہ ہیں، بلاشبہ میڈیکل سائنس کی اس عظیم کامیابی نے زبردست انقلاب برپا کیا ہے اور مایوس مریضوں کے دل میں صحت مند زندگی کی امید جگا دی ہے، ان حالات میں دین پسند حضرات یقینی طور پر شریعت کی طرف دیکھنے کی ضرورت سمجھتے ہیں، آیا اس عمل کی شریعت میں

گنجائش ہے یا نہیں یہ ظاہر ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی بلکہ اس انسانیت نوازی کی اعلیٰ ترین مثال سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے کام آئے، اور اپنے جسم کا کوئی عضو دان کر کے (عطیہ دے کر) اس کی زندگی محفوظ بنادے، اس سے بڑھ کر کوئی دوسری عطیہ ہو بھی نہیں سکتا جس میں ہمدردی، ایثار اور خیر خواہی کے اعلیٰ ترین جذبات پائے جاتے ہوں، انسان خواہ کیسا بھی ہو، اس کے دل میں زیادہ دیر تک جینے کی تمنا بھی رہتی ہے، اور وہ زیادہ صحت مند بھی رہنا چاہئے، اعضا کے عطیئے میں اگرچہ پہلے کے مقابلے میں خطرت کے امکانات بہت کم ہو گئے ہیں پھر بھی مکمل اعضا رکھنے والے کے مقابلے میں کسی عضو سے محروم شخص کی بیماری یا ہلاکت کا کچھ نہ کچھ خطرہ موجود ہے، اگر خطرہ نہ بھی ہو تب بھی یہ کیا کم ہے کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے ایک عضو سے محروم ہو گیا۔

انسانیت نوازی کے اس جذبے کا تقاضا تو یہ ہے کہ شریعت کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے، ور اس بات کی کھلی اجازت ہونی چاہئے کہ جو شخص چاہے جس کو چاہے اپنا کوئی عضو دیدے، لیکن فقہی کتابوں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بات صرف ہمدردی، خیر خواہی اور انسانیت نوازی کی نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ اور بھی پہلو ہیں جن کی بنیاد پر شریعت نے پیوندکاری کی اجازت نہیں دی ہے۔ اگر انسان کا کوئی عضو اس حد تک ناکارہ ہو جائے کہ علاج معالجے سے صحیح نہ ہوئی درحالت یہ ہو جائے کہ اگر بیمار اور ناکارہ عضو الگ کر کے اس کی جگہ دوسرا عضو لگایا جائے تو آدمی کا زندہ رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جائے تو اس تبدیلی عضو کی کئی ممکنہ صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس عضو کی جگہ کسی دھات یا پلاسٹک یا لکڑی وغیرہ کا عضو بنا کر لگا دیا جائے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے، خود حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک صحابی نے پہلے چاندی کی ناک لگوائی جب وہ کارآمد نہ ہوئی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سونے کی ناک لگوانے کی اجازت دی گئی۔

حالانکہ سونے کا استعمال مردوں کے لئے قطعاً حرام ہے، اگر کسی کے دانت ہلنے لگیں اور ان کو منہ مضبوطی کے ساتھ روکنا دشوار ہو جائے تو ان دانتوں کو سونے کے تاروں کے ساتھ باندھنے کی بھی اجازت دی گئی ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں یہ عبارت موجود ہے: وقد روی غیر واحد من اهل العلم انهم شدوا اسنانهم بالذهب (ترمذی: 4/240، رقم الحدیث 1770)

بہت سے اہل علم سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے دانت سونے (کے تاروں) سے باندھے دوسری صورت یہ ہے کہ فاسد عضو کی جگہ کسی جانور کا عضو لگایا جائے، اگر وہ جانور شرعی طریقے سے ذبح کیا گیا ہو تو اس کے اعضا استعمال کئے جاسکتے ہیں ور انسانی جسم میں لگائے جاسکتے ہیں، فقہی کتابوں میں اس کی وضاحت موجود ہے: اذا سقطت ثنية رجل یاخذ من شاة ذکية یشد مکانها (در مختار) اگر کسی شخص کے سامنے کے دانت گر جائیں تو وہ ذبح شدہ بکری کے دانت لے کر اس کی جگہ لگا لے۔

فتاوی عالمگیری میں یہ مسئلہ زیادہ واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعضا کے فساد اور اس فساد کی وجہ سے تبدیلی کا مسئلہ نیا نہیں ہے، بلکہ ابتدا ہی سے یہ مسائل موجود ہیں اور فقہا نے ان کے حل بھی پیش کئے ہیں، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: لا باس بالتداوی بالعظم اذا کان عظم شاة او بقرة او بعیر او فرس وغیره من الدواب الا عظم الخنزیر و الادمی فانه یکره التداوی بهما (5/354، مطبوعہ دارالکتاب)

ہڈیوں سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر وہ ہڈی بکری، گائے اونٹ اور گھوڑے وغیرہ جانوروں کی ہے، خنزیر اور آدمی کی ہڈی نہ ہونی چاہئے کیوں کہ ان دونوں کی ہڈیوں سے علاج کرنا مکروہ (تحریمی) ہے۔ لیکن یہ استعمال بھی ذبح پر موقوف ہے، ایسا نہیں ہے کہ زندہ جانور کی ہڈی توڑ لی جائے اور اسے استعمال کرلیا جائے، یا کسی مردہ جانور کی ہڈی استعمال کی جائے یہ بھی جائز نہیں ہے۔

فقہا نے وضاحت کردی ہے کہ ہڈی مذبوح جانور کی ہو: **اذا کان الحیوان ذکیا لانه عظم طاهر رطبا کان اویا بسا یجوز الانتفاع به** بشرطیکہ جانور شرعی طریقے پر ذبح کیا گیا ہو اس لیے کہ ذبح سے ہڈی پاک ہوگئی خواہ تر ہو یا خشک دونوں صورتوں میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ جانور مردہ ہو، کیا ایسے جانور کے اعضا سے انتفاع جائز ہے، فقہا نے اس کے مشروط استعمال کی اجازت دی ہے، اور وہ شرط یہ ہے کہ وہ ہڈی یا دوسرا کوئی عضو خشک ہو تر نہ ہو، چنانچہ فقہی کتابوں میں لکھا ہے: **واما اذا کان الحیوان میتا فانما یجوز الانتفاع بعظمه اذا کان یا بساو لا یجوز اذا کان رطبا** (فتاری عالمگیری: 5/354) اگر حیوان مردہ ہو تو اس کی ہڈی سے اسی صورت میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جب وہ خشک ہو، اگر ہڈی تر ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ جانور زندہ ہو اور اسی حالت میں اس کا کوئی عضو کاٹ کر استعمال کیا جائے، یہ صورت قطعاً جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ: **ماقطع من البهمة وهی حیة فهی میتة** (ترمذی: 4/74، رقم الحدیث: 1480)

زندہ جانور کے جسم سے کاٹا گیا ٹکرا مردار ہے۔ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے فقہا نے یہ کلیہ اخذ کیا ہے: **المنفصل من الحی کمیتة** (درمختار) زندہ جانور سے جدا کیا گیا حصہ جسم مردار کی طرح ہے اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذبوح جانور کا عضو لگانا بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح پاک وطاہر چیزوں سے بنے ہوئے اعضا بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں، مردہ جانور کے خشک اعضا استعمال کئے جاسکتے ہیں، تر اعضا استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، زندہ جانور کی ہڈی توڑ کر یا کوئی اور عضو الگ کر کے استعمال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ عضو مردار کے حکم میں ہے اور مردار سے انتفاع جائز نہیں ہے۔

اب آخری صورت یہ رہ جاتی ہے کہ کیا انسان کے جسم میں کسی دوسرے انسان کے جسم کا کوئی حصہ لگانا جائز ہے یا نہیں، یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر یہ عضو جو کسی انسان کے جسم میں لگایا جارہا ہے خود اسی کے جسم کا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، فقہا نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ: **المنفصل من الحی کمیتة الا فی حق صاحبه** (درمختار)

زندہ کے جسم سے الگ ہونے والا حصہ مردار کی طرح ہے مگر عضو والے کے حق میں مردار نہیں ہے اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ کیا دوسرے انسان کا عضو بھی لگایا جاسکتا ہے، اس سلسلے میں بھی سب سے پہلے برصغیر پاک وہند ممتاز علما اور ارباب فتویٰ سے رائے مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اعضا کی پیوندکاری بہ چند وجوہ جائز نہیں ہے،

عدم جواز کی جو وجوہات بیان کی گئی ہیں ان کا خلاصہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ اجزا انسانی کا استعمال اس کی تعظیم وتکریم کے خلاف ہے، تقریباً تمام قدیم فقہی مراجع میں تکریم وتعظیم کے اس پہلو کو بہ طور خاص ذکر کیا گیا ہے، مثلاً فتاویٰ عالمگیری میں ہے "الال

تفاع باجزا الادمی لم یجز قیل للنجاسة وقیل للکرامة وھوا الصحیح (5/354) آدمی کے اجزا سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، کسی نے کہا نجاست کی وجہ سے فائدہ نہ اٹھانا چاہئے اور کسی نے کہا کہ کرامت اور بزرگی کی وجہ سے یہی دوسری وجہ صحیح ہے۔

شرح السیر الکبیر میں ہے: لا یجوز الانتفاع بہ بحال والادمی محترم بعد موتہ علی ماکان علیہ وی حیاتہ فکما لا یجوز التداوی بشی من الادی الحی اکراما لہ فکذالک لایجوز التداوی بعظم المت (ج:1/90) آدمی کے عضو سے فائدہ اٹھانا کسی صورت میں جائز نہیں ہے، کیوں کہ آدمی جس طرح اپنی زندگی میں مکرم ومحترم تھا اسی طرح مرنے کے بعد بھی ہے، جس طرح زندہ آدمی کے کسی حصے سے اس کی حرمت وعزت کے پیش نظر علاج کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح میت کی ہڈی (وغیرہ) سے بھی علاج کرانا جائز نہ ہوگا۔ ہدایہ میں ہے کہ: لا یجوز بیع شعور الانسان ولا الانتفاع بدلان الادمی مکرم، فلایجوز ان یکون شیء من اجزا مھانا متد لا (3/39)

انسان کے بالوں کی خرید وفرخت جائز نہیں اور نہ ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے کیونکہ آدمی محترم ہے اس لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے جسم کے کسی حصے کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا جائے اور اسے مال مبتذل سمجھا جائے۔ اسی لیے فقہا نے انسانی اجزا کی بیع کو بیع فاسد قرار دیا ہے، فتاویٰ شامی میں ہے کہ انسان کے احترام کی وجہ سے اس کے اعضا بال وغیرہ کی بیع فاسد قرار دی گئی ہے۔ (فتاویٰ شامی: 9/454) یہی بات صاحب فتح القدیر نے لکھی ہے، بلکہ انہوں نے تو مسلمان عزت وتوقیر پر علما کا اتفاق بھی نقل کیا ہے خواہ وہ مردہ ہو یا زندہ۔

ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کے آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہوتا، اصل مالک اللہ ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے، کیوں کہ وہ مالک نہیں ہے اسی لیے اس کو اپنے جسم میں یا کسی دوسرے کو اس کے جسم میں زندگی میں یا موت کے بعد اس طرح کے تصرف کا اختیار نہیں ہے، اسی لیے اسلام میں خودکشی کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے، اگر انسان اپنے جسم وروح کا مالک ہوتا تو خود خودکشی کی اجازت ہوتی جس طرح اسے اپنے مال میں تصرف کرنے کی اجازت ہے، فقہا نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص حالت اضطرار میں ہے، یعنی کھانے کو کچھ نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ اگر کھانے کو کچھ نہ ملا تو اس کی زندگی خطرے میں پڑسکتی ہے، ایسی صورت میں اگر وہ یہ چاہے کہ اپنے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر کھالے اور اس کے ذریعے اپنی زندگی بچالے تو اس کی اجازت نہیں ہے اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی زندگی بچانے کے لیے اپنے جسم کا گوشت کھانے کی پیش کش کرے۔

(فتاویٰ قاضی خاں، ص: 365) کتاب الحظر والاباحہ)

گوشت کی طرح آنکھ، ناک، کان، گردہ، جگر وغیرہ بھی انسانی جسم کے حصے ہیں، جب شریعت نے گوشت کی اجازت نہیں دی تو باقی دوسرے حصوں کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔

پھر اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ آدمی اپنا کوئی جز بدن کسی کو قیمتاً فروخت کرے یا بلا قیمت ہدیہ کرے، جب وہ مالک ہی نہیں ہے تو اسے بلا قیمت یا قیمتاً کسی بھی طرح دینے کا کوئی حق بھی نہیں ہے، روایات میں ہے کہ ایک خاتون سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری بیٹی کے بال ٹوٹ کر گر جاتے ہیں، کیا میں اس کے بالوں میں دوسرے بال جوڑ سکتی ہوں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لعن اللہ الواصلہ والمستوصلحۃ (بخاری 5/2217، رقم الحدیث 5590۔ مسلم: 3/1676، رقم الحدیث: 2122) اللہ تعالیٰ نے واصلہ اور مستوصلہ دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ واصلہ اس عورت کو کہتے ہیں جو دوسروں کے بال عورتوں کے بالوں میں لگاتی ہے اور مستوصلہ وہ عورت ہے جس کے بالوں میں دوسروں کے بال لگائے جائیں، اس حدیث سے فقہانے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے: وصل الشعر بشعر الادمی حرام سوا کان شعرھا او شعر غیر ھا (فتاویٰ شامی کتاب الحظر والاباحۃ: 9/454 مطبوعہ دار الکتاب دیوبند)

آدمی کے بالوں سے اپنے بال جوڑنا حرام ہے خواہ وہ خود اسی عورت کے بال ہوں یا کسی دوسری عورت کے بال ہو۔ علما نے یہ بھی لکھا ہیکہ کسی انسان کے جسم سے اس کی کوئی عضو جدا کر لیا جائے تو اس کا مثلہ کہا جاتا ہے۔ جس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے، علامہ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں مثلہ کی حقیقت پر تفصیلی کلام کیا ہے اور جمہور کی رائے بھی نقل کی ہے۔

بہر حال یہ کوئی عقل مندی نہیں ہے کہ کسی انسان کو ضرر پہنچا کر کسی دوسرے انسان کا ضرر دفع کیا جائے، اس لیے فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں صاف طور پر لکھا ہے کہ کوئی انسان اپنی زندگی میں کسی دوسرے کی زندگی بچانے کے لیے اپنی آنکھ یا گردہ وغیرہ نہیں دے سکتا، نہ ہدیۃ اور نہ قیمۃ، مرنے کے بعد بھی مسئلہ اپنی جگہ رہتا ہے۔ اسی لیے کسی انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی آنکھ نکال کر محفوظ کرنے کی یا کسی مریض کی آنکھ کی جگہ لگانے کی وصیت کرے،

مولانا عبدالرحیم نے لکھا ہے کہ آنکھ نکالنا مثلہ ہے اور مثلہ حرام ہے لہٰذا زندگی میں یا موت کے بعد بطور بیع یا ہبہ کے کسی کو اپنی آنکھ دینا یا وصیت کرنا اور مریض کا اسے استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، نفع سے انکار نہیں لیکن، والمھما اکبر من نفھما کے اصول پر حرام ہی ہوگا کہ نقصان نفع سے زیادہ ہے اور اس طریقے میں انسانیت کی توہین بھی ہے، اگر یہ طریقہ چل پڑا تو انسانی اعضا بکری کا مال بن جائیں گے۔ (فتاویٰ رحیمیہ 10/169، 171)

انسان کی لاش سے انتفاع کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس سلسلے میں فقہانے واضح طور پر اس حدیث شریف سے استدلال کیا ہے کسر عظیم المیت ککسرہ حیا (ابوداود 2/231، رقم الحدیث: 2307، سنن ابن ماجہ 1/516 رقم الحدیث 1616) میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ شخص کی ہڈی توڑنا اسی سے یہ اصول سامنے آیا کہ آدمی کے معاملے میں اصل اس کی حرمت اور احترام ہے، وہ زندگی میں جس طرح محترم ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی قابل احترام ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو مرنے کے بعد بہ صد احترام زمین کے اندر دفن کر دینا چاہیے۔

اس کی لاش کو جلانا یا چیل کووں کو کھلانا جائز نہیں ہے، قبر میں دفن کرنے کا حکم نص قرآنی سے ثابت ہے: ثم اماتہ فاقبرہ (عبس: 2) پھر اس کو موت دی اور قبر میں دفن کرایا۔ فقہ فتاویٰ کی جتنی بھی مستند کتابیں ہیں خواہ وہ جدید ہوں یا قدیم ان کی یہی فتویٰ دیا گیا ہے کہ انسانی اعضا کی پیوندکاری حرام ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا پہلے بھی یہی فتویٰ تھا اور آج بھی یہی فتویٰ ہے، البتہ اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے دوسرے فقہی سیمینار

منعقدہ دہلی مورخہ 8 تا 11 دسمبر 1989 میں کچھ شرطوں کے ساتھ پیوندکاری کی اجازت کا فیصلہ کیا ہے، اگرچہ بعض اکابر علما نے اس وقت اس فیصلے سے اپنا اختلاف بھی درج کرادیا تھا، اس فیصلے کے دو نکات اس طرح تھے۔

اگر کوئی مریض اسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہوکر رہ گیا ہے اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کی کو پورا نہیں کرسکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطبا کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوندکاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوندکاری کی صورت ماہر اطبا کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لیے فراہم ہے تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوندکاری کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہوگا۔

اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطبا کی رائے کی روشنی میں ان نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اسکی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔ (بہ حوالہ نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: 177، 178)

مگر ابھی تک فقہ اکیڈمی کے اس فیصلے کے مطابق فتویٰ نہیں دیا جاتا ہے، مفتی احمد خان پوری نے ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے کہ ایک انسان کے جسم میں دوسرے انسان کے کسی جز یا عضو کا لگانا جس کو آج کل اعضائے انسانی کی پیوندکاری سے تعبیر کیا جاتا ہے درست نہیں اس پر برصغیر کے تقریباً تمام ممتاز علما اور مفتیان کا اتفاق ہے علاوہ ازیں برصغیر کے تمام موقر مدرسوں اور اداروں کے دارالافتاء بشمول دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، اور دارالعلوم ندوۃ العلما اور امارت شرعیہ بہار انسانی اعضا کے پیوندکاری کے عدم جوازی کے فتوے صادر کرتے آئے ہیں اس سلسلے کی مزید تفصیل مولانا برہان الدین سنبھلی کی کتاب موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل از ص: 254 تا 272 دیکھی جاسکتی ہے، البتہ اسلامی فقہ اکیڈمی کی طرف سے چند شرائط اس کی اجازت دی گئی ہے۔

(بحوالہ عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اور ان کا حل 2/581/513)

حافظ اشتیاق احمد ازہری لکھتے ہیں کہ انسانی اعضاء کی ایسی پیوندکاری جس سے کسی حادثے کی بنا پر انسانی جسم کی خراب ہو جانے والی کارکردگی کو پھر سے بہتر بنایا جاسکے، جائز ہے۔ ایسے اقدامات بھی بعض معاملات میں عند الضرورۃ جائز اور مباح تصور کئے جاتے ہیں۔ بلا ضرورت محض تعیش کے لیے سرجری کروانا جائز نہیں۔ چنانچہ صورت مسؤلہ میں کسی فرد کا اپنے اعضاء کے بارے میں وصیت کرنا جائز ہے۔

اسی طرح انسانی اعضاء کی خرید وفروخت کلیتاً ناجائز ہے۔ اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ امراء اپنی دولت کے بل بوتے پر دو وقت کی روٹی کو ترستے والے غریبوں کے گردے یا دیگر اعضاء خرید کر ان کی زندگی کو اجیرن بنا دیں۔

(فتویٰ، تاریخ اشاعت ۲۷،۰۶،۲۰۱۲)

انسانی اعضاء کی پیوند کاری کی ممانعت پر فتویٰ

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ سونے چاندی کی دھات اور پاک جانوروں کے اعضاء اور ہڈیوں سے پیوند کاری جائز ہے البتہ پیوند کاری میں کسی مردہ یا زندہ انسان کے اجزاء کسی دوسرے انسان کے جسم میں لگانا جائز نہیں ہے اور ہم اس کی وجہ لکھ چکے ہیں کہ ہر چند کہ اعضاء کا ضرورت مند محتاج اور مضطر ہے لیکن اعضاء دینے والے کو کونسا اضطرار لاحق ہے۔ جس کی وجہ سے یہ حرام کام کر رہا ہے۔ (شرح صحیح مسلم، جلد ثانی، ص ۸۶۲، فرید بک سٹال لاہور)

بَابُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِيْ ثَلٰثَةٍ

یہ باب ہے کہ مسلمان تین چیزوں میں ایک دوسرے کے شراکت دار ہوتے ہیں

2472- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ خِرَاشِ بْنِ حَوْشَبٍ الشَّيْبَانِيُّ عَنِ الْعَوَّامِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِيْ ثَلَاثٍ فِي الْمَآءِ وَالْكَلَإِ وَالنَّارِ وَثَمَنُهُ حَرَامٌ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ يَعْنِى الْمَآءَ الْجَارِيَ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
''مسلمان تین چیزوں میں ایک دوسرے کے حصے دار ہوتے ہیں' پانی' گھاس اور آگ' ان کی قیمت حرام ہے''۔ ابوسعید نامی راوی کہتے ہیں: اس سے مراد بہتا ہوا پانی ہے۔

شرح

اس حدیث میں اللہ کی ان نعمتوں کا ذکر ہے جو کائنات کے ہر فرد کے لئے ہے ان میں کسی کی ذاتی ملکیت وخصوصیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ پانی سے مراد دریا تالاب اور کنویں وغیرہ کا پانی وہ پانی مراد نہیں ہے جو کسی شخص کے برتن یا اس میں بھرا ہوا ہو چنانچہ اس کی وضاحت باب کی ابتداء میں کی جا چکی ہے اسی طرح گھاس سے وہ گھاس مراد ہے جو جنگل میں اگی ہوئی ہو۔ آگ سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس آگ ہو تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے کو آگ لینے سے منع کرے یا چراغ جلانے سے روکے اور یا اس کی روشنی میں بیٹھنے سے منع کردے وغیرہ ذلک ہاں اگر کوئی شخص اس آگ میں سے وہ لکڑی لینا چاہے جو اس میں جل رہی ہو تو اس صورت میں اس کو روکنا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ سے آگ میں کمی آجائے گی اور بجھ جائے گی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے سنگ چقماق (یعنی وہ پتھر جس کے مارنے سے آگ نکلتی ہے) مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اس پتھر کے لینے سے نہ روکا جائے بشرطیکہ وہ پتھر موات یعنی افتادہ زمین میں ہو۔

2473- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِى الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ

2472. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2473 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ لَّا يُمْنَعْنَ الْمَآءُ وَالْكَلَأُ وَالنَّارُ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''تین چیزوں سے منع نہیں کیا جاسکتا' پانی' گھاس اور آگ''۔

2474 - حَدَّثَنَا عَمَّارُ بْنُ خَالِدٍ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ غُرَابٍ عَنْ زُهَيْرِ بْنِ مَرْزُوْقٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِىْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ قَالَ الْمَآءُ وَالْمِلْحُ وَالنَّارُ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْمَآءُ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَمَا بَالُ الْمِلْحِ وَالنَّارِ قَالَ يَا حُمَيْرَاءُ مَنْ اَعْطٰى نَارًا فَكَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَا اَنْضَجَتْ تِلْكَ النَّارُ وَمَنْ اَعْطٰى مِلْحًا فَكَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَا طَيَّبَ ذٰلِكَ الْمِلْحُ وَمَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّآءٍ حَيْثُ يُوْجَدُ الْمَآءُ فَكَاَنَّمَا اَعْتَقَ رَقَبَةً وَّمَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّآءٍ حَيْثُ لَا يُوْجَدُ الْمَآءُ فَكَاَنَّمَا اَحْيَاهَا

◆◆ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات منقول ہے' انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کون سی چیز ایسی ہے' جس سے روکنا جائز نہیں ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پانی' نمک اور آگ''۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! پانی کے بارے میں' تو ہمیں پتہ ہے' تو نمک اور آگ کی کیا وجہ ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے حمیراء! جو شخص آگ دیتا ہے' تو گویا اس نے وہ ساری چیز صدقہ کردی جو اس آگ پر پکائی جائے گی اور جو شخص نمک دیتا ہے اس نے وہ تمام کھانا صدقہ کردیا جو اس نمک کی وجہ سے لذیذ ہوتا ہے' جس جگہ پانی پایا جاتا ہو اس جگہ پر جو شخص کسی مسلمان کو پانی کا ایک گھونٹ پلا دے' تو گویا اس نے ایک غلام کو آزاد کیا' اور جو شخص کسی ایسی جگہ پر کسی مسلمان کو پانی کا ایک گھونٹ پلا دے جہاں پانی نہیں پایا جاتا ہے' تو گویا اس شخص نے اسے زندگی دی''۔

شرح

حضرت بہیسہ رضی اللہ عنہا اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ انہوں نے (یعنی ان کے والد نے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کونسی چیز ہے جس سے منع کرنا اور اس کے دینے سے انکار کرنا حلال نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "پانی" انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اور کون سی چیز ہے جس کو دینے سے انکار کرنا حلال نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمک۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ کونسی چیز ہے جس سے منع کرنا حلال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بھلائی کرنا جو تمہارے لئے بہتر ہے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: رقم الحدیث، 414)

پانی" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری زمین میں کنواں وتالاب ہے یا تمہارے گھر میں نل وغیرہ ہے اس سے کوئی شخص پانی لیتا

2474 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہے تو اسے پانی لینے روکنا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر تم میں سے کوئی شخص پانی مانگتا ہے اور تمہارے پاس تمہاری ضرورت سے زائد پانی موجود ہے تو اسے دینے سے انکار نہ کرو، اسی طرح نمک دینے سے انکار نہ کرو، کیونکہ لوگوں کو نمک کی بہت زیادہ احتیاج و ضرورت رہتی ہے اور لوگ اسے لیتے دیتے ہی رہتے ہیں۔ پھر یہ کہ نمک جیسی چیز سے انکار کرنا ویسے بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ انتہائی عام اور سستی چیز ہے جس کی کوئی وقعت وقدر نہیں ہوتی۔

حدیث کا آخری جملہ تمام بھلائیوں اور نیکیوں پر حاوی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم سے جو کچھ بھی ہو سکے دیتے رہو اور جو نیکی و بھلائی کر سکو کرو، نیکی و بھلائی کے کاموں سے نہ تو اپنے آپ کو باز رکھنا درست ہے اور نہ دوسروں کو نیکی و بھلائی سے روکنا حلال ہے، گویا حدیث میں پہلے چند بھلائیوں کو بطور خاص ذکر کرنے کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمانا" تعمیم بعد تخصیص" ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ لایحل مفہوم کے اعتبار سے لاینبغی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اس طرح حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان چیزوں سے منع کرنا اور ان کے دینے سے انکار کرنا مناسب نہیں ہے۔

بَاب اِقْطَاعِ الْاَنْهَارِ وَالْعُيُوْنِ

یہ باب نہروں اور چشموں کو جاگیر کے طور پر دینے کے بیان میں ہے

2475- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِىْ عُمَرَ الْعَدَنِىُّ حَدَّثَنَا فَرَجُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ عَلْقَمَةَ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ اَبْيَضَ بْنِ حَمَّالٍ حَدَّثَنِىْ عَمِّىْ ثَابِتُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ اَبْيَضَ بْنِ حَمَّالٍ عَنْ اَبِيْهِ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَبْيَضَ بْنِ حَمَّالٍ اَنَّهُ اسْتَقْطَعَ الْمِلْحَ الَّذِىْ يُقَالُ لَهُ مِلْحُ سُدِّ مَارِبٍ فَاَقْطَعَهُ لَهُ ثُمَّ اِنَّ الْاَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ التَّمِيْمِىَّ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ قَدْ وَرَدْتُ الْمِلْحَ فِى الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ بِاَرْضٍ لَيْسَ بِهَا مَاءٌ وَّمَنْ وَرَدَهُ اَخَذَهُ وَهُوَ مِثْلُ الْمَاءِ الْعِدِّ فَاسْتَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْيَضَ بْنَ حَمَّالٍ فِىْ قَطِيْعَتِهِ فِى الْمِلْحِ فَقَالَ قَدْ اَقَلْتُكَ مِنْهُ عَلٰى اَنْ تَجْعَلَهُ مِنِّىْ صَدَقَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ مِنْكَ صَدَقَةٌ وَّهُوَ مِثْلُ الْمَاءِ الْعِدِّ مَنْ وَرَدَهُ اَخَذَهُ قَالَ فَرَجٌ وَّهُوَ الْيَوْمَ عَلٰى ذٰلِكَ مَنْ وَرَدَهُ اَخَذَهُ قَالَ فَقَطَعَ لَهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْضًا وَّنَخْلًا بِالْجُوْفِ جَوْفِ مُرَادٍ مَّكَانَهُ حِيْنَ اَقَالَهُ مِنْهُ

◆◆ حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ گزارش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نمک والا وہ حصہ دیدیں جس کا نام "سد مارب کا نمک" ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جاگیر کے طور پر انہیں دیدیا' پھر حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں زمانہ جاہلیت میں اس نمک والی جگہ پر پہنچا تھا وہ ایک ایسی سرزمین ہے جہاں پانی نہیں ہے' جو شخص وہاں پہنچتا تھا وہ اسے حاصل کر لیتا تھا' اس کی مثال بکثرت پانی کی طرح ہے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ کو جاگیر کے طور پر جو جگہ دی تھی وہ اس سے واپس لے

2475: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 3058' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1380

لی تو حضرت ابیض رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں اس شرط پر آپ ﷺ کو واپس کروں گا کہ آپ ﷺ اسے میری طرف سے صدقہ قرار دیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''وہ تمہاری طرف سے صدقہ شمار ہوگا اور اس کی مثال بہتے ہوئے پانی کی طرح ہوگی جو وہاں تک پہنچ جائے گا وہ اسے حاصل کر لے گا''۔

فرج نامی راوی کہتے ہیں: وہ جگہ آج بھی اسی طرح ہے' جو شخص وہاں جاتا ہے وہ اسے حاصل کر لیتا ہے۔

راوی کہتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ کو ''جرف'' یعنی ''جرف مراد'' کے مقام پر کچھ زمین اور کھجوروں کا باغ جاگیر کے طور پر عطا کیا' یہ اس کے بدلے میں تھا' جب آپ ﷺ نے ان سے پہلی جاگیر واپس لے لی تھی۔

شرح

نہایہ میں لکھا ہے کہ موات اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نہ کوئی کھیتی ہو نہ مکان ہو اور نہ اس کا کوئی مالک ہو اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ موات اس زمین کو کہتے ہیں جو پانی کے منقطع ہونے یا اکثر زیر آب رہنے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہو یا اس میں ایسی کوئی چیز ہو جو زراعت سے مانع ہو لہٰذا ایسی زمین جو عادی یعنی قدیم ہو کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو یا اسلامی سلطنت کی مملوک ہو اور اس کے مالک کا پتہ نامعلوم ہو اور وہ زمین بستی سے اس قدر دوری پر ہو کہ اگر کوئی شخص بستی کے کنارے پر کھڑا ہو کر آواز بلند کرے تو اس کی آواز اس زمین تک نہ پہنچے تو وہ زمین موات ہے۔

احیا موات سے مراد ہے اس زمین کو آباد کرنا ہے اور اس زمین کو آباد کرنے کی صورت یہ ہے کہ یا تو اس زمین میں مکان بنایا جائے یا اس میں درخت لگایا جائے یا اس میں زراعت کی جائے یا اسے سیراب کیا جائے اور یا اس میں ہل چلا دیا جائے۔ اس قسم کی زمین یعنی موات کا شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص اس زمین کو آباد کرتا ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے لیکن اس بارے میں علماء کا تھوڑا سا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس زمین کو آباد کرنے کے لئے امام (یعنی حکومت وقت) سے اجازت لینا شرط ہے جب کہ حضرت امام شافعی اور صاحبین یعنی حنفیہ کے حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک اجازت شرط نہیں ہے۔ شرب کے لغوی معنی ہیں پینے کا پانی پانی کا حصہ گھاٹ اور پینے کا وقت اصطلاح شریعت میں اس لفظ کا مفہوم ہے پانی سے فائدہ اٹھانے کا وہ حق جو پینے برتنے اپنی کھیتی اور باغ کو سیراب کرنے اور جانوروں کو پلانے کے لے ہر انسان کو حاصل ہوتا ہے چنانچہ پانی جب تک اپنے معدن (یعنی دریا اور تالاب وغیرہ) میں ہے کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا اس سے بلا تخصیص ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے جس سے منع کرنا اور روکنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

لیکن اس سلسلے میں دریا نہروں نالوں کے پانی اور اس پانی میں کہ جو برتنوں میں بھر لیا گیا ہو فرق ہے۔ جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اس موقع پر تو صرف اس قدر جان لیجئے کہ حنفی مسلک کے مطابق دریا کے پانی پر تمام انسانوں کا یکساں حق ہے چاہے کوئی اس کا پانی پینے پلانے کے استعمال میں لائے چاہے کوئی اس سے اپنی زمین سیراب کرے اور چاہے کوئی نہروں اور نالیوں کے ذریعے اس کا پانی اپنے کھیت وباغات میں لے جائے کسی کو بھی اور کسی صورت میں بھی دریا کے پانی کے استعمال سے نہیں

روکا جاسکتا اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کو روکے یا منع کرے۔

چنانچہ دریا کے پانی سے فائدہ اٹھانا چاند سورج اور ہوا سے فائدہ اٹھانے کی طرح ہے کہ اللہ نے ان نعمتوں کو بلا تخصیص کائنات کے ہر فرد کے لئے عام کیا ہے ان کا نفع وفائدہ کسی خاص شخص یا کسی خاص طبقے کے لے مخصوص نہیں ہے بلکہ ان سے فائدہ اٹھانے میں سب یکساں شریک ہیں اسی طرح کنویں اور نہروں کے پانی پر بھی سب کا حق ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ کسی کنویں یا کسی نہر کے پانی سے موات کا احیاء کرے یعنی افتادہ زمین میں زراعت کرے۔

تو اس صورت میں ان لوگوں کو کہ جن کے علاقے میں وہ کنواں اور نہر ہے منع کر دینے کا حق حاصل ہے خواہ اس شخص کے افتادہ زمین میں پانی لے جانے سے اس کنویں اور نہر کے پانی میں کمی اور نقصان واقع ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو کیونکہ ان کے علاقے میں اس کنویں یا اس نہر کے ہونے کی وجہ سے ان کے پانی پر انہیں بہر حال ایک خاص حق حاصل ہے اور جو پانی کسی برتن یا ٹینکی وغیرہ میں بھر لیا جاتا ہے وہ اس برتن وٹینکی والے کی ملکیت ہو جاتا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پانی پر ہر شخص کا حق ہوتا ہے کہ جو چاہے مار لے لیکن جب اسے کوئی شکاری پکڑ لیتا ہے تو اس کے قبضہ میں اتر آتے ہی وہ اس شکاری کی ملکیت ہو جاتا ہے اور اس پر بقیہ سب کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اور کوئی کنواں یا نہر اور چشمہ کسی ایسی زمین میں ہو جو کسی خاص شخص کی ملکیت ہو تو اس شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی حدود ملکیت میں پانی کے طلب گار کسی غیر شخص کے داخلے پر پابندی عائد کر دے بشرطیکہ وہ پانی کا طلبگار شخص وہاں کسی ایسے قریبی مقام سے پانی حاصل کر سکتا ہو جو کسی غیر کی ملکیت میں نہ ہو اور اگر وہاں کسی اور قریب جگہ سے پانی کا حصول اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر اسی مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو وہ خود اس نہر یا کنویں سے پانی لا کر دیدے یا اسے اجازت دیدے کہ وہ وہاں آ کر پانی لے سکے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ کنویں یا نہر کے کنارے کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

اگر موات زمین میں کوئی کنواں کھدوایا گیا ہو تو اس زمین کو آباد کرنیوالے کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ اس کنویں سے پانی لینے سے لوگوں کو منع کرے کیونکہ آباد کرنے کی وجہ سے جس طرح وہ زمین اس ملکیت میں آ گئی ہے اس طرح اس کنویں کا پانی اس کی ملکیت نہیں آیا ہے اگر وہ کسی ایسے شخص کو منع کرے گا جو اس کنویں سے خود پانی پینا چاہتا ہے یا اپنے جانور کو پلانا چاہتا ہے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں خود اس کی یا اس کے جانور کی ہلاکت کا خدشہ ہے تو اسے اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ زبردستی اس کنویں سے پانی حاصل کرے چاہے اس مقصد کے لئے اس کو لڑنا ہی کیوں نہ پڑے اور اس لڑائی میں ہتھیار استعمال کرنے کی نوبت کیوں نہ آ جائے۔ کنواں بے شک کسی کی ذاتی ملکیت ہو سکتا ہے مگر اس کنویں کا پانی کنویں والے کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر شخص کے لئے مباح ہوتا ہے بخلاف اس پانی کے جو کسی نے اپنے برتن باسن میں بھر لیا ہو کہ وہ ذاتی ملکیت ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے بے حال ہوا جا رہا ہو اور اس شخص سے وہ پانی مانگے جو اس نے اپنے برتن باسن میں بھر رکھا ہو اور وہ پانی دینے سے انکار کر دے تو اس پیاسے کو یہ حق ہوگا کہ لڑ جھگڑ کر اس سے پانی حاصل کر لے بشرطیکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں جان چلی جانے کا خدشہ ہو اور وہ لڑائی میں کسی ہتھیار وغیرہ کا استعمال نہ کرے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص

بھوک کی وجہ سے مرا جا رہا ہو اور کسی کھانے والے سے کھانا مانگے اور وہ کھانا نہ دے تو اسے حق ہوتا ہے کہ اپنی جان بچانے کے لیے اس سے لڑ جھگڑ کر کھانا حاصل کرے مگر اس کو لڑائی میں ہتھیار وغیرہ استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کنویں سے پانی نہ لینے دے تو اس بارے میں زبردستی پانی حاصل کرنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ کنویں والے سے بغیر ہتھیار استعمال کیے لڑے جھگڑے اور اس کی اجازت بھی اس لئے ہے کہ کسی کو پانی جیسی اللہ کی عام نعمت سے روکنا گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ لڑ جھگڑ کر پانی حاصل کرنا اس کے حق میں تعزیر سزا کے قائم مقام ہوگا۔

بَاب النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْمَآءِ

یہ باب پانی کو فروخت کرنے کی ممانعت میں ہے

2476 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِى الْمِنْهَالِ سَمِعْتُ اِيَاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُزَنِىَّ وَرَاٰى نَاسًا يَبِيْعُوْنَ الْمَآءَ فَقَالَ لَا تَبِيْعُوا الْمَآءَ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يُّبَاعَ الْمَآءُ

◆◆ ابومنہال بیان کرتے ہیں: حضرت ایاس بن عبد مزنی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو پانی فروخت کرتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا: تم لوگ پانی فروخت نہ کرو کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی فروخت کرنے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔

2477 - حَدَّثَنَا عَلِىُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّاِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعِيْدٍ الْجَوْهَرِىُّ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَآءِ

◆◆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اضافی پانی فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

شرح

یہ جب ہے کہ پانی کسی قدرتی دریا یا چشمہ میں موجود ہو تو وہ کسی کی ملکیت نہیں، اس کا بیچنا ناجائز ہے، لیکن اگر کوئی پانی بھر کر لائے اور گھڑے یا مشک یا بوتل وغیرہ میں رکھے تو اس کا استعمال بغیر اس کی اجازت کے درست نہیں ہے، اور اس کا بیچنا جائز ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بئر رومہ خریدنے کے لئے فرمایا، اور آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے پانی لیا جو اونٹ پر لائی تھی پھر لوگوں سے اس کی قیمت دلائی۔

2476 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3478' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1271' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4675' ورقم الحدیث 4676' ورقم الحدیث: 4677

2477 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 3980

بَاب النَّهْيِ عَنْ مَنْعِ فَضْلِ الْمَآءِ لِيَمْنَعَ بِهِ الْكَلَا

یہ باب اضافی پانی نہ دینے کی ممانعت میں ہے

کیونکہ اس کے نتیجے میں گھاس میں بھی رکاوٹ آ جائے گی

2478 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعُ اَحَدُكُمْ فَضْلَ مَاءٍ لِيَمْنَعَ بِهِ الْكَلَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''کوئی شخص اضافی پانی سے منع نہ کردے' ورنہ اس صورت میں وہ گھاس سے بھی منع کردے گا''۔

شرح

کسی میدان میں ایک شخص کنواں یا پانی کے چشمے کا مالک ہے، اور اس کے پاس ضرورت سے زیادہ پانی ہے، اور وہاں پر چراگاہ ہے جس میں سبزہ اور گھاس ہے، اور اس کے علاوہ وہاں پانی نہیں ہے، تو اس چشمے یا کنویں سے جانوروں کو پانی پلانے کی سہولت کے بعد ہی اس چراگاہ میں لوگ اپنے جانوروں کو چرانے کے لیے لے آئیں گے، تو ایسی صورت میں پانی کے مالک کے لیے یہ حرام اور ناجائز ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد پانی کو جانوروں کو پینے سے روک دے، اور اس پر واجب ہے کہ بغیر عوض کے وہ لوگوں کو پانی استعمال کرنے دے، اس لیے کہ اگر اس نے لوگوں کو پانی نہ استعمال کرنے دیا تو لوگ اس ڈر سے کہ ان کے جانور پیاس سے مر جائیں گے، اس چراگاہ کا رخ ہی نہیں کریں گے، تو ایسی صورت میں پانی کے مالک کا پانی نہ دینا چراگاہ میں جانوروں کو چرنے سے روکنا ہے۔

جمہور اہل علم حدیث میں وارد ممانعت سے ضرورت سے زائد پانی روکنے کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں، بعض لوگوں کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے، یعنی پانی روکنا خلاف اولیٰ ہے، یعنی اچھی بات نہیں ہے، بعض لوگوں کے نزدیک پانی کا روکنا ناجائز ہے، لیکن جانوروں کے مالک سے وہ قیمت لے کر پانی دے، اور اس کی مثال ایسے شخص کی ہوگی جو کسی آدمی کے کھانے کا واقعی میں محتاج ہوگا، تو وہ کھانا کھائے گا، اور اس کی قیمت اس کے ذمہ واجب الادا ہوگی۔

2479 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ حَارِثَةَ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَآءِ وَلَا يُمْنَعُ نَقْعُ الْبِئْرِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اضافی پانی سے منع نہیں کیا جائے گا اور کنواں کھودنے سے بھی منع نہیں کیا جائے گا''۔

2478 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2479 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

اس لئے کہ کنویں سے پانی نکالنے میں اپنا نقصان نہیں اور دوسرے کا فائدہ ہے، اور اس سے کنویں کا پانی زیادہ صاف اور عمدہ
ہو جاتا ہے اور اس میں اور تازہ پانی بھر آتا ہے، اور بعضوں نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ جو پانی اپنی ضرورت سے زیادہ ہو اس کا
بیچنا منع ہے جب کوئی اس کو پینا چاہے یا اپنے جانوروں کو پلانا چاہے لیکن اگر باغ یا درختوں کو سینچنا چاہے تو اس کا بیچنا درست ہے، اور
کنویں کا پانی بھی روکنا درست نہیں ہے اس سے جو اس کو پینا چاہے یا اپنے جانوروں کو پلانا چاہے۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو پانی تمہاری ضرورت سے زائد ہو اسے جانوروں کو
پلانے سے منع نہ کرو تا کہ اس کی وجہ سے ضرورت سے زائد گھاس سے منع کرنا لازم نہ آئے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 215)

عام طور پر جانوروں کو گھاس وہاں چرائی جاتی ہے جہاں پانی ہوتا ہے اس لئے اگر جانوروں کو پانی پلانے سے روکو گے تو کوئی
وہاں اپنے جانور کاہے کو چرائے گا؟ اسطرح پانی پلانے سے روکنے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم بالواسطہ طور پر گھاس چرانے سے روک
رہے ہو اور گھاس چونکہ جانوروں کی عام غذا ہونیکی وجہ سے جانوروں کے لئے بہت زیادہ ضرورت کی چیز ہے اس لئے اس سے منع
کرنا درست نہیں ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ جانوروں کو پانی پلانے سے کسی کو نہ روکو تا کہ اس کی وجہ سے گھاس
چرانے سے باز رکھنا لازم نہ آئے۔ ضرورت سے زائد کی قید اس لئے ہے کہ اگر پانی اور گھاس اپنی اور اپنے جانوروں کی ضرورت
کے بقدر ہی ہو تو اس صورت میں اپنی ضرورت کو مقدم رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہاں اگر ضرورت سے زائد ہو تو پھر دوسرے کو
منع کرنا انتہائی نامناسب بات ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رحم
وکرم کی بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف بنظر عنایت دیکھے گا ایک تو وہ تاجر شخص ہے جو قسم کھا کر خریدار سے کہتا ہے کہ اس چیز کے
جو دام تم نے دیئے ہیں اس سے زیادہ دام اسے مل رہے تھے (یعنی جب وہ کسی کو اپنی کوئی چیز بیچتا ہے اور خریدار اس کی قیمت دیتا ہے
تو وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ مجھے اس چیز کی اس سے زیادہ قیمت مل رہی تھی) حالانکہ وہ شخص اپنی قسم میں جھوٹا ہے کیونکہ درحقیقت اس سے
زیادہ قیمت اسے نہیں مل رہی تھی دوسرا شخص وہ ہے جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے اور اس جھوٹی قسم کھانے کا مقصد کسی مسلمان شخص یا
ذمی کا کوئی مال لینا ہو اور تیسرا وہ شخص جو فاضل پانی پینے پلانے سے لوگوں کو منع کرتا ہو ایسے شخص سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ
فرمائے گا کہ جس طرح تو نے دنیا میں اپنے فاضل پانی سے لوگوں کو باز رکھا تھا باوجودیکہ وہ پانی تو نے اپنے ہاتھ سے نہیں نکالا تھا اسی
طرح میں بھی آج تجھے اپنے فضل سے باز رکھوں گا۔ (بخاری، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 215)

عصر کے بعد کی تخصیص یا تو اس لئے ہے کہ مغلظہ قسمیں اسی وقت کھائی جاتی ہیں یا یہ تخصیص اس لئے ہے کہ عصر کے بعد کا
وقت چونکہ بہت ہی با فضیلت اور بابرکت ہے اس لئے اس وقت جھوٹی قسم کھانا بہت ہی زیادہ گناہ کی بات ہے۔ باوجودیکہ وہ پانی تو
نے اپنے ہاتھ سے نہیں نکالا تھا یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر طعن کرے گا کہ اگر وہ پانی تیری قدرت کا رہین منت ہوتا اور تو اسے پیدا کرتا

تو ایک طرح سے تیرا یہ عمل موزوں بھی ہوتا مگر اس صورت میں جب کہ وہ پانی محض میری قدرت سے پیدا ہوا تھا اور اسے میں نے ایک عام نعمت کے طور پر تمام مخلوق کے لئے مباح کر دیا تھا تو پھر تیری یہ مجال کیسے ہوئی کہ تو نے مخلوق اللہ کو میری اس نعمت سے باز رکھا۔ اگرچہ کنواں اور نہر وغیرہ انسان کی مشقت ومحنت سے وجود میں آتے ہیں مگر اس کی اصل چیز یعنی پانی صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوتا ہے اگر کوئی شخص کنواں بنوائے نہر کھدوائے یا ہینڈ پمپ وغیرہ لگوائے اور اس میں پانی نہ آئے تو اس کنویں یا نہر وغیرہ کی کیا حقیقت رہ جائے گی۔

اس لئے محض کنواں بنوا دینا یا ہینڈ پمپ وغیرہ لگوا دینا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کو دوسروں پر پانی استعمال کرنے کی پابندی عائد کر دینے کا حق مل گیا ہے وذکر حدیث جابر فی باب النہی عنہا من البیوع اور حضرت جابر کی روایت باب النہی عنہا من البیوع میں ذکر کی جا چکی ہے یعنی حضرت جابر کی یہ روایت کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع فضل الماء، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضروریات سے زائد پانی کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

بَاب الشُّرْبِ مِنَ الْاَوْدِيَةِ وَمِقْدَارِ حَبْسِ الْمَآءِ

یہ باب نالوں سے پانی پینے اور پانی روکنے کی مقدار میں ہے

2480- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَانَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِيْ يَسْقُوْنَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ سَرِّحِ الْمَآءَ يَمُرُّ فَاَبٰى عَلَيْهِ فَاخْتَصَمَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَآءَ اِلٰى جَارِكَ فَغَضِبَ الْاَنْصَارِيُّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا زُبَيْرُ اسْقِ ثُمَّ احْبِسِ الْمَآءَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَى الْجَدْرِ قَالَ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَحْسِبُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِيْ ذٰلِكَ (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا)

◆◆ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک انصاری کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پتھریلے میدان کی طرف سے آنے والے پانی کی نالی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا جس کے ذریعے لوگ اپنے کھجوروں کے باغات کو سیراب کیا کرتے تھے۔ انصاری کا یہ کہنا تھا کہ آپ پانی کو گزرنے دیں' لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا یہ لوگ اپنا مقدمہ لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے زبیر (رضی اللہ عنہ)! اگر تم پانی اپنے باغ کو سیراب کرنے کے بعد اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو تو انصاری غصے میں آ گیا اور بولا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آپ کے پھوپھی زاد ہیں (اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا ہے) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ تبدیل ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے زبیر (رضی اللہ عنہ)! تم اپنے باغ کو سیراب کرو اور پھر پانی روکے رکھو یہاں تک کہ وہ دیواروں تک پہنچ جائے۔

(راوی کہتے ہیں:) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے: اللہ کی قسم! میں یہ سمجھتا ہوں یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی تھی۔

"تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے اختلافی معاملات میں تمہیں حاکم تسلیم نہ کریں اور پھر جو تم نے فیصلہ کیا ہے اس کے بارے میں کوئی الجھن محسوس نہ ہو اور وہ اسے مکمل طور پر تسلیم کر لیں۔"

شرح

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۔(النساء، ۶۵)

سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ جو ان کے آپس کے جھگڑے ہوں ان میں آپ کو فیصلہ کرنے والا بنا کر آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں کسی بھی طرح کی تنگی محسوس نہ کریں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔

رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے اعراض کرنا حرام ہے

(۱) عبدالرزاق واحمد وعبد بن حمید و بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن حبان والبیہقی نے زھری کے طریق سے عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے زبیر بن عوام کی طرف سے یہ بیان فرمایا کہ ان کا ایک بدری صحابی سے چشمہ کے پانی کے بارے میں جھگڑا ہوا اور ہم نے اپنا معاملہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (اس چشمے سے) یہ دونوں حضرات کھجوروں کو پانی پلایا کرتے تھے انصاری نے کہا کہ سیلابی پانی کو گزرنے دے۔ تو زبیر نے اس پر انکار کیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے زبیر (اپنی کھجوروں کو) پانی پلا لے پھر اپنے پڑوس کی طرف پانی کو چھوڑ دو انصاری اس پر غضب ناک ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! یہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رنگ متغیر ہو گیا پھر آپ نے فرمایا اے زبیر! پانی پلا (کھجوروں کو) پھر روک لے پانی کو یہاں تک کہ پانی باغ کی دیواروں تک جا پہنچے۔ پھر چھوڑ دے پانی کو اپنے پڑوسی کی طرف اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے زبیر کے لئے ان کے حق کی رعایت فرمائی۔ جبکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے پہلے زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے رائے سے مشورہ دیا تھا جن میں آپ نے واضح انداز میں زبیر کو ان کے حق میں رعایت فرمائی زبیر نے فرمایا کہ میرا یہ خیال ہے کہ یہ آیت اسی معاملہ میں نازل ہوئی لفظ آیت فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ۔

(۲) الحمیدی نے اپنی سند میں وسعید بن منصور وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر والطبرانی نے الکبری میں ام سلمہ (رض) سے روایت کیا کہ زبیر نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک آدمی کے بارے میں شکایت کی تو آپ نے زبیر کے حق میں فیصلہ فرمایا اس آدمی نے کہا آپ نے اس کے لئے اس لئے فیصلہ فرمایا کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک۔

(۳) ابن ابی حاتم نے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے فلا وربک لا یؤمنون یہود کے بارے میں نازل ہوا۔

(۵) ابن جریر وابن المنذر نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے فلا وربک اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ یہ آیت ایک یہودی اور ایک مسلمان کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنا جھگڑا کعب بن اشرف کے پاس لے گئے۔

(۶) ابن جریر نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا کہ مگر انہوں نے یہ فرمایا کہ کاہن کی طرف معاملہ لے گئے۔

(۷) ابن ابی حاتم وابن مردویہ نے ابن الہیعہ کے طریق سے روایت کیا کہ ابوالاسود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو آدمی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جھگڑا لے گئے آپ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا ہم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے؟ دونوں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو ایک آدمی نے کہا اے ابن خطاب میرے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فیصلہ فرما دیا ہے اس معاملہ میں اس نے کہا ہم عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں گے تو ہم آپ کے پاس آ گئے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا (اس آدمی سے) کہا ایسے ہی ہے؟ اس نے کہا ہاں عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنی جگہ پر رہو یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آؤں تمہارے درمیان فیصلہ کروں حضرت عمر اپنی تلوار لے کر آئے اس پر تلوار سے وار کیا جس نے کہا تھا کہ ہم عمر کے پاس جائیں گے اور اس کو قتل کر دیا اور دوسرا پیٹھ پھیر کر بھاگا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آ کر کہا یا رسول اللہ اللہ کی قسم عمر رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا اگر میں بھی وہاں رکا رہتا تو وہ مجھے بھی قتل کر دیتے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میرا گمان یہ نہیں تھا۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ ایمان والوں کو قتل کی جرات کریں گے تو اس پر یہ آیت اتری لفظ آیت فلا وربک لا یؤمنون تو اس آدمی کا خون باطل ہو گیا اور عمر رضی اللہ عنہ اس کے قتل سے بری ہو گئے اللہ تعالیٰ نے بعد میں اس طریقہ کو ناپسند کیا تو بعد والی آیات نازل فرمائی اور فرمایا لفظ آیت ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم سے لے کر واشد تثبیتا تک (النساء آیت ۶۶)۔

(۸) الحافظ دحیم نے اپنی تفسیر میں عتبہ بن ضمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور کہ انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ دو آدمی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اپنا فیصلہ لے گئے آپ نے حق والے کے حق میں فیصلہ فرمایا جس کے خلاف فیصلہ ہوا وہ راضی نہ ہوا اس کے ساتھ نے کہا تیرا کیا ارادہ ہے اس نے کہا میں تجھ کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤں گا۔ دونوں ان کی طرف گئے انہوں نے فرمایا تم دونوں کے لئے وہی فیصلہ ہے جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فیصلہ فرما دیا ہے۔ تو اس آدمی نے راضی ہونے سے انکار کر دیا دوسرے آدمی نے کہا ہم عمر کے پاس جائیں گے وہ دونوں حضرت عمر کے پاس آئے عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں گئے اور اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر نکلے اور اس کے سر پر وار کیا جس نے فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اس کو قتل کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فلا وربک پوری آیت۔

(۹) الحکیم الترمذی نے نوادر الاصول میں مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ایک مسلمان اور ایک منافق کا آپس میں جھگڑا تھا کسی چیز کے بارے میں دونوں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے آپ نے منافق کے خلاف فیصلہ فرمایا پھر دونوں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے انہوں نے فرمایا مجھے ان کے درمیان فیصلہ کرنا زیب نہیں دیتا جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیصلہ سے اعراض کرتے ہیں پھر دونوں عمر کے پاس گئے اور ان کو سارا قصہ سنایا عمر نے فرمایا تم دونوں جلدی نہ کرو یہاں تک کہ میں

تمہارے پاس نہ آؤں وہ گھر میں داخل ہوئے اور تلوار لے آئے اور اس منافق کو قتل کر دیا پھر فرمایا میں اس کا فیصلہ اسی طرح کرتا ہوں جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیصلے سے راضی نہ ہو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا کہ عمر نے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کو جدا کر دیا حضرت عمر کی زبان پر اس لئے ان کا نام فاروق ہو گیا۔ (تفسیر درمنثور، سورہ نساء، بیروت)

2481- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ مَنْظُورِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ عَنْ عَمِّهِ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَيْلِ مَهْزُورٍ الْأَعْلَى فَوْقَ الْأَسْفَلِ يَسْقِي الْأَعْلَى إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ يُرْسِلُ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُ

حضرت ثعلبہ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "مہزور" کے نالے کے بارے میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ اوپر والا شخص نیچے والے پر فوقیت رکھتا ہے' اوپر والے حصے کا شخص ٹخنوں تک اسے سیراب کرے گا اور پھر اس پانی کو نیچے والے کے لیے چھوڑ دے گا۔

شرح

مہزور مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے جو بنی قریضہ کے علاقے میں واقع تھی بنی قریظہ کے کھیتوں اور باغوں میں اسی وادی سے پانی آتا تھا اسی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم صادر فرمایا کہ اس وادی سے پانی لانے والی نالی کے قریب جس شخص کی زمین ہو اس کا حق مقدم ہے کہ پہلے وہ اپنی زمین کو پانی لے جائے جب اس کی زمین میں ٹخنوں تک پانی پہنچ جائے یعنی پوری طرح سیراب ہو جائے تب وہ اس پانی کو چھوڑ دے تا کہ اس کے بعد وہ اس زمین میں جائے جو اس کی زمین سے نیچے ہے۔ چنانچہ ہر اس نہر کے بارے میں یہی ضابطہ ہے جو کسی شخص کی ذاتی محنت و مشقت کے بغیر از خود جاری ہو کہ جس شخص کی زمین اس نہر کے قریب اور بلندی پر ہو پہلے وہ اپنی زمین میں پانی لا کر روکے رکھے یہاں تک کہ اس کی زمین میں ٹخنوں تک پانی بھر جائے پھر وہ پانی کا رخ اپنی زمین سے موڑ دے تا کہ وہ اس زمین میں چلا جائے جو اس کی زمین سے متصل اور اس سے نیچے ہو۔

2482- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ أَنْبَأَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي سَيْلِ مَهْزُورٍ أَنْ يُمْسِكَ حَتَّى يَبْلُغَ الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ يُرْسِلَ الْمَاءَ

عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "مہزور" کے پانی کے بارے میں فیصلہ دیا تھا کہ آدمی اسے روکے یہاں تک کہ وہ ٹخنوں تک پہنچ جائے پھر اس پانی کو چھوڑ دے گا۔

2483- حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغَلِّسِ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ إِسْحَقَ بْنِ يَحْيَى بْنِ

2481 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2482: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2483: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

الْوَلِيدِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِي شُرْبِ النَّخْلِ مِنَ السَّيْلِ اَنَّ الْاَعْلٰى فَالْاَعْلٰى يَشْرَبُ قَبْلَ الْاَسْفَلِ وَيَتْرُكُ الْمَاءَ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ يُرْسَلُ الْمَاءُ اِلَى الْاَسْفَلِ الَّذِىْ يَلِيْهِ وَكَذٰلِكَ حَتّٰى تَنْقَضِيَ الْحَوَائِطُ اَوْ يَفْنَى الْمَاءُ

◄► حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نالے کے پانی کے ذریعے کھجوروں کو سیراب کرنے کے بارے میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ اوپر کی سمت والے لوگ درجہ بدرجہ نیچے والوں سے پہلے سیراب کریں گے وہ ٹخنوں تک پانی روک لیں گے پھر اس کے بعد اپنے سے قریبی نیچے والے کے لیے اسے چھوڑ دیں گے اور پھر آگے اسی طرح ہوتا رہے گا' یہاں تک کہ باغات ختم ہو جائیں یا وہ پانی ختم ہو جائے۔

بَاب قِسْمَةِ الْمَاءِ

یہ باب پانی تقسیم کرنے کے بیان میں ہے

2484- حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ اَنْبَاَنَا اَبُو الْجَعْدِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبْدَاُ بِالْخَيْلِ يَوْمَ وِرْدِهَا

◄► کثیر بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:
''پانی پلانے کے مخصوص دن میں گھوڑوں سے آغاز کیا جائے گا''۔

2485- حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ دَاوُدَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ الطَّائِفِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِى الشَّعْثَاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ قَسْمٍ قُسِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ عَلٰى مَا قُسِمَ وَكُلُّ قَسْمٍ اَدْرَكَهُ الْاِسْلَامُ فَهُوَ عَلٰى قَسْمِ الْاِسْلَامِ

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
''زمانہ جاہلیت میں جو بھی تقسیم ہوئی تھی وہ اسی طرح برقرار رہے گی' اور جو تقسیم اسلام کے زمانے میں ہوئی ہے وہ اسلام کی تقسیم کے مطابق ہوگی''۔

بَاب حَرِيمِ الْبِئْرِ

یہ باب کنوئیں کے اردگرد جگہ مقرر کرنے کے بیان میں ہے

حریم کا مطلب

حریم یعنی احاطہ، مطلب یہ ہے کہ کوئی کنواں کھودے تو اس کے اردگرد کتنی دور تک اس کا احاطہ ہوگا، یعنی جانور بٹھلانے کے

2484 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2485: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2914

لیے ان کو پانی پلانے کے لیے۔

2486- حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سُكَيْنٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُثَنّٰى ح و حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ قَالَا حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ الْمَكِّيُّ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فَلَهُ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا عَطَنًا لِمَاشِيَتِهٖ

◄◄ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ' نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''جو شخص کوئی کنواں کھودتا ہے' تو اسے اس کے آس پاس چالیس ہاتھ تک جگہ کا اختیار ہو گا' جو جانوروں کے بیٹھنے کے لیے مخصوص ہو گی''۔

شرح

کنویں کی ہر جانب چالیس ہاتھ تک اس کا علاقہ ہو گا کیونکہ عادتاً اتنی جگہ جانوروں کے لئے کافی ہو جاتی ہے، اور بعضوں نے کہا یہ جب ہے کہ کنویں کی گہرائی چالیس ہاتھ ہو اگر اس سے زیادہ ہو تو اتنے ہی ہاتھ ہر طرف جگہ ملے گی۔

2487- حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَبِي الصُّغْدِيِّ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ صُقَيْرٍ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ نَافِعٍ اَبِي غَالِبٍ عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرِيْمُ الْبِئْرِ مَدُّ رِشَائِهَا

◄◄ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''کنوئیں کے آس پاس کی جگہ' اس کے لیے وہاں تک مخصوص ہو گی' جتنی کنوئیں کی رسی ہے''۔

جنگل میں کھودے گئے کنوئیں میں حریم کا ہونے کا بیان

جب کسی بندے نے جنگل میں کوئی کنواں کھودا ہے تو کنوئیں کا حریم اسی کے لئے ہو گا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب اس شخص نے موات زمین میں حاکم کی اجازت کے ساتھ کنواں کھودا ہے۔ تو امام اعظم رضی اللہ عنہ اور صاحبین کے نزدیک اگر چہ اس میں حاکم کی اجازت ہو یا نہ ہو کیونکہ کنوئیں کو کھودنا یہ زمین کو زندہ کرنا ہے۔

اور جب وہ کنواں پانی پلانے کی غرض سے ہے تو اس کا حریم یعنی گرد و نواح چالیس گز ہو گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے نے کنوئیں کو کھودا ہے اس کے گرد و نواح میں چالیس گز اس کے لئے ہے۔ جو اس کے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر جانب سے چالیس گز ہے اور صحیح بھی اسی طرح ہے کہ ہر جانب سے چالیس گز ہو۔ کیونکہ زمینوں میں نرمی ہوتی ہے اور پانی اسی کنوئیں کی جانب لوٹ کر چلا جائے گا۔

اور جو کنواں سے اس کم کھودا گیا ہے اور اگر وہ کنواں سیراب کرنے کے لئے کھودا گیا ہے تو اس کا حریم ساٹھ گز ہو گا اور یہ صاحبین کے نزدیک ہے جبکہ امام صاحب کے نزدیک یہاں بھی چالیس کا حکم ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چشمے کا حریم پانچ سو گز ہے اور بیر عطن کا حریم چالیس گز ہے اور

2487 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بیر ناضح کا حریم ساٹھ گز ہے کیونکہ اس سے سیراب ہونے کے لئے کبھی کبھی چلانے میں جانور کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات رسی لمبی کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ بیر عطن یہ ہاتھ سے پانی پینے کے لئے ہے کیونکہ اس میں ضرورت کم ہے پس فرق ضروری ہوگا۔ (ہدایہ)

اگر موات زمین میں کوئی کنواں کھدوایا گیا ہو تو اس زمین کو آباد کرنیوالے کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ اس کنویں سے پانی لینے سے لوگوں کو منع کرے کیونکہ آباد کرنے کی وجہ سے جس طرح وہ زمین اس ملکیت میں آ گئی ہے اس طرح اس کنویں کا پانی اس کی ملکیت نہیں آیا ہے اگر وہ کسی ایسے شخص کو منع کرے گا جو اس کنویں سے خود پانی پینا چاہتا ہے یا اپنے جانور کو پلانا چاہتا ہے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں خود اس کی یا اسکے جانور کی ہلاکت کا خدشہ ہے تو اسے اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ زبردستی اس کنویں سے پانی حاصل کرے چاہے اس مقصد کے لئے اس کو لڑنا ہی کیوں نہ پڑے اور اس لڑائی میں ہتھیار استعمال کرنے کی نوبت کیوں نہ آ جائے۔ کنواں بے شک کسی کی ذاتی ملکیت ہو سکتا ہے مگر اس کنویں کا پانی کنویں والے کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر شخص کے لئے مباح ہوتا ہے بخلاف اس پانی کے جو کسی نے اپنے برتن باسن میں بھر لیا ہو کہ وہ ذاتی ملکیت ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے بے حال ہوا جا رہا ہو اور اس شخص سے وہ پانی مانگے جو اس نے اپنے برتن باسن میں بھر رکھا ہو اور وہ پانی دینے سے انکار کر دے تو اس پیاسے کو یہ حق ہوگا کہ لڑ جھگڑ کر اس سے پانی حاصل کرلے بشرطیکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں جان چلی جانے کا خدشہ ہو اور وہ لڑائی میں کسی ہتھیار وغیرہ کا استعمال نہ کرے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مرا جا رہا ہو اور کسی کھانے والے سے کھانا مانگے اور وہ کھانا نہ دے تو اسے حق ہوتا ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے اس سے لڑ جھگڑ کر کھانا حاصل کرے مگر اسکو لڑائی میں ہتھیار وغیرہ استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کنویں سے پانی نہ لینے دے تو اس بارے میں زبردستی پانی حاصل کرنے کا ادنی درجہ یہ ہے کہ وہ کنویں والے سے بغیر ہتھیار استعمال کیئے لڑے جھگڑے اور اس کی اجازت بھی اس لئے ہے کہ کسی کو پانی جیسی خدا کی عام نعمت سے روکنا گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ لڑ جھگڑ کر پانی حاصل کرنا اس کے حق میں تعزیر سزا کے قائم مقام ہوگا۔

قیاس کا حریم کے حقدار ہونے میں مانع ہونے کا بیان

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل ہماری روایت کردہ حدیث ہے کہ جس میں تفصیل نہیں ہے۔ پس وہ عام جس کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں اتفاق پایا جائے۔ یہ اس خاص سے بہتر ہے جس کی قبول کرنے اور عمل کرنے میں اختلاف ہو۔

(قاعدہ فقہیہ)

کیونکہ یہاں قیاس حریم کے حقدار ہونے کو مانع ہے۔ کیونکہ کنوئیں کو کھودنے والے کا حق کنواں کھودنے کی جگہ میں ہے اور حقدار ہونا یہ بھی عمل کے سبب ثابت ہونے والا ہے۔ پس جتنی مقدار میں دونوں احادیث کا اتفاق ہے وہاں پر ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔ اور جس مقام پر مقدار میں دونوں احادیث میں بظاہر معارضہ ہے وہاں ہم نے قیاس کو اختیار کر لیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات بیر عطن سے پانی اونٹ کے ذریعے نکالا جاتا ہے۔ جبکہ بیر ناضح سے پانی ہاتھ کے ذریعے نکالا جاتا ہے۔ پس ضرورت دونوں میں

برابر ہے۔ اور اونٹ کو اس کے ارد گرد گھمانا ممکن ہے پس زیادہ مسافت کی ضرورت نہ ہوگی۔

اس مسئلہ کی دلیل قاعدہ فقہیہ کسب کا اصل کے لئے ہونے کا بیان ہے کیونکہ حریم کے سبب جو ممانعت ذکر ہوئی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اس کا کاسب کوئی دوسرا ہے پس وہی اس کی دلیل ہے۔

زیادہ پانی نکالنے والے کنوئیں میں مسافت حریم کا بیان

جب کوئی چشمہ ایسا ہے کہ اس کا حریم پانچ سو گز ہے اسی حدیث کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور اس دلیل کے مطابق کہ اس میں مسافت کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا چشمہ زراعت کے لئے بنایا گیا ہے۔ پس اس کا ایک ایسے مقام پر ہونا لازم ہوگا کہ یہاں پانی بہنے والا ہو اور اس کے لئے ایک حوض کا ہونا لازم ہے۔ جس میں پانی بہہ سکے اور اسی طرح اس کے ساتھ ایک مقام ہونا لازم ہے جہاں سے یہ پانی گزر کر کھیتوں کو سیراب کرنے والا ہو۔ پس اسی دلیل کے سبب اس کو زیادتی کے ساتھ مقرر کیا گیا ہے۔

اور پانچ سو گز کی مقدار یہ توقیفی ہے اور سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ جانب سے پانچ سو گز ہو جس طرح بئر عطن کے بارے میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور ذراع وہ مکسرہ ہے جس کو ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ چشمے اور کنوئیں سے متعلق بیان کردہ ہمارا اصول یہ اہل عرب کی زمین کے بارے میں ہے۔ کیونکہ ان میں سختی ہوا کرتی ہے۔ جبکہ ان زمینوں کے مقابلے میں ہماری زمین نرم ہے۔ پس ان میں گز کا اضافہ ہوگا تاکہ پانی دوسرے کی جانب منتقل نہ ہو سکے پس پہلا آدمی معزول ہو کر رہ جائے گا۔ (ہدایہ)

کنوئیں کے حریم میں کنواں کھودنے کی ممانعت کا بیان

جب کوئی شخص کنوئیں کے حریم کے ساتھ دوسرا کنواں کھودے تو اس کو منع کر دیا جائے گا۔ تاکہ اس کا یہ عمل پہلے شخص کے حق کو ختم کرنے یا اس میں مداخلت کا سبب نہ بن سکے۔ اور یہ حکم اس دلیل کے سبب سے ہے کہ وہ شخص کنواں کھودنے کے سبب حریم کا مالک بن چکا ہے کیونکہ اس کے لئے حریم سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت لازم ہو چکی ہے۔ پس دوسرے آدمی کو ملکیت میں تصرف کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔

اور اگر اس شخص نے کسی پہلے کنوئیں کے حریم میں کنواں کھود ہی ڈالا ہے تو پہلے آدمی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ بلا معاوضہ اس کو بند کر دے۔ اور اگر وہ دوسرے شخص سے اس کا معاوضہ لینا چاہے تو یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلے کنوئیں کھودنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پاٹنے کے لئے دوسرے آدمی کو پکڑے۔ کیونکہ اس جرم کا ازالہ بھی وہی شخص کرے گا۔

اور یہ مسئلہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی شخص نے کسی گھر میں کوڑا پھینک دیا ہے تو اس کوڑے کو پھینکنے والے کو اٹھانے کا مکلف کیا جائے گا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ دوسرا کنواں کھودنے والے سے نقصان کا ضمان لیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ خود اسکو بند کر دے۔ جس طرح کوئی شخص دیوار کو گرا دے اور صحیح یہی ہے۔ امام خصاف علیہ الرحمہ نے کتاب ادب قاضی میں بیان کیا ہے اور

اس میں نقصان پہنچانے کی کیفیت کو بھی بیان کیا ہے۔

حضرت حسن بصری حضرت سمرہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص افتادہ زمین پر دیوار گھیر دے تو وہ اسی کی ہو جاتی ہے (ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 216)

دیوار والی زمین کے احیاء میں مذاہب اربعہ

مطلب یہ ہوا کہ جو شخص موات (یعنی افتادہ وغیر آباد) زمین پر دیوار گھیر دے گا وہ زمین اسی کی ملکیت ہو جائے گی۔ گویا یہ حدیث اپنے ظاہری مفہوم کے مطابق اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موات زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لئے اس پر دیوار کھینچ دینا کافی ہے جیسا کہ مشہور ترین روایت کے مطابق حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے جب کہ بقیہ ائمہ کے نزدیک ایسی زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لیے احیاء یعنی اس کو آباد کرنا شرط ہے جس کی وضاحت باب کے شروع میں کی جا چکی ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ دیوار کھینچنا احیاء یعنی آباد کرنے کے مفہوم میں داخل ہی نہیں ہے لہٰذا تینوں ائمہ کے مسلک کے مطابق اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ اس سے سکونت کے لئے دیوار کھینچنا مراد ہے۔

بَاب حَرِيمِ الشَّجَرِ

یہ باب درخت کے آس پاس جگہ مخصوص کرنے میں ہے

2488- حَدَّثَنَا عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ خَالِدٍ النُّمَيْرِيُّ أَبُو الْمُغَلِّسِ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ أَخْبَرَنِي إِسْحَقُ بْنُ يَحْيَى بْنِ الْوَلِيدِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي النَّخْلَةِ وَالنَّخْلَتَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ لِلرَّجُلِ فِي النَّخْلِ فَيَخْتَلِفُونَ فِي حُقُوقِ ذَلِكَ فَقَضَى أَنَّ لِكُلِّ نَخْلَةٍ مِنْ أُولَئِكَ مِنَ الْأَسْفَلِ مَبْلَغَ جَرِيدِهَا حَرِيمٌ لَهَا

◄► حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے ایک درخت، دو درختوں اور تین درختوں کے بارے میں فیصلہ دیا تھا، جو ایک آدمی کی ملکیت تھے، لوگوں نے ان کے حقوق کے بارے میں اختلاف کیا تھا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان میں سے کھجور کے ہر ایک درخت کے لیے زمین کا اتنا حصہ مخصوص ہوگا، جہاں تک اس کھجور کی شاخیں جا رہی ہیں، یہ جگہ اس کھجور کے درخت کے لیے مخصوص ہوگی"۔

2489- حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ أَبِي الصُّغْدِيِّ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ صُقَيْرٍ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَبْدِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرِيمُ النَّخْلَةِ مَدُّ جَرِيدِهَا

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

2488 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔ 2489: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

"کھجور کے درخت کے آس پاس اتنی جگہ اس کے لیے مخصوص ہوگی جہاں تک اس کی شاخیں پہنچتی ہیں"۔

شرح

اور وہ درخت جو مردہ زمین میں لگایا گیا ہے اس کے لئے بھی حریم ثابت ہو جائے گا حتیٰ کہ کسی دوسرے بندے کو اس درخت کے حریم میں درخت لگانے کی اجازت نہ ہوگی۔ کیونکہ درخت لگانے والے شخص کو ایسے حریم کی ضرورت ہے۔ جس میں وہ پھل وغیرہ رکھے گا۔ پس اس کا حریم ہر جانب سے پانچ گز ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں اسی طرح بیان ہوا ہے۔

اور زیر زمین بہنے والی ندی کا حریم اس کی مقدار کے مطابق ہوگا۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ زیر زمین ندی کا حریم کنوئیں کی طرح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک یہی ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب تک اس میں پانی ظاہر نہ ہوگا اس وقت تک اس کو حریم نہ مل سکے گا۔ کیونکہ یہ ندی بھی حقیقت میں نہر ہی ہے۔ پس اس کو ظاہری نہر پر قیاس کیا جائے گا۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ پانی کا زمین پر ظاہر ہو فوارہ مارنے میں اس کا حکم چشمے کی طرح ہوگا اور اس کے حریم کو پانچ سو گز کے ساتھ مقرر کیا جائے گا۔ (ہدایہ)

بَاب مَنْ بَاعَ عَقَارًا وَّلَمْ يَجْعَلْ ثَمَنَهٗ فِیْ مِثْلِهٖ

یہ باب ہے کہ جو شخص جائیداد فروخت کرنا چاہے اور اس کی اتنی قیمت مقرر نہ کرے جتنی عام طور پر ہوتی ہے

2490 - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُهَاجِرٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ دَارًا اَوْ عَقَارًا فَلَمْ يَجْعَلْ ثَمَنَهٗ فِیْ مِثْلِهٖ كَانَ قَمِنًا اَنْ لَّا يُبَارَكَ فِيْهِ

◆◆ حضرت سعید بن حریث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

"جو شخص کوئی گھر یا کوئی جائیداد فروخت کرتا ہے اور اس کی اتنی قیمت نہیں رکھتا' جتنی اس کی مانند چیز کی ہوتی ہے' تو ایسا شخص اس بات کا حقدار ہوگا کہ اس کے لیے اس میں برکت نہ رکھی جائے"۔

شرح: سبحان اللہ یہ حدیث دنیا داروں کے لئے بڑی نصیحت ہے، نقد پیسہ ہمیشہ صرف ہو جاتا ہے، کبھی چوری ہو جاتا ہے یا لٹ جاتا ہے، برخلاف جائداد غیر منقولہ کے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائداد بیچنے کو مکروہ جانا جب اس کے بدل دوسری جائداد نہ خریدے، کیونکہ نقد پیسہ رکھنے سے تو یہی بہتر تھا کہ جائداد اپنے پاس رہنے دیتا۔

2490م - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيْدِ حَدَّثَنِیْ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ ابْنِ

2490 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ اَخِيهِ سَعِيدِ بْنِ حُرَيْثٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

مُهَاجِرٍ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

2491 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَّعَمْرُو بْنُ رَافِعٍ قَالَا حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْمَالِكٍ النَّخَعِيُّ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ اَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ حُذَيْفَةَ عَنْ اَبِيهِ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاعَ دَارًا وَّلَمْ يَجْعَلْ ثَمَنَهَا فِي مِثْلِهَا لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهَا

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص کوئی گھر فروخت کرے اور اس کی اتنی قیمت مقرر نہ کرے جتنی عام طور پر اس کی ہوتی ہے' تو اس کے لیے اس میں برکت نہیں رکھی جائے گی''۔

شرح: شریعت نے منافع کا تعین نہیں فرمایا کہ اتنا جائز ہے اور اتنا جائز نہیں، تاہم شریعت صریح ظلم کی اجازت نہیں دیتی۔ جسے عرف عام میں جیب کاٹنا کہا جاتا ہے، جو شخص ایسی منافع خوری کا عادی ہو اس کی کمائی سے برکت اُٹھ جاتی ہے، اور حکومت کو اختیار دیا گیا ہے کہ منصفانہ منافع کا ایک معیار مقرر کر کے زائد منافع خوری پر پابندی عائد کر دے۔

زیادہ قیمت وصول کرنے والے کے لئے وعید کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے مہربانی وعنایت کا کلام کرے گا نہ بنظر رحمت وعنایت ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان تینوں کے لئے دردناک عذاب ہے ابوذر نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر و بھلائی سے محروم اور اس ٹوٹے میں رہنے والے وہ کون شخص ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک تو پائچے لٹکانے والا دوسرا کسی کو کوئی چیز دے کر احسان جتانے والا اور تیسرا جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی تجارت بڑھانیوالا۔ (مسلم مشکوۃ المصابیح۔ جلد سوم۔ رقم الحدیث، 36)

پائچے لٹکانے والے سے مراد وہ شخص ہے جو از راہ تکبر ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہنتا ہے چنانچہ اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو ٹخنوں سے نیچا کرتہ پہنے۔ احسان جتانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کر کے مثلاً کسی کو کوئی چیز دے کر یا کسی کے ساتھ ہمدردی کا کوئی معاملہ کر کے اسے زبان پر لایا جائے چنانچہ جو شخص کسی کے ساتھ ہمدردی واعانت کا کوئی معاملہ کر کے پھر اس پر احسان جتاتا ہے تو وہ ثواب سے محروم رہتا ہے۔ جھوٹی قسمیں کھا کر تجارت بڑھانے والے سے مراد وہ تاجر ہے جو زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے یا اپنا مال تجارت بڑھانے کے لئے جھوٹی قسمیں کھائے مثلاً اس نے کوئی چیز نوے روپے میں خریدی ہو مگر اپنے خریدار سے اس کی زیادہ قیمت وصول کرنے کے لئے یا اس کی مالیت بڑھانے کے لئے جھوٹی قسم کھا کر کہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ چیز سو روپے میں خریدی ہے۔

2491 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اَبْوَابُ الشُّفْعَةِ

یہ ابواب شفعہ کے بیان میں ہے

شفعہ کے معنی ومفہوم کا بیان

شفعہ "مشتق" ہے شفع" سے جس کے لغوی معنی ہیں ملانا اور جفت کرنا" شفعہ اصطلاح فقہ میں اس ہمسائیگی یا شراکت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کسی ہمسایہ یا کسی شریک کو اس کے دوسرے ہمسایہ یا دوسرے شریک کے فروخت ہونیوالی زمین یا فروخت ہونیوالے مکان کو خریدنے کا ایک مخصوص حق حاصل ہوتا ہے اور یہ حق صرف زمین یا مکان کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جس شخص کو یہ حق حاصل ہوتا ہے اسے شفیع کہتے ہیں۔اس حق کا نام شفعہ اس لئے ہے کہ یہ خاص حق فروخت ہونیوالی زمین یا مکان کو شفیع کی زمین یا مکان سے ملاتا ہے۔

شفعہ کہتے ہیں شریک یا ہمسائے کا حصہ وقت بیع کے اس کے شریک یا ہمسایہ کو جبراً منتقل ہونا۔امام بخاری کہتے ہیں کہ ہر چیز میں شفعہ ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جانور میں ہے اور کسی منقولہ جائیداد میں نہیں اور شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ شفعہ صرف جائیداد غیر منقولہ میں ہوگا۔اور شافعیہ کے نزدیک شفعہ صرف شریک کو ملے گا نہ کہ ہمسایہ کو۔اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہمسایہ کو بھی حق شفعہ ہے اور اہل حدیث نے اس کو اختیار کیا ہے۔ وهى ماخوذة لغة من الشفع و هو الزوج و قيل من الزيادة و قيل من الاعانة و فى الشرع انتقال حصة شريك الى شريك كانت انتقلت الى اجنبى بمثل العوض المسمى و لم يختلف العلماء فى مشروعيتها (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

اور وہ شفع سے ماخوذ ہے جس کے معنی جوڑا کے ہیں۔کہا گیا کہ زیادتی کے معنی میں ہے۔بعض نے کہا اعانت کے معنی میں ہے۔شرع میں ایک کے حصہ کو اس کے دوسرے شریک کے حوالہ کرنا، جب کہ وہ کچھ قیمت پر کسی اجنبی کی طرف منتقل ہو رہا ہو۔اس کی مشروعیت پر علماء کا اتفاق ہے۔

شفعہ کی شرائط کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شفعہ کی شرائط حسب ذیل ہیں۔(۱) جائداد کا انتقال عقد معاوضہ کے ذریعہ سے ہو یعنی بیع یا معنی بیع میں ہو۔معنی بیع مثلاً جائداد کو بدل صلح قرار دیا یعنی اُس کو دے کر صلح کی ہو اور اگر انتقال میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو شفعہ نہیں ہوسکتا مثلاً ہبہ، صدقہ، میراث، وصیت کی رو سے جائداد حاصل ہوئی تو اُس پر شفعہ نہیں ہوسکتا۔ہبہ بشرط العوض میں اگر دونوں جانب سے تقابض بدلین ہو گیا تو شفعہ ہوسکتا ہے۔اور اگر ہبہ میں عوض کی شرط نہ تھی مگر موہوب لہ نے عوض دے دیا مثلاً زید

نے عمرو کو ایک مکان ہبہ کر دیا اور عمرو نے زید کو اس کے عوض میں مکان ہبہ کیا تو دونوں میں سے کسی پر شفعہ نہیں ہو سکتا۔ (۲) مبیع عقار یعنی جائداد غیر منقولہ ہو منقولات میں شفعہ نہیں ہو سکتا۔ (۳) بائع کی ملک زائل ہو گئی ہو لہٰذا اگر بائع کو خیار شرط ہو تو شفعہ نہیں ہو سکتا جب وہ اپنا خیار شرط ساقط کر دے گا تب ہو سکے گا۔ اور مشتری کو خیار ہو تو شفعہ ہو سکتا ہے۔ (۴) بائع کا حق بھی زائل ہو گیا ہو یعنی مبیع کے واپس لینے کا اُسے حق نہ ہو لہٰذا مشتری نے بیع فاسد کے ذریعہ سے جائداد بیچی تو شفعہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر مشتری نے اس جائداد کو بیع صحیح کے ذریعہ فروخت کر ڈالا تو اب شفعہ ہو سکتا ہے اور اس شفعہ کو اگر بیع ثانی پر بنا کرے تو بیع ثانی کا جو کچھ ثمن ہے اس کے ساتھ لے گا اور اگر بیع اول پر بنا کرے تو مشتری کے قبضہ کرنے کے دن جو اس کی قیمت تھی وہ دینی ہوگی۔ (۵) جس جائداد کے ذریعہ سے اس جائداد پر شفعہ کرنے کا حق حاصل ہوا ہے وہ اس وقت شفیع کی ملک میں ہو یعنی جبکہ مشتری نے اس شفعہ والی جائداد کو خریدا لہٰذا اگر وہ مکان شفیع کے کرایہ میں ہو یا عاریت کے طور پر اوس میں رہتا ہے تو شفعہ نہیں کر سکتا یا اس مکان کو اس نے پہلے ہی بیع کر دیا ہے تو اب شفعہ نہیں کر سکتا۔ (۶) شفیع نے اوس بیع سے نہ صراحۃً رضامندی ظاہر کی ہو نہ دلالۃً ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شفعہ، بیروت)

شفعہ کے حکم کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شفعہ کا حکم یہ ہے کہ جب اس کا سبب پایا جائے یعنی جائداد بیچی گئی تو طلب کرنا جائز ہے اور بعد طلب و اشہاد یہ مؤکد ہو جاتا ہے اور قاضی کے فیصلہ یا مشتری کی رضامندی سے شفیع اُس چیز کا مالک ہو جاتا ہے۔ (درمختار، کتاب شفعہ، بیروت)

حق شفعہ پر شریک کے ہونے میں مذاہب اربعہ

حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کے نزدیک حق شفعہ صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے ہمسایہ کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ حق شفعہ جس طرح شریک کے لئے ثابت ہے اسی طرح ہمسایہ کے لئے بھی ثابت ہے۔

ایک صحیح روایت کے مطابق حضرت امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں ہمسایہ کے حق شفعہ کے ثبوت میں احادیث منقول ہیں جو بالکل صحیح درجے کی ہیں ان کی موجودگی میں ہمسایہ کو حق شفعہ دینے سے انکار ایک بے دلیل بات ہے۔

حنفی مسلک کے مطابق شفیع کے تین درجے ہیں اول خلیط فی النفس المبیع یعنی فروخت ہونیوالے مکان کی ملکیت میں کئی آدمی شریک ہوں خواہ وہ مکان ان سب شرکاء کو وراثت میں پہنچا ہو یا ان سب نے مشترک طور پر اسے خریدا ہو اور یا کسی نے ان سب کو مشترک طور پر ہبہ کیا ہو۔

دوم خلیط فی حق المبیع یعنی اس فروخت ہونیوالے مکان یا زمین کی ملکیت میں شریک نہ ہو بلکہ اس زمین یا مکان کے حقوق میں شریک ہو جیسے حق مرور یعنی آمد و رفت کا حق حق مسیل یعنی پانی کے نکاس کا حق اور حق شرب یعنی کھیت وغیرہ کو سیراب کرنے کے

لئے پانی لے جانے کی نالی وغیرہ کا حق۔

سوم جار یعنی ہمسایہ جس کا مکان فروخت ہونیوالے مکان سے متصل ہو اور ان دونوں مکانوں کی دیواریں ملی ہوئی ہوں نیز دونوں کے دروازوں کا راستہ ایک ہو۔ ان تینوں کے علاوہ اور کوئی شفیع نہیں ہو سکتا لہٰذا سب سے پہلے تو حق شفعہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اس فروخت ہونیوالے مکان یا زمین کی ملکیت میں شریک ہو اس کی موجودگی میں حق شفعہ نہ تو حقوق میں شریک کو حاصل ہوگا اور نہ ہمسایہ کو اگر یہ شریک حق شفعہ سے دست کشی اختیار کرے تو پھر حق شفعہ اس شخص کو پہنچے گا جو حقوق میں شریک ہو اور یہ بھی دست کشی اختیار کرلے تب حق شفعہ ہمسایہ کو حاصل ہوگا اور اگر یہ ہمسایہ بھی اپنے اس حق سے دست کش ہو جائے تو اس کے بعد کسی کو بھی حق شفعہ حاصل نہیں ہوگا۔

علامہ قسطلانی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر شریک نے شفیع کو بیع کی خبر دی اور اس نے بیع کی اجازت دی پھر شریک نے بیع کی تو شفیع کو حق شفعہ نہ پہنچے گا اور اس میں اختلاف ہے کہ بائع کو شفیع کا خبر دینا واجب ہے یا مستحب۔

لفظ شفعہ کی لغوی شرح کا بیان

شفعہ "مشتق" ہے شفع" سے جس کے لغوی معنی ہیں ملانا ہیں اور اس کا نام شفعہ اس لئے ہے کہ اس میں خریدی ہوئی زمین کو شفیع کی زمین کے ساتھ ملانے کا معنی پایا جاتا ہے۔

فرمایا کہ شفعہ نفس مبیع اور اس کے بعد حق مبیع میں شامل شخص کے لئے ثابت ہے حق مبیع جس طرح کوئی شخص پانی اور راستے میں شریک ہے اور اس کے بعد ہمسائے کے لئے ثابت ہے۔ امام قدوری علیہ الرحمہ کے اس لفظ نے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے حق شفعہ کے ثبوت اور ترتیب دونوں کا فائدہ دیا ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غیر منقول جائداد کو کسی شخص نے جتنے میں خریدا اُتنے ہی میں اُس جائداد کے مالک ہونے کا حق جو دوسرے شخص کو حاصل ہو جاتا ہے اس کو شفعہ کہتے ہیں۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں کہ مشتری اس پر راضی ہو جب ہی شفعہ کیا جائے وہ راضی ہو یا ناراض بہر صورت جو حق دار ہے لے سکتا ہے۔ جس شخص کو یہ حق حاصل ہے اوس کو شفیع کہتے ہیں۔ مشتری نے مثلی چیز کے عوض میں جائداد خریدی ہے مثلاً روپے اشرفی پیسے کے عوض میں ہے تو اُس کی مثل دے کر شفیع لے لے گا اور اگر قیمی چیز ثمن ہے تو اُس کی جو کچھ قیمت ہے وہ دے گا۔ شفعہ وہ شخص کر سکتا ہے جس کی مِلک جائداد مبیعہ سے متصل ہے خواہ اُس جائداد میں شفیع کی شرکت ہو یا اس کا جوار (پڑوس) ہو۔ (درمختار، کتاب شفعہ، بیروت)

بَاب مَنْ بَاعَ رُبَاعًا فَلْيُؤْذِنْ شَرِيكَهُ

یہ باب ہے کہ جو شخص اپنا گھر فروخت کرے اسے چاہیے کہ اپنے شراکت دار کو اطلاع دیدے

2492- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ نَخْلٌ اَوْ اَرْضٌ فَلَا يَبِيْعُهَا حَتّٰى يَعْرِضَهَا عَلٰى شَرِيْكِهٖ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جس شخص کا کھجوروں کا باغ ہو یا زمین ہو تو وہ اسے اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک وہ اپنے شراکت دار کو اس کی پیش کش نہ کردے''۔

2493 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ وَالْعَلَاءُ بْنُ سَالِمٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا شَرِيْكٌ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اَرْضٌ فَاَرَادَ بَيْعَهَا فَلْيَعْرِضْهَا عَلٰى جَارِهٖ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''جس شخص کی کوئی زمین ہو اور وہ اسے فروخت کرنا چاہے تو وہ اپنے پڑوسی کو اس کی پیشکش کردے''۔

ہمسائے کے شفعہ کے ثبوت میں فقہی اختلاف کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے شفعہ کا ثبوت ہے کہ شفعہ ہر اس شریک کو ملے گا جس نے تقسیم نہ کی ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے۔ کہ گھر کا شریک گھر اور زمین کا زیادہ حقدار ہے۔ اور اس کا انتظار کیا جائے جب وہ غائب ہو۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ دونوں کا راستہ ایک ہو اور یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ہمسایہ اپنی قربت کے سبب زیادہ حقدار ہے۔ تو عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سقب کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شفعہ ہے۔ اور دوسری روایت میں ہمسایہ شفعہ کا زیادہ حقدار ہے یہ روایت کیے گئے ہیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمسایہ ہونے کے سبب حق شفعہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ شفعہ غیر مقسوم چیزوں میں ہے۔ پس جب حدود کا تقرر ہو گیا ہے اور راستوں کو بدل دیا گیا ہے تو اب اس کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ حق شفعہ یہ قیاس کی طرق میں ایک جدا مسئلہ ہے۔ کیونکہ اس میں دوسرے کے مال پر بغیر اس کی رضا کے مالک بنا ہے۔ حالانکہ شریعت مطہرہ نے حق شفعہ کے ساتھ غیر مقسوم چیزوں کے بارے میں بیان کیا ہے۔ جبکہ ہمسایہ یہ مورد شرع کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ اصل میں شفیع کو تقسیم کرنے کی مشقت ہوتی ہے جبکہ فرع میں اس کے لئے کوئی مشقت والی بات نہیں ہے۔

اور ہمارے نزدیک وہ روایات ہیں جو پہلے ہم نے بیان کردی ہیں۔ کیونکہ شفیع کی ملکیت مشتری کے ساتھ دوام اور مستقل طور پر ملی ہوئی ہے۔ پس مورد شریعت پر قیاس کرتے ہوئے معاوضہ یہ مال کے وجود کے سبب اس وقت شفیع کے لئے حق شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ اور یہ حکم اس دلیل کے سبب سے ہے کہ شریعت کا مورد ہونا یہ ہمسائے کے نقصان کو دور کرتے ہوئے صفت اتصال پر قائم ہے کیونکہ تمام نقصانات کی جڑ ہمسائیگی ہے۔ جس طرح عرف میں ہے۔ اور اس مادہ کو ختم کردینا یہ شفیع کے مالک بننے کے اولیٰ ہے

2492 اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4714

2493 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کیونکہ شفیع کو اس کے آباء اجداد کے ٹکڑے سے دور کرنے کے سبب اس کے حق میں نقصان زیادہ نقصان دہ ہے۔ اور تقسیم کا نقصان یہ مشروع ہے۔ جو اپنے سوا کے نقصان کو ثابت کرنے کے لئے علت بننے کی قوت نہیں رکھتا۔ (ہدایہ، کتاب شفعہ، لاہور)

ہر منقول چیز میں شفعہ ہونے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس غیر منقول چیز میں حق شفعہ ثابت ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا ہے (جو شراکت میں ہو) اور شرکاء کے درمیان تقسیم نہ کی گئی ہو لہٰذا جب حدود مقرر ہو جائیں یعنی مشترک ملکیت کی زمین یا مکان باہم تقسیم ہو جائے اور ہر ایک حصہ کے راستے الگ الگ کر دیئے جائیں تو پھر شفعہ باقی نہیں رہتا یعنی اس صورت میں چونکہ شرکت باقی نہیں رہتی اس لئے کسی کو بھی حق شفعہ حاصل نہیں ہوتا (بخاری، مشکوٰۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 180)

جب کسی زمین یا کسی مکان کے مشترک طور پر کئی مالک ہوں تو اس کے شرکاء کو ہر ایک کے حصے میں حق شفعہ اسی وقت تک حاصل رہتا ہے جب تک کہ اس زمین یا اس مکان کی باہم تقسیم نہ ہو اگر وہ زمین یا مکان شرکاء آپس میں تقسیم کر لیں اور سب کے حصے الگ ہو جائیں اور سب حصوں کے راستے بھی جدا جدا ہو جائیں تو اس صورت میں کسی کو بھی حق شفعہ حاصل نہیں رہتا۔ اس طرح یہ حدیث اس بات کی دلیل ہوگی کہ حق شفعہ صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے ہمسایہ کو حاصل نہیں ہوتا چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں ہمسایہ کو بھی حق شفعہ حاصل ہوتا ہے ان کی دلیل دوسری احادیث ہیں ان کے نزدیک اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ اس زمین یا مکان کی تقسیم کے بعد شرکت کا شفعہ باقی نہیں رہتا لہٰذا حدیث کا یہ مفہوم مراد لینے کی صورت میں ہمسائیگی کے شفعہ کی نفی لازم نہیں آتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دو پڑوسی ہیں، میں ان دونوں میں سے کس کے پاس ہدیہ بھیجوں؟ آپ نے فرمایا کہ جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔ (صحیح بخاری، ۲۲۵۹)

علامہ قسطلانی نے کہا کہ اس سے شفعہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ حافظ نے کہا کہ ابورافع کی حدیث ہمسایہ کے لیے حق شفعہ ثابت کرتی ہے اب اس حدیث سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکالا کہ اگر کئی ہمسائے ہوں تو وہ ہمسایہ حق شفعہ میں مقدم سمجھا جائے گا جس کا دروازہ جائیداد مبیعہ سے زیادہ نزدیک ہو۔

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا حق ہر ایسے مال میں رکھا ہے جو ابھی تقسیم نہیں ہوا اور جب حدود کا تعین ہو جائے اور راستے جدا ہو جائیں تو اب شفعہ کا حق نہیں ہے۔ (سنن ابوداود: جلد سوم، رقم لحدیث، 121)

منقولہ اور غیر منقولہ چیز کے شفعہ میں مذاہب اربعہ

شفعہ کہتے ہیں شریک یا ہمسائے کا حصہ وقت بیع کے اس کے شریک یا ہمسایہ کو جبراً منتقل ہونا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ ہر چیز میں شفعہ ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جانور میں ہے اور کسی منقولہ جائیداد میں نہیں اور شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ

صرف جائیداد غیر منقولہ میں ہوگا۔ اور شافعیہ کے نزدیک شفعہ صرف شریک کو ملے گا نہ کہ ہمسایہ کو۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہمسایہ کو بھی حق شفعہ ہے اور اہل حدیث نے اس کو اختیار کیا ہے۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وهي ماخوذة لغة من الشفع و هو الزوج و قيل من الزيادة و قيل من الاعانة و في الشرع انتقال حصة شريك الى شريك كانت انتقلت الى اجنبي بمثل العوض المسمى و لم يختلف العلماء في مشروعيتها (فتح القدير، كتاب شفعه) اور وہ شفع سے ماخوذ ہے جس کے معنی جوڑا کے ہیں۔ کہا گیا کہ زیادتی کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا اعانت کے معنی میں ہے۔ شرع میں ایک کے حصہ کو اس کے دوسرے شریک کے حوالہ کرنا، جب کہ وہ کچھ قیمت پر کسی اجنبی کی طرف منتقل ہو رہا ہو۔ اس کی مشروعیت پر علماء کا اتفاق ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا حق دیا تھا جو ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو۔ لیکن جب حدود مقرر ہو گئیں اور راستے بدل دیئے گئے تو پھر حق شفعہ باقی نہیں رہتا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۲۵۷)

علامہ قسطلانی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر شریک نے شفیع کو بیع کی خبر دی اور اس نے بیع کی اجازت دی پھر شریک نے بیع کی تو شفیع کو حق شفعہ نہ پہنچے گا اور اس میں اختلاف ہے کہ بائع کو شفیع کا خبر دینا واجب ہے یا مستحب ہے۔

ہمسائے کے لئے حق شفعہ کے ثبوت احناف کے دلائل کا بیان

حضرت عمرو بن شرید نے کہا کہ میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا تھا کہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھا۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور فرمایا کہ اے سعد! تمہارے قبیلہ میں جو میرے دو گھر ہیں، انہیں تم خرید لو۔ سعد رضی اللہ عنہ بولے کہ بخدا میں تو انہیں نہیں خریدوں گا۔ اس پر مسور رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں جی تمہیں خریدنا ہوگا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر میں چار ہزار سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ اور وہ بھی قسط وار۔ ابورافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے پانچ سو دینار ان کے مل رہے ہیں۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی اپنے پڑوس کا زیادہ حق دار ہے۔ تو میں ان گھروں کو چار ہزار پر تمہیں ہرگز نہ دیتا۔ جب کہ مجھے پانچ سو دینار ان کے مل رہے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں گھر ابورافع رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو دے دیئے۔ (صحیح بخاری، ۲۲۵۸)

یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے کہ ہمسایہ کو شفعہ کا حق ہے۔ شافعیہ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ مراد وہی ہمسایہ ہے جو جائیداد مبیعہ میں بھی شریک ہوتا کہ حدیثوں میں اختلاف باقی نہ رہے۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ شفعہ فقہاء کی اصطلاح میں اس حق کو کہتے ہیں جو پڑوسی کو بطور پڑوسی کے حاصل ہوتا ہے کہ گر کوئی اپنا مکان زمین جائیداد بیچنا چاہتا ہے تو اس کو خریدنے کا پہلا حق پڑوسی کا ہے۔ اگر وہ کسی وجہ سے عذر کر دیتا ہے تو پھر دوسرے کو بیچا جا سکتا ہے۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ حق شفعہ صرف استحباب کی حد تک ہے لازمی نہیں جب کہ دوسرے کہتے ہیں کہ حق شفعہ لازمی ہے اور پڑوسی کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔

حضرت جابر سے مرفوعا منقول ہے پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ (بخاری کتاب الشفعہ، باب 2، ابوداؤد کتاب البیوع باب 73، سنن النسائی کتاب البیوع، باب 19، ابن ماجہ کتاب الشفعہ باب 2 مسند احمد بن حنبل (6/10)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی جائیداد بیچنے کا ارادہ کرے تو اس کو تب تک نہ بیچے جب تک کہ اپنے پڑوسی سے اس کی اجازت نہ لے لے۔ (ابن ماجہ کتاب الشفعہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑوسی اپنے پڑوسی کے شفع کا زیادہ حقدار ہے۔ وہ اس کا انتظار کرے اگر وہ غائب ہو جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔ اس کو سنن اربعہ کے مولفین نے روایت کیا ہے۔

(ابوداؤد کتاب البیوع باب 73، ترمذی کتاب الاحکام باب 32، ابن ماجہ کتاب الشفعہ باب 1,2، مسند احمد (3/303)

حضرت ابن عباس رضی سے مرفوعا روایت ہے کہ جس کے پاس کوئی زمین ہو اور وہ اس کو بیچنا چاہئے تو اس (بیع کو پہلے پہل) پڑوسی کے سامنے رکھے۔ اس روایت کو قزوینی نے بیان کیا ہے۔ (کنز العمال (18692)

حضرت سمرہ بن جندب سے مرفوعا منقول ہے: گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حقدار ہے۔ (سنن الترمذی کتاب الاحکام باب 31/33، امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے، ابوداؤد کتاب البیوع باب (73)

پڑوسی کے حق میں سے ایک اس کو اپنے دیوار پر لکڑی گاڑنے کا حق بھی دینا ہے اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت صحیح ہے اور یہی قول امام احمد بن حنبل کا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی سے اس کا پڑوسی اس کی دیوار میں لکڑی گاڑنے کی اجازت مانگے تو اس کو منع نہ کرے۔ متفق علیہ (بخاری کتاب المظالم باب 20، مسلم کتاب المساقاۃ حدیث 136، ترمذی کتاب الاحکام باب 18، ابن ماجہ کتاب الاحکام باب 15، موطا امام مالک کتاب الاقضیہ (33)

حق شفعہ میں ترتیب کا فقہی بیان

حق شفعہ میں ترتیب وہی ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ شرکت والا خلیط سے زیادہ حقدار ہے اور خلیط شفیع سے زیادہ حقدار ہے۔ پس شریک یہ نفس مبیع میں ہوتا ہے جبکہ خلیط حق مبیع میں اور شفیع ہمسایہ ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ شرکت میں اتصال زیادہ مضبوط ہے کیونکہ وہ ہر ہر حصے میں ہوتا ہے اور اس کے بعد حقوق میں اتصال مضبوط ہے کیونکہ اس میں ملکیت سے منافع ملے ہوئے ہوتے ہیں اور کسی چیز میں ترجیح یہ سبب میں زیادہ قوت ہونے کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ تقسیم کا نقصان اگرچہ علت بننے کا طاقت رکھنے والا نہیں ہے لیکن وہ ترجیح دلوانے کا سبب بن سکتا ہے۔

حضرت امام قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ رقبہ میں شریک کی موجودگی میں راستے اور پانی کے شریک کا شفعہ کا حق نہ ہوگا۔ اسی دلیل کے سبب جس ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ شرکت رقبہ والا مقدم ہے۔ (ہدایہ، کتاب شفعہ، لاہور)

اجتماع اسباب کے سبب ترتیب شفعاء کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شفعہ کے چند اسباب مجتمع ہو جائیں تو اُن میں ترتیب کا لحاظ رکھا جائے گا جو سبب

قوی ہو اُس کو مقدم کیا جائے۔ شفعہ کے تین سبب ہیں۔ (۱) شفعہ کرنے والا شریک ہے یا (۲) خلیط ہے یا (۳) جار ملاصق۔ شریک وہ ہے کہ خود مبیع میں اُس کی شرکت ہو مثلاً ایک مکان دو شخصوں میں مشترک ہے ایک شریک نے بیع کی تو دوسرے شریک کو شفعہ پہنچتا ہے۔ خلیط کا یہ مطلب ہے کہ خود مبیع میں شرکت نہیں ہے اس کا حصہ بائع کے حصہ سے ممتاز ہے مگر حق مبیع میں شرکت ہے مثلاً دونوں مکانوں کا ایک ہی راستہ ہے اور راستہ بھی خاص ہے یا دونوں کے کھیت میں ایک نالی سے پانی آتا ہو۔ جار ملاصق یہ ہے کہ اس کے مکان کی پچھیت دوسرے کے مکان میں ہو۔ ان سب میں مقدم شریک ہے پھر خلیط اور جار ملاصق کا مرتبہ سب سے آخر میں ہے۔ (درمختار، کتاب شفعہ، بیروت)

اور جب شریک نے مشتری کو تسلیم کر دی یعنی شفعہ کرنا نہیں چاہتا ہے تو خلیط کو شفعہ کا حق حاصل ہو گیا کہ اُس کے بعد اسی کا مرتبہ ہے یا اُس جائداد میں کسی کی شرکت ہی نہیں ہے تو خلیط کو شفعہ کا حق ہے اور خلیط نے بھی مشتری سے نہیں لینا چاہا تسلیم کر دی یا کوئی خلیط ہی نہیں ہے تو جار کو حق ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شفعہ، بیروت)

بَاب الشُّفْعَةِ بِالْجِوَارِ

یہ باب پڑوس کی وجہ سے شفعہ کا حق ہونے کے بیان میں ہے

2494- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ اَنْبَانَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَةِ جَارِهٖ يَنْتَظِرُ بِهَا وَاِنْ كَانَ غَائِبًا اِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا

◄► حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''پڑوسی اپنے پڑوس میں شفعہ کا زیادہ حق دار ہوتا ہے جس کا اسے انتظار ہو اگرچہ وہ پڑوسی وہاں موجود نہ بھی ہو اور ان دونوں کا راستہ ایک ہو''۔

2495- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ اَبِي رَافِعٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَارُ اَحَقُّ بِسَقَبِهٖ

◄► حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: پڑوسی اپنے قریبی (گھر یا زمین) کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔

2496- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ حُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ عَمْرٍو

2494 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 3518 'اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1369

2495 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2258 'ورقم الحدیث: 6977 'ورقم الحدیث: 6978 'ورقم الحدیث: 6980 'ورقم الحدیث 6981 'اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 3516 'اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4716 'اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث 2498

2496 اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4717

بْنِ الشَّرِيدِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ الشَّرِيدِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرْضٌ لَيْسَ فِيهَا لِأَحَدٍ قِسْمٌ وَلَا شِرْكٌ إِلَّا الْجِوَارُ قَالَ الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ

◆◆ حضرت شرید بن سوید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ایسی زمین ہے، جس میں کسی کا حصہ یا شراکت داری نہیں ہے صرف پڑوس ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پڑوسی اپنی قریبی (زمین) کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔

شرح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس حدیث میں بظاہر تعارض ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شفعہ کی دو قسمیں ہیں: ایک شفعہ یہ ہے کہ مالک کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ شفیع پر پیش کرے، اور دوسروں پر اسے ترجیح دے، اور اس شفعہ پر قضاء میں وہ مجبور نہ کیا جائے، اور یہی اس پڑوسی کا حق ہے جو شریک نہیں ہے، اور دوسری قسم یہ ہے کہ اس شفعہ پر اسے قضاء میں مجبور کیا جائے گا، اور یہ اس پڑوسی کے حق میں ہے جو شریک بھی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)۔

شرکت رقبہ والے کے دستبردار ہو جانے کا بیان

اور جب شرکت رقبہ والا شخص دستبردار ہو جائے تو راستے کے شریک کو حق شفعہ مل جائے گا اور اگر وہ بھی حق کو چھوڑ دے تو ہماری بیان کردہ ترتیب کے مطابق ہمسائے کو حق شفعہ مل جائے گا۔ اور اس ہمسائے سے مراد وہ جار ملاصق ہے جو شفعہ شدہ گھر کی چھت پر رہنے والا ہے اور اس کا دروازہ دوسری گلی کی جانب سے ہو۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ شریک رقبہ کے ہوتے ہوئے کسی بھی دوسرے کے لئے حق شفعہ نہ ہوگا۔ اگر چہ وہ دستبردار ہو جائے یا وہ اپنا حق لینے والا ہو۔ کیونکہ شرکت رقبہ والے کے سبب سے دوسرے حق شفعہ والوں کو محروم کر دیا گیا ہے۔

اور ظاہر الروایت کی دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ کا سبب اتصال ہے جو ہر ایک کے حق میں ثابت ہے مگر شرکت رقبہ والے کو ترجیح حاصل ہے۔ لیکن جب وہ شفعہ نہیں کرتا تو اس کے قریب والے کے لئے شفعہ ثابت ہوگا۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح حالت تندرستی کا قرض حالت مرض والے قرض کے ساتھ دیا جائے۔

مشترکہ مکان میں شفعہ ہونے کا بیان

اور جب نچلی منزل دو حضرات کی مشترکہ ہے اور دونوں میں سے ایک کا اس پر بالا خانہ ہے، جس میں کوئی تیسرا شخص بھی شریک ہے تو نچلی منزل والوں میں ہے۔ جس کا بالا خانہ میں حصہ ہے اس نے اپنے نچلے اور اوپر والے حصوں کو فروخت کیا تو نچلے شریک کو نچلے حصہ میں اور اوپر والے شریک کو اوپر والے حصہ میں شفعہ کا حق ہے نچلے والے کو اوپر اور اوپر والے شریک کو نیچے والے حصہ میں شفعہ کا حق نہیں ہے کیونکہ نیچے والا شریک بالا خانہ کا پڑوسی ہے اور اگر بالا خانہ کا راستہ مشترکہ ہو تو وہ بالا خانہ کے حقوق میں بھی شریک ہے اور یوں ہی بالا خانہ کا حصہ دار نیچے والے حصہ کا پڑوسی ہے اگر راستہ بالا خانہ نیچے والی منزل میں سے گزرتا ہو تو وہ بھی نچلی منزل

کے حقوق میں شریک ہوگا لہٰذا پڑوسی یا حقوق میں شریک کی بہ نسبت عین مبیع میں شریک کا حق مقدم اور اولیٰ ہے۔ اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ نچلی منزل والے نے اپنا حصہ فروخت کیا تو اوپر والے کو شفعہ کا حق ہے کیونکہ نچلی اور اوپر منزل میں اتصال ہے تو دونوں پڑوسی قرار پائیں گے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شفعہ، بیروت)

شریک مبیع کا گھر میں بعض حصے میں شریک ہونے کا بیان

اور شریک مبیع یہ بعض اوقات گھر کے بعض حصے میں شریک ہوتا ہے جس طرح گھر کی معین منزل میں ہے یا خاص دیوار میں شریک ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک ایسا شریک گھر کے ہمسائے اور گھر کے بعض حصوں والے ہمسائے پر مقدم ہے کیونکہ اس کا ملا ہوا ہونا یہ مضبوط ہے اور زمین بھی ایک ہی ہے۔

حقدار اول کے دستبردار ہونے پر حق ثانی کا بیان

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ایک مکان کی چھت پر بالاخانہ ہے مگر اس بالاخانہ کا راستہ دوسرے مکان میں ہے اُس مکان میں نہیں ہے جس کی چھت پر بالاخانہ ہے۔ یہ بالاخانہ فروخت ہوا تو وہ شخص شفعہ کریگا جس کے مکان میں اس کا راستہ ہے وہ نہیں کرسکتا جس کے مکان کی چھت پر بالاخانہ ہے۔ اور اگر پہلے شخص نے تسلیم کر دیا نہ لینا چاہا تو دوسرا شخص شفعہ کرسکتا ہے مگر بالاخانہ کا کوئی جار ملاصق ہے تو شفعہ میں یہ بھی شریک ہے اور اگر نیچے کی منزل فروخت ہوئی تو بالاخانہ والا شفعہ کرسکتا ہے اور وہ مکان جس میں بالاخانہ کا راستہ ہے فروخت ہوا تو اُس میں بھی بالاخانہ والا شفعہ کرسکتا ہے۔ (بدائع)

کوچہ سربستہ میں جن لوگوں کے مکانات ہیں وہ سب خلیط ہیں کہ خاص راستہ میں شرکت ہوگئی۔ کوچہ سربستہ سے دوسرا راستہ نکلا کہ آگے چل کر یہ بھی بند ہوگیا اس میں بھی کچھ مکانات ہیں اگر اس میں کوئی مکان فروخت ہوا تو اس کوچہ والے حقدار ہیں پہلے کوچہ والے نہیں اور پہلے کوچہ میں مکان فروخت ہوا تو دونوں کوچہ والے برابر کے حقدار ہیں۔

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور کوچہ سربستہ میں ایک مکان ہے جس میں ایک حصہ ایک شخص کا ہے اور ایک حصہ میں دو شخص شریک ہیں اور جس کوچہ میں یہ مکان ہے اس میں دوسروں کے بھی مکانات ہیں ایک شریک نے اپنا حصہ بیع کیا تو اُس کا شریک شفعہ کرسکتا ہے وہ نہ کرے تو دوسرا شخص کرے جو شریک نہ تھا مگر اسی مکان میں اس کا مکان بھی ہے اور یہ بھی نہ کرے تو اُس کوچہ کے دوسرے لوگ کریں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شفعہ، بیروت)

طریق و شریب کے خاص ہونے کا بیان

اور طریق و شرب ان دونوں کا خاص ہونا لازم ہے تاکہ شفعہ کرنے والا اس میں شرکت کے سبب حقدار شفعہ بن جائے اور خاص راستہ یہ ہے کہ وہ غیر نافذ ہو اور خاص شرب یہ ہے کہ ایسی نہر کا ہونا جس میں کشتی نہ چلائی جاسکے۔ اور جس نہر میں کشتیوں کی آمد و رفت ممکن ہو وہ عام کے حکم میں ہے۔ یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔

حضرت امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے نقل کیا گیا ہے کہ خاص شرب یہ ہے کہ وہ ایسی نہر ہونے چاہیے جس سے دو یا تین باغات کو سیراب کیا جائے۔ اور جب اس کی مقدار سے زیادہ ہو جائے وہ عام ہے۔

اور جب کوئی گلی کھلی نہ ہو جس سے دوسرے غیر نافذ گلی نکل رہی ہے اور دوسری گلی لمبی بھی ہے اور اگر اس سے نکلنے والی چھوٹی گلی میں کسی گھر کو فروخت کیا جائے تو شفعہ صرف اہل سفلی کے لیے ہوگا۔ اوپر والوں کے لیے حق شفعہ نہ ہوگا۔ اور جب علیا والوں میں کوئی گھر فروخت ہوا ہے تو حق شفعہ دونوں قسم کی گلیوں والوں کو مل جائے گا۔ اس کی دلیل وہی جس کو ہم ادب قاضی میں بیان کر آئے ہیں۔ اور جب کوئی چھوٹی نہر ہے جس سے اور بھی زیادہ چھوٹی نہر نکل رہی ہے تو اس کو ہمارے بیان کردہ مسئلہ میں راستے پر قیاس کیا جائے گا۔

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر ایسی نہر ہو کہ اس کا اوپر والا حصہ ایک شخص کو اور نیچے والا دوسرے کا ہو تو کسی آدمی نے اوپر والے کا حصہ خرید لیا تو نیچے والے کو شفعہ کے مطالبہ کا حق ہے اس کا یہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا، اور یونہی اگر کسی نے نیچے والے کا حصہ خریدا ہو تو اوپر والے کا شفعہ ہو تو وہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا۔ مبسوط میں یوں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الشفعہ، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور نہر عظیم اور راستہ عام میں شرکت سبب شفعہ نہیں ہے بلکہ اس صورت میں جار ملاصق کو شفعہ کا حق ملے گا۔ اور نہر عظیم وہ ہے جس میں کشتی چل سکتی ہو اور اگر کشتی نہ چل سکے تو نہر صغیر ہے۔ (درمختار، کتاب شفعہ، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور مکان کے دو دروازے ہیں ایک دروازہ ایک گلی میں ہے دوسرا دوسری گلی میں ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ پہلے دو مکان تھے ایک کا دروازہ ایک گلی میں تھا دوسرے کا دوسری گلی میں تھا ایک شخص نے دونوں کو خرید کر ایک مکان کر دیا اس صورت میں ہر گلی والے اپنی جانب کا مکان شفعہ کر کے لے سکتے ہیں ایک گلی والوں کو دوسری جانب کے حصہ کا حق نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جب وہ مکان بنا تھا اُسی وقت اس میں دو دروازے رکھے گئے تھے تو دونوں گلی والے پورے مکان میں شفعہ کا برابر حق رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح اگر دو گلیاں تھیں دونوں کے بیچ کی دیوار نکال کر ایک گلی کر دی گئی تو ہر ایک کوچہ والے اپنی جانب میں شفعہ کا حق رکھتے ہیں۔ دوسری جانب میں اُنھیں حق نہیں۔ اسی طرح کوچہ سربستہ تھا اس کی دیوار نکال دی گئی کہ سربستہ نہ رہا بلکہ کوچہ نافذہ ہو گیا تو اب بھی اس کے رہنے والے شفعہ کا حق رکھیں گے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شفعہ، بیروت)

اجتماع شفعاء کے سبب عدد رؤس کی تقسیم کا بیان

اور جب کچھ شفعہ کرنے والے اکٹھے ہو جائیں تو اس وقت شفعہ کو ان کے عدد رؤس کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔ جبکہ ملکیت کے اختلاف کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ شفعہ شفیعوں کے حصوں کے مطابق دیا جائے گا۔ کیونکہ شفعہ ملکیت کے منافع میں سے ہے۔ کیا آپ غور و فکر نہیں کرتے ہیں کہ شفعہ ملکیت میں تکمیل منافع کے لیے ہے۔ تو شفعہ کا حق نفع، غلہ، بچے اور پھل کے مشابہ

ہو جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ سارے شفیعوں کا حقدار ہونا یہ اتصال کے سبب برابر ہے پس وہ حقدار ہونے میں بھی برابر ہوں گے۔ کیا آپ اس دلیل پر غور وفکر نہیں کرتے کہ شفیعوں میں سے کوئی اکیلا حقدار بنے تو وہ سارے شفعہ کا حقدار بن جاتا ہے۔ اور یہ سبب کے مکمل ترین کی ہونے نشانی ہے۔ اور اتصال کی کثرت سے علت پر کثرت ہونے کی دلیل ہے۔ اور کسی چیز میں ترجیح دلیل کے سبب ہوا کرتی ہے۔ دلائل کی کثرت کے سبب نہیں ہوتی۔ اور یہاں وہ قوت نہیں پائی جارہی کیونکہ اس کے مقابلے میں دوسری قوت پائی ظاہر ہے۔ اور دوسرے کی ملکیت کا مالک بن جانا یہ اس کی ملکیت یہ اس کے انجام وثمرات میں شمار نہ ہوگا بہ خلاف پھل اور اس جیسی دوسری اشیاء کے کیونکہ ان میں ایسا نہیں ہوتا۔ اور جب کسی شخص نے اپنا حق شفعہ ساقط کر دیا ہے تو بقیہ شفیعوں کو ان کے عدد راس کے مطابق ساری مبیع میں شفع مل جائے گا کیونکہ حصہ میں کمی یہ ان کی بھیڑ کے سبب تھی۔ اور ہر شفعہ کرنے والے میں سبب بھی مکمل تھا۔ اور اب مزاحمت فوت ہو چکی ہے۔ (ہدایہ، کتاب شفعہ، لاہور)

دوسرے کو حق شفعہ دینے کا بیان

ایک شفیع نے اپنا حق شفعہ دوسرے کو دے دیا مثلاً تین شخص شفیع تھے ان میں سے ایک نے دوسرے کو اپنا حق دے دیا یہ دینا صحیح نہیں بلکہ اس کا حق ساقط ہو گیا اور اس کے سوا جتنے شفیع ہیں وہ سب برابر کے حقدار ہیں بلکہ اگر دو شخص حقدار ہیں ان میں سے ایک نے یہ سمجھ کر کہ مجھے نصف ہی جائداد ملے گی نصف ہی کو طلب کیا تو اس کا شفعہ ہی باطل ہو جائے گا یعنی ضروری ہے کہ ہر ایک پورے کا مطالبہ کرے۔ (درمختار، کتاب شفعہ، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دو شخصوں نے اپنا مشترک مکان بیع کیا شفیع یہ چاہتا ہے کہ فقط ایک کے حصہ میں شفعہ کرے یہ نہیں ہو سکتا۔

اور اگر دو شخصوں نے ایک مکان خریدا اور شفیع فقط ایک مشتری کے حصہ میں شفعہ کرنا چاہتا ہے یہ ہو سکتا ہے۔ ایک شخص نے ایک عقد میں دو مکان خریدے اور شفیع دونوں میں شفعہ کر سکتا ہو تو دونوں میں شفعہ کرے یا دونوں کو چھوڑ دے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک میں کرے اور ایک کو چھوڑے اور اگر ایک ہی میں وہ شفیع ہے تو ایک میں شفعہ کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شفعہ، بیروت)

مشترکہ شفعاء سے متعلق فقہی تصریحات کا بیان

حضرت سعید بن مسیب اور ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا شفعہ کا اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو شریکوں میں جب تقسیم ہو جائے اور حدیں قائم ہو جائیں پھر اس میں شفعہ نہیں۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہی حکم ہے اور اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔

سعید بن مسیب سے سوال ہوا کہ شفعے میں کیا حکم ہے انہوں نے کہا شفعہ مکان میں اور زمین میں ہوتا ہے اور شفعے کا استحقاق صرف شریک کو ہوتا ہے۔ سلیمان بن یسار نے بھی ایسا ہی کہا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص نے مشترک زمین کا ایک حصہ کسی جانور یا غلام کے بدلے میں خریدا اب دوسرا شریک مشتری سے شفعے کا مدعی ہوا لیکن وہ جانور یا غلام تلف ہو گیا اور اس کی قیمت معلوم نہیں مشتری کہتا ہے اس کی قیمت سو دینار تھی اور شفیع کہتا ہے پچاس دینار تھی تو مشتری سے قسم لیں گے اس امر پر کہ اس جانور یا غلام کی قیمت سو دینار تھی۔ بعد اس کے شفیع کو اختیار ہوگا چاہے سو دینار دے کر زمین کے اس حصے کو لے لے چاہے چھوڑ دے البتہ اگر شفیع گواہ لائے اس امر پر کہ اس جانور یا غلام کی قیمت پچاس دینار تھی تو اس کا قول معتبر ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے اپنے مشترک گھر یا مشترک زمین کا ایک حصہ کسی کو ہبہ کیا موہوب لہ نے واہب کو اس کے بدلے میں کچھ نقد دیا یا چیز دی تو اور شریک موہوب لہ کو اسی قدر نقد یا اس چیز کی قیمت دے کر شفعہ لے لیں گے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا حصہ مشترک زمین یا مشترک گھر میں ہبہ کیا لیکن موہوب لہ نے اس کا بدلہ نہیں دیا تو شفیع کو شفعہ کا استحقاق نہ ہوگا جب موہوب لہ دے گا تو شفیع موہوب لہ کو اس بدلہ کی قیمت دے کر شفعہ لے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر بیع کے وقت شفیع غائب ہو تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا اگرچہ کتنی ہی مدت گزر جائے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کئی شریکوں کو شفعے کا استحقاق ہو تو ہر ایک ان میں سے اپنے حصے کے موافق مبیع میں سے حصہ لیں گے اگر ایک شخص نے مشترک حصہ خرید کیا اور سب شریکوں نے شفعے کا دعویٰ چھوڑ دیا مگر ایک شریک نے مشتری سے یہ کہا کہ میں اپنے حصے کے موافق تیری زمین سے شفعہ لوں گا۔ مشتری یہ کہے یا تو تو پوری زمین جس قدر میں نے خریدی ہے سب لے لے یا شفعے کا دعویٰ چھوڑ دے تو شفیع کو لازم ہوگا یا تو پورا حصہ مشتری سے لے لے یا شفعے کا دعویٰ چھوڑ دے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ایک شخص زمین کو خرید کر اس میں درخت لگا دے یا کنواں کھود دے پھر ایک شخص اس زمین کے شفعے کا دعویٰ کرتا ہوا آئے تو اس کو شفعہ نہ ملے گا جب تک کہ مشتری کے کنوئیں اور درختوں کی بھی قیمت نہ دے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے مشترک گھر یا زمین میں سے اپنا حصہ بیچا جب بائع کو معلوم ہوا کہ شفیع اپنا شفعہ لے لے گا تو اس نے بیع کو فسخ کر ڈالا اس صورت میں شفیع کا شفعہ ساقط نہ ہوگا بلکہ اس قدر دام دے کر جتنے کو وہ حصہ بکا تھا اس حصے کو لے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک حصہ مشترک گھر یا زمین کا اور ایک جانور اور کچھ اسباب ایک ہی عقد میں خرید کیا پھر شفیع نے اپنا حصہ یا شفعہ اس زمین یا گھر میں مانگا مشتری کہنے لگا جتنی چیزیں میں نے خریدی ہیں تو ان سب کو لے لے کیونکہ میں نے ان سب کو ایک عقد میں خریدا ہے تو شفیع زمین یا گھر میں اپنا شفعہ لے گا اس طرح پر کہ ان سب چیزوں کی علیحدہ علیحدہ قیمت لگائیں گے اور پھر ثمن کو ہر ایک قیمت پر حصہ رسد تقسیم کریں گے جو حصہ ثمن کا زمین یا مکان کی قیمت پر آئے اس

قدر شفیع کو دے کر وہ حصہ زمین یا مکان کا لے لے گا اور یہ ضروری نہیں کہ اس جانور اور اسباب کو بھی لے لے البتہ اگر اپنی خوشی سے لے تو مضائقہ نہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے مشترک زمین میں سے ایک حصہ خرید کیا اور سب شفیعوں نے شفعے کا دعویٰ چھوڑ دیا مگر ایک شفیع نے شفعہ طلب کیا تو اس شفیع کو چاہیے کہ پورا حصہ مشتری کا لے لے یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے حصے کے موافق اس میں سے لے لے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک گھر میں چند آدمی شریک ہوں اور ایک آدمی ان میں سے اپنا حصہ بیچے سب شرکاء کی غیبت میں مگر ایک شریک کی موجودگی میں اب جو شریک موجود اس سے کہا جائے تو شفعہ لیتا ہے یا نہیں لیتا۔ وہ کہے بالفعل میں اپنے حصے کے موافق لے لیتا ہوں بعد اس کے جب میرے شریک آئیں گے وہ اپنے حصوں کو خرید کریں گے تو بہتر۔ نہیں تو میں کل شفعہ لے لوں گا تو یہ نہیں ہو سکتا بلکہ جو شریک موجود ہے اس سے صاف کہہ دیا جائے گا یا تو شفعہ کل لے لے یا چھوڑ دے اگر وہ لے لے گا تو بہتر نہیں تو اس کا شفعہ ساقط ہو جائے گا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1303)

بَاب اِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فَلَا شُفْعَةَ

یہ باب ہے کہ جب حدود واقع ہو جائیں' تو پھر شفعہ کا حق باقی نہیں رہے گا

2497 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ ابْنُ اَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَاَبِىْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالشُّفْعَةِ فِيْمَا لَمْ يُقْسَمْ فَاِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فَلَا شُفْعَةَ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کے بارے میں شفعہ کا فیصلہ دیا تھا' جو تقسیم نہ ہوئی ہو' جب حدود واقع ہو جائیں' تو پھر شفعہ کا حق باقی نہیں رہے گا۔

2497م - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَمَّادٍ الطِّهْرَانِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَاَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ قَالَ اَبُوْعَاصِمٍ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلٌ وَّاَبُوْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ مُتَّصِلٌ

◆◆ یہ روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

2498 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْجَرَّاحِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّرِيْكُ اَحَقُّ بِسَقَبِهٖ مَا كَانَ

◆◆ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

2497 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

''شراکت دار اپنی قریبی (جگہ) کے بارے میں زیادہ حقدار ہوتا ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو''۔

2499- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِنَّمَا جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ فِيْ كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ فَاِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا حق ہر ایسی چیز میں مقرر کیا ہے' جو تقسیم نہ ہوئی ہو لیکن جب حدود واقع ہو جائیں اور راستے الگ ہو جائیں' تو پھر شفعہ کا حق نہیں رہے گا۔

عدم شفعہ والی چیزوں میں فقہی تصریحات کا بیان

حضرت عثمان نے کہا جب زمین میں حدیں پڑ جائیں تو اس میں شفعہ نہ ہوگا اور نہیں شفعہ ہے کنوئیں میں اور نہ کھجور کے درخت میں۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہی حکم ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ راستے میں شفعہ نہیں ہے خواہ وہ تقسیم کے لائق ہو یا نہ ہو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مشتری نے خیار کی شرط سے زمین کے ایک حصے کو خریدا تو شفیع کو شفعے کا حق نہ ہوگا جب تک کہ مشتری کا خیار پورا نہ ہو۔ اور وہ اس کو قطعی طور پر نہ لے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص نے زمین خریدی اور مدت تک اس پر قابض رہا بعد اس کے ایک شخص نے اس زمین میں اپنا حق ثابت کیا تو اس کو شفعہ ملے گا اور جو کچھ زمین میں منفعت ہوئی ہے وہ مشتری کی ہوگی جس تاریخ تک اس کا حق ثابت ہوا ہے کیونکہ وہ مشتری اس زمین کا ضامن تھا اگر وہ رتلف ہو جاتی یا اس کے درخت تلف ہو جاتے۔ اگر بہت مدت گزر گئی یا گواہ مر گئے یا بائع اور مشتری مر گئے یا وہ زندہ ہیں مگر بیع کو بھول گئے بہت مدت گزرنے کی وجہ سے اس صورت میں اس شخص کو اس کا حق تو ملے گا مگر شفعے کا دعویٰ نہ پہنچے گا۔ اگر زمانہ بہت نہیں گزرا ہے اور اس شخص کو معلوم ہوا کہ بائع نے قصداً شفعہ باطل کرنے کے واسطے بیع کو چھپایا ہے تو اصل زمین کی قیمت اور جو اس میں زیادہ ہو گیا ہے اس کی قیمت وہ شخص ادا کر کے شفعہ لے لے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جیسے زندہ کے مال میں شفعہ ہے ویسے میت کے مال میں بھی شفعہ ہے۔ البتہ اگر میت کے وارث اس کے مال کو تقسیم کر لیں پھر بیچیں تو اس میں شفعہ نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک غلام اور لونڈی اور اونٹ اور گائے اور بکری اور جانور اور کپڑے میں شفعہ نہیں ہے نہ اس کنوئیں میں جس کے متعلق زمین نہیں ہے کیونکہ شفعہ اس زمین میں ہوتا ہے جو تقسیم کے قابل ہے اور اس میں حدود ہوتے ہیں زمین کی قسم سے جو چیز ایسی نہیں ہے اس میں شفعہ بھی نہیں ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایسی زمین خریدی جس میں لوگوں کو حق شفعہ پہنچتا ہے تو چاہیے کہ

2499 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2213' ورقم الحدیث: 2214' ورقم الحدیث: 2214م' ورقم الحدیث: 2257' ورقم الحدیث: 2495' ورقم الحدیث 2496' ورقم الحدیث 6976' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3514' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 1370

شفیعوں کو حاکم کے پاس لے جائے یا شفعہ لیں یا چھوڑ دیں اگر مشتری شفیعوں کو حاکم کے پاس نہیں لے گیا لیکن ان کو خریدنے کی خبر ہو گئی تھی اور انہوں نے مدت شفعہ کا دعویٰ نہ کیا بعد اس کے دعویٰ کیا تو مسموع نہ ہوگا۔ پوری ہوئی کتاب شفعے کی۔

(موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1304)

شفعہ میں مسلم وذمی کے حق کے لئے برابری کا بیان

اور شفعہ میں مسلمان اور ذمی برابر ہیں۔ کیونکہ احادیث عموم پر ہیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ وہ دونوں سبب اور حکمت میں برابر ہیں۔ پس وہ حقدار ہونے میں برابر ہوں گے۔ کیونکہ حق ثابت ہونے میں مرد وعورت، چھوٹا، بڑا باغی وعادل آزاد اور غلام سبب برابر ہیں۔ مگر غلام کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ماذون یا مکاتب غلام نہ ہو۔

اہل ذمہ کے حقوق کا بیان

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسی سلسلہ میں اور بھی متعدد معاہدے کئے اور ان معاہدوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قائم رکھا، ان معاہدوں میں اگرچہ باہم اختلاف ہے لیکن سب میں قدر مشترک یہ ہے۔

لایھدم لھم بیعة ولا کنیسة وعلی ان یضربوا نواقیسھم فی ای ساعة شاؤا من لیل انھار الا فی اوقات الصلوة وعلی ان یخرجوا الصلبان فی ایام عیدھم (کتاب الخراج)

ان لوگوں کے گرجے نہ گرائے جائیں گے اور وہ رات دن میں بجز اوقات نماز کے ہر وقت ناقوس بجا سکیں گے اور اپنے تہوار کے دن صلیب نکالیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بہ کثرت معاہدے ہوئے، ان میں سب سے زیادہ مفصل، سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ فیاضانہ وہ معاہدہ ہے جو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ کیا اس معاہدے کے الفاظ یہ ہیں۔

واشترط علیھم حین دخلھا عَلَی أن تترك کنائسھم وبیعھم عَلَی أن لا یحدثوا بناء بیعة ولا کنیسة ، وَعَلَی أن علیھم إرشاد الضال وبناء القناطر عَلَی الأنھار من أموالھم ، وأن یضیفوا من مر بھم من المسلمین ثلاثة أیام وَعَلَی أن لا یشتموا مسلما ولا یضربوه ، ولا یرفعوا فِی نادی أھل الإسلام صلیبا ولا یخرجوا خنزیرا من منازلھم إِلَی أفنیة المسلمین ، وأن یوقدوا النیران للغزاة فِی سبیل اللہ ، ولا یدلوا للمسلمین عَلَی عورة ، ولا یضربوا نواقیسھم قبل أذان المسلمین ولا فِی أوقات أذانھم ولا یخرجوا الرایات فِی أیام عیدھم ، ولا یلبسوا السلاح یوم عیدھم ولا یتخذوه فِی بیوتھم (الخراج لابی یوسف، باب فصل فی الکنائس والبیع)

جب وہ شام میں داخل ہوئے تو یہ شرط کرلی کہ ان کے گرجوں سے کچھ تعرض نہ کریں گے جبکہ نئے گرجے نہ تعمیر کریں، بھولے بھٹکے مسلمانوں کو راستہ دکھائیں اپنے مال سے نہروں پر پل باندھیں، جو مسلمان ان کے پاس سے ہوکر گذریں تین دن تک ان کی مہمانی کریں، کسی مسلمان کو نہ گالی دیں، نہ ماریں، نہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور نہ مسلمانوں کے احاطہ میں سور نکالیں، مجاہدین کے لئے راستوں میں آگ جلائیں مسلمانوں کی جاسوسی نہ کریں، اذان سے پہلے اور اذان کے اوقات میں ناقوس نہ بجائیں، اپنے تہواروں کے دن جھنڈے نہ نکالیں، ہتھیار نہ لگائیں اور اس کو اپنے گھروں میں بھی نہ رکھیں۔

ان لوگوں نے تمام شرطیں منظور کرلیں، صرف یہ درخواست کی کہ سال میں ایک بار بغیر جھنڈیوں کے صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ درخواست منظور کی۔

قاضی ابو یوسف نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ نرمی اور یہ فیاضی اس لئے اختیار کی تھی کہ اور لوگوں کو صلح کی ترغیب ہو؛ چنانچہ اس معاہدے کے بعد جب رومیوں سے جنگ ہوئی اور فتح کے بعد اطراف وحوالی کے تمام عیسائیوں نے صلح کرلی تو ان لوگوں نے ایک شرط یہ پیش کی کہ جو رومی مسلمانوں کی جنگ کے لئے آئے تھے اور اب وہ عیسائیوں کے پناہ گزین ہیں ان کو امن دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کے ساتھ واپس چلے جائیں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی منظور کرلی۔ (کتاب الخراج، صفحہ،۸۱)

اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان معاہدوں کی پابندی کی گئی یا نہیں؟ اور کی گئی تو کیونکر؟ اسلام میں معاہدے کی پابندی فرض ہے اور اس میں کسی مذہب کی تخصیص نہیں بلکہ خود معاہدہ کی اخلاقی عظمت کا یہی اقتضاء ہے اس بنا پر صحابہ کرام نے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس کا پورا کرنا ان کا مذہبی فرض تھا، چنانچہ شام کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔ "وامنع المسلمين من ظلمهم والاضراربهم واكل اموالهم ووف لهم بشرطهم الذي شرطت لهم في جميع ما اعطيتهم" (كتاب الخراج، صفحه ۸۰)

مسلمانوں کو ان کے ظلم ونقصان سے روکو اور ان کے مال کھانے سے منع کرو، اور ان کو جو حقوق تم نے جن شرائط پر دیے ہیں ان کو پورا کرو۔ وفات کے وقت جو وصیت کی اس میں یہ الفاظ فرمائے۔

واوصيه بذمة الله وذمة رسوله ان يوفى لهم بعهدهم وان يقاتل من ورائهم وان لا يكلفوا فوق طاقتهم (بخاری كتاب المناقب باقصة البيعة والاتفاق على عثمان)

اور میں اپنے جانشین کو خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدے کو پورا کرے اور ان کی حمایت میں لڑے اور ان کو تکلیف مالایطاق نہ دے۔ ذمیوں کے معاہدے کی پابندی کا جس قدر خیال رکھا جاتا تھا، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار ایک عیسائی رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے رہا تھا حضرت رضی اللہ عنہ غرفہ نے سنا تو اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، اس نے حضرت عمرو بن العاص کی خدمت میں استغاثہ کیا تو انہوں نے غرفہ کو بلا کر کہا کہ ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہے حضرت غرفہ رضی اللہ عنہ نے کہا نعوذ باللہ کیا ہم نے ان سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ گالیاں

دیں، ہم نے صرف یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اپنے گرجوں میں جو چاہیں کہیں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا یہ سچ ہے۔ (اسد الغابہ تذکرہ، حضرت غرفہ بن حارث رضی اللہ عنہ الکندی)

خود ذمیوں کو اس پابندی معاہدہ کا اعتراف تھا، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ذمیوں کا ایک وفد آیا تو انہوں نے پوچھا کہ غالباً مسلمان تم لوگوں کو ستاتے ہوں گے سب نے ہمزبان ہو کر کہا۔ **ما نعلم الا وفاء وحسن ملكة** ۔

(طبری، صفحہ ۲۵۶)

ہم پابندی عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ لیکن صرف اسی قدر کافی نہیں، یہ جو کچھ ہے قول ہے، ہم عملاً دکھانا چاہتے ہیں کہ ذمیوں کو جو حقوق دیئے گئے ان کو عملاً پورا کیا گیا۔

وہ اسباب جن کے سبب شفعہ ثابت نہیں ہوسکتا

اور وہ مکان جس میں انسان شادی کرسکتا ہے یا جس کے ذریعے عورت نے خلع کیا ہے یا جس کے بدلے میں کوئی شخص اجرت پر لیتا ہے یا جس کے ذریعے قتل عمد میں صلح ہوئی ہے یا جس گھر پر انسان کسی غلام کو آزاد کرتا ہے اس طرح گھر میں شفعہ ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ ہمارے نزدیک شفعہ مال کے بدلے میں مال پر ثابت ہوتا ہے۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ جبکہ مذکورہ اعواض یہ مال نہیں ہیں۔ پس ان میں شفعہ کو ثابت کرنا یہ مشروعیت کے خلاف اور موضوع کو بدلنا ہوگا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک مذکورہ اعواض میں شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ اعواض متقوم ہیں کیونکہ ان کی مثل کی ادائیگی کے ناممکن ہونے کی وجہ سے ان کو دیا گیا ہے۔ جس طرح سامان کے بدلے میں ہونے والی بیع میں ہوتا ہے۔ بہ خلاف ہبہ کے۔ کیونکہ اس میں بدلہ نہیں ہوا کرتا۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا یہ قول اس وقت درست ہوسکتا ہے جب خاوند نے اس مکان کا بعض حصہ مہر میں مقرر کر دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک شفعہ اسی میں ہے۔

ہم نے کہا کہ نکاح میں منافع بضع اور اس کے سوا کا ہونا یہ عقد اجارہ کی وجہ سے بر بنائے حاجت تھا۔ پس یہ ایسا متقوم ہونا شفعہ میں ظاہر نہ ہوگا۔ اسی طرح خون اور آزادی یہ دونوں بھی غیر متقوم ہیں۔ کیونکہ قیمت وہ ہوتی ہے جو مخصوص و مطلوب حکم میں اپنے غیر کا قائم مقام بن سکے۔ جبکہ خون اور آزادی میں یہ ثابت نہیں ہوتی۔

اور اسی طرح جب کسی شخص نے عورت سے بغیر کسی مہر کے نکاح کیا ہے اور اس کے بعد اس نے گھر کو مہر میں مقرر کر دیا ہے کیونکہ یہ بضع کے مقابلے میں عقد میں فرض کر دیئے گئے کی طرح ہو جائے گا۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جب خاوند نے مہر مثلی یا ذکر کردہ کے بدلے میں مکان کو بیچ دیا ہے کیونکہ یہ بھی مال کا تبادلہ مال کے ساتھ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کسی شخص پر ایک چیز کا دعویٰ تھا اس نے اپنا مکان دے کر مدعی سے صلح کر لی اس پر شفعہ ہوسکتا ہے اگر چہ یہ صلح انکار یا سکوت کے بعد ہو کیونکہ مدعی اس کو اپنے اس حق کے عوض میں لینا قرار دیتا ہے اور شفعہ کا تعلق اسی مدعی سے ہے لہٰذا مدعی اعلیہ کے انکار کا اعتبار نہیں اور اگر اسی مکان کا دعویٰ تھا اور مدعی اعلیہ نے اقرار کے بعد کچھ دے کر مدعی سے صلح کر لی تو شفعہ ہوسکتا ہے کہ یہ صلح حقیقۃً ان داموں کے عوض اس مکان کو خریدنا ہے اور اگر مدعیٰ علیہ نے انکار یا

سکوت کے بعد صلح کی تو شفعہ نہیں ہو سکتا کہ یہ صلح بیع کے حکم میں نہیں ہے بلکہ کچھ دے کر جھگڑا کاٹنا ہے۔

(ردالمحتار، کتاب شفعہ، بیروت)

مکان کے بدلے شرط پر نکاح کرنے کا بیان

اور جب کسی عورت نے گھر کے بدلے میں اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت خاوند کو ایک ہزار دینے پر واپس کر دے گی۔ تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس گھر کے کسی بھی حصہ میں شفعہ ثابت نہ ہوگا جبکہ صاحبین نے کہا کہ ہزار والے حصہ میں شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ ہزار یہ خاوند کے حق میں مال کا تبادلہ ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں بیع کا معنی تابع ہے۔ کیونکہ وہ لفظ نکاح سے منعقد ہو جاتی ہے۔ اور بیع میں نکاح کی شرط لگانے کی وجہ سے وہ فاسد نہ ہوگا۔ اور جب اصل میں شفعہ نہیں تو تابع میں بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ شفعہ میں خود مقصود مالی مبادلے میں ہے یہاں تک کہ جب مضارب نے کوئی مکان بیچ دیا ہے اور اس میں نفع ہے تو رب المال نفع کے حصہ میں شفعہ کا حقدار نہ ہوگا۔ کیونکہ یہاں پر نفع تابع ہے۔ (ہدایہ، کتاب شفعہ، لاہور)

اور شفیع کو یہ خبر ملی تھی کہ مکان ایک ہزار کو فروخت ہوا ہے اس نے تسلیم شفعہ کر دی بعد میں معلوم ہوا کہ ہزار سے کم میں فروخت ہوا ہے یا ہزار روپے میں نہیں فروخت ہوا ہے بلکہ اتنے من گیہوں یا جو کے بدلے میں فروخت ہوا ہے اگرچہ ان کی قیمت ایک ہزار بلکہ ایک ہزار سے زیادہ ہو تو تسلیم صحیح نہیں بلکہ شفعہ کر سکتا ہے اور اگر بعد میں یہ معلوم ہوا کہ ہزار روپے کی اشرفیوں کے عوض میں فروخت ہوا ہے یا عروض کے عوض میں فروخت ہوا جن کی قیمت ایک ہزار ہے تو شفعہ نہیں کر سکتا۔

اقرار عوض کی مصالحت میں حق شفعہ ثابت ہونے کا بیان

اور جب کسی شخص نے گھر کے بارے میں انکار کے ساتھ مصالحت کی ہے۔ اور جب گھر کا عوض اقرار کے ساتھ مصالحت ہوئی ہے تو اس میں شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ مصنف علیہ الرحمہ نے کہا کہ قدوری کے اکثر نسخوں میں عبارت اسی طرح ہے۔ حالانکہ "اَوْ يُصَالِحُ عَلَيْهَا" کی جگہ پر "اَوْ يُصَالِحُ عَنْهَا بِاِنْكَار" زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ جب صلح کرنے والے نے انکار کے ساتھ مصالحت کی ہے تو گھر اس کے قبضہ میں باقی رہ جائے گا اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کی ملکیت ختم نہیں ہوئی ہے۔ اور اسی طرح جب اس نے سکوت کے ساتھ گھر میں مصالحت کی ہے تب بھی شفعہ ثابت نہ ہوگا کیونکہ ممکن ہے صلح کرنے والے نے اپنی قسم کے فدیے اور اپنے مقابل میں رہنے والے کے شور شرابے کو ختم کرنے کے لئے پیسہ خرچ کیا ہو۔ یہ تو ایسے ہی ہو جائے گا جس طرح اس نے صراحت کے ساتھ انکار کر دیا ہے۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جب اقرار کے ساتھ گھر میں صلح کی ہو۔ کیونکہ اب وہ مدعی ملکیت کا اعتراف کرنے والا ہے۔ اور اس ملکیت کو اس نے بطور صلح حاصل کیا ہے تو یہ مالی تبادلے کی طرح ہو جائے گا مگر جب اس نے گھر پر اقرار یا سکوت یا انکار کے ساتھ صلح کر دی ہے تو ان تمام احوال میں اس کا شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے علم کے مطابق اپنے گھر کو حق کے بدلے میں لینے والا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ بدلہ اس کے حق کی جنس میں سے نہ ہو۔ تو اس کے علم کے مطابق فیصلہ کیا

جائے گا۔

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب مشتری نے شفیع کو کچھ دے کر مصالحت کر لی کہ شفعہ نہ کرے یہ صلح بھی باطل ہے کہ جو کچھ دینا قرار پایا ہے رشوت ہے اور اس صلح کی وجہ سے شفعہ بھی باطل ہو گیا۔ یوہیں اگر حق شفعہ کو مال کے بدلے میں بیع کیا یہ بیع بھی باطل ہے اور شفعہ بھی باطل ہو گیا ہے۔

اور جب شفیع نے مشتری سے یوں مصالحت کی نصف مکان مجھے اتنے میں دے دے یہ صلح صحیح ہے اور اگر یوں مصالحت کی کہ یہ کمرہ مجھے دے دے اس کے مقابل میں ثمن کا جو حصہ ہے وہ میں دوں گا تو صلح صحیح نہیں مگر شفعہ بھی ساقط نہ ہوگا۔ اور جب شفیع نے مشتری سے اس جائداد کا نرخ چکایا یا یہ کہا کہ میرے ہاتھ بیع تولیہ کر دیا اجارہ پر لیا یا مشتری سے کہا میرے پاس ودیعت رکھ دو یا میرے لیے ودیعت رکھ دو یا میرے لیے اس کی وصیت کر دو یا مجھے صدقہ کے طور پر دے دو ان سب صورتوں میں شفعہ کی تسلیم ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شفعہ، بیروت)

ہبہ میں شفعہ نہ ہونے کا بیان

ہبہ میں کوئی شفعہ نہیں ہے اسی دلیل کی بنیاد پر جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ ہاں البتہ جب ہبہ مشروط بدلے کے ساتھ کیا جاری ہوا ہے۔ کیونکہ یہ انجام کے اعتبار سے بیع ہے۔ اور قبضہ کا ہونا اور موہوب اور اس کے بدلے کا تقسیم ہونا لازم ہے کیونکہ یہ ابتدائی طور پر ہبہ جس طرح ہم کتاب ہبہ میں بیان کر آئے ہیں۔ یہ خلاف اس صورت کے کہ جب بدلہ عقد میں مشروط نہ کیا گیا ہو کیونکہ اب ہبہ اور عوض یہ دونوں مطلق طور پر ہبہ ہیں لیکن جب اس ہبہ کا بدلہ دے دیا جائے تو اب اس کی واپس ناممکن ہو جائے گی۔

اور جب ہبہ بشرط العوض میں بعد تقابضِ بدلین شفیع نے شفعہ کی تسلیم کی اس کے بعد اون دونوں نے یہ اقرار کیا کہ ہم نے اُس عوض کے مقابل میں بیع کی تھی اب شفیع کو شفعہ کا حق نہیں ہے اور اگر ہبہ بغیر عوض میں بعد تسلیم شفعہ اون دونوں نے ہبہ بشرط العوض یا بیع کا اقرار کیا تو شفعہ کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شفعہ، بیروت)

خیار شرط کے ساتھ خریدی گئی چیز میں شفعہ نہ ہونے کا بیان

اور جس شخص نے خیار شرط کے ساتھ کسی چیز کو بیچا ہے تو شفیع کے لئے شفعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ خیار شرط بائع کی ملکیت کو ختم کرنے والا نہیں ہے۔ اور جب بائع نے خیار کو ساقط کر دیا ہے تو اب شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ ملکیت کو ختم کرنے والا مانع نہ رہا ہے۔ اور قول صحیح کے مطابق خیار کے ساقط ہونے کے وقت طلب کرنا شرط ہے۔ کیونکہ بیع اسی وقت ملکیت کو ختم کرنے کا سبب بننے والی ہے

اور اگر بیع میں بائع نے اپنے لیے خیار شرط کیا ہو تو جب تک خیار ساقط نہ ہو شفعہ نہیں ہو سکتا کہ خیار ہوتے ہوئے مبیع ملکِ بائع سے خارج ہی نہ ہوئی شفعہ کیونکر ہو اور صحیح یہ ہے کہ شفعہ کی طلب خیار ساقط ہونے پر کی جائے اور اگر مشتری نے اپنے لیے خیار شرط کیا تو شفعہ ہو سکتا ہے کیونکہ مبیع ملکِ بائع سے خارج ہو گئی اور اندرون مدت خیار شفیع نے لے لیا تو بیع واجب ہو گئی اور شفیع کے لیے خیار شرط نہیں حاصل ہوگا۔

شرط خیار کے ساتھ خریدی گئی چیز میں شفعہ ہونے کا بیان

اور جب خریدار نے کسی چیز کو خیار شرط کے ساتھ خریدا ہے تو شفعہ ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ خیار بہ اتفاق بائع سے ملکیت کو ختم کرنے والا نہیں ہے۔ اور ملکیت ختم ہونے پر ہی شفعہ ثابت ہونے والا ہے۔ جس طرح گزر چکا ہے۔ اور جب شفیع تین دن کے اندر اندر شفعہ کرنے والا ہے تو بیع لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ اب خریدار واپسی سے قاصر ہو چکا ہے۔ جبکہ شفیع کو خیار نہ ملے گا۔ کیونکہ خیار شرط کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور وہ خریدار کے لئے تھا وہ شفیع کے لئے نہ تھا۔

اور جب مشفوعہ گھر کے برابر کسی مکان کی بیع ہوئی اور عاقدین میں سے کے لئے خیار بھی ہوا ہے تو اس کو شفعہ لینے کا اختیار ہو گا۔ اور وہ بائع کے لئے تو ظاہر ہے کیونکہ جس گھر کے سبب سے وہ شفعہ لے رہا ہے۔ اس میں اس کی ملکیت باقی ہے۔ اور اسی طرح جب خریدار کے لئے خیار ہو تو اس میں ایک اشکال ہے۔ جس کو ہم کتاب بیوع میں بیان کر کے آئے ہیں۔ پس اس کو دوبارہ یہاں نہیں بیان کریں گے۔

اور جب خریدار نے گھر لیا ہے تو یہ اس کی جانب سے بیع کی اجازت سمجھی جائے گی۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جب اس نے دیکھے بغیر مکان کو خریدا ہے تو اس کے ساتھ میں بیچے گئے مکان کو بطور شفعہ لینے کی وجہ سے مشتری کا خیار باطل نہ ہوگا کیونکہ خیار رؤیت کے ذریعے ابطال کی تصریح سے ختم کرنے والا نہیں ہے۔ تو وہ دلالت ابطال سے کس طرح باطل ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد جب پہلے مکان کا شفیع آ جائے تو اس کو پہلے مکان لینے کا اختیار ہوگا دوسرے کا اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ دوسرے کو بیچتے وقت پہلے مکان سے اس کی ملکیت ختم ہو چکی ہے گی۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب جائداد فروخت ہوئی اور شفیع نے شفعہ سے انکار کر دیا پھر مشتری نے خیار رؤیت یا خیار شرط کی وجہ سے واپس کر دی یا اس میں عیب نکلا اور حکم قاضی سے واپس ہوئی تو اس واپسی کو بیع قرار دے کر شفیع شفعہ نہیں کر سکتا کہ یہ واپسی فسخ ہے بیع نہیں ہے اور اگر عیب کی صورت میں بغیر حکم قاضی بائع نے خود واپس لے لی تو شفعہ ہو سکتا ہے کہ حق ثالث میں یہ بیع جدید ہے۔ یوہیں اگر بیع کا اقالہ ہوا تو شفعہ ہو سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب شفعہ، بیروت)

بیع فاسدہ والے مکان میں شفعہ نہ ہونے کا بیان

اور جب کسی شخص نے بیع فاسد کے طور پر کوئی مکان خریدا ہے تو بیع فاسدہ کے سبب اس میں شفعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ قبضے سے پہلے بائع کی ملکیت ختم نہیں ہوئی اور قبضے کے بعد فسخ کا احتمال رکھنے کی وجہ سے اور فساد کو دور کرنے کی وجہ سے شرعی حکم کے مطابق فسخ کا حق ثابت ہو جائے گا۔ جبکہ حق شفعہ کو ثابت کرنے کی وجہ سے فساد پکا ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ درست نہیں ہے۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جب بیع صحیحہ میں مشتری کے لئے اختیار ہو کیونکہ ایسی بیع میں مشتری تصرف کے ساتھ خاص ہے جبکہ بیع فاسدہ میں مشتری کو تصرف سے روک دیا جاتا ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب بیع فاسد میں اُس وقت شفعہ ہوگا جب بائع کا حق منقطع ہو جائے یعنی اُسے

واپس لینے کا حق نہ رہے مثلاً اس جائداد میں مشتری نے کوئی تصرف کرلیا نئی عمارت بنائی اب شفعہ ہوسکتا ہے اور ہبہ بشرط العوض میں اُس وقت شفعہ ہوسکتا ہے جب تقابض بدلین ہو جائے یعنی اس نے اس کی چیز اور اس نے اس کی چیز پر قبضہ کرلیا اور فقط ایک نے قبضہ کیا ہو دوسرے نے قبضہ نہیں کیا ہو تو شفعہ نہیں ہوسکتا اور فرض کرو ایک نے ہی قبضہ کیا اور شفیع نے شفعہ کی تسلیم کردی تو دوسرے کے قبضہ کے بعد شفعہ کرسکتا ہے کہ وہ پہلی تسلیم صحیح نہیں کہ قبل از وقت ہے۔ (درمختار، کتاب شفعہ، بیروت)

اور جب بیع فاسد کے ذریعہ سے ایک مکان خریدا اس کے بعد اس مکان کے پہلو میں دوسرا مکان فروخت ہوا اگر وہ مکان اول ابھی تک بائع ہی کے قبضہ میں ہے تو بائع شفعہ کرسکتا ہے کیوں کہ بیع فاسد سے بائع کی مِلک زائل نہیں ہوئی اور اگر مشتری کو قبضہ دے دیا ہے تو مشتری شفعہ کرسکتا ہے کہ اب یہ مالک ہے اور اگر بائع کا قبضہ تھا اور اس نے شفعہ کا دعویٰ کیا تھا اور قبل فیصلہ مشتری کو قبضہ دے دیا شفعہ باطل ہوگیا اور فیصلہ کے بعد مشتری کے قبضہ میں دیا تو جائداد مشفوعہ پر اس کا کچھ اثر نہیں اور اگر مشتری کا قبضہ تھا اور مشتری نے شفعہ کا دعویٰ بھی کیا تھا اور قبل فیصلہ بائع نے مشتری سے واپس لے لیا تو مشتری کا دعویٰ باطل ہوگیا اور بعد فیصلہ بائع نے واپس لیا تو اس کا کچھ اثر نہیں یعنی مشتری اس مکان کا مالک ہے جس کو بذریعہ شفعہ حاصل کیا ہے۔

حق فسخ کے سقوط کے سبب سے ثبوتِ شفعہ کا فقہی بیان

اور جب فسخ کرنے کا حق ساقط ہو جائے تو مانع ختم ہو جانے کی وجہ سے شفعہ کا حق ثابت ہو جائے گا۔ اور جب اس مکان کے برابر کوئی مکان فروخت ہوا ہے اور وہ مکان ابھی تک بائع کے قبضہ میں ہو تو ملکیت کی بقاء کے سبب بائع کو شفعہ مل جائے گا۔ اور جب بائع نے پہلا مکان مشتری کے سپرد کردیا ہے تو اب بھی مشتری دوسرے مکان کا شفیع بن جائے گا۔ کیونکہ ملکیت اسی کی ہے اور اس کے بعد جب بائع نے اپنے شفعہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے گھر مشتری کے حوالے کردیا ہے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ جس طرح کہ جب اس نے گھر کو بیچ دیا ہے۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جب بائع شفعہ کا فیصلہ ہونے کے بعد مکان کو حوالے کیا ہے۔ کیونکہ شفعہ کے فیصلہ کے بعد وہی جگہ جس کے سب اس کو شفعہ مل رہا ہے اس کا بائع کی ملکیت میں باقی رہنا لازم نہیں ہے۔ تو شفعہ میں لیا گیا مکان اس کی ملکیت میں باقی رہ جائے گا۔

اور جب شفعہ کے فیصلہ سے پہلے بائع نے مشتری سے اپنا مکان واپس لے لیا ہے تو مشتری کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ شفعہ کے فیصلے سے قبل وہ جس مکان کا شفیع بن رہا تھا اس میں تو اسکی ملکیت ختم ہو چکی ہے۔ اور جب بائع نے شفعہ کے فیصلہ کے بعد مکان کو واپس لیا ہے تو دوسرا مکان حسب عرف ملکیت میں باقی رہ جائے گا اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

جب مانع زائل ہو جائے تو ممنوع واپس لوٹ آتا ہے قاعدہ فقہیہ

اذا زال المانع عاد الممنوع ۔(الاشباہ)

جب مانع زائل ہو جائے تو ممنوع واپس لوٹ آتا ہے۔ اس قاعدہ کی توضیح یہ ہے کہ جب کسی حکم کا مانع زائل ہو جائے یعنی جس کی وجہ سے وہ حکم ممنوع لگایا گیا تھا وہ وجہ ختم ہو جائے تو اس وجہ کے ختم ہوتے ہی ممنوع واپس لوٹ آئے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ

ایک شخص نے کسی وقوعہ کا آنکھوں بھرا مشاہدہ کیا اس کے بعد اس واقعہ کو عدالت میں پیش کیا گیا اور جب اس مشاہدہ کرنے والے گواہ کو عدالت نے طلب کیا تو وہ اس وقت نابینا ہو چکا تھا، اس پر عدالت نے اس کی گواہی کو کالعدم قرار دیتے ہوئے کہا کہ نابینا شخص کی گواہی قابل قبول نہیں۔ اور اس کا نابینا ہونا ہی فیصلے اور شہادت کے اندر مانع دخل پیدا ہو گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ نابینا تندرست ہو گیا اور اسکی نظر ٹھیک ہو گئی تو عدالت اسکی شہادت کو قبول کرے گی اور اسکی گواہی اسی طرح کارگر ثابت ہو گی جس طرح گواہوں کی گواہی کا حکم ہوتا ہے۔ لہٰذا اسکی اہلیت شہادت کا حکم جس نابینا پن ہونے کی وجہ سے مانع تھا اس مانع کے ختم ہوتے ہی حکم ممنوع واپس لوٹ آئے گا اور وہ نابینا شخص گواہی کے قابل سمجھا جائے گا۔

اس قاعدہ کا ثبوت یہ حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اناج کو خریدے تو وہ اس اناج کو وزن کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔ (صحیح مسلم ج ۲، ص ۵ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مبیع پر قبضہ سے پہلے اور حتی کہ اسکی مقدار یا اس کا وزن کرنے پہلے اسکی بیع سے منع کر دیا گیا اور اس کا مانع عدم قبضہ ہے اور جیسے ہی اس کا مانع ختم ہو گا ویسے ہی مشتری کی دوسرے کے ہاں بیع کی اباحت کا حکم لوٹ آئے گا کیونکہ اصل تو اباحت تھی۔

بَاب طَلَبِ الشُّفْعَةِ

یہ باب طلب شفعہ کے بیان میں ہے

2500- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْبَيْلَمَانِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّفْعَةُ كَحَلِّ الْعِقَالِ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "شفعہ رسی کھولنے کی مانند ہے"۔

شرح

یعنی جیسے اونٹ کے گھٹنے کی رسی کھول دی جائے تو اونٹ فوراً اٹھ کھڑا ہوتا ہے اسی طرح بیع کی خبر ہوتے ہی اگر شفیع شفعہ لے تو ٹھیک ہے، اور اگر دیر کرے تو شفعہ کا حق باطل ہو گیا، یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے جن کے نزدیک شفیع کو جب بیع کی خبر پہنچے تو فوراً اس کو طلب کرنا چاہئے، فقہ حنفی میں ہے کہ مجلس علم میں شفعہ طلب کرنا کافی ہے، اگرچہ مجلس دیر تک رہے، پس احناف کے نزدیک اگر شفیع فوراً یا اس مجلس میں شفعہ کا مطالبہ نہ کرے تو اس کا حق باطل ہو جاتا ہے۔

2501- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْبَيْلَمَانِيِّ عَنْ

2500: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2501: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا شُفْعَةَ لِشَرِيْكٍ عَلٰى شَرِيْكٍ اِذَا سَبَقَهٗ بِالشِّرَآءِ وَلَا لِصَغِيْرٍ وَّلَا لِغَائِبٍ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جب شراکت داروں میں سے کوئی ایک شخص پہلے خرید لے تو اب کسی دوسرے شراکت دار کو اپنے شراکت دار کے خلاف شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوگا' اسی طرح نابالغ اور غیر موجود شخص کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوگا''۔

شفیع کو علم ہونے پر مجلس میں گواہ بنانے کا بیان

جب شفیع کو بیع کو علم ہوا تو وہ اسی مجلس میں اپنی طلب پر گواہ بنائے۔ یادر ہے طلب کی تین اقسام ہیں۔ (۱) طلب مواثبت یہ وہ ہے۔ کہ شفیع جانتے ہی شفعہ کا مطالبہ کر دے۔ یہاں تک کہ جب شفیع کو بیع کا پتہ چلا اور اس نے شفعہ طلب نہ کیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور حدیث مبارکہ ہے کہ شفعہ اس کے لئے ہے جس نے اس کو طلب کیا ہے۔

اور جب شفیع نے کسی کو خط کے ذریعے خبر دی ہے اور اس نے شفعہ کا تذکرہ خط کے شروع اور درمیان میں کیا اور اس کے بعد شفیع نے خط کو آخر تک پڑھ لیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اکثر مشائخ فقہاء کا مذہب یہی ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ جب شفیع کے لئے مجلس علم ثابت ہے اور یہ دونوں نوادر کی روایات ہیں اور امام کرخی علیہ الرحمہ نے دوسری روایت کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ جب شفیع کے لئے مالک بننے میں اختیار ثابت ہو چکا ہے تو اس کے لئے غور وفکر کا موقع بھی ملنا چاہیے۔ جس طرح اختیار دی گئی عورت کا مسئلہ ہے۔ (ہدایہ، کتاب شفعہ، لاہور)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جائداد کی بیع کا علم کبھی تو خود مشتری ہی سے ہوتا ہے کہ اس نے خود اسے خبر دی اور کبھی مشتری کے قاصد کے ذریعہ سے ہوتا ہے کہ اس نے کسی کی معرفت اس کے پاس کہلا بھیجا اور کبھی کسی اجنبی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اس صورت میں یہ ضرور ہے کہ وہ مخبر عادل ہو یا خبر دہندہ میں عدد شہادت پایا جائے یعنی دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ خبر دینے والا ایک ہی شخص ہے اور وہ بھی فاسق ہے مگر شفیع نے اس خبر میں اس کی تصدیق کر لی تو بیع کا علم ہو گیا یعنی اگر طلب مواثبہ نہ کریگا شفعہ باطل ہو جائے گا اور اگر اس کی تکذیب کی۔ تو شفیع کے نزدیک بیع کا ثبوت نہ ہوا یعنی طلب نہ کرنے پر حق شفعہ باطل نہ ہوگا اگرچہ واقع میں اُس کی خبر صحیح ہو۔ (درمختار، کتاب شفعہ، بیروت)

طلب مواثبہ میں ادنیٰ تاخیر بھی شفعہ کو باطل کر دیتی ہے مثلاً کسی خط کے ذریعہ سے اسے بیع کی خبر دی گئی اور اس خط میں بیع کا ذکر مقدم ہے اور اس کے بعد دوسرے مضامین ہیں یا بیع کا ذکر درمیان میں ہے اس نے پورا خط پڑھ کر طلب مواثبت کی شفعہ باطل ہو گیا کہ اتنی تاخیر بھی یہاں نہ ہونی چاہیے۔

حد بندی کے بعد سقوط شفعہ کا بیان

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب زمین تقسیم ہوگئی اور حد بندی کردی گئی تو اب اس میں شفعہ نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: رقم الحدیث، 122)

بیع کی خبر ملتے ہی شفیع کا الحمد للہ کہنے کا بیان

اور جب کسی شخص کو بیع ہونے کا پتہ چلا اور شفیع نے الحمد للہ کہہ دیا ہے یا اس نے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" یا سُبْحَانَ اللّٰهِ " کہا ہے تو ان احوال میں شفعہ باطل نہ ہوگا کیونکہ پہلا کلمہ بائع کی ہمسائیگی سے جان چھڑوانے پر شکر ہے۔ اور دوسرا کلمہ یہ شفیع کی طرف سے بائع کے قصد اضرار پر تعجب ہے۔ اور تیسرا کلمہ اپنے کلام کو شروع کرنے کے لئے ہے۔ پس ان میں سے کوئی کلمہ بھی اعراض کی خبر دینے والا نہیں ہے کیونکہ جب شفیع نے پوچھا ہے کہ وہ گھر کس نے خریدا ہے یا وہ کتنے سیل ہو گیا ہے؟ کیونکہ اس میں شفیع ایک قیمت کے سبب سے دلچسپی لینے والا ہے جبکہ دوسری کے ذریعے نہیں ہے۔ اور اسی طرح وہ بعض مجاورات اور اس کی ہمسائیگی سے اعراض کرنے والا ہے اور بعض سے اعراض کرنے والا نہیں ہے۔

اور ماتن کے قول اشهد سے مراد طلب مواثبت ہے۔ اور طلب مواثبت گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ شہادت انکار کی نفی کے سبب دلوائی جاتی ہے۔ اور امام قدوری علیہ الرحمہ نے مجلس کی قید بیان کی ہے یہ امام کرخی علیہ الرحمہ کی روایت کو اختیار کرنے کی جانب اشارہ ہے۔

اور جب خطبہ ہو رہا ہے اور اس کو بیع کی خبر دی گئی اور نماز کے بعد اس نے طلب مواثبت کی اگر ایسی جگہ ہے کہ خطبہ سن رہا ہے تو شفعہ باطل نہیں ہوا اور اگر خطبہ کی آواز اس کو نہیں پہنچتی تو شفعہ باطل ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ نفل نماز پڑھنے میں اسے خبر ملی اسے چاہیے کہ دو رکعت پر سلام پھیر دے اور طلب مواثبت کرے اور چار پوری کر لی یعنی دو رکعتیں اور ملائیں تو باطل ہو گیا اور قبل ظہر یا بعد ظہر کی سنتیں پڑھ رہا تھا اور چار پوری کر کے طلب کیا تو باطل نہ ہوا۔ (فتاوی شامی، کتاب شفعہ، بیروت)

اور جب بیع کی خبر سن کر سُبْحَانَ اللّٰهِ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یا اَللّٰهُ اَکْبَر یا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہا تو شفعہ باطل نہ ہوا کہ ان الفاظ کا کہنا اعراض کی دلیل نہیں بلکہ خدا کا شکر کرتا ہے کہ اس کے پڑوس سے نجات ملی یا تعجب کرتا ہے کہ اس نے ضرر پہنچانے کا ارادہ کیا تھا اور نتیجہ یہ ہوا۔ اور اسی طرح اگر اس کے پاس کے کسی شخص کو چھینک آئی اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا اس نے اس کا جواب دیا شفعہ باطل نہ ہوا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب شفعہ، بیروت)

طلب شفعہ کے مفہوم والے لفظ سے ثبوت کا بیان

اور طلب کرنا ہر ایسے لفظ کے ساتھ درست ہے۔ جس سے طلب شفعہ کا مفہوم سمجھا جائے۔ جس طرح اس نے ایسے کہا ہے کہ میں شفعہ کو طلب کرتا ہوں یا میں اس کو طلب کر رہا ہوں۔ یا میں اس کو طلب کرنے والا ہوں کیونکہ اس کے معانی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور جب شفیع کو گھر بیچنے کا پتہ چلا تو اس پر اشہاد کا وجوب نہ ہوگا حتی کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کو دو مرد یا ایک مرد

اور عورتوں نے یا ایک عدل کرنے والے بندے نے بتایا ہو۔

صاحبین نے کہا ہے کہ ایک آدمی کی خبر کے بعد شفیع پر اشہاد واجب ہے اگر وہ ایک آزاد ہے یا بچہ ہے غلام ہے یا عورت ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے اس کی خبر سچی ہو۔ اور اصل اختلاف وکیل کے عزل میں ہے جس کو دلائل کے ساتھ اور اس کی امثلہ کے ساتھ پہلے ہم بیان کر آئے ہیں۔

اور یہی صورت مسئلہ مخیرہ کے خلاف ہے کہ جب اس کو خبر دی جائے۔ امام صاحب اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں حکم کا لزوم نہیں ہے۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ جب خریدار خود شفیع کو بتادے۔ کیونکہ خریدار حق شفعہ میں شفیع کے مقابلے کا بندہ ہے۔ اور خصوم میں عدالت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

اور جب بیع کی خبر ملنے پر اس نے دریافت کیا کہ کس نے خریدا یا کتنے میں خریدا یہ پوچھنا تاخیر میں شمار نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ثمن اتنا ہو جو اس کے نزدیک مناسب ہے تو شفعہ کرے اور زیادہ ثمن ہے تو اسے اُتنے داموں میں لینا منظور نہیں۔ اور اسی طرح اگر مشتری کوئی نیک شخص ہے اُس کا پڑوس ناگوار نہیں ہے تو شفعہ کی کیا ضرورت اور ایسا شخص مشتری ہے جس کا قرب منظور نہیں ہے تو شفعہ کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا یہ پوچھنا شفعہ سے اعراض کی دلیل نہیں۔

اور جب شفیع نے مشتری کو سلام کیا شفعہ باطل نہیں ہوا اور کسی دوسرے کو سلام کیا تو باطل ہو گیا مثلاً مشتری کا بیٹا بھی وہیں کھڑا تھا اس لڑکے کو سلام کیا باطل ہو گیا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شفعہ، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلب مواثبہ کے لیے کوئی لفظ مخصوص نہیں جس لفظ سے بھی اس کا طالب شفعہ ہونا سمجھ میں آتا ہو وہ کافی ہے۔ (درمختار، کتاب شفعہ، بیروت)

طلب شفعہ کی قسم ثانی کا بیان

اور طلب شفعہ کی دوسری قسم تقریر و اشہاد ہے۔ کیونکہ شفیع قاضی کے پاس اپنی طلب کو ثابت کرنے کے لئے اشہاد کا ضرورت مند ہے۔ جس طرح ہم بیان کر آئے۔ اگر چہ ظاہری طور پر شفیع کے لئے طلب مواثبت پر اشہاد ناممکن ہے کیونکہ طلب مواثبت بیچنے کا علم آجانے کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ لیکن طلب مواثبت کے بعد شفیع کا اشہاد اور تقریر کی ضرورت ہوگی۔ جس کی وضاحت امام قدوری علیہ الرحمہ بیان کر دیں گے۔

اس کے بعد شفیع مجلس سے اٹھ کر بائع کے پاس گواہ بنائے اور جب مبیع اس کے قبضہ میں ہے۔ یعنی اس نے ابھی تک اس کے سپرد نہ کی ہو تو وہ خریدار یا زمین کے پاس گواہ بنائے اور جب شفیع اس طرح کرے گا تو اب اس کا شفعہ پکا بن جائے گا۔ اور یہ اشہاد اس لئے بھی لازم ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک حق شفعہ میں شفیع کا خصم ہے۔ اس لئے کہ پہلے قبضہ بائع کا تھا اور ملکیت دوسرے خریدار کی ہے۔ اور ایسے ہی مبیع کے پاس اشہاد درست ہے کیونکہ مبیع کے ساتھ حق کا تعلق ہے۔ اور اس کے بعد جب بائع نے مشتری کے سپرد کر دی ہے تو اب بائع کے پاس اشہاد درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اب وہ خصم نہیں رہا ہے۔ کیونکہ نہ قبضہ ہے اور نہ ہی ملکیت رہی تو بائع اجنبی کی طرح ہو جائے گا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور بائع کے پاس طلب اشہاد کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ جائداد بائع کے قبضہ میں ہو یعنی اب تک بائع نے مشتری کے قبضہ میں نہ دی ہو اور مشتری کا قبضہ ہو چکا ہو تو بائع کے پاس طلب اشہاد نہیں ہو سکتی اور مشتری کے پاس بہر صورت طلب اشہاد ہو سکتی ہے چاہے وہ جائداد بائع کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے قبضہ میں ہو اسی طرح جائداد مبیعہ کے سامنے بھی مطلقاً طلب اشہاد ہو سکتی ہے۔

اور طلب اشہاد میں جائداد کے حدود اربعہ بھی ذکر کر دے تو بہتر ہے تاکہ اختلاف سے بچ جائے۔ اور جو شخص باوجود قدرت طلب اشہاد نہ کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا مثلاً بغیر طلب اشہاد قاضی کے پاس دعویٰ کر دیا شفعہ باطل ہو گیا۔ طلب اشہاد قاصد اور خط کے ذریعہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ (درمختار، کتاب شفعہ، بیروت،)

طلب اشہاد کی کیفیت کا بیان

اور اس طلب کی صورت یہ ہے کہ شفیع اس طرح کہے گا کہ میں فلاں آدمی کے اس گھر کو خرید لیا ہے اور میں ہی اس کا شفیع ہوں اور میں شفعہ کو طلب کرنے والا ہوں۔ اور اب بھی شفعہ طلب کر رہا ہوں۔ پس تم اس پر گواہ ہو جاؤ۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ مبیع کو بیان کرنا اور اس کی حد بندی کو بیان کرنا شرط ہے۔ کیونکہ مطالبہ صرف معلوم چیزوں میں درست ہے اور طلب کی تیسری قسم طلب خصومت اور تملک ہے عنقریب ہم ان شاء اللہ اس کو بیان کریں گے۔

طلب اشہاد کی مختلف صورتوں کا بیان

طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ شفیع جب مشتری کے پاس آئے تو کہے میں تجھ سے اس مکان کا شفعہ طلب کرتا ہوں جو تو نے فلاں شخص سے خریدا ہے۔ اور جس کی حدود میں سے ایک یہ ہے دوسری یہ اور تیسری یہ، اور چوتھی یہ ہے (اس کے قول) اور ضروری ہے کہ وہ بیان کرے کہ میں شرکت کی بناء پر شفیع ہوں یا پڑوس کی بنا پر شفیع ہوں یا حقوق میں شرکت کی بناء پر شفیع ہوں، اور حدود کو بیان کرے تاکہ مکان متعین ہو جائے۔ (فتاویٰ قاضی خاں، کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب)

اور طلب مواثبہ کے بعد طلب اشہاد کا مرتبہ ہے جس کو طلب تقریر بھی کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ بائع یا مشتری یا اس جائداد مبیعہ کے پاس جا کر گواہوں کے سامنے یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ جائداد خریدی ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور اس سے پہلے میں طلب شفعہ کر چکا ہوں اور اب پھر طلب کرتا ہوں تم لوگ اس کے گواہ رہو۔

اور یہ اُس وقت ہے کہ جائداد مبیعہ کے پاس طلب اشہاد کرے اور اگر مشتری کے پاس کرے تو یہ کہے کہ اس نے فلاں جائداد خریدی ہے اور میں فلاں جائداد کے ذریعہ سے اُس کا شفیع ہوں اور بائع کے پاس یوں کہے کہ اس نے فلاں جائداد فروخت کی ہے اور میں فلاں جائداد کی وجہ سے اس کا شفیع ہوں۔ (نتائج الافکار، کتاب شفعہ، بیروت)

طلب اشہاد یہ ہے کہ طلب مواثبت یعنی پہلی طلب پر گواہ بنائے تاکہ فوری طور پر طلب کا وجوب پختہ ہو جائے جبکہ صحت طلب

کے لئے اس وقت گواہ بنانا شرط نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ مخالف فریق جب انکار کرے تو یہ اپنے حق شفعہ کو مضبوط بنا سکے طلب مواثبت کے بعد طلب اشہاد کی ضرورت تب ہوگی جب طلب مواثبت پر وہ گواہ نہ بنا سکے، مثلاً یوں کہ شفیع نے خریداری کی خبر مشتری بائع اور مبیع مکان سے غائب ہونے پر سنی لیکن جب ان کی موجودگی میں سنی ہو اور اس وقت گواہ بھی اس طلب پر قائم کر لئے ہوں تو اسے کافی ہے اور یہ عمل دو طلب کے قائم مقام ہوگا خزانۃ المفتین میں اسی طرح ہے (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الشفعۃ)

طلب کو مؤخر کرنے کے سبب شفعہ کے ساقط نہ ہونے کا بیان

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک طلب کو مؤخر کر دینے کے سبب شفعہ باطل نہ ہوگا۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے جب شفیع نے اشہاد کے بعد ایک ماہ تک چھوڑ رکھا ہے تو وہ شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور امام زفر علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اس نے بغیر کسی خصومت کے چھوڑ دیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ جب شفیع نے قاضی کے مجالس میں سے کسی ایک مجلس میں مخاصمہ کو چھوڑ دیا ہے تب بھی اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ جب قاضی کی مجالس میں سے کوئی مجلس گزر چکی ہے اور اس نے اپنے اختیار کے ہوتے مخاصمت نہیں کی ہے تو اس کا اس طرح کا عمل اس کے اعراض اور حوالے کر دینے کے لئے قرائنی دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جب طلب خصومت میں تاخیر کے سبب کبھی بھی شفعہ ساقط نہ کیا جائے تو اس کے سبب سے خریدار کو نقصان ہوگا کیونکہ شفیع کی جانب کو توڑنے کے اندیشہ کے سبب خریدار کوئی تصرف نہ کر سکے گا۔ پس ہم نے اس کو ایک ماہ کے لئے مقرر کر دیا ہے کیونکہ تاخیر کی یہی مدت ہے پس اس سے کم نہ ہوگی۔ جس طرح کتاب ایمان میں گزر گیا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ جب حق ثابت ہو کر پکا ہو جائے تو وہ صاحب کے ساقط کرنے کے سوا ساقط نہ ہوگا۔ اور وہ اپنی زبان سے صراحت کے ساتھ بیان کرنا ہے۔ جس طرح تمام حقوق میں ہے۔ اور نقصان کی صورت بیان کی گئی ہے یہ شفیع کی عدم موجودگی کے سبب مشکل ہو جائے گی۔ اور خریدار کے حق میں سفر و حضر میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اور جب یہ پتہ چل جائے کہ شہر میں کوئی قاضی نہیں ہے تو اب مؤخر ہونے کے باوجود شفعہ باطل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی طاقت قاضی کے پاس تھی اور اب یہ عذر بن چکا ہے۔

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور ان دونوں طلبوں کے بعد طلب تملیک ہے یعنی اب قاضی کے پاس جا کر یہ کہے کہ فلاں شخص نے فلاں جائداد خریدی ہے اور فلاں جائداد کے ذریعہ سے میں اُس کا شفیع ہوں وہ جائداد مجھے دِلا دی جائے۔ طلب تملیک میں تاخیر ہونے سے شفعہ باطل ہوتا ہے یا نہیں، ظاہر الروایہ یہ ہے کہ باطل نہیں ہوتا اور ہدایہ وغیرہا میں تصریح ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بلا عذر ایک ماہ کی تاخیر سے باطل ہو جاتا ہے۔

بعض کتابوں میں اس پر فتویٰ ہونے کی تصریح ہے اور نظر بحال زمانہ اس قول کو اختیار کرنا قرین مصلحت ہے کیونکہ اگر اس کے

لیے کوئی میعاد نہ ہوگی تو خوف شفعہ کی وجہ سے مشتری نہ اُس زمین میں کوئی تعمیر کر سکے گا نہ درخت نصب کر سکے گا اور یہ مشتری کا ضرر ہے۔ (فتاویٰ شامی، کتاب شفعہ، بیروت)

اور جوار کی وجہ سے شفعہ کا حق ہے اور قاضی کا مذہب یہ ہے کہ جوار کی وجہ سے شفعہ نہیں ہے شفیع نے دعویٰ اس وجہ سے نہیں کیا کہ قاضی میرے خلاف فیصلہ کردے گا اس انتظار میں ہے کہ دوسرا قاضی آئے تو دعویٰ کروں اس صورت میں بالاتفاق اُس کا حق باطل نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شفعہ، بیروت)

سال تک شفعہ نہ کرنے کا بیان

امام جلیل خصاف حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مشتری نے کہا میں نے یہ دار ایک سال سے خرید رکھا ہے اور شفیع کو میری خریداری کا علم ہوا اور طلب نہ کی، تو اس سے سوال کریں تو اگر قاضی مدعی شفعہ سے سوال کرے کہ اس دار کی خریداری کب ہوئی، تو شفیع نے اگر کہا میں نے علم ہوتے ہی طلب کی تو قاضی اس کی اس قدر بات کو کافی قرار دے گا کیونکہ شفیع کو یہ ممکن نہیں کہ وہ یوں کہے کہ مشتری نے سال سے خرید رکھا ہے وہ طلب کے اثبات کا محتاج بنے، لہٰذا اس بیان سے احتراز کرتے ہوئے طلب شفعہ کو ذکر کیا ہے۔ تو اگر مشتری اس کو کہے کہ تو نے علم کے وقت طلب کیا تھا تو شفیع کی بات معتبر ہوگی کیونکہ اس حالت میں طلب اور علم اکٹھے قاضی پر ظاہر ہوئے، اس کے برخلاف اگر شفیع یوں کہے کہ میں نے اتنی مدت سے جانا اور طلب کی اور مشتری طلب کا انکار کردے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ قاضی پر اس وقت کی طلب ظاہر نہ ہوئی تو اثبات کا محتاج ہوگا۔ اور اس کی نظیر باکرہ لڑکی کا نکاح ہے۔ اس کو علامہ شرنبلالی نے تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد میں نقل فرمایا ہے۔ (شرح ادب القاضی از امام خصاف)

خریدار کا دعویٰ علم کرنے کے باوجود شفیع کے معتبر ہونے کا بیان

امام فقیہ النفس حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر مشتری کہے کہ میں نے یہ دار سال سے خرید کر رکھا ہے جس کو وہ شفعہ کی بناء پر حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس مدعی شفعہ کو میری خریداری کا علم ہوا تو اس نے طلب نہ کی تو اس صورت میں قاضی مدعی سے کہے گا کہ یہ دار کب سے خریدا گیا تو مدعی نے اگر جواب میں کہا کہ میں نے علم کے وقت ہی طلب کی تھی تو مدعی کا یہ بیان صحیح ہوگا اور قاضی اس کو کافی قرار دے گا تو مشتری اگر کہے کہ تو نے علم کے وقت طلب نہ کی تو شفیع کی بات معتبر ہوگی، اور اگر شفیع نے یوں کہا کہ میں نے سال سے جانا اور طلب کی اور مشتری کہے تو نے اس وقت طلب نہ کی تو مشتری کا قول معتبر ہوگا، یہ معاملہ باکرہ لڑکی کے نکاح کی طرح ہے کہ اس کو نکاح کی خبر پہنچی تو اس نے نکاح کو رد کیا تو خاوند بیوی کا یہ اختلاف قاضی کے سامنے پیش ہو تو خاوند کہے اس کو جب نکاح کی خبر پہنچی تو یہ خاموش رہی اور عورت کہے میں نے علم ہوتے ہی رد کردیا تھا تو عورت کی بات معتبر ہوگی اور اگر عورت کہے کہ مجھے فلاں روز علم ہوا اور میں نے رد کردیا تھا تو عورت کی بات معتبر نہ ہوگی (یہاں تک فرمایا) اور اگر شفیع کو کہا گیا تو نے کب معلوم کیا تو اس نے کہا گزشتہ روز یا آج ایک گھنٹہ قبل تو شفیع کی بات بغیر گواہی قبول نہ ہوگی۔

(فتاویٰ قاضی خان، کتاب الشفعہ، بیروت)

قاضی کے پاس دعویٰ کے ذریعے طلب شفعہ کا بیان

اور جب شفیع قاضی کے پاس جا کر خریداری کا دعویٰ کر کے شفعہ طلب کرے۔ تو قاضی مدعی علیہ سے دریافت کرے پس جب مشتری شفیع کو اس کی ملکیت قرار دیتا ہے جس کے ذریعے وہ دعویٰ کر رہا ہے۔ تو ٹھیک ہے ورنہ قاضی اس کو گواہی پیش کرنے کا حکم دے گا۔ کیونکہ قبضہ ایک ظاہری چیز ہے اس میں کئی احتمال ہو سکتے ہیں۔ پس حق کو ثابت کرنے کے لئے محض قبضہ کافی نہ ہوگا۔

مصنف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قاضی مدعی علیہ خریدار کی جانب توجہ کیے بغیر شفیع مدعی سے گھر کا واقع ہونا اور اس کی حدود کے بارے میں پوچھے گا۔ کیونکہ وہ اسی گھر میں ایک حق کا دعویٰ کرنے والا ہے۔ لہٰذا یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح نے گھر کے رقبے کا دعویٰ کیا ہے اور شفیع ان ساری چیزوں کو بیان کر دیتا ہے تو اس کے بعد قاضی شفعہ کے بارے میں اس سے پوچھے کیونکہ شفعہ کے اسباب مختلف ہیں۔ جب شفیع نے یہ کہا کہ میرا گھر اس کے گھر سے متصل ہے جس کے سبب میں حق شفعہ رکھتا ہوں تو امام خصاف کے قول کے مطابق اس کا یہ دعویٰ مکمل ہو جائے گا۔ اور فتویٰ میں اس گھر کی حد بندی کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے سبب وہ شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اور ہم مسئلہ کو اپنی کتاب ''اَلتَّجْنِیس وَالْمَزِید'' میں بیان کر آئے ہیں۔

علامہ فخر الدین عثمان زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب شفیع نے قاضی کے ہاں آگے بڑھ کر خریداری کا دعویٰ کیا اور شفعہ طلب کیا اور دعویٰ کی شرائط میں کوتاہی نہ ہو، پھر قاضی مدعا علیہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے اس دار کے متعلق سوال کرے گا جس کی بناء پر شفیع شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے کہ کیا یہ شفیع کی ملکیت ہے یا نہیں اگر چہ وہ دار شفیع کے قبضہ میں ہو قبضہ کے باوجود سوال حالانکہ قبضہ ملکیت پر ہی ظاہرا دلالت کرتا ہے یہ اس لیے کہ ظاہر چیز استحقاق ثابت نہیں کرتی تو اس کی ملکیت کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل ضروری ہے لہٰذا قاضی مدعا علیہ سے مدعی کی ملکیت کا سوال کرے گا،

اگر مدعی علیہ اس کی ملکیت کا انکار کرے تو قاضی مدعی کو کہے گا کہ اپنی ملکیت پر گواہ پیش کر، تو اگر وہ گواہ لانے سے عاجز ہے او رمدعی علیہ سے اس پر قسم لینے کا مطالبہ کرنے تو قاضی مدعی علیہ سے یوں قسم لے کہ مدعی جس بناء پر شفعہ کر رہا ہے تو اس ذکر کردہ پر اس کی ملکیت کو جانتا ہے تو مدعی علیہ اگر قسم سے انکار کرے یا شفیع کے گواہ شہادت دے دیں یا خود مشتری اس کی ملکیت کا اقرار کر دے تو جس دار کی بناء پر شفعہ طلب کرتا ہے اس کی ملکیت شفیع کے لئے ثابت ہو جائے گی یوں شفعہ کا سبب ثابت ہو جائے گا اس کے بعد قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے سوال کرے کیا تو نے یہ دار خریدا ہے یا نہیں ہے۔ (تبیین الحقائق، کتاب الشفعۃ، بیروت)

اور شفیع کے دعویٰ کرنے پر قاضی اس سے چند سوالات کریگا۔ وہ جائداد کہاں ہے اور اُس کے حدود اربعہ کیا ہیں اور مشتری نے اس پر قبضہ کیا ہے یا نہیں اُس پر شفعہ کس جائداد کی وجہ سے کرتا ہے اور اس کے حدود کیا ہیں۔ اُس جائداد کے فروخت ہونے کا اس شفیع کو کب علم ہوا اور اس نے اس کے متعلق کیا کیا۔ پھر طلب تقریر کی یا نہیں۔ اور کن لوگوں کے سامنے طلب تقریر کی اور کس کے پاس طلب تقریر کی، وہ قریب تھا یا دور تھا۔ جب تمام سوالوں کے جوابات شفیع نے ایسے دے دیے جن سے دعویٰ پر برا اثر نہ پڑتا ہو تو اس کا دعویٰ مکمل ہو گیا اب مدعیٰ علیہ سے دریافت کریگا کہ شفیع جس جائداد کے ذریعہ سے شفعہ کرتا ہے اُس کا مالک ہے یا نہیں اگر اُس نے انکار کر دیا تو شفیع کو گواہوں کے ذریعہ سے اُس جائداد کا مالک ہونا ثابت کرنا ہوگا یا گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہ

پر حلف دیا جائے گا گواہ سے یا مدعیٰ علیہ کے حلف سے انکار کرنے سے جب شفیع کی ملک ثابت ہوگئی تو مدعیٰ علیہ سے دریافت کریگا کہ وہ جائداد جس پر شفعہ کا دعویٰ ہے اس نے خریدی ہے یا نہیں اگر اُس نے خریدنے سے انکار کر دیا تو شفیع کو گواہوں سے اُس کا خریدنا ثابت کرنا ہوگا اور اگر گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ اعلیہ پر پھر حلف پیش کیا جائے گا اگر حلف سے نکول کیا یا گواہوں سے خریدنا ثابت ہوگیا تو قاضی شفعہ کا فیصلہ کر دے گا۔ (فتاویٰ شامی، کتاب شفعہ، بیروت)

شفیع کی عدم شہادت پر خریدار سے قسم لینے کا بیان

اور جب شفیع گواہی کو پیش نہ کر سکے تو قاضی خریدار سے ان الفاظ کے ساتھ قسم لے گا کہ بہ خدا مجھے پتہ ہی نہیں کہ شفیع بیان کردہ چیز کا مالک ہے اور ان چیزوں میں سے جس کے سبب وہ دعویٰ کر رہا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ شفیع کے مطالبہ کے بعد ہے۔ کیونکہ اس نے خریدار پر ایک ایسی چیز کا دعویٰ کیا ہے کہ جب مشتری اس کا اقرار کرے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گی۔ اور یہ تو ایسی چیز پر حلف لینا ہے جو خریدار کے قبضہ میں نہیں ہے پس صرف علم پر قسم لی جائے گی۔

اور جب خریدار نے قسم دینے سے انکار کر دیا ہے یا شفیع کے حق میں گواہی ثابت ہو چکی ہے تو جس گھر کے سبب وہ شفیع بن رہا ہے۔ اس میں اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ اور ہمسائیگی بھی ثابت ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد قاضی خریدار سے دریافت کرے گا کہ اس نے یہ گھر خریدا ہے یا اس نے نہیں خریدا۔ اور جب خریدار نے خریدنے کا انکار کر دیا ہے تو شفیع سے شہادت لانے کا کہا جائے گا کیونکہ شفعہ بیع کے ثبوت کے بعد ثابت ہوا کرتا ہے۔ اور بیع حجت وشہادت سے ثابت ہوتی ہے۔

غائب شفیع کے لئے حق شفعہ باقی رہنے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہمسایہ اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے لہٰذا اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے جب کہ دونوں کے آنے جانے کا راستہ ایک ہی ہو۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے عبدالملک بن ابی سلیمان کی سند کے علاوہ نہیں جانتے۔ عبدالملک بن سلیمان اس حدیث کو عطاء سے اور وہ جابر سے نقل کرتے ہیں شعبہ نے اس حدیث کے سبب عبدالملک بن ابی سلیمان کے بارے میں کلام کیا ہے۔ لیکن وہ محدثین کے نزدیک ثقہ اور مامون ہیں شعبہ کے علاوہ کسی کے ان پر اعتراض کا ہمیں علم نہیں وکیع بھی شعبہ سے اور وہ عبدالملک سے ہی حدیث نقل کرتے ہیں ابن مبارک سے منقول ہے کہ سفیان ثوری کہتے تھے کہ عبدالملک بن سلیمان علم کے ترازو ہیں اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی غائب ہو تب بھی وہ اپنے شفعہ کا مستحق ہے لہٰذا وہ آنے کے بعد اسے طلب کر سکتا ہے اگرچہ طویل مدت ہی کیوں نہ گزر چکی ہو۔

(جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث، 1396)

قاضی کا خریدار سے قسم لینے کا بیان

اور جب شفیع گواہی کو پیش نہ کر سکے تو قاضی خریدار سے ان الفاظ میں قسم لے گا کہ بہ خدا اس نے نہیں خریدا یا بہ خدا اس گھر میں شفیع حقدار نہیں ہے۔ اور اسی طریقے کے مطابق جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ تو اسی قسم مقصود پر ہوگی۔ اور قسم اول سبب پر تھی۔ اور اس

کے متعلق ہم کتاب دعویٰ میں بڑی تفصیل کے ساتھ مسائل بیان کر آئے ہیں۔ اور اللہ کی توفیق کے ساتھ ہم وہاں اختلاف بھی بیان کر آئے ہیں۔ اور قاضی خریدار سے یقینی ہونے کی قسم اس لئے لے گا۔ کیونکہ یہ اس کے عمل پر اور جو چیز باعتبار اصل اس کے قبضہ میں ہے یہ اس پر قسم لینا ہے۔ اور مذکورہ احوال میں یقین کی قسم لی جاتی ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر شفیع نے شہادت کے بعد ایک ماہ تک بغیر کسی عذر کے تاخیر کی تو اس حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔ (المختصر القدوری ص ۹۶، مکتبہ حقانیہ ملتان)

اور اگر کسی عذر کی وجہ سے تاخیر ہوئی تو پھر حق شفعہ ساقط نہ ہوگا کیونکہ اس کے حق میں تفریط نہیں ہے۔

(جوہرہ نیرہ ج ۱ ص ۶۰۴، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

شفعہ میں منازعت کے جواز کا بیان

اور شفعہ میں منازعت جائز ہے خواہ شفیع قاضی کی مجلس میں قیمت لیکر نہ آیا ہو۔ مگر جس وقت قاضی شفعہ کا فیصلہ سنا دے گا تو شفیع پر قیمت لانا لازم ہو جائے گا۔ اور مبسوط کی ظاہر الروایت میں اسی طرح ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ قاضی شفیع کی قیمت آنے سے قبل فیصلہ نہ سنائے۔ اور حضرت امام حسن علیہ الرحمہ نے حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ کیونکہ ممکن شفیع غریب ہو پس قیمت پہنچنے تک فیصلہ روک دیا جائے گا۔ تاکہ خریدار کا مال ہلاک نہ ہو۔ اور ظاہر الروایہ کی دلیل یہ ہے کہ فیصلے سے پہلے خریدار کے لئے شفیع پر کوئی قیمت لازم نہیں ہے اور اسی سبب سے قیمت کو حوالے کرنا شرط نہیں ہے پس اس کا حاضر کرنا بھی شرط نہ ہوگا۔

اور جب شفیع کے لئے مکان کا فیصلہ کر دیا گیا ہے تو قیمت وصول کرنے سے پہلے خریدار کے لئے مکان سے روکنے کا اختیار ہو گا۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ اجتہاد شدہ ہے اور شفیع پر قیمت واجب ہو چکی ہے۔ پس قیمت کے بارے میں مبیع کو روک لیا جائے گا۔ اور اگر شفیع قیمت کی ادائیگی میں دیر کرتا ہے۔ حالانکہ قاضی نے اس کو خریدار کے حوالے کرنے کے لئے قیمت کا کہہ دیا ہے تب بھی شفعہ باطل نہ ہوگا۔ کیونکہ قاضی کی مجلس میں مخاصمت کے بعد شفعہ پکا ہو جاتا ہے۔

اس کو گواہی کا پابند کیا جائے گا اور اس کی بات قبول نہ ہوگی کیونکہ اس نے طلب کو ماضی کی طرف منسوب کیا ہے تو ایسی بات کو حکایت کیا جس کو فی الحال نافذ کرنے پر قادر نہیں، اور جو شخص ایسی بات کی حکایت کرے جس کو وہ فی الحال ابتداء نافذ کرنے کا مالک نہ ہو تو اس حکایت میں اس کی تصدیق بغیر گواہی نہ ہوگی، اور شفیع جب طلب کو ماضی کی طرف منسوب نہ کرے گا بلکہ کلام کو مطلقاً ذکر کرے تو یہ ایسی بات کی حکایت ہوگی جس کو ابتداء نافذ کرنے کا فی الحال مالک ہے کیونکہ ہم اس کو یوں سمجھیں گے کہ ابھی اس کو خریداری کا علم ہوا ہے اور ابھی شفعہ طلب کیا ہے اس لئے شفیع کی بات معتبر ہوگی، عمادیہ وغیرہ میں یوں ہے۔

(الدر الحکام شرح غرر الاحکام، کتاب الشفعۃ، میر محمد کتب خانہ کراچی)

اَبْوَابُ اللُّقْطَةِ

یہ ابواب لقطہ کے بیان میں ہے

لقطہ کے معنی ومفہوم کا بیان

لفظ لقطہ کا مصدر لقط ہے جس کے معنی چن لینا، زمین پر سے اٹھالینا، سینا، رفو کرنا، انتخاب کرنا، چونچ سے اٹھانا ہے۔ اسی سے لفظ ملاقطہ اور التقاط ہیں۔ جن کے معانی برابر ہونا ہیں۔ اور تلقط اور التقاط کے معنی ادھر ادھر سے جمع کرنا چننا ہیں۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ جن کی تشریحات اپنے اپنے مقامات پر ہوں گی۔

لقطہ لام کے پیش اور قاف کے زیر کے ساتھ یعنی لقطہ بھی منقول ہے اور قاف کے جزم کے ساتھ یعنی لقطہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ محدثین کے ہاں قاف کے زبر کے ساتھ یعنی لقطہ مشہور ہے۔

لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو راستہ میں گری ہوئی مل جائے اور اس شخص کو بھی لقطہ کہتے ہیں جو گری پڑی چیز کو اٹھانے والا ہو اور اگر راستے میں کوئی بچہ پڑا ہوا مل جائے تو اسے لقیط کہتے ہیں۔ (تاج العروس ج ۵ ص ۲۱۶ مطبوعہ خیریہ مصر)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں۔ لفظ لقطہ لام کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کو ساکن پڑھنا بھی جائز ہے مگر محدثین اور لغت والوں کے ہاں فتحہ کے ساتھ ہی مشہور ہے۔ عرب کی زبانوں سے ایسا ہی سنا گیا ہے۔ لغت میں لقطہ کسی گری پڑی چیز کو کہتے ہیں۔ اور شریعت میں ایسی چیز جو پڑی ہوئی پائے جائے اور وہ کسی بھی آدمی کے حق ضائع سے متعلق ہو اور پانے والا اس کے مالک کو نہ پائے۔ اور لفظ التقاط میں امانت اور روایت کے معانی بھی مشتمل ہیں۔ اس لیے کہ ملتقط امین ہے اس مال کا جو اس نے پایا ہے اور شرعاً وہ اس مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ جس طرح بچے کے مال کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اور اس میں اکتساب کے معانی بھی ہیں کہ پہچوانے کے بعد اگر اس کا مالک نہ ملے تو اس چیز میں اس کا حق ملکیت ثابت ہو جاتا ہے۔ (التعریف، از امام قسطلانی)

لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کہیں (مثلاً راستہ وغیرہ میں) گری پڑی پائی جائے اور اس کے مالک کا کوئی علم نہ ہو۔ اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو اسے (یعنی لقطہ کو) اٹھالینا مستحب ہے جبکہ اپنے نفس پر یہ اعتماد ہو کہ اس چیز کی تشہیر کرا کر اسے اس کے مالک کے حوالے کر دیا جائے گا اگر اپنے نفس پر یہ اعتماد نہ ہو تو پھر اسے وہیں چھوڑ دینا ہی بہتر ہے لیکن اگر یہ خوف ہو کہ اس چیز کو یوں ہی پڑا رہنے دیا گیا تو یہ ضائع ہو جائے گی تو اس صورت میں اسے اٹھالینا واجب ہوگا اگر دیکھنے والا اسے نہ اٹھائے گا اور وہ چیز ضائع ہو جائے گی تو وہ گنہگار ہوگا یہ لقطہ کا اصولی حکم ہے اب اس کے چند تفصیلی مسائل ملاحظہ کیجئے۔

کتاب لقطہ کے شرعی ماخذ کا بیان

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ (توبہ،۷۱)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ ورسول کا حکم مانیں یہ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

منافقوں کی بد خصلتیں بیان فرما کر مسلمانوں کی نیک صفتیں بیان فرما رہا ہے کہ یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ایک دوسرے کا دست وبازو بنے رہتے ہیں صحیح حدیث میں ہے کہ مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے آپ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھا بھی دیا۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ مومن اپنی دوستی اور سلوک میں مثل ایک جسم کی مانند ہیں کہ ایک حصے کو بھی اگر تکلیف ہو تو تمام جسم بیماری اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ پاک نفس لوگوں اوروں کی تربیت سے بھی غافل نہیں رہتے۔

سب کو بھلائیاں دکھاتے ہیں اچھی باتیں بتاتے ہیں برے کاموں سے بری باتوں سے امکان بھر روکتے ہیں۔ حکم الٰہی بھی یہی ہے۔ فرماتا ہے تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہئے جو بھلائیوں کا حکم کرے برائیوں سے منع کرے۔ یہ نمازی ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی زکوٰۃ بھی دیتے ہیں تا کہ ایک طرف اللہ کی عبادت ہو دوسری جانب مخلوق کی دلجوئی ہو۔ اللہ رسول کی اطاعت ہی ان کا دلچسپ مشغلہ ہے جو حکم ملا بجالائے جس سے روکا رک گئے۔ یہی لوگ ہیں جو رحم الٰہی کے مستحق ہیں۔ یہی صفتیں ہیں جن سے اللہ کی رحمت انکی طرف لپکتی ہے۔ اللہ عزیز ہے وہ اپنے فرماں برداروں کی خود بھی عزت کرتا ہے اور انہیں ذی عزت بنا دیتا ہے۔ دراصل عزت اللہ ہی کے لئے ہے اور اس نے اپنے رسولوں اور اپنے ایماندار غلاموں کو بھی عزت دے رکھی ہے اس کی حکمت ہے کہ ان میں یہ صفتیں رکھیں اور منافقوں میں وہ خصلتیں رکھیں، اس کی حکمت کی تہہ کو کون پہنچ سکتا ہے؟ جو چاہے کرے وہ برکتوں اور بلندیوں والا ہے۔

لقطہ کے امانت ہونے کا بیان

لقطہ اس شخص کے پاس بطور امانت رہتا ہے جس نے اسے اٹھایا ہے جبکہ وہ اس پر کسی کو گواہ کرلے کہ میں اس چیز کو حفاظت سے رکھنے یا اس کے مالک کے پاس پہنچا دینے کے لئے اٹھاتا ہوں اس صورت میں وہ لقطہ اٹھانے والے کے پاس سے ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان واجب نہیں ہوگا اور اگر اٹھانے والے نے کسی کو اس پر گواہ بنایا اور وہ لقطہ اس کے پاس سے تلف ہو گیا تو اس پر تاوان واجب ہوگا جبکہ لقطہ کا مالک یہ انکار کردے کہ اس نے وہ چیز مجھے دینے کے لئے نہیں اٹھائی تھی۔

لقطہ کی تشہیری مدت کا بیان

لقطہ جہاں سے اٹھایا جائے اس جگہ بھی اور ان مقامات پر بھی کہ جہاں لوگوں کا اجتماع رہتا ہے اس کی تشہیر کی جائے (یعنی

اٹھانے والا کہتا ہے) کہ یہ چیز کس کی ہے؟ اور یہ تشہیر اس وقت تک کی جانی چاہئے کہ جب تک کہ اٹھانے والے کو یقین نہ ہو جائے کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس کا مالک مطالبہ نہیں کرے گا لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک مدت تشہیر ایک سال ہے یعنی ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ لقطہ کی ایک سال تک تشہیر کی جانی چاہئے اور جو چیز زیادہ دن تک نہ ٹھہر سکتی ہو اس کی تشہیر صرف اسی وقت تک کی جائے کہ اس کے خراب ہو جانے کا خوف نہ ہو۔

مدت تشہیر کے دوران اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے وہ چیز دے دی جائے ورنہ مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس چیز کو خیرات کر دیا جائے اب اگر خیرات کرنے کے بعد مالک آئے تو چاہے وہ اس خیرات کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حق دار ہو جائے اور چاہے اس اٹھانے والے سے تاوان لے یا اس شخص سے اپنی چیز واپس لے لے جس کو وہ بطور خیرات دی گئی ہے اور اگر وہ چیز اس کے پاس موجود نہ ہو تو اس سے تاوان لے لے جیسا کہ بطور لقطہ ملے ہوئے جانور کا حکم ہے۔

جانوروں میں بھی لقطہ ہونا جائز ہے یعنی اگر کسی کو کوئی گم شدہ جانور کسی شخص کو مل جائے تو اسے پکڑ لینا اور اس کی تشہیر کر کے اس کے مالک تک پہنچا دینا جائز ہے۔ اس بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر مدت تشہیر کے دوران اس جانور کے کھلانے پلانے پر کچھ خرچ ہوا ہے تو وہ احسان شمار ہوگا یعنی اس کا مطالبہ مالک سے نہیں کیا جائے گا جبکہ وہ خرچ حاکم کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہو۔ اور اگر جانور پکڑنے والے نے اس شرط کے ساتھ کہ اس جانور پر جو کچھ خرچ ہوگا جانور کے مالک سے لے لوں گا۔ حاکم کی اجازت سے اس جانور پر کچھ خرچ کیا تو اس کی ادائیگی مالک پر بطور قرض واجب ہوگی کہ جب وہ مالک اپنا جانور حاصل کرے تو اس کے جانور کو پکڑنے والے نے اس پر کچھ خرچ کیا ہے وہ سب ادا کر دے اس صورت میں لقطہ رکھنے والے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ جب تک مالک اسے سارے اخراجات ادا نہ کرے وہ لقطہ کو اپنے پاس روکے رکھے۔

اس سلسلہ میں حاکم و قاضی کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ بطور لقطہ ملنے والی چیز اگر ایسی ہے جس سے منفعت حاصل ہو سکتی ہو جس طرح بھاگا ہوا غلام تو اس سے محنت و مزدوری کرائی جائے اور وہ جو کچھ کمائے اسی سے اس کے اخراجات پورے کئے جائیں اور اگر لقطہ کسی ایسی چیز کی صورت میں ہو جس سے کوئی منفعت حاصل نہیں ہو سکتی اور اسکو رکھنے میں کچھ خرچ کرنا پڑتا ہو جس طرح جانور تو قاضی اس کے اخراجات پورے کرنے کی اجازت دیدے اور یہ طے کر دے کہ اس پر جو خرچ ہوگا وہ مالک سے وصول کر لیا جائے گا۔ جبکہ اس میں مالک کے لئے بہتری ہو اور اگر قاضی یہ دیکھے کہ اس صورت میں مالک کو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا تو پھر اس چیز کو فروخت کرا دے اور اس کی قیمت کو رکھ چھوڑے تا کہ جب مالک آ جائے تو اسے دیدی جائے۔

اگر کسی شخص کے پاس کوئی لقطہ ہو اور وہ اس کی علامات بتا کر اپنی ملکیت کا دعوی کرے تو وہ لقطہ اسے دیدینا جائز ہے اس صورت میں گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہوگا ہاں اگر وہ علامات نہ بتا سکے تو پھر گواہوں کے بغیر وہ لقطہ اسے نہیں دینا چاہئے اگر لقطہ پانے والا کوئی مفلس ہے تو مدت تشہیر ختم ہو جانے کے بعد وہ خود اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور اگر وہ خود مالدار ہے تو پھر اسے خیرات کر دے۔ اس بارہ میں اسے یہ اجازت ہوگی کہ اگر وہ چاہے تو اپنے اصول یعنی ماں باپ اور اپنے فروع یعنی بیٹا بیٹی اور بیوی کو بطور خیرات وہ لقطہ دیدے جبکہ یہ لوگ مفلس و ضرورت مند ہوں۔ بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لینا اس شخص کے لئے مستحب ہے جو

اس کو پکڑنے کی طاقت رکھتا ہو اسی طرح اس غلام کو بھی اپنے پاس رکھ لینا مستحب ہے جو راستہ بھول جانے کی سبب سے بھٹک رہا ہو۔
اگر کسی کا کوئی غلام بھاگ جائے اور تین دن کی مسافت یا اس سے زیادہ دور سے کوئی شخص اسے پکڑ کر اس کے مالک کے پاس پہنچا دے تو وہ لانے والا اس بات کا مستحق ہوگا کہ غلام کے مالک سے اپنی مزدوری کے طور پر چالیس درہم وصول کرے گا اگرچہ وہ غلام چالیس دراہم سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ لانے والے نے اس بات پر کسی کو گواہ بنالیا ہو کہ میں اس غلام کو اس لئے پکڑتا ہوں تاکہ اسے اس کے مالک کے پاس پہنچا دوں۔ اور اگر کوئی شخص بھاگے ہوئے غلام کو اس کے مالک کے پاس تین دن کی مسافت سے کم دوری سے لایا ہو تو اسی حساب سے اجرت دی جائے گی۔ مثلاً ڈیڑھ دن کی مسافت کی دوری سے لایا ہے تو اسے بیس درہم دیئے جائیں گے اور اگر وہ غلام اس شخص سے بھی چھوٹ کر بھاگ گیا جو اسے پکڑ کر لایا تھا تو اس پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا۔ جبکہ اس نے کسی کو گواہ بنالیا ہو اور اگر گواہ نہ بنایا ہوگا تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ اسے کوئی اجرت نہیں ملے گی بلکہ اس پر تاوان بھی واجب نہیں ہوگا۔

بَاب ضَالَّةِ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ

یہ باب گمشدہ اونٹ، گائے یا بکری ملنے کے بیان میں ہے

اونٹ، بکری اور گائے کو بطور لقطہ اٹھانے کا بیان

بکری، اونٹ اور گائے کو بطور لقطہ اٹھانا جائز ہے۔ حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے فرمایا کہ جب وہ اونٹ اور گائے کو جنگل میں پائے تو ان کو نہ اٹھانا افضل ہے اور گھوڑے کا لقطہ بھی اسی اختلاف کے مطابق ہے۔ ان ائمہ فقہ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کا مال لینے میں اصل حرمت ہے اور اباحت ضائع ہونے کے خطرے سے ثابت ہوتی ہے اور جب لقطہ کے پاس خود ہی اتنی طاقت ہو کہ وہ اپنا دفاع کر سکتا ہے تو ضائع ہونے کا خطرہ ختم ہو جائے گا۔ مگر ضائع ہونے کے وہم دور کرنے کے لئے ہم ان کے پکڑنے کو مکروہ قرار دیں گے پس نہ پکڑنا افضل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے انٹ اور گائے بھی لقطہ ہیں اور ان کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی موجود ہے پس لوگوں کے اموال کے تحفظ کی خاطر ان میں سے ہر ایک کو پکڑ کر اس کی تشہیر کرانا مستحب ہے اور بکری میں بھی یہی حکم ہے۔ اس کے بعد جب لقطہ اٹھانے والے نے قاضی کے حکم کے بغیر ہی اس پر کچھ خرچ کیا تو وہ احسان ہوگا کیونکہ مالک پر اس کوئی کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہے۔ اور جب اٹھانے والے قاضی کے حکم سے خرچ تو اب یہ صاحب لقطہ والے پر قرض ہوگا کیونکہ رحمدلی کے سبب قاضی کو غائب کے مال پر ولایت حاصل ہے۔ اور کبھی خرچ کرنے میں رحمدلی پوشیدہ ہوتی ہے جس طرح ہم ان شاء اللہ اس کو بیان کریں گے۔

اور اگر یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا گیا ہے تو قاضی اس میں غور و فکر کرے اگر اس جانور سے کسی قسم کی کوئی آمدنی حاصل ہو سکتی ہے تو وہ اس کو اجرت پر دیدے۔ اور اس کی اجرت اسی پر خرچ کرتا رہے کیونکہ اس طرح مالک پر قرض قائم کیے بغیر اس کی ملکیت میں اصل چیز کا باقی رہنا ممکن ہے اور اسی طرح بھاگنے والے غلام کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔

اور جب اس جانور سے آمدنی متوقع نہ ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ خرچ اس کی قیمت کو گھیر لے گا تو قاضی اس کو بیچ کر اس کی قیمت کی حفاظت کا حکم دے گا۔ تاکہ اس کے مال کو باقی رکھنا بطور صورت ناممکن ہونے کے سبب بطور معنی اس کو باقی رکھا جائے۔ اور جب خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے تو قاضی جانور پر خرچ کرنے کا حکم دے۔ اور خرچ کو مالک پر قرض بنا دے گا۔ کیونکہ کا تقرر رحم دلی کے سبب سے ہے اور اس طرح کرنے میں دونوں کی طرف رحمت ہے۔

مشائخ فقہاء نے فرمایا کہ قاضی دو یا تین دنوں تک خرچ کرنے کا حکم دے گا اس خیال کے ساتھ کہ اس کا مالک ظاہر ہو جائے مگر جب اس کا مالک ظاہر نہ ہو تو وہ اس کو فروخت کرنے کا حکم دے کیونکہ مستقل طور پر خرچہ دینے سے جانور کو تباہ کرنا ہے پس طویل مدت تک خرچہ دینے میں کوئی رحم دلی نہیں ہے۔ (ہدایہ کتاب لقطہ، لاہور)

یزید (منبعث کے غلام) زید بن خالد جہنی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گری پڑی چیز پانے کے متعلق پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سال تک اس کا اعلان کرو پھر اس کی تھیلی اور سر بندھن کو یاد رکھ اگر کوئی شخص آئے جو تجھے اس کی خبر دے تو خیر ورنہ تو اس کو خرچ کر لے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھوئی ہوئی بکری! آپ نے فرمایا تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑیے کے لئے اس نے پوچھا کھویا ہوا اونٹ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، اور فرمایا تجھے اس سے کیا کام اس کے ساتھ اس کا جوتا اور مشک ہے، وہ پانی کے پاس اترے گا اور درخت کے پتے کھالے گا۔ صحیح بخاری: جلد اول: رقم الحدیث، 2284

ہر جگہ پکڑے جانے والے جانوروں کے لقطہ ہونے میں فقہی مذاہب

اونٹ کے موزے، سے مراد اس کے مضبوط و قوی تلوے ہیں کہ وہ راہ چلنے اور پانی گھاس تک پہنچنے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کی خوب طاقت رکھتا ہے۔ گویا اس ارشاد گرامی میں مشک اور موزے کے ذریعہ انٹ کو اس مسافر سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے ساتھ سامان سفر رکھتا ہے جس کی موجودگی میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں ہر جانور انٹ کے حکم میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرواہے کی عدم موجودگی میں بھیڑیے وغیرہ کے چنگل میں پھنس کر ضائع و ہلاک نہیں ہوتا جس طرح گھوڑا گائے اور گدھا وغیرہ ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جنگل میں انٹ اور گائے وغیرہ بطور لقطہ نہیں پکڑے جاسکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔ البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ہیں تو انہیں بطور لقطہ نہیں پکڑے جاسکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ پکڑنا جائز ہے۔

حنفیہ کے ہاں تمام جانوروں کا التقاط اور تعریف یعنی انہیں بطور لقطہ پکڑنا اور اسکی تشہیر کرنا) لوگوں کے مال کی حفاظت کے پیش نظر ہر جگہ مستحب ہے خواہ جنگل ہو یا آبادی حضرت زید کی اس روایت کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں مذکورہ حکم کہ انٹ کو پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے اس زمانہ میں تھا جب کہ امانتدار اور خیر و بھلائی کے حامل لوگوں ہی غلبہ تھا جس کی سبب سے اگر کسی کا

جانور کوئی نہ پکڑتا تھا تو کسی خائن کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا تھا لیکن اب اس زمانہ میں یہ بات مفقود ہے اور امانت و دیانت کے حامل لوگ بہت ہی کم ہیں اس لئے مخلوق خدا کے مال کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ جو جانور جہاں مل جائے اسے بطور لقطہ پکڑ لایا جائے اور اس مالک تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

لقطہ میں بکری پکڑنے کا بیان

اگر کوئی بکری بطور لقطہ تم نے پکڑی اور پھر تم نے اس کی تشہیر کی جس کے نتیجہ میں اس کا مالک آ گیا تو وہ تم سے لے لے گا لیکن اگر تشہیر کے بعد مالک نہ آیا تو پھر وہ بکری تمہاری ہو جائے گی تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو اسی طرح (ولاخیك الا) الخ یا تمہارے بھائی کی ہے الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری پکڑی لی اور اس کا مالک آ گیا تو وہ اسے لے لے گا اور اگر تم نے نہ پکڑی اور مالک کے ہاتھ لگ گئی تب بھی وہ لے لے گا یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری نہ پکڑی تو تمہارے بجائے کوئی اور تمہارا مسلمان بھائی اسے پکڑ لے گا اور اگر ان میں سے کوئی بھی صورت نہ ہوئی تو پھر بھیڑیا اس بکری کو پکڑ لے گا گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ ملے تو اسے پکڑ لینا اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تاکہ وہ بکری یوں ہی ضائع نہ ہو اور بھیڑیا وغیرہ اسے نہ کھا لے۔ یہی حکم ہر اس جانور کے بارے میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرانے والے کی عدم موجودگی میں بھیڑیے کی گرفت میں جانے سے محفوظ نہ رہ سکتا ہو۔

لقطہ کے تین احوال کا بیان

جب مالک کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ تین حالات سے خالی نہیں ہو سکتی۔

پہلی حالت: وہ چیز لوگوں کی تسبب کے قابل اور اہم نہ ہو، مثلا چھڑی، روٹی، جانور ہانکنے والی چھڑی، پھل وغیرہ، لہٰذا یہ اشیاء اٹھا کر استعمال کی جا سکتی ہیں اور ان کے اعلان کی کوئی ضرورت نہیں۔

جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بیان ہے جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھڑی، رسی، اور کوڑا اٹھانے کی اجازت دی ہے (سنن ابوداود)

دوسری حالت: وہ چیز چھوٹے درندوں سے اپنے آپ کو بچا سکتی ہو، یا تو اپنی ضخامت کی سبب سے مثلا اونٹ، گائے، گھوڑا، خچر، یا وہ اڑ کر اپنی حفاظت کر سکتی ہو، مثلا اڑنے والے پرندے، یا تیز رفتاری کے سبب مثلا ہرن، یا پھر اپنی کچلیوں سے اپنا دفاع کر سکتی ہو، مثلا چیتا وغیرہ۔ تو اس قسم کے جانوروں کو پکڑنا حرام ہے اور اعلان کے باوجود اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گمشدہ اونٹ کے بارہ میں فرمایا تھا: (آپ کو اس کا کیا اس کے پاس تو پینے کے لیے بھی ہے اور چلنے کی طاقت بھی، پانی پیئے اور درختوں کے پتے کھائے گا حتی کہ اس کا مالک اسے حاصل کر لے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے بھی گمشدہ چیز اٹھائی وہ غلطی پر ہے۔ یعنی اس نے صحیح نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس حدیث میں یہ حکم دیا ہے کہ اسے پکڑا نہ جائے بلکہ وہ خود ہی کھاتا پیتا رہے گا حتی کہ اس کا مالک اسے تلاش کر لے۔

اور اس قسم میں بڑی بڑی اشیاء بھی ملحق کی جا سکتی ہیں مثلاً: بڑی دیگ، اور ضخیم لکڑیاں اور لوہا، اور وہ اشیاء جو خود ہی محفوظ رہتی ہوں اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں اور نہ ہی وہ خود اپنی جگہ سے منتقل ہو سکتی ہیں ان کا اٹھانا بھی حرام ہے بلکہ بالاولی حرام ہے۔

تیسری حالت: گمشدہ اشیاء، مال و دولت ہو: مثلاً پیسے، سامان، اور وہ جو چھوٹے درندوں سے اپنی حفاظت نہ کر سکے، مثلاً بکری، گائے وغیرہ کا بچھڑا وغیرہ، تو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر پانے والے کو اپنے آپ پر بھروسہ ہے تو اس کے لیے اٹھانا جائز ہے۔

لقطہ کی اقسام کا بیان

پہلی قسم: کھانے والے جانور، مثلاً مرغی، بکری، بکری اور گائے کا بچہ وغیرہ، تو اسے اٹھانے والے پر تین امور میں سے کوئی کرنا ضروری ہے۔

پہلا: اسے کھالے اور اس حالت میں وہ اس کی قیمت ادا کرے گا۔

دوسرا: اس کے اوصاف وغیرہ یاد رکھے اور اسے بیچ کر اور اس کی قیمت مالک کے لیے محفوظ کر لے۔

تیسرا: اس کی حفاظت کرے اور اپنے مال سے اس پر خرچ کرے لیکن وہ اس کی ملکیت نہیں بنے گی وہ اس نفقہ سمیت مالک کے آنے پر اسے واپس کی جائے گی۔

اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بکری کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اسے پکڑ لو، اس لیے کہ یا تو وہ آپ کے لیے ہے یا پھر آپ کے بھائی کی یا پھر بھیڑیا کھا جائے گا) صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ: بکری کمزور ہے وہ ہلاک ہو جائے گی یا تو اسے آپ پکڑ لیں یا پھر کوئی اور پکڑ لے وگرنہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔

ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں: (اس حدیث میں بکری کے پکڑنے کا جواز پایا جاتا ہے، اگر بکری کا مالک نہ آئے تو وہ پکڑنے والے کی ملکیت ہونے کی بنا پر اسے اختیار ہے کہ وہ اسے فی الحال کھالے اور قیمت ادا کر دے، یا پھر اسے بیچ کر اس کی قیمت محفوظ کر لے، یا اسے اپنے پاس رکھے اور اپنے مال میں سے اسے چارہ کھلائے، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کھانے سے پہلے مالک آجائے تو بکری لے جا سکتا ہے)۔

دوسری قسم: جس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو: مثلاً تربوز، اور دوسرے پھل وغیرہ تو اس میں اٹھانے والے کو مالک کے لیے بہتر کام کرنا چاہیے کہ اسے کھالے اور مالک کو قیمت ادا کر دے، یا پھر اسے بیچ دے اور مالک کے آنے تک اس کی قیمت محفوظ رکھے۔

تیسری قسم: اوپر والی قسموں کے علاوہ باقی سارا مال: مثلاً نقدی، اور برتن وغیرہ، اس میں ضروری ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور یہ اس پاس امانت رہے گی اور اسے لوگوں کے جمع ہونے والی جگہوں پر اس کا اعلان کرنا ہوگا۔ کوئی بھی گری ہوئی چیز اس وقت تک اٹھ سکتا ہے جب اسے اپنے آپ پر بھروسہ ہو کہ وہ اس کا اعلان کرے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس کا تھیلی اور رسی کی پہچان کر لو اور اس کا ایک برس تک اعلان کرتے

رہو اگر مالک نہ آئے تو اسے خرچ کرلو لیکن وہ آپ کے پاس امانت ہے اگر اس کا مالک کسی دن تیرے پاس آ جائے تو اسے واپس کردو)۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: (اسے پکڑ لو اس لیے کہ یا تو وہ آپ کے لیے ہے یا پھر آپ کے بھائی کے لیے اور یا پھر بھیڑیے کے لیے) اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ اونٹ کے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: (آپ کو اس سے کیا؟! اس کے پاس پینے کے لیے بھی ہے اور چلنے کیلیے بھی وہ پانی پر جائے گا اور درختوں کے پتے کھاتا پھرے گا حتی کہ اس کا مالک اسے حاصل کرلے) صحیح بخاری وصحیح مسلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان (اس کی تھیلی اور تسمہ کی پہچان کرلو) کا معنی یہ ہے کہ: وہ رسی یا تسمہ جس سے رقم اور پیسے کی تھیلی کو باندھا جاتا ہے، اور عفاص اس تھیلی کو کہتے ہیں جس میں مال ورقم ہوتی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (پھر ایک برس تک اس کا اعلان کرتے رہو) یعنی لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں بازاروں اور مساجد کے دروازوں کے باہر اور دوسری جمع ہونے والی جگہوں وغیرہ میں اس کا اعلان کرتے رہو۔

(ایک برس) یعنی پورے ایک سال تک، چیز ملنے کے پہلے ہفتہ میں روزانہ اعلان کرے، اس لیے کہ پہلے ہفتے میں مالک کے ڈھونڈتے ہوئے آنے کی زیادہ امید ہے، پھر اس ہفتہ کے بعد وہ لوگوں کی عادت کے مطابق اعلان کرتا رہے۔

(اور اگر یہ طریقہ گزشتہ ادوار میں موجود رہا ہے تو اب اسے آج کے دور کے مطابق اعلان کرنا چاہیے اہم یہ ہے کہ مقصد حاصل ہو جائے کہ حتی الامکان اس کے مالک تک پہنچا جاسکے)

حدیث گمشدہ چیز کے اعلان کے وجوب پر دلالت کرتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (اس کی تھیلی اور تسمہ پہچان لو) میں اس کی صفات اور نشانیوں کی پہچان کرنے کے وجوب کی دلیل پائی جاتی ہے، تاکہ جب اس کا مالک آئے اور اس کے مطابق نشانی بتائے تو اسے یہ مال واپس کیا جاسکے، اور اگر اس کی بتائی ہوئی نشانی صحیح نہ ہو تو وہ مال اسے دینا جائز نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (اگر اس کے مالک کو نہ پائے تو اسے استعمال کرلو) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چیز اٹھانے والا ایک برس تک اعلان کرنے کے بعد اس کا مالک بنے گا، لیکن وہ اس کی نشانیوں کی پہچان سے قبل اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا :یعنی اسے اس کی تھیلی، باندھنے والی رسی، مال کی مقدار، اس کی جنس اور کس طرح کا ہے وغیرہ کی پہچان کرلینی چاہیے، اگر ایک برس کے بعد اس کا مالک آئے اور اس کے مطابق نشانی بتائے تو اسے ادا کردے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (اگر اس کا مالک کسی بھی روز آ جائے تو اسے وہ مال ادا کردو)

لقطہ سے لازم ہونے والے احکام کا بیان

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے لقطہ یا گمشدہ چیز کے بارہ میں چند ایک امور لازم آتے ہیں۔

پہلا: اگر کوئی گری ہوئی چیز پائے تو اس وقت تک نہ اٹھائے جب تک کہ اسے اپنے آپ پر بھروسہ اور اس کے اعلان کرنے کی قوت نہ ہو تاکہ اس کے مالک تک وہ چیز پہنچ جائے، اور جس کو اپنے آپ پر بھروسہ ہی نہیں اس کے لیے اسے اٹھانا جائز نہیں، اگر اس کے باوجود وہ اٹھا لے تو وہ غاصب جیسا ہی ہے اس لیے کہ اس نے کسی دوسرے کا مال ناجائز اٹھایا ہے اور پھر اس میں دوسرے کے

مال کا ضیاع بھی ہے۔

دوسرا: اٹھانے سے قبل اس کی تھیلی اور تسمہ اور مال کی جنس اور مقدار وغیرہ کی معرفت و پہچان ضروری ہے، تھیلی سے مراد وہ کپڑا یا بٹوہ ہے جس میں رقم رکھی گئی ہو، اور (وکائھا) سے مراد وہ رسی یا ڈوری ہے جس سے اس تھیلی کو باندھا گیا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پہچان کا حکم دیا ہے اور امر وجوب کا متقاضی ہے۔

تیسرا: ایک برس تک مکمل اس کا اعلان کرنا ضروری ہے پہلے ہفتہ میں روزانہ اور اس کے بعد عادت کے مطابق اعلان ہوگا، اور اعلان میں یہ کہے کہ: جس کسی کی بھی کوئی چیز گم ہوئی ہو یا اس طرح کے کوئی اور الفاظ، اور یہ اعلان لوگوں کے جمع ہونے والی جگہوں مثلاً بازار، اور نمازوں کے اوقات میں مساجد کے دروازوں پر اعلان کرے۔

گمشدہ چیز کا اعلان مساجد میں نہیں کیا جائے گا کیونکہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے منع فرمایا ہے: (جو بھی کسی کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہوا سنے وہ اسے یہ کہے، اللہ تعالیٰ اس چیز کو تیرے پاس واپس نہ لائے)

چوتھا: جب اس کا مالک تلاش کرتا ہوا آئے اور اس کے مطابق صفات اور نشانیاں بتائے تو اسے وہ چیز بغیر کسی قسم اور دلیل کے واپس کرنی واجب ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔

اور پھر وہ صفات و نشانیاں قسم اور دلیل کے قائم مقام ہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی صفات کا بتانا دلیل اور قسم سے بھی بچی اور اظہر ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ اصل چیز کا نفع چاہے وہ متصل ہو یا منفصل واپس کرنا پڑے گا۔

لیکن اگر مالک اس کی صفات اور نشانی نہ بتا سکے تو وہ چیز اسے واپس نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ وہ اس پاس امانت ہے جس کو مالک کے علاوہ کسی اور کو دینا جائز نہیں۔

پانچواں: ایک برس تک اعلان کے بعد بھی اگر مالک نہ آئے تو وہ چیز اٹھانے والے کی ملکیت ہوگی لیکن اس میں تصرف سے قبل اس کی صفات اور نشانیوں کی پہچان ضروری ہے تا کہ اگر کبھی اس کا مالک لینے آئے تو اس کی بتائی ہوئی نشانیوں کی پہچان کرنے کے بعد اگر وہ چیز موجود ہو تو واپس کی جائے وگرنہ اس کا بدل یا قیمت ادا کر دی جائے اس لیے کہ مالک کے آنے سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔

بری نیت سے لقطہ اٹھانے پر وعید کا بیان

2502 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشِّخِّيرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ

مطرف بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''مسلمان کی گمشدہ چیز آگ کا شعلہ ہے''۔

2502: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی لقطہ کو اس بدنیتی کے ساتھ اٹھائے کہ میں اس کا مالک ہو جاؤں گا نیز وہ ان احکام کو پورا نہ کرے جو لقطہ کے سلسلہ میں از قسم تشہیر وغیرہ شریعت نے نافذ کئے ہیں تو وہ لقطہ اس شخص کو دوزخ کی آگ کے حوالہ کردے گا۔

2503 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَيَّانَ التَّيْمِيُّ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ خَالُ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيْرٍ عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيْرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ اَبِىْ بِالْبَوَازِيجِ فَرَاحَتِ الْبَقَرُ فَرَاٰى بَقَرَةً اَنْكَرَهَا فَقَالَ مَا هٰذِهِ قَالُوْا بَقَرَةٌ لَحِقَتْ بِالْبَقَرِ قَالَ فَاَمَرَ بِهَا فَطُرِدَتْ حَتّٰى تَوَارَتْ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يُؤْوِى الضَّالَّةَ اِلَّا ضَالٌّ

منذر بن جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں اپنے والد کے ساتھ "بوازیج" کے مقام پر تھا' وہاں کچھ گائیں جارہی تھیں' انہوں نے ایک گائے کو دیکھا' جو کچھ مختلف تھی (یہاں ایک نسخے میں یہ الفاظ ہیں) انہوں نے دریافت کیا: یہ کہاں سے آئی ہے' لوگوں نے بتایا: یہ ایک گائے ہے جو دوسری گائے کے ساتھ مل گئی ہے۔

راوی کہتے ہیں' تو ان کے حکم کے تحت اسے الگ کر دیا گیا' یہاں تک کہ وہ گائے نگاہوں سے اوجھل ہو گئی' پھر انہوں نے بتایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

"کوئی گمراہ شخص ہی گمشدہ چیز کو حاصل کرتا ہے"۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی کی کوئی گم شدہ چیز بطور لقطہ اپنے پاس رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ اس چیز کی تشہیر واعلان کرتا رہے بغیر تشہیر اپنے پاس نہ رکھ چھوڑے کیونکہ یہ خیانت اور گمراہی ہے۔

2504 - حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ الْعَلَاءِ الْاَيْلِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِىْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ فَلَقِيْتُ رَبِيْعَةَ فَسَاَلْتُهُ فَقَالَ حَدَّثَنِىْ يَزِيْدُ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سُئِلَ عَنْ ضَالَّةِ الْاِبِلِ فَغَضِبَ وَاحْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ فَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا الْحِذَاءُ وَالسِّقَاءُ تَرِدُ الْمَاءَ وَتَاْكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا وَسُئِلَ عَنْ ضَالَّةِ الْغَنَمِ فَقَالَ خُذْهَا فَاِنَّمَا هِىَ لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا وَعَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنِ اعْتُرِفَتْ وَاِلَّا فَاخْلِطْهَا بِمَالِكَ

2503: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 1720

2504: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 91' ورقم الحدیث: 2372' ورقم الحدیث: 2427' ورقم الحدیث: 2428' ورقم الحدیث: 2429' ورقم الحدیث: 2436' ورقم الحدیث: 2438' ورقم الحدیث: 5292' ورقم الحدیث: 6112' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4473' ورقم الحدیث: 4474' ورقم الحدیث: 4475' ورقم الحدیث: 4476' ورقم الحدیث: 4477' ورقم الحدیث: 4478' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 1704' ورقم الحدیث: 1705' ورقم الحدیث: 1707' ورقم الحدیث: 1708' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1372

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ اونٹ کے بارے میں دریافت کیا گیا: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار سرخ ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا اس کے ساتھ کیا واسطہ ہے؟ اس کے ساتھ اس کے پاؤں اور اس کا پیٹ ہے وہ خود پانی تک پہنچ جائے گا اور درختوں کے پتے کھالے گا' یہاں تک کہ اس کا مالک اس تک پہنچ جائے گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ بکری کے بارے میں دریافت کیا گیا: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے تم حاصل کرلو! کیونکہ یا تو وہ تمہیں ملے گی یا تمہارے کسی بھائی کو ملے گی یا پھر بھیڑیے کو مل جائے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ چیز کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی تھیلی اور تھیلی کے منہ پر باندھنے والی رسی کو یاد رکھو اور ایک سال تک اس کا اعلان کرو اگر اس کی شناخت ہو جائے' تو ٹھیک ہے ورنہ اسے اپنے مال کے ساتھ شامل کرلو۔

شرح

مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب اس شخص نے لقطہ کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اور اس کا سر بند اور ظرف تھیلا وغیرہ پہچانے رکھو (اس مدت تشہیر میں اگر اس کا مالک نہ آئے) تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ اور اگر اس کے بعد اس کا مالک آ جائے تو اس کی وہ چیز بشرطیکہ تمہارے پاس جوں کی توں موجود ہو) دیدو اور نہ اس کی قیمت ادا کردو۔

ابن مالک کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کا ظرف اور سر بند پہچان لینے کا حکم اس لئے دیا تا کہ جو شخص اس چیز کی ملکیت کا دعوی کرے اس پہچان کی وجہ سے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے۔ لیکن اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ اٹھانے والے کے پاس آئے اور اپنا ظرف اور اس کا سر بند پہچان کر اس لقطہ کے مالک ہونے کا دعوی کرے تو وہ لقطہ اسے دے دینا واجب ہے یا نہیں؟

چنانچہ امام مالک اور امام احمد تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ لقطہ اسے کسی گواہی کے بغیر ہی دے دینا واجب ہے کیونکہ ظرف اور اس کے سر بند کی پہچان رکھنے کا یہی مقصد ہے لیکن امام شافعی اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ کا ظرف اور اس کا سر بند پہچان لے اور اس لقطہ کا وزن یا عدد بتا دے نیز لقطہ اٹھانے والے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ یہ شخص سچا ہے تب وہ لقطہ اس شخص کو دے دینا جائز تو ہے لیکن وہ شخص گواہوں کے بغیر لقطہ اٹھانے والے کو دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

اس صورت میں کہا جائے گا کہ ظرف اور سر بند کی پہچان رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے وہ لقطہ اٹھانے والے کے مال میں اس طرح خلط ملط نہیں ہو جائے گا کہ جب لقطہ کا مالک آئے تو وہ اپنے مال و اسباب اور اس لقطہ کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔ ثم عرفہ (پھر اس کی تشہیر کرو) کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ وہ لقطہ پایا گیا ہے نہ صرف وہاں بلکہ بازاروں اور مسجدوں میں اور فلاں کے پاس پہنچ کر اس چیز کی تفصیل و علامات بیان کر کے لے جائے۔

مدت تشہیر کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک حضرت امام احمد اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمد تو حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک سال کی مدت متعین ہے یعنی لقطہ کی

ایک سال تک تشہیر کرانی چاہئے، لیکن صحیح تر روایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ مدت متعین کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ حدیث میں ایک سال کا ذکر باعتبار غالب کے بر سبیل اتفاق ہے۔ لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ایک سال کی مدت اگر اتفاقی طور پر ذکر کی گئی ہے۔ اور متعین طور پر مذکور نہیں ہے تو پھر تشہیر کی کیا مدت متعین کی جائے؟ اس کی وضاحت ہدایہ نے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق یوں کی ہے کہ اگر لقطہ دس درہم سے کم قیمت کا ہو تو اس کی تشہیر چند دن تک کرنا کافی ہے اگر دس درہم کی مالیت کا ہو تو ایک مہینہ تک تشہیر کیجائے اور وہ سو درہم کی مالیت کا ہو پھر ایک سال تک تشہیر کی جائے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مالیت کی مذکورہ بالا مقدار کی جو مختلف مدتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے لازم کوئی بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ لقطہ اٹھانے والے کی رائے پر موقوف ہے کہ کہ وہ لقطہ کیا اس وقت کی تشہیر کرے جب تک کہ اسے یہ غالب گمان نہ ہو جائے کہ اب کوئی نہیں آ ئیگا اور اس مدت کے بعد اس لقطہ کو طلب نہیں کرے گا۔ ان علماء کی دلیل مسلم کی وہ روایت ہے کہ جس میں لفظ ستہ ایک سال کی قید کے بغیر صرف عرفہا اس کی تشہیر کی جائے) منقول ہے۔ لقطہ اگر کسی چیز کی صورت میں ہو جو زیادہ دنوں تک نہ ٹھہر سکتی ہو اور موسمی حالات کے تغیر و تبدل سے متاثر ہوتی ہو جیسے کھانے کی کوئی چیز یا پھل وغیرہ تو اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس تشہیر اسی وقت تک کی جائے جب تک کہ وہ خراب نہ ہو اور اگر لقطہ کوئی بہت ہی حقیر و کمتر چیز ہو جیسے گٹھلی اور انار کا چھلکا وغیرہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی تشہیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسے بغیر تشہیر و اعلان استعمال کر لینے کی اجازت ہے مگر اس کے مالک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی اس چیز کا مطالبہ کرے۔ (فان جاء صاحبہا والا فشانک بہا) کا مطلب یہ ہے کہ لقطہ کی تشہیر کے بعد اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے وہ لقطہ دیدیا جائے اگر اس مالک کے ساتھ گواہ بھی ہوں جو اس کے دعوی کی ملکیت کی گواہی دیں تو لقطہ اٹھانے والے پر یہ واجب ہوگا کہ وہ اسے لقطہ دیدے اور اگر گواہ نہ ہوں گے تو پھر دے دینا واجب نہیں جائز ہوگا جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کی گئی۔ اور اگر مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس لقطہ کا مالک نہ آئے تو پھر لقطہ اٹھانے والا اس لقطہ کو اپنے استعمال میں لے آئے۔ اس سے گویا یہ معلوم ہوا کہ لقطہ اٹھانے والا اصل مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس لقطہ کا خود مالک بن جاتا ہے خواہ وہ مالدار ہو یا مفلس ہو چنانچہ اکثر صحابہ اور حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے لیکن بعض صحابہ کا قول یہ ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والا خود مالدار ہو تو وہ اس لقطہ کا مالک نہیں بنتا بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اس لقطہ کو فقراء و مساکین کو بطور صدقہ دیدے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس سفیان ثوری ابن المبارک اور حنفیہ کا یہی قول ہے نیز اس بارے میں یہ بھی حکم ہے کہ اگر صدقہ کر دینے کے بعد مالک آئے تو اسے یہ اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حصہ دار بن جائے اور چاہے تو لقطہ اٹھانے والے یا اس مفلس سے کہ جس کو وہ لقطہ بطور صدقہ دے دیا گیا تھا تاوان لے لے بشرطیکہ وہ چیز ہلاک وضائع ہو گئی ہو۔ لیکن ان دونوں میں سے جو بھی تاوان دے گا وہ دوسرے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا یعنی اگر لقطہ اٹھانے والے نے تاوان دیا تو اسے مفلس سے کوئی مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا اور اگر مفلس نے تاوان لیا تو وہ لقطہ اٹھانے والے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا ہاں اگر وہ لقطہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو بلکہ جوں کا توں موجود ہو تو وہی لے لے گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مالک کو تاوان لینے کا حق اسی صورت میں پہنچے گا جب کہ وہ لقطہ ہلاک وضائع ہو گیا ہو اور اگر وہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو تو پھر وہی لینا ہوگا۔

شرح وقایہ کے بعض حاشیوں میں نہایہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ تشہیر کے بعد لقطہ کو صدقہ کر دینا جائز ہے لیکن اسے رکھ چھوڑنا عزیمت ہے۔ ہی لک (وہ تمہاری ہے) کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ تم نے پکڑی اور پھر تم نے اس کی تشہیر کی جس کے نتیجہ میں اس کا مالک آ گیا تو وہ تم سے لے لے گا لیکن اگر تشہیر کے بعد مالک نہ آیا تو پھر وہ بکری تمہاری ہو جائے گی تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو اسی طرح (ولاخیک الا) اخ یا تمہارے بھائی کی ہے اخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری پکڑی لی اور اس کا مالک آ گیا تو وہ اسے لے لے گا اور اگر تم نے نہ پکڑی اور مالک کے ہاتھ لگ گئی تب بھی وہ لے لے گا یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری نہ پکڑی تو تمہارے بجائے کوئی اور تمہارا مسلمان بھائی اسے پکڑ لے گا اور اگر ان میں سے کوئی بھی صورت نہ ہوئی تو پھر بھیڑیا اس بکری کو پکڑ لے گا گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ ملے تو اسے پکڑ لینا اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تا کہ وہ بکری یوں ہی ضائع نہ ہو اور بھیڑیا وغیرہ اسے نہ کھا لے۔

یہی حکم ہر اس جانور کے بارے میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرانے والے کی عدم موجودگی میں بھیڑیئے کی گرفت میں جانے سے محفوظ نہ رہ سکتا ہو۔ اونٹ کی مشک" سے مراد اس کا پیٹ ہے یعنی اونٹ کا پیٹ مشک کی طرح ہوتا ہے جس میں اتنی رطوبت رہتی ہے جو اس کو بہت دنوں تک بغیر پانی کے رکھ سکتی ہے چنانچہ اونٹ کئی روز تک پیاس کو برداشت کر لیتا ہے جب کہ دوسرے جانوروں میں یہ چیز نہیں ہوتی۔ اس بارے میں مشہور ہے کہ اونٹ پندرہ روز تک اپنی پیاس برداشت کر لیتا ہے۔ اونٹ کے موزے، سے مراد اس کے مضبوط و قوی تلوے ہیں کہ وہ راہ چلنے اور پانی گھاس تک پہنچنے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کی خوب طاقت رکھتا ہے۔ گویا اس ارشاد گرامی میں مشک اور موزے کے ذریعہ اونٹ کو اس مسافر سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے ساتھ سامان سفر رکھتا ہے جس کی موجودگی میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں ہر جانور اونٹ کے حکم میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرواہے کی عدم موجودگی میں بھیڑیئے وغیرہ کے چنگل میں پھنس کر ضائع و ہلاک نہیں ہوتا جیسے گھوڑا گائے اور گدھا وغیرہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جنگل میں اونٹ اور گائے وغیرہ بطور لقطہ نہیں پکڑے جا سکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔ البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ نہیں پکڑے جا سکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ پکڑنا جائز ہے۔

حنفیہ کے ہاں تمام جانوروں کا التقاط اور تعریف یعنی انہیں بطور لقطہ پکڑنا اور اس کی تشہیر کرنا) لوگوں کے مال کی حفاظت کے پیش نظر ہر جگہ مستحب ہے خواہ جنگل ہو یا آبادی حضرت زید کی اس روایت کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں مذکورہ حکم کہ اونٹ کو پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے اس زمانہ میں تھا جب کہ امانتدار اور خیر و بھلائی کے حامل لوگوں ہی غلبہ تھا جس کی وجہ سے اگر کسی کا جانور کوئی نہ پکڑتا تھا تو کسی خائن کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا تھا لیکن اب اس زمانہ میں یہ بات مفقود ہے اور امانت و دیانت کے حامل لوگ بہت ہی کم ہیں اس لئے مخلوق اللہ کے مال کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ جو جانور جہاں مل جائے اسے بطور لقطہ پکڑ لیا جائے اور اس مالک تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

بَاب اللُّقَطَةِ

یہ باب لقطہ کے بیان میں ہے

لقطہ پر گواہ بنانے کا بیان

2505 - حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ اَبِي الْعَلَاءِ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَا عَدْلٍ اَوْ ذَوَىْ عَدْلٍ ثُمَّ لَا يُغَيِّرْهُ وَلَا يَكْتُمْ فَاِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا وَاِلَّا فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

حضرت ایاز بن حمار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"جو شخص کوئی گری ہوئی چیز پائے' تو اس پر کسی عادل شخص کو یا دو عادل افراد کو گواہ بنائے پھر وہ اس میں کوئی تبدیلی نہ کرے اور اسے چھپائے نہیں' اگر اس کا مالک آجاتا ہے' تو وہ مالک اس کا زیادہ حقدار ہوگا' ورنہ یہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے' وہ جسے چاہے عطا کر دیتا ہے"۔

شرح

جب کوئی شخص لقطہ اٹھائے تو وہ اس وقت کسی کو اس بات پر گواہ بنالے کہ مجھے یہ چیز بطور لقطہ ملی ہے تاکہ کوئی دوسرا شخص مثلاً مالک نہ تو اس پر چوری وغیرہ کی تہمت لگا سکے اور نہ کمی بیشی کا دعویٰ کر سکے گواہ بنا لینے میں ایک مصلحت و فائدہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں اس کا نفس حرص وطمع میں مبتلا نہیں ہوگا کیونکہ بغیر گواہ کے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ نفس بدنیتی میں مبتلا ہو جائے اور یہ سوچ کر کہ جب کوئی گواہ نہیں ہے تو یہ چیز مالک کو دینے کی بجائے خود کیوں نہ رکھ لوں جب کہ گواہ بنا لینے سے نہ صرف یہ کہ طمع نہیں ہوتی بلکہ وہ لقطہ مالک کے حوالہ کرنا یوں بھی ضروری ہو جاتا ہے پھر اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اٹھانے والے کی ناگہانی موت کے بعد اس کے ورثاء اس لقطہ کو اپنی میراث اور ترکہ میں داخل نہیں کر سکتے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ گواہ بنا لینے کا یہ حکم بطریق استحباب ہے جب کہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بطریق وجوب ہے۔ اس حدیث میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے جب کہ اوپر کی حدیث میں اسے اللہ کا دیا ہوا رزق ہے کہا گیا ہے لہٰذا ان دونوں سے مراد حلال ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مالک کے نہ آنے کی صورت میں وہ لقطہ ایک ایسا حلال مال ہے جس سے وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جسے اللہ نے غیب سے دیا ہے۔ ہاں اگر بعد میں مالک آجائے تو پھر اس کا بدل دینا ہوگا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

لقطہ کی تشہیر کا بیان

2506 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ سُوَيْدِ ابْنِ غَفَلَةَ قَالَ

2505 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 1709

خَرَجْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْعُذَيْبِ الْتَقَطْتُ سَوْطًا فَقَالَا لِيَ أَلْقِهِ فَأَبَيْتُ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ أَتَيْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ أَصَبْتَ الْتَقَطْتُ مِائَةَ دِينَارٍ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ أَحَدًا يَعْرِفُهَا فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ أَحَدًا يَعْرِفُهَا فَقَالَ اعْرِفْ وِعَاءَهَا وَوِكَاءَهَا وَعَدَدَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ مَنْ يَعْرِفُهَا وَإِلَّا فَهِيَ كَسَبِيلِ مَالِكَ

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں: زید بن صوحان اور سلیمان بن ربیعہ کے ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ جب ہم ''عذیب'' کے مقام پر پہنچے تو وہاں ایک کوڑا پڑا ہوا تھا میں نے اسے اٹھالیا ان دونوں حضرات نے مجھے کہا تم اسے رکھ دو تو میں نے بات نہیں مانی جب ہم لوگ مدینہ منورہ آئے' تو میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے ان کے سامنے یہ بات ذکر کی تو انہوں نے فرمایا: تم نے ٹھیک کیا ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مجھے ایک سو دینار ملے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک سال تک اس کا اعلان کرتے رہو میں اس کا اعلان کرتا رہا' لیکن مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اس سے واقف ہو۔ میں نے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کا اعلان کرتے رہو میں پھر اس کا اعلان کرتا رہا' لیکن مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اسے پہچان سکے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کی تھیلی اور اس کے منہ پر باندھی جانے والی رسی کو پہچان لو اور اس کی تعداد کو بھی یاد رکھو ایک سال تک اس کا اعلان کرو اگر اس کو پہچاننے والا شخص آجاتا ہے' تو ٹھیک ہے ورنہ یہ تمہارے مال کی طرح ہوگی۔

لقطہ کے بعض احکام کا بیان

لقطہ امانت ہے۔ جب وہ اس پر گواہ بنائے کہ وہ اس کو حفاظت اور مالک کو واپس کرنے کی غرض سے اٹھانے والا ہے کیونکہ اس ارادے سے اٹھانے کی شرعی طور پر اجازت ہے۔ بلکہ اکثر عام فقہاء کے نزدیک افضل ہے اور جب اس مال کی ہلاکت کا خوف ہو تو اس کو اٹھانا واجب ہے جس طرح مشائخ نے فرمایا ہے اور جب اس طرح حالت ہو تو لقطہ اٹھانے والے مضمون ہو جائے گا اور اسی طرح جب مالک اور اٹھانے والے نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس نے وہ لقطہ مالک کے لئے اٹھایا تھا کیونکہ ان دونوں کا اتفاق کرنا ہی ان کے لئے دلیل ہے پس یہ گواہی کی طرح ہو جائے گا۔

اور جب اٹھانے والے نے یہ اقرار کیا کہ اس نے اپنے لئے اٹھایا تھا تو بہ اتفاق وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس نے دوسرے کے مال کو اجازت شرعیہ کے بغیر اٹھایا ہے۔ اور جب اٹھانے والے نے اٹھانے کے وقت اس پر کوئی گواہ نہ بنایا اور پھر کہنے لگا کہ میں نے اس کو مالک کے لئے اٹھایا تھا اور مالک اس کو جھٹلانے والا ہے تو طرفین کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ اٹھانے والے کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ حالت ظاہری اس کے حق میں گواہ ہے حالانکہ اس نے ایک نیک کام کیا ہے جو کسی طرح بھی گناہ نہیں ہے۔

2506 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 2462' ورقم الحدیث: 2437' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4481' ورقم حدیث 4483' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 1701' ورقم الحدیث 1702' ورقم الحدیث 1703' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 1374

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ضمان کے سبب کا خود اقرار کیا ہے اور وہ دوسرے کا مال لینا ہے اور اس نے اس طرح کا دعویٰ بھی کیا ہے جو اس کو ضمان سے بری کرے یعنی صاحب مال کا مال لینے سے اس بات میں شک پیدا ہو چکا ہے پس وہ ضمان سے بری نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے جو ظاہری حالت کا ذکر کیا حالانکہ یہ ظاہری حالت اس کے خلاف بھی تو ہے کیونکہ ظاہری طور پر انسان اپنی ذات کے لئے کام کرنے والا ہے۔ اور اٹھانے والے کی شہادت کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اس طرح کہے کہ تم لوگ جس بندے کو لقطہ تلاش کرتے پاؤ اس کو میرا نام بتانا خواہ وہ لقطہ ایک ہو یا دو ہوں کیونکہ وہ اسم جنس ہے۔ (ہدایہ، کتاب لقطہ، لاہور)

لقطہ کے اٹھانے و تصرف میں فقہی تصریحات کا بیان

پڑا مال اٹھا لایا اور اس کے پاس سے ضائع ہو گیا اب مالک آیا اور چیز کا مطالبہ کرتا ہے اور تاوان مانگتا ہے کہتا ہے کہ تم نے بدنیتی سے اپنے صرف میں لانے کے لیے اُٹھایا تھا، لہٰذا تم پر تاوان ہے یہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اپنے لیے نہیں اُٹھایا تھا بلکہ اس نیت سے لیا تھا کہ مالک کو دوں گا تو محض اس کہنے سے ضمان سے بری نہیں جب تک بصورت امکان گواہ نہ کرے۔ (ہدایہ)

جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ مالک ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ اس کو تصرف کرنا جائز ہوگا، لیکن جب مالک آ جائے تو وہ چیز یا اس کا بدل دینا لازم ہوگا۔ حنفیہ کہتے ہیں اگر پانے والا محتاج ہے۔ تو اس میں تصرف کر سکتا ہے اگر مالدار ہے تو اس کو خیرات کر دے۔ پھر اگر اس کا مالک آئے تو اس کو اختیار ہے کہ خواہ اس خیرات کو جائز رکھے خواہ اس سے تاوان لے۔

جہاں تک غور و فکر کا تعلق ہے اسلام نے گرے پڑے اموال کی بڑی حفاظت کی ہے اور ان کے اٹھانے والوں کو اسی حالت میں اٹھانے کی اجازت دی ہے کہ وہ خود ہضم کر جانے کی نیت سے ہرگز ہرگز ان کو نہ اٹھائیں۔ بلکہ ان کے اصل مالکوں تک پہنچانے کی نیت سے ان کو اٹھا سکتے ہیں۔ اگر مالک فوری طور پر نہ مل سکے تو موقع بہ موقع سال بھر اس مال کا اعلان کرتے رہیں۔ آج کل اعلان کے ذرائع بہت وسیع ہو چکے ہیں، اخبارات اور ریڈیو کے ذرائع سے اعلانات ہر کس و ناکس تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس طرح متواتر اعلانات پر سال گزر جائے اور کوئی اس کا مالک نہ مل سکے تو پانے والا اپنے مصرف میں اسے لے سکتا ہے۔ مگر یہ شرط اب بھی ضروری ہے کہ اگر کسی دن بھی اس کا اصل مالک آ گیا تو وہ مال اسے مع تاوان ادا کرنا ہوگا۔ اگر اصل مال وہ ختم کر چکا ہے تو اس کی جنس بالمثل ادا کرنی ہوگی۔ یا پھر جو بھی بازاری قیمت ہو ادا کرنی ضروری ہوگی۔ ان تفصیلات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لقطہ کے متعلق اسلام کا قانونی نظریہ کس قدر ٹھوس اور کتنا نفع بخش ہے۔ کاش اسلام کے معاندین ان قوانین اسلامی کا بغور مطالعہ کریں اور اپنے دلوں کو عناد سے پاک کر کے قلب سلیم کے ساتھ صداقت کو تسلیم کر سکیں۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے برتن کی بناوٹ اور اس کے بندھن کو ذہن میں یاد رکھ کر ایک سال تک اس کا اعلان کرتا رہ۔ اگر مالک مل جائے (تو اسے دے دے) ورنہ اپنی ضرورت میں خرچ کر۔ انہوں نے پوچھا اور اگر راستہ بھولی ہوئی بکری ملے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہاری ہوگی یا تمہارے بھائی کی ہوگی۔ ورنہ پھر

بھیڑیا اسے اٹھا لے جائے گا صحابی نے پوچھا اور اونٹ جو راستہ بھول جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب؟ اس کے ساتھ خود اس کا مشکیزہ ہے، اس کے کھر ہیں، پانی پر وہ خود ہی پہنچ جائے گا اور خود ہی درخت کے پتے کھالے گا اور اس طرح کسی نہ کسی دن اس کا مالک اسے خود پالے گا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۴۲۹)

فان جاء صاحبها یعنی اگر اس کا مالک آجائے تو اس کے حوالے کر دے۔ جس طرح امام احمد اور ترمذی اور نسائی کی روایت میں اس کی صراحت ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص آئے جو اس کی گنتی اور تھیلی اور سر بندھن کو ٹھیک بتلا دے تو اس کو دے۔ معلوم ہوا کہ صحیح طور پر اسے پہچان لینے والے کو وہ مال دے دینا چاہیے۔ گواہ شاہد کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ اس روایت میں دو سال تک بتلانے کا ذکر ہے۔ اور آگے والی احادیث میں صرف ایک سال تک کا بیان ہوا ہے۔ اور تمام علماء نے اب اسی کو اختیار کیا ہے اور دو سال والی روایت کے حکم کو ورع اور احتیاط پر محمول کیا۔ یوں محتاط حضرات اگر ساری عمر بھی اسے اپنے استعمال میں نہ لائیں اور آخر میں چل کر بطور صدقہ خیرات دے کر اسے ختم کر دیں تو اسے نور علی نور ہی کہنا مناسب ہوگا۔

لقطہ کی تشہیری مدت میں مذاہب اربعہ

مدت تشہیر کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک حضرت امام احمد اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمد تو حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک سال کی مدت متعین ہے یعنی لقطہ کی ایک سال تک تشہیر کرانی چاہیے، لیکن صحیح تر روایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ مدت متعین کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ حدیث میں ایک سال کا ذکر باعتبار غالب کے بر سبیل اتفاق ہے۔ لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ایک سال کی مدت اگر اتفاقی طور پر ذکر کی گئی ہے۔ اور متعین طور پر مذکور نہیں ہے تو پھر تشہیر کی کیا مدت متعین کی جائے؟ اس کی وضاحت ہدایہ نے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق یوں کی ہے کہ اگر لقطہ دس درہم سے کم قیمت کا ہو تو اس کی تشہیر چند دن تک کرنا کافی ہے اگر دس درہم کی مالیت کا ہو تو ایک مہینہ تک تشہیر کی جائے اور وہ سو درہم کی مالیت کا ہو پھر ایک سال تک تشہیر کی جائے۔

2507 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ الْحَنَفِيُّ ح وَ حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ الْقُرَشِيُّ حَدَّثَنِيْ سَالِمٌ اَبُو النَّضْرِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنِ اعْتُرِفَتْ فَاَدِّهَا فَاِنْ لَّمْ تُعْتَرَفْ فَاعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِعَاءَهَا ثُمَّ كُلْهَا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ

◆◆ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ ملی ہوئی چیز کے بارے میں دریافت کیا: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک سال تک اس کا اعلان کرواگر اعتراف کر لیا جائے تو ادا کر دو اگر اس کی شناخت نہیں ہوتی تو تم اس کی

2507: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4479 ' ورقم الحدیث: 4480 ' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 1706 ' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:

تھیلی اور اس کے منہ پر باندھے جانے والے دھاگے کو پہچان لو پھر تم اسے کھالو (بعد میں) اگر اس کا مالک آ جائے تم اسے اس کو ادا کر دینا۔

لقطہ کے مالک کے نہ آنے پر صدقہ کرنے کا بیان

اور اگر اس لقطہ کا مالک آ جائے تو ٹھیک ہے نہیں تو صدقہ کر دے۔ تا کہ حق اپنے حقدار تک پہنچ جائے اور یہ عمل ممکن حد تک واجب ہے یعنی جب اس کا مالک آ جائے تو لقطہ کا عین اس کو واپس کرے۔ اور جب وہ نہ ملے تو پھر اس عین کا بدلہ یعنی ثواب پہنچا دے۔ اس ارادے کے ساتھ کہ اس مالک اس کو صدقہ کرنے کی اجازت دیدیگا۔ اور اگر اٹھانے والا چاہے تو اس کے مالک کے آنے تک اس کو روک رکھے۔

اس کے بعد اگر اس نے صدقہ کر دیا پھر مالک آ گیا تو اب مالک کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس صدقے کو ہی نافذ رہنے دے اور اس کا ثواب حاصل کرے کیونکہ خواہ وہ صدقہ اجازت شرعیہ کے ساتھ ہوا ہے لیکن اس میں اس کی اجازت تو شامل نہیں ہے لہٰذا اس کا نفاذ اسکی اجازت پر موقوف ہوگا ہاں البتہ اس کی اجازت سے پہلے فقیر کی ملکیت ثابت ہو جائے گی کیونکہ ملکیت کا ثبوت محل صدقہ کے قیام پر موقوف نہیں ہوا کرتا۔ یہ خلاف فضولی کی بیع کے کیونکہ اس میں اجازت کے بعد ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

اور اگر مالک چاہے تو اٹھانے والے کو ضامن بنائے کیونکہ اٹھانے والے نے اس کی اجازت کے بغیر اس کا مال دوسرے کو دیا ہے۔ خواہ اس کو اجازت شرعیہ مل چکی ہے مگر یہی اباحت بندے کے حق میں ضمان کو رد کنے والی نہیں ہے جس طرح مخمصہ کی حالت میں دوسرے کا مال کھانا ضمان کو رد کنے والا نہیں ہے۔ اور اگر مالک چاہے تو اس مسکین کو ضامن بنائے جبکہ لقطہ اس کے ہاں ہلاک ہو گیا ہو۔ کیونکہ مسکین نے مالک کی اجازت کے بغیر اس مال پر قبضہ کیا ہے اور اگر لقطہ موجود ہو تو مالک اس کو پکڑ لے۔ کیونکہ اس کو اصلی صورت میں اپنا مال مل گیا ہے۔ (ہدایہ، کتاب لقطہ، لاہور)

لقطہ کے قیمتی ہونے میں معیار ضمان کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد حضرت شعیب) سے اور شعیب اپنے دادا یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درختوں پر لٹکے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت مند کچھ پھل توڑ کر کھالے لیکن اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے اور جو شخص کھائے بھی اور جھولی بھر کر لے بھی جائے تو اس پر دوگنا تاوان ہے اور سزا ہے اور جو شخص ان پھلوں میں سے کچھ چرائے جو کھلیان میں رکھے جا چکے ہوں اور وہ چرائی ہوئی مقدار ایک سپر ڈھال کی قیمت کے بقدر ہو تو اس کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے۔ راوی نے گمشدہ اونٹ اور بکری کے بارے میں اس سوال وجواب کا ذکر کیا جو دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے اور جو پہلے گزر چکا ہے اس کے بعد راوی کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لقطہ کسی ایسے راستے پر پایا جائے جس پر آمد ورفت رہتی ہو اور گاؤں وآبادی کے قریب ہو تو اس کے بارے میں ایک سال تک تشہیر واعلان کرو اور پھر جب

مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے سپرد کردو اور اگر مالک نہ آئے تو وہ لقطہ تمہارا ہے کہ تم اسے اپنے کام میں لا سکتے ہو) اور وہ لقطہ جو ویرانہ قدیم میں پایا جائے اس کا اور زمین سے برآمد ہونیوالے دفینے کا حکم یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ راہ خدا میں دے دیا جائے (نسائی) اور ابوداؤد نے اس روایت کو عمرو بن شعیب سے (وسئل عن اللقطة) تک نقل کیا ہے۔

(مسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 254)

ضرورت مند سے مراد یا تو مطلقاً فقیر و مفلس ہے کہ اگرچہ وہ حالت اضطرار میں ہو اور یا اس سے مراد مضطر یعنی وہ شخص مراد ہے جو بھوک کی سبب سے مرا جارہا ہو۔ گویا اس کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت مند درخت سے بقدر ضرورت پھل توڑ کر کھا لے مگر اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

ابن مالک کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص گنہگار تو نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر تاوان یعنی اتنے پھل کی قیمت دینا واجب ہوتا ہے یا پھر یہ کہ اس حکم کا تعلق اسلام کے ابتدائی زمانہ سے تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ اور اس پر دوگنا تاوان ہے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص پھل توڑ کر کھائے بھی اور اپنی جھولی میں بھر کر لے بھی جائے تو اس سے اس پھل کی دوگنی قیمت وصول کی جائے گی۔

لیکن ابن مالک فرماتے ہیں کہ حکم بطریق تنبیہ ہے ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ اس پھل کی دوگنی قیمت دینا واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف اصل قیمت لی جاسکتی ہے۔ اگرچہ حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اسلام کے ابتدائی زمانے کا ہے پھر منسوخ ہوگیا ہے" اور سزا ہے" میں "سزا" سے مراد "تعزیر" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ہاں بطور تعزیر کوئی سزا دی جاسکتی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اس زمانہ میں باغات محفوظ اور گھرے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ جو کھلیان میں رکھے ہوئے اناج و پھل اگر اتنی مقدار میں چرائے جو ایک سپر کی قیمت کے بقدر ہو تو شرعی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس وقت ایک سپر کی قیمت تین یا چار درہم ہوتی تھی۔

چنانچہ حضرت امام شافعی کے نزدیک چوری کے مال کی وہ مقدار کہ جس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی ہے چار درہم یا اس سے زیادہ مالیت کی ہے۔ لیکن حنفیہ کے مسلک میں ابتدائی دس درہم ہے چنانچہ شمنی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں سپر کی قیمت دس درہم ہوتی تھی۔

اور جو لقطہ کسی ایسے راستے پر پایا جائے جو آبادی کے قریب ہونے کی سبب سے گزرگاہ عام و خاص ہو تو اس کی تشہیر و اعلان واجب ہے کیونکہ اس بات کا غالب گمان ہوسکتا ہے کہ وہ کسی مسلمان کا ہو اور جو لقطہ کسی ویرانہ قدیم یعنی کسی ایسے ویران گاؤں یا قدیم وغیر آباد زمین پر پایا جائے جہاں مسلمانوں کی عمارات نہ ہوں اور نہ وہ کسی مسلمان کی ملکیت میں ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کردیا جائے اور بقیہ اپنے استعمال میں لے آیا جائے خواہ وہ لقطہ سونے چاندی کی صورت میں ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سامان و زیورات کی شکل میں ہو اسی طرح کسی ویران قدیم سے اگر کوئی دفینہ وغیرہ برآمد ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو چیز بے اطلاع مالک بیچی جائے وہ بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے قبل

ازاجازت اگر سوبھی یکے بعد دیگرے ہوں، سب اسی کی اجازت پر موقوف رہیں گی اور قبل اجازت اس میں کوئی اس کا مالک نہ ہوگا نہ اس کا تصرف جائز ہو، نہ اس کی قربانی ہوسکے، لقطہ کا حکم تشہیر ہے اس کے بعد فقیر پر تصدق نہ کہ بلا تشہیر بیع، ہاں بعد اطلاع جس بیع کو وہ نافذ کردے نافذ ہوجائے گی جبکہ بائع ومشتری وبیع قائم ہوں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۷، ص ۲۰۷، لاہور)

بَاب الْتِقَاطِ مَا اَخْرَجَ الْجُرَذُ

یہ باب ہے کہ جس چیز کو حشرات الارض (زمین سے) باہر نکالتے ہیں اسے حاصل کرنا

2508 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَثْمَةَ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ يَعْقُوبَ الزَّمْعِيُّ حَدَّثَتْنِي عَمَّتِي قُرَيْبَةُ بِنْتُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ اُمَّهَا كَرِيمَةَ بِنْتَ الْمِقْدَادِ بْنِ عَمْرٍو اَخْبَرَتْهَا عَنْ ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّهُ خَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ اِلَى الْبَقِيعِ وَهُوَ الْمَقْبَرَةُ لِحَاجَتِهِ وَكَانَ النَّاسُ لَا يَذْهَبُ اَحَدُهُمْ فِي حَاجَتِهِ اِلَّا فِي الْيَوْمَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ فَاِنَّمَا يَبْعَرُ كَمَا تَبْعَرُ الْاِبِلُ ثُمَّ دَخَلَ خَرِبَةً فَبَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ لِحَاجَتِهِ اِذْ رَاَى جُرَذًا اَخْرَجَ مِنْ جُحْرٍ دِينَارًا ثُمَّ دَخَلَ فَاَخْرَجَ اٰخَرَ حَتّٰى اَخْرَجَ سَبْعَةَ عَشَرَ دِينَارًا ثُمَّ اَخْرَجَ طَرَفَ خِرْقَةٍ حَمْرَاءَ قَالَ الْمِقْدَادُ فَسَلَلْتُ الْخِرْقَةَ فَوَجَدْتُ فِيهَا دِينَارًا فَتَمَّتْ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ دِينَارًا فَخَرَجْتُ بِهَا حَتّٰى اَتَيْتُ بِهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ خَبَرَهَا فَقُلْتُ خُذْ صَدَقَتَهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ ارْجِعْ بِهَا لَا صَدَقَةَ فِيهَا بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا ثُمَّ قَالَ لَعَلَّكَ اَتْبَعْتَ يَدَكَ فِي الْجُحْرِ قُلْتُ لَا وَالَّذِي اَكْرَمَكَ بِالْحَقِّ قَالَ فَلَمْ يَفْنَ اٰخِرُهَا حَتّٰى مَاتَ

◄► حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ وہ "بقیع" کی طرف گئے (یعنی کھلے میدان کی طرف قضائے حاجت کے لیے گئے) اس زمانے میں لوگ قضائے حاجت کے لیے دو دن بعد یا تین دن بعد جایا کرتے تھے اور وہ جس طرح اونٹ مینگنی کرتے ہیں اس طرح پاخانہ کرتے تھے۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ایک ویران جگہ پر داخل ہوئے تو وہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھے ہوئے تھے اس دوران انہوں نے ایک چوہے کو دیکھا کہ اس نے اپنے بل میں سے ایک دینار نکالا پھر وہ اندر گیا پھر اس نے ایک اور نکالا یہاں تک کہ اس نے سترہ دینار نکال لیے پھر اس نے سرخ رنگ کے کپڑے کا ایک سرا باہر نکالا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اس کپڑے کو کھینچا تو مجھے اس میں سے بھی ایک دینار مل گیا یوں میرے اٹھارہ دینار مکمل ہو گئے میں وہاں سے اٹھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں بتایا: میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا صدقہ وصول کر لیجیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم اسے لے کر واپس چلے جاؤ اس میں صدقہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس میں برکت ڈالے"۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

2508- اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3087

''شاید تم نے بل میں اپنا ہاتھ بھی داخل کیا ہوگا''۔
میں نے عرض کی: جی نہیں اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ہمراہ عزت بخشی ہے۔
راوی کہتے ہیں: پھر وہ دینار ختم ہونے سے پہلے ہی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ

حضرت مقداد کا شجرۂ نسب قحطان سے جا ملتا ہے جو جنوبی یمن کے قبائل کے جد اعلیٰ تھے۔ قحطان کی چوتھی نسل میں حمیر اور نویں میں قضاعہ ہوئے۔ بہرا بنو قضاعہ کی ایک شاخ تھی، حضرت مقداد اسی سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے بہرانی کہلاتے ہیں۔ ان کے والد عمرو بن ثعلبہ (ایک روایت: مقداد) نے اپنی قوم کے ایک آدمی کو قتل کر دیا پھر بھاگ کر حضرموت چلے گئے اور قبیلۂ کندہ کے حلیف بن گئے تب وہ کندی اور حضرمی کی نسبتوں سے مشہور ہو گئے۔ عمرو نے کندہ کی ایک عورت سے شادی کی جس سے مقداد پیدا ہوئے۔ مقداد بڑے ہوئے تو ان کا ابو شمر بن حجر کندی سے جھگڑا ہو گیا۔ انھوں نے تلوار مار کر اس کا پاؤں کاٹ دیا اور بھاگ کر مکہ چلے گئے اور بنو زہرہ کے اسود بن عبد یغوث کے حلیف بن گئے۔ اسود نے خط لکھ کر عمرو کو بلایا اور مقداد کو متبنّیٰ بنا لیا۔ چنانچہ وہ مقداد بن اسود زہری کے نام سے مشہور ہو گئے۔ یہ روایت بھی موجود ہے کہ مقداد سیاہ فام تھے اور لے پالک بننے سے پہلے اسود کی غلامی میں تھے۔ جب منہ بولے بیٹوں کے بارے میں اللہ کا یہ حکم نازل ہوا،

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۔

(الاحزاب)

انھیں ان کے (حقیقی) باپوں کے نام سے پکارو، یہی اللہ کے ہاں زیادہ قرین انصاف ہے۔ اور اگر تمھیں ان کے آبا کا علم ہی نہ ہو تو تمھارے دینی بھائی اور تعلق دار ہیں۔

تو انھیں مقداد بن عمرو کہا جانے لگا تاہم ان کی پہلی شہرت برقرار رہی۔

مقداد کی کنیت ابو عمر یا ابو معبد یا ابو اسود تھی۔ حضرت مقداد السابقون الاولون میں سے تھے، لیکن شروع میں انھوں نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا۔ معلوم نہیں کہ پہلے پچاس مسلمانوں میں ان کا کون سا نمبر تھا تاہم، یہ واضح ہے کہ قبول اسلام کے وقت ان کی عمر چوبیس برس تھی۔ اسلام کی طرف ان کی سبقت اس روایت سے خوب ظاہر ہو جاتی ہے جو عبداللہ بن مسعود نے روایت کی، جن اہل ایمان نے سب سے پہلے اپنے ایمان کا اعلان کیا، سات تھے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمار، سمیہ، صہیب، بلال اور مقداد (دوسری روایت خباب)۔ آپ کی حفاظت اللہ نے آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعے سے کی، سیدنا ابوبکر کے دفاع کا ذریعہ ان کی قوم بنی، باقی پانچوں کو مشرکین لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ کی تپش دیتے۔ (مقدمہ ابن ماجہ، مسند احمد)

حضرت مقداد کی شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن ضباعہ سے ہوئی۔ وہ زبیر بن عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ ان دونوں کی شادی کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے، ایک بار حضرت مقداد اور حضرت عبدالرحمان بن عوف اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمان نے مقداد سے کہا، تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ مقداد نے جواب دیا، آپ اپنی بیٹی مجھ سے بیاہ دیں۔ عبدالرحمان غصے

میں آگئے اور مقداد کو برا بھلا کہا۔ مقداد نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا، میں تمھارا بیاہ کر دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے ضباعہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ وہ خوب صورت ہونے کے ساتھ ذہین بھی تھیں۔

لقیط کے معنی ومفہوم کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عرف شرع میں لقیط اس بچہ کو کہتے ہیں جس کو اسکے گھر والے نے اپنی تنگدستی یا بدنامی کے خوف سے پھینک دیا ہو۔ (الدرالمختار، کتاب اللقیط)

لقط لام کے پیش اور قاف کے زیر کے ساتھ یعنی لقطہ بھی منقول ہے اور قاف کے جزم کے ساتھ یعنی لقطہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ محدثین کے ہاں قاف کے زبر کے ساتھ یعنی لقطہ مشہور ہے۔

لقیط (یعنی بے وارث بچہ) اگر کہیں پڑا ہوا ملے تو اسے اٹھا لینا مستحب ہے اور اگر اس کے ہلاک ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اسے اٹھانا واجب ہوگا۔ ایسا بچہ جب تک مملوک غلام ہونا ثابت نہ ہو حر (یعنی آزاد ہے) لقیط کا نفقہ اور اس کا خون بہا بیت المال کے ذمہ ہوگا۔ اسی طرح اس کی میراث بھی بیت المال کی تحویل میں رہے گی۔ جس شخص نے لقیط کو اٹھا لیا ہے اس سے کسی اور کو لینے کا اختیار نہیں ہوگا اگر کسی شخص نے یہ دعوی کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اور اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر دو آدمی ایک ساتھ اس کا دعوی کریں تو اس کو لینے کا زیادہ حقدار وہ شخص ہوگا جو اس بچہ کے بدن میں کوئی علامت بتائے اور دیکھنے میں وہ علامت موجود پائی جائے مثلا وہ یہ بتائے کہ اس کی پیٹھ پر مسہ ہے اور پھر جب دیکھا جائے تو اس کی پیٹھ پر مسہ موجود ہو۔

لقیط کے بارے میں فقہی احکام

گمشدہ لاوارث بچے کے احکام کا لقطہ یعنی گمشدہ اشیاء کے احکام سے بہت بڑا تعلق ہے، اس لیے کہ لقطہ گمشدہ اموال کے ساتھ خاص ہے اور لقیط گمشدہ انسان کو کہا جاتا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی احکام زندگی کی ضروریات اور اس کے ہر مفید شعبے کو شامل ہیں۔

دنیا تو یتیموں اور لاوارث بچوں اور بوڑھے لوگوں کی دیکھ بھال اور پرورش اور پناہ گزین کیمپوں سے آج متعارف ہو رہی ہے، لیکن اسلام نے تو آج سے چودہ سو برس قبل ہی اس سے بھی زیادہ اس کی طرف توجہ دلائی اور اس کے احکام بتائے جن میں لقیط یعنی لاوارث پھینکے ہوئے یا پھر اپنے والدین سے گمشدہ بچے کی دیکھ بھال شامل ہے ان دونوں حالتوں میں بچے کے نسب کا کوئی علم نہیں ہوتا۔

لہذا ہر اس شخص پر جو بھی کسی لاوارث بچے کو پائے واجب ہے کہ وہ اسے حاصل کرے اور اس کی دیکھ بھال اور پرورش کرے یہ دیکھ بھال فرض کفایہ ہے کچھ لوگوں کے کرنے سے باقی سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے، لیکن اگر سب ہی اسے ترک کر دیں اور کوئی بھی اس بچے کو امکان ہونے کے باوجود نہ حاصل کرے تو سب گنہگار ہونگے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور نیکی و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو)

تو اس آیت کا عموم لقیط یعنی گمشدہ بچے کو لینے پر دلالت کر رہا ہے، اس لیے کہ یہ بھی خیر و بھلائی پر تعاون ہے، اور پھر اس بچے کو لینے میں ایک جان کو زندہ کرنا اور جان بچانا ہے اس لیے ایسا کرنا واجب ہے جس طرح ضرورت کے وقت اسے کھانا کھلانا اور غرق ہونے سے بچانا واجب ہے اسی طرح اسے اٹھانا اور حاصل کرنا بھی واجب ہے۔

لقیط یعنی گمشدہ لاوارث بچہ سب احکام میں آزاد ہے اس لیے کہ اصل چیز تو آزادی ہے اور غلامی تو ایک عارضی چیز ہے اس لیے اگر علم نہ ہو سکے تو غلام نہیں بلکہ وہ آزاد ہوگا۔

اور جو مال اور رقم وغیرہ اس کے ساتھ ہو یا اس کے ارد گرد سے ملے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے وہ اس کی ملکیت ہوگی، اور اس لیے کہ اس کا ہاتھ اس پر ہے ایسے بچے کو اٹھانے والا احسن اور بہتر طریقے سے اس پر خرچ کرے کیونکہ اسے اس پر ولایت حاصل ہے۔

لیکن اگر اس بچے کے ساتھ اسے کچھ بھی نہ ملے تو اس پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے لاوارث بچہ اٹھانے والے کو کہا تھا:

(جاؤ وہ بچہ آزاد ہے اور اس کی ولاء تجھے حاصل ہے، اور اس کا نفقہ اور خرچہ ہم پر ہوگا) یعنی اس کا خرچہ بیت المال سے ہوگا

اور ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: (اس کی رضاعت ہمارے ذمہ ہے) یعنی رضاعت کا خرچہ بیت المال برداشت کرے گا، لہذا اٹھانے والے پر نہ تو خرچہ واجب ہے اور نہ ہی اس کی رضاعت، بلکہ یہ بیت المال پر واجب ہوگی، لیکن اگر بیت المال نہ ہو تو مسلمانوں میں سے جس کو علم ہو اس پر اس کا خرچہ واجب ہوگا۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور خیر و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کیا کرو)۔

اور اس لیے بھی کہ اگر اس پر خرچہ نہ کیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس لیے بھی کہ اس پر خرچ کرنا خیر خواہی ہے جس طرح مہمان کی میزبانی کی جاتی ہے۔ اور دینی لحاظ سے اس کا حکم یہ ہے کہ: اگر وہ دار الاسلام یا پھر ایسے کافر ملک میں جہاں پر اکثریت مسلمانوں کی ہو تو وہ بچہ مسلمان ہوگا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے)۔

اور اگر وہ بچہ خالصتاً کفار ملک میں پایا جائے یا پھر اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد قلیل ہو تو ملک کے ماتحت وہ بچہ بھی کافر شمار ہوگا، اسے اٹھانے والا شخص اگر امانت دار ہو تو اس پر اس کی پرورش کی ذمہ داری ہوگی، کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابو جمیلہ کے صالح ہونے کے علم ہونے پر لاوارث بچے کو ان کے پاس ہی رکھنے کا فیصلہ کیا اور فرمایا تھا: (اس کی ولایت تجھے ہی ملے گی) اس لیے کہ اس نے اسے اٹھانے میں سبقت لی ہے اس لیے وہ ہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

اور لاوارث بچے کو اٹھانے والا ہی اس بچے پر اس کے ساتھ پائے جانے والی رقم میں سے خرچ کرے گا اس لیے کہ وہ ہی اس کا ولی ہے اور خرچ کرنے میں معروف اور احسن انداز اختیار کرنا ہوگا۔

اور اگر لاوارث بچے کو اٹھانے والا پرورش کرنے کا اہل نہ ہو مثلاً وہ کافر یا فاسق ہو اور بچہ مسلمان ہونے کی صورت میں بچہ اس کے پاس نہیں رہنے دیا جائے گا، اس لیے کہ کافر اور فاسق کی مسلمان پر ولایت قائم نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ بچے کو دین اسلام سے پھیر

دے گا اور اسی طرح اگر بچے کو اٹھانے والا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے والا خانہ بدوش ہو تو اس کے پاس بھی بچہ نہیں رہنے دیا جائے گا اس لیے کہ اس میں بچے کے لیے تکلیف اور تنگی ہے۔

لہٰذا بچہ اس سے حاصل کر کے شہر میں رکھا جائے گا کیونکہ بچے کا شہر میں رہنا اس کے دین و دنیا دونوں کے لیے بہتر اور اچھا ہے، اور بچے کے خاندان اور نسب کو تلاش کرنے میں زیادہ آسان ہے۔

لاوارث بچے کی اگر کوئی اولاد نہ ہو تو اس کی وراثت اور اسی طرح اگر اس پر کوئی شخص جرم کرے تو اس کی دیت دونوں چیزیں بیت المال کی ہونگی، اور اگر اس کی بیوی ہو تو اسے ربع یعنی چوتھا حصہ ملے گا۔

اور لاوارث بچے کا قتل عمد میں مسلمانوں کا امام اس کی ولی بنے گا اس لیے کہ مسلمان اس کے وارث بنتے ہیں اور امام یعنی خلیفہ اور امیر المسلمین ان کا نائب ہے لہٰذا اسے قصاص اور دیت لینے کا اختیار دیا جائیگا اور دیت بیت المال کی ہوگی، کیونکہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا حکمران اور خلیفہ ولی ہوتا ہے۔

اور اگر اس پر کوئی شخص قتل کے علاوہ کسی قسم کی زیادتی کرے تو اس کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا تا کہ وہ اس کا قصاص لے سکے یا اس زیادتی کو معاف کر دے۔

اور اگر کوئی مرد یا عورت یہ اقرار کرے کہ لاوارث بچہ اس کا ہے تو بچہ اس کی طرف ہی منسوب ہوگا، اس لیے کہ بچے کی مصلحت اسی میں ہے کہ اس کا نسب مل جائے، اور اس کا کسی دوسرے کو کوئی نقصان اور نقصان نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے نسب کا دعوی کرنے والا منفرد شخص ہو، اور یہ بھی ممکن ہو کہ بچہ اس سے ہو۔

لیکن اگر اس کے نسب کا دعوی کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں تو صاحب دلیل کو مقدم کیا جائے گا، اور اگر ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی دلیل نہ ہو یا پھر دلائل آپس میں تعارض رکھتے ہوں تو بچے کو ان کے ساتھ قیافہ لگانے والے پر پیش کیا جائے گا اور قیافے والا بچے کو جس کے ساتھ ملحق کرے گا بچہ اس شخص کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔

اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی صحابہ کرام کی موجودگی میں یہی فیصلہ کیا تھا، اور اس لیے بھی کہ قیافہ والے قوم میں سب سے زیادہ نسب کو جانتے ہیں، اور اس میں صرف ایک قیافہ شناس ہی کافی ہوگا، اور اس میں شرط یہ ہے کہ وہ قیافہ لگانے والا مرد ہو اور عادل اور اور اس کے قیافہ کے صحیح ہونے کا تجربہ بھی ہو۔

لقیط کا نام رکھنے کا بیان

لقیط کا نام لقیط اس کے انجام کے سبب سے رکھا گیا ہے کیونکہ اس کو اٹھایا جاتا ہے اور اس کا اٹھانا مستحب ہے کیونکہ اس میں لقیط کی زندگی ہے اور جب دیکھنے والے کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ ضائع ہو جائے گا تو اب اس کو اٹھانا واجب ہے۔ فرمایا. کہ لقیط آزاد ہوتا ہے کیونکہ بنی آدم میں اصل آزادی ہے کیونکہ دارالاسلام بھی آزاد لوگوں کا ملک ہے کیونکہ حکم غالب پر مرتب ہوا کرتا ہے۔

شرح: علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس شخص کو ایسا بچہ ملے اور معلوم ہو کہ نہ اٹھالائے تو ضائع و ہلاک ہو جائے گا تو اٹھا لانا فرض ہے اور ہلاک کا غالب گمان نہ ہو تو مستحب۔ لقیط آزاد ہے اس پر تمام احکام وہی جاری ہوں گے جو آزاد کے لیے

ہیں اگرچہ اُس کا اُٹھالانے والا غلام ہو ہاں اگر گواہوں سے کوئی شخص اسے اپنا غلام ثابت کردے تو غلام ہوگا۔ (فتح القدیر، کتاب لقیط)

لقیط کے اخراجات کا بیت المال سے ہونے کا بیان

حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ لقیط کا نفقہ بیت سے دیا جائے گا۔ کیونکہ لقیط ایسا مسلمان ہے جو کمانے سے عاجز ہے اور اس کے پاس کوئی مال بھی نہیں ہے اور اسکی کوئی قرابت بھی نہیں ہے پس لقیط اس اپاہج کی طرح ہو جائے گا جس کے پاس مال نہ ہو۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ لقیط کی وارثت بیت المال کی ہوتی ہے اور جو نفع لینے والا ہے وہی ضمان بھی ادا کرے گا۔ (قاعدہ فقہیہ) لہٰذا لقیط کی جنایت کا ضمان بھی بیت المال میں سے واجب ہے۔ البتہ لقیط پر خرچ کرنے والا محسن ہے کیونکہ لقیط پر خرچ کرنے والے کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہوتی حتیٰ کہ قاضی اس پر خرچ کرنے کا حکم جاری کردے تاکہ خرچ کرنا اس پر بطور قرض ہو جائے کیونکہ قاضی کو عموم ولایت حاصل ہے۔

لقیط کے اخراجات کی ذمہ داری کا بیان

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ابو جمیلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک پڑا ہوا بچہ پایا۔ کہتے ہیں میں اسے اٹھالایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا انھوں رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اسے کیوں اٹھایا؟ میں نے جواب دیا کہ میں اسے نہ اٹھاتا تو یہ ضائع ہو جاتا ابو جمیلہ رضی اللہ عنہ کی قوم کے سردار نے کہا اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ یہ مرد صالح ہے یعنی یہ غلط نہیں کہتا (یعنی یہ تصدیو ہو جانے پہ کہ ابو جمیلہ درست کہہ رہے کہ بچے کے بارے میں انھیں اس کے سوا کچھ پتہ نہیں کہ وہ رستے میں پڑا ہوا تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے لے جاؤ یہ آزاد ہے اس کا نفقہ ہمارے ذمہ ہے یعنی بیت المال سے دیا جائے گا۔ (موطا، امام مالک)

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لقیط لایا جاتا تو اسکے مناسب حال کچھ وظیفہ مقرر فرمادیتے جو اسکا ولی ہر ماہ لے جایا کرے، لقیط کے بارے میں بھلائی کرنے کی وصیت فرماتے اسکی رضاعت (کسی خاتون سے دودھ پینا) کے مصارف اور دیگر اخراجات بیت المال سے مقرر کرتے۔ (نصب الرایہ، کتاب الملقیط)

تمیم رضی اللہ عنہ نے ایک لقیط پایا اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لائے انہوں نے اسے اپنے ذمہ لے لیا۔

(المصنف، باب القیط)

امام محمد نے امام حسن بصری سے روایت کی ایک شخص نے لقیط پایا اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا انھوں نے فرمایا یہ آزاد ہے اگر میں اسکا متولی ہوتا ہوتا یونی اگر یہ مجھے ملا ہوتا تو مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔ (فتح القدیر، کتاب القیط)

لقیط کے جملہ اخراجات کھانا کپڑا رہنے کا مکان بیماری میں دوا یہ سب بیت المال کے ذمہ ہے اور لقیط مر جائے اور کوئی وارث نہ ہو تو میراث بھی بیت المال میں جائے گی۔ ایک شخص ایک بچہ کو قاضی کے پاس پیش کر کے کہتا ہے یہ لقیط ہے میں نے ایک جگہ پڑا پایا ہے تو ہو سکتا ہے کہ محض اُس کے کہنے سے قاضی تصدیق نہ کرے بلکہ گواہ مانگے اس لیے کہ ممکن ہے خود اُسی کا بچہ ہو اور لقیط اس غرض سے بتاتا ہے کہ مصارف بیت المال سے وصول کرے اور یہ ثبوت بہم پہنچ جانے کے بعد کہ لقیط ہے نفقہ وغیرہ بیت المال سے

منذ کر دیا جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ)

بیت المال کے بعض مصارف کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ضوائع یعنی لقطے (گری پڑی اشیاء) پس ماتن کا قول "مثل مالا" یعنی اس ترکہ کی مثل جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو یا ایسا وارث ہو جس پر (بچا ہوا ترکہ) رد نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اس کا مشہور مصرف وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کے لئے کوئی ولی نہ ہوں، اس میں سے ان کو خرچہ، دوائیں کفن کے اخراجات اور جنایات کی دیتیں دی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں۔ (ردمحتار، کتاب زکوٰۃ، باب عشر، ج ۲، ص ۵۹، بیروت)

لقیط کو اٹھانے والے ہی کے استحقاق کا بیان

اور جب کسی شخص نے لقیط کو اٹھایا تو دوسرے آدمی کے لئے حق نہیں ہے کہ وہ اٹھانے والے سے لقیط کو لے۔ کیونکہ اٹھانے میں سبقت کرنے کے سبب اسی کو حق حفاظت مل چکا ہے ہاں جب کسی بندے نے یہ دعویٰ کر دیا کہ لقیط تو میرا بیٹا ہے تو اس کے قول کا اعتبار کر لیا جائے گا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب اس نے ثبوت نسب کا دعویٰ خواہ نہ کیا ہو۔ اور یہ استحسان ہے جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مدعی کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے کیونکہ اس دعویٰ سے ملتقط کے حق کا بطلان لازم آ رہا ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ بچے کے حق میں اس کا اقرار کرنا ایسا عمل ہے جو بچے کے لئے فائدے مند ہے کیونکہ ثبوت نسب سے وہ شریف کہلائے گا اور نسب نہ ہونے کے سبب اسے شرمندگی ہوگی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دعویٰ صرف ثبوت نسب میں درست ہوگا جبکہ ملتقط کے دعویٰ کو باطل کرنے میں اسکا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ملتقط کے قبضے کا باطل ہونا بھی اس دلیل پر مبنی ہے اور جب ملتقط دعویٰ کرے تو ایک قول کے مطابق قیاس و استحسان دونوں کے اعتبار سے درست ہوگا جبکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی بطور استحسان درست ہوگا قیاس کے اعتبار سے درست نہ ہوگا اور مبسوط میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

لقیط جو بطور جبر لینے کی ممانعت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اٹھالانے والے سے لقیط کو جبراً کوئی نہیں لے سکتا قاضی و بادشاہ کو بھی اس کا حق نہیں ہاں اگر کوئی سبب خاص ہو تو لیا جا سکتا ہے مثلاً اُس میں بچہ کی نگہداشت کی صلاحیت نہ ہو یا ملتقط فاسق فاجر شخص ہے اندیشہ ہے کہ اس کے ساتھ بدکاری کریگا ایسی صورتوں میں بچہ کو اُس سے جدا کر لیا جائے۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب لقیط)

ملتقط کی رضامندی سے قاضی نے لقیط کو دوسرے شخص کی تربیت میں دیدیا پھر اس کے بعد ملتقط واپس لینا چاہتا ہے تو جب تک یہ شخص راضی نہ ہو واپس نہیں لے سکتا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

لقیط کے بارے میں دو آدمیوں کے دعویٰ کرنے کا بیان

اور جب لقیط کے بارے میں دو بندوں نے دعویٰ کر دیا اور ان میں سے ایک مدعی نے علامت کو بیان کر دیا جو اس کے جسم میں

تھی تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہوگا۔ کیونکہ ظاہری حالت اس کے حق کی گواہ ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) اور علامت سے اس کا کلام واضح ہے۔ اور جب ان میں سے کسی ایک نے علامت کو بیان نہ کیا تو وہ لقیط دونوں کا بیٹا ہوگا کیونکہ دعویٰ کے سبب میں دونوں برابر ہیں اور جب ان میں سے ایک نے پہلے دعویٰ کیا تو مقدم والے کا بیٹا ہوگا کیونکہ اس کا حق ایسے وقت میں ثابت ہوا ہے جب اس کے ساتھ کوئی جھگڑنے والا نہیں تھا۔ ہاں جب دوسرا آدمی کوئی گواہ پیش کردے کیونکہ شہادت زیادی قوی ہوتی ہے۔

شرح

ایک کے دعویٰ کرنے کے بعد دوسرا شخص دعویٰ کرتا ہے تو وہ پہلے ہی کا لڑکا ہو چکا دوسرے کا دعویٰ باطل ہے ہاں اگر دوسرا شخص گواہوں سے اپنا دعویٰ ثابت کردے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ دو شخصوں نے بیک وقت اُس کے متعلق دعویٰ کیا اور ان میں ایک نے اُس کے جسم کا کوئی نشان بتایا اور دوسرا نہیں تو جس نے نشانی بتائی اُسی کا ہے مگر جبکہ دوسرا گواہوں سے ثابت کردے کہ میرا لڑکا ہے تو یہی مستحق ہوگا اور اگر دونوں کوئی علامت بیان نہ کریں نہ گواہوں سے ثابت کریں یا دونوں گواہ قائم کریں تو لقیط دونوں میں مشترک قرار دیا جائے اور اگر ایک نے کہا لڑکا ہے دوسرا کہتا ہے لڑکی تو جو صحیح کہتا ہے اُسی کا ہے۔ مجہول النسب بھی اس حکم میں لقیط کی مثل ہے یعنی دعویٰ النسب میں جو حکم لقیط کا ہے وہی اس کا ہے۔ (ہدایہ)

مسلمانوں کے شہر میں لقیط کے پائے جانے کا بیان

اور جب مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں لقیط پایا گیا یا بستیوں میں سے کسی بستی میں لقیط پایا گیا اور ایک ذمی شخص نے یہ دعویٰ کردیا کہ یہ اسکا بیٹا ہے تو اس بچے کا نسب ذمی سے ثابت ہو جائے گا اور وہ مسلمان ہوگا اور یہی استحسان ہے کیونکہ ذمی کا دعویٰ ثبوت نسب میں حکم کو لازم کرنے والا ہے اور یہ چیز اس بچے کے فائدے کی ہے۔ لیکن یہی دعویٰ دارالاسلام کے سبب ثابت ہونے والے لقیط کے اسلام کو باطل کرنے کو لازم ہوگا۔ حالانکہ اسلام کو باطل کرنا زیادہ نقصان دہ ہے پس جو چیز بچے کے لئے نفع مند ہے اس میں اس کا دعویٰ درست ہوگا اور جو چیز اس بچے کے لئے نقصان دہ ہو وہ اس میں دعویٰ درست نہ ہوگا۔

اور جب لقیط اہل ذمہ کے دیہاتوں میں کسی دیہات میں یا بیعہ یا کنیسہ میں پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا اور یہ حکم تب ہوگا جب اس کو اٹھانے والا ذمی ہو۔ اور جب اہل ذمہ کے علاقے میں لقیط کو کسی مسلمان نے پایا ہے یا مسلمانوں کے علاقوں میں کسی ذمی نے اسے پایا ہے تو اسکے بارے میں اختلاف روایات ہے۔

کتاب لقیط کی روایت کے مطابق اس میں مکان کا اعتبار ہے کیونکہ مکان مقدم ہے جبکہ مبسوط کے بعض نسخہ جات میں کتاب دعویٰ کی روایت میں یہ ہے کہ پانے والا کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور محمد بن سماعہ نے امام محمد علیہ الرحمہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ کیونکہ قبضہ مضبوط ہوتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ والدین کے تابع ہونے کا حکم گھر کے تابع ہونے سے بلند ہے یہاں تک کہ جب والدین کے ساتھ کوئی بچہ قید کیا گیا ہو تو وہ بچہ کافر ہی شمار کیا جاتا ہے۔ اور مبسوط کے بعض نسخہ جات میں ہے بچے پر رحمت کے سبب اسلام کا اعتبار کیا جائے گا۔

لقیط کے غلام ہونے کے دعویٰ کرنے کا بیان

اور جب کسی شخص نے لقیط کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کا غلام ہے تو اس کا یہ دعویٰ قبول کیا جائے گا کیونکہ ظاہری حالت کے مطابق وہ آزاد ہے ہاں جب وہ شخص کوئی شہادت قائم کروے کہ وہ اس کا غلام ہے۔ پس جب کسی غلام نے لقیط کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اسکا بیٹا ہے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ اس کے لئے اسی میں فائدہ ہے اور وہ آزاد ہوگا کیونکہ آزاد عورت غلام کے لئے بھی بچہ کر سکتی ہے پس شک کے سبب اس کی ظاہری آزادی باطل نہ ہوگی اور اس طرح لقیط کے بارے میں غلام دعویٰ کرنے میں آزاد کی بہ نسبت زیادہ حقدار ہوگا۔ اور مسلمان ذمی سے زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ اس میں ترجیح اس چیز کو دی گئی ہے کہ جس میں بچے کو زیادہ فائدہ ہو۔

لقیط کی نسبت دعویٰ کرنے والے کا بیان

لقیط کی نسبت کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اُسی کا لڑکا قرار دیدیا جائے اور اگر کوئی شخص اسے اپنا غلام بتائے تو جب تک گواہوں سے ثابت نہ کردے غلام قرار نہ دیا جائے۔

اگر کوئی غلام یہ دعوی کرے کہ یہ لقیط میرا لڑکا ہے تو اس کا دعوی صحیح تسلیم کیا جائے گا لیکن وہ بچہ مسلمان رہے گا جبکہ وہ مسلمانوں کی آبادی یا مسلمانوں کے محلہ میں ملا ہو اور اگر وہ ذمیوں کی بستی میں یا ان کے محلہ میں یا انکے گرجا مندر میں ملا ہوگا تو اس صورت میں وہ ذمی رہے گا۔ اگر لقطی کے ساتھ بندھا ہوا کچھ مال یا اس کے جسم پر کوئی زیور وغیرہ ملے تو اسے قاضی کے حکم کے بعد لقیط ہی پر خرچ کیا جائے گا اگر چہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم واجازت کے بغیر بھی اس کے مال کو اس پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ صحیح قول کے مطابق اٹھانے والے کے لئے یہ تو جائز ہے کہ وہ اس لقیط کو کوئی پیشہ سیکھنے کے لئے کسی پیشہ ور کے سپرد کر دے مگر اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کا نکاح کر دے یا اس کے مال میں تصرف کرے اور یا اس سے محنت ومزدوری کرائے۔

لقیط کے ساتھ مال ہونے کا بیان

اور جب کسی لقیط کے ساتھ مال بھی پایا گیا تو ظاہری حالت کے اعتبار سے وہ مال بھی اسی کا ہوگا۔ اور اسی طرح جب وہ کسی مال کی سواری کے ساتھ ہو اور اسی پر لقیط ہو تب بھی وہ مال اس لقیط کا ہوگا اسی کی دلیل وہی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

قاضی کے حکم کے مطابق لقیط کو پانے والا وہ مال لقیط پر خرچ کرے گا کیونکہ یہ ضائع ہونے والا مال ہے اور قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ اس طرح کا مال لقیط پر خرچ کرے جبکہ دوسرے قول کے مطابق لقیط کو پانے والا قاضی کے حکم کے بغیر بھی اس مال کو لقیط پر خرچ کر سکتا ہے کیونکہ ظاہری طور پر وہ مال لقیط ہی کا ہے۔

اٹھانے والے کو لقیط پر خرچ کرنے اور اس کی ضروریات زندگی کی اشیاء خریدنے کا حق حاصل ہے جس طرح کھانا اور کپڑا وغیرہ ہے کیونکہ یہ اس کے لئے اخراجات میں سے ہے ہاں البتہ اس کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ولایت کے سبب یعنی قرابت، ملکیت اٹھانے والے کے حق میں ثابت نہیں ہے۔

لقیط کی اشیاء میں عدم تصرف کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لقیط پر خرچ کرنے کی ولایت ملتقط کو ہے اور کھانے پینے لباس وغیرہ ضروری اشیاء خریدنے کی ضرورت ہو تو اس کا ولی بھی ملتقط ہے لقیط کی کوئی چیز بیع نہیں کر سکتا نہ کوئی چیز بے ضرورت اُدھار خرید سکتا ہے۔لقیط کو کسی نے کوئی چیز ہبہ کی یا صدقہ کیا تو ملتقط کو قبول کرنے کا حق ہے کیونکہ یہ تو نرا فائدہ ہی فائدہ ہے اس میں نقصان اصلاً نہیں ہے۔

(فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب لقیط)

بَاب مَنْ اَصَابَ رِكَازًا

یہ باب ہے کہ جو شخص کوئی دفینہ پالے

رکاز میں پانچواں حصہ زکوٰۃ ہونے کا بیان

2509- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَيْمُونٍ الْمَكِّيُّ وَهِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ وَّاَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''دفینہ میں پانچویں حصے کی ادائیگی لازم ہوگی''۔

2510- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا اَبُو اَحْمَدَ عَنْ اِسْرَائِيلَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''دفینہ میں پانچویں حصے کی ادائیگی لازم ہوگی''۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو معاف ہے اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مرجائے تو معاف ہے اگر کان کھدوانے میں کوئی مرجائے تو معاف ہے اور رکاز میں پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے۔(بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: رقم الحدیث، 295)

کوئی جانور یعنی گھوڑا، بیل اور بھینس وغیرہ اگر کسی شخص کو زخمی کر دے کوئی چیز ضائع کر دے یا کسی کو جان ہی سے مار ڈالے اور اس موقعہ پر جانور کے ساتھ کوئی یعنی اس کا مالک وغیرہ نہ ہو اور یہ کہ دن کا وقت ہو تو جانور کا زخمی کرنا یا کسی چیز کو ضائع کر دینا معاف

2509: اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4441' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3085' ورقم الحدیث: 4593' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1377' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2494' اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2673

2510: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہے یعنی اس کے مالک پر اس کا کوئی بدلہ اور جرمانہ نہیں ہوگا۔ ہاں اگر جانور اس حال میں کسی کو زخمی کرے یا کوئی چیز ضائع کر دے کہ اس پر کوئی سوار ہو یا اس کے ساتھ کوئی ہانکنے والا اور کھینچنے والا ہو تو ایسی صورت میں جانور کے مالک پر بدلہ اور جرمانہ واجب ہوگا کیونکہ اس میں کوتاہی اور لاپرواہی کو دخل ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی جانور رات کے وقت چھوٹ کر کسی کو زخمی کر دے یا کوئی چیز تلف کر دے تو اس کے مال پر اس کا تاوان آئے کیونکہ رات میں جانوروں کو باندھا جاتا ہے مگر اس نے جانور کو نہ باندھ کر لاپرواہی اور کوتاہی کا ثبوت دیا اس بارے میں مذکورہ حدیث اگرچہ عام ہے اور اس میں کوئی قید اور تخصیص نہیں ہے مگر دوسری احادیث اور دیگر دلائل کے پیش نظر مذکورہ قیود کو ذکر کیا گیا ہے۔ والبیر جبار (اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کنواں کھدوانا چاہتا ہے اور اس نے کنواں کھودنے کے لئے کسی مزدور کی خدمات حاصل کی ہیں اب اگر وہ مزدور کنواں کھودتے ہوئے گر کر یا دب کر مر جائے تو کنواں کھدوانے والے پر کوئی تاوان یعنی خون بہا وغیرہ واجب نہیں۔

اس طرح اگر کوئی شخص اپنی زمین میں یا کسی ایسی افتادہ زمین میں کہ جس کے مالک کا کوئی پتہ نہ ہو کنواں کھدوائے اور اس کنویں میں کوئی آدمی یا جانور گر کر مر جائے تو اس صورت میں بھی اس پر کوئی تاوان نہیں آئے گا ہاں اگر کنواں راستے میں یا کسی دوسرے کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر کھدوایا جائے اور اس کنویں میں کوئی آدمی یا جانور گر کر مر جائے تو اس صورت میں کنوا کھودنے والے کے عاقلہ پر تاوان یعنی خون بہا واجب ہوگا یہی حکم اس شخص کے بارے میں لاگو ہوگا جو سونا چاندی، فیروزہ یا مٹی نکلوانے کے لئے زمین کے کسی حصے کو کھدوائے گا۔

عاقلہ کسے کہتے ہیں "عاقلہ" ایک فقہی اصطلاح ہے اس کے معنی مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ کسی شخص سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا ہے مثلاً وہ شکار پر بندوق چلاتا ہے اور اتفاق سے بغیر کسی قصد و ارادہ کے اس کی گولی شکار کی بجائے کسی انسان کو ہلاک کر دیتی ہے یا مذکورہ بالا صورت کے مطابق کوئی شخص راستہ میں کنوا کھدوا دیتا ہے اور اس کنویں میں گر کر کوئی مر جاتا ہے تو جس شخص کی گولی سے کوئی خون ہو جائے یا جس شخص کے کھودے ہوئے کنویں میں کوئی گر کر مر جائے اس کے ساتھی اور رفیق "عاقلہ" کہلاتے ہیں فرض کیجئے وہ شخص فوج میں یا پولیس میں ملازم ہے تو اس کے ساتھی فوجی یا سپاہی عاقلہ کہلائیں گے اور اگر وہ کہیں ملازم نہ ہو تو پھر اس کے قبیلہ اور خاندان والے اس کے عاقلہ کہلائیں گے۔ عاقلہ پر تاوان کیوں؟ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غلطی تو اس شخص کی ہے مگر جرمانہ اور تاوان اس کے ساتھیوں یا اس کے اہل خاندان اور قبیلہ والوں پر کیوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس شخص سے کسی غلطی کا ارتکاب ہو گیا اور اس غلطی میں بھی اس کے قصد و ارادہ کو کوئی دخل نہیں تھا تو اگرچہ اس پر کوئی جرمانہ کیوں نہ کر دیا جائے مگر ہو سکتا ہے کہ وہ اس غلطی پر پشیمان و نادم نہ ہو اور اس کی لاپرواہی اور کوتاہی آئندہ کسی اور بڑے حادثے کا ذریعہ بن جائے اس لئے ضروری ہوا کہ جرمانہ اور تاوان ان لوگوں پر لازم کیا جائے جو اس کے قریب رہنے والے ہوں اور اس سے متعلق ہوں تاکہ وہ اس پر پوری طرح کنٹرول کر سکیں اور آئندہ کے لئے اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے دیں۔ حدیث میں مذکور رکاز سے کیا مراد ہے؟

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جس رکاز کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کان (معدن) مراد ہے لیکن اہل حجاز "رکاز" سے زمانہ جاہلیت کے دفینے (زمین دوز کیے ہوئے خزانے) مراد لیتے ہیں جہاں تک حدیث کا ظاہر مفہوم اور اس کا سیاق و

سیاق ہے اس کے پیش نظر وہی معنی زیادہ مناسب اور بہتر معلوم ہوتے ہیں۔

جو حضرت امام اعظم نے مراد لئے ہیں پھر یہ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی بھی "رکاز" کے اسی معنی کی وضاحت کرتا ہے چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا گیا کہ رکاز وہ سونا اور چاندی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس کی تخلیق کے وقت ہی پیدا فرمایا ہے۔ کان میں سے نکلنے والی چیزوں کی قسمیں اس موقع پر یہ بھی جان لیجئے کہ جو چیزیں کان سے برآمد ہوتی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ چیزیں جو منجمد ہوں اور آگ میں ڈالنے سے نرم ہو جائیں نیز منقش کئے جانے کے قابل ہوں یعنی جو سکے وغیرہ ڈھالنے کے کام آ سکتی ہوں جیسے سونا، چاندی، لوہا اور رانگا وغیرہ۔ (۲) وہ چیزیں جو منجمد نہیں ہوتیں جیسے پانی، تیل، رال اور گندھک وغیرہ۔ (۳) وہ چیزیں جو آگ میں ڈالنے سے نرم نہ ہوتی ہوں اور نہ سکے وغیرہ کے لئے ڈھالی جا سکتی ہوں جیسے پتھر، چونا، ہڑتال اور یاقوت وغیرہ، چنانچہ ان تینوں اقسام میں سے صرف پہلی قسم میں زکوۃ کے طور پر خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے اور اس کے لئے ایک سال گزرنا شرط نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی کے نزدیک معدنیات میں سے صرف سونے چاندی میں زکوۃ واجب ہوتی ہے دوسری معدنیات مثلاً لوہے، رانگ وغیرہ میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔

سونے کا گھڑا دفینے میں ملنے کا بیان

2511 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ ثَابِتٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِسْحٰقَ الْحَضْرَمِيُّ حَدَّثَنَا سَلِيمُ بْنُ حَيَّانَ سَمِعْتُ اَبِي يُحَدِّثُ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ اشْتَرٰى عَقَارًا فَوَجَدَ فِيهَا جَرَّةً مِّنْ ذَهَبٍ فَقَالَ اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الْاَرْضَ وَلَمْ اَشْتَرِ مِنْكَ الذَّهَبَ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنَّمَا بِعْتُكَ الْاَرْضَ بِمَا فِيهَا فَتَحَاكَمَا اِلٰى رَجُلٍ فَقَالَ اَلَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَ اَحَدُهُمَا لِي غُلَامٌ وَّقَالَ الْاٰخَرُ لِي جَارِيَةٌ قَالَ فَاَنْكِحَا الْغُلَامَ الْجَارِيَةَ وَلْيُنْفِقَا عَلٰى اَنْفُسِهِمَا مِنْهُ وَلْيَتَصَدَّقَا

◄► حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"تم سے پہلے زمانے میں ایک شخص نے دوسرے شخص سے کوئی زمین خریدی اسے اس میں سے سونے کا ایک گھڑا ملا تو اس نے (فروخت کرنے والے سے) کہا میں نے تم سے یہ زمین خریدی ہے میں نے تم سے سونا نہیں خریدا تو دوسرے شخص نے کہا: میں نے تمہیں زمین اس میں موجود تمام چیزوں سمیت فروخت کی ہے وہ دونوں اپنا مقدمہ لے کر ایک اور شخص کے پاس گئے اس نے دریافت کیا: کیا تمہاری اولاد ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا: میرا ایک بیٹا ہے دوسرے نے کہا: میری ایک بیٹی ہے تو اس ثالث نے کہا: تم اس لڑکے کی شادی لڑکی کے ساتھ کر دو اور وہ دونوں اپنے اوپر اسے خرچ کریں اور اس میں سے صدقہ بھی کر دیں"۔

2511: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اَبْوَابُ الْعِتْقِ

یہ ابواب غلاموں کی آزادی کے بیان میں ہے

عتاق کے معنی ومفہوم کا بیان

عتاق کا لغوی معنیٰ ہے۔آزاد کرنا، جبکہ اصطلاح شرعی میں مالک کا کسی غلام کو اپنی ملکیت سے آزاد کردینے کا نام عتاق ہے۔ عتق اور عتیق کا معنی آزادی ہے، جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب مبارک عتیق ہے۔ اور اس لقب مبارک کا سبب یہ ہے۔ کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، جب آپ کی ولادت شریفہ ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ آپ کو بیت اللہ شریف لے گئیں اور دعا کی: "اے اللہ انہیں موت سے آزاد کر کے میری خاطر زندگی عطا فرمادے" دعا قبول ہوئی اور آپ کا لقب مبارک عتیق ہوگیا۔ (مختصر تاریخ دمشق جلد 13، ص 35، شرح مواہب زرقانی، ج 1، ص 445)

غلامی کی ابتداء وتاریخی تجزیہ

غلامی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بدقسمت شخص میدان جنگ میں گرفتار ہوجاتا ہے گرفتاری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ اس کی تقسیم ہوتی ہے اور وہ ایک خاص شخص کی ملک بن جاتا ہے اس کے بعد اپنے آقا کی شخصی حکومت کے ساتھ اس کو سلطنت کے عام قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا ہوتی ہے اس لئے اگر کسی قوم کی نسبت یہ سوال ہو کہ غلاموں کے متعلق اس کا کیا طرز عمل تھا؟ تو بہ ترتیب حسب ذیل عنوانات میں یہ سوال کیا جاسکتا ہے۔

(۱)۔حالت قید میں ان کے ساتھ کیا برتاو کیا گیا؟ (۲)۔آقا نے غلام کو غلام بنا کر رکھا یا آزاد کردیا؟

(۳)۔غلاموں کو کیا کیا ملکی حقوق دیئے اور بادشاہ کا غلاموں کے ساتھ کیا طرز عمل رہا؟

صحابہ کرام کے زمانے میں جو لوگ غلام بنائے گئے ہم ان کے متعلق اسی ترتیب سے بحث کرتے ہیں۔

اسیران جنگ کا قتل نہ کرنے کا بیان

اسلام سے پہلے مہذب سے مہذب ملکوں میں غلاموں کو قید کر کے بے دریغ قتل کردیا جاتا تھا، چنانچہ تاریخ قدیم میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، لیکن قرآن مجید میں اسیران جنگ کے متعلق یہ حکم ہے۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ۔ (سورہ محمد)

یہاں تک کہ جب تم اُن کی طاقت کچل چکے ہو تو مضبوطی سے گرفتار کرلو، پھر چاہے احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر اور صحابہ کرام نے شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی، چنانچہ ایک بار حجاج کے پاس ایک اسیر جنگ آیا اور اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی

اللہ عنہ کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے کہا ہم اس پر مامور نہیں ہیں، اس کے بعد قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔

(کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف)

اسیران جنگ کو کھانا کھلانا اور ان کے آرام وآسائش کا سامان بہم پہنچانا

صحابہ کرام اسیران جنگ کو اپنے آپ سے بہتر کھانا کھلاتے تھے اور ان کے آرام وآسائش کے ضروری سامان بہم پہنچاتے تھے خود قرآن مجید نے صحابہ کرام کی اس فضیلت کو نمایاں کیا ہے۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۔ (الدھر)

باوجودیکہ ان لوگوں کو خود کھانے کی خواہش ہو پھر بھی وہ مسکین کو یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

معجم طبرانی میں ہے کہ صحابہ کرام اسیران جنگ کے ساتھ اس قدر لطف ومراعات کرتے تھے کہ خود کھجور کھا لیتے تھے مگر ان کو جو کی روٹی کھلاتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب مالک بن نویرہ اپنے رفقا کے ساتھ گرفتار ہوا تو رات کو ان کو سخت سردی محسوس ہوئی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو عام منادی کرادی۔ ادفئوا اسراکم (طبری)

اپنے قیدیوں کو گرم کپڑے اوڑھاؤ

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ

اگرچہ صحابہ کرام تمام قیدیوں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ کرتے تھے؛ لیکن شاہی خاندان کے قیدی اور بھی لطف ومراعات کے مستحق ہوتے تھے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب جنگ مصر میں بلبیس پر حملہ کیا اور مقوقس شاہ مصر کی بیٹی ارمانوسہ گرفتار ہوکر آئی تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے نہایت عزت واحترام کے ساتھ اس کو مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کے لئے اس کے ساتھ ایک سردار کو کر دیا کہ بحفاظت تمام اس کو پہنچا آئے۔ (مقریزی)

اسیران جنگ کو اعزہ واقارب سے جدا نہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام حکم یہ تھا کہ قیدی اپنے اعزہ واقارب سے جدا نہ کیے جائیں، صحابہ کرام اس حکم پر نہایت شدت کے ساتھ عمل فرماتے تھے، ایک بار حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کسی فوج میں تھے اسیران جنگ کی تقسیم ہوئی تو بچوں کو ماں سے علیحدہ کردیا گیا، بچے رونے لگے تو انہوں نے ان کو ماں کی آغوش میں ڈال دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ماں سے بچوں کو جدا کرے گا خدا قیامت کے دن اس کو اس کے اعزہ واقارب سے جدا کر دے گا۔

(مسند دارمی کتاب الجہاد باب النہی عن التفریق بین الوالدۃ وولدہا)

لونڈیوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا

عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لونڈیاں گرفتار ہوکر آتی تھیں، ان سے استبراء رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے

تھے اور اس میں حاملہ وغیرہ حاملہ کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لونڈیوں کو مطلقہ عورتوں کے حکم میں شامل کرلیا، یعنی جب تک غیر حاملہ لونڈیوں پر عدت حیض نہ گذر جائے اور حاملہ لونڈیوں کا وضع حمل نہ ہو جائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوسکتا، صحابہ کرام غزوات میں اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے مغرب کے ایک گاؤں پر حملہ کیا مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی۔

من اصاب من هذا السبی فلایطوء ها حتی تحیض

یہ لونڈیاں جن لوگوں کے حصے میں آئیں جب تک ان کو حیض نہ آجائے وہ ان سے جماع نہ کریں۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

ایها الناس إنی لا أقول فیکم إلا ما سمعت رسول الله صلی الله علیه و سلم یقول قام فینا یوم حنین فقال لا یحل لامرء یؤمن بالله والیوم الآخر أن یسقی ماء ه زرع غیره یعنی آتیان الحبالی من السبایا وان یصیب امرأة ثیبا من السبی حتی یستبرئها (مسند ابن حنبل)

لوگو! میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کی کھیتی میں آب پاشی کرے یعنی حاملہ اور ثیبہ لونڈیوں سے بغیر استبراء رحم جماع کرے۔

غلاموں کی آزادی

یہ وہ احسانات تھے جو صحابہ کرام حالت قید میں غلاموں کے ساتھ کرتے تھے؛ لیکن ان کا اصلی احسان یہ ہے کہ جو لوگ قید کرکے غلام بنالئے جاتے تھے، اکثر ان کو بھی مختلف طریقوں سے آزاد کردیتے تھے۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جنہوں نے دو غلام مدبر کئے تھے، (مدبر ان غلاموں کو کہتے ہیں جن کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ مشروط ہوتی ہے) جنہوں نے ان کو شہید کردیا تھا کہ جلد آزاد ہوجائیں۔

(ابوداود کتاب الصلوۃ باب امامۃ النساء)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو آزاد کرنا چاہا مگر چونکہ دونوں کا نکاح ہوگیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے شوہر کو آزاد کردو تاکہ بی بی کو طلاق لینے کا اختیار باقی نہ رہے۔

(ابوداود کتاب الطلاق باب فی المملوکین یعتقان معا ہل تخیر امرأتہ)

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں اور ان سے بات بند کرنے کی قسم کھائی، پھر معاف کرنے کے بعد قسم کے کفارہ میں ۴۰ غلام آزاد کئے۔ (بخاری کتاب الادب باب الهجرة)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ دفعۃً حالت خواب میں مر گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جانب سے

بکثرت غلام آزاد کئے، (موطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب عتق الحی عن المیت) ان کے پاس اسیران قبیلہ بنو تمیم میں سے ایک لونڈی تھی، آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کردو کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے۔ (مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل غفار واسلم وغیرہم)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی تھی جس کو انہوں نے آزاد کر دیا آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خدا تم کو اس کا اجر دیگا؛ لیکن اگر اپنے ماموں کو دے دیتیں تو اس سے زیادہ ثواب ملتا۔ (ابوداود کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحم وبخاری کتاب الہبۃ)

سفینہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی تھی انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری کے لئے آزاد کردیا۔ (ابوداود کتاب العتق باب فی العتق علی شرط)

ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں بیان کیا کہ میری ایک لونڈی دامن کوہ میں بکریاں چرا رہی تھی، بھیڑیا آیا اور ایک بکری کو اٹھالے گیا، اس پر میں نے اس کو طمانچے مارے، یہ واقعہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی اور اس کو بلوا کر پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان پر پھر پوچھا میں کون ہوں؟ بولی رسول اللہ ﷺ ارشاد ہوا کہ اس کو آزاد کردو یہ تو مسلمان ہے۔ (ابوداود کتاب الصلوۃ باب تشمیت العاطس فی الصلوۃ)

مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو ایک رقم معین کے ادا کرنے کے بعد آزادی کا حق حاصل ہوجاتا ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے غلاموں کو مکاتب بناتی تھیں؛ لیکن قبل اس کے کہ پورا معاوضہ یعنی بدل کتابت ادا کریں اس سے کسی قدر رقم لے کر جلد سے جلد آزاد کر دیتی تھیں۔ (موطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب القطاعة فی الکتابة)

ایک صحابی نے انتقال کیا تو وارث کی جستجو ہوئی، معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے، ان کا صرف ایک آزاد کردہ غلام ہے، آپ نے اسی کو ان کی وراثت دلوادی۔ (ابوداود کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام)

ایک غلام دو صحابیوں کے درمیان مشترک تھا، ایک صحابی نے اپنا حصہ آزاد کردیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا، خدا کا کوئی شریک نہیں اور اس غلام کو آزاد کردیا۔ (ابوداود کتاب العتق باب فیمن اعتق نصیبا لہ من مملوک)

حضرت حکیم بن رضی اللہ عنہ حزام نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کئے تھے، اسلام لائے تو زمانہ اسلام میں بھی سو غلام آزاد کئے، (مسلم کتاب الایمان باب بیان حکم عمل الکافر اذا اسلم بعدہ) ان غلاموں کی آزادی نہایت شان وشوکت کے ساتھ عمل میں آئی؛ چنانچہ وہ حج کو آئے تو عرفہ کے دن ان غلاموں کے گلے میں چاندی کے طوق ڈال کر لائے جن پر "عتقاء اللہ عن حکیم بن حزام" لکھا ہوا تھا، یعنی یہ حکیم بن حزام کی جانب سے خدا کی راہ میں آزاد ہیں۔ (نزہۃ الابرار تذکرہ حکیم ابن حزام)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت آیا تو ۲۰ غلام آزاد کئے۔ (مسند ابن حنبل، جلد ۱، صفحہ ۱۰۹، مسند عثمان رضی اللہ عنہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت جو وصیتیں کیں ان میں ایک یہ تھی: غلامان عرب میں سے جو لوگ میری وفات کا زمانہ پائیں وہ خدا کے مال سے آزاد ہیں۔ (مسند ابن حنبل، جلد ۱، صفحہ ۱۱۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک غلام کو آزاد کیا تو غلام کے پاس جو مال تھا اگرچہ وہ اس کے مالک ہوسکتے تھے؛ لیکن مال بھی اسی کو دے دیا۔ (سنن ابن ماجہ ابواب العتق باب من اعتق عبدا ولہ مال)

حضرت ابومذکور رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی تھے، ان کی جائداد کی کل کائنات ایک غلام سے زیادہ نہ تھی؛ لیکن انہوں نے اس کو بھی مدبر کر دیا، لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور فروخت کر کے ان کو اس کی قیمت دلا دی۔

(ابوداود کتاب العتق باب فی بیع المدبر)

ایک اور صحابی کی ملک میں صرف غلام تھے جن کو انہوں نے مرتے وقت آزاد کر دیا؛ لیکن وصیت کے قاعدے کے موافق آپ ﷺ نے صرف دو غلاموں کی آزادی کو جائز رکھا۔ (ابو داود کتاب العتق باب فیمن عتق عبید اله یبلغهم الثلث)

اسیران ہوازن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک لونڈی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کیا تو انہوں نے بھی حکم دیا کہ یہ لونڈی بھی انہی آزاد شدہ لوگوں کے ساتھ کر دی جائے۔

(ابوداود کتاب الصیام باب المعتکف یعود المریض کتاب الجہاد میں ہے کہ دو لونڈیاں تھیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام اور آقا کو بھائی بھائی بنا دیا تھا اس لئے اگر صحابہ غلاموں کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آجاتے تھے تو اس جرم کے کفارے میں ان کو آزاد کر دیتے تھے، حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ایک ایک غلام آزاد کئے تھے۔ (ابو داود کتاب الادب باب فی حق المملوک)

ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے دو غلام ہیں، جو نہایت خائن، کذاب اور نافرمان ہیں، میں جرائم پر ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور سزا دیتا ہوں اس معاملہ میں میرا کیا انجام ہوگا؟ ارشاد ہوا ان کی خیانت، کذب، نافرمانی اور تمہاری سزا کا حساب ہوگا۔

اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوگی تو اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائے گا، یہ سن کر وہ رونے پیٹنے لگے اور کہا کہ بہتر یہی ہے کہ میں ان کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دوں، آپ گواہ رہئے کہ وہ آزاد ہیں۔ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورہ انبیاء)

ایک بار آپ ﷺ نے ابوالہیثم بن الہیتھان انصاری رضی اللہ عنہ کو ایک غلام عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، ان کی بی بی نے کہا تم سے یہ نہ ہو سکے گا، بہتر یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دو، انہوں نے اس کو آزاد کر دیا۔ (ترمذی ابواب الزہد)

ایک بار آپ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ایک غلام دیا اور کہا کہ اس کے ساتھ نیکی کرو، انہوں نے یہی نیکی کی کہ اس کو آزاد کر دیا۔

(ادب المفرد باب العفو عن الخادم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے لئے چلے تو ساتھ میں غلام بھی تھا، وہ موقع پا کر راستے ہی میں بھاگ گیا یا بھٹک گیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تو اسی حالت میں غلام بھی آیا، آپ ﷺ نے فرمایا ابوہریرہ! لو یہ تمہارا غلام ہے، بولے کہ آپ گواہ رہئے یہ خدا کی راہ میں آزاد ہے۔

(بخاری ابواب الشرکۃ باب اذا قال لعبدہ ہو للہ ونوی العتق والاشہاد فی العتق)

ایک بار کسی شخص نے اپنے غلام سے کسی کام کو کہا وہ سو گیا، وہ آیا تو اس کو چہرے پر آگ ڈال دی، غلام گھبرا کر اٹھا تو کنویں میں گر پڑا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے چہرے کی حالت دیکھی تو اس کو آزاد کر دیا۔ (ادب المفرد باب حسن الملکۃ)

صرف یہی نہیں تھا کہ صحابہ کرام اپنے مملوکہ لونڈی غلام کو آزاد کرتے تھے؛ بلکہ یہ اس قدر افضل کام خیال کیا جاتا تھا کہ دوسروں کے غلاموں کو صرف آزاد کرنے کے لئے خریدتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے ایک لونڈی کو اس لئے خریدنا چاہا کہ اس کو آزاد کر دیں، (ابوداود کتاب الفرائض باب فی الولاء) ابتدائے اسلام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی سات غلام خرید کر آزاد کئے تھے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ایک غلام خریدا اور اس کو آزاد کر دیا، (موطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب جر العبد الولاء) ان کے علاوہ بکثرت غلاموں کو صحابہ کرام نے آزاد کیا۔

میر اسماعیل نے بلوغ المرام کی شرح میں نجم الوہاج سے ایک فہرست نقل کی ہے جس کی رو سے صحابہ کرام کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد انتالیس ہزار دو سو سینتیس (۷۳۰۲) تک پہنچتی ہے، چنانچہ ان صحابہ کے نام حسب ذیل ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ذوالکلاع حمیریؒ حضرت عباس حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کتاب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی ہے؛ لیکن لکھا ہے کہ انہوں نے بکثرت غلام آزاد کئے۔ (سبل السلام، کتاب العتق)

بَابُ الْمُدَبَّرِ

یہ باب مدبر کے بیان میں ہے

مدبر غلام کے معنی ومفہوم کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدبر اس کو کہتے ہیں جس کی نسبت مولیٰ نے کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے یا یوں کہا کہ اگر میں مر جاؤں یا جب میں مروں تو تُو آزاد ہے غرض اسی قسم کے وہ الفاظ جن سے مرنے کے بعد اس کا آزاد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب عتاق، باب مدبر)

عربی زبان سے اسم مشتق ہے۔ ثلاثی مزید فیہ کے باب تفعیل سے مصدر ہے اردو میں بطور حاصل مصدر مستعمل ہے۔ سب سے پہلے 1680ء کو قصۂ ابو شحمہ" میں مستعمل ملتا ہے۔

جب آقا نے اپنی موت کے ساتھ آزادی متعین کیا

جب کسی مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ جب فوت ہو جاؤں تو آزاد ہے یا میرے بعد تو آزاد ہے یا تو مدبر ہے یا میں نے تجھے مدبر کیا تو وہ غلام مدبر ہو جائے گا کیونکہ تدبیر میں یہ الفاظ صراحت کے ساتھ آئے ہیں۔ لہٰذا مدبر ہونے سے آزادی ثابت ہو جائے گی۔

مدبر کی اقسام کا بیان

مدبر کی دو قسمیں ہیں: مدبر مطلق۔ مدبر مقید۔ مدبر مطلق وہ جس میں کسی ایسے امر کا اضافہ نہ کیا ہو جس کا ہونا ضروری نہ ہو یعنی مطلقاً موت پر آزاد ہونا قرار دیا مثلاً اگر میں مروں تو تُو آزاد ہے اور اگر کسی وقتِ معین پر یا وصف کے ساتھ موت پر آزاد ہونا کہا تو مقید ہے مثلاً اس سال مروں یا اس مرض میں مروں کہ اُس سال یا اس مرض سے مرنا ضرور نہیں اور اگر کوئی ایسا وقت مقرر کیا کہ غالب گمان اس سے پہلے مرجانا ہے مثلاً بوڑھا شخص کہے کہ آج سے سو ۱۰۰ برس پر مروں تو تُو آزاد ہے تو یہ مدبر مطلق ہی ہے کہ یہ وقت کی قید بیکار ہے کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ اب سے سو ۱۰۰ برس تک زندہ نہ رہے گا۔ (عالم گیری، کتاب عتاق، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر یہ کہا کہ جس دن مروں تو آزاد ہے تو اگر چہ رات میں مرے وہ آزاد ہوگا کہ دن سے مراد یہاں مطلق وقت ہے ہاں اگر وہ کہے کہ دن سے میری مراد صبح سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے یعنی رات کے علاوہ تو یہ نیت اس کی مانی جائے گی مگر اب یہ مدبر مقید ہوگا۔ (درمختار، کتاب عتاق)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو مدبر کرے پھر مر جائے اور اس کا مال کچھ موجود ہو کچھ غائب ہو جس قدر موجود ہو اس کے ثلث میں سے مدبر کو روک رکھیں گے اور اس کی کمائی کو بھی جمع کرتے جائیں گے یہاں تک کہ جو مال غائب ہے وہ بھی نکل آئے پھر اگر مولی کے کل مال کے ثلث میں سے مدبر آزاد ہو سکے گا تو آزاد ہو جائے اور مدبر کا مال اور کمائی اسی کو ملے گی اور جو ثلث میں سے کل آزاد نہ ہو سکے گا تو ثلث ہی کی مقدار آزاد ہو جائے گا اس کا مال اسی کے پاس رہے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ آزادی کی جتنی وصیتیں ہیں صحت میں ہوں یا مرض میں ان میں رجوع اور تغیر کر سکتا ہے مگر تدبیر میں جب کسی کو مدبر کر دیا اب اس کے فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس لونڈی کے آزاد کرنے کی وصیت کی اور اس کو مدبر نہ کیا تو اس کی اولاد اپنی ماں کے ساتھ آزاد نہ ہوگی اس لیے کہ مولی کا اس وصیت کے بدل ڈالنے کا اختیار تھا نہ ان کی ماں کے لیے آزادی ثابت ہوئی تھی بلکہ یہ ایسا ہے کوئی کہے اگر فلانی لونڈی میرے مرنے تک رہے تو وہ آزاد ہے پھر وہ اس کے مرنے تک رہی تو آزاد ہو جائے گی مگر مولی کو اختیار ہے کہ موت سے پیشتر اس کو یا اس کی اولاد کو بیچے تو آزادی کی وصیت اور تدبیر کی وصیت میں سنت قدیمہ کی رو سے بہت فرق ہے اگر وصیت مثل تدبیر کے ہوتی تو کوئی شخص اپنی وصیت میں تغیر و تبدل کا اختیار نہ رکھتا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے چند غلاموں کو صحت کی حالت میں مدبر کرے اور سوا ان کے کچھ مال نہ رکھتا ہو اگر اس نے اس طرح مدبر کیا کہ پہلے ایک کو پھر دوسرے کو تو جس کو پہلے مدبر کیا وہ ثلث مال میں سے آزاد ہو جائے گا پھر دوسرا پھر تیسرا اسی طرح جب تک ثلث مال میں گنجائش ہو اگر سب کو ایک ساتھ مدبر کیا ہے ایک ہی کلام میں تو ہر ایک ثلث آزاد ہو جائے گا جب سب کو بیماری میں مدبر کیا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1185)

مدبر غلام کی خرید و فروخت کا بیان

2512- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَّعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ اَبِي

خَالِدٍ عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ كُهَيْلٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ الْمُدَبَّرِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدبر غلام کو فروخت کر دیا تھا۔

شرح

حضرت جابر کہتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر کیا اور اس کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟ چنانچہ ایک شخص نعیم ابن نحام نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ (بخاری ومسلم)

مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ چنانچہ نعیم ابن عبداللہ عدوی نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ انہوں نے آٹھ سو درہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درہم اس شخص کو دے دیئے (جس کا وہ غلام تھا) اور فرمایا کہ تم اس رقم کو سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو اور اس کے ذریعہ ثواب حاصل کرو اور اس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو، اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی بچ جائے تو رشتہ داروں پر خرچ کرو اور اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی کچھ بچ جائے تو اس کو اس طرح اور اس طرح خرچ کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس طرح سے مراد یہ ہے کہ اس کو اپنے آگے اپنے دائیں اور اپنے بائیں خرچ کرو (یعنی تمہارے لئے آگے اور دائیں بائیں جو سائل جمع ہوں ان کو اللہ واسطے دے دو)۔ (مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 578)

مدبر" کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے غلام سے یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو، چنانچہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ایسے غلام کو بیچنا حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد کے نزدیک جائز ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ مدبر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو مدبر مطلق اور دوسرا مدبر مقید۔ مدبر مطلق تو وہ غلام ہے جس کا مالک اسے یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ اور مدبر مقید وہ غلام ہے جس سے اس کا مالک یوں کہے کہ اگر میں اس بیماری میں مرجاؤں تو تم آزاد ہو۔ "مدبر مطلق کا حکم تو یہ ہے کہ ایسے غلام کو آزادی کے علاوہ کسی اور صورت میں اپنی ملکیت سے نکالنا مالک کے لئے جائز نہیں ہے یعنی وہ مالک اس غلام کو آزاد تو کرسکتا ہے لیکن نہ تو اس کو فروخت کرسکتا ہے اور نہ ہبہ کرسکتا ہے، ہاں اب سے خدمت لینا جائز ہے ،اسی طرح اگر لونڈی ہو تو اس سے جماع کرنا بھی جائز ہے۔

اور اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرنا بھی جائز ہے ایسا غلام اپنے مالک کے مرنے کے بعد اس کے تہائی مال میں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر تہائی مال میں سے پورا آزاد نہ ہوسکا ہو تو پھر تہائی مال کے بقدر (جزوی طور پر ہی آزاد ہوگا) مدبر مطلق کے برخلاف مدبر مقید کو بیچنا جائز ہے اور اگر وہ شرط پوری ہو جائے یعنی مالک اس مرض میں مرجائے تو پھر جس طرح مدبر مطلق اپنے مالک کے مرجانے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح مدبر مقید بھی آزاد ہو جائے گا! لہٰذا امام ابوحنیفہ اس حدیث کے مفہوم میں

2512: اخرجہ البخاری فی "الصحیح"، رقم الحدیث 2230' ورقم الحدیث: 7186' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن"، رقم الحدیث، 3955' اخرجہ النسائی فی "السنن"، رقم الحدیث، 4668' ورقم الحدیث: 5433

تاویل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مدبر کو فروخت فرمایا وہ مدبر مقید ہوگا۔

مدبر کی بیع میں فقہی مذاہب اربعہ

مدبر وہ غلام جس کے لیے آقا کا فیصلہ ہو کہ وہ اس کی وفات کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اور حدیث کا مفہوم یہی بتلاتا ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ اس بارے میں امام قسطلانی نے چھ اقوال نقل کیے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں وقال النووی الصحیح ان الحدیث علی ظاهره و انه یجوز بیع المدبر بکل حال مالم یمت السید (قسطلانی) یعنی نووی نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور ہر حال میں مدبر کی بیع جائز ہے جب تک اس کا آقا زندہ ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً منع ہے اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ اگر مولیٰ مدیون ہو اور دوسری کوئی ایسی جائیداد نہ ہو جس سے قرض ادا ہو سکے تو مدبر بیچا جائے گا ورنہ نہیں۔ حنفیہ نے ممانعت بیع پر جن حدیثوں سے دلیل لی ہے۔ ان کا استدلال قوی و مضبوط ہے لہٰذا ترجیح مذہب احناف کو ہے۔

2513 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ دَبَّرَ رَجُلٌ مِّنَّا غُلَامًا وَّلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَاعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَرَاهُ ابْنُ النَّحَّامِ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي عَدِيٍّ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم میں سے ایک شخص نے غلام کو مدبر کے طور پر آزاد کر دیا اس شخص کا اس غلام کے علاوہ کوئی مال نہیں تھا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو فروخت کروا دیا، تو ابن نحام نے' جن کا تعلق بنو عدی سے تھا، انہوں نے اسے خرید لیا تھا۔

2514 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ ظَبْيَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُدَبَّرُ مِنَ الثُّلُثِ قَالَ ابْن مَاجَةَ سَمِعْتُ عُثْمَانَ يَعْنِي ابْنَ اَبِي شَيْبَةَ يَقُوْلُ هٰذَا خَطَأٌ يَعْنِي حَدِيثَ الْمُدَبَّرُ مِنَ الثُّلُثِ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهُ اَصْلٌ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "مدبر (غلام' میت کے) ایک تہائی مال میں سے آزاد ہوگا''۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے عثمان بن ابوشیبہ کو یہ کہتے ہوئے سنا' یہ روایت غلط ہے' ان کی مراد یہ تھی کہ یہ روایت کہ مدبر ایک تہائی مال میں سے آزاد ہوگا۔

2513 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2231' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4315' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1219

2514 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

مدبر کو موت کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

اگر آقا نے تدبیر کی کسی صفت پر اپنی موت کو معلق کیا مثال کے طور پر اس نے یہ کہا اگر میں اپنے اس مرض میں یا اپنے اس سفر میں مر گیا یا فلاں مرض میں مر گیا تو غلام مدبر نہیں ہوگا اور اس کی بیع جائز ہوگی کیوں کہ سبب فی الحال منعقد نہیں ہوا ہے اس لئے کہ اس صفت میں شک ہے خلاف مطلق مدبر کے کیوں کہ اس کی آزادی مطلق موت پر موقوف ہے اور مرنا یقینی ہے۔ پھر اگر آقا اپنی بیان کردہ صفت پر مر جائے تو وہ مدبر آزاد ہو جائے گا جیسے مطلق مدبر آزاد ہوتا ہے یعنی ثلث سے آزاد ہوگا۔ اس لئے کہ تدبیر کا حکم آقا کی زندگی کے آخری حصہ میں ثابت ہوگا، کیوں وہ صفت اسی آخری حصہ میں ثابت ہوگی۔ اسی لئے تہائی مال سے آزادی معتبر ہوگی اور مقید میں سے یہ صورت ہے کہ میں اگر ایک سال یا دس سال میں مر گیا (تو تم آزاد ہو) اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں خلاف اس صورت کے کہ جب آقا نے "اِلٰی مِائَةِ سَنَةٍ" کہا ہو اور اس جیسے لوگ عام طور پر سو سال زندہ نہیں رہتے اس لئے یہ لا محالہ ہونے والا ہے۔ (ہدایہ، کتاب عتق، لاہور)

حال میں سبب کے عدم انعقاد کی وجہ صفت کے مشکوک ہونے کا بیان

صاحب ہدایہ نے مالک کی مذکورہ تعلیق سے متعلق یہ قاعدہ فقہیہ بیان کیا ہے کہ جب کسی حکم کو کسی ایسی صفت کے ساتھ مقید کیا جائے تو اس حالت میں سبب ہونے میں معدوم ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ صفت مشکوک ہو جائے گی لہٰذا اسی صفت کو بنیاد بناتے ہوئے کسی طرح بھی حکم کا انعقاد کرنا درست نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ جس شخص نے اپنے غلام کو مدبر کیا اور سوا اس کے کچھ مال نہ تھا پھر مولیٰ مر گیا اور مدبر کے پاس مال ہے تو ثلث مدبر آزاد ہو جائے گا اور مال اس کا اسی کے پاس رہے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ جس مدبر کو مولیٰ مکاتب کر دے پھر مولیٰ مر جائے اور سوا اس کے کچھ مال نہ چھوڑے تو اس کا ایک ثلث آزاد ہو جائے گا اور بدل کتابت میں سے بھی ایک ثلث گھٹ جائے گا اور دو ثلث مدبر کو ادا کرنا ہوں گے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1186)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مدبر مقید کا مولیٰ مرا اور اوسی وصف پر موت واقع ہوئی مثلاً جس مرض یا وقت میں مرنے پر اس کا آزاد ہونا کہا تھا وہی ہوا تو تہائی مال سے آزاد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ اور ایسے مدبر کو بیع و ہبہ و صدقہ وغیرہا کر سکتے ہیں۔ مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے سے ایک مہینہ پہلے آزاد ہے اور اس کہنے کے بعد ایک مہینہ کے اندر مولیٰ مر گیا تو آزاد نہ ہوا اور اگر ایک مہینہ یا زائد پر مرا تو غلام پورا آزاد ہو گیا اگرچہ مولیٰ کے پاس اس کے علاوہ کچھ مال نہ ہو۔ مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے کے ایک دن بعد آزاد ہے تو مدبر نہ ہوا، لہٰذا آزاد بھی نہ ہوگا۔ مدبرہ کے بچہ پیدا ہوا تو یہ بھی مدبر ہے، جبکہ وہ مدبرہ مطلقہ ہو اور اگر مقیدہ ہو تو نہیں۔ (درمختار، کتاب عتاق)

عمرو بن دینار نے بیان کیا، انہوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک شخص نے اپنی

موت کے بعد اپنے غلام کی آزادی کے لیے کہا تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بلایا اور اسے بیچ دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر وہ غلام اپنی آزادی کے پہلے ہی سال مر گیا تھا۔ (بخاری، رقم الحدیث ۲۵۳۴)

اس کا نام یعقوب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سو درہم پر یا سات سو یا نو سو پر نعیم کے ہاتھ اس کو بیچ ڈالا۔ امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً منع ہے اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ اگر مولیٰ مدیون ہو اور دوسری کوئی ایسی جائیداد نہ ہو جس سے قرض ادا ہو سکے تو مدبر بیچا جائے گا ورنہ نہیں۔ حنفیہ نے ممانعت بیع پر جن حدیثوں سے دلیل لی ہے وہ ضعیف ہیں اور صحیح حدیث سے مدبر کی بیع کا جواز نکلتا ہے۔ مولیٰ کی حیات میں۔

حدیث ہٰذا سے مالکیہ کے مسلک کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کیوں کہ حدیث میں جس غلام کا ذکر ہے اس کی صورت تقریباً ایسی ہی تھی۔ بہر حال مدبر کو اس کا آقا اپنی حیات میں اگر چاہے تو بیچ بھی سکتا ہے کیوں کہ اس کی آزادی موت کے ساتھ مشروط ہے۔ موت سے قبل اس پر جملہ احکام بیع و شراء لاگو رہیں گے۔

بَاب اُمَّهَاتِ الْاَوْلَادِ

یہ باب اُمّ ولد کے بیان میں ہے

ام ولد ہونے کے معنی و مفہوم کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کے بچہ پیدا ہوا اور مولیٰ نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے خواہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس نے اقرار کیا یا زمانہ حمل میں اقرار کیا ہو کہ یہ حمل مجھ سے ہے اور اس صورت میں ضروری ہے کہ اقرار کے وقت سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہو۔ (درمختار، کتاب عتق، باب استیلاد، ج ۵، ص ۲۲۸، بیروت)

استیلاد (ا) طلب بچہ کردن۔ فرزند خواستن۔ مادر فرزند کردن کنیزک را۔ امّ ولد کردن محبت کردن با کنیزک تا از وی فرزند آید۔ (تاج المصادر بیہقی)

ولادت خواستن۔ (غیاث۔ (با کنیزک آرمیدن برای فرزند شدن۔ محبت کردن با کنیزک تا از او فرزند باشد۔ (زوزنی) طلب الولد من الامة۔ (تعریفات جرجانی)

(اصطلاح فقہ) الاستیلاد در لغت مطلقاً بہ معنی طلب فرزند و شرعاً قرار دادن کنیز یست بنام مادر کودک (امّ ولد) و این عمل بہ دو شی صورت پذیرد۔ یکی دعوی کودک، مادر بودن کنیز را نسبت بخود، دیگر مالک بودن پدر مر کنیز را، یعنی کنیز، زر خرید پدر کودک باشد۔ کذا فی جامع الرموز فی فصل التدبیر۔ (کشاف اصطلاحات الفنون)

در اثر نزدیکی مولی با أمہ خود ولدی بوجود آمدن اگر چہ علقہ باشد۔ استیلاد موجب آن است کہ اختیارات مولی نسبت بمستولدہ محدود شود و جز در موارد مخصوص نتواند او را بغیر منتقل کند مگر اینکہ انتقال سبب تسریع در آزادی او گردد۔ منظور از تحدید اختیارات آن است کہ مستولدہ پس از مرگ مولی از سہم الارث ولد خود آزاد شود۔

ام ولد ہونے کا شرعی ثبوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مرد کی باندی سے اس کی اولاد ہو جائے تو وہ باندی اس کے (انتقال) بعد آزاد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ جلد دوم رقم الحدیث 673)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابراہیم کی والدہ کا تذکرہ ہوا تو فرمایا اسے اس کے بیٹے نے آزاد کرا دیا۔ (سنن ابن ماجہ جلد دوم رقم الحدیث 674)

ام ولد سے متعلق اصلاحات

اسلام سے پہلے لونڈیوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔ لونڈی کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا۔ ام ولد کو بیچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ضمن میں یہ اصلاح کی کہ بچے والی لونڈی جسے ام ولد کہا جاتا ہے، کی خدمات کی منتقلی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ ایسی لونڈی اپنے خاوند کی بیوی کے ہم پلہ قرار پائی۔ اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔

حدثنا عبد الله بن محمد النفيلي، ثنا محمد بن سلمة، عن محمد بن إسحاق، عن خطّاب بن صالح مولى الأنصار، عن امه، عن سلامة بنت معقل امراة من خارجة قيس عَيْلان، قالت: قَدِمَ بى عمى فى الجاهلية، فباعنى من الحباب بن عمرو اخى ابى اليَسر بن عمرو، فولدت له عبد الرحمن بن الحباب ثم هلك، فقالت امراته: الآنَ والله تباعين فى دَيْنِه، فاتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: يارسول الله،إنى امراة من خارجة قيس عيلان قدم بى عمى المدينة فى الجاهلية، فباعنى من الحباب بن عمرو اخى ابى اليسر بن عمرو، فولدت له عبد الرحمن بن الحباب، فقالت امراته: الآن والله تباعين فى دَيْنه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولىُّ الحباب؟" قيل: اخوه ابو اليسر بن عمرو، فبعث إليه فقال: "اعتقوها، فإذا سمعتم برقيقٍ قدم علىَّ فاتونى اعوضكم منها" (ابو داؤد، كتاب العتق، حديث (3953)

سلامہ بنت معقل بیان کرتی ہیں کہ میں خارجہ قیس عیلان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی تھی۔ میرے چچا نے مجھے دور جاہلیت میں حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔ میرے ہاں ان سے عبدالرحمن بن حبب کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد حباب فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی کہنے لگی، "خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے تمہیں بیچیں گے۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی، "یا رسول اللہ ﷺ میں خارجہ قیس عیلان سے اپنے چچا کے ساتھ دور جاہلیت میں مدینہ آئی تھی۔ انہوں نے مجھے حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور میرے بطن سے عبدالرحمن بن حبب کی پیدائش ہوئی ہے۔ اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لئے مجھے بیچ دیں گی۔" آپ نے فرمایا، "حبب کے

بد خاندان کا سرپرست کون ہے؟" کہا گیا، "ان کے بھائی ابوالیسر بن عمرو۔" آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، "انہیں آزاد کر دو۔ جب بھی تم کسی غلام کے بارے میں سنو تو میرے آجایا کرو۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔"

حدثنا أحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ . ثنا أبُو عَاصِمٍ، ثنا أبو بَكْرٍ، يَعْنِي النَّهْشَلِيَّ، عَنِ الْحُسَيْنِ ابنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ؛ قَالَ: ذُكِرَتْ أُمُّ إبْرَاهِيمَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم . فَقَالَ: ((أَعْتَقَهَا وَلَدُهَا . (ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث (2516)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے ام ابراہیم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کروا دیا ہے۔"

حدثنا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ومحمد بْنُ إسْمَاعِيلَ، قالا: ثنا وَكِيعٌ. ثنا شَرِيكٌ، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ((أَيُّمَا رَجُلٍ وَلَدَتْ أَمَتُهُ مِنْهُ، فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ. (ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث 2515، مشکوۃ، کتاب العتق، حدیث (3394)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی لونڈی سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔"

ان دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبداللہ ضعیف راوی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ دارمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتقلی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔

حدثنا عبد الله بن إسحاق بن إبراهيم البغوي نا أبو زيد بن طريف نا إبراهيم بن يوسف الحضرمي نا الحسن بن عيسى الحنفي عن الحكم بن أبان عن عكرمة عن بن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أم الولد حرة وإن كان سقطا. (دار قطنی، کتاب المکاتب، مسند ابن الجعد)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل ساقط ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ام ولد کی آزادی کو بچے کے پیدا ہونے سے مشروط نہیں فرمایا بلکہ محض حمل ٹھہر جانے سے مشروط فرما دیا اگرچہ وہ حمل بعد میں ضائع بھی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں سختی سے ام ولد کی آزادی کو نافذ کیا۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : أَيُّمَا وَلِيدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا، فَإِنَّهُ لاَ يَبِيعُهَا، وَلاَ يَهَبُهَا، وَلاَ يُوَرِّثُهَا، وَهُوَ يَسْتَمْتِعُ بِهَا، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ.

(موطا مالک، کتاب العتق، حدیث (2248)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: جس لونڈی کے ہاں اپنے آقا سے بچہ پیدا ہو تو اس کی خدمات کو نہ تو بیچا جائے گا، نہ ہی کسی کو تحفتاً منتقل کیا جائے گا، نہ ہی وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ وہ مالک ہی اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہوگی۔

2515 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَعِيلَ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا رَجُلٍ وَلَدَتْ أَمَتُهُ مِنْهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جس شخص کی کنیز اس کے بچے کو جنم دے' تو وہ کنیز اس شخص کی طرف سے مدبر کے طور پر آزاد ہو جائے گی''۔

2516 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ يَعْنِي النَّهْشَلِيَّ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ذُكِرَتْ أُمُّ إِبْرَاهِيمَ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَعْتَقَهَا وَلَدُهَا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ کا ذکر کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس کے بچے نے اسے آزاد کر دیا ہے''۔

2517 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى وَإِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ كُنَّا نَبِيعُ سَرَارِيَنَا وَأُمَّهَاتِ أَوْلَادِنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِينَا حَيٌّ لَا نَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم لوگ پہلے اپنی کنیزوں اور اپنی اُمّ ولد (کنیزوں) کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان زندہ تھے' ہم نے اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا۔

ام ولد کی بیع کی ممانعت کا بیان

جب باندی نے اپنے آقا (کے نطفہ) سے بچہ جنا تو وہ اپنے آقا کی ام ولد ہوگئی اور اسے بیچنا اور (دوسرے کی) ملکیت میں دینا جائز نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اسے اس کے لڑکے نے آزاد کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کے آزاد ہونے کی خبر دی، لہذا اس آزادی سے اس کے بعض احکام بھی ثابت ہو جائیں گے اور وہ بیع کا حرام ہونا ہے۔ اور اس لئے کہ واطی اور موطوءہ کے مابین لڑکے کے واسطے سے جزئیت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے کہ دونوں پانی اس طرح ایک دوسرے سے مل گئے کہ ان میں فرق

2515 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2516 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2517 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کرنا ممکن ہے جیسا کہ حرمت مصاہرت میں یہ معلوم ہو چکا ہے اس وجہ سے بچہ نکلنے کے بعد یہ جزئیت حکماً ثابت رہتی ہے نہ کہ حقیقتاً لہٰذا سبب کمزور ہو گیا اسی وجہ سے اس سبب نے ایسا حکم ثابت کیا جو موت کے بعد تک موخر ہے اور حکماً جزئیت کا باقی رہنا نسب کے اعتبار سے ہوتا ہے اور نسب کا اعتبار مردوں کی طرف سے ہوتا ہے اسی لئے آزادی بھی مردوں کے حق میں ثابت ہوگی عورتوں کے حق میں ثابت نہیں ہوگی حتیٰ اگر کہ آزاد عورت اپنے شوہر کی مالک ہوگئی اور اس شوہر سے اس کی اولاد بھی ہو تو بھی اس عورت کے مرنے سے اس کا شوہر آزاد نہیں ہوگا۔

اور آزادی مؤجل کا ثبوت (ام ولد میں) فی الحال حق آزادی کو ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا اسے فی الوقت فروخت کرنا اور غیر حریت کی طرف نکالنا ممتنع ہوگا اور آقا کی موت کے بعد باندی کی آزادی کو ثابت کرے گی، ایسے ہی جب باندی کا کچھ حصہ آقا کا مملوک ہو اسکی دلیل یہ ہے کہ استیلاء کے اجزاء نہیں ہوتے، اس وجہ سے کہ استیلاد نسب کی فرع ہے اس لئے اسے اس کی اصل پر قیاس کیا جائے گا۔ (ہدایہ، کتاب عتق، لاہور)

ام ولد کی بیع میں ممانعت کے دلائل کا بیان

اسلام سے پہلے لونڈیوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔ لونڈی کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا۔ ام ولد کو بیچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ضمن میں یہ اصلاح کی کہ بچے والی لونڈی جسے ام ولد کہا جاتا ہے، کی خدمات کی منتقلی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ ایسی لونڈی اپنے خاوند کی آزاد بیوی کے ہم پلہ قرار پائی۔ اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔

سلامہ بنت معقل بیان کرتی ہیں کہ میں خارجہ قیس عیلان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی تھی۔ میرے چچا نے مجھے دور جاہلیت میں حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔ میرے ہاں ان سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد حباب فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی کہنے لگی، "خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے تمہیں بیچیں گے۔"

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی، "یا رسول اللہ ﷺ میں خارجہ قیس علیان سے اپنے چچا کے ساتھ دور جاہلیت میں مدینہ آئی تھی۔ انہوں نے مجھے حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور میرے بطن سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی ہے۔ اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لئے مجھے بیچ دیں گی۔" آپ نے فرمایا، "حباب کے بعد خاندان کا سرپرست کون ہے؟" کہا گیا، "ان کے بھائی ابوالیسر بن عمرو۔" آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، "انہیں آزاد کر دو۔ جب بھی تم کسی غلام کے بارے میں سنو تو میرے آ جایا کرو۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔"

(ابوداؤد، کتاب العتق، حدیث 3953)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے ام ابراہیم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کروا دیا ہے۔" (ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث 2516)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی لونڈی سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔"

(ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث 2515، مشکوۃ، کتاب العتق، حدیث (3394)

ان دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبداللہ ضعیف راوی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ دارمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتقلی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل ساقط ہو جائے۔" (دار قطنی، کتاب المکاتب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ام ولد کی آزادی کو بچے کے پیدا ہونے سے مشروط نہیں فرمایا بلکہ محض حمل ٹھہر جانے سے مشروط فرما دیا اگرچہ وہ حمل بعد میں ضائع بھی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں سختی سے ام ولد کی آزادی کو نافذ کیا۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : أَيُّمَا وَلِيدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا، فَإِنَّهُ لَا يَبِيعُهَا، وَلَا يَهَبُهَا، وَلَا يُوَرِّثُهَا، وَهُوَ يَسْتَمْتِعُ بِهَا، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ.

(موطا مالک، کتاب العتق، حدیث (2248)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: جس لونڈی کے بھی اپنے آقا سے بچہ پیدا ہو، تو اس کی خدمات کو نہ تو بیچا جائے گا، نہ ہی کسی کو تحفتاً منتقل کیا جائے گا، نہ ہی وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ وہ مالک ہی اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو گی۔

یہ حکم جاری کرتے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح فرمائی تھی کہ انہوں نے ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم کے مطابق کیا تھا۔

حدثنا محمد بن الحسن النقاش ثنا الحسن بن سفيان نا مصرف بن عمرو نا سفيان بن عيينة عن عبد الرحمن الأفريقي عن مسلم بن يسار عن سعيد بن المسيب أن عمر رضي الله عنه أعتق أمهات الأولاد وقال عمر أعتقهن رسول الله صلى الله عليه وسلم. (دارقطني، كتاب المكاتب)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب ام ولد لونڈیوں کو آزاد کیا تو فرمایا، "انہیں دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آزاد فرمایا تھا۔

ام ولد کی آزادی میں حضرت فاروق اعظم کا اصول

آقا سے جس لونڈی کے اولاد پیدا ہو جاتی ہے اس کو ام ولد کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے پہلے اس قسم

کی لونڈیاں عام لونڈیوں کے برابر سمجھی جاتی تھیں؛ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ عام قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اس قسم کی لونڈیاں نہ فروخت کی جاسکتیں ہیں نہ ان میں وراثت جاری ہوسکتی، نہ ان کا ہبہ ہوسکتا؛ بلکہ وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہوجائیں گی، اس طرح لونڈیوں کی آزادی کا نیا راستہ نکل آیا۔ (موطا امام محمد، باب بیع امہات الاولاد)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنی لونڈی کو مدبر کرے بعد اس کے اس کی اولاد پیدا ہو پھر وہ لونڈی مولیٰ کے سامنے مر جائے تو اس کی اولاد اپنی ماں کی طرح مدبر رہے گی جب مولیٰ مر جائے گا اور ثلث مال میں گنجائش ہو تو آزاد ہو جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہر عورت کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہوگی اگر وہ مدبر ہے یا مکاتبہ ہے یا معتقہ الی اجل ہے یا مخدمہ ہے یا معتقۃ البعض ہے یا گرو ہے یا ام ولد ہے۔ ہر ایک کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہوگی وہ آزاد تو وہ آزاد اور وہ لونڈی ہو جائے گی تو وہ بھی مملوک ہو جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر لونڈی حالت حمل میں مدبر ہوئی تو اس کا بچہ بھی مدبر ہو جائے گا اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی حاملہ لونڈی کو آزاد کر دیا اور اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ حاملہ ہے تو اس کا بچہ بھی آزاد ہو جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اسی طرح اگر ایک شخص حاملہ لونڈی کو بیچے تو وہ لونڈی اور اس کے پیٹ کا بچہ مشتری کا ہوگا خواہ مشتری نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اسی طرح بائع کے لئے درست نہیں کہ لونڈی کو بیچے اور اس کا حمل بیچے کیونکہ اس میں دھوکا ہے شاید بچہ پیدا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کوئی شخص پیٹ کے بچے کو بیچے اس کی بیع درست نہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مدبر اپنے مولیٰ سے کہے تو مجھے ابھی آزاد کر دے میں تجھے پچاس دینار قسط وار دیتا ہوں مولیٰ کہے اچھا تو آزاد ہے تو مجھے پچاس دینار پانچ برس میں دے دینا ہر سال دس دینار کے حساب سے مدبر اس پر راضی ہو جائے بعد اس کے دو تین دن میں مولیٰ مر جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور پچاس دینار اس پر قرض رہیں گے اور اس کی گواہی جائز ہو جائے گی اور اس کی حرمت اور میراث اور حدود پورے ہو جائیں گے اور مولیٰ کے مر جانے سے ان پچاس دینار میں کچھ کمی نہ ہو گی۔ (موطا امام مالک، جلد اول، رقم الحدیث، 1184)

بَاب الْمُكَاتَبِ

یہ باب مکاتب کے بیان میں ہے

مکاتب کے لغوی معنی ومفہوم کا بیان

مکاتب اس غلام یا لونڈی کو کہتے ہیں جس کو مالک یہ کہہ دے کہ اگر تو اتنا روپیہ اتنی قسطوں میں ادا کر دے تو تو آزاد ہے۔ لفظ مکاتب تاء کے زبر اور زیر ہر دو کے ساتھ منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: والمكاتب بالفتح من تقع له الكتابة وبالكسر من تقع منه یعنی زبر کے ساتھ جس کے لیے کتابت کا معاملہ کیا جائے اور زیر کے ساتھ جس کی طرف سے کتابت کا معاملہ کیا جائے۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے مکاتب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

مکاتبت کے معنی و مفہوم کا بیان

مکاتبت اصطلاح شریعت میں غلام و آقا کے درمیان معاہدے کا نام ہے۔ غلام اپنے آقا سے یہ کہے کہ میں کما کر اتنا مال تجھے دے دوں تو آزاد ہو جاؤں اور مالک اسے منظور کرے۔ یہ مکاتب اگرچہ ابھی غلام رہے گا۔ لیکن پیشہ یا تجارت اختیار کرنے کے باب میں خود مختار ہو جائے گا۔ پھر اگر شرط پوری ہو گئی تو آزاد ہو جائے گا۔ نہ پوری ہونے کی صورت میں غلام یا تو خود ہی مکاتبت فسخ کرالے ورنہ قاضی کرادے گا۔

مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو ایک رقم معین کے ادا کرنے کے بعد آزادی کا حق حاصل ہو جاتا ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے غلاموں کو مکاتب بناتی تھیں؛ لیکن قبل اس کے کہ پورا معاوضہ یعنی بدل کتابت ادا کریں اس سے کسی قدر رقم لے کر جلد اسے جلد آزاد کر دیتی تھیں۔ (موطا امام مالك كتاب العتق والولاء، باب القطاعة فی الکتابة)

کتاب مکاتب کے شرعی ماخذ کا بیان

غلاموں کی آزادی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان سے یہ شرط کرلی جائے کہ اتنی مدت میں وہ اس قدر رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں یہ حکم خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۔ (النور)

اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبت کرلو۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے یہ حکم وجوبی نہیں سمجھا جاتا تھا؛ لیکن آقا کو معاہدہ مکاتبت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عملاً اس حکم کو وجوبی قرار دیا؛ چنانچہ جب سیرین نے آپنے آقا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کی درخواست کی اور انہوں نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلوا کر درے سے مارا اور قرآن مجید کی اس آیت کے رو سے ان کو معاہدہ کتابت کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب المکاتب)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس قسم کے غلاموں کی آزادی میں آسانیاں پیدا کرتے رہتے تھے، ایک بار ایک مکاتب غلام نے مال جمع کر کے بدل کتابت ادا کرنا چاہا؛ لیکن آقا نے یکمشت رقم لینے سے انکار کر دیا اور بااقساط لینا چاہا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے کل رقم لے کر بیت المال میں داخل کروادی اور کہا، تم شام کو آنا میں تمہیں آزادی کا فرمان لکھدوں گا، اس کے بعد لینے یا نہ لینے کا تمہارے آقا کو اختیار ہوگا، آقا کو خبر ہوئی تو اس نے آ کر یہ رقم وصول کرلی۔

(طبقات ابن سعد، تذکرہ ابوسعید المقبری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں تین شخص ایسے ہیں کہ ان کی مدد کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے راہ خدا میں لڑنے والا اور وہ مکاتب غلام جس کا دل کتابت ادا کرنے کا ارادہ ہو اور وہ شادی شدہ جو پاکدامن

رہنا چاہتا ہو۔ (سنن ابن ماجہ جلد دوم، رقم الحدیث، 676)

آقا کا غلام کو باندی کو مکاتب بنانے کا بیان

جب کسی آقا نے اپنے غلام یا اپنی باندی کو مال کی شرط پر مکاتب کیا ہے اور غلام نے اس کو قبول کرلیا ہے تو وہ مکاتب بن جائے گا۔ اور اس جواز اللہ تعالیٰ کے اس ارشادگرامی کے سبب سے ہے۔ "پس جب تم غلاموں میں خیر نظر آئے تو تم ان کو مکاتب بنا دو۔ اور یہ امر فقہاء کے اجماع کے ساتھ وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے اور صحیح بھی یہی ہے۔

کیونکہ اگر اس کو اباحت پر محمول کرتے تو اس کے سبب سے شرط لغو ہو جاتی تھی۔ اس لئے کہ مکاتبت بغیر شرط کے بھی مباح ہے لہذا مستحب ہونا اسی شرط کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ اور جو قرآن میں خیر کو ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آزادی کے بعد وہ غلام مسلمانوں کو نقصان نہ دے۔ کیونکہ اگر وہ نقصان دیتا ہے تو پھر افضل یہی ہے اس کو مکاتب نہ بنایا جائے۔ اور اگر پھر بھی مکاتب بنا دیا تو مکاتبت درست ہوگی۔ (ہدایہ، کتاب عتق، لاہور)

مکاتب بنانے کی شرعی حیثیت میں فقہی مذاہب کا بیان

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے فرماتا ہے جو غلاموں کے مالک ہیں کہ اگر ان کے غلام ان سے اپنی آزادگی کی بابت کوئی تحریر کرنی چاہیں تو وہ انکار نہ کریں۔ غلام اپنی کمائی سے وہ مال جمع کرکے اپنے آقا کو دے دے گا اور آزاد ہو جائے گا۔ اکثر علماء فرماتے ہیں یہ حکم ضروری نہیں فرض و واجب نہیں بلکہ بطور استحباب کے اور خیر خواہی کے ہے۔ آقا کو اختیار ہے کہ غلام جب کوئی ہنر جانتا ہو اور وہ کہے کہ مجھ سے اسی قدر روپیہ لے لو اور مجھے آزاد کردو تو اسے اختیار ہے خواہ اس قسم کا غلام اس سے اپنی آزادگی کی بابت تحریر چاہے وہ اس کی بات کو قبول کرلے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا غلام سیرین نے جو مالدار تھا ان سے درخواست کی کہ مجھ سے میری آزادی کی کتابت کرلو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انکار کردیا، دربار فاروقی میں مقدمہ گیا، آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور ان کے نہ ماننے پر کوڑے لگوائے اور یہی آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے تحریر لکھوا دی۔ (بخاری) عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں قول مروی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی تھا لیکن نیا قول یہ ہے کہ واجب نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے مسلمان کا مال بغیر اس کی دلی خوشی کے حلال نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ واجب نہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ کسی امام نے کسی آقا کو مجبور کیا ہو کہ وہ اپنے غلام کی آزادگی کی تحریر کردے، اللہ کا یہ حکم بطور اجازت کے ہے نہ کہ بطور وجوب کے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مختار قول وجوب کا ہے۔ خیر سے مراد امانت داری، سچائی، مال اور مال کے حاصل کرنے پر قدرت وغیرہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم اپنے غلاموں میں جو تم سے مکاتب کرنا چاہیں، مال کے کمانے کی

صلاحیت دیکھو تو ان کی اس خواہش کو پوری کرو ورنہ نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ لوگوں پر اپنا بوجھ ڈالیں گے یعنی ان سے سوال کریں گے اور رقم پوری کرنا چاہیں گے اس کے بعد فرمایا ہے کہ انہیں اپنے مال میں سے کچھ دو۔ یعنی جو رقم ٹھیر چکی ہے اس میں سے کچھ معاف کر دو۔ چوتھائی یا تہائی یا آدھا یا کچھ حصہ۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ مال زکوۃ سے ان کی مدد کرو آقا بھی اور دوسرے مسلمان بھی اسے مال زکوۃ دیں تاکہ وہ مقررہ رقم پوری کر کے آزاد ہو جائے۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ جن تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ پر برحق ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ابوامیہ نے مکاتبہ کیا تھا جب وہ اپنی رقم کی پہلی قسط لیکر آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ اپنی اس رقم میں دوسروں سے بھی مدد طلب کرو اس نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین آپ آخری قسط تک تو مجھے ہی محنت کرنے دیجئے۔ فرمایا نہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ کے اس فرمان کو ہم چھوڑ نہ بیٹھیں کہ انہیں اللہ کا وہ مال دو جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے۔ پس یہ پہلی قسطیں تھیں جو اسلام میں ادا کی گئیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ شروع شروع میں آپ نہ کچھ دیتے تھے نہ معاف فرماتے تھے کیونکہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو آخر میں یہ رقم پوری نہ کر سکے تو میرا دیا ہوا مجھے ہی واپس آ جائے۔ ہاں آخری قسطیں ہوتیں تو جو چاہتے اپنی طرف سے معاف کر دیتے۔ ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ چوتھائی چھوڑ دو۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

بعض جدید مفسرین کے نزدیک امر مکاتبت کے وجوب کا بیان

مولانا عبدالرحمن کیلانی لکھتے ہیں کہ واضح رہے کہ عہد نبوی ﷺ میں معاشرے کا ایک کثیر حصہ غلاموں اور لونڈیوں پر مشتمل تھا۔ اور یہ معاشرہ کا جزو لاینفک بن چکا تھا۔ کسی شخص کی دولت کا معیار ہی یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے پاس کتنے غلام ہیں۔ گویا یہ غلام ان آزاد لوگوں کی آمدنی کا ذریعہ بنتے تھے۔ منڈیوں میں غلاموں کا آزادانہ خرید و فروخت ہوتی تھی۔ جیسے ہمارے ہاں بھیڑوں اور گائے بھینسوں کی ہوتی ہے۔

اسلام نے اس غلام کے رواج کو سخت ناپسندیدہ سمجھا۔ غلاموں کی آزادی کے لئے ہر ممکن صورت اختیار کی لیکن شراب اور سود کی طرح اس کا کلی استیصال نہیں کیا۔ وجہ یہ ہے کہ تا قیامت جنگیں ہوتی رہیں گی اور قیدی بنتے رہیں گے۔ ایسے مواقع پر ایک غیر مسلم حکومت کے فوجی مفتوح قوم کی عورتوں پر جس طرح کی دست درازیاں کرتے اور ظلم و ستم ڈھاتے ہیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اسلام ایسی فحاشی اور ایسے مظالم کو حرام قرار دیتا ہے اور اس کے بجائے ملک یمین کی حلال راہیں کھولتا ہے۔ ان اعلیٰ اخلاقی قدروں کی بنا پر اسلام نے جنگی قیدیوں اور ملک یمین کا مکمل طور پر استیصال نہیں کیا۔

اسلام نے غلام کے رواج کی حوصلہ شکنی کے لئے بہت سے گناہوں کا کفارہ غلام کی آزادی قرار دیا۔ زکوۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف یہ بھی فرمایا۔ مسلمانوں کو بہت بڑے اجر کا وعدہ فرما کر غلاموں کو آزاد کرنے اور کرانے کی ترغیب دی۔ غرض یہ باب بھی بڑا طویل ہے۔ ایسے ہی ذرائع میں سے مکاتبت بھی غلاموں کی آزادی کا ایک ذریعہ ہے۔ مکاتبت کا لغوی معنی تو باہمی تحریری معاہدہ ہے۔ اور اصطلاحاً اس سے مراد وہ (تحریری یا زبانی) معاہدہ ہے جو غلاموں کی آزادی کے سلسلہ میں مالک اور غلاموں

کے درمیان باہمی رضا مندی سے طے ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ غلام یہ وعدہ کر کے کہ میں اتنی رقم اتنی مدت کے بعد یا مدت کے اندر یکمشت یا بالاقساط ادا کروں گا اگر کوئی غلام اپنے مالک سے ایسی درخواست کرے تو مالک کو ایسی درخواست قبول کر لینا چاہئے۔اس معاہدہ پر مزید کسی شرط کے اضافہ کی مالک کے لئے گنجائش نہیں ہوتی جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہے۔

عمر بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ بریرہ لونڈی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی وہ اپنی کتابت کے سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدد چاہتی تھی۔انہوں نے کہا: "اگر تو چاہے تو میں تیرے مالکوں کو رقم ادا کر دیتی ہوں مگر ولاء (تیرا ترکہ) میرا ہوگا" اور اس کے مالکوں نے اسے کہا: اگر تو چاہے کتابت کی بقایا رقم دے دے پھر خواہ وہ مجھے آزاد کر دیں۔مگر۔۔۔ترکہ ہم ہی لیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب آپ تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: "تم بریرہ کو خرید کر آزاد کر دو۔اور ترکہ تو اسی کا ہوتا ہے جو آزاد کرے" پھر آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا: "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں۔اور ایسی شرطیں جو اللہ کی کتاب میں نہ ہوں۔خواہ کوئی سو شرطیں لگائے اسے کچھ بھی نہ ملے گا" (بخاری۔کتاب الصلوۃ۔باب ذکر البیع والشراء فی المسجد)۔

اور مالک کے لئے یہ امر وجوب کے لئے ہے۔یعنی یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ مالک اگر چاہے تو غلام کی مکاتبت کی درخواست کو قبول کرے اور چاہے تو نہ کرے اور مالک مکاتبت پر رضا مند نہ ہو تو اسے اسلام حکومت کی طرف سے ایسے معاہدہ کے لئے مجبور کیا جائے۔البتہ ایسی مکاتبت کے لئے ایک شرط اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتلا دی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مالک اپنی دیانتداری کے ساتھ اپنے لالچ کے بغیر یہ سمجھے کہ یہ آزادی فی الواقع غلام یا لونڈی کے حق میں بہتر نہ ہوگی۔قید غلامی سے رہا ہو کر وہ چوری، بدکاری یا اور طرح طرح کی بدمعاشیاں نہ کرتا پھرے۔اگر یہ اطمینان ہو تو اسے ضرور آزاد کر دینا چاہئے۔کہ وہ آزاد ہو کر معاشرہ میں اپنا مقام پیدا کر سکے اور اگر نکاح کرنا چاہے تو اپنے اختیار سے کر سکے۔نیز کسی بھی میدان میں غلامی کی وجہ سے اس کے لئے میدان تنگ نہ ہو۔یا پھر خیر کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آیا وہ اپنے اس عہد کو نباہ بھی سکتا ہے یا نہیں یعنی اپنے معاوضہ کی رقم ادا کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔(تفسیر تیسیر القرآن)

تین بندوں کے لئے مدد الٰہی آنے کا بیان

2518 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْخَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُ الْغَازِىْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُكَاتَبُ الَّذِىْ يُرِيْدُ الْاَدَاءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِىْ يُرِيْدُ التَّعَفُّفَ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "تین لوگ ایسے ہیں کہ ان کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے: اللہ کی راہ میں جنگ میں حصہ لینے والا وہ مکاتب غلام جو ادائیگی کرنا چاہے اور نکاح کرنے والا وہ شخص جو گناہ سے بچنا چاہتا ہے"۔

2518 اخرجه الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1655' اخرجه النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3120' ورقم الحدیث: 3218.

2519- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا عَبْدٍ كُوْتِبَ عَلٰى مِائَةِ اُوْقِيَّةٍ فَاَدَّاهَا اِلَّا عَشْرَ اُوْقِيَّاتٍ فَهُوَ رَقِيْقٌ

◆◆ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:
''جس بھی غلام کو ایک سو اوقیہ کے عوض میں مکاتب کیا گیا ہو اور وہ نوے اوقیہ ادا کر دے تو وہ پھر بھی غلام ہی رہے گا (جب تک وہ پوری ادائیگی نہیں کرے گا) وہ آزاد نہیں ہوگا''۔

معاوضہ بننے والی چیز مکاتبت کرنے کا بیان

مکاتبت کے لفظی معنی تو ہیں لکھا پڑھی، مگر اصطلاح میں یہ لفظ اس معنی میں بولا جاتا ہے کہ کوئی غلام یا لونڈی اپنی آزادی کے لیے اپنے آقا کو ایک معاوضہ ادا کرنے کی پیش کش کرے اور جب آقا اسے قبول کرلے تو دونوں کے درمیان شرائط کی لکھا پڑھی ہو جائے۔ اسلام میں غلاموں کی آزادی کے لیے جو صورتیں رکھی گئی ہیں یہ ان میں سے ایک ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ معاوضہ مال ہی کی شکل میں ہو۔ آقا کے لیے کوئی خاص خدمت انجام دینا بھی معاوضہ بن سکتا ہے، بشرطیکہ فریقین اس پر راضی ہو جائیں۔ معاہدہ ہو جانے کے بعد آقا کو یہ حق نہیں رہتا کہ غلام کی آزادی میں بیجا رکاوٹیں ڈالے۔ وہ اس کو مال کتابت فراہم کرنے کے لیے کام کرنے کا موقع دے گا اور مدت مقررہ کے اندر جب بھی غلام نے اپنی مالکہ سے مکاتبت کی اور مدت مقررہ سے پہلے ہی مال کتابت فراہم کر کے اس کے پاس لے گیا۔ مالکہ نے کہا کہ میں تو یک مشت نہ لوں گی بلکہ سال بسال اور ماہ بماہ قسطوں کی صورت میں لوں گی۔ غلام نے حضرت عمر سے شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا یہ رقم بیت المال میں داخل کر دے اور جا تو آزاد ہے۔ پھر مالکہ کو کہلا بھیجا کہ تیری رقم یہاں جمع ہو چکی ہے، اب تو چاہے یک مشت لے لے ورنہ ہم تجھے سال بسال اور ماہ بماہ دیتے رہیں گے۔
(دار قطنی، بروایت ابوسعید مقبری)

درخواست مکاتبت پر قبول مولیٰ میں مذاہب اربعہ

اس آیت کا مطلب فقہاء کے ایک گروہ نے یہ لیا ہے کہ جب کوئی لونڈی یا غلام مکاتبت کی درخواست کرے تو آقا پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ یہ عطاء، عمرو بن دینار، ابن سیرین، مسروق، ضحاک، عکرمہ، ظاہریہ، اور ابن جریر طبری کا مسلک ہے اور امام شافعی بھی پہلے اسی کے قائل تھے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب اور مندوب ہے۔ اس گروہ میں شعبی، مقاتل بن حیان، حسن بصری، عبدالرحمٰن بن زید، سفیان ثوری، ابوحنیفہ اور مالک بن انس جیسے بزرگ شامل ہیں، اور آخر میں امام شافعی بھی اسی کے قائل ہو گئے تھے۔ پہلے گروہ کے مسلک کی تائید دو چیزیں کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ آیت کے الفاظ ہیں کَاتِبُوْهُمْ، ان سے مکاتبت کر لو۔ یہ الفاظ صاف طور پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ دوسرے یہ کہ معتبر روایات سے ثابت ہے کہ مشہور فقیہ (محدث حضرت محمد بن سیرین کے والد سیرین نے اپنے آقا حضرت انس سے جب

2519 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

مکاتبت کی درخواست کی اور انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو سیرین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت لے گئے۔ انہوں نے واقعہ سنا تو درہ لے کر حضرت انس پر پل پڑے اور فرمایا اللہ کا حکم ہے کہ مکاتبت کرلو (بخاری)۔ اس واقعہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر کا ذاتی فعل نہیں بلکہ صحابہ کی موجودگی میں کیا گیا تھا اور کسی نے اس پر اظہار اختلاف نہیں کیا، لہذا یہ اس آیت کی مستند تفسیر ہے۔

دوسرے گروہ کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف فکاتبوھم نہیں فرمایا ہے بلکہ فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا ارشاد فرمایا ہے، یعنی ان سے مکاتبت کرلو اگر ان کے اندر بھلائی پاؤ یہ بھلائی پانے کی شرط ایسی ہے جس کا انحصار مالک کی رائے پر ہے، اور کوئی متعین معیار اس کا نہیں ہے جسے کوئی عدالت جانچ سکے۔ قانونی احکام کی یہ شان نہیں ہوا کرتی۔ اس لیے اس حکم کو تلقین اور ہدایت ہی کے معنی میں لیا جائے گا نہ کہ قانونی حکم کے معنی میں۔ اور سیرین کی نظیر کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ اس زمانے میں کوئی ایک غلام تو نہ تھا جس نے مکاتبت کی درخواست کی ہو۔ ہزار ہا غلام عہد نبوی ﷺ اور عہد خلافت راشدہ میں موجود تھے، اور بکثرت غلاموں نے مکاتبت کی ہے۔

ابن سیرین والے واقعہ کے سوا کوئی مثال ہم کو نہیں ملتی کہ کسی آقا کو عدالتی حکم کے ذریعہ سے مکاتبت پر مجبور کیا گیا ہو۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو ایک عدالتی فعل سمجھنے کے بجائے ہم اس معنی میں لیتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے درمیان محض قاضی ہی نہ تھے بلکہ افراد ملت کے ساتھ ان کا تعلق باپ اور اولاد کا سا تھا۔ بسا اوقات وہ بہت سے ایسے معاملات میں بھی دخل دیتے تھے جن میں ایک باپ تو دخل دے سکتا ہے مگر ایک حاکم عدالت دخل نہیں دے سکتا۔

بھلائی سے مراد تین چیزیں ہیں

ایک یہ کہ غلام میں مال کتابت ادا کرنے کی صلاحیت ہو، یعنی وہ کما کر یا محنت کر کے اپنی آزادی کا فدیہ ادا کر سکتا ہو، جیسا کہ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ان علمتم فیھم حرفة ولا ترسلوھم کلا علی الناس، اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ کما سکتا ہے تو مکاتبت کرو۔ یہ نہ ہو کہ اسے لوگوں سے بھیک مانگتے پھرنے کے لیے چھوڑ دو۔ (ابن کثیر بحوالہ ابوداؤد)

دوسرے یہ کہ اس میں اتنی دیانت اور راست بازی موجود ہو کہ اس کے قول پر اعتماد کر کے معاہدہ کیا جا سکے۔ ایسا نہ ہو مکاتبت کر کے وہ مالک کی خدمت سے چھٹی بھی پالے اور جو کچھ اس دوران میں کمائے اسے کھا پی کر برابر بھی کر دے۔

تیسرے یہ کہ مالک اس میں ایسے برے اخلاقی رجحانات، یا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی کے ایسے تلخ جذبات نہ پاتا ہو جن کی بنا پر یہ اندیشہ ہو کہ اس کی آزادی مسلم معاشرے کے لیے خطرناک ہوگی۔ بالفاظ دیگر اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہو کہ مسلم معاشرے کا ایک اچھا آزاد شہری بن سکے گا نہ کہ آستین کا سانپ بن کر رہے گا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ معاملہ جنگی قیدیوں کا بھی تھا جن کے بارے میں یہ احتیاط ملحوظ خاطر رکھنے کی ضرورت تھی۔ یہ عام حکم ہے جس کے مخاطب آقا بھی ہیں، عام مسلمان بھی اور اسلامی حکومت بھی ہے۔

مکاتب کے آقا کا کچھ حصہ مکاتبت کو معاف کرنے کا بیان

آقاؤں کی ہدایت ہے کہ مال کتابت میں سے کچھ نہ کچھ معاف کر دو، چنانچہ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام اپنے مکاتبوں کو مال کتابت کا ایک معتد بہ حصہ معاف کر دیا کرتے تھے، حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو ہمیشہ حصہ معاف کیا ہے اور اس کی تلقین فرمائی ہے۔ (ابن جریر)

عام مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ جو مکاتب بھی اپنا مال کتابت ادا کرنے کے لیے ان سے مدد کی درخواست کرے، وہ دل کھول کر اس کی امداد کریں۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے جو مصارف بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایک فی الرقاب بھی ہے، یعنی گردنوں کو بند غلامی سے رہا کرانا (سورہ توبہ، آیت 60) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک فک رقبہ گردن کا بند کھولنا ایک بڑی نیکی کا کام ہے۔

(سورہ بلد آیت 13)

حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے وہ عمل بتائیے جو مجھ کو جنت میں پہنچا دے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو نے بڑے مختصر الفاظ میں بہت بڑی بات پوچھ ڈالی۔ غلام آزاد کر، غلاموں کو آزادی حاصل کرنے میں مدد دے، کسی کو جانور دے تو خوب دودھ دینے والا دے، اور تیرا جو رشتہ دار تیرے ساتھ ظلم سے پیش آئے اس کے ساتھ نیکی کر۔ اور اگر یہ نہیں کر سکتا تو بھوکے کو کھانا کھلا، پیاسے کو پانی پلا، بھلائی کی تلقین کر، برائی سے منع کر۔ اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو اپنی زبان کو روک کر رکھ۔ کھلے تو بھلائی کے لیے کھلے ورنہ بند رہے (بیہقی فی شعب الایمان عن البراء بن عازب)

اسلامی حکومت کو بھی ہدایت ہے کہ بیت المال میں جو زکوٰۃ جمع ہو اس میں سے مکاتب غلاموں کی رہائی کے لیے ایک حصہ خرچ کریں۔

اس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ قدیم زمانے میں غلام تین طرح کے تھے۔ ایک جنگی قیدی۔ دوسرے، آزاد آدمی جن کو پکڑ پکڑ کر غلام بنایا اور بیچ ڈالا جاتا تھا۔ تیسرے وہ جو نسلوں سے غلام چلے آ رہے تھے اور کچھ پتہ نہ تھا کہ ان کے آباء و اجداد کب غلام بنائے گئے تھے اور دونوں قسموں میں سے کس قسم کے غلام تھے۔ اسلام جب آیا تو عرب اور بیرون عرب، دنیا بھر کا معاشرہ ان تمام اقسام کے غلاموں سے بھرا ہوا تھا اور سارا معاشی نظام مزدوروں اور نوکروں سے زیادہ ان غلاموں کے سہارے چل رہا تھا۔ اسلام کے سامنے پہلا سوال یہ تھا کہ یہ غلام جو پہلے سے چلے آ رہے ہیں ان کا کیا کیا جائے۔ اور دوسرا سوال یہ تھا کہ آئندہ کے لیے غلامی کے مسئلے کا کیا حل ہے۔

پہلے سوال کے جواب میں اسلام نے یہ نہیں کیا کہ یک لخت قدیم زمانے کے تمام غلاموں پر سے لوگوں کے حقوق ملکیت ساقط کر دیتا، کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ پورا معاشرتی و معاشی نظام مفلوج ہو جاتا، بلکہ عرب کو امریکہ کی خانہ جنگی سے بھی بدرجہا زیادہ سخت تباہ کن خانہ جنگی سے دوچار ہونا پڑتا اور پھر بھی اصل مسئلہ حل نہ ہوتا جس طرح امریکہ میں حل نہ ہو سکا در سیاہ فام لوگوں کی ذلت کا مسئلہ بہرحال باقی رہ گیا۔ اس احمقانہ طریق اصلاح کو چھوڑ کر اسلام نے فک رقبہ کی ایک زبردست اخلاقی تحریک شروع کی

اور تلقین و ترغیب مذہبی احکام اور ملکی قوانین کے ذریعہ سے لوگوں کو اس بات پر ابھارا کہ یا تو آخرت کی نجات کے لیے طوعاً غلاموں کو آزاد کریں، یا اپنے قصوروں کے کفارے ادا کرنے کے لیے مذہبی احکام کے تحت انہیں رہا کریں، یا مالی معاوضہ لے کر ان کو چھوڑ دیں، اس تحریک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود 63 غلام آزاد کیے۔ آپ کی بیویوں میں سے صرف ایک بیوی حضرت عائشہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد 67 تھی۔ حضور کے چچا حضرت عباس نے اپنی زندگی میں 70 غلاموں کو آزاد کیا۔
حکیم بن حزام نے 100، عبداللہ بن عمر نے ایک ہزار، ذوالکلاع حمیری نے آٹھ ہزار، اور عبدالرحمن بن عوف نے تیس ہزار کو رہائی بخشی۔ ایسے ہی واقعات دوسرے صحابہ کی زندگی میں بھی ملتے ہیں جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان کے نام بہت ممتاز ہیں۔ خدا کی رضا حاصل کرنے کا ایک عام شوق تھا جس کی بدولت لوگ کثرت سے خود اپنے غلام بھی آزاد کرتے تھے اور دوسروں سے بھی غلام خرید خرید کر آزاد کرتے چلے جاتے تھے۔ اس طرح جہاں تک سابق دور کے غلاموں کا تعلق ہے، وہ خلفائے راشدین کا زمانہ ختم ہونے سے پہلے ہی تقریباً سب کے سب رہا ہو چکے تھے۔
اب رہ گیا آئندہ کا مسئلہ۔ اس کے لیے اسلام نے غلامی کی اس شکل کو تو قطعی حرام اور قانوناً مسدود کر دیا کہ کسی آزاد آدمی کو پکڑ کر غلام بنایا اور بیچا اور خریدا جائے۔ البتہ جنگی قیدیوں کو صرف اس صورت میں غلام بنا کر رکھنے کی اجازت (حکم نہیں بلکہ اجازت) دی جب کہ ان کی حکومت ہمارے جنگی قیدیوں سے ان کا تبادلہ کرنے پر راضی نہ ہو، اور وہ خود بھی اپنا فدیہ ادا نہ کریں۔ پھر ان غلاموں کے لیے ایک طرف اس امر کا موقع کھلا رکھا گیا کہ وہ اپنے مالکوں سے مکاتبت کر کے رہائی حاصل کر لیں اور دوسری طرف وہ تمام ہدایات ان کے حق میں موجود ہیں جو قدیم غلاموں کے بارے میں تھیں کہ نیکی کا کام سمجھ کر رضائے الٰہی کے لیے انہیں آزاد کیا جائے، یا گناہوں کے کفارے میں ان کو آزادی بخش دی جائے، یا کوئی شخص اپنی زندگی تک اپنے غلام کو غلام رکھے اور بعد کے لیے وصیت کر دے کہ اس کے مرتے ہی وہ آزاد ہو جائے گا (جسے اسلامی فقہ کی اصطلاح میں تدبیر اور ایسے غلام کو مدبر کہتے ہیں)، یا کوئی شخص اپنی لونڈی سے تمتع کرے اور اس کے ہاں اولاد ہو جائے، اس صورت میں مالک کے مرتے ہی وہ آپ سے آپ آزاد ہو جائے گی خواہ مالک نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ یہ حل ہے جو اسلام نے غلامی کے مسئلے کا کیا ہے۔ جاہل معترضین اس کو سمجھے بغیر اعتراضات جڑتے ہیں، اور معذرت پیشہ حضرات اس کی معذرتیں پیش کرتے کرتے آخر کار اس امر واقعہ ہی کا انکار کر بیٹھتے ہیں کہ اسلام نے غلام کو کسی نہ کسی صورت میں باقی رکھا تھا۔

مکاتب غلام سے پردہ کرنے کا بیان

2520 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ نَبْهَانَ مَوْلٰى اُمِّ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا اَخْبَرَتْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اِذَا كَانَ لِاَحَدَاكُنَّ مُكَاتَبٌ وَّكَانَ عِنْدَهٗ مَا يُؤَدِّيْ فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ

◆◆ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں: جب تم میں سے کسی ایک کا کوئی مکاتب غلام ہو اور اس

2520 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 3928 'اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1261

کے پاس رقم موجود ہو جس کی وہ ادائیگی کر سکتا ہو تو پھر وہ عورت اس غلام سے پردہ کرے۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ مکاتب نے جب تک پورا بدل کتابت ادا نہیں کر دیا غلام اور محرم ہے اس سے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے اگر اس کے پاس احتمال وزر ہو گیا ہے جس سے وہ اپنا پورا بدل کتابت ادا کر سکتا ہے تو از راہ تقویٰ و احتیاط اس سے پردہ کرنا چاہئے کیونکہ جب وہ پورا بدل کتابت ادا کرنے کی قدرت و استطاعت رکھتا ہے تو گویا اس نے واقعی اپنے بدل کتابت ادا کر دیا ہے اس حدیث کے سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم مخصوص طور پر اپنی ازواج مطہرات کے لئے فرمایا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد آیت (لستن کاحد من النساء) کے مطابق ازواج مطہرات کا پردہ بھی دوسری عورتوں کی بہ نسبت زیادہ سخت تھا۔

حق ولاء کا بیان

2521 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَعَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِیْعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ بَرِیْرَةَ اَتَتْهَا وَهِیَ مُكَاتَبَةٌ قَدْ كَاتَبَهَا اَهْلُهَا عَلٰی تِسْعِ اَوَاقٍ فَقَالَتْ لَهَا اِنْ شَآءَ اَهْلُكِ عَدَدْتُ لَهُمْ عَدَّةً وَّاحِدَةً وَّكَانَ الْوَلَاءُ لِیْ قَالَ فَاَتَتْ اَهْلَهَا فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُمْ فَاَبَوْا اِلَّا اَنْ تَشْتَرِطَ الْوَلَاءَ لَهُمْ فَذَكَرَتْ عَائِشَةُ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ افْعَلِیْ قَالَ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ یَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَیْسَتْ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ كُلُّ شَرْطٍ لَیْسَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَّاِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ كِتَابُ اللّٰهِ اَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ اَوْثَقُ وَالْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ''بریرہ'' ان کے پاس آئی اس نے کتابت کا معاہدہ کر لیا تھا اس کے مالک نے اس کے ساتھ 9 اوقیہ کے عوض کتابت کا معاہدہ کیا تھا' تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے کہا: اگر تمہارا مالک چاہے میں پوری قیمت ایک ہی مرتبہ ادا کر دیتی ہوں اور ولاء کا حق مجھے حاصل ہو گا۔ راوی کہتے ہیں: بریرہ اپنے مالک کے پاس گئی اس کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا' تو انہوں نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا انہوں نے یہ شرط عائد کی کہ ولاء ان کے پاس رہے گی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ کر لو۔

راوی بیان کرتے ہیں: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ جو وہ ایسی شرائط عائد کرتے ہیں' جن کی اجازت اللہ کی کتاب میں نہیں ہے اور وہ شرط جس کی اجازت اللہ کی کتاب میں نہ ہو وہ باطل شمار ہو گی اگرچہ وہ 100 شرطیں ہوں اللہ تعالیٰ کی کتاب اس بات کی زیادہ حق دار ہے (کہ اس پر عمل کیا جائے) اور اللہ تعالیٰ کی شرط زیادہ قابل اعتماد ہوتی ہے اور ولاء کا حق آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔

2521 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 3759

ولاء کی لغوی تشریح کا بیان

ولاء عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ "و،ل،ی" ہے ولی کا مطلب ہے دوست، مددگار، حلیف، قریبی، حامی اسی سے ولاء کا لفظ بنا ہے جس کا مطلب ہے دوستی، قربت، محبت، نصرت، حمایت۔ جب یہ لفظ ال کے اضافے کے ساتھ الولاء کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو یہ ایک شرعی اصطلاح بن جاتی ہے جس کا مطلب یہ واضح کرنا ہے کہ مومن آدمی کو کس کس سے دوستی اور محبت کرنی چاہیے۔ الولاء کا لفظ شرعی اصطلاح میں اس قدر جامع ہے کہ اردو کے کسی ایک لفظ کے ساتھ اس کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی مشکل ہے، ہم نے اس کی ترجمانی کے لیے "دوستی" کا لفظ منتخب کیا ہے لیکن اس دوستی سے مراد وہ سرسری تعلقات نہیں جو عارضی مفادات یا بعض دیگر وقتی اسباب کے تابع ہوتے ہیں بلکہ اس دوستی سے مراد وہ قلبی تعلق ہے جو ہمیشہ قائم رہے اور جس میں دلی محبت اور وفا کوٹ کوٹ کر بھری ہو سر سے خون کی ندیاں ہی کیوں نہ گزر جائیں لیکن اس دوستی میں ذرہ برابر فرق نہ آئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: رقم الحدیث، 2387)

شہاب کہتے تھے کہ سنت جاری ہے اس بات پر جب غلام آزاد ہو جائے اس کا مال اسی کو ملے گا۔ امام مالک نے کہا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ غلام اور مکاتب جب مفلس ہو جائیں تو ان کے مالک اور ام ولد لے لیں گے مگر اولاد کو نہ لیں گے کیونکہ اولاد غلام کا مال نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا ہے اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ غلام جب بیچا جائے اور خریدار اس کے مالک لینے کی طرف کرے تو اولاد اس میں داخل نہ ہوگی۔

امام مالک نے کہا ہے غلام اگر کسی کو زخمی کرے تو اس دیت میں وہ خود اور مال اس کا گرفت کیا جائے گا مگر اس کی اولاد سے مواخذہ نہ ہوگا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1153)

یعنی ولاء کا معنی غلام یا لونڈی کا ترکہ جب وہ مر جائے تو اس کا آزاد کرنے والا اس کا وارث بنے۔ عرب میں غلام اور آقا کے اس تعلق کو بیع کرنے یا ہبہ کرنے کا رواج تھا۔ شارع نے اس سے منع کر دیا۔ اس لیے کہ ولاء نسب کی طرح ہے جو کسی طور بھی زائل نہیں ہو سکتا۔ اس پر تمام فقہاء عراق اور حجاز کا اتفاق ہے۔ (حاشیہ، بخاری، کتاب العتاق)

کتابت میں معین شرط لگانے کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے اپنے غلام کو مکاتب کیا سونے یا چاندی پر اور اس کی کتابت میں کوئی شرط لگا دی سفر یا خدمت یا اضحیہ کی لیکن اس شرط کو معین کر دیا پھر مکاتب اپنے قسطوں کے ادا کرنے پر مدت سے پہلے قادر ہو گیا اور اس نے قسطیں ادا کر دیں مگر یہ شرط اس پر باقی ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور حرمت اس کی پوری ہو جائے گی اب اس شرط کو دیکھیں گے اگر وہ شرط ایسی ہے جو مکاتب کو خود ادا کرنا پڑتی ہے (جیسے سفر یا خدمت کی شرط) تو یہ مکاتب پر لازم نہ ہوگی اور نہ مولی کو اس

شرط کے پورا کرنے کا استحقاق ہوگا اور جو شرط ایسی ہے جس میں کچھ دینا پڑتا ہے جیسے اضحیہ یا کپڑے کی شرط تو یہ مانند روپوں اشرفیوں کے ہوگی اس چیز کی قیمت لگا کر وہ بھی اپنی قسطوں کے ساتھ ادا کردے گا جب تک ادا نہ کرے گا آزاد نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب مکاتب مثل اس غلام کے ہے جس کو مولیٰ آزاد کردے دس برس تک خدمت کرنے کے بعد اگر مولیٰ مرجائے اور دس برس نہ گزرنے ہوں تو ورثاء کی خدمت میں دس برس پورے کرے گا اور ولاء اس کی اسی کو ملے گی جس نے اس کی آزادی ثابت کی یا اس کی اولاد کو مردوں میں سے یا عصبہ کو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے مکاتب سے شرط لگائے تو سفر نہ کرنا یا نکاح نہ کرنا یا میرے ملک میں سے باہر نہ جانا بغیر میرے پوچھے ہوئے اگر تو ایسا کرے گا تو تیری کتابت باطل کر دینا میرے اختیار میں ہوگا۔ اس صورت میں کتابت کا باطل کرنا اس کے اختیار میں نہ ہوگا اگرچہ مکاتب ان کاموں میں سے کوئی کام کرے اگر مکاتب کی کتابت کو مولیٰ باطل کرنے تو مکاتب کو چاہیے کہ حاکم کے سامنے فریاد کرے وہ حکم کردے کہ کتابت باطل نہیں ہو سکتی مگر اتنی بات ہے کہ مکاتب کو نکاح کرنا یا سفر کرنا یا ملک سے باہر جانا بغیر مولیٰ کے پوچھے ہوئے درست نہیں ہے خواہ اس کی شرط ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے غلام کو سو دینار کے بدلے میں مکاتب کرتا ہے اور غلام کے پاس ہزار دینار موجود ہوتے ہیں تو وہ نکاح کر کے ان دیناروں کو مہر کے بدلے میں تباہ ہو کر پھر عاجز ہو کر مولیٰ کے پاس آتا ہے نہ اس کے پاس مال ہوتا ہے نہ اور کچھ اس میں سراسر مولیٰ کا نقصان ہے یا مکاتب سفر کرتا ہے اور قسطوں کے دن آجاتے ہیں لیکن وہ حاضر نہیں ہوتا تو اس میں مولیٰ کا حرج ہوتا ہے اسی نظر سے مکاتب کو درست نہیں کہ بغیر مولیٰ کے پوچھے ہوئے نکاح کرے یا سفر کرے بلکہ ان امورات کا اختیار کرنا مولیٰ کو ہے چاہے اجازت دے چاہے منع کرے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1179)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب مکاتب کی قسط کی بیع درست نہیں کیونکہ اس میں دھوکہ ہے اس واسطے کہ اگر مکاتب عاجز ہو گیا تو اس کے ذمے جو روپیہ تھا باطل ہو گیا اور اگر مکاتب مر گیا یا مفلس ہو گیا اور اس پر لوگوں کے قرضے ہیں تو جس الشخص نے اس کی قسط خریدی تو وہ قرض خواہوں کے برابر نہ ہوگا بلکہ مثل مکاتب کے مولیٰ کے ہوگا اور مولیٰ مکاتب کے قرض خواہوں کے برابر نہیں ہوتا اسی طرح خراج مولیٰ کا اگر غلام کے ذمے پر جمع ہو جائے تب بھی مولیٰ اور قرض خواہوں کے برابر نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مکاتب اگر اپنی کتابت کو خرید لے نقد روپیہ اشرفی کے بدلے میں یا کسی اسباب کے بدلے میں جو بدل کتابت کی جنس سے نہ ہو یا اسی جنس سے مؤجل ہو یا معجل ہو تو درست ہے۔

مکاتب کی قیمت ایک ہزار دراہم اور وصیت کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مولیٰ مرتے وقت اپنے مکاتب کو آزاد کردے تو مکاتب کی اس حالت میں جس میں وہ ہے قیمت لگا دیں گے اگر قیمت اس کی بدل کتابت سے کم ہے تو ثلث مال میں وہ قیمت مکاتب کو معاف ہو جائے گی اور جس قدر بدل کتابت اس پر باقی ہے اس کی مقدار کی طرف خیال نہ آئے گا وہ اگر کسی کے ہاتھ سے مارا جائے تو اس کے قاتل پر قتل کے دن کی قیمت لازم آئے گی اور اگر مجروح ہو تو زخمی کرنے والے پر اس دن کی دیت لازم آئے گی اور ان سب امور میں کتابت کی

مقدار کی طرف خیال نہ کریں گے کیونکہ جب تک اس پر بدل کتابت میں سے باقی ہے وہ غلام ہے البتہ اگر بدل کتابت قیمت سے کم باقی ہے تو جس قدر بدل کتابت باقی رہ گیا ہے وہ ثلث مال میں معاف ہو جائے گا گویا میت نے مکاتب کے واسطے اس قدر مال کی وصیت کی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ تفسیر اس کی یہ ہے مثلاً قیمت مکاتب کی ہزار درہم ہوں اور بدل کتابت میں اس پر سو درہم باقی ہوں تو گویا مولیٰ نے اس کے لیے سو درہم کی وصیت کی اگر ثلث مال میں سے سو درہم کی وصیت کی اگر ثلث مال میں سے سو درہم نکل سکیں تو آزاد ہو جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو مکاتب کرے مرتے وقت تو اس کی قیمت لگا دیں گے اگر ثلث مال میں گنجائش ہوگی تو یہ عقد کتابت جائز ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ غلام کی قیمت ہزار دینار ہو اور مولیٰ اس کو مرتے وقت دو سو دینار کو مکاتب کر گیا اور ثلث مال مولیٰ کا ہزار دینار کے مقدار ہو تو کتابت جائز ہوگی گویا یہ مولیٰ نے وصیت کی اپنے مکاتب کے لیے ثلث مال میں اگر مولیٰ نے اور بھی لوگوں کو وصیتیں کی ہیں اور ثلث مال مکاتب کی قیمت سے زیادہ نہیں ہے تو پہلے کتابت کی وصیت کو ادا کریں گے کیونکہ کتابت کا نتیجہ آزادی ہے اور آزادی اور وصیتوں پر مقدم ہے پھر اور وصیت والوں کو حکم ہوگا کہ مکاتب کا پیچھا کریں اور اس سے اپنی وصیتیں وصول کریں اور میت کے وارثوں کو اختیار ہے چاہیں وصیت والوں کو ان کی وصیتیں ادا کریں اور مکاتب کی کتابت آپ لے لیں اگر چاہیں مکاتب کو اور اس کے بدل کتابت کو وصیت والوں کے حوالے کر دیں کیونکہ ثلث مال مکاتب ہی میں رہ گیا ہے اور اس واسطے کہ جب کوئی شخص وصیت کرے پھر اس کے وارث یہ کہیں کہ یہ وصیت ثلث سے زیادہ ہے اور میت نے اپنے اختیار سے زیادہ تصرف کیا تو اس کے ورثہ کو اختیار ہوگا چاہیں تو وصیت والوں کو ان کی وصیتیں ادا کریں اور چاہیں تو میت کا ثلث مال وصیت والوں کے سپرد کر دیں اگر وارثوں نے مکاتب کو وصیت والوں کے سپرد کر دیا تو بدل کتابت وصیت والوں کا ہو جائے گا اب اگر مکاتب نے بدل کتابت ادا کر دیا تو سب وصیت والے اپنے حصوں کے موافق بانٹ لیں گے اگر مکاتب عاجز ہو گیا تو وصیت والوں کا غلام ہو جائے گا اب وصیت والے اس غلام کو وارثوں پر پھیر نہیں سکتے کیونکہ وارثوں نے اپنے اختیار سے اسے چھوڑ دیا اور اس واسطے کہ وصیت والوں کو جب وہ غلام مل گیا تو وہ اس کے ضامن ہو گئے اگر وہ غلام مر جاتا تو وارثوں سے یہ کچھ نہ لے سکتے اگر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے مر گیا اور بدل کتابت سے زیادہ مال چھوڑ گیا تو وہ مال وصیت والوں کو ملے گا اگر مکاتب نے بدل کتابت ادا کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور ولاء اس کی مکاتب کرنے والے کے عصبوں کو ملے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس مکاتب پر مولیٰ کے ہزار درہم آتے ہوں پھر مولیٰ مرتے وقت ہزار درہم معاف کر دے تو مکاتب کی قیمت لگائی جائے گی اگر اس کی قیمت ہزار درہم ہوں گے تو گویا دسواں حصہ کتابت کا معاف ہوا اور قیمت کی رو سے دو سو درہم ہوئے تو گویا دسواں حصہ قیمت کا اس نے معاف کر دیا اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر مولیٰ سب بدل کتابت کو معاف کر دیتا تو ثلث مال میں صرف مکاتب کی قیمت کا حساب ہوتا یعنی ہزار درہم کا اگر نصف معاف کرتا تو ثلث مال میں نصف

کا حساب ہوتا اگر اس سے کم زیادہ ہو وہ بھی اسی حساب سے ہے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1183)

غلام کی اقساط میں سے معاف کرنے کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص مرتے وقت اپنے مکاتب کو ہزار درہم میں سے معاف کر دے مگر یہ نہ کہے کہ کون سی قسط میں یہ معافی ہوگی اول میں یا آخر میں تو ہر قسط میں سے دسواں حصہ معاف کیا جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب آدمی اپنے مکاتب کو ہزار درہم اول کتابت یا آخر کتابت میں معاف کر دے اور بدل کتابت تین ہزار درہم ہوں تو مکاتب کی قیمت لگا دیں گے پھر اس قیمت کو تقسیم کریں گے ہر ایک ہزار پر جو ہزار کہ مدت اس کی کم ہے اس کی قیمت کم ہوگی بہ نسبت اس ہزار کے جو اس کے بعد ہے اسی طرح جو ہزار سب کے اخیر میں ہوگا اس کی قیمت سب سے کم ہوگی کیونکہ جس قدر میعاد بڑھتی جائے گی اسی قدر قیمت گھٹتی جائے گی پھر جس ہزار پر معافی ہوئی ہے اس کی جو قیمت ان کو پڑے گی وہ ثلث مال میں سے وضع کی جائے گی اگر اس سے کم زیادہ ہو وہ بھی اسی حساب سے ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے مرتے وقت ربع مکاتب کی کسی کے لیے وصیت کی اور ربع کو آزاد کر دیا پھر وہ شخص مر گیا بعد اس کے مکاتب مر گیا اور بدل کتابت سے زیادہ مال چھوڑ گیا تو پہلے مولیٰ کے وارثوں کو اور موصی لہ کو جس قدر بدل کتابت باقی تھا دلا دیں گے پھر جس قدر مال بچ جائے گا ثلث اس میں سے موصی لہ کو ملے گا اور دو ثلث وارثوں کو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس مکاتب کو مولیٰ مرتے وقت آزاد کر دے اور ثلث میں سے وہ آزاد نہ ہو سکے تو جس قدر گنجائش ہوگی اسی قدر آزاد ہوگا اور بدل کتابت میں سے اتنا وضع ہو جائے گا مثلاً مکاتب پر پانچ ہزار درہم تھے اور اس کی قیمت دو ہزار درہم تھی اور میت کا ثلث مال ہزار درہم ہے تو نصف مکاتب آزاد ہو جائے گا اور نصف بدل کتابت یعنی اڑھائی ہزار روپیہ ساقط ہو جائیں گے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ فلانا غلام میرا آزاد ہے اور فلانے کو مکاتب کرنا پھر ثلث مال میں دونوں کی گنجائش نہ ہو تو آزادی مقدم ہوگی کتابت پر ہے۔ (موطا امام مالک۔ جلد اول۔ رقم الحدیث، 1183)

بَابُ الْعِتْقِ

یہ باب غلام کی آزادی کے بیان میں ہے

غلاموں کی آزادی کا بیان

آزادی کی شرعی حیثیت شرعی نقطہ نظر سے "آزادی" دراصل ایک ایسی قوت حکمیہ کا نام ہے جو انسان کو اس کا یہ فطری اور پیدائشی حق دیتی ہے کہ وہ مالک ہونے، سرپرست بننے اور شہادت (گواہی) دینے کا اہل بن جائے، چنانچہ جس انسان کا یہ فطری اور پیدائشی حق مسلوب ہوتا ہے بایں طور کہ وہ کسی غلامی میں ہوتا ہے اور پھر اسے آزادی کی صورت میں یہ قوت حکمیہ حاصل ہو جاتی ہے تو اس میں نہ صرف، ملک ہونے کی لیاقت، سرپرست بننے کی قابلیت اور شہادت دینے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ وہ اس قوت

حکمت یا یہ کہیے کہ اس آزادی کی وجہ سے دوسروں پر تصرف کرنے اور دوسروں کے تصرف کو اپنے سے روکنے پر قادر ہو جاتا ہے اور وہ آزاد و خود مختار انسانوں کی صف میں آ کھڑا ہوتا ہے۔ آزاد کرنے کی شرط کسی بردہ (غلام باندی) کو آزاد کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا خود مختار ہو بالغ ہو، عقلمند ہو اور جس بردہ کو آزاد کر رہا ہے اس کا مالک ہو آزاد کرنے کی قسمیں غلام کو آزاد کرنا بعض صورتوں میں واجب ہے جیسے کفارہ، بعض صورتوں میں مستحب ہے اور بعض صورتوں میں گناہ بھی ہے، جیسے اگر یہ ظن غالب ہو کہ اگر اس غلام کو آزاد کر دیا جائے گا تو یہ دار الحرب بھاگ جائے گا یا مرتد ہو جائے گا یا یہ خوف ہو کہ چوری قزاقی کرنے لگے گا! بعض صورتوں میں مباح ہے۔ جیسے کسی شخص کی خاطر یا کسی شخص کو ثواب پہنچانے کے لئے بردہ کو آزاد کر دیا جائے اور بعض صورتوں میں عبادت ہے جیسے کسی بردہ کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے آزاد کیا جائے۔

2522 - حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِى الْجَعْدِ عَنْ شُرَحْبِيْلَ بْنِ السِّمْطِ قَالَ قُلْتُ لِكَعْبٍ يَا كَعْبَ بْنَ مُرَّةَ حَدِّثْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحْذَرْ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَعْتَقَ امْرَاً مُسْلِمًا كَانَ فِكَاكَهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِئُ كُلُّ عَظْمٍ مِنْهُ بِكُلِّ عَظْمٍ مِنْهُ وَمَنْ اَعْتَقَ امْرَاَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ كَانَتَا فِكَاكَهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِئُ بِكُلِّ عَظْمَيْنِ مِنْهُمَا عَظْمٌ مِنْهُ

◄► شرحبیل بن سمط بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے کہا: اے حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ! آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہمیں کوئی حدیث سنائیے اور اس میں ذرا احتیاط سے کام لیجئے گا۔ انہوں نے بتایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے' جو شخص کسی مسلمان کو آزاد کرتا ہے' تو وہ غلام اس شخص کے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گا غلام کی ہر ایک ہڈی آزاد کرنے والے کی ہر ایک ہڈی کو بچانے کا ذریعہ بنے گی اور جو شخص دو مسلمان خواتین کو آزاد کرتا ہے' تو وہ دونوں خواتین اس شخص کے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائیں گی ان دونوں خواتین میں سے ہر ایک کی ایک' ایک ہڈی آزاد کرنے والے کی ایک ہڈی کو بچانے کا ذریعہ بنے گی۔

2523 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ مُرَاوِحٍ عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَىُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْفَسُهَا عِنْدَ اَهْلِهَا وَاَغْلَاهَا ثَمَنًا

◄► حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کون سے غلام کو آزاد کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ غلام جو اپنے مالک کے نزدیک عمدہ ہو اور جس کی قیمت زیادہ ہو۔

قرآن کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان

(۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ

2522 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3967 'اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3194

2523 اخرجہ بخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2518 'اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 246 'اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 3129

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۔ (النساء، ۹۲)

اور مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا کہ مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کردیں پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے۔ اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ اس قوم میں ہو کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو خوں بہا سپرد کی جائے اور ایک مسلمان مملوک آزاد کرنا۔ تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے۔ وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

(۲) وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔ (مجادلہ، ۳)

اور وہ جو اپنی بیبیوں کو اپنی ماں کی جگہ کہیں۔ پھر وہی کرنا چاہیں جس پر اتنی بڑی بات کہہ چکے۔ تو ان پر لازم ہے۔ ایک بردہ آزاد کرنا قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یہ ہے جو نصیحت تمہیں کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

(۳) فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۔ (النور) اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبت کرلو۔

احادیث کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان آدمی کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے عوض آزاد کرنے والے کے عضو کو (جہنم کی) آگ سے نجات دے گا سعید بن مرجانہ کا بیان ہے کہ میں علی بن حسین کے پاس گیا اور ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اپنے ایک غلام کا قصد کیا جس کی قیمت عبداللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار دینے کو تیار تھے اس کو آزاد کردیا۔

(صحیح بخاری۔ جلد اول۔ رقم الحدیث، 2369)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کسی قول کی اجازت کے بغیر ان کے آزاد کردہ غلام کا مولی بن جائے اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اس کا قیامت کے دن نہ کوئی نفل قبول ہوگا نہ فرض۔ (صحیح مسلم جلد دوم رقم الحدیث، 1299)

(۳) حضرت عمرو بن شعیب، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکاتب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک کہ اس کے بدل کتابت میں سے ایک درہم بھی باقی ہے۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم رقم الحدیث، 535 حدیث مرفوع)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ کو خریدنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے

آقاؤں نے ولاء کی شرط رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء اسی کا حق ہے جو آزاد کرے یا فرمایا جو نعمت کا والی ہو۔ اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول: رقم الحدیث، 2226، حدیث متواتر حدیث مرفوع)

(۵) حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مرد کی باندی سے اس کی اولاد ہو جائے تو وہ باندی اس کے (انتقال) بعد آزاد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: رقم الحدیث، 673، حدیث مرفوع)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے اور اس شخص کے پاس اتنا مال کہ غلام کی قیمت دے سکے تو اس غلام کی قیمت لگا کر ہر ایک شریک کو موافق حصہ ادا کرے گا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو جس قدر اس غلام میں سے آزاد ہوا ہے اتنا ہی حصہ آزاد رہے گا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1150 حدیث مرفوع)

(۷) حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام تمہارے بھائی ہیں اور دین وخلقت کے اعتبار سے تمہاری ہی طرح ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے ماتحت بنایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اسکو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اسکو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لئے جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے (مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 539، حدیث مرفوع)

بَاب مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ

یہ باب ہے کہ جو شخص کسی محرم رشتے دار کا مالک بن جائے تو وہ محرم آزاد شمار ہوگا

ذی رحم محرم کا ملکیت میں آنے کے سبب آزاد ہو جانے کا بیان

2524- حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ وَإِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ قَتَادَةَ وَعَاصِمٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ

◈ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''جو شخص کسی محرم رشتے دار کا مالک بن جائے وہ غلام آزاد شمار ہوگا''۔

2525- حَدَّثَنَا رَاشِدُ بْنُ سَعِيدٍ الرَّمْلِيُّ وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ الْجَهْمِ الْأَنْمَاطِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا ضَمْرَةُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ

2524 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 3949 'اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1365

2525 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1365

سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:
''جو شخص کسی محرم رشتے دار کا مالک بن جائے تو وہ آزاد شمار ہوگا''۔

ذی رحم محرم کی آزادی سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

مثلاً باپ نے اپنے اس بیٹے کو خرید ا جو کسی دوسرے شخص کی غلامی میں تھا یا بیٹے نے اپنے غلام باپ کو، یا بھائی نے غلام خریدا تو محض خرید لینے کی وجہ سے وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ "ذی رحم" اس قرابت دار کو کہتے ہیں جو ولادت کی قرابت رکھے جس کا تعلق رحم سے ہوتا ہے ذی رحم میں بیٹا، باپ، بھائی چچا، بھتیجا اور اسی قسم کے دوسرے قرابت دار شامل ہیں" اور محرم" اس قرابت دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چچا کا بیٹا اور اسی قسم کے دوسرے رشتہ دار ذی رحم محرم کے زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں قرابت دار محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ اہل ظواہر کا قول یہ ہے کہ ان قرابت داروں میں سے کوئی بھی محض ملکیت میں آجانے سے آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ آزاد کرنا ضروری ہوتا ہے، ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے جو پہلی فصل میں گذری ہے۔ جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے اصول کے درجہ کے قرابت دار (جیسے باپ دادا، پڑدادا وغیرہ) اور فروع کے درجہ کے قرابت دار، (جیسے بیٹا، پوتا پڑپوتا وغیرہ) آزاد ہو جاتے ہیں، البتہ اصول اور فروع کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کے بارے میں جمہور علماء کے بھی مختلف اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک تو یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف اصول وفروع کے قرابت داروں ہی کے حاصل ہے وہ محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتے ہیں جب کہ حضرت امام مالک نے اس خصوصیت میں بھائی کو بھی شامل کیا ہے، ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ تمام ذی رحم محرم آزاد ہو جاتے ہیں۔ نیز ان کی تیسری روایت امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ قرابت دار جو ذی رحم محرم ہو محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

بَاب مَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا وَاشْتَرَطَ خِدْمَتَهُ

یہ باب ہے کہ جو شخص کسی غلام کو آزاد کر دے اور اس کی خدمت کی شرط عائد کرے

2526 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمْهَانَ عَنْ سَفِينَةَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ أَعْتَقَتْنِي أُمُّ سَلَمَةَ وَاشْتَرَطَتْ عَلَيَّ أَنْ أَخْدُمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَاشَ

◄► ابوعبدالرحمان سفینہ بیان کرتے ہیں: سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے آزاد کر دیا اور انہوں نے مجھ پر یہ شرط عائد کی کہ

2526 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3932

جب تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہیں گے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہوں گا۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مشروط آزادی کا بیان

حضرت سفینہ کہتے ہیں کہ (ابتداء) میں حضرت ام سلمہ کی ملکیت میں تھا (ایک دن) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "میں تمہیں آزاد کرنا چاہتی ہوں، لیکن یہ شرط عائد کرتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہو گے" میں نے عرض کیا (کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تو میرے لئے سعادت و خوش بختی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) اگر آپ یہ شرط عائد نہ کرتیں تب بھی میں اپنے جیتے جی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوتا" چنانچہ حضرت ام سلمہ نے مجھے آزاد کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی شرط مجھ پر عائد کر دی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 583)

حضرت سفینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزد کردہ غلام تھے، لیکن بعض حضرات یہ فرماتے تھے کہ یہ حضرت ام سلمہ کے غلام تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں، پھر حضرت ام سلمہ نے ان کو مذکورہ بالا شرط کے ساتھ آزاد کر دیا تھا سفینہ کا اصل نام مہران یا رومان اور یا رباح تھا انکی کنیت ابوعبدالرحمن یا ابوالبختری تھی، سفینہ ان کا لقب تھا اور اسی نام کے ساتھ زیادہ مشہور تھے، اس لقب کا پس منظر یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی خدمت کیا کرتے تھے جب غزوات میں جاتے تو لوگوں کا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر ادھر ادھر پہنچاتے تھے۔

"سفینہ" کشتی کو کہتے ہیں جس طرح کشتی بار برداری کے کام آتی ہے اس طرح یہ بھی لوگوں کے بوجھ ڈھوتے تھے، اسی اعتبار سے ان کا لقب "سفینہ" ہو گیا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفینہ اسلامی لشکر کے ہمراہ تھے کہ قافلہ سے بچھڑ گئے اور جنگل میں راستہ بھول گئے، وہ راستہ کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اتنے میں قریب کی جھاڑیوں سے ایک شیر نمودار ہوا اور ان کے سامنے آ گیا، انہوں نے شیر کو دیکھتے ہی کہا کہ ابوالحارث! میں سفینہ ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہے! یہ سنتے ہی شیر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے آگے ہو لیا اور ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

بَاب مَنْ اَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ

یہ باب ہے کہ جو شخص کسی غلام میں اپنے حصے کو آزاد کر دے

2527 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

2527 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 2491 'ورقم الحدیث: 2503 'ورقم الحدیث: 2526 'ورقم الحدیث: 2527 'اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 3751 'ورقم الحدیث 3752 'ورقم الحدیث: 3753 'ورقم الحدیث: 3754 'ورقم الحدیث: 4307 'ورقم الحدیث: 4308 'ورقم الحدیث 4309 'ورقم الحدیث 4310 'اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3934 'ورقم الحدیث: 3935 'ورقم الحدیث: 3936 'ورقم الحدیث: 3937 'ورقم الحدیث 3938 'ورقم الحدیث 1339 'اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1348 'ورقم الحدیث: 1348م

أَعْتَقَ نَصِيبًا لَهُ فِي مَمْلُوكٍ أَوْ شِقْصًا فَعَلَيْهِ خَلَاصُهُ مِنْ مَالِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ اسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ فِي قِيمَتِهِ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص کسی غلام میں سے اپنے حصے کو آزاد کر دے تو اب اس غلام کی مکمل آزادی اس شخص کے مال میں سے ہوگی۔ اگر اس شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو لیکن اگر اس شخص کے پاس اتنا مال موجود نہ ہو تو پھر اس غلام سے مزدوری کروائی جائے گی اور اس کی قیمت ادا کی جائے گی۔ اس بارے میں اسے مشقت کا شکار نہیں کیا جائے گا''۔

2528 - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ أُقِيمَ عَلَيْهِ بِقِيمَةِ عَدْلٍ فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ حِصَصَهُمْ إِنْ كَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:
''جو شخص کسی غلام میں اپنے حصے کو آزاد کر دے تو اس غلام کی انصاف کے مطابق قیمت عائد کی جائے گی اور وہ شخص دیگر شراکت داروں کو ان کے حصے کے مطابق اس کی ادائیگی کرے اگر اس شخص کے پاس مال موجود ہو جو اس غلام کی قیمت کے برابر ہو (تو ایسا ہوگا) اور وہ غلام اس شخص کی طرف سے آزاد شمار ہوگا ورنہ دوسری صورت میں جتنے حصے کو اس نے آزاد کیا اتنا حصہ ہی آزاد شمار ہوگا''۔

غلام کی بعض آزادی سے متعلق آثار و روایات کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے اور اس شخص کے پاس اتنا مال کہ غلام کی قیمت دے سکے تو اس غلام کی قیمت لگا کر ہر ایک شریک کو موافق حصہ ادا کرے گا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو جس قدر اس غلام میں سے آزاد ہوا ہے اتنا ہی حصہ آزاد رہے گا۔

(۱) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اتفاقی ہے کہ مولیٰ اگر اپنے مرنے کے بعد اپنے غلام کا ایک حصہ جیسے ثلث یا ربع یا نصف آزاد کر جائے تو بعد مولیٰ کے مر جانے کے اسی قدر حصہ جتنا مولیٰ نے آزاد کیا تھا آزاد ہو جائے گا کیونکہ اس حصے کی آزادی بعد مولیٰ کے مر جانے کے لازم ہوئی اور جب تک مولیٰ زندہ تھا اس کو اختیار تھا جب مر گیا تو موافق اس کی وصیت کے اسی قدر حصہ آزاد ہوگا اور باقی غلام آزاد نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ غیر کی ملک ہوگا تو باقی غلام غیر کی طرف سے کیونکر آزاد ہوگا نہ اس نے آزادی شروع کی اور نہ ثابت کی اور نہ اس کے واسطے ولاء ہے بلکہ یہ میت کا فعل ہے اسی نے آزاد کیا اور اسی نے اپنے لیے ولاء ثابت کی تو غیر کے مالک میں کیونکر درست ہوگا البتہ اگر یہ وصیت کر جائے کہ باقی غلام بھی اس کے مال میں سے آزاد

2528 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2522 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 3749 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 3940

کردیا جائے گا اور ثلث مال میں سے وہ غلام آزاد ہو سکتا ہو تو آزاد ہو جائے گا پھر اس کے شریکوں یا وارثوں کو تعرض نہیں پہنچتا کیونکہ ان کا کچھ ضرر نہیں۔

(۲) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیماری میں تہائی غلام آزاد کر دیا تو وہ ثلث مال میں سے پورا آزاد ہو جائے گا کیونکہ یہ مثل اس شخص کے نہیں ہے جو اپنی تہائی غلام کی آزادی اپنی موت پر معلق کر دے اس واسطے کہ اس کی آزادی قطعی نہیں جب تک زندہ ہے رجوع کر سکتا ہے اور جس نے اپنے مرض میں تہائی غلام قطعاً آزاد کر دیا اگر وہ زندہ رہ گیا تو کل غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ میت کا تہائی مال میں وصیت درست ہے جیسے صحیح سالم کا تصرف کل مال میں درست ہے۔

(۳) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے اپنا غلام قطعی طور پر آزاد کر دیا یہاں تک کہ اس کی شہادت ہوگئی اور اس کی حرمت پوری ہوگئی اور اس کی میراث ثابت ہوگئی اب اس کے مولیٰ کو نہیں پہنچتا کہ اس پر کسی مال یا خدمت کی شرط لگا دے یا اس پر کچھ غلامی کا بوجھ ڈالے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا حصہ غلام میں سے آزاد کر دے تو اس کی قیمت لگا کر ہر ایک شریک کو موافق حصہ کر آزاد کرے اور غلام اس کے اوپر آزاد ہو جائے گا پس جس صورت میں وہ غلام خاص اسی کی ملک ہے تو زیادہ تر اس کی آزادی پوری کرنے کا حقدار ہوگا اور غلامی کا بوجھ اس پر نہ رکھ سکے گا۔

(موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1150)

اعتاق کے اجزاء وعدم اجزاء کا بیان

اور جب آقا نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا ہو تو اسی مقدار سے وہ غلام آزاد ہوگا حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ غلام باقی قیمت میں آقا کے لئے سعی کرے گا جبکہ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اعتاق متجزی ہو سکتا ہے اسی وجہ سے آزادی اتنی مقدار پر آزادی منحصر ہوگی جتنا آقا نے آزاد کیا ہو جبکہ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اعتاق متجزی نہیں ہو سکتا اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول اسی لئے بعض غلام کی طرف آزادی کی اضافت کرنا کل غلام کی طرف اضافت کرنے کی طرح ہے اسی وجہ سے پورا غلام آزاد ہو جائے گا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق اثبات قوت کا نام ہے اور وہ قوت حکمیہ ہے اور اس کا اثبات اس کی ضد کو ختم کرنے سے ہوگا اور قوت کی ضد وہ رقیت ہے جو حکمی کمزوری ہے اور یہ دونوں متجزی نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے یہ طلاق دینے قصاص معاف کرنے اور ام ولد بنانے کی طرح ہو گیا۔

جبکہ امام صاحب کی یہ دلیل ہے کہ ملک کو زائل کر کے عتق ثابت کرنے کا نام اعتاق ہے یا خود اعتاق ہی ملک زائل کرنے کا نام ہے کیونکہ ملک معتق کا حق ہے یا عوام کا حق ہے اور تصرف کا حکم اسی قدر ہوتا ہے جتنا کہ متصرف کی ولایت کے تحت داخل ہوتا ہے اور یہ اپنے حق کو ختم کرنا ہے نا کہ دوسروں کے حق کو۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ تصرف موضع اضافت تک محدود رہتا ہے۔

اور اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہونا تجزی کے نہ پائے جانے کی ضرورت کے تحت ہوتا ہے اور ملک متجزی ہے جیسا کہ بیع اور ہبہ میں ہے اسی وجہ سے تصرف اعتاق اپنی اصل پر باقی رہے گا اور غلام پر سعی کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ اس کے پاس کچھ مالیت

محبوس ہے اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مستسعی مکاتب کے درجے میں ہے۔ اس لئے کہ بعض غلام کی طرف اعتاق کو منسوب کرنا پورے غلام میں ثبوت ملکیت کے موجب ہے لیکن بعض غلام میں ملکیت کی بقاء اس کے لئے مانع ہے لہذا ہم نے دونوں دلیلوں پر عمل کر کے اس کو مکاتب قرار دے دیا اس لئے کہ وہ تصرف کا مالک ہے نہ کے رقبہ کا اور کمائی کرنا بدل کتابت کی طرح ہے۔ اس لئے آقا کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ غلام سے کمائی کروالے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کو آزاد کر دے اس لئے کہ مکاتب اعتاق کے لائق رہتا ہے لیکن اگر وہ کمائی کرنے سے عاجز ہو جائے تو اسے رقیت کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ اسقاط لا الی احد ہے ہے اس لئے فسخ کو قبول نہیں کرے گا کتابت مقصودہ کے خلاف اس لئے کہ وہ ایسا عقد ہے جس کا اقالہ بھی ہو سکتا ہے اور جو فسخ بھی ہو سکتا ہے۔

اور طلاق اور قصاص کا معاف کرنا ان میں کوئی درمیانی حالت نہیں اس لئے ہم نے محرم کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے کل میں ثابت کر دیا اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ استیلاد یعنی ام ولد بنانا متجزی ہوتا ہے یہاں تک کہ آقا نے مدبرہ باندی سے اپنے حصے کو ام ولد بنا لیا تو وہ اس کے حصے تک محدود رہے گا اور کامل مملوکہ باندی میں جب کسی نے افساد کی وجہ سے اپنے ساتھی کے حصے کا تاوان دے دیا تو ضمان کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہو گیا اس لئے استیلاد پورا ہو گیا۔ (ہدایہ)

بعض آزادی کے اعتبار کا بیان

حضرت ابو ملیح (تابعی) اپنے والد مکرم (حضرت اسامہ ابن عمیر صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے ایک غلام میں سے کچھ حصہ آزاد کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کا کوئی شریک نہیں ہے" اور پھر یہ حکم دیا کہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دیا جائے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 582)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی کام اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور وہ عبادت کی قسم سے ہو تو اس میں اپنے حصہ کو شریک نہ کرنا چاہئے۔ لہذا ایک غلام کے بعض حصوں کو آزاد کر دینا اور بعض حصوں کو بدستور غلام رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی نہیں ہوتی، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ چونکہ متجزی کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بالکل آزاد کر دینے کا حکم دیا بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالک کو اس کی ترغیب دلائی کہ وہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دے۔

غلام سے سعایہ لینے متعلق فقہی تصریحات

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی غلام (مشترک) میں سے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا تو اسے چھڑانا اس کے مال میں ہے اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی درمیانی قیمت لگائی جائے گی اور دوسرے حصہ کے شرکاء کے حصوں کی قیمت کے برابر غلام سے مزدوری کرائی جائے گی بغیر اس پر مشقت ڈالے

ہوئے امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ پھر غلام سے محنت مزدوری کروائی گئی بغیر مشقت ڈالے ہوئے اس پر۔

(سنن ابوداؤد، جلد سوم، رقم الحدیث 547)

احادیث سے واضح ہے کہ کسی غلام سے اتنا ہی کام اور وہی کام لیا جاسکتا ہے جو اس کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے مطابق ہو۔ اگر وہ کوئی کام سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو مالک پر لازم ہے کہ وہ خود اس کی مدد کرے۔ ایسے مالک کو اللہ تعالیٰ بہت اجر سے نوازے گا۔

أخبرنا ابو يعلى قال حدثنا ابو خيثمة قال حدثنا عبد الله بن يزيد قال حدثني سعيد بن أبي ايوب قال حدثني ابو هانئ قال حدثني عمرو بن حريث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ما خففت عن خادمك من عمله كان لك أجرا في موازينك. (صحيح ابن حبان، حديث 4314)

عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جو اپنے خادم کے کام میں کمی کرتا ہے، اسے اس کا اجر اپنے اعمال کے وزن کے وقت ملے گا۔"

امام بغوی شرح السنہ میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی غلام پر بوجھ لادنے سے متعلق ہوئے فرماتے ہیں:

قال شافعي: و معنى قوله "لا يكلف من العمل الا ما يطيق" يعني . . والله اعلم . .: الا ما يطيق الدوام عليه، لا ما يطيق يوما اوز يومين، او ثلاثه، و نحو ذلك ثم يعجز . و جملة ذلك ما لا يضر ببدنه الضرر البين، فان عمى او زمن، انفق عليه مولاه، و ليس له ان يسترضع الامة غير ولدها الا ان يكون فيها فضل عن ربه، او يكون ولدها يغتذى بالطعام، فيقيم بدنه، فلا باس به . (بغوى، شرح المسنة، كتاب النكاح)

حضرت امام شافعی کہتے ہیں، اس ارشاد کہ "غلام پر کام کا اتنا ہی بوجھ لادا جائے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے۔" کا معنی یہ ہے، (اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے) کہ اس سے ایسا کام نہ لیا جائے جس کا ہمیشہ کرتے رہنا اس کے لئے ممکن نہ ہو۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ایک، دو یا تین دن کسی کام کو تو کر لے اور اس کے بعد (بیمار پڑ کر) اس سے عاجز آ جائے۔ اس میں وہ تمام کام شامل ہیں جن کے نتیجے میں اس کی صحت کو واضح نقصان پہنچ سکتا ہو جیسے وہ کسی کام کے نتیجے میں نابینا ہو جائے یا بیمار پڑ جائے۔

(بیماری کی صورت میں) مالک پر لازم ہے کہ وہ اس پر خرچ کرے۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی لونڈی کو اپنے بچے کے علاوہ دوسرے کسی بچے کو دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے سوائے اس کے کہ اس پر اپنے رب کا فضل ہو (یعنی ایک بچے کی ضرورت سے زیادہ دودھ اترتا ہو)، یا پھر اس کا اپنا بچہ کچھ اور کھا کر نشوونما پا رہا ہو (اور اس کا دودھ فالتو ہو گیا ہو) تو پھر کسی اور کے بچے کو دودھ پلانے میں حرج نہیں ہے۔

سعایہ میں غلاموں سے حسن سلوک کرنے کا بیان

کسی کو یہ خیال نہ رہے کہ ان حقوق کی تلقین محض اخلاقی نوعیت کی تھی۔ اگر ایسا بھی ہوتا تب بھی صحابہ کرام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہی کافی تھا، لیکن ان حقوق کو قانونی طور پر بھی نافذ کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل ان روایات میں بیان کی گئی

ہے۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَذْهَبُ إِلَى الْعَوَالِي كُلَّ يَوْمِ سَبْتٍ، فَإِذَا وَجَدَ عَبْدًا فِي عَمَلٍ لَا يُطِيقُهُ، وَضَعَ عَنْهُ مِنْهُ ۔ (موطاء مالک، کتاب الجامع، حدیث (2807)

حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہر ہفتے کے دن مدینہ کے گردونواح میں (واقع کھیتوں وغیرہ) میں جایا کرتے اور اگر انہیں کوئی ایسا غلام مل جاتا جو اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کر رہا ہوتا تو آپ اس کا بوجھ کم کروا دیتے۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَهُوَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُولُ : لَا تُكَلِّفُوا الْأَمَةَ غَيْرَ ذَاتِ الصَّنْعَةِ الْكَسْبَ ، فَإِنَّكُمْ مَتَى كَلَّفْتُمُوهَا ذَلِكَ كَسَبَتْ بِفَرْجِهَا، وَلَا تُكَلِّفُوا الصَّغِيرَ الْكَسْبَ، فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَجِدْ سَرَقَ، وَعِفُّوا إِذْ أَعَفَّكُمُ اللَّهُ، وَعَلَيْكُمْ مِنَ الْمَطَاعِمِ بِمَا طَابَ مِنْهَا ۔

(موطاء مالک، کتاب الجامع، حدیث (2808)

حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، "اگر تمہاری لونڈیاں کوئی ہنر نہ جانتی ہوں تو انہیں کمانے کے لئے مت کہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اس کے نتیجے میں وہ عصمت فروشی کرنا شروع کر دیں گی۔ بچوں کو بھی کمانے کے لئے مت کہو کیونکہ اگر انہیں روزگار نہ ملے گا تو وہ چوری شروع کر دیں گے۔ ان سے مہربانی کا سلوک کرو کیونکہ اللہ نے تم سے مہربانی کی ہے۔ تم پر یہ لازم ہے کہ انہیں خوراک اور علاج کی سہولیات مہیا کرو۔

غلاموں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے مالکوں کے مال میں سے رواج کے مطابق بنیادی ضروریات کا سامان لے سکتے تھے۔

عبد الرزاق عن بن جريج قال سمعت نافعا يحدث أن عبد الله بن عمر يقول إن المملوك لا يجوز له أن يعطى من ماله أحدا شيئا ولا يعتق ولا يتصدق منه بشيء إلا بإذن سيده ولكنه يأكل بالمعروف ويكتسى هو وولده وامرأته. (مستدرک حاکم، حدیث (2856)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے، "غلام کو اس کی اجازت تو نہیں ہے کہ وہ اپنے مالک کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کوئی چیز دے یا مالک کا غلام آزاد کرے یا اس میں سے صدقہ کرے۔ لیکن اسے دستور کے مطابق اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لئے خوراک اور کپڑا لینے کا حق حاصل ہے۔"

غلاموں کے ان حقوق کا تقدس اس درجے کا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حقوق فراہم نہ کرنے والے مالک پر غلام کے جرم کی سزا نافذ کی۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَاطِبٍ، أَنَّ رَقِيقًا لِحَاطِبٍ سَرَقُوا نَاقَةً لِرَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ، فَانْتَحَرُوهَا فَرُفِعَ ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَأَمَرَ عُمَرُ كَثِيرَ بْنَ الصَّلْتِ أَنْ يَقْطَعَ أَيْدِيَهُمْ، ثُمَّ قَالَ عُمَرُ : أَرَاكَ تُجِيعُهُمْ. ثُمَّ قَالَ عُمَرُ : وَاللَّهِ لَأُغَرِّمَنَّكَ غُرْمًا يَشُقُّ عَلَيْكَ. ثُمَّ قَالَ : لِلْمُزَنِيِّ كَمْ ثَمَنُ نَاقَتِكَ ؟ فَقَالَ الْمُزَنِيُّ : قَدْ كُنْتُ وَاللَّهِ أَمْنَعُهَا مِنْ أَرْبَعِ مِائَةِ دِرْهَمٍ . فَقَالَ عُمَرُ : أَعْطِهِ ثَمَانَ مِائَةِ

(موطاء مالك، كتاب الاقضية، حديث (2178)

حضرت عبدالرحمٰن بن حاطب بیان کرتے ہیں کہ (ان کے والد) حاطب کے ایک غلام نے بنو مزینہ کے کسی شخص کی اونٹنی چرا کر اسے ذبح کر (کے کھا گیا۔) یہ معاملہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (کی عدالت میں) لایا گیا۔ (پہلے) سیدنا عمر نے کثیر بن صلت کو اس غلام کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لیکن پھر (آقا سے) ارشاد فرمایا، "مجھے لگتا ہے تم انہیں بھوکا رکھتے ہو۔" پھر فرمایا، "اللہ کی قسم! میں تم پر ایسا جرمانہ عائد کروں گا جو تمہیں ناگوار گزرے گا۔" اس کے بعد بنو مزینہ کے اس مدعی سے پوچھا، "تمہاری اونٹنی کی قیمت کیا ہے؟" اس نے کہا، "واللہ میں نے تو اس کے چار سو درہم قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آقا سے فرمایا، "اسے آٹھ سو درہم ادا کر دو۔"

مشترک غلام کو کسی ایک کے آزاد کرنے کا بیان

اور جب ایک غلام دو شریکوں میں مشترک ہو اور ان میں سے کسی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہو تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا پھر اگر وہ شریک مالدار ہو تو اسکے ساتھی کو اختیار ہوگا اگر چاہئے تو اپنے حصے کو آزاد کر دے اور اگر چاہئے تو اپنے شریک سے اپنے حصے کی ضمان لے لے اور اگر چاہئے تو غلام سے کمائی کرا لے۔

مشترکہ غلام سے استسعاء میں شوافع واحناف کا اختلاف

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص کسی (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے (تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ) اگر اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو (اس غلام کے باقی حصوں) کی قیمت کے بقدر ہو تو انصاف کے ساتھ (یعنی بغیر کمی بیشی کے) اس غلام کے (باقی ان حصوں) کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ اس غلام کے دوسرے شریکوں کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر اس غلام کا جو حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا (اور دوسرے شرکاء کے حصے مملوک رہیں گے۔"

(بخاری و مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 574 مسلم)

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک غلام کے مثلاً دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کرنا چاہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کو اس کے حصہ کے بقدر قیمت ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو (اور دوسرے شریک کو اب کے حصہ کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو) تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کے حصہ کے بقدر تو آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کے حصہ کے بقدر غلام رہے گا۔

نیز حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی ہو سکتی ہیں (یعنی کسی غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو جانا اور کچھ حصہ غلام رہنا جائز رہتا ہے) اور دوسرے شریک کو اپنا حصہ آزاد کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس غلام سے استسعاء (محنت) کرائی جائے! چنانچہ حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ باوجودیکہ آزادی اور غلامی کے متجزی ہونے کا قائل ہیں لیکن اس صورت میں ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کا حصہ بھر دے (یعنی وہ اس کو اس کے حصہ کی قیمت ادا کر دے) یا دوسرا شریک اپنے حصے کے بقدر اس غلام سے استسعاء کرائے یا وہ شریک بھی اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو تو پھر وہ اپنے شریک کو اس کا حصہ نہ پھیر دے۔ بلکہ وہ شریک یا تو اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصے کی قیمت وصول کر لے یا اپنا حصہ آزاد کر دے اس صورت میں حق ولاء دونوں کو حاصل ہوگا اس بارے صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور امام محمد کا یہ قول ہے کہ آزاد کرنے والا شخص اگر صاحب مقدور ہو تو دوسرے شریک کا حصہ پھیر دے اور اگر صاحب مقدور نہ ہو دوسرا شریک اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصہ کی قیمت حاصل کر لے، اور چونکہ آزادی متجزی نہیں ہوتی اس لئے اس صورت میں حق ولاء صرف آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 573)

اس باب میں جن مسائل واحکام سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی غلام مشترک ہو مثلا دو شخص زید اور بکر مشترک طور پر ایک غلام کے مالک ہوں اور ان میں سے ایک شریک مثلا زید اپنا حصہ آزاد کر دے تو دوسرا کیا کرے ؟ چنانچہ اس بارے میں جزوی آزادی (یعنی ایک غلام کا مثلا آدھا حصہ آزاد ہو جائے اور آدھا غلام ہی رہے) معتبر ہے یا نہیں خود حنـ... کے ہاں مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ "جزوی آزادی معتبر ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ جزوی آزادی معتبر نہیں ہے، اقوال کے اس اختلاف کا تعلق مسئلہ کے صرف اسی ایک جزو سے نہیں ہے بلکہ اس سے دوسرے احکام ومسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

باب کا دوسرا جزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو خریدے جو اس کا قرابت دار ہو تو وہ غلام محض خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا خواہ وہ شخص اس کو آزاد کرے یا نہ کرے! البتہ اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ "قرابت دار" سے کس کس رشتہ کے لوگ مراد ہیں اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

باب کا تیسرا جزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ اس کے متعلق احکام ومسائل بھی حسب موقع احادیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے۔

مشترک غلام کے بارے میں صاحبین کی استدلال کردہ حدیث

حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے گا تو وہ غلام پورا آزاد ہو جائے گا (اور یہ آزادی اس آزاد کرنے والے شخص کی طرف سے متصور ہوگی) اور اگر اس شخص کے پاس (اتنا) مال ہو (کہ وہ اپنے حصہ کے علاوہ باقی حصوں کی قیمت کی ادائیگی کر سکے تو دوسرے شرکاء کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے) اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر وہ غلام (ان باقی حصوں) کے بقدر محنت مزدوری یا دوسرے شرکاء کی خدمت پر مامور کیا جائے لیکن غلام کو (کسی ایسے کام اور محنت کی) مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے (جو اس کی طاقت سے باہر ہو)۔" (بخاری ومشکوۃ المصابیح جلد سوم: رقم الحدیث، 575 مسلم)

متعدد مالکوں کے مشترک غلام کی مکاتبت

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص متعدد مالکوں کا غلام ہوتا تھا۔ اس کی صورت ایسی ہی تھی جیسا کہ اگر کوئی کسی پارٹنرشپ کمپنی کا ملازم ہو۔ ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حکم دیا کہ اگر کوئی ایک پارٹنر غلام میں اپنے حصے کو آزاد کرے تو باقی پارٹنر بھی اپنے اپنے حصوں کو آزاد کر دیں۔ اگر وہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہوں تو غلام خود بخود مکاتب کا درجہ اختیار کر جائے گا۔ وہ کما کر اپنے باقی مالکان کو ادائیگی کرے گا اور اس معاملے میں اس پر سختی نہ کی جائے گی۔

قال الامام البخاري حدثنا بشر بن محمد: أخبرنا عبد الله: أخبرنا سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن النضر بن أنس، عن بشير بن نهيك، عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (من اعتق شقيصا من مملوكه فعليه خلاصه في ماله، فإن لم يكن له مال، قوم المملوك قيمة عدل، ثم استسعي غير مشقوق عليه.((بخاري، كتاب الشركة، حديث (2492)

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "اگر کسی نے غلام میں سے اپنے حصے کو آزاد کر دیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اس غلام کو پورا آزاد کروائے۔ اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس غلام کی مناسب قیمت لگوائی جائے اور اسے سے اسے کمانے کو کہا جائے گا اور اس پر سختی نہ کی جائے گی۔

بَاب مَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا وَّلَهٗ مَالٌ

یہ باب ہے کہ جو شخص کسی غلام کو آزاد کر دے اور اس غلام کے پاس مال بھی موجود ہو

2529 - حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِىْ ابْنُ لَهِيعَةَ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا سَعِيْدُ ابْنُ اَبِىْ مَرْيَمَ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ جَمِيْعًا عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ جَعْفَرٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْاَشَجِّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا وَّلَهٗ مَالٌ فَمَالُ الْعَبْدِ لَهٗ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ السَّيِّدُ مَالَهٗ فَيَكُوْنَ لَهٗ وَقَالَ ابْنُ لَهِيعَةَ اِلَّا اَنْ يَّسْتَثْنِيَهُ السَّيِّدُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص کسی غلام کو آزاد کر دے اور اس غلام کے پاس مال بھی موجود ہو تو اس غلام کا مال اس غلام کو ہی ملے گا' البتہ اگر اس کا آقا اس کے مال کی شرط عائد کر دے تو پھر وہ آقا کو ملے گا''۔

ابن لہیعہ نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: اگر اس کا آقا استثناء کر لے۔

2530 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَرْمِىُّ حَدَّثَنَا الْمُطَّلِبُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ

2529 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3962

2530 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

إِبْرَاهِيمَ عَنْ جَدِّهِ عُمَيْرٍ وَهُوَ مَوْلَى ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ قَالَ لَهُ يَا عُمَيْرُ إِنِّي أَعْتَقْتُكَ عِتْقًا هَنِيئًا إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ غُلَامًا وَلَمْ يُسَمِّ مَالَهُ فَالْمَالُ لَهُ فَأَخْبِرْنِي مَا مَالُكَ

◆◆ عمیر نامی راوی جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں' وہ بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

اے عمیر! میں تمہیں خوش دلی سے آزاد کر رہا ہوں' کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

''جو بھی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے اور اس کے مال کے بارے میں کوئی تعین نہ کرے تو وہ مال اُسے ملے گا''۔

تو تم مجھے بتاؤ کہ تمہارا مال کتنا ہے؟''

2530م - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا الْمُطَّلِبُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ لِجَدِّي فَذَكَرَ نَحْوَهُ

◆◆ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

غلاموں کے مال کا بیان

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''جس نے غلام آزاد کیا اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا، تو وہ مال غلام ہی کا ہوگا سوائے اس کے کہ مالک (مکاتبت کی) شرط لگائے تو وہ مال اسی کا ہو جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کے فوت ہو جانے پر اس کا کوئی وارث نہ ہونے کی صورت میں غلام ہی کو وارث بھی بنایا تھا۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا سفيان عن عمرو عن عوسجة عن ابن عباس: رجل مات على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يترك وارثا إلا عبدا هو أعتقه فأعطاه ميراثه.

(مسند احمد، باب ابن عباس)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص فوت ہو گیا اور اس نے سوائے ایک غلام کے اور کوئی وارث نہ چھوڑا تھا جسے اس نے آزادی دے دی تھی۔ حضور نے اس شخص کی میراث بھی غلام کو دلا دی۔

یہ تمام احادیث اس بات کی شہادت پیش کرتی ہیں کہ غلاموں کو مال رکھنے اور اسے استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مال غنیمت میں سے غلاموں کو جو حصہ ملتا تھا وہ بھی انہی کا مال ہوا کرتا تھا۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا أبو النضر عن ابن أبي ذئب عن القاسم بن عباس عن ابن عباس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطي المرأة والمملوك من الغنائم ما يصيب الجيش.

(مسند احمد، باب ابن عباس)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لشکر کو جو بھی مال غنیمت ملتا تھا، آپ اس میں سے خواتین اور غلاموں کو بھی حصہ دیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ ، عَنْ خَالِهِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ أَبِي قُرَّةَ ، قَالَ : قَسَمَ لِي أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ كَمَا قَسَمَ لِسَيِّدِي. (ابن ابی شیبة، حدیث [33889])

حضرت ابوقرہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیسا میرے آقا کو غنیمت میں سے حصہ دیا ویسا ہی مجھے بھی دیا۔

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ ، قَالَ : حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبَّاسٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ نِيَارٍ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِظَبْيَةٍ خَرَزٍ ، فَقَسَمَهَا لِلْحُرَّةِ وَالأَمَةِ ، وَقَالَتْ عَائِشَةُ : كَانَ أَبِي يَقْسِمُ لِلْحُرِّ وَالْعَبْدِ. (ابن ابی شیبة، حدیث [33895])

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس ظبیہ کے مقام پر خرز لائی گئی۔ آپ نے اسے ایک آزاد اور ایک لونڈی میں تقسیم کر دیا۔ میرے والد (ابوبکر) بھی آزاد اور غلام دونوں کو حصہ دیا کرتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے جب ان کے غلام سیرین نے مکاتبت طلب کی تو سیرین کے پاس کثیر تعداد میں مال موجود تھا۔

ان سيرين سأل أنسا المكاتبة، وكان كثير المال فأبى، فانطلق إلى عمر رضي الله عنه فقال: كاتبه، فأبى، فضربه بالدرة ويتلو عمر: (فكاتبوهم إن علمتم فيهم خيرا)، فكاتبه.

(بخاری، کتاب المکاتب، ترجمۃ الباب عند حدیث (2559)

حضرت سیرین (جو کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے) کے پاس کثیر مال موجود تھا۔ انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ یہ معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لے گئے۔ انہوں نے (انس سے) کہا: "مکاتبت کرو۔" انہوں نے پھر انکار کیا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں درے سے مارا اور یہ آیت تلاوت کی، "ان سے مکاتبت کرو اگر تم ان میں بھلائی دیکھتے ہو۔" اب انس نے مکاتبت کر لی۔

ان احادیث و آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلفاء راشدین کے دور میں غلاموں کے پاس مال ہوا کرتا تھا اور وہ ان کے مالک ہی سمجھے جاتے تھے۔

حضرت سیرین نے جو کثیر مال کمایا تھا، وہ اسی کے ذریعے اپنی مکاتبت خریدنا چاہتے تھے۔ اگر غلام اپنے مال کا مالک نہ ہوتا اور اس کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ ان سے وہ مال لے لیتے اور کہہ دیتے کہ "یہ تو میرا ہی ہے، جاؤ جا کر مزید کما کر لاؤ اور پھر مکاتبت کی بات کرنا۔" سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اس مال کی کوئی بات نہیں کی۔ سیرین کے پاس اتنا مال تھا کہ 40,000 درہم بطور مکاتبت ادا کر کے وہ آزاد ہوئے اور اس کے بعد انہوں نے بصرہ کے نواح میں زرعی زمین کا ایک بڑا ٹکڑا خریدا اور اس پر ایک زرعی فارم بنا کر اپنے بیوی بچوں کو وہاں آباد کیا۔ ان کے بچوں میں محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے بصرہ کے فقیہ کا درجہ حاصل کیا۔

بنو عباس کے دور میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ غلام اپنے مال کا مالک بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سے متعلق ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان لائے ہیں، کسی فقیہ پر نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم ہو۔ فقہ کے تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ان کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہو تو اسے دیوار پر دے مارا جائے۔

غلام کے مال رکھنے کے حق پر چند شبہات اور ان کا جواب

غلام کے لئے مال رکھنے کے حق پر جو سب سے بڑا شبہ پیش کیا گیا ہے وہ یہ حدیث ہے:

من باع عبدا و له مال فماله للبائع إلا أن يشترطه المبتاع .

جس کے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال تھا تو مال، بیچنے والے مالک کا ہوگا سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔

اس حدیث پر غور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہاں "مال" سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ غلام کے ذاتی مال کی بات ہو رہی ہے یا کسی اور مال کی۔

اس حدیث سے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ غلام، اپنے مال کا مالک نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے مال کا مالک اس کا آقا ہے۔ یہ حضرات نہایت ہی شدت پسندی سے کام لیتے ہوئے اس کے بعد غلام کے لئے اپنے باپ کی وراثت سے حاصل ہونے والے مال کو بھی اس کا حق قرار نہیں دیتے بلکہ اسے اس کے آقا کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیل جاننے کے لئے اس حدیث کی دیگر روایات پر غور کیجیے۔

وهو من حديث عبد الله بن عمر رضى الله عنهما ، وله عنه طرق . الأولى : عن سالم بن عبد الله عن أبيه قال : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : " من ابتاع نخلا بعد أن تؤبر فثمرتها للبائع الا أن يشترط المبتاع ، ومن ابتاع عبدا ، وله مال ، فماله للذى باعه إلا أن يشترط المبتاع " (بخاری، کتاب المساقاۃ، حدیث 2379)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے پیوند کاری کرنے کے بعد کھجور کا درخت خریدا تو اس درخت کا پھل بیچنے والے کا ہوگا سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔ اسی طرح جس نے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو اس کا مال اسی کا ہوگا جس نے اسے بیچا تھا سوائے اس کے خریدار شرط لگا دے (کہ یہ مال میرا ہوگا)۔

مسند احمد کی روایت میں صورتحال مزید واضح ہو جاتی ہے۔

قال عبد اللَّهِ وَجَدْتُ في كِتَابِ أبي أنا الْحَكَمُ بن مُوسَى قال عبد اللَّهِ وثناه الْحَكَمُ بن مُوسَى ثنا يحيى بن حَمْزَةَ عن أبي وَهْبٍ عن سُلَيْمَانَ بن مُوسَى أَنَّ نَافِعاً حدثه عن عبد اللَّهِ بن عُمَرَ وَعَطَاءَ بن أبي رَبَاحٍ عن جَابِرِ بن عبد اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قال من بَاعَ عَبْداً وَلَهُ مَالٌ

فَلَهُ مَالُهُ وَعَلَيْهِ دَيْنُهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ (مسند احمد بن حنبل، باب ابوسعید خدری)

حضرت عبداللہ بن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جس نے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو مال بیچنے والے کا ہوگا اور اس کے قرض کی ادائیگی مالک کے ذمے ہوگی سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔"

اس روایت سے پوری صورتحال واضح ہو جاتی ہے۔ عہد رسالت میں بہت سے غلام اپنے آقاؤں کے بزنس منیجر ہوا کرتے تھے۔ جب ان کے آقا ان کی خدمات کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کرتے تو بسا اوقات غلام کے ساتھ اس کے مالک کا کاروبار بھی خریدار کی طرف منتقل ہو جایا کرتا تھا۔

اس وقت ایک ایسا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے لایا گیا جس میں کاروبار کی منتقلی کی شرط خریدار کی جانب سے نہیں لگائی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فیصلہ دیا کہ اگر کوئی شرط موجود نہ ہو تو اس کاروبار کے تمام اثاثے اور قرضے (Libilities&sses) پہلے مالک کے ہوں گے کیونکہ یہ اسی کا کاروبار تھا۔ ہاں اگر خرید و فروخت کے وقت شرط لگا دی گئی ہو تب یہ کاروبار بھی غلام کے ساتھ ہی نئے آقا کو منتقل کر دیا جائے گا۔ اس میں کہیں بھی غلام کے ذاتی مال کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ امام بیہقی یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اخبرنا ابو عبد الله الحافظ ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا محمد بن إسحاق الصغاني ثنا الحكم بن موسىٰ ثنا يحيى بن حمزة عن أبي وهب عن سليمان بن موسىٰ أن نافعا حدثه عن عبد الله بن عمر وعطاء بن أبي رباح عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من باع عبدا وله مال فله ماله وعليه دينه إلا أن يشترط المبتاع ومن أبر نخلا فباعه بعد تو بيره فله ثمرته إلا أن يشترط المبتاع وهذا إن صح فإنما أراد والله أعلم العبد المأذون له في التجارة إذا كان في يده مال وفيه دين يتعلق به فالسيد يأخذ ماله ويقضي منه دينه

(بیہقی سنن الکبری، کتاب الطہارۃ، باب الولی یخلط مال بمال الیتیم و ہو یرید اصلاح مالہ بمال نفسہ، حدیث **10786**)

حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جس نے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو مال بیچنے والے کا ہوگا اور اس کے قرض کی ادائیگی مالک کے ذمے ہوگی سوائے اس کے کہ خریدنے والا شرط لگا دے۔ اسی طرح اگر پیوند کاری کے بعد کسی نے درخت بیچا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہی ہوگا سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسا غلام جسے اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دی ہے اور (اس کی خدمات کی

منتقلی کے وقت) اس کے ہاتھ میں (تجارتی) مال ہے اور اس پر کوئی (کاروباری) قرض بھی ہے تو اس کا تعلق پہلے آقا سے ہوگا۔ وہ یہ مال لے لے گا اور اس سے (کاروباری) قرضے ادا کر دے گا۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہاں جس مال کی بات ارشاد فرمائی تھی، اس کا کوئی تعلق غلام کے مال سے نہیں تھا بلکہ آقا کے اس مال سے تھا جسے اس نے تجارت میں لگا کر اس کا ذمہ دار غلام کو بنایا تھا۔ یہ معاملہ بالکل کھجور کے پھل کا سا تھا جس پر ساری محنت پہلے آقا نے کی تو اس کا پھل بھی اسی کا ہونا چاہیے۔ اس تفصیل کے بعد اس حدیث کو غلام کے مال رکھنے کے حق کے خلاف پیش کرنا نہایت ہی نامعقولیت ہوگی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی حدیث سے فقہ کے ایک بڑے امام بھی یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ غلام کو مال رکھنے کی اجازت ہے۔

وقال مالك واصحابه يملك ماله كما يملك عصمة نكاحه وجائز له التسرى فيما ملك وحجتهم قول رسول الله صلى الله عليه وسلم من باع عبدا وله مال فاضاف المال إليه وقال الله عز وجل فانكحوهن بإذن أهلهن وآتوهن اجورهن بالمعروف فاضاف اجورهن إليهن إضافة تمليك (ابن عبدالبر، التمهيد)

حضرت امام مالک اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ غلام اپنے مال کا مالک بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ وہ نکاح کے ذریعے اپنی عصمت کا مالک ہوتا ہے اور اس کے لئے لونڈی رکھنا بھی درست ہے۔ ان کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "جس نے غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس کا مال تھا۔" اس میں مال کا تعلق اس غلام سے جوڑا گیا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا، "ان کے گھر والوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو اور انہیں ان کے مہر معروف طریقے سے ادا کرو۔" اس میں بھی اضافت کا صیغہ ملکیت کے لئے ہے۔

بَاب عِتْقِ وَلَدِ الزِّنَا

یہ باب ہے کہ زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کو آزاد کرنا

2531- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ حَدَّثَنَا اِسْرَائِيلُ عَنْ زَيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ اَبِىْ يَزِيْدَ الضَّبِّيِّ عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ سَعْدٍ مَوْلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ وَلَدِ الزِّنَا فَقَالَ نَعْلَانِ اُجَاهِدُ فِيْهِمَا خَيْرٌ مِّنْ اَنْ اُعْتِقَ وَلَدَ الزِّنَا

◆◆ نبی اکرم ﷺ کی کنیز سیدہ میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ سے زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وہ دو جوتے جنہیں پہن کر میں جہاد میں حصہ لیتا ہوں یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ میں زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے

2531 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

والے بچے کو آزاد کردوں"۔

مشترکہ باندی کے ام ولد ہونے کا بیان

جب کوئی باندی دو شرکاء کے درمیان مشترک ہو اور اس نے بچہ جن دیا اور دونوں شرکاء میں سے کسی ایک نے دعویٰ کردیا تو مدعی سے اس بچے کا دعویٰ ثابت ہوجائے گا کیونکہ جب وہ نصف ولد میں ہے تو اس شریک کا نسب ثابت ہوجائے گا۔ کیونکہ وہ بچہ اس کی ملکیت سے ملا ہوا ہے۔ لہٰذا بقیہ میں لازمی طور پر اس کا نسب ثابت ہوجائے گا۔ کیونکہ نسب میں اجزاء نہیں ہوتے۔ لہٰذا اس کے نسب کا سبب یعنی علوق میں بھی اجزاء کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک بچہ دو نطفوں سے حمل قرار نہیں پاتا۔ اور وہ باندی مدعی کے لئے ام ولد ہوجائے گی۔ لہٰذا طرفین کے نزدیک استیلاد کے اجزاء نہیں ہوتے۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدعی کے حصے میں وہ اس کی ام ولد ہوجائے گی۔

اس کے بعد مدعی اپنے شریک کے حصے کا بھی مالک ہوجائے گا۔ کیونکہ وہ حصہ ملکیت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور مدعی اس باندی کے آدھے عقر کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے مشترکہ باندی سے جماع کیا ہے۔ اور وہ شخص استیلاد کے سبب حکمی طور پر ملکیت ثابت ہوچکی ہے اور وطی کرنے کے ساتھ ہی اس کے ساتھ ہی میں واطی کی ملکیت ثابت ہوگی۔

جبکہ باپ کے خلاف ہے کیونکہ اس نے اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کر کے ام ولد بنانے والا ہے لہٰذا ملکیت استیلاد کی شرط بن کر ثابت ہوگی۔ اور استیلاد سے مقدم ہوگی۔ اور باپ اپنی ملکیت سے جماع کرنے والا ہے۔ اور مدعی باندی کی بچی کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ لڑکے کا نسب وقت علوق کی طرف ہو کر ثابت ہوجائے گا۔ اور اس بچے کا کوئی بھی حصہ شریک کی ملکیت پر محمول نہ ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: علماء کرام کا اجماع ہے کہ اگر بچہ مرد کے بستر پر پیدا ہوا اور کوئی دوسرا شخص اس کا دعوی کرے تو بچے کی نسبت دعوی کرنے والے کی طرف نہیں کی جائے گی، لیکن اگر بچہ بستر کے علاوہ (شادی کے بغیر) پیدا ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ اگر عورت بیوی نہ ہو اور زنا سے بچہ پیدا ہوجائے اور زانی اس کا دعوی کرے تو کیا اس بچے کی نسبت اس کی طرف کی جائے گی؟ جمہور علماء کرام کا کہنا ہے کہ اس حالت میں بچہ کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جائے گی۔ حسن اور ابن سیرین اور عروہ، امام نخعی، اسحاق، سلیمان بن یسار رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ بچہ اس (زانی کی طرف منسوب ہوگا)

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے (علی بن عاصم نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ان کا قول ہے: میرے خیال میں اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے زنی کرے اور اس سے وہ حاملہ ہو اور وہ اس حمل میں ہی اس سے شادی کرلے اور اس پر پردہ ڈالے رکھے اور وہ بچہ اسی کا ہوگا)۔ (المغنی (9/122) نے یہ اختیار کیا ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنے زنا کی بچے کی نسبت اپنی کرنے کا مطالبہ کیا اور وہ عورت اس کی بیوی نہ ہو تو اس بچے کے الحاق اس کی طرف کردیا جائے گا۔ (الفروع (6/625)

جس باندی سے وطی نہ کرسکتا ہو مثلاً وہ مشترکہ ہے یا مکاتبہ یا مشترکہ یا رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے اس سے وطی حرام ہو وہ اجنبیہ کے حکم میں ہے۔ (درمختار، کتاب حظر واباحت، ج۹، ص۶۰۵)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی ایسی لونڈی جس سے جماع کیا جاتا تھا ہبہ کی جائے یا فروخت کی جائے یا آزاد کی جائے تو اس کو چاہئے کہ ایک حیض کے ذریعہ اپنے رحم کو پاک صاف کرے البتہ باکرہ کنواری کو پاک صاف کرنے کی ضرورت نہیں وہ یہ دونوں روایتیں رزین نے نقل کی ہیں۔

اس حدیث پر ابن شریح نے عمل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب نہیں ہے جب کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس کے لئے بھی استبراء واجب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونیوالی لونڈیوں کے بارہ میں استبارہ کا جو حکم دیا تھا وہ عام ہے اس میں باکرہ کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جس ام ولد کا آقا مر جائے یا اسکو اس کا آقا آزاد کرے تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہیں اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی مدت تین مہینے ہوگی۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ ام ولد نہ تو حاملہ ہو نہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور نہ کسی کی عدت میں ہو چنانچہ اگر وہ حاملہ ہوگی تو پھر اس کی عدت تا وضع حمل ہوگی اور اگر وہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوگی یا کسی کی عدت میں ہوگی تو چونکہ ان صورتوں میں اصول کے ساتھ اس کے جنسی اختلاط کا کوئی سوال ہیں ہیں اس لئے آقا کے آزاد کر دینے کی وجہ سے یا آقا کے مر جانے کے سبب اس پر عدت واجب نہیں ہوگی یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

اور حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی طرف سے آزاد کئے جانے یا آقا کے مر جانے کی صورت میں ام ولد کی عدت ایک حیض ہے حنفیہ میں سے حضرت امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ (فتح القدیر، ج ۸، ۲۸۰، بیروت)

بَاب مَنْ اَرَادَ عِتْقَ رَجُلٍ وَّامْرَاَتِهٖ فَلْيَبْدَاْ بِالرَّجُلِ

یہ باب ہے کہ جو شخص کسی غلام اور اس کی بیوی کو آزاد کرنے کا ارادہ کرے تو اسے پہلے غلام کو آزاد کرنا چاہیے

2532- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفٍ الْعَسْقَلَانِيُّ وَاِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيْدِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَوْهَبٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَ لَهَا غُلَامٌ وَّجَارِيَةٌ زَوْجٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُعْتِقَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اَعْتَقْتِهِمَا فَابْدَئِيْ بِالرَّجُلِ قَبْلَ الْمَرْاَةِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات منقول ہے ان کا ایک غلام اور ایک کنیز تھے جو میاں بیوی تھے انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں ان دونوں کو آزاد کرنا چاہتی ہوں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''اگر تم ان دونوں کو آزاد کرنا چاہتی ہو تو عورت سے پہلے مرد سے آغاز کرو''۔

2532 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2237' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3446

كِتَابُ الْحُدُوْدِ

یہ کتاب حدود کے بیان میں ہے

حد کے معانی ومقاصد کا بیان

حد کا لغوی معنی روکنا ہے اسی لئے دربان کا حداد کہا جاتا ہے۔ جبکہ اصطلاح شرع میں حد اس سزا کو کہتے ہیں کہ جو اللہ تعالی کے حق کے لئے مقرر کی جائے۔ اور اسی دلیل کے پیش نظر قصاص کو حد نہیں کہا جاتا کیونکہ قصاص بندے کا حق ہے۔ اور تعزیر کو بھی حد نہیں کہا جاتا کیونکہ اور تعین سزا معدوم ہے۔ اور حد کا مقصد اصلی یہ ہے کہ لوگوں کے لئے تکلیف دہ اشیاء پر ان کو خبر دار کیا جائے۔ جبکہ طہارت اصلیہ مقصد نہیں ہے کیونکہ اس کی مشروعیت کافروں کے حق میں بھی ہے۔

حد کی جمع حدود ہے۔ لغت میں حد دو چیزوں کے درمیان فصل کرنیوالی چیز کو کہتے ہیں (محیط المحیط ج 1 ص 358) یا کسی چیز کے منتہی کو بھی حد کہتے ہیں (تاج العروس ج 2 ص 231)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حد کی تعریف یوں کی گئی ہے: لغت میں حد منع کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں حد وہ سزا ہے جس کی مقدار معین ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب کی گئی ہے تا کہ لوگوں کو ان جرائم سے باز رکھے۔ تعزیر بھی حد نہیں کیونکہ اسکی مقدار متعین نہیں اور قصاص بھی حد نہیں کیونکہ وہ مقتول کے وارث کا حق ہے۔ (در المختار، کتاب الحدود، ص 4، ج 166)

چنانچہ حد شرعا اس سزا کو کہتے ہیں جو اللہ یا اسکے رسول کی جانب سے مقرر ہو۔

حدود حد کی جمع ہے اور حد کے اصل معنی ہیں ممنوع نیز اس چیز کو بھی حد کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اصطلاح شریعت میں " حدود " ان سزاؤں کو کہتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے ثابت ہیں اور ساتھ ہی متعین ہیں جیسے چوری ، زنا، شراب نوشی کی سزائیں۔ لفظ حد کے اصل معنی ممنوع یا حائل اگر پیش نظر ہوں تو واضح ہوگا کہ شرعی سزاؤں کو " حدود " اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ سزائیں بندوں کو گناہوں میں مبتلا ہونے سے روکتی ہیں اور ان کا خوف انسان اور جرم کے درمیان حائل رہتا ہے

" حدود اللہ " محارم کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ایت (**تلك حدود الله فلا تقربوها**) اسی طرح مقادیر شرعی یعنی تین طلاقوں کا مقرر ہونا وغیرہ کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ایت (**تلك حدود الله فلا تعتدوها**) لیکن واضح رہے کہ ان دونوں میں بھی " حدود " کا اطلاق اصل معنی " ممنوع " ہی کے اعتبار سے ہے کہ محارم کی قربت (یعنی ان سے نکاح وخلوت) بھی ممنوع ہے اور مقادیر شرعی سے تجاوز کرنا بھی ممنوع ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حد کی اصل یہ ہے کہ جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو کر ان کے اختلاط کو

روک دے جیسے دوگھروں کے درمیان حد فاصل۔ زانی وغیرہ کی حد کو حد اس لیے کہا گیا کہ وہ زانی وغیرہ کو اس حرکت سے روک دیتی ہے۔ اس کتاب میں زنا اور چوری وغیرہ کی روایات میں جو ایمان کی نفی آئی ہے اس کے بارے میں حافظ صاحب فرماتے ہیں۔ والصحیح الذی قاله المحققون ان معناه لایفعل هذه المعاصی وهو کامل الایمان وانما تاولناه لحدیث ابی ذر من قال لااله الا الله وان زنی و ان سرق الخ یعنی محققین علماء نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ وہ شخص کامل الایمان نہیں رہتا، یہ تاویل حدیث ابوذر کی بناپر ہے جس میں ہے کہ جس نے لاالــــــه الا الله کہا وہ جنت میں جائے گا اگر چہ زنا یا چوری کرے۔ اور حدیث عبادہ میں زنا اور چوری کے بارے میں یوں ہے کہ جو شخص ان گناہوں کو کرے گا اگر دنیا میں اس پر قائم ہوگئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہو جائے گی ورنہ وہ اللہ کی مرضی پر ہے چاہے معاف کردے چاہے اسے عذاب کرے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الحدود)

حد کے دیگر معانی کا بیان

حد کا معنی انتہا۔ احاطہ۔ ایک چیز کا دوسری چیز سے جدا کرنا۔ ایک ملک اور دوسرے ملک کی درمیانی سرحد۔ باز رکھنا اور گنہگار کو سزا دینا۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں وہ احکام امر ونہی جن کے مطابق مسلمانوں کو عمل کرنا چاہیے۔ قانون شریعت یا اسلامی شریعت میں کسی جرم کی وہ سزا جو تبدیل نہ کی جاسکے۔ مثلاً زنا کی پاداش میں سنگساری، شراب پینے کے عوض درے سے مارنا یا چور کا ہاتھ کاٹ دینا۔ اسلام میں ان جرائم کا ارتکاب انسانی نہیں احکام خداوندی کی حدود سے تجاوز کرنا ہے اس لیے مجرم کو سزا بھی خدا کی مقرر کردہ ہی دی جاتی ہے۔ فلسفہ اور منطق کی اصطلاح میں حد کے معنی تعریف کے ہیں۔ تعریفات جرجانی میں حد وہ صفات ہیں جو ایک چیز کو دوسرے سے ممیز کرتی ہیں۔ علم الافلاک میں حد برج کے ساتھ ملحقہ علاقے کے معنی میں آتا ہے۔ علم تصوف میں حد سے مراد انسان اور مخلوق ہے اور اس کے مقابلے میں خدا تعالیٰ کی ذات کو لامحدود کہا جاتا ہے۔

حد قائم کرنے کی برکت کا بیان

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا حدود اللہ میں سے کسی ایک حد کو نافذ کرنا اللہ کی زمین میں چالیس روز کی بارش سے زیادہ بہتر ہے۔ (سنن ابن ماجہ جلد دوم: رقم الحدیث، 695)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نقل فرمایا حد قائم کرنا ایک ملک میں بہتر ہے اس ملک والوں کے لئے چالیس رات تک بارش ہونے سے بہتر ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: رقم الحدیث، 1209)

اسلامی سزاؤں کی حکمتوں کا بیان

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں بعض معاصی کے ارتکاب پر شریعت نے حد مقرر کی ہیں۔ یہ وہی معاصی ہیں جن کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا ہے۔ نظام تمدن میں خلل پیدا ہوتا ہے اور مسلم معاشرے کی طمانیت اور سکون قلب رخصت ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ معاصی کچھ اس قسم کی ہوتی ہیں کہ دو چار باران کا ارتکاب کرنے سے ان کی لت پڑ جاتی ہے۔ اور

پھر ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی معاصی میں محض آخرت کے عذاب کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ ضروری ہے کہ ایسی عبرتناک سزا مقرر کی جائے کہ اس کا مرتکب ساری زندگی کے لیے معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور سوسائٹی کے دیگر افراد کے لیے سامانِ عبرت بنا رہے۔ اور اسکے انجام کو دیکھ کر بہت کم لوگ اس قسم کے جرم کی جرات کریں۔ اسلام نے لت پڑ جانے والی برائیوں پر سزائیں مقرر کی ہیں جس میں معاشرہ کی خیر رکھی ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ج2 ص158)

اسلامی سزاؤں کا نفاذ عین فطرت کے مطابق ہے اور انہیں ظالمانہ کہنے والے انسانی عفت وعصمت کے دشمن ہیں۔

ہمیں اعتراف ہے کہ قرآن کریم اور سنت نبوی میں سخت سزائیں تجویز کی گئی ہیں لیکن جن لوگوں کی نظر ان سزاؤں کی سنگینی پر جاتی ہے انہیں اس پر بھی نظر کرنی چاہیے کہ جس فعل پر یہ سزائیں مقرر کی گئیں ہیں وہ فعل کس قدر گھناؤنا اور کس قدر انسانیت سوز ہے۔ آج وہ لوگ جو اسلامی سزاؤں کو غیر مہذب، وحشیانہ اور ظالمانہ بتلا رہے ہیں اپنی بیوی کو مشتبہ حالت میں غیر مرد کے پاس دیکھ لیں تو یقیناً غیرت سے دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں (اگر چہ اس حالت میں دیکھنے کے باوجود شرعاً از خود سزا دینے یا قتل کرنے کی ممانعت ہے) اس لیے کہ یہ انسانی فطرت ہے، تعجب ہے جب شریعت زانی مرد اور زانی عورت کی وہی سزا تجویز کرتی ہے تو نافہم لوگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور اس سزا کو غیر مہذب اور وحشیانہ کہنے لگتے ہیں۔ جبکہ اسلام نے سزا کے جاری کرنے میں انتہائی احتیاط برتنے کا حکم دیا ہے اور جرم کے ثابت ہونے پر سخت سے سخت شرائط مقرر کی ہے اور پھر اس جرم کے ارتکاب کے بعد شبہ کی بنیاد پر حد کو ساقط کرنے کا حکم بھی صادر فرمایا ہے۔

تعجب ہے کہ خود تو اپنی بیوی کو مشتبہ حالت میں دیکھ کر قتل کرنے پر تل جائیں اور جب شریعت انتہائی واضح شہادتوں کے بعد وہی فیصلہ کرے تو وہ سزا انہیں وحشیانہ نظر آنے لگے۔

زنا ایک خبیث ترین فعل ہونے کے ساتھ ایک بڑا گھناؤنا جرم ہے جو پوری انسانیت کے لیے تباہی کا باعث ہے۔ خاندانی شرافت اور نسب کے لیے باعث ذلت ہے، لہٰذا اگر اسلام غیر شادی شدہ زانی مرد اور غیر شادی شدہ زانی عورت کو 100 کوڑے مارنے اور شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کو سنگسار کرنے کی سزا صادر کرے تو کیا یہ عین فطرت نہیں تا کہ معاشرہ اور پوری انسانیت فساد سے بچ جائے۔

یہی حال چوری کا ہے، فرض کیجئے کہ ایک چور سارے گھر کو لوٹ لیتا ہے، اگر اسی اثناء مالک مکان اسے دیکھ لے اور اسکے ہاتھ میں اسلحہ بھی ہو تو کیا وہ اسے چھوڑ دے گا؟ ظاہر ہے نہیں بلکہ فوراً اس پر گولی چلا دے گا ورنہ کم از کم اسکے پاؤں میں گولی مار کر اسے بیکار کر دے گا۔ یہی جرم ثابت ہونے کے بعد شریعت صرف ہاتھ کاٹنے کی سزا دے تو اسے وحشیانہ سزا قرار دینا کہاں کا انصاف ہے۔

یہی حال حد قذف کا ہے اگر کوئی شخص کسی کی پاکدامن بیٹی پر زنا کی تہمت لگادے تو ایک غیرت مند آدمی اپنی بیٹی کی عصمت و عفت پر داغ کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتا بلکہ ممکن ہے پاک دامن بیٹی کا بدلہ چکانے کے لیے تہمت لگانے والے کا کام تمام کر دے۔

رہی جرم ثابت ہونے کے بعد اسلام تہمت لگانے والے پر 80 درے لگانے کا حکم صادر کرتا ہے تو یہ وحشیانہ سزا کیسے ہوئی۔

یہی صورت حال شرب خمر کی حد میں ہے۔جس سے پورے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔حضرت علی فرماتے ہیں انسان جب نشے میں ہوتا ہے تو اول فول بکنے لگتا ہے۔اول فول بکتے وقت عموماً وہ تہمتیں لگاتا ہے لہٰذا شراب نوشی کی حد بھی وہی ہونی چاہیے جو حد قذف کی ہے،جب صحابہ کرام اس بات پر متفق ہو گئے تو حضرت عمر نے تمام ممالک محروسہ میں یہ حکم نامہ لکھ کر بھیج دیا کہ شراب نوشی کی حد 80 کوڑے ہیں،اسی روایت کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ،امام مالک،امام احمد فرماتے ہیں کہ شراب نوشی کی حد 80 کوڑے ہیں اور اسی پر پوری امت کا اجماع ہے۔(المغنی لابن قدامہ ج10 ص326)

،اسلامی سزائیں عین فطرت کے مطابق ہیں،جرم کی سختی اور اسکے ضرر کے مقابلہ میں وہ قطعاً سخت نہیں ہیں۔جو لوگ انسانی حقوق کے نام پر اس فطرت کو بدلنا چاہتے ہیں وہ انسانی فطرت کے خلاف آمادہ جنگ ہیں۔

بَاب لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا فِي ثَلَاثٍ

یہ باب ہے کہ کسی بھی مسلمان کا خون صرف تین صورتوں میں حلال ہوتا ہے

2533- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ اَنْبَاَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ فَسَمِعَهُمْ وَهُمْ يَذْكُرُونَ الْقَتْلَ فَقَالَ اِنَّهُمْ لَيَتَوَاعَدُونِي بِالْقَتْلِ فَلِمَ يَقْتُلُونِي وَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا فِي اِحْدَى ثَلَاثٍ رَجُلٌ زَنٰى وَهُوَ مُحْصَنٌ فَرُجِمَ اَوْ رَجُلٌ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ رَجُلٌ ارْتَدَّ بَعْدَ اِسْلَامِهِ فَوَاللّٰهِ مَا زَنَيْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَّلَا فِي اِسْلَامٍ وَّلَا قَتَلْتُ نَفْسًا مُّسْلِمَةً وَّلَا ارْتَدَدْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ

⇔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جھانک کر دیکھا وہ ان کے قتل کا تذکرہ کر رہے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: یہ لوگ مجھے قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں؟ یہ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

''کسی بھی شخص خون تین میں سے کسی ایک صورت میں جائز ہو سکتا ہے' ایک وہ شخص جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے اور اسے سنگسار کر دیا جائے ایک وہ شخص جو کسی بدلے کے بغیر کسی شخص کو قتل کر دے ایک وہ شخص جو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے۔''

(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) میں نے زمانہ جاہلیت میں' یا اسلام قبول کرنے کے بعد کبھی زنا نہیں کیا' میں نے کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد میں مرتد بھی نہیں ہوا۔

2534-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّاَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ

2533: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 4502' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 2158' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 4031

بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا اَحَدُ ثَلَاثَةِ نَفَرٍ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِىْ وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''کسی بھی ایسے مسلمان' جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں اُس کا خون بہانا جائز نہیں ہے صرف تین لوگوں میں سے کسی ایک کو قتل کیا جاسکتا ہے جان کے بدلے جان شادی شدہ زانی اور اپنے دین کو ترک کر کے (مسلمانوں) کی جماعت سے الگ ہونے والا''۔

شرح

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نفس مسلمان کہ جو اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اس کا خون حلال نہیں ہے ہاں ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت واقع ہو جانے کی وجہ سے اس کا خون حلال ہو جاتا ہے ایک تو یہ کہ وہ محصن ہونے کے بعد زنا کرے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے دوسری صورت یہ کہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے نکلے یعنی جو مسلمان قزاقی کرے یا بغاوت کی راہ پر لگ جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے یا سولی دے دی جائے اور یا اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور تیسری صورت قتل نفس کی ہے کہ جو مسلمان کسی کو عمداً قتل کر دے تو اس کے بدلے میں اس کو قتل کر دیا جائے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 702)

محصن "ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمان جو آزاد ہو مکلف ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ صحبت کر چکا ہو یعنی شادی شدہ ہو اور پھر اس کے بعد زنا کا مرتکب ہو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو سنگسار کر کے ختم کر دیا جائے۔ قزاقی کرنے والے کے بارے میں تین سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) قتل کر دیا جائے۔ (۲) سولی دیا جائے (۳) قید میں ڈالا جائے ان تینوں میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ قزاق مال تو نہ لوٹ سکا ہو مگر اس نے کسی کو جان سے مار ڈالا ہو تو اس صورت میں اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر اس نے مال بھی لوٹا ہو اور کسی کو قتل بھی کیا ہو تو اس صورت میں اس کو سولی دی جائے گی۔

اب اس کے متعلق حضرت امام مالک تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کو زندہ سولی پر لٹکا دیا جائے تا کہ وہ مر جائے لیکن حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کر کے اس کی لاش سولی پر لٹکا دی جائے تا کہ دوسرے لوگوں کو اس کے انجام سے عبرت ہو۔ تیسری سزا قید کی ہے اس کے لئے حدیث میں (ینفی فی الارض) کے الفاظ ہیں اس کے معنی حضرت امام شافعی کے نزدیک تو یہ ہے کہ اس کو مسلسل شہر بدر کیا جاتا رہے یعنی اسے کسی ایک شہر میں ٹھہرنے اور رہنے نہ دیا جائے بلکہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکالا جاتا رہے تا کہ اسے قرار و آرام نہ مل سکے۔

2534 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 6878' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4351' ورقم الحدیث: 4353' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4352' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1402' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4027' ورقم الحدیث: 4735

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور یہ قید کی سزا اس صورت میں ہے جب کہ اس نے نہ تو مال لوٹا ہو اور نہ کسی کو قتل کیا ہو بلکہ راہگیروں کو ڈرایا دھمکایا ہو اس طرح اس نے راستے کے امن وعافیت کی طرف سے لوگوں کو خوف وتشویش میں مبتلا کیا ہو حدیث کا یہ جزء جس میں قزاقوں اور راہزنوں کی مذکورہ بالا سزاؤں کا حکم ہے؟ دراصل قرآن کریم کی اس آیت سے مستنبط ہے کہ: ایت (اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُـقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ،المائدہ:33) "جو لوگ اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد یعنی بدامنی پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں، یا ان میں سے ہر ایک کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے یا زمین سے نکال کر جیل خانہ میں بھیج دیے جائیں اس اعتبار سے بظاہر حدیث میں (او ینفی فی الارض) سے پہلے یہ عبارت (او یقطع یدہ ورجلہ) میں خلاف بھی ہونی چاہیے تھی تا کہ یہ حدیث مذکورہ آیت کی پوری مطابق ہو جاتی۔

لیکن یہ قوی احتمال ہے کہ اصل حدیث میں تو یہ عبارت رہی ہو البتہ یہاں حدیث کے راوی کی بھول سے نقل ہونے سے رہ گئی ہو یا راوی نے اختصار کے پیش نظر اس کو قصداً حذف کر دیا ہے۔ "حرف او حدیث میں بھی قرآن کی آیت میں بھی اظہار تفصیل کے لئے ہے لیکن بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ تخییر کے لئے ہے یعنی یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ امام وقت اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ وہ مذکورہ تفصیل کا لحاظ کئے بغیر ان سزاؤں میں سے جو سزا مناسب جانے قزاق کو دے۔

بَابُ الْمُرْتَدِّ عَنْ دِيْنِهٖ

یہ باب ہے کہ اپنے دین (کو چھوڑ کر) مرتد ہونے والے کا حکم

مرتد کے معنی ومفہوم کا بیان

ارتداد کا لغوی معنی لوٹ جانا اور بدل جانا ہے شرعی اصطلاح میں ارتداد کا مطلب ہے: دین اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لینا۔ یہ ارتداد قولی بھی ہو سکتا ہے اور فعلی بھی ہوتا ہے۔ مرتد وہ شخص ہے جو دین اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لے۔ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے جو صحیح احادیث، تعامل صحابہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔

ارتداد کا مطلب ہے مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو جانا۔ ارتداد قول سے بھی ہو سکتا ہے، فعل سے بھی، اعتقاد سے بھی اور شک سے بھی۔ مثلاً اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے یا اس کی ربوبیت کا انکار کرتا ہے، یا اس کی وحدانیت، اس کی کسی صفت، اس کی نازل کی ہوئی کسی کتاب یا کسی رسول علیہ السلام کا انکار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول علیہ السلام کو گالی دیتا ہے، یا جن چیزوں کی حرمت پر امت کا اجماع ہے ان میں سے کسی کو حلال سمجھتا ہے، یا اسلام کے پانچ ارکان میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے یا اسلام کے کسی رکن کے وجوب میں، یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی کی نبوت میں یا قیامت میں شک کرتا ہے، یا کسی بت یا ستارے وغیرہ کو سجدہ کرتا ہے تو ایسا شخص کافر اور دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

کافر، مرتد اور زندیق میں فرق کا بیان

جو لوگ اسلام کو مانتے ہی نہیں وہ تو کافر اصلی کہلاتے ہیں، جو لوگ اسلام کو قبول کرنے کے بعد اس سے برگشتہ ہو جائیں وہ مرتد کہلاتے ہیں، اور جو لوگ دعویٰ اسلام کا کریں لیکن عقائد کفریہ رکھتے ہوں اور قرآن وحدیث کے نصوص میں تحریف کر کے انہیں اپنے عقائد کفریہ پر فٹ کرنے کی کوشش کریں انہیں زندیق کہا جاتا ہے۔

مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے اگر ان تین دنوں میں وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے پکا سچا مسلمان بن کر رہنے کا عہد کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور اسے رہا کر دیا جائے لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسلام سے بغاوت کے جرم میں اسے قتل کر دیا جائے، جمہور ائمہ کے نزدیک مرتد خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے، البتہ امام اعظم رضی اللہ عنہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرتد عورت اگر توبہ نہ کرے تو اسے سزائے موت کے بجائے حبس دوام کی سزا دی جائے۔

زندیق کی سزا میں فقہی مذاہب اربعہ

زندیق بھی مرتد کی طرح واجب القتل ہے، لیکن اگر وہ توبہ کرے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی یا نہیں؟ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کر لے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، وہ بہر حال واجب القتل ہے۔ حضرت امام احمد علیہ الرحمہ سے دونوں روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ اگر وہ توبہ کر لے تو قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسری روایت یہ ہے کہ زندیق کی سزا بہر صورت قتل ہے خواہ توبہ کا اظہار بھی کرے۔ حنفیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے از خود توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور سزائے قتل معاف ہو جائے گی، لیکن گرفتاری کے بعد اس کی توبہ کا اعتبار نہیں، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زندیق، مرتد سے بدتر ہے، کیونکہ مرتد کی توبہ بالاتفاق قبول ہے، لیکن زندیق کی توبہ کے قبول ہونے پر اختلاف ہے۔

گستاخ رسول ﷺ کی سزا کا بیان

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام محمد بن سحنون کی روایت ہے۔ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے حضور ﷺ کو گالی دینے والا آپ کی شان میں کمی کرنے والا کافر ہے اور تمام امت کے نزدیک وہ واجب القتل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت محمد رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک امام جس کا نام عبداللہ بن نواحہ تھا۔ قرآن کی آیات کا مذاق اڑایا اور مفاہیم کے ردوبدل سے یہ الفاظ کہے، قسم ہے آٹا پیسنے والی عورتوں کی جو اچھی طرح گوندھتی ہیں پھر روٹی پکاتی ہیں پھر ثرید بناتی ہیں پھر خوب لقمے لیتی ہیں اس پر حضرت نے اسے قتل کا حکم سنایا اور لمحہ بھر بھی تاخیر نہیں فرمائی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تاریخی الفاظ ملاحظہ ہوں۔ جو شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی کرے، اس کا خون حلال اور مباح ہے (کتاب الشفاء)

اس جملے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے عدالتی کارروائی ہو تو فبہا ورنہ پورا معاشرہ سستی اور کوتاہی پر مجرم ہوگا۔ ان ہی خیالات کا اظہار بارہا پنجاب ہائی کورٹ کے معزز جج میاں نذیر اختر فرما چکے ہیں۔

اب سنئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ نے ایک موقع پر شاتمین دین ورسول کو قتل کرنے کے بعد جلا دینے کا حکم صادر فرمایا۔ یہ روایت بھی بخاری کی ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں میرے والد گرامی کہتے تھے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کسی نبی کو سب کرے اسے قتل کر دو اور جو کسی صحابی کو برا بھلا کہے اسے کوڑے مارو۔ (المعجم الصغیر للطبرانی، باب العین)

الاشباہ والنظائر میں ہے۔ کافر اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے لیکن اس کافر کی توبہ قبول نہیں جو نبی کریم ﷺ کے حضور گستاخیاں کرتا ہے۔ نسائی شریف کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب کیا۔ آپ کے ایک عقیدت مند نے اجازت چاہی کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حق صرف حضرت محمد ﷺ کا ہے کہ انہیں (بکواس کرنے والے کو) قتل کر دیا جائے (سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، حدیث 4077)

ابن ماجہ نے روایت کیا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک مرتد کو قتل کی سزا دی۔ اس پر فتح القدیر کا مولف لکھتا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کے خلاف غلیظ زبان استعمال کرے اس کی گردن اڑا دی جائے۔ (فتح القدیر، کتاب السیر)

محدث عبدالرزاق روایت فرماتے ہیں: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کچھ مرتدوں کو آگ میں جلا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے ابوبکر! آپ نے خالد کو کھلا چھوڑ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ کی تلوار کو نیام میں نہیں ڈال سکتا۔ (مصنف عبدالرزاق، کتاب الجہاد، حدیث 9470)

حضور انور ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو شہر نور میں ایک بوڑھا جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور نام اس کا ابوعفک تھا۔ اس نے انتہائی دشمنی کا اظہار کیا۔ لوگوں کو وہ حضور ﷺ کے خلاف بھڑکاتا، نظمیں لکھتا جن میں اپنی بدباطنی کا اظہار کرتا۔ جب حارث بن سوید کو موت کی سزا سنائی گئی تو اس ملعون نے ایک نظم لکھی جس میں حضور ﷺ کو گالیاں بکیں۔ حضور ﷺ نے جب اس کی گستاخیاں سنیں تو فرمایا: تم میں سے کون ہے جو اس غلیظ اور بدکردار آدمی کو ختم کر دے۔

سالم بن عمیر نے اپنی خدمات پیش کیں۔ وہ ابوعفک کے پاس گئے دراں حالیکہ وہ سو رہا تھا۔ سالم نے اس کے جگر میں تلوار زور سے کھبو دی۔ ابوعفک چیخا اور آنجہانی ہو گیا۔ (کتاب المغازی، للواقدی، سریۃ قتل ابی عفک (163/1)

حویرث بن نقیذ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتا۔ ایک بار حضرت عباس مکہ سے مدینہ جا رہے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام مکتوم رضی اللہ عنہا مدینہ جانے کے لئے ان کے ساتھ نکلیں۔ ظالم حویرث نے سواری کو اس طرح ایڑھ لگائی کہ دونوں شہزادیاں سواری سے گر گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے موت کی سزا سنائی۔ فتح مکہ کے موقع پر حویرث نے خود کو ایک مکان میں بند کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے تلاش کر لیا اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اسے قتل کر دیا۔

(کتاب المغازی للواقدی (281/2)

بخاری شریف کی روایت ہے۔ معاویہ بن مغیرہ نامی ایک گستاخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرفتار کروالیا اور فرمایا ایک سچا مسلمان ایک ہی سانپ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا، اے معاویہ بن مغیرہ اتم اب کسی صورت میں بھی واپس نہیں جاسکتے۔ پھر فرمایا اے زبیرا اے عاصم! اس کا سر قلم کردو۔

فتاوی بزازیہ میں ہے اور یہ حنفی فقہ کی معروف کتاب ہے۔ جب کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیاء میں سے کسی بھی نبی کی توہین کرے اس کی شرعی سزا قتل ہے اور اس کی توبہ یقیناً قبول نہیں ہوگی۔

فتاوی قاضی خان میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب کسی چیز میں عیب نکالنے والا شخص کافر ہے۔ جبکہ الاشباہ کے مصنف نے فرمایا اور وہ واجب القتل ہوگا۔ جس طرح کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کے بارے میں (بطور اہانت) تصغیر کا صیغہ استعمال کرکے تنقیص کی۔ (فتاوی قاضی خان، کتاب السیر (574/3)

علامہ حصاص رازی لکھتے ہیں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے خلاف بے ادبی کی جسارت کرے وہ مرتد ہے اور قتل کا مستحق ہے۔ (احکام القرآن للرازی، سورۃ توبہ (128/3)

فتاوی ہندیہ میں ہے کہ جو شخص کہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر یا بٹن میلا کچیلا ہے اور اس قول سے مقصود عیب لگانا ہو، اس شخص کو قتل کردیا جائے گا۔

علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کے علم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ جانا اس نے توہین کی۔ اس لئے وہ واجب القتل ٹھہرا۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں یمن کے گورنر مہاجر بن امیہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی وہاں ایک عورت مرتد ہوگئی۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی والا گیت گایا۔ گورنر نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور سامنے والے دو دانت توڑ دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا۔ اگر تو فیصلہ کرکے عمل نہ کرا چکا ہوتا تو میں اس عورت کے قتل کرنے کا حکم صادر کرتا۔ کیونکہ نبیوں کے گستاخ قابل معافی نہیں ہوتے۔

گستاخی میں جہالت کے عدم اعتبار کا بیان

علامہ عبدالرحمن الجزیری فرماتے ہیں۔ "اور اسی کی مانند وہ شخص ہے جو کسی ایسے نبی کو گالی دے، جس کی نبوت پر تمام امت کا اجماع ہو، اس کو بغیر توبہ کا کہے قتل کیا جائے گا، اور اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اگر اس نے توبہ کر بھی لی تب بھی نبی کو گالی دینے کی حد میں اسے قتل کیا جائے گا؛ اور اس مسئلہ میں اس کی جہالت کا عذر معتبر نہیں ہوگا؛ کیوں کہ کفر میں کسی کی جہالت معتبر نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اس کے نشہ میں مست ہونے کا؛ عقل توازن کے کھو جانے کا، اور غضبناک ہونے کا عذر مانا جائے گا، بلکہ اسے ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔ (الفقہ علی المذاہب اربعہ، ۱۹۹/۵)

مرتد کی توبہ میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "المغنی" میں کہتے ہیں: مرتد کو اس وقت تک قتل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس

سے تین بار توبہ طلب نہ کی جائے، اکثر علماء کا قول یہی ہے، جن میں عمر، علی رضی اللہ عنہما اور عطاء، النخعی، امام مالک، الثوری، اوزاعی، اسحاق، اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ شامل ہیں۔

کیونکہ ارتداد کسی شبہ اور اشکال کی بنا پر ہوگا، اور وہ شبہ اسی وقت زائل نہیں ہو سکتا اس لیے اتنی مدت انتظار کرنا ضروری ہے جس میں وہ مطمئن ہو سکے، اور یہ مدت تین یوم ہے۔ (المغنی لابن قدامہ (18/9.)

مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے، اگر ان تین دنوں میں وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے پکا سچا مسلمان بن کر رہنے کا عہد کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور اسے رہا کر دیا جائے، لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسلام سے بغاوت کے جرم میں اسے قتل کر دیا جائے، جمہور ائمہ کے نزدیک مرتد خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مرتد عورت اگر توبہ نہ کرے تو اسے سزائے موت کے بجائے حبس دوام کی سزا دی جائے۔ زندیق بھی مرتد کی طرح واجب القتل ہے، لیکن اگر وہ توبہ کرے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی یا نہیں؟

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کرلے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، وہ بہر حال واجب القتل ہے۔

امام احمد علیہ الرحمہ سے دونوں روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ اگر وہ توبہ کرلے تو قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسری روایت یہ ہے کہ زندیق کی سزا بہر صورت قتل ہے خواہ توبہ کا اظہار بھی کرے۔ حنفیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے از خود توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور سزائے قتل معاف ہو جائے گی، لیکن گرفتاری کے بعد اس کی توبہ کا اعتبار نہیں، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زندیق، مرتد سے بدتر ہے، کیونکہ مرتد کی توبہ بالاتفاق قبول ہے، لیکن زندیق کی توبہ کے قبول ہونے پر اختلاف ہے۔

علامہ عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں:

واتفق الأئمة الأربعة عليهم رحمة الله تعالىٰ على أن من ثبت ارتداده عن الإسلام والعياذ بالله وجب قتله، واهدر دمه (کتاب الفقہ علی مذاہب الاربع، جلد ۵، ص ۴۲۳)

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے۔ اللہ بچائے اُس کا قتل واجب ہے۔ اور اُس کا خون بہانا جائز ہے۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا قتل میں مذاہب اربعہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کی سزا یہی ہے کہ وہ واجب القتل ہے۔ اس کی توبہ قبول نہیں، چاروں مسالک یہی ہیں۔ علامہ زین الدین ابن نجیم البحر الرائق میں ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرنے والے کی سزا قتل ہے۔ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ "جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دل میں بغض رکھا وہ مرتد ہو گیا، اور شاتم رسول تو اس سے بھی بدتر ہے، ہمارے نزدیک وہ واجب القتل ہے: اور اس کی توبہ سے سزائے موت موقوف نہیں ہوگی۔ یہ مذہب اہل کوفہ اور امام مالک کا بھی ہے۔ اور یہ حکم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ علماء نے یہاں تک فرمایا کہ گالی دینے والا نشے میں ہو تب بھی قتل کیا جائے گا اور معاف نہیں ہوگا (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب الردۃ)

علامہ خیر الدین رملی حنفی فتاوٰی بزازیہ میں لکھتے ہیں: شاتم رسول کو بہر طور حداً قتل کرنا ضروری ہے۔ اس کی توبہ بالکل قبول نہیں کی جائے گی، خواہ یہ توبہ گرفت کے بعد ہو یا اپنے طور پر تائب ہو جائے کیونکہ ایسا شخص زندیق کی طرح ہوتا ہے، جس کی توبہ قابل تسبب ہی نہیں اور اس میں کسی مسلمان کے اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس جرم کا تعلق حقوق العباد سے ہے، یہ صرف توبہ سے ساقط نہیں ہو سکتا، جس طرح دیگر حقوق (چوری، زنا) توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جس طرح حدِ تہمت توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ یہی سیدنا ابوبکر علیہ الرحمہ، امام اعظم علیہ الرحمہ، اہل کوفہ اور امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب ہے۔ (تنبیہ الولاۃ واحکام)

امام ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ امت کی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ گستاخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل واجب ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ، امام ابولیث علیہ الرحمہ، امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ، امام اسحاق علیہ الرحمہ اور امام شافعی علیہ الرحمہ، حتیٰ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان تمام کا مسلک یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ (فتاوٰی شامی)

علامہ طاہر بخاری اپنی کتاب خلاصۃ الفتاوٰی میں لکھتے ہیں کہ محیط میں ہے کہ جو نبی اکو گالی دے، آپ اکی اہانت کرے، آپ اکے دینی معاملات یا آپ اکی شخصیت یا آپ اکے اوصاف میں سے کسی وصف کے بارے میں عیب جوئی کرے چاہے گالی دینے والا آپ اکی امت میں سے ہو خواہ اہل کتاب وغیرہ میں سے ہو ذمی یا حربی، خواہ یہ گالی اہانت اور عیب جوئی جان بوجھ کر ہو یا سہواً اور غفلت کی بناء پر نیز سنجیدگی کے ساتھ ہو یا مذاق سے، ہر صورت میں ہمیشہ کے لئے یہ شخص کافر ہوگا اس طرح کہ اگر توبہ کرے گا تو بھی اس کی توبہ نہ عند اللہ مقبول ہے اور نہ عند الناس اور تمام متقدمین اور تمام متاخرین و مجتہدین کے نزدیک شریعت مطہرہ میں اس کی قطعی سزا قتل ہے۔ حاکم اور اس کے نائب پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص کے قتل کے بارے میں ذرا سی نرمی سے بھی کام نہ لے۔

(خلاصۃ الفتاوٰی)

علامہ خطابی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے بدگو کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہو اور اگر یہ بدگوئی اللہ تعالیٰ کی شان میں ہو تو ایسے شخص کی توبہ سے اس کا قتل معاف ہو جائے گا۔ (فتح القدیر)

علامہ بزازی علیہ الرحمہ نے اس کی علت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حق العبد توبہ سے معاف نہیں ہوتا جس طرح تمام حقوق العباد اور جیسا کہ حد قذف (تہمت کی سزا) توبہ سے ختم نہیں ہوتی۔ بزازیہ علیہ الرحمہ نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ انبیاء میں سے کسی ایک کو برا کہنے کا یہی حکم ہے۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا میں امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب

علامہ ابن قاسم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمہ سے مصر سے ایک فتویٰ طلب کیا گیا، جس میں میرے فتویٰ کے بارے میں، جس میں کہ میں نے شاتمِ رسول علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا تھا، تصدیق چاہی گئی تھی۔ اس فتویٰ کے جواب میں امام مالکعلیہ الرحمہ نے مجھ ہی کو اس فتویٰ کا جواب لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے یہ جواب لکھا کہ ایسے شخص کو عبرتناک سزا دی جائے اور اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ یہ کلمات کہہ کر میں نے امام مالک علیہ الرحمہ سے عرض کی کہ اے ابوعبداللہ! (کنیت امام مالک علیہ الرحمہ) اگر اجازت ہو تو یہ بھی لکھ دیا جائے کہ قتل کے بعد اس لاش کو جلا دیا جائے۔ یہ سن کر امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا، یقیناً وہ گستاخ اسی بات کا مستحق ہے اور یہ سزا اس کے لیے مناسب ہے۔ چنانچہ یہ کلمات میں نے امام موصوف کے سامنے ان کی ایماء پر لکھ دیے اور اس سلسلے میں امام صاحب نے کسی مخالفت کا اظہار نہ کیا۔ چنانچہ یہ کلمات لکھ کر میں نے فتویٰ روانہ کر دیا اور اس فتویٰ کی روشنی میں اس گستاخ کو قتل کر کے اس کی لاش کو جلا دیا گیا۔ (الشفاء)

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا میں ابن کنانہ کا حکام کا فتویٰ

مبسوط میں ابن کنانہ علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی بارگاہِ رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہو تو میں حاکمِ وقت کو مشورہ دیتا ہوں اور ہدایت کرتا ہوں کہ ایسے گستاخ کو قتل کر کے اس کی لاش کو پھونک دیا جائے یا براہ راست آگ میں جھونک دیا جائے۔ (الشفاء، ج، ص، از قاضی عیاض مالکیعلیہ الرحمہ)

حکمِ قتل پر علمائے مالکیہ کی دلیل کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ اور تمام اہلِ مدینہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم ذمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سبّ وشتم کرے اور توہین رسالت کا مرتکب ہو تو اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ "اگر گالی دینے والا ذمی ہو تو اسے بھی امام مالک اور اہل مدینہ کے مذہب میں قتل کیا جائے گا۔" علامہ ابن سحنون سے یہ بھی نقل کیا ہے۔

"اگر گالی دینے والا مسلمان ہے تو کافر ہو جائے گا، اور بلا اختلاف اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور یہ آئمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ (الصارم المسلول، ص ۵)

امام ابوعبید القاسم بن سلام فرماتے ہیں۔ کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں کیے گئے ہجو کے ابیات میں سے ایک سطر بھی حفظ کی؛ اس انسان نے کفر کیا۔ اور بعض سلف نے کہا ہے کہ: جو انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی روایات نقل کرتا ہو اس سے حدیث لینا بالاجماع حرام ہے۔ (شفاء؛ امتاع الاسماع۔ احکام القرآن ۳/۸۶)

علامہ احمد بن دردیر مالکی علیہ الرحمہ اقرب المسالک کی شرح "الصغیر" میں لکھتے ہیں: من سب نبیا مجمعا علی نبوته، او عرض بسبّ نبی، بان قال عند ذکره، اما انا فلست بزان او سارق فقد کفر۔ وکذا ن الحق بنبی نقصاً، ون بدنه کعرج، وشلل، او وفور علمه، ذ کل نبی اعلم اهل زمانه وسیلهم اعلم الخلق۔

"جس نے کسی ایسے نبی کو گالی دی جس کی نبوت پر سب کا اتفاق ہے" یا اس کام کیا جو گالی سے مشابہ ہے" (یعنی عیب نکالا) اس طرح کہ اس کے تذکرہ کے وقت کہا: اے پر میں نہ ہی زانی ہوں" اور نہ ہی چور ہوں۔ اس سے وہ کافر ہو جائے گا"۔ اور ایسے ہی اگر اس نے کسی نبی پر کوئی نقص (کوتاہی) لگایا؛ (مثلاً اس نے کہا بیشک اس کے بدن میں لنگڑا پن ہے" یا شل ہے" یا ان کے علم وافر ہونے پر نقص لگایا" (اس سے بھی وہ کافر ہو جائے گا) اس لیے کہ ہر نبی اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے" اور ان کا سردار اور تمام مخلوق سے بڑھ کر عالم ہوتا ہے۔ (شرح الصغیر ۴/۴۴۲)

قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علمائے مالکیہ نے ایسے گستاخ ذمی کے قتل کے حکم پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے: اور اگر وہ اپنی قسموں کو توڑیں اور عہد شکنی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے بارے میں بدگوئیاں کریں، تو ان کفر کے سرغنوں سے لڑو۔ (التوبہ)

اس آیت قرآنی کے علاوہ علمائے مالکیہ نے سرکار دو عالم ﷺ کے عمل سے بھی استدلال کیا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کو اس کی گستاخیوں کی سبب سے قتل کروایا تھا۔ اس گستاخ کے علاوہ اور دوسرے گستاخ بھی تعمیل حکم نبوی امیں قتل کیے گئے تھے۔ (الشفاء)

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جو شخص بھی رسول کریم ﷺ کو گالی دے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا دین یا آپ ﷺ کی عادت میں نقص وعیب نکالے یا اسے ایسا شبہ لاحق ہو، جس سے آپ ﷺ کو گالی دینے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعداوت اور نقص وعیب کا پہلو نکلتا ہو، وہ دشنام دہندہ ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والے کا ہے اور وہ یہ کہ اسے قتل کیا جائے۔ اس مسئلہ کی کسی شاخ کو نہ مستثنیٰ کیا جائے اور نہ اس میں شک وشبہ روا رکھا جائے خواہ گالی صراحتاً دی جائے یا اشارۃً۔ وہ شخص بھی اسی طرح ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لعنت کرے یا آپ ﷺ کو نقصان پہنچانا چاہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بددعا کرے یا آپ ﷺ کی شان کے لائق نہ ہو یا آپ ﷺ کی کسی چیز کے بارے میں رکیک، بے ہودہ اور جھوٹی بات کرے یا جن مصائب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوچار ہوئے ان کی سبب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگائے یا بعض بشری عوارض کی سبب سے، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوچار ہوئے، آپ ﷺ کی تنقیص شان کرے، اس بات پر تمام علماء اور ائمہ الفتویٰ کا عہد صحابہ سے لے کر اگلے تاریخی ادوار تک اجماع چلا آ رہا ہے۔ (الصارم المسلول)

امام قرطبی علیہ الرحمہ اپنی مشہور تفسیر میں لکھتے ہیں: مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کہا کہ کعب بن اشرف کو بد عہدی کر کے قتل کیا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کہنے والے کی گردن ماری جائے۔ (کیونکہ کعب بن اشرف کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا بلکہ وہ مسلسل بدگوئی اور ایذاء رسانی کی سبب سے مباح الدم بن گیا تھا)۔

اسی طرح کا جملہ ایک اور شخص ابن یامین کے منہ سے نکلا تو کعب بن اشرف کو مارنے والے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کی مجلس میں یہ بات کہی جا رہی ہے اور آپ خاموش ہیں۔ خدا کی قسم! اب آپ کے پاس کسی عمارت کی چھت تلے نہ آؤں گا اور اگر مجھے یہ شخص باہر مل گیا تو اسے قتل کر ڈالوں گا۔ علماء نے فرمایا ایسے شخص

سے توبہ کے لیے بھی نہ کہا جائے گا بلکہ قتل کر دیا جائے گا جو نبی اکی طرف بدعہدی کو منسوب کرے۔ یہی وہ بات ہے، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن مسلمہ علیہ الرحمہ نے سمجھا، اس لیے کہ یہ تو زندقہ ہے۔ (تفسیر قرطبی)

اسلام (کافر ساب) کے قتل کو ساقط نہ کرے گا۔ کیونکہ یہ قتل نبی علیہ السلام کے حق کی سبب سے واجب ہو چکا ہے، کیونکہ اس نے آپ اکی بے عزتی کی ہے، آپ اپر نقص وعیب لگانے کا ارادہ کیا ہے، اس لئے اسلام لانے کی سبب سے بھی اس کا قتل معاف نہ ہوگا اور نہ یہ کافر مسلمان سے بہتر ہوگا، بلکہ بدگوئی کی سبب سے باوجود توبہ کے دونوں کو چاہے کافر ہو یا مسلم قتل کر دیا جائے گا۔

(تفسیر قرطبی)

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب

علامہ ابوبکر فارسی لکھتے ہیں۔ کہ قاضی شوکانی نے آئمہ وفقہاء شافعیہ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: "آئمہ شافعیہ میں سے ابوبکر فارسی؛ نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جس نے نبی علیہ السلام کو گالی دی اور صریحا قذف وتہمت لگائی وہ تمام علماء کے اتفاق سے کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس سے سزائے قتل زائل نہیں ہوگی کیونکہ اس کے نبی a پر تہمت لگانے کی سزا قتل ہے اور تہمت کی سزا توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ (نیل الاوطار ۷/۲۱۴)

حافظ ابن کثیرا لکھتے ہیں:،، نبی علیہ السلام پر طعن کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگایا اور تنقیص وتحقیر کی اور اسی سے نبی علیہ السلام کو گالی دینے والے کے قتل کی سزا اخذ کی گئی ہے۔ اسی طرح جس نے دین اسلام میں طعن کیا اور اسے تحقیر وتنقیص کے ساتھ ذکر کیا اس کی سزا بھی قتل ہے۔ (ابن کثیر ۲/۳۴۷)

علامہ شربینی شافعی علیہ الرحمہ مغنی المحتاج میں لکھتے ہیں: "جو کسی رسول کی تکذیب کرے' یا اسے گالی دے' یا ان کی ذات میں یا نام میں حقارت آمیز رویہ رکھے سووہ کافر ہو جائے گا'۔ (مغنی المحتاج 134/4)

باقی آئمہ وفقہاء شافعیہ کی رائے کے بارے میں ابن تیمیہ لکھتے ہیں: "مسائل اختلافیہ پر مشتمل کتب میں جس رائے کی تائید و نصرت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نبی a کو گالی دینا عہد ومعاہدہ کو توڑ دیتا ہے اور یہ فعل اس کے قتل کو واجب کر دیتا ہے جس طرح ہم نے خود امام شافعی سے ذکر کیا ہے۔ (توہین رسالت کی شرعی سزا، ۱۷)

علامہ ابوبکر فارسی لکھتے ہیں کہ قاضی شوکانی نے آئمہ وفقہاء شافعیہ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: "آئمہ شافعیہ میں سے ابوبکر فارسی نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جس نے نبی علیہ السلام کو گالی دی اور صریحا قذف وتہمت لگائی وہ تمام علماء کے اتفاق سے کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس سے سزائے قتل زائل نہیں ہوگی کیوں کہ اس کے نبی علیہ السلام پر تہمت لگانے کی سزا قتل ہے اور تہمت کی سزا توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ (نیل الاوطار ۷/۲۱۴)

امام شافعی علیہ الرحمہ سے صراحتاً منقول ہے کہ نبی کریم اکو گالی دینے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کر دینا چاہیے۔ ابن المنذر، الخطابی علیہ الرحمہ اور دیگر علماء نے ان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ اپنی کتاب الام میں فرماتے ہیں: جب حاکم وقت جزیہ کا عہد نامہ لکھنا چاہے تو اس میں مشروط کا ذکر کرے۔ عہد نامے میں تحریر کیا جائے کہ اگر تم میں سے کوئی

شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کتاب اللہ یا دینِ اسلام کا تذکرہ نازیبا الفاظ میں کرے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری اٹھ جائے گی، جو امان اس کو دی گئی تھی، ختم ہو جائے گی اور اس کا خون اور مال امیر المومنین کے لیے اس طرح مباح ہو جائے گا جس طرح حربی کافروں کے اموال اور خون مباح ہیں۔ (الصارم المسلول)

امام محمد علیہ الرحمہ بن سخنون بھی اجماع نقل کرتے ہیں۔ اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ نبی کریم اکو گالی دینے والا اور آپ اکی توہین کرنے والا کافر ہے اور اس کے بارے میں عذابِ خداوندی کی وعید آئی ہے۔ امت کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور جو شخص اس کے کفر اور اس کی سزا میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (درمختار، نسیم الریاض، شرح الشفاء)

صحیح بخاری کے مشہور شارح جلیل القدر محدث ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ اپنی کتاب فتح الباری میں لکھتے ہیں: ابن المنذر نے اس بات پر علماء کا اتفاق نقل کیا کہ جو نبی اکو گالی دے، اسے قتل کرنا واجب ہے۔ ائمہ شوافع کے معروف امام ابوبکر الفارسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جو شخص نبی علیہ السلام کو تہمت کے ساتھ برا کہے، اس کے کافر ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے، وہ توبہ کرے تو بھی اس کا قتل ختم نہ ہوگا کیونکہ قتل اس کے تہمت لگانے کی سزا ہے اور تہمت کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا میں امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا مذہب

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "المغنی" میں کہا ہے۔ "بیشک جو کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ پر بہتان لگائے 'اسے قتل کیا جائے گا' اگرچہ وہ توبہ ہی کیوں نہ کرلے' خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ بس اگر وہ اخلاص کے ساتھ توبہ کرے گا تو اس کی توبہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوگی۔ اور اس توبہ کی سبب سے اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔ مزید برآں وہ لکھتے ہیں: "اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشی کرنا اس کا وہی حکم ہے جو آپ کی والدہ پر بہتان تراشی کا ہے۔ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ پر بہتان کی سزا قتل اس لیے ہے کہ اصل میں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشی ہے" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں طعن ہے۔ (المغنی ۵۱۲/۱۲)

علامہ خرقی حنبلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ "جو کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشی کرے، اسے قتل کیا جائے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ (الکافی: ۱۵۹۴)

علامہ ابن عقیل حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی نبی کو گالی دے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی 'اس لیے کہ یہ آدمی کا حق ہے' جو ساقط نہیں ہوتا"۔ (لوامع الانوار البہیہ ۳۹۷/۱)

جو شخص رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا آپ اکی توہین کرے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، تو وہ واجب القتل ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ہر آدمی جو ایسی بات کرے، جس سے اللہ تعالیٰ کی تنقیصِ شان کا پہلو نکلتا ہو، وہ واجب القتل ہے؛ خواہ مسلم ہو یا کافر، یہ اہلِ مدینہ کا مذہب ہے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول اکی طرف گالی کا اشارہ کرنا ارتداد ہے، جو موجب قتل ہے۔ یہ اسی طرح جس طرح صراحتاً گالی دی جائے۔

ابوطالب سے مروی ہے کہ امام احمد علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

گالیاں دیتا ہو۔ فرمایا: اسے قتل کیا جائے، کیونکہ اس نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کر اپنا عہد توڑ دیا۔

حرب علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد علیہ الرحمہ سے ایک ذمی کے بارے میں سوال کیا کہ جس نے رسول کریم ﷺ کو گالی دی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ اسے قتل کیا جائے۔

امام احمد علیہ الرحمہ نے جملہ اقوال میں ایسے شخص کے واجب القتل ہونے کی تصریح ہے، اس لیے کہ اس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ اس مسئلہ میں ان سے کوئی اختلاف منقول نہیں۔ (الصارم المسلول)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے، آپ ﷺ کی توہین کرنے والے کے کفر اور اس کے مستحق قتل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ چاروں ائمہ (امام اعظم رضی اللہ عنہ علیہ الرحمہ، امام مالک علیہ الرحمہ، امام شافعی علیہ الرحمہ، امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ) سے یہی منقول ہے۔ (فتاویٰ شامی)

ائمہ اربعہ کی تصریحات کے بعد چاروں مذاہب کے جید اور محقق علمائے کرام نے اس خاص مسئلہ پر چار انمول کتب تصنیف فرما کر اتمام حجت کر دیا ہے اور ان میں گستاخ رسول کی سزا اپنے اپنے زاویہ نظر سے حد اً قتل قرار دی گئی ہے۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل میں اسلاف کا عملی کردار

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ کسی شخص سے ناراض ہوئے، تو وہ شخص درشت کلامی پر اتر آیا۔ میں نے کہا: اے خلیفہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں؟ میرے ان الفاظ سے ان کا سارا غصہ جاتا رہا، وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے، اور مجھے بلا لیا اور فرمایا: "اگر میں تمہیں اجازت دیتا تو تم یہ کر گزرتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ ضرور کرتا؛ آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں یعنی بدکلامی اور گستاخی کی سبب سے گردن اڑا دی جائے۔ (الصارم المسلول ۲۰۵- ابوداؤد ۲/۲۵۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "بنی خطمہ کی ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتی تھی؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے کون اس سے نجات دلائے گا، اس کی قوم کا ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اس نے کہا: اس کام کے لیے میں ہوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس نے جا کر اس عورت کو قتل کر دیا۔" (المسند شہاب للقضاعی ۲/۳۶)

علامہ واقدی نے اس واقع کی تفصیل لکھی ہے کہ یہ عورت عصمہ بنت مروان، یزید بن الخطمی کی بیوی تھی، بدر سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کو اس عورت کو قتل کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے جا کر اس عورت کو دیکھا کہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی تھی، انہوں نے بچے کو علیحدہ کر کے تلوار اس کے پیٹ سے پار کر دی۔ پھر فجر کے بعد انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی مدد کی ہے تو عمیر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لو۔ اور جب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو دیکھا کہ اس عورت کے بیٹے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ اسے دفن کر رہے تھے۔ جب سامنے آتے دیکھا تو وہ لوگ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف آئے، اور کہا: اے عمیر! اسے تو نے قتل کیا ہے؟ عمیر صلی اللہ علیہ

وسلم کہنے لگے: "ہاں، تم نے جو کرنا ہے کرلو، اور مجھے ڈھیل نہ دو؛ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تم سب وہ بات کہو جو وہ کہا کرتی تھی، تو میں تم سب پر اپنی تلوار سے وار کروں گا، یہاں تک کہ میں مارا جاؤں یا تمہیں قتل کردوں۔" اس دن سے اسلام بنی خطمہ میں پھیل گیا، قبل ازیں کچھ آدمی ڈر کے مارے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ (الصارم المسلول ۱۰۱)

علامہ واقدی لکھتے ہیں کہ: بنو عمرو بن عوف میں ابوعفک نامی ایک یہودی بوڑھا شخص تھا جس کی عمر ایک سو بیس سال سے زیادہ تھی، وہ مدینہ میں آ کر لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عداوت پر بھڑکایا کرتا تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر تشریف لے گئے؛ اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح اور کامرانی سے نوازا تو وہ حسد کرنے لگا، اور بغاوت پر اتر آیا، اس نے رسول اللہ اور صحابہ کرام کی ہجو میں ایک قصیدہ کہا۔ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے نذر مانی کہ میں اسے قتل کروں گا، یا اسے قتل کرتے ہوئے مارا جاؤں گا۔ سالم رضی اللہ عنہ غفلت کی تلاش میں تھے۔ موسم گرما کی ایک رات تھی، ابو عفک بنو عمرو کے صحن میں سو رہا تھا، حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ آئے، اور تلوار ابو عفک کے جگر پر رکھ دی؛ دشمن چیخنے لگا؛ اس کے ہم خیال بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئے۔ پہلے اس کے گھر میں لے گئے، اور پھر دفن کر دیا۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ "اس واقعہ میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ معاہد یا ذمی اگر اعلانیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے تو اس سے معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اسے دھوکے سے قتل کیا جا سکتا ہے۔ (الصارم المسلول ۹۴)

مرتد کے قتل کا بیان

2535- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ

◄◄ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
"جو شخص اپنا دین تبدیل کرلے اسے قتل کردو"۔

2536- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْ مُّشْرِكٍ اَشْرَكَ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ عَمَلًا حَتّٰى يُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ اِلَى الْمُسْلِمِيْنَ

◄◄ بہز بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:
"جو شخص اسلام قبول کرنے کے بعد مشرک ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کا کوئی بھی عمل قبول نہیں کرتا جب تک مشرکین سے علیحدہ ہو کر مسلمانوں کے پاس نہیں آ جاتا"۔

2535 اخرجه البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3017' ورقم الحدیث: 6922' اخرجه ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4351' اخرجه الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 1458' اخرجه النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 4070' ورقم الحدیث: 4071

2536 اخرجه النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 2435' ورقم الحدیث: 2565' ورقم الحدیث: 2567

مرتد سے متعلق احکام کا بیان

مرتد کسے کہتے ہیں؟: "مرتد" اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے یعنی ایمان واسلام کے نورانی دائرہ سے نکل کر کفر وشرک کے ظلمت کدوں میں چلا جائے۔

مرتد کے بارے میں حکم: جب کوئی مسلمان نعوذ باللہ، اسلام سے پھر جائے تو اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اگر وہ اسلام کے بارے میں کسی شک وشبہ کا شکار ہو تو اس کا شک وشبہ رفع کیا جائے گا، اگر چہ اسلام کی دعوت دینا اور اس کا شک وشبہ دور کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ اسلام کی دعوت اس کو پہلے ہی پہنچ چکی ہے اب اس کی تجدید دعوت کی احتیاج نہیں ہے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ ایسے شخص کو تین دن کے لئے قید میں ڈال دیا جائے اگر وہ ان تین دنوں میں توبہ کر کے دائرہ اسلام میں لوٹ آئے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اسلام نے مرتد کی سزا قتل مقرر کی ہے اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اگر وہ مہلت طلب کرے تب واجب ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ کے فرمان آیت (اقتلوا المشرکین) (مشرکوں کو قتل کر دو) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد حدیث (من بدل دینہ فاقتلوہ) (جس شخص نے اپنا دین اسلام تبدیل کر دیا اس کو قتل کر دو) سے یہی ثابت ہوتا کہ مرتد کو مہلت دینا واجب نہیں ہے۔

فساد برپا کرنے والے کون ہیں؟ حدیث کے دوسرے جزء کا تعلق فساد برپا کرنے والوں سے ہے یوں تو عام طور پر فساد برپا کرنے والے سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو زمین پر فتنہ وفساد اور لوٹ مچاتے ہیں اور قتل وغارت گری کے ذریعہ لوگوں کے امن وسکون کو تباہ وبرباد کرتے ہیں لیکن یہاں بطور خاص قطاع الطریق یعنی قزاق مراد ہیں کہ ان کی سزا بھی قتل ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ آیت (انما جزآء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا)۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور زمین پر فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔

ارتداد اور مرتد کے بارے میں کچھ تفصیلی مسائل واحکام

آج کل ہماری روزمرہ زندگی بڑی بے اعتدالیوں کی شکار ہے نہ ہمیں اپنی زبان پر قابو رہتا ہے، نہ ہم اپنے اعتقادات ونظریات کے دائرہ میں پوری طرح رہتے ہیں اور نہ ہماری افعال واعمال پابند احتیاط ہوتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی بہت سی باتیں ہماری زبانوں سے نکلتی رہتی ہیں جنہیں ہم بظاہر بالکل غیر اہم سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ باتیں ہمیں کفر کے دائرہ تک پہنچا دیتی ہیں اسی طرح ایسے بہت سے افعال واعمال ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہیں جنہیں ہم بہت معمولی سمجھتے ہیں لیکن آخر کار وہ ہمارے لئے سخت خسران آخرت کا ذریعہ بن جاتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ اس موقع پر اس بارے میں تفصیل کے ساتھ کچھ عرض کیا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری کے ایک باب میں مرتد کے احکام ومسائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ بس پورے باب کے علاوہ چند نادر الوجود مسائل کو یہاں نقل کیا جاتا ہے اس میں جو مسائل ہیں ان کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے تاکہ مرتد کے بارے میں احکام ومسائل ہونے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جو زبان سے ادا ہونے پر کفر تک پہنچا دیتے

ہیں یہ وہ کون سے عقائد واعمال ہیں جن کو اختیار کرنے والا کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ "مرتد" عرف عام میں اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے۔

وجود ایمان کے بعد کلمہ کفر کا زبان سے ادا ہونا مرتد ہونے کا رکن ہے اور مرتد کا حکم صحیح ہونے کے لئے عقل کا ہونا شرط ہے لہٰذا مجنوں اور بے عقل بچے پر مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے اور جس شخص پر جنون کی کیفیت مستقل طور پر طاری رہتی ہو تو اس پر مرتد کا حکم اس صورت میں لگے گا جب کہ وہ اپنے صحیح الدماغ ہونے کی حالت میں ارتداد کا مرتکب ہوا، اگر وہ اس وقت ارتداد کا مرتکب ہو جب کہ اس پر جنون کی کیفیت طاری تھی تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگے گا اسی طرح اس شخص پر بھی مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہوگا جو ہر وقت نشے کی حالت میں رہتا ہو اور اس کی عقل ماؤف ہو چکی ہو۔ مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص حالت بلوغ میں ارتداد کا مرتکب ہو اسی کو مرتد قرار دیا جائے جب کہ نابالغ پر بھی مرتد کا حکم لگ سکتا ہے اسی طرح مرد ہونا بھی مرتد کے حکم نافذ ہونے کے لئے شرط نہیں بلکہ اگر عورت ارتداد کی مرتکب ہوگی تو اس پر بھی مرتد کا حکم لگے گا۔

مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے رضا اور رغبت شرط ہے لہٰذا اس شخص پر مرتد ہونے کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا جس کو مرتد ہو جانے پر مجبور کیا گیا ہو۔ جس شخص کو برسام کی بیماری ہو اس کو کوئی ایسی چیز کھلا دی جائے جس سے اس کی عقل جاتی رہی اور ہزیان بکنے لگے اور پھر اسی حالت میں وہ مرتد ہو جائے تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اسی طرح جو شخص مجنوں ہو یا دسواسی ہو یا کسی بھی قسم کا مغلوب العقل ہو تو اس پر بھی مرتد کا حکم نہیں لگے گا۔ جیسا کہ ابتداء باب میں بیان کیا گیا، جو شخص مرتد ہو جائے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اور اگر اس کو کوئی شک وشبہ ہو تو اسے دور کیا جائے۔

اور پھر جب وہ دائرہ اسلام میں آنا چاہئے تو کلمہ شہادت پڑھے اور مذہب اسلام کے سوا اور سب مذاہب سے بیزاری کا اظہار کرے اور اسی مذہب سے بیزاری کا اظہار کرے جس کے دائرہ میں وہ اسلام کو چھوڑ کر گیا تھا تو یہ بھی کافی ہوگا۔ اور کوئی شخص مرتد ہونے کے بعد پھر اسلام میں لوٹ آئے اور پھر کفر کی طرف لوٹ جائے، اسی طرح تین مرتبہ کرے اور ہر مرتبہ امام وقت سے مہلت چاہے تو امام وقت اس کو تین تین دن کی تینوں مرتبہ تو مہلت دے دے لیکن اگر وہ پھر چوتھی بار کفر کی طرف لوٹے اور مہلت طلب کرے تو اب چوتھی بار امام وقت اس کو مہلت نہ دے بلکہ اگر وہ آخری طور پر دائرہ اسلام میں واپس آ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ اگر کوئی صاحب عقل لڑکا مرتد ہو جائے تو اس کا مرتد ہونا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد کے نزدیک معتبر ہوگا لہٰذا اس کو دائرہ اسلام میں آ جانے پر مجبور کیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے یہی حکم اس لڑکے کا ہے جو قریب البلوغ ہو۔ صاحب عقل لڑکے سے مراد ایسی عمر کا لڑکا ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ اسلام نجات کا ذریعہ ہے اور وہ اچھے اور برے میں اور میٹھے اور کڑوے میں تمیز کر سکتا ہو۔

بعض حضرات کے نزدیک وہ لڑکا مراد ہے جو سات سال کی عمر کو پہنچ گیا ہو۔ اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو قید میں ڈالے رکھا جائے اور ہر تیسرے دن اس کو بطور تنبیہ مارا جائے تا کہ وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے دائرہ اسلام میں آ جائے لیکن اگر کوئی شخص کسی مرتد عورت کو قتل کر دے تو قاتل پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔ کوئی

باندی مرتد ہو جائے تو اس کا مالک اس کو اسلام قبول کرنے پر بایں طور مجبور کرے کہ اس کو اپنے گھر میں محبوس کر دے اس سے خدمت لینے کے ساتھ ساتھ سزاء کچھ دوسرے کام بھی اس کے سپرد کر دے اور وہ مالک اس کے ساتھ صحبت نہ کرے۔

عاقلہ لڑکی کا وہی حکم ہے جو بالغہ کا ہے اسی طرح خنثیٰ مشکل بھی عورت کے حکم میں ہے۔ آزاد عورت جو مرتد ہو جائے اس کو اس وقت تک بطور باندی گرفتار نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ دارالاسلام میں ہے ہاں اگر وہ دارالحرب میں چلی جائے اور پھر وہاں سے وہ (اسلامی لشکر کے) قیدیوں میں آئے تو اس کو باندی بنایا جا سکتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نوادر میں سے ایک قول یہ ہے کہ مرتدہ کو دارالاسلام میں بھی بطور باندی گرفتار کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس قول پر اس عورت کے بارے میں فتویٰ دیا جائے جو خاوند والی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس عورت کا خاوند حکومت وقت سے اس کو باندی بنا لینے کی درخواست کرے یا اگر وہ خاوند اس کا مصرف (یعنی مسلمان) ہو تو حکومت وقت اس عورت کو خاوند کے تئیں ہدیہ کر دے۔ اس صورت میں خاوند اس عورت کو محبوس کرنے اور اسلام کے لئے اس کو سزاء مارنے کا ذمہ دار ہوگا۔ جب کوئی مرتد اپنے ارتداد سے انکار کر دے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دین اسلام کی حقانیت کا اقرار کرے تو یہ گویا اس کی طرف سے توبہ کا مظہر ہوگا اور اس صورت میں وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔ جب کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اس کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے لیکن یہ ملکیت کا زائل ہونا موقوف رہتا ہے اگر اس شخص کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی ملکیت بھی واپس آ جاتی ہے اور اگر وہ اسی حالت ارتداد میں مر جائے یا اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کے اس مال کے جو اس نے اسلام کی حالت میں کمایا تھا اس کے مسلمان وارث اور حقدار ہوں گے اور ان کو اس مال کا وہی حصہ ملے گا جو اس زمانہ میں اس کے دین کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچے گا وہ فئی شمار ہوگا۔

یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا قول ہے، صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک مرتد کی ملکیت زائل نہیں ہوتی۔ مرتد کی میراث پانے والے کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہ کے مختلف اقوال بیان کئے جاتے ہیں، چنانچہ حضرت امام محمد نے حضرت امام اعظم سے نقل کیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ جب مرتد مر جائے یا اس کو قتل کر دیا جائے اور یا وہ دارالحرب بھاگ جائے تو اس کا مسلمان وارث اس کی میراث پائے گا اسی طرح اس کے مر جانے یا قتل کئے جانے یا دارالحرب بھاگ جانے کے بعد اس کی مسلمان بیوی بھی اس کی مال کی وارث ہوگی بشرطیکہ اس (مرتد کی وفات یا قتل یا دارالحرب بھاگ جانے کے) وقت وہ بیوی عدت میں ہو کیونکہ وہ مرتد اپنے ارتداد کے ذریعہ گویا (اپنی بیوی کو اپنی میراث دینے سے) راہ فرار اختیار کرنے والا ہوا لہٰذا اس کا ارتداد مرض الموت کی مانند ہوا (کہ جس طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں طلاق مغلظہ دے دے تو شریعت اس امر کے پیش نظر کہ اس کے شوہر نے اس کو اپنی میراث سے محروم رکھنے ہی کے لئے مرض الموت میں طلاق دی ہے اس کو اس کے شوہر کی میراث کی حقدار تسلیم کرتی ہے اسی طرح مرتد بھی اپنے ارتداد کے ذریعہ گویا اپنی بیوی کو اپنی میراث سے محروم رکھنا چاہتا ہے اس لئے شریعت اس کے (علی الرغم) اس کی بیوی کو اس کی میراث کا حقدار تسلیم کرتی ہے، اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو (اس کے مرنے کے بعد) اس کا خاوند اس کی میراث کا حقدار نہیں ہوتا، ہاں اگر بیوی بیماری کی حالت میں مرتد ہوئی (پھر مر گئی) تو

اس کا شوہر اس کی میراث پائے گا اسی طرح تمام اقرباء اس کے سارے مال کے وارث ہوں گے یہاں تک کہ اس نے حالت ارتداد میں جو مال جمع کیا ہوگا وہ بھی ان وارثوں کو ملے گا۔

اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا گیا یا حاکم نے اس کے دارالحرب میں چلے جانے کا حکم نافذ کر دیا تو اس کا مدبر غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی امہات اولاد بھی آزاد ہو جائیں گی اور اس کے جو دیون مؤجلہ ہوں گے وہ فوری طور پر قابل ادائیگی ہو نگے اور اس نے حالت اسلام میں جو مال پیدا کیا تھا وہ سب اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اگر کسی مرتد نے اپنے زمانہ اسلام میں کوئی وصیت کی ہوگی تو مبسوط وغیرہ کی ظاہری روایت کے بموجب وہ وصیت مطلقاً باطل ہوگی یعنی اس کی وصیت کا اجراء نہیں ہوگا خواہ وہ اس وصیت کا تعلق کسی قرابت دار سے ہو یا غیر قرابت دار سے۔

مرتد جب تک دارالسلام میں گھومتا پھرتا نظر آئے اس کے بارے میں قاضی ان احکام میں سے کوئی بھی حکم نافذ نہ کرے جو ذکر کیے گئے ہیں، جو شخص مرتد ہو جائے، معاملات وعقودات میں اس کے تصرف کرنے کی چار قسمیں ہیں۔ اول تو وہ تصرف ہے جو سب کے نزدیک پوری طرح جاری ونافذ ہوتا ہے جیسے اگر اس کو کوئی چیز ہبہ کی جائے اور وہ اس ہبہ کو قبول کر لے، یا وہ اپنی لونڈی کو ام ولد بنا دے، یا جب اس کی لونڈی کسی بچے کو جنم دے اور وہ مرتد اس بچے کے نسب کا دعویٰ کرے (یعنی یہ کہے کہ یہ میرا بچہ ہے) تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ بچہ اس کے دوسرے وارثوں کے ساتھ اس کی میراث کا حقدار ہوگا اور وہ لونڈی (جس کے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے) اس مرتد کی ام ولد ہوگی نیز مرتد کی طرف سے تسلیم شفعہ کو قبول ونافذ کیا جائے گا، اسی طرح اگر مرتد اپنے ماذون غلام پر "حجر" نافذ کرے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

دوسرا تصرف وہ ہے جو بالاتفاق باطل ہوتا ہے یعنی شریعت کی نظر میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جیسے نکاح کرنا کہ وہ مطلقاً جائز نہیں مفاوضت کرے تو اس کا حکم موقوف (معلق) رہتا ہے کہ اگر وہ مرتد مسلمان ہو گیا تو وہ شرکت مفاوضت بھی نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ ارتداد کی حالت میں مر گیا یا اس کو قتل کر دیا گیا یا وہ دارالحرب چلا گیا اور قاضی وحاکم نے اس کے دارالحرب چلے جانا کا حکم نافذ کر دیا تو اس صورت میں وہ شرکت مفاوضت شروع سے شرکت عنان میں تبدیل ہو جائے گی، یہ صاحبین کا مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک شرکت مفاوضت سرے سے باطل ہی نہیں ہوتی۔

چوتھا تصرف وہ ہے جس کے موقوف رہنے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں جیسے خرید وفروخت کے معاملات اجارہ کرنا، غلام کو آزاد کرنا، مدبر کرنا یا مکاتب کرنا، وصیت کرنا اور قبض دیون وغیرہ، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ ان سب معاملات میں مرتد کے تصرفات موقوف رہتے ہیں اگر وہ اسلام قبول کرے تو نافذ ہو جاتے ہیں اور اگر مر جائے، یا قتل کر دیا جائے یا قاضی وحاکم اس کے دارالحرب چلے جانے کا حکم نافذ کر دے تو یہ سارے تصرفات باطل ہو جاتے ہیں۔ ارتداد کے دوران مکاتب کے سارے تصرفات نافذ ہوتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے مرتد غلام یا باندی کو فروخت کرے تو اس کی بیع جائز ہوتی ہے۔

اگر کوئی مرتد اپنے ارتداد سے تائب ہو کر دارالاسلام واپس آ جائے اور یہ واپسی قاضی وحاکم کی طرف سے اس کے دارالحرب چلے جانے کے حکم کے نفاذ سے پہلے ہو تو اس کے مال واسباب کے بارے میں اس کے مرتد ہو جانے کا حکم باطل ہو جاتا ہے اور وہ

ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ مسلمان ہی تھا اور نہ اس کی کوئی ام ولد آزاد ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی مدبر آزاد ہوتا ہے اور اگر اس کی واپسی قاضی وحاکم کے حکم کے نفاذ کے بعد ہوتی تو وہ اپنے وارثوں کے پاس جو چیز پائے اس کو لے لے اور جو مال و اسباب اس کے وارثوں نے بیع ہبہ اور عتاق وغیرہ کے ذریعہ اپنی ملکیت سے نکال دیا ہے اس کے مطالبہ کا حق اس کو نہیں پہنچے گا اور اپنے وارثوں سے اس کو ایسے مال کا بدلہ ومعاوضہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔

جو شخص اپنے ماں باپ کی اتباع میں مسلمان تھا (یعنی وہ بچہ تھا اور اپنے مسلمان ماں باپ کی وجہ سے مسلمان کے حکم میں تھا) اور پھر ارتداد کے ساتھ بالغ ہوا تو اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے مگر اس کے بارے میں ازراہ استحسان یہ حکم ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے (کیونکہ بلوغ سے پہلے وہ مستقل بالذات مسلمان نہیں تھا بلکہ اپنے ماں باپ کی اتباع میں مسلمان کے حکم میں تھا) اسی طرح یہی حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو چھوٹی عمر میں مسلمان ہو گیا تھا مگر جب بالغ ہوا تو مرتد تھا، نیز اگر کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور پھر وہ اسلام سے پھر گیا تو اس کو بھی ازراہ استحسان قتل نہ کیا جائے لیکن ان تمام صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اس کو اسلام قبول کر لینے پر مجبور کیا جائے اور اگر اسلام قبول کرنے سے پہلے کسی نے اس کو مار ڈالا تو مارنے والے پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

لقیط (وہ بچہ جو کہیں پڑا ہوا پایا جائے) اگر دار الاسلام میں ہو تو اس کے مسلمان ہونے کا حکم نافذ کیا جائے اور کفر کی حالت میں بالغ ہو تو اس کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے لیکن اس کو قتل نہ کیا جائے۔ یہاں تک تو مرتد کے بارے میں کچھ احکام ومسائل کا ذکر تھا، اب کچھ ان باتوں کو بیان کر دینا ضروری ہے جن کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے چنانچہ ان میں سے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق ایمان واسلام سے ہے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وغیرہ سے ہے، بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق نماز، روزے اور زکوۃ سے ہے، بعض باتیں وہ ہے جن کا تعلق علم اور علماء سے ہے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق حلال وحرام وغیرہ سے ہے، بعض باتیں وہ جن کا تعلق قیامت وغیرہ سے ہے اور بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق کفر کی تلقین کرنے سے ہے۔

چونکہ یہ ایک طویل سلسلہ ہے اس لئے ان باتوں کو یعنی موجبات کفر کو ترتیب کے ساتھ الگ الگ عنوان کے ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔ وہ موجبات کفر جن کا تعلق ایمان واسلام سے ہے ایمان واسلام کے بارے میں وہ باتیں جن کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے، یہ ہیں۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ "مجھے نہیں معلوم، میرا ایمان ہے یا نہیں؟" تو یہ خطائے عظیم ہے، ہاں اور اس بات کا مقصد اپنے شک کی نفی کرنا ہو تو خطائے عظیم نہیں ہے۔ جس شخص نے اپنے ایمان میں شک کیا اور یہ کہا کہ "میں مومن ہوں ان شاء اللہ" تو وہ کافر ہے ہاں اگر وہ یہ تاویل کرے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس دنیا سے ایمان کے ساتھ اٹھوں گا یا نہیں؟ تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا جس شخص نے یہ کہا کہ "قرآن مخلوق ہے، یا ایمان مخلوق ہے" تو وہ کافر ہو گیا۔ جس شخص نے یہ عقیدہ رکھا کہ ایمان وکفر ایک ہیں تو وہ کافر ہے۔

جو شخص ایمان پر راضی ومطمئن نہ ہوا وہ کافر ہے جو شخص اپنے نفس کے کفر پر راضی ہوا وہ کافر ہے اور جو شخص اپنے غیر کے کفر پر راضی ہوا اس کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں اور فتویٰ اس قول پر ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غیر کے کفر پر اس لئے راضی

ہوا تا کہ وہ (کافر) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے تو وہ کافر نہیں ہوگا اور اگر وہ اس کے کفر پر اس لئے راضی ہوا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں اس چیز کا اظہار کرے جو اس کی صفات کے لائق نہیں ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

جس شخص نے یہ کہا کہ اسلام کی صفت نہیں جانتا، تو وہ کافر ہو گیا۔ شمس الائمہ حلوائی نے اس مسئلہ کو بڑے سخت انداز میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کہنے والا ایسا شخص ہے جس کے لئے نہ دین ہے، نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ طاعت وعبادت ہے نہ نکاح ہے اور اس کی اولاد زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد ہے۔ایک مسلمان نے کسی عیسائی لڑکی سے نکاح کیا جس کے ماں باپ بھی عیسائی ہیں اور پھر وہ اس حال میں بڑی ہوئی کہ وہ کسی مذہب اور دین کو نہیں جانتی یعنی نہ تو وہ دین کو دل سے پہنچانتی ہے اور نہ اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق ہو جائے گی۔ اسی طرح کسی مسلم بچی سے نکاح کیا اور پھر جب وہ حالت عقل میں بالغ ہوئی تو نہ وہ اسلام کو دل سے جانتی پہنچانتی ہے اور اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس کے شوہر کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

اگر کسی عورت سے پوچھا گیا کہ "توحید کیا ہے" اس نے جواب میں کہا" میں نہیں جانتی" تو اس جواب سے اس امر کی مراد اگر یہ ہو کہ مجھے وہ توحید (یعنی کلمہ توحید) یاد نہیں ہے جو بچے مکتب میں پڑھا کرتے ہیں، تو اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں۔ لیکن اگر وہ اس جواب سے یہ مراد رکھتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں پہنچانتی تو اس صورت میں وہ مؤمنہ نہیں رہے گی اور اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔

اگر کوئی شخص اس حالت میں مرا کہ وہ یہ نہیں پہنچانتا تھا کہ کوئی میرا خالق ہے، اس کے گھر کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک اور گھر بھی ہے اور یہ کہ ظلم حرام ہے تو وہ مؤمن نہیں تھا۔ ایک شخص گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ (گناہ کے ذریعہ) اپنے اسلام کو ظاہر کرنا چاہئے تو وہ کافر ہے۔ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں مسلمان ہوں تو اس نے جواب میں کہا کہ تجھ پر بھی لعنت اور تیری مسلمانی پر بھی لعنت، تو وہ کافر ہو گیا۔

ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد اس کا (عیسائی) باپ مر گیا، اس نے کہا کہ کاش میں اس وقت مسلمان نہ ہوتا تو اپنے باپ کا مال پا جاتا، وہ کافر ہو گیا۔ ایک عیسائی کسی مسلمان کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ میرے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرو تا کہ میں تمہارے ہاتھ پر اسلام قبول کرلوں اس مسلمان نے جواب دیا کہ تم فلاں عالم کے پاس چلے جاؤ تا کہ وہ تمہارے سامنے اسلام پیش کرے۔ اور تم اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرو۔

اس طرح کہنے والے کے بارے علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اس طرح کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔ ایک کافر نے اسلام قبول کیا تو ایک مسلمان نے اس سے کہا کہ تمہیں اپنے دین میں کیا برائی نظر آئی تھی (جو تم نے اسلام قبول کر لیا؟) یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، احکام المرتدین، بیروت)

ارتداد سے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

اس کی ایک صورت یہ ہے کہ زوجین ایک ساتھ مرتد ہو جائیں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک مرتد ہو اور

دوسرا مسلمان رہے۔ اگر زوجین ایک ساتھ مرتد ہوجائیں تو شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ خلوت سے پہلے ایسا ہو تو فوراً، اور خلوت کے بعد ہو تو عدت کی مدت ختم ہوتے ہی دونوں کا وہ نکاح ختم ہو جائے گا جو حالت اسلام میں ہوا تھا۔ اس کے برعکس حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر چہ قیاس یہی کہتا ہے کہ ان کا نکاح فسخ ہو جائے، لیکن حضرت ابوبکر کے زمانہ میں جو فتنہ ارتداد برپا ہوا تھا اس میں ہزارہا آدمی مرتد ہوئے، پھر مسلمان ہوگئے، اور صحابہ کرام نے کسی کو بھی تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا، اس لیے ہم صحابہ کے متفقہ فیصلے کو قبول کرتے ہوئے خلاف قیاس یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ زوجین کے ایک ساتھ مرتد ہونے کی صورت میں ان کے نکاح نہیں ٹوٹتے۔

(المبسوط، ہدایہ، فتح القدیر، الفقہ علی المذاہب اربعہ)

اگر شوہر مرتد ہو جائے اور عورت مسلمان رہے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک فوراً نکاح ٹوٹ جائے گا، خواہ ان کے درمیان پہلے خلوت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن شافعیہ اور حنابلہ اس میں خلوت سے پہلے اور خلوت کے بعد کی حالت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ اگر خلوت سے پہلے ایسا ہوا ہو تو فوراً نکاح ہو جائے گا، اور خلوت کے بعد ہوا ہو تو زمانہ عدت تک باقی رہے گا، اس دوران میں وہ شخص مسلمان ہو جائے تو زوجیت برقرار رہے گی، ورنہ عدت ختم ہوتے ہی اس کے ارتداد کے وقت سے نکاح فسخ شدہ شمار کیا جائے گا، یعنی عورت کو پھر کوئی نئی عدت گزارنی نہ ہوگی۔ چاروں فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ خلوت سے پہلے یہ معاملہ پیش آیا ہو تو عورت کو نصف مہر، اور خلوت کے بعد پیش آیا تو پورا مہر پانے کا حق ہوگا۔

اور اگر عورت مرتد ہوگئی ہو تو حنفیہ کا قدیم فتویٰ یہ تھا کہ اس صورت میں بھی نکاح فوراً فسخ ہو جائے گا، لیکن بعد کے دور میں علمائے بلخ وسمرقند نے یہ فتویٰ دیا کہ عورت کے مرتد ہونے سے فوراً فرقت واقع نہیں ہوتی، اور اس سے ان کا مقصد اس امر کی روک تھام کرنا تھا کہ شوہروں سے پیچھا چھڑانے کے لیے عورتیں کہیں ارتداد کا راستہ اختیار نہ کرنے لگیں۔

مالکیہ کا فتویٰ بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر قرائن یہ بتا رہے ہو کہ عورت نے محض شوہر سے علیحدگی حاصل کرنے کے لیے بطور حیلہ ارتداد اختیار کیا ہے تو فرقت واقع نہ ہوگی۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ عورت کے ارتداد کی صورت میں بھی قانون وہی ہے جو مرد کے ارتداد کی صورت میں ہے، یعنی خلوت سے پہلے مرتد ہو تو فوراً نکاح فسخ ہو جائے گا، اور خلوت کے بعد ہو تو زمانہ عدت گزرنے تک نکاح باقی رہے گا، اس دوران میں وہ مسلمان ہو جائے تو زوجیت کا رشتہ برقرار رہے گا۔ ورنہ عدت گزرتے ہی نکاح وقت ارتداد سے فسخ شمار ہوگا۔ مہر کے بارے میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ خلوت سے پہلے اگر عورت مرتد ہوئی ہے تو اسے کوئی مہر نہ ملے گا، اور اگر خلوت کے بعد اس نے ارتداد اختیار کیا ہو تو وہ پورا مہر پائے گی۔ (المبسوط۔ ہدایہ۔ فتح القدیر۔ المغنی۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

بَابُ اِقَامَةِ الْحُدُوْدِ

یہ باب حدود قائم کرنے کے بیان میں ہے

حد قائم کرنا چالیس دن کی بارش سے بہتر ہونے کا بیان

2537 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ سِنَانٍ عَنْ اَبِى الزَّاهِرِيَّةِ عَنْ اَبِىْ شَجَرَةَ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فِىْ بِلَادِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی کسی بھی ایک حد کو قائم کرنا' اللہ تعالیٰ کے شہروں میں چالیس دن تک بارش ہونے سے بہتر ہے''۔

شرح

اس کی وجہ یہ ہے کہ حد جاری کرنا گویا مخلوق کو گناہ سے اور معاصی کے ارتکاب سے روکتا ہے اور یہ آسمان کے دروازوں کے کھلنے یعنی نزول برکات کا سبب ہے، اس کے برخلاف حدود کو معاف کرنا یا ان کو جاری کرنے میں سستی کرنا گویا مخلوق کو گناہ ومعاصی میں مبتلا ہونے کا موقع دینا ہے اور یہ چیز یعنی گناہ ومعاصی کا پھیل جانا قحط سالی میں گرفتار ہونے کا سبب اور انسان ہی نہیں بلکہ غیر انسانی مخلوق کو بھی ہلاکت وبربادی کے دروازے پر پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

منقول ہے کہ حباری بنی آدم کے گناہوں کے سبب مارے دبلاپے کے مرجاتا ہے یعنی انسان عمومی طور پر برائیوں کی راہ پر لگ جاتا ہے اور گناہ ومعاصی کے ارتکاب کی کثرت ہوجاتی ہے تو اس کی نحوست سے اللہ تعالیٰ بارش نہیں برساتا اور جب بارش نہیں ہوتی تو صرف انسانوں ہی کے لئے قحط نہیں پھیلتا بلکہ اس کی وجہ سے چرند وپرند بھی اپنے رزق سے محروم ہوجاتے ہیں اور وہ بھی مرنے لگتے ہیں۔ "حباری" ایک جانور کا نام ہے یہاں خاص طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ دور دور سے اپنے لئے چارہ تلاش کرکے لاتا ہے۔

2538 - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ اَنْبَاَنَا عِيْسَى بْنُ يَزِيْدَ قَالَ اَظُنُّهُ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِىْ زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيْرٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدٌّ يُعْمَلُ بِهٖ فِى الْاَرْضِ خَيْرٌ لِّاَهْلِ الْاَرْضِ مِنْ اَنْ يُمْطَرُوا اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''ایک ایسی حد جس پر زمین میں عمل کیا جائے وہ زمین والوں کے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ چالیس دن تک ان پر بارش ہوتی رہے''۔

2537 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2538 اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 4919' ورقم الحدیث 4920

2539- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ أَبَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَحَدَ آيَةً مِّنَ الْقُرْآنِ فَقَدْ حَلَّ ضَرْبُ عُنُقِهِ وَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ فَلَا سَبِيلَ لِأَحَدٍ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ يُّصِيبَ حَدًّا فَيُقَامَ عَلَيْهِ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص قرآن کی کسی ایک آیت کا انکار کرے اس کی گردن اڑانا جائز ہے اور جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی ایک معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' تو اب کسی شخص کو اسے قتل کرنے کا حق نہیں ہے صرف ایک صورت ہی مختلف ہے وہ کسی قابل حد جرم کا ارتکاب کرے تو اس پر حد جاری کردی جائے''۔

2540- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَالِمٍ الْمَفْلُوجُ حَدَّثَنَا عُبَيْدَةُ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ الْوَلِيدِ عَنْ أَبِي صَادِقٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ نَاجِدٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقِيمُوا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِي الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ وَلَا تَأْخُذْكُمْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ

◆◆ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''قریب اور دور میں (اس سے مراد قریبی عزیز اور دور کا عزیز بھی ہو سکتا ہے، قریبی جگہ اور دور کی جگہ بھی مراد ہو سکتی ہے) میں اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرو اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو''۔

حد اور تعزیر میں فرق

حد اور تعزیر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حد تو شریعت میں عقوبت ہے جو اللہ کا حق قرار دی گئی ہے اسی لئے اس کو حق اللہ کہا جاتا ہے بایں وجہ کہ اس میں کوئی بندہ تصرف نہیں کر سکتا، اور تعزیر کو حق اللہ کہا جاتا ہے بایں وجہ کہ بندہ اس میں تصرف کر سکتا ہے یعنی اگر وہ کوئی مصلحت دیکھے تو قابل تعزیر مجرم کو معاف بھی کر سکتا ہے اور موقع ومحل اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا میں کی زیادتی اور تغیر وتبدل بھی کر سکتا ہے، حاصل یہ کہ حد تو اللہ کی طرف سے متعین ہے جس میں کوئی تصرف ممکن نہیں اور تعزیر قاضی یا حکومت کے سپرد ہے اسی عدم تقدیر وتحقیق کی بناء پر تعزیر کو حد نہیں کہا جاتا۔

چونکہ "قصاص" بھی بندہ کا حق ہے کہ وہ اپنے اختیار سے مجرم کو معاف کر سکتا ہے اس لئے اس کو بھی "حد" نہیں کہا جاتا۔ اور امام مالک نے امام زہری سے بیان کیا ہے۔ یہ طریقہ اور سنت چل رہی ہے کہ حدود اور نکاح اور طلاق میں عورت کی گواہی جائز نہیں، اور جس میں مذکورہ شرط پائی جائے اسے بھی اس پر قیاس کرو۔

احناف کہتے ہیں، وہ معاملات جس میں دو مرد گواہ یا پھر ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوتی ہے وہ حدود اور قصاص کے

2539: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔ 2540: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

معاملات کے علاوہ باقی معاملات ہیں، چاہے وہ مال ہو یا غیر مال، مثلاً نکاح طلاق، آزادی، وکالت، وصیت اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو، تا کہ ایک بھول چوک کو دوسری یاد کرا دے)۔ (البقرۃ، 282)

اور جمہور نے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو صرف مال یا مال کے معنی والے معاملات میں ہی اقتصار کیا ہے، مثلاً بیع، اور حوالہ، ضمان، مالی حقوق، مثلاً اختیار، اور مدت وغیرہ۔

اور کچھ ایسے معاملات ہیں جس میں صرف عورتوں کی ہی گواہی قبول کی جاتی ہے، اور وہ ولادت اور رضاعت، اور پیدائش کے وقت بچے کا چیخنا، اور وہ چھپے عیوب جن پر اجنبی مرد مطلع نہیں ہو سکتا، اس میں صرف عورت کی گواہی ہی قبول کی جائے گی۔

لیکن ان امور کے ثبوت میں گواہوں کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے، کہ ان امور میں کتنی عورتوں کی گواہی ہو تو وہ معاملہ پایا ثبوت تک پہنچے گا، اس میں پانچ قول ہیں۔

اور کچھ ایسے معاملات بھی ہیں جس میں صرف ایک گواہ کی گواہی قبول کی جاتی ہے، چنانچہ رمضان المبارک کا چاند دیکھنے میں ایک عادل شخص کی گواہی قبول کی جائے گی، اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے: "لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔ (الموسوعۃ الفقهية (26/226-229)

دوسرا معاملہ: زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی گواہی میں شرط یہ ہے کہ مسلمان اور آزاد اور عادل ہونے کے علاوہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور پوری وضاحت اور دقیق وصف کے ساتھ بیان کریں، اس میں مرد اور اجنبی عورت کا ایک جگہ جمع ہونے کو دیکھ کر بیان کرنا کافی نہیں، چاہے انہیں اس نے بے لباس بھی دیکھا ہو، اور اس گواہی کی خصوصیت میں یہ شامل ہے۔

ابن رشد رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ اور گواہوں سے زنا کا ثبوت: علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ گواہوں سے زنا ثابت ہو جاتا ہے، اور باقی سارے حقوق کے برخلاف اس میں چار گواہوں کی شرط ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے۔ پھر وہ چار گواہ پیش نہ کر سکیں۔

اور وہ گواہ عادل ہوں، اور اس گواہی کی شرط یہ ہے کہ انہوں نے مرد کی شرمگاہ کو عورت کی شرمگاہ میں دیکھا ہو، اور پھر یہ صراحت کے ساتھ بیان کیا جائے نہ کہ اشارہ کنایہ کے ساتھ۔ (بداية المجتهد، 2/439)

اور امام الماوردی کہتے ہیں۔ اور زنا میں گواہی کا طریقہ اور وصف یہ ہے کہ اس میں گواہوں کا یہ کہنا کافی نہیں۔ ہم نے اسے زنا کرتے دیکھا، بلکہ انہیں وہ وصف بیان کرنا ہوگا جس زنا کا انہوں نے مشاہدہ کیا ہے، اور وہ اس طرح کہیں: ہم نے مرد کا عضو تناسل عورت کی شرمگاہ میں اس طرح داخل ہوتے دیکھا جس طرح سرمہ ڈالنے کی سلائی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے۔ ایسا تین امور کی بنا پر کیا جائے گا۔

اول: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز رضی اللہ عنہ کے اقرار کو ثابت کرنے کے لیے فرمایا: کیا تو نے اس طرح دخول کیا جس طرح کہ سرمہ ڈالنے والی سلائی سرمہ دانی میں داخل ہو جاتی ہے، اور پانی کا ڈول کنوئیں میں؟ تو اس نے کہا: جی ہاں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا" تو یہ چیز اقرار میں بطور ثبوت پوچھی گئی تو پھر گواہی میں بالاولیٰ یہ طریقہ ہوگا۔

دوم: جب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گواہوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زنا کی گواہی دی اور وہ گواہ: ابوبکرہ، اور نافع، اور نفیع، اور زیاد تھے تو ابوبکرہ اور نافع اور نفیع نے صراحت کے ساتھ بیان کیا، لیکن زیاد کو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ بیان کرو، اور مجھے امید ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تیری زبان سے صحابی کی ہتک نہیں کریگا۔ تو زیادہ کہنے لگا۔ میں نے ایک نفس کو اوپر ہوتے دیکھا، یا دوسرین اوپر دیکھے، اور میں نے اس عورت کی ٹانگیں اس کی گردن پر دیکھیں گویا کہ وہ دونوں ٹانگیں گدھے کے کان ہوں۔ اے امیر المومنین میں نہیں جانتا کہ اس کے پیچھے کیا تھا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے اللہ اکبر کہا، اور گواہی ساقط کردی اور اسے مکمل نہ سمجھا۔

سوم: زنا لفظ مشترک ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ آنکھیں زنا کرتی ہیں، اور ان کا زنا دیکھنا ہے، اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں، اور ان کا زنا پکڑنا اور چھونا ہے، اور اس سب کی تصدیق یا تکذیب شرمگاہ کرتی ہے" اس لیے زنا کے ثبوت کی گواہی میں اس احتمال کی نفی کے لیے لازم ہے کہ انہوں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ بیان کریں، کہ مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں داخل تھی۔ (الحاوی (227/13)

تیسرا معاملہ: زنا کے معاملہ میں اس شدت کے ساتھ گواہی کی تخصیص میں عزت وناموس کی حفاظت میں مزید احتیاط ہے، تاکہ لوگ طعن اور تہمت لگانا آسان نہ سمجھیں۔

اور اس باریکی اور دقیق وصف کے ساتھ گواہی کی شرط ہونے کی بنا پر کسی شخص پر زنا کی حد کا جاری ہونا بہت مشکل ہے، الا یہ کہ وہ خود اعتراف کرلے، اور جس شخص پر اتنی دقیق اور باریکی سے گواہی دیے جانے پر حد جاری ہو تو یہ اس جرات اور شنیع فعل کی دلیل ہے جس کی سزا میں وہ عبرت ناک سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

امام ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں: " جس معاملے کی گواہی دی جارہی ہے اس کے سخت ہونے اور شدید ہونے کے اعتبار سے گواہی بھی شدید ہوگی، جب زنا اور لواطت وبدکاری سب سے برے اور فحش کام میں شامل ہوتی ہے جن سے منع کیا گیا ہے تو اس کے آخر میں گواہی بھی اتنی ہی شدید رکھی گئی، تاکہ حرمت کی بے پردگی نہ ہو، اور اسے ختم کرنے کا باعث بنے۔ (الحاوی (226/13)

ابن تیمیہ کہتے ہیں۔ زنا پر گواہی کی وجہ سے کوئی حد نہیں لگائی جاسکتی، اور میرے علم کے مطابق تو گواہی کے ساتھ زنا کی حد لگائی ہی نہیں گئی، بلکہ یہ یا تو اعتراف یا پھر حیلہ کے ساتھ لگائی جاتی ہیں۔ (منہاج السنۃ (95/6)

بَاب مَنْ لَّا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ

یہ باب ہے کہ کس پر حد جاری نہیں ہوتی؟

2541 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَعَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ

2541: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4404' ورقم الحدیث: 4405' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1584' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 2430' ورقم الحدیث: 4996

عُمَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيَّ يَقُوْلُ عُرِضْنَا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ فَكَانَ مَنْ اَنْبَتَ قُتِلَ وَمَنْ لَّمْ يُنْبِتْ خُلِّيَ سَبِيْلُهٗ فَكُنْتُ فِيْمَنْ لَّمْ يُنْبِتْ فَخُلِّيَ سَبِيْلِيْ

◄◄ حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہمیں غزوہ قریظہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو جس شخص کے زیرناف بال اگ چکے تھے اسے قتل کر دیا گیا اور جس کے نہیں اُگے تھے اسے چھوڑ دیا گیا تو میں ان لوگوں میں شامل تھا جس کے زیرناف بال نہیں اُگے تھے مجھے چھوڑ دیا گیا۔

بچوں کی سزا کی شرعی حیثیت کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لاترفع عنهم عصاك ادبا واخفهم فى الله** (احمد)

اولاد کو دین سکھانے اور دیندار بنانے کے لئے ان پر لاٹھی برساتے رہو اور انہیں اللہ کے معاملے میں ڈراتے رہو۔ لاتـرفـع لاٹھی پڑتی رہے اٹھاؤ مت ادبا کے معنی ہیں دینی تربیت کے لئے ادب یہ ہے کہ دیندار بنے اپنی اولاد کو اللہ کے بندے بنائیں۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوڑا ایسی جگہ لٹکاؤ کہ گھر والے دیکھتے رہیں۔ (عبدالرزاق طبرانی کبیر سیوطی)

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے اہل وعیال کی دینی تربیت کے لئے اپنے گھر میں کوڑا لٹکایا۔

(ابن عدی مناوی سیوطی)

جب بچے گھر میں داخل ہوں تو سب سے پہلے کوڑے پر نظر پڑے گھر میں آتے جاتے کھیلتے کودتے کوڑا نظر آتا رہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بتا رہا ہوں۔

اللہ پر ایمان ہے تو احکام الٰہیہ سے غفلت کیوں؟ میں یہ تنبیہ کرتا رہتا ہوں کہ دن میں دو بار ایک بار صبح ایک بار شام سوچا کریں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے یا نہیں۔ ویسے تو سب جلدی سے کہہ دیں گے کہ ہاں ہاں ہمارا تو ایمان بہت پکا ہے ہم تو پکے مومن ہیں مگر اس کی کوئی کسوٹی معیار مقیاس الحرارۃ (تھرمامیٹر) بھی تو ہو۔ اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پکا ایمان ہے تو پھر انہوں نے جو احکام صادر فرمائے ہیں ان کی طرف توجہ کیوں نہیں جاتی؟ ابھی جو دو حدیثیں بتائی ہیں کیا ان کی طرف توجہ جاتی ہے؟ آج کے مسلمان کا خیال یہ ہے کہ حدیثیں گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے تھیں دوسروں کو ان پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت لقمان علیہ السلام کا ارشاد ہے: والد کی مار اولاد کے لئے ایسی ہے جیسا کہ کھیتی کے لئے پانی (درمنثور) آج کل تو لوگ یہی کہتے ہیں کہ نہیں نہیں مارو مت مارو مت اس طرح تو بچہ صحیح نہیں رہے گا بیٹا بیٹا کہتے رہو۔

تربیت میں اعتدال

اصلاح منکرات میں ایک بہت بڑی چیز اپنی اولاد کی اصلاح ہے۔ اس میں بھی اعتدال ہونا چاہئے اعتدال کا اصل ہے حکم شریعت کا اتباع اسی کا نام اعتدال ہے اگر کوئی اپنا اعتدال قائم کرلے کہ یہ ہمارے ہاں اعتدال ہے تو وہ قابل قبول نہیں۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ مالک کا حکم کیا ہے اگر کوتاہی کرتا ہے اصلاح نہیں کرتا تو مجرم ہوگا اور اگر اصلاح کرتا ہے اور اس اصلاح میں ایسا جذبہ طاری

ہو جاتا ہے ایسا غصہ آ جاتا ہے ایسی غیرت وحمیت محسوس ہوتی ہے کہ شرعی حدود کی پابندی نہیں کرتا تو بھی مجرم ٹھہرے گا۔ اس لئے کہ یہ اپنا کام نہیں کام تو مالک کا ہے۔ اپنی عزت کے خلاف کوئی چیز نظر آ رہی ہے اپنے مقام کے خلاف نظر آ رہی ہے اپنے دینی تصلب اور مضبوطی کے خلاف کوئی چیز نظر آ رہی ہے یا یہ بھی خیال آ سکتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ اس کی اولاد کیسی ہے اور کیوں ان کی اصلاح نہیں کرتا الغرض یہ باتیں سامنے آ جائیں تو سوچنا چاہئے کہ میری عزت کیا چیز ہے؟ اللہ کا حکم سامنے ہونا چاہئے کہ یہ اس کا حکم ہے۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں حکم پر عمل کرنے میں عزت رہے یا بے عزتی ہو کچھ بھی فرق نہیں پڑتا۔ صحیح دین یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابع رہے یہی مدنظر رہے کہ ان کا حکم کیا ہے۔

اولاد کی تربیت والد کی ذمہ داری

اولاد کی تربیت کے بارے میں پہلے ایک مسئلہ سمجھ لیں جب تک اولاد نابالغ ہے شریعت نے ان پر والد کو حاکم بنا دیا ہے ان کی تربیت اس پر لازم ہے کہ نرمی سختی سے حسب موقع کام لے پٹائی کی ضرورت ہو تو پٹائی کرے کسی ناجائز کام کی اجازت ہرگز نہ دے پورے طور پر ان کی نگرانی کرے شریعت نے اس کے ذمہ لگایا ہے پٹائی کیسی کرنی چاہئے یہ بحث الگ ہے مگر بہرحال تصلب اسے کہتے ہیں کہ شریعت نے والد کو اولاد پر مسلط کر دیا ہے وہ جبر ان کی اصلاح کرے جب تک اولاد نابالغ ہے۔ جب بالغ ہو گئی تو شریعت نے اس کا اختیار ختم کر دیا اب انہیں مارنا جائز نہیں زبانی تفہیم اور دعاء پر اکتفا کرے۔

صحیح تربیت کا اثر: بچوں کو محبت سے سمجھایا جائے تو وہ بہت جلدی اثر قبول کرتے ہیں

جس صورت میں جسمانی سزا ضروری ہو (کہ اس کے بغیر اصلاح نہ ہو سکے)، تو کوشش ہو کہ کم سے کم سزا سے مقصود حاصل ہو جائے، مثلاً ابتداء صرف کان پکڑوائے جائیں وغیرہ، اگر اس سے بھی کام نہ ہو، تو صرف ہاتھ سے ایک یا دو یا زیادہ سے زیادہ تین تھپڑ مارے جائیں، لیکن چہرہ، سر، شرم گاہ اور پیٹ پر مارنے سے احتراز کیا جائے اور یہ تین تھپڑ مختلف مقامات پر ہوں، ایک ہی جگہ پر تین تھپڑ نہ ماریں، مارنے سے نہ دل پر اثر پڑے، نہ ہڈی تک اثر پہنچے، نہ کھال چھلے اور نہ خون نکلے۔

خاتم الفقہاء علامہ امین الدین ابن عابدین المعروف شامی قدس سرہ السامی اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں

لایجوز ضرب ولد الحر بامر ابیه اما المعلمه فله ضربه لمصلحة التعليم وقيده الطرلوسی بان يكون بغير آلة جارحة وبان لا يزيد علىٰ ثلاث ضربات ورده الناظم بانه لاوجه له ويحتاج الى نقل وافرة الشارح قال الشربنلالى والنقل فى كتاب الصلوة يضرب الصغير باليد لا بالخشبة ولا يزيد على ثلث ضربات انتهى (ردالمحتار مطبوعہ بیروت (276/5)

احکام الصغار ص 16 مطبوعہ بیروت پر موجود ہے کہ نماز نہ پڑھنے والے دس سالہ بچے کو اور شاگرد کو استاد اور باپ چھڑی سے نہ ماریں بلکہ ہاتھ سے ماریں اور تین ضربوں سے زیادہ نہ لگائیں

مراۃ المناجیح میں ہے کہ استاذ مارے جبکہ بعد میں ظاہر ہو کہ بچے کا قصور نہ تھا جو استاذ پر قصاص نہیں لیکن اگر معاذ اللہ بچہ مر گیا تو دیت لازم ہے۔ (مراۃ المناجیح ج5 ص(320-216)

مذکورشامی کی عبارت سے بھی یہ ظاہر کہ ڈنڈے سے سخت بار نہ مارے بلکہ فقط ہاتھ استعمال کرے اور تین سے زائد ضربیں نہ لگائے۔ (شامی جلد خامس ص376 مطبوعہ بیروت)

الحاصل استاد اپنے شاگرد کو ادب سکھانے کے لئے نیت صالح کے ساتھ سزا تو دے سکتا ہے لیکن چھڑی استعمال نہ کرے بلکہ ہاتھ سے زیادہ سے زیادہ تین ضربیں لگائیں اور وہ بھی منہ پر نہ مارے کہ اس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ اذا ضرب احدکم فلیتق الوجه (مشکوۃ المصابیح باب التعزیر ص (316) جب تم میں سے کوئی مارے تو چہرے سے بچے۔ اس فرمان عالی میں ہزار ہا حکمتیں ہیں ہم نے بعض متقی استادوں کو دیکھا کہ وہ شاگرد کی پیٹھ پر چپت مارتے ہیں منہ پر تھپڑ نہیں مارتے۔ (مراۃ المناجیح ج5 ص326)

2542- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيَّ يَقُوْلُ فَهَا اَنَا ذَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ

◄► حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وجہ سے میں اب تمہارے سامنے موجود ہوں۔

2543- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ وَّاَبُوْ مُعَاوِيَةَ وَاَبُوْ اُسَامَةَ قَالُوْا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عُرِضْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ وَّاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمْ يُجِزْنِيْ وَعُرِضْتُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَاَجَازَنِيْ قَالَ نَافِعٌ فَحَدَّثْتُ بِهٖ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فِيْ خِلَافَتِهٖ فَقَالَ هٰذَا فَصْلُ مَا بَيْنَ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: غزوۂ اُحد کے موقع پر مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا میں اس وقت چودہ برس کا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (جنگ میں شامل ہونے کی) اجازت نہیں دی' پھر غزوہ خندق کے موقع پر مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا میں اس وقت 15 سال کا تھا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی۔

نافع کہتے ہیں میں نے یہ روایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو سنائی یہ ان کے دور خلافت کی بات ہے' تو انہوں نے فرمایا: یہ نابالغ اور بالغ کے درمیان بنیادی فرق ہے۔

بچے اور پاگل زانی پر عدم حد کا بیان

اور جب کسی بچے یا مجنون نے ایسی عورت کے ساتھ زنا کیا جس نے ان کو موقع دیا تو زانی و مزنیہ دونوں پر حد واجب نہ ہو گی۔ جبکہ امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ کے نزدیک مزنیہ پر حد واجب ہوگی۔ اور حضرت امام ابویوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح ایک روایت ہے اور جب کسی تندرست صحیح وسالم آدمی نے کسی مجنونہ یا ایسی چھوٹی بچی سے جماع کیا کہ ایسی عورت سے جماع ہوسکتا ہے تو صرف مرد پر حد جاری کی جائے گی اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

حضرت امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کا عذر مرد سے سقوط حد کو لازم نہیں ہے لہٰذا مرد کا عذر بھی

2543 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 2664 'اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 4814

عورت کے لئے سقوط حد کولازم نہ ہوگا کیونکہ ان میں سے ہرایک کا عمل اپنے ماخذ سے ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ زنا کا فعل مرد سے ثابت ہوا ہے جبکہ عورت محل ہی نہیں ہے کیونکہ مرد کو وطی کرنے والا اور زنا کرنے والا کہا جاتا ہے اور عورت کو وطی شدہ یا زنا کی ہوئی کہا جاتا ہے البتہ مفعول کو اسم فاعل کا نام دیکر اس کو مجازی طور پر مزنیہ کہا گیا ہے جس طرح راضیہ کو مرضیہ کے معنی میں بولتے ہیں یا پھر اس سبب سے کہ موقع دینے کے سبب عورت زنا کا سبب پیدا کرنے والی ہے۔ پس بدترین کام پر قدرت دینے کے سبب اس پر حد ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ اس شخص کا کام ہے جس کو اس کام سے رکنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کام کو سرانجام دینے کی وجہ سے وہ گناہگار ہوگا اور بچے کا فعل اس طرح نہ ہوگا پس اس پر حد مرتب نہ ہوگی۔ (ہدایہ)

اجرائے حد یعنی حد کے جاری ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جس پر حد واقع ہو رہی ہے وہ صاحب عقل ہو دیوانہ، مجنون او ر پاگل نہ ہو۔ کیونکہ یہ سزا حصول عبرت کے لیے ہے اس لیے اس مجرم کے پاس عقل، احساس اور ادراک کا ہونا شرط ہے۔ جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رخ مبارک پھیر لیا۔ وہ اعتراف کرتا رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رخ انور پھیرتے رہے یہاں تک کہ اس نے اپنے گناہ پر چار مرتبہ شہادت دی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تو پاگل ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری۔ ج 2 رقم الحدیث، 1007)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا جس پر حد جاری کی جارہی ہو وہ صحیح العقل ہونا چاہیے۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد جاری کرنے سے پہلے تحقیق فرمائی۔

امام کے بغیر آقا کے حد جاری نہ کرنے کا بیان

اور آقا اپنے غلام پر حاکم کی اجازت کے بغیر حد قائم نہ کرے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس کو حد قائم کرنے کا اختیار حاصل ہے کیونکہ آقا کو غلام پر امام کی طرح ولایت مطلق طور پر حاصل ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ولایت حاصل ہے کیونکہ آقا کو غلام میں تصرف کا مالک ہے۔ جس کا امام مالک نہیں ہے لہٰذا یہ تعزیر کی ہو جائے گا۔

ہماری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چار چیزیں امام کے سپرد ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے حدود کو بھی بیان کیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور حد کا مقصد دنیا سے فساد کو ختم کرنا ہے لہٰذا بندے کے ساقط کرنے سے حد ساقط نہ ہو گی۔ پس حد وہی شخص قائم کرے گا جو شریعت کا نائب ہوگا اور وہ امام ہے یا اس کا خلیفہ ہے البتہ تعزیر میں ایسا نہیں ہے کیونکہ تعزیر بندے کا حق ہے۔ اسی دلیل کے پیش نظر بچوں کو سزا دی جاتی ہے حالانکہ بچوں سے شریعت کا حق معاف ہے۔ (ہدایہ، کتاب حدود، لاہور)

حد جاری کرنے میں حاکم کے منصب کا بیان

حد قائم کرنا بادشاہ اسلام یا اسکے نائب کا کام ہے یعنی باپ اپنے بیٹے پر یا آقا اپنے غلام پر نہیں قائم کرسکتا۔ اور شرط یہ ہے کہ جس پر قائم ہو اس کی عقل درست ہو اور بدن سلامت ہو لہٰذا پاگل اور نشہ والے اور مریض اور ضعیف الخلقت پر قائم نہ کریں گے بلکہ

پاگل اور نشہ والا جب ہوش میں آئے اور بیمار جب تندرست ہو جائے اس وقت حد قائم کریں گے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

بَاب السِّتْرِ عَلَى الْمُؤْمِنِ وَدَفْعِ الْحُدُوْدِ بِالشُّبُهَاتِ

یہ باب ہے کہ مومن کی پردہ داری کرنا اور شبہ کی وجہ سے حدود کو پرے کر دینا

2544- حَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ”جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ داری کرتا ہے“۔

2545- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْجَرَّاحِ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْفَعُوا الْحُدُوْدَ مَا وَجَدْتُمْ لَهُ مَدْفَعًا

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ”جہاں تک تمہیں حدود پرے کرنے کی گنجائش ملے تم حدود پرے کر دو“۔

2546- حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ أَبَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ كَشَفَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ كَشَفَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ حَتّٰى يَفْضَحَهُ بِهَا فِيْ بَيْتِهِ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

”جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی بے پردگی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی بے پردگی کرے گا، یہاں تک کہ اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس شخص کے اپنے گھر میں اس کو رسوا کر دے گا“۔

شرح

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو۔ اگر اس کے لیے کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو امام کا غلطی سے معاف کر دینا غلطی سے سزا دینے سے بہتر ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 1461)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی مسلمان سے دنیاوی مصائب میں سے

2544۔ اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2546۔ اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کوئی مصیبت دور کرے اللہ تعالی اس سے قیامت کے دن مصیبت دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالی اسکی دنیا وآخرت میں پردہ پوشی کریں گے۔ اللہ بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں رہے اس باب میں حضرت عقبہ بن عامر اور ابن عمر سے بھی روایات منقول ہیں حضرت ابوہریرہ کی حدیث کو کئی راوی اعمش سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ اعمش، ابوصالح سے وہ ابوہریرہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوعوانہ ہی کی حدیث کی طرح نقل کرتے ہیں۔ اسباط بن محمد، اعمش سے وہ ابوہریرہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں ہم سے یہ حدیث عبید بن اسباط بن محمد اپنے والد کے واسطے سے اعمش سے نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث 1463)

حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے ہلاکت میں ڈالے جس نے اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کی اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی مصیبتوں کو دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ یہ حدیث ابن عمر کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث 1464)

شبہ کی تعریفات واقسام کا بیان

شبہ کی دو اقسام ہیں۔ (۱) فعل میں شبہ ہونا، اس کو اشتباہ بھی کہا جاتا ہے۔ (۲) محل میں شبہ ہونا، اس کو شبہ حکمی کہا جاتا ہے لہذا پہلی قسم اس شخص کے حق میں ثابت ہوگی جس کا کام مشتبہ ہو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انسان ایسی چیز کو دلیل سمجھ بیٹھے جو دلیل نہ ہو اور ثبوت اشتباہ کے لئے ظن اور وہم کا ہونا ضروری ہے۔

دوسری قسم ایسی دلیل کے پائے جانے سے بھی ثابت ہو جائے گی جو خود بہ خود حرمت کی نفی کرنے والی ہو اور یہ قسم مجرموں کے ظن اور ان کے خیال پر موقوف نہیں ہے۔ جبکہ حد ان دونوں اقسام سے ساقط ہو جاتی ہے۔

کیونکہ حدیث مبارکہ میں مطلق طور حکم بیان ہوا ہے۔ اور جب زانی لڑکے کا دعویٰ کرے تو دوسری قسم کی صورت میں اس نسب ثابت ہو جائے گا۔ جبکہ پہلی قسم میں دعویٰ کرنے کے باوجود نسب ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ قسم اول میں فعل محض زنا ہے۔ جس کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا ہے جو اس کی طرف لوٹنے والی ہے۔ اور اس فعل پر مشتبہ ہونا ہے جبکہ دوسری قسم میں فعل محض زنا نہیں ہے۔ فعل میں شبہ ہونے کے آٹھ مقام ہیں۔

(۱) اپنے باپ کی باندی سے وطی کرنے میں شبہ ہونا (۲) اپنی ماں کی باندی سے وطی کرنے میں شبہ ہونا (۳) اپنی بیوی کی باندی سے وطی کرنے میں شبہ ہونا (۴) بیوی کو طلاق ثلاثہ دینے کے بعد اس کی عدت میں اس سے جماع کرنے میں شبہ ہونا (۵) مال کے بدلے بیوی کو طلاق بائنہ دے کر اس کی عدت میں اس سے وطی کرنے میں شبہ ہونا (۶) اپنی ام ولد کو آزاد کر کے اس کی عدت میں اس سے جماع کرنے میں شبہ ہونا (۷) غلام کا اپنے آقا کی باندی سے جماع کرنے میں شبہ ہونا (۸) مرتہن کا مرہونہ باندی سے جماع کرنے میں شبہ ہونا ہے۔ کتاب الحدود کی روایت کے مطابق ان تمام مواقع پر جب واطی یہ کہہ دے کہ میں نے

اس لئے وطی کی تھی یہ عورت میرے لئے حلال تھی تو حد ساقط ہو جائے گی۔اور اگر اس نے کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ عورت مجھ پر حرام تھی تو حد واجب ہو جائے گی۔

شبہ کے فائدہ سے ملزم کو بچانے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حد کی سزا سے بچاؤ اگر مسلمان (ملزم) کے لئے بچاؤ کا ذرا بھی کوئی موقع نکل آئے تو اس کی راہ چھوڑ دو یعنی اس کو بری کر دو کیونکہ امام یعنی حاکم ومنصف کا معاف کرنے میں خطا کرنا، سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے اور اس کا سلسلہ رواۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچایا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ کا اپنا ارشاد ہے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے کیونکہ جس سلسلہ سند سے یہ حدیث موقوف ثابت ہوتی ہے وہ اس سلسلہ سند سے زیادہ صحیح اور قوی ہے جس سے اس کا حدیث مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الحدود)

اس ارشاد کے مخاطب دراصل حکام ہیں جنہیں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے بارے میں کوئی ایسا قضیہ ان کے پاس آئے جس کی سزا حد ہے مثلاً زنا کا قضیہ، تو انہیں چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اس مسلمان کو حد سے بچانے کی کوشش کریں اور شبہ کا جو بھی موقع نکلتا ہو اس کا فائدہ ملزم کو پہنچائیں، یہی نہیں بلکہ وہ ملزم کو عذر کی تلقین کریں یعنی اس سے پوچھیں کہ کیا تم دیوانے ہو؟ کیا تم نے شراب پی رکھی ہے؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے اس عورت سے زنا کے ارتکاب کے بجائے اس کا بوسہ لے لیا ہو یا شہوت کے ساتھ اس کو چھولیا ہو۔اور اب تم اس کو اپنے اقرار میں زنا سے تعبیر کر رہے ہو غرضیکہ اس سے اس قسم کے سوالات کئے جائیں تاکہ وہ اس تلقین عذر کی بنا پر کوئی عذر بیان کر دے جس سے حد کا اجراء نہ ہو سکے اور وہ بری ہو جائے، چنانچہ ماعز وغیرہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس قسم کے سوالات کئے ان کا مقصد بھی تلقین عذر تھا۔

آخر میں نے جو یہ فرمایا کہ امام کے معاف کرنے میں خطاء سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے تو اس کا منشاء بھی مذکورہ بالا بات کو مبالغہ وتاکید کے ساتھ بیان کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے ملزم کو بری کر دے اور اس کے اس فیصلہ میں کوئی غلطی ہو جائے یا وہ ملزم کو سزا دینے کا فیصلہ کرے اور اس میں کوئی غلطی ہو جائے تو اگرچہ غلطی کے اعتبار سے دونوں ہی فیصلے محل نظر ہوں گے اور انصاف کے معیار پر پورے نہیں اتریں گے لیکن چونکہ ملزم کی برات میں بہر حال ایک مسلمان کی جان وعزت بچ جائے گی۔اس لئے یہ غلطی اس غلطی سے بہتر ہوگی جو سزا کے فیصلہ میں سرزد ہو اور جس کے نتیجے میں ایک مسلمان کو اپنی جان اور عزت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

شبہ سے سقوط حدود پر اجماع کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فقہائے امصار وبلاد کا اس پر اجماع ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔شبہ وہ ہے جو ثابت تو نہ ہو لیکن ثابت کے مشابہ ہو، علمائے احناف نے شبہ کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) شُبْهَةٌ فِي الْفِعْل اس کو شُبْهَةُ الْاِشْتِبَاه بھی کہتے ہیں۔(۲) شُبْهَةٌ فِي الْمَحَل (۳) شُبْهَةٌ فِي الْعَقْد
پہلی قسم شُبْهَةُ الاشْتِبَاه کی صورت یہ ہے کہ جیسے کسی پر اس شے کی حلت وحرمت مشتبہ ہوجائے جیسے وہ یہ بدگمانی کرے اس کی بیوی کی لونڈی سے مجامعت ووطی کرنا حلال ہے یا اپنے باپ ماں یا دادا کی باندی سے وطی کرنا اس کے لیے جائز ہے یا یہ گمان کرے کہ اسے اپنی مطلقہ ثلثہ سے دوران عدت وطی کرنا جائز ہے۔ان صورتوں میں اگر اس نے وطی کرلی تو اس پر حد قائم نہ ہوگی لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ مجھے اس کا علم تھا کہ یہ حرام ہیں تو اس پر حد قائم کردی جائے گی۔

دوسری قسم شُبْهَةٌ فِي الْمَحَل کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی باندی، طلاق بالکنایہ سے مطلقہ، فروخت کردہ باندی جس کو ابھی خریدار کے قبضہ میں نہیں دیا ہے اور وہ باندی جو اپنی بیوی کے مہر میں دی لیکن ابھی اس کو بیوی کے قبضہ میں نہیں دیا ہے وغیرہا ان تمام صورتوں میں اگر وہ ان کے ساتھ وطی کریگا تو اس پر حد قائم نہ ہوگی اگر چہ وہ یہ اقرار کرے کہ میں ان کے حرام ہونے کو جانتا تھا۔

تیسری قسم شُبْهَةٌ فِي الْعَقْد کی صورتیں یہ ہیں کہ کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا بعد عقد نکاح اس سے وطی کی اگر وہ یہ کہے کہ مجھے اس کے حرام ہونے کا علم تھا تو فتویٰ اس پر ہے کہ اس پر حد قائم کی جائے گی اور اگر اسے علم نہ تھا حد قائم نہ ہوگی۔ایسے ہی اس عورت سے وطی کرنا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔اسی طرح شراب کو دوا کے طور پر پیا (بشرطیکہ معالج نے ضروری قرار دیا ہو) ان تمام صورتوں میں حد قائم نہ کی جائے گی۔چونکہ حدود شبہ سے ساقط ہوجاتی ہیں اسی لیے حدود عورتوں کی شہادت سے ثابت نہیں ہوتیں نہ كِتَابُ الْقَاضِي اِلَى الْقَاضِي سے اور نہ شَهَادَت عَلَي الشَّهَادَت سے نہ حالت نشہ میں حدود خالصہ کے اقرار سے کہ ان تمام صورتوں میں شبہات ہیں ان کے علاوہ شبہات کی اور صورتیں بھی ہیں۔

(الاشباہ والنظائر، ص ۱۰۹، ایچ ایم سعید کراچی)

محل شبہ کے چھ مواقع کا بیان

اور محل میں شبہ ہونے کے چھ مواقع ہیں۔(۱) اپنے بیٹے کی باندی سے جماع کرنے میں شبہ ہونا (۲) کنایہ الفاظ سے طلاق بائنہ دینے کے بعد اپنی مطلقہ سے جماع کرنے میں شبہ ہونا (۳) فروخت کردہ باندی سے اس کو مشتری کے سپرد کرنے سے قبل اس سے جماع کرنے میں شبہ ہونا (۴) بیوی کو کوئی باندی مہر کے طور دینے کے بعد اور بیوی کا قبضہ کرنے سے پہلے اسی باندی سے شوہر کے وطی کرنے میں شبہ ہونا (۵) مشترکہ باندی سے کسی ایک کے وطی کرنے میں شبہ ہونا (۶) کتاب الرہن کے مطابق مرہونہ باندی سے مرتہن کے وطی کرنے میں شبہ ہونا ہے۔یہ تمام مواقع پر حد واجب نہ ہوگی۔اگر چہ جماع کرنے والا یہ کہے کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھ پر حرام تھی۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک عقد سے شبہ ثابت ہوجاتا ہے۔حالانکہ عقد کی حرمت متفق علیہ ہے۔جبکہ واطی حرمت کو جاننے والا ہو۔اور دوسرے فقہاء کے نزدیک اگر واطی عقد کی حرمت کو جاننے والا ہے تو شبہ ثابت نہ ہوگا اور محرم سے نکاح میں اس اختلاف کا ثمرہ ظاہر ہوگا۔(ہدایہ، کتاب حدود، لاہور)

بَاب الشَّفَاعَةِ فِي الْحُدُوْدِ

یہ باب حدود میں سفارش کرنے کے بیان میں ہے

2547- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ الْمِصْرِيُّ أَنْبَأَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللَّهِ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ فَقَالَ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا هَلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ سَمِعْتُ اللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ قَدْ أَعَاذَهَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ تَسْرِقَ وَكُلُّ مُسْلِمٍ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَقُولَ هَذَا

◄◄ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' قریش بنومخزوم سے تعلق رکھنے والی ایک عورت کے بارے میں بہت پریشان تھے جس نے چوری کی تھی انہوں نے کہا: اس عورت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون بات چیت کرسکتا ہے؟ تو انہوں نے یہ سوچا کہ یہ جرأت صرف حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کر سکتے ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس بارے میں بات کی گئی' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہے ہو؟ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اسی لیے ہلاکت کا شکار ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی صاحب حیثیت شخص چوری کرتا تھا' تو وہ اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تھا' تو اس پر حد جاری کر دیتے تھے اللہ کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چوری کی ہوتی' تو میں اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیتا۔''

محمد بن رمح بیان کرتے ہیں: میں نے لیث بن سعد کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ نے انہیں چوری کرنے سے محفوظ رکھا تھا (محمد بن رمح کہتے ہیں) ہر مسلمان کو بھی ایسا ہی کہنا چاہئے۔

2548- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ أُمِّهِ عَائِشَةَ بِنْتِ مَسْعُودِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهَا قَالَ لَمَّا سَرَقَتِ الْمَرْأَةُ تِلْكَ الْقَطِيفَةَ مِنْ

2547: اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث:3475' ورقم الحدیث:3732' ورقم الحدیث:6787' ورقم الحدیث:6788' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 4386' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:4373' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث:1430' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 4914

2548: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

تِهِتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْظَمْنَا ذٰلِكَ وَكَانَتِ امْرَاَةً مِّنْ قُرَيْشٍ فَجِئْنَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُكَلِّمُهُ وَقُلْنَا نَحْنُ نَفْدِيْهَا بِاَرْبَعِيْنَ اُوْقِيَّةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُطَهَّرَ خَيْرٌ لَّهَا فَلَمَّا سَمِعْنَا لِيْنَ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَيْنَا اُسَامَةَ فَقُلْنَا كَلِّمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ قَامَ خَطِيْبًا فَقَالَ مَا اِكْثَارُكُمْ عَلَيَّ فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَعَ عَلٰى اَمَةٍ مِّنْ اِمَاءِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ ابْنَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ نَزَلَتْ بِالَّذِيْ نَزَلَتْ بِهٖ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا

◄► عائشہ بنت مسعود اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتی ہیں: جب اس عورت نے نبی اکرم ﷺ کے گھر میں سے ایک چادر چوری کرلی تو ہم نے اسے بہت بڑا جرم سمجھا، اس عورت کا تعلق قریش سے تھا، ہم اس بارے میں بات چیت کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم نے عرض کی: ہم اس کے فدیے میں چالیس اوقیہ دیتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس کا پاک کردیا جانا اس کے لیے زیادہ بہتر ہوگا''۔

جب ہم نے اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کے الفاظ میں نرمی محسوس کی تو ہم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ہم نے کہا آپ اللہ کے رسول ﷺ سے اس بارے میں بات چیت کیجئے، جب نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ملاحظہ فرمائی تو آپ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم لوگ اللہ تعالیٰ کی ایک حد کے بارے میں کتنا زیادہ اصرار کر رہے ہو جو اللہ تعالیٰ کی ایک کنیز پر جاری ہوتی ہے، اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! اگر فاطمہ بنت رسول اللہ نے وہی عمل کیا ہوتا جو اس عورت نے کیا ہے تو محمد (ﷺ) اس کے ہاتھ کو بھی کٹوا دیتا''۔

شرح

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ) قریشی صحابہ ایک مخزومی عورت کے بارے میں، بہت فکر مند تھے جس نے چوری کی تھی (اور لوگوں سے عاریۃ) سامان لے کر مکر بھی جاتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا) ان قریشی صحابہ نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اس عورت کے مقدمہ میں کون شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو (یعنی سفارش) کر سکتا ہے اور پھر انہوں نے یہ کہا کہ حضرت اسامہ ابن زید سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت وتعلق ہے اس لئے اس بارے میں آپ سے کچھ کہنے کی جرأت اسامہ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہو سکتی (چنانچہ ان سب نے حضرت اسامہ کو اس پر تیار کیا کہ وہ اس عورت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کریں) حضرت اسامہ نے (ان لوگوں کے کہنے پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی بات سن کر) فرمایا کہ "تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے

بارے میں سفارش کرتے ہو؟" اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے خطبہ دیا اور (حمد وثنا کے بعد اس خطبہ میں) فرمایا کہ "تم سے پہلے لوگ جو گذرے ہیں ان کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ ان میں سے کوئی شریف آدمی (یعنی دنیاوی عزت وطاقت رکھنے والا) چوری کرتا تو وہ اس کو (سزا دیئے بغیر) چھوڑ دیتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی کمزور وغریب آدمی چوری کرتا تو سزا دیتے تھے، قسم ہے اللہ کی! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں۔" (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا "ایک مخزومی عورت (کی یہ عادت) تھی کہ وہ لوگوں سے عاریۃً کوئی چیز لیتی اور پھر اس سے انکار کر دیتی تھی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دے دیا (جب) اس عورت کے اعزا (کو اس کا علم ہوا تو وہ) حضرت اسامہ کے پاس آئے اور ان سے اس بارے میں گفتگو کی (کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں) اور پھر حضرت اسامہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق عرض کیا۔" اس کے بعد حدیث کے وہی الفاظ مذکور ہیں جو اوپر کی حدیث میں نقل کئے گئے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 759)

حدیث میں جس عورت کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام فاطمہ بنت اسود ابن الاسد تھا اور وہ حضرت ابوسلمہ کے بھائی کی بیٹی تھی، چونکہ وہ بنی مخزوم سے تھی جو قریش کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اس لئے قبیلہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کو "مخزومیہ" کہا گیا ہے۔ اس حدیث کے بموجب علماء کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ جب حد کا کوئی قضیہ امام (حاکم) کے پاس پہنچ جائے تو اس کے بعد مجرم کے حق میں امام سے سفارش کرنا بھی حرام ہے اور کسی دوسرے سے سفارش کرانا بھی حرام۔ ہاں امام کے پاس قضیہ پہنچنے سے پہلے سفارش کرنے کرانے کی اکثر علماء نے اجازت دی ہے بشرطیکہ جس شخص کے حق میں سفارش کی جائے وہ شریف اور لوگوں کو ایذاء پہنچانے والا نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی ایسے جرم وگناہ کا ارتکاب کیا ہو جس میں حد جاری نہ ہوتی ہو بلکہ "تعزیر" نافذ ہوتی ہو تو اس کے حق میں سفارش کرنا اور سفارش کرانا بہر صورت جائز ہے خواہ اس کا قضیہ امام کے پاس پہنچ چکا ہو یا نہ پہنچا ہو کیونکہ ایسی صورت میں سفارش کرنا نہ صرف یہ کہ آسان ہے بلکہ مستحب بھی ہے بشرطیکہ جس شخص کے حق میں سفارش کی جائے وہ کوئی شریف اور لوگوں کو ایذاء پہنچانے والا نہ ہو۔ مسلم کی جو دوسری روایت نقل کی گئی ہے اس کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اس جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا دی تھی کہ وہ لوگوں سے عاریۃً چیزیں لے کر مکر جاتی تھی حالانکہ یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے اور شرعی مسئلہ کے بھی منافی ہے، چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری روایت میں "انکار کا ذکر محض اس عورت کا حال بتانے کے لئے ہے کہ وہ عورت اس قسم کی تھی اور اس کو قطع ید کی جو سزا دی گئی اس کا تعلق اس کے چوری کے جرم سے تھا جیسا کہ پہلی روایت (جس کو بخاری ومسلم دونوں نے نقل کیا ہے) میں بیان ہوا۔ گویا حاصل یہ نکلا کہ دوسری روایت لفظ وتجحدہ کے بعد لفظ فسرقت مقدر ہے، یعنی یہ لفظ "فسرقت" اگرچہ عبارت میں نہیں ہے مگر اس کے معنی مراد لئے جائیں گے۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص کسی سے عاریۃً کوئی چیز لے کر اس سے مرجائے اس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی جب کہ حضرت امام احمد اور اسحاق کا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کا بھی ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔

بَاب حَدِّ الزِّنَا

یہ باب زنا کی حد کے بیان میں ہے

2549- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَهِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَّشِبْلٍ قَالُوْا كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اَنْشُدُكَ اللّٰهَ لَمَا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَ خَصْمُهُ وَكَانَ اَفْقَهَ مِنْهُ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاْذَنْ لِّیْ حَتّٰی اَقُوْلَ قَالَ قُلْ قَالَ اِنَّ ابْنِیْ كَانَ عَسِيْفًا عَلٰی هٰذَا وَاِنَّهٗ زَنٰی بِامْرَاَتِهٖ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَّخَادِمٍ فَسَاَلْتُ رِجَالًا مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ فَاُخْبِرْتُ اَنَّ عَلٰی ابْنِیْ جَلْدَ مِائَةٍ وَّتَغْرِيْبَ عَامٍ وَّاَنَّ عَلَی امْرَاَةِ هٰذَا الرَّجْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَاَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ الْمِائَةُ الشَّاةُ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَی ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيْبُ عَامٍ وَّاغْدُ يَا اُنَيْسُ عَلَی امْرَاَةِ هٰذَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا قَالَ هِشَامٌ فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر یہ کہتا ہوں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان فیصلہ کریں' تو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں اس شخص کے مخالف فریق نے جو اس سے زیدہ سمجھدار تھا۔ اس نے یہ کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق ہی فیصلہ کیجئے گا' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ گزارش کرنے کی اجازت دیجئے! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بولو! وہ شخص بولا: میرا بیٹا اس شخص کے ہاں ملازم تھا۔ اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کرلیا میں نے اس کے فدیے کے طور پر ایک سو بکریاں اور ایک خادم دیا پھر میں نے ایک اہل علم سے اس بارے میں دریافت کیا۔ تو انہوں نے بتایا: میرے بیٹے کو ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کیا جائے گا اور اس شخص کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! میں تم لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا ایک سو بکریاں اور خادم تمہیں واپس کردیے جائیں گے۔

2549 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 2314' ورقم الحدیث: 2315' ورقم الحدیث: 2649' ورقم الحدیث: 2695' ورقم الحدیث: 2696' ورقم الحدیث: 2724' ورقم الحدیث: 2725' ورقم الحدیث: 6633' ورقم الحدیث: 6634' ورقم الحدیث: 6828' ورقم الحدیث: 6631' ورقم الحدیث: 6827' ورقم الحدیث: 6835' ورقم الحدیث: 6836' ورقم الحدیث: 6842' ورقم الحدیث: 6843' ورقم الحدیث: 6859' ورقم الحدیث: 6860' ورقم الحدیث: 7193' ورقم الحدیث: 7194' ورقم الحدیث: 7258' ورقم الحدیث: 7259' ورقم الحدیث: 7260' ورقم الحدیث: 7278' ورقم الحدیث: 7279' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4410' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4445' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1433' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 5425' ورقم الحدیث 5426

تمہارے بیٹے کو ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے یا ایک سال کے لیے جلاوطن کیا جائے گا (پھر آپ ﷺ نے فرمایا:) اے انیس! تم اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دینا۔

ہشام نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے حضرت انیس رضی اللہ عنہ اس عورت کے پاس گئے اس عورت نے اعتراف کیا' تو انہوں نے اسے سنگسار کروا دیا۔

شرح

کتاب اللہ " سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ قرآن کریم میں رجم وسنگساری کا حکم مذکور نہیں ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے قرآن کریم ہی مراد ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آیت رجم کے الفاظ قرآن کریم سے منسوخ التلاوت نہیں ہوئے تھے۔ ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شدہ زنا کار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جا سکتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ (اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ، النور:2) (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(فاعترفت فرجمها) چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے لیکن امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس "اقرار" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظم وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحۃ ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

2550 - حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ اَبُوْ بِشْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا عَنِّىْ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيْبُ سَنَةٍ وَّالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّالرَّجْمُ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "مجھ سے یہ حکم حاصل

2550- اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 4390' ورقم الحدیث 4391' ورقم الحدیث 4392' ورقم الحدیث 4393' ورقم الحدیث 6014' ورقم الحدیث 6015' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4415' ورقم الحدیث 4416' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 1434

کرلو! اللہ تعالیٰ نے خواتین کے لیے یہ راستہ بنادیا ہے کنوارہ شخص اگر کسی کنواری کے ساتھ زنا کرتا ہے تو اسے ایک سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کیا جائے گا' اگر کوئی شادی شدہ شخص کسی شادی شدہ کے ساتھ زنا کرتا ہے تو اسے ایک سو کوڑے مارے جائیں گے اور سنگسار کیا جائے گا''۔

کوڑے مارنے اور شہر بدری کو جمع نہ کرنے کا بیان

اور غیر شادی شدہ میں کوڑوں کی سزا اور شہر بدری کو جمع نہ کیا جائے گا جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ دونوں کو حد کے طور پر جمع کرتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کنوارا کنواری (اگر زنا کریں) تو ان سو کوڑے مارو۔ اور ایک سال کے لئے جلا وطن کرو۔ کیونکہ جلاوطنی سے زنا کے دروازے کو بند کرنا ہے کیونکہ اس طرح تعلقات کم ہوتے ہیں۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے''فاجلدوا'' اللہ تعالیٰ نے کوڑے مارنے کو مکمل سزا قرار دیا ہے جس کی دلیل حرف فاء ہے یا اس کی دلیل یہ ہے پوری سزا یہی ہے جو ذکر کی گئی ہے جبکہ جلاوطنی سے زنا کے دروازے کو کھولنا بھی پایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اہل خاندان والوں سے شرم ختم ہو جاتی ہے اور جلاوطنی سے بقاء کے اسباب کو ختم کرنا بھی لازم آئے گا۔ کیونکہ عام طور پر عورت زنا کو کمائی کا بہانہ بنانے والی ہے۔ اور یہ زنا کی بدترین حالت ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے ترجیح ملنے والی ہے کہ فتنہ کے لئے شہر بدر کرنا کافی ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث منسوخ ہے جس طرح اس حدیث کا یہ جزء منسوخ ہے کہ''الثیب بالثیب'' اور اس کے نسخ کا حکم اس کے مقام پر ذکر دیا گیا ہے۔ البتہ جب امام جلاوطنی کو مصلحت سمجھے تو وہ کر سکتا ہے اور یہ تعزیر کی بناء پر ہوگا اور سیاست کے طور پر ہوگا کیونکہ ان چیزوں کا فائدہ بھی ہوتا ہے پس اس میں ہم معاملہ امام کے سپرد کریں گے اور اسی پر وہ نفی بھی محمول کی جائے گی جس بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے۔

شرح

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید ابن خالد کہتے ہیں ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی اپنا تصفیہ لے کر آئے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے دوسرے نے بھی عرض کیا کہ ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بیان کروں کہ تصفیہ کی صورت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو اس شخص نے بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سنگساری ہے لیکن میں نے اس کو سنگسار کرنے کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دیدی، پھر جب میں نے اس بارے میں علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا چونکہ محصن یعنی شادی شدہ نہیں ہے اسی لئے اس کو سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس شخص کی عورت کی سزا سنگساری ہے۔

کیونکہ وہ شادی شدہ ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ آگاہ! قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ یعنی قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی کے موافق فیصلہ کرونگا تو سنو کہ تمہاری بکریاں اور تمہاری

لونڈی تمہیں واپس مل جائے گی اور اگر خود ملزم کے اقرار یا چار گواہوں کی شہادت سے زنا کا جرم ثابت ہے تو تمہارے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس کو فرمایا کہ انیس تم اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح، جلد سوم، حدیث نمبر 713)

شہر بدری کی سزا میں فقہی مذاہب اربعہ

ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شادہ زنا کار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلا وطن بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جا سکتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ (اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ) 24۔ النور : 2) (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(فاعترفت فرجمها) چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے لیکن امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس "اقرار" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظم وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحۃ ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

حضرت زید ابن خالد کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر محصن کے بارے میں یہ حکم دیتے ہوئے سنا ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے۔ (بخاری، مشکوۃ المصابیح، جلد سوم، حدیث نمبر 714)

"محصن" اس عاقل بالغ مسلمان کو کہتے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو اور اپنی بیوی سے ہم بستری کر چکا ہو غیر محصن اگر زنا کا مرتکب ہو تو اس کی سزا اس حدیث کے مطابق سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، جلاوطنی کے بارے میں جو تفصیل ہے وہ پہلے بیان ہو چکی۔ کوڑے مارنے کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ سر، منہ، اور ستر پر کوڑے نہ مارے جائیں۔

حضرت ابوسعید، عبداللہ بن ادریس، ہم سے یہ حدیث ابوسعید اشج نے بحوالہ عبداللہ بن ادریس نقل کی ہے پھر یہ حدیث ان کے علاوہ بھی اسی طرح منقول ہے محمد بن اسحاق بھی نافع سے اور وہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر نے کوڑے مارے اور جلاوطن بھی کیا۔ حضرت عمر نے بھی کوڑے مارے اور جلاوطن کی سزا بھی دی لیکن اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوڑے مارنے اور جلاوطن کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جلاوطن کرنا ثابت ہے۔

حضرت ابوہریرہ، زید بن خالد، عبادہ بن صامت اور دیگر صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا صحابہ کرام جن میں ابوبکر، عمر، علی، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور ابوذر وغیرہ شامل ہیں کا اسی پر عمل ہے متعدد فقہاء تابعین سے بھی اسی طرح منقول ہے سفیان ثوری، مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1479، حدیث متواتر)

بَاب مَنْ وَقَعَ عَلَى جَارِيَةِ امْرَاَتِهِ

یہ باب ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کی کنیز کے ساتھ صحبت کر لے

2551- حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ قَالَ أُتِيَ النُّعْمَانُ ابْنُ بَشِيرٍ بِرَجُلٍ غَشِيَ جَارِيَةَ امْرَاَتِهِ فَقَالَ لَا أَقْضِي فِيهَا إِلَّا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ كَانَتْ أَحَلَّتْهَا لَهُ جَلَدْتُهُ مِائَةً وَإِنْ لَمْ تَكُنْ أَذِنَتْ لَهُ رَجَمْتُهُ

◄► حبیب بن سالم کہتے ہیں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے اپنی بیوی کی کنیز کے ساتھ صحبت کی تھی' تو انہوں نے فرمایا: میں اس کے بارے میں وہی فیصلہ دوں گا' جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اگر وہ عورت اس کنیز کو اس شخص کے لئے حلال قرار دیتی ہے' تو میں اس شخص کو ایک سو کوڑے لگاؤں گا اور اگر اس کی اجازت نہیں دیتی' تو میں اسے سنگسار کر دوں گا۔

2552- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُفِعَ إِلَيْهِ رَجُلٌ وَطِئَ جَارِيَةَ امْرَاَتِهِ فَلَمْ يَحُدَّهُ

◄► حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کا مقدمہ پیش کیا گیا جس نے اپنی بیوی کی کنیز کے ساتھ صحبت کی تھی لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد جاری نہیں کی۔

بیٹے کی باندی سے جماع پر عدم حد کا بیان

اور جس شخص نے اپنے بیٹے کی باندی یا پوتے کی باندی سے جماع کیا تو اس پر حد نہیں ہے اور اس اگر چہ یہ کہا ہو کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھ پر حرام ہے کیونکہ اس میں حکمی شبہ پایا جا رہا ہے۔ کیونکہ شبہ ایک دلیل سے پیدا ہونے والا ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اور دادا کے حق میں باپ ہونے کا حکم قائم ہے۔ اور واطی سے اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور اس پر موطوءہ باندی کی قیمت واجب ہو جائے گی۔ جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

2551 اخرجه ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4458' ورقم الحدیث: 4459' اخرجه الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 1451' ورقم الحدیث 1452' اخرجه النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3360' ورقم الحدیث: 3361' ورقم الحدیث: 3362

2552 اخرجه ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4460' ورقم الحدیث: 4461' اخرجه النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 3363' ورقم الحدیث 3364

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب بھائی یا بہن یا چچا کی لونڈی یا خدمت کے لیے کسی کی لونڈی عاریۃً لایا تھا یا نوکر رکھ کر لایا تھا یا اس کے پاس امانۃً تھی اس سے وطی کی تو حد ہے اگرچہ حلال ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب شخص نے کسی کی لونڈی غصب کرلی اور اس نے وطی کی پھر اس کی قیمت کا تاوان دیا تو حد نہیں اور اگر زنا کے بعد غصب کی اور تاوان دیا تو حد ہے۔ اسی طرح اگر زنا کے بعد عورت سے نکاح کرلیا تو حد ساقط نہ ہوگی۔ (درمختار، کتاب الحدود)

مرد اپنی بیوی کی باندی سے زنا کرے تو کیا حکم ہے؟

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حبیب بن سالم کہتے ہیں کہ ایک شخص نے جسے عبدالرحمٰن بن حنین کہا جاتا تھا اپنی بیوی کی باندی سے جماع کرلیا تو اسے حضرت نعمان بن بشیر کے سامنے پیش کیا گیا وہ اس وقت کوفہ کے امیر تھے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کروں گا اگر تیری بیوی نے اس باندی کو تیرے لیے حلال کیا تھا تو تجھے سو کوڑے ماروں گا اور اگر اس نے اسے تیرے لیے حلال نہیں کیا تجھے پتھروں سے رجم کروں گا تو انہوں نے اسے پایا کہ اس کی بیوی نے باندی کو اس کے لیے حلال کردیا تھا تو نعمان رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے مارے قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں حبیب بن سالم کو لکھا تو انہوں نے میری طرف سے یہ حدیث بیان کی۔

حضرت نعمان بن بشیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کی باندی سے جماع کرلے، فرمایا کہ اگر اس کی بیوی نے اس باندی کو اس کے لئے حلال کیا تھا تو سو کوڑے۔ اگر حلال نہیں کیا تھا تو اس کو رجم کروں گا۔

حضرت سلمہ بن محبق سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کی لونڈی سے بدکاری کی تھی فیصلہ فرمایا کہ اگر اس نے زنا بالجبر کیا ہے تو وہ لونڈی آزاد ہے اور مرد کو ویسی ہی لونڈی مالکہ اپنی بیوی کو دینا ہوگی اور اگر لونڈی کی رضا و رغبت سے بدکاری ہوئی تو وہ اسی کی ہوجائے گی اور زانی کے لیے مالکہ کو اس جیسی ایک لونڈی دینا ضروری ہوگا امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو یونس بن عبید نے اور عمرو بن دینار نے، منصور بن زاذان نے اور سلام نے حسن سے روایت کیا ہے اس معنی میں یونس اور منصور نے قبیصہ بن حریث کا ذکر نہیں کیا۔

منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لونڈی نے اپنی خوشی سے بدکاری کی تو وہ زانی کی ملک میں آجائے گی اور زانی کے مال میں سے اس جیسی لونڈی (یا اس کی قیمت) مالکہ کو ملے گی۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الحدود)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ عدم اشتباہ کی صورت میں حد جاری کی جائے گی اور اشتباہ کی صورت میں حد ساقط ہوجائے گی

باپ کی باندی سے جماع پر عدم حد کا بیان

اور جب کسی شخص نے اپنے باپ یا اپنی ماں یا اپنی بیوی کی باندی سے جماع کیا اور اسکے بعد یہ کہا کہ میرے گمان میں وہ مجھ پر

حلال ہے۔ تو اس پر بھی حد واجب نہ ہوگی اور اس پر زنا کی تہمت لگانے والے پر بھی حد نہ ہوگی مگر جب اس نے یہ کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو اس پر حد جاری ہو جائے گی۔ اور اسی طرح جب غلام نے اپنے مالک کی باندی سے جماع کیا۔ کیونکہ ان لوگوں میں عمومی فائدہ اٹھانا جاری ہے پس فائدہ اٹھانے میں اس کے گمان کا اعتبار کر لیا جائے گا اور یہ شبہہ اشتباہ والا شبہہ بن جائے گا البتہ یہ حقیقت کے اعتبار سے زنا ہے اس لئے اس کے قاذف پر حد جاری نہ ہوگی۔

اسی طرح جب باندی نے یہ کہا کہ میں نے سمجھا کہ یہ میرے لئے حلال ہے حالانکہ غلام نے کوئی دعویٰ نہ کیا تھا تب بھی ظاہر الروایت کے مطابق اس پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ عمل ایک ہی ہے اور جب کسی نے اپنے بھائی یا اپنے چچا کی باندی سے جماع کیا اور کہنے لگا کہ میں نے گمان کیا کہ یہ میرے لئے حلال ہے۔ تو اس پر حد لگائی جائے گی کیونکہ ان کے درمیان بے تکلفی نہیں پائی جاری اور اولاد کے سوا تمام محارم کا بھی اسی طرح ہے اور اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان چکے ہیں۔

زنا کے مقدمات میں اس اصول کے اطلاق کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمے میں، جس میں شوہر نے اپنی بیوی کی لونڈی سے جماع کیا تھا، یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر تو خاوند نے بیوی کی اجازت کے بغیر ایسا کیا ہے تو اسے رجم کیا جائے گا، لیکن اگر اس میں بیوی کی رضامندی شامل تھی تو خاوند کو صرف سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ ۱۷ اسی نوعیت کے ایک دوسرے مقدمے میں آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر شوہر نے لونڈی کے ساتھ زبردستی جماع کیا ہے تو لونڈی آزاد ہے، لیکن اگر لونڈی رضامند تھی تو پھر وہ شوہر کی ملکیت قرار پائے گی اور دونوں صورتوں میں شوہر کے لیے لازم ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو اس جیسی کوئی دوسری لونڈی خرید کر دے۔ (نسائی، رقم ۳۳۱۰۔ ابوداؤد، رقم ۳۸۶۸)

امام ابن ابی شیبہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سیدنا عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے ایک ایسے شخص کو جس نے اپنی بیوی کی لونڈی سے زبردستی زنا کیا تھا، رجم نہیں کیا، بلکہ اسے سو سے کم کوڑے لگانے کی سزا دی۔ اس صورت میں سو کوڑے لگانے یا رجم کرنے کے بجائے تعزیری سزا دینے کا فتویٰ سفیان ثوری سے بھی مروی ہے۔

سعید بن المسیب اور مدینہ کے بعض دیگر فقہا کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی اور کسی دوسرے شخص کی مشترکہ لونڈی سے وطی کرے تو اسے ننانوے کوڑے لگائے جائیں۔

ابن المسیب نے ایک مقدمے میں جس میں دو مالکوں نے اپنی مشترکہ لونڈی سے مجامعت کی تھی، فتویٰ دیا کہ دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے جائیں۔

ابن المسیب ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص مال غنیمت کے تقسیم ہونے سے پہلے ہی کسی لونڈی سے استمتاع کرلے تو اسے ننانوے کوڑے لگائے جائیں گے۔

ایک عورت نے اپنے غلام سے نکاح کر لیا اور اس کے جواز پر یہ استدلال پیش کیا کہ قرآن مجید میں اَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ' کو حلال کہا گیا ہے اور میرا غلام بھی میری ملک یمین ہے۔ سیدنا علی کے مشورے پر سیدنا عمر نے اسے محض سو کوڑوں کی سزا دی۔ اسی طرح ایک خاتون نے گواہوں اور سرپرست کے بغیر نکاح کر لیا اور کہا کہ میں ثیب ہوں اور اپنے معاملے میں خود مختار ہوں تو سیدنا

عمر نے اسے بھی صرف سو کوڑے لگائے۔

(مصنف عبدالرزاق، رقم ۱۳۵۳۶،۱۳۴۹۱-۱۳۵۲۳-۱۳۵۲۶-۲۲،۱۳۵۲۸-۲۳-۱۳۵۳۷-۲۳-۲۸۷۶۰)

حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد اور شبل فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک مرد نے پوچھا کہ باندی محصن ہونے سے قبل بدکاری کرے تو اس کا کیا حکم ہے فرمایا اسے کوڑے لگاؤ پھر اگر بدکاری کرے تو پھر کوڑے لگاؤ پھر تیسری چوتھی مرتبہ کے بارے میں فرمایا کہ اسے فروخت کردو گو بالوں کی ایک رسی کے عوض۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: رقم الحدیث، 723)

شب زفاف میں غیر زوجہ سے جماع پر عدم حد کا بیان

اور جس شخص کے پاس شب زفاف میں اس کی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت کو بھیج دیا اور عورتوں نے کہا کہ یہ تمہاری بیوی ہے لہٰذا اس نے اس سے جماع کر لیا تو اس پر حد نہ ہوگی اور شوہر پر مہر واجب ہے۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسئلہ میں مہر اور عدت کا فیصلہ کیا تھا۔ کیونکہ شوہر نے ایک دلیل کے پیش نظر ایسا کیا ہے لہٰذا وہ دلیل شبہہ کے قائم مقام ہو جائے گی اس لئے انسان پہلی بار اپنی بیوی اور دوسری میں فرق نہیں کر سکتا۔ پس یہ دھوکہ کھانے شخص کی طرح ہو جائے گا اور اس کے قاذف پر بھی حد واجب نہ ہوگی جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی ایک روایت مطابق اس پر حد ہوگی کیونکہ حقیقت کے مطابق ملکیت نہیں ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نکاح کے بعد پہلی شب میں جو عورت رخصت کر کے اس کے یہاں لائی گئی اور عورتوں نے بیان کیا کہ یہ تیری بی بی ہے اس نے وطی کی بعد کو معلوم ہوا کہ بی بی نہ تھی تو حد نہیں۔ (درمختار، کتاب الحدود)

علامہ امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں یعنی جبکہ پیشتر سے یہ اس عورت کو نہ پہچانتا ہو جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے اور اگر پہچانتا ہے اور دوسری عورت اس کے پاس لائی گئی تو اوان عورتوں کا قول کس طرح اعتبار کریگا۔ اسی طرح اگر عورتیں نہ کہیں مگر سسرال والوں نے جس عورت کو اس کے یہاں بھیج دیا ہے اُس میں بیشک یہی گمان ہوگا کہ اسی کے ساتھ نکاح ہوا ہے جبکہ پیشتر سے دیکھا نہ ہو اور بعض واقعے ایسے ہوئے بھی ہیں کہ ایک گھر میں دو براتیں آئیں اور رخصت کے وقت دونوں بہنیں بدل گئیں اس کی اس کے یہاں اسکی اس کے یہاں آ گئی لہٰذا یہ اشتباہ ضرور معتبر ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بہار شریعت، حصہ، حدود کا بیان)

بَاب الرَّجْمِ

یہ باب سنگسار کرنے کے بیان میں ہے

2553- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ

2553 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2462' ورقم الحدیث: 3928' ورقم الحدیث: 4021' ورقم الحدیث: 6829' ورقم الحدیث: 6830' ورقم الحدیث: 7323' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4394' ورقم الحدیث: 4395' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4418' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1432

عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَقَدْ خَشِيتُ اَنْ يَطُولَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ حَتّٰى يَقُولَ قَائِلٌ مَا اَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ مِّنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ اَلَا وَاِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ اِذَا اُحْصِنَ الرَّجُلُ وَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْ كَانَ حَمْلٌ اَوِ اعْتِرَافٌ وَقَدْ قَرَاْتُهَا اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا اَلْبَتَّةَ رَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد ایک ایسا وقت آئے گا' جب کوئی شخص کہے گا: مجھے اللہ کی کتاب میں سنگسار کرنے کا حکم نہیں ملا تو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ایک فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے یاد رکھنا! سنگسار کرنے کا حکم حق ہے جبکہ مرد شادی شدہ ہو اور گواہی کے ذریعے یا حمل کے ذریعے یا اعتراف کے ذریعے (اس پر جرم ثابت ہو جائے) میں نے یہ آیت تلاوت کی ہے۔

''عمر رسیدہ مرد اور عمر رسیدہ عورت (یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت) جب زنا کا ارتکاب کریں' تو ان دونوں کو سنگسار کر دو۔''

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سنگسار کروایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے بھی سنگسار کروایا ہے۔

رجم کی سزا کا بیان

2554- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّي زَنَيْتُ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ اِنِّي قَدْ زَنَيْتُ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ اِنِّي زَنَيْتُ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ قَدْ زَنَيْتُ فَاَعْرَضَ عَنْهُ حَتّٰى اَقَرَّ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَاَمَرَ بِهِ اَنْ يُّرْجَمَ فَلَمَّا اَصَابَتْهُ الْحِجَارَةُ اَدْبَرَ يَشْتَدُّ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ بِيَدِهِ لَحْيُ جَمَلٍ فَضَرَبَهُ فَصَرَعَهُ فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرَارُهُ حِيْنَ مَسَّتْهُ الْحِجَارَةُ فَقَالَ فَهَلَّا تَرَكْتُمُوهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے عرض کی: میں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ پھیر لیا، انہوں نے پھر عرض کی: میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا، پھر انہوں نے عرض کی: میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا، پھر انہوں نے عرض کی: میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا، یہاں تک کہ انہوں نے چار مرتبہ اقرار کیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت انہیں سنگسار کر دیا گیا، جب انہیں پتھر لگے تو وہ دوڑ پڑے، ان کے سامنے ایک شخص آیا جس کے ہاتھ میں اونٹ کا جبڑا تھا، اس نے وہ انہیں مارا، جس کے نتیجے میں وہ فوت ہو گئے، جب اس بات کا

2554 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا کہ جب انہیں پتھر لگے تھے تو وہ بھاگ گئے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟''

شرح

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ماعز ابن مالک آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے یعنی (مجھ سے جو گناہ سرزد ہو گیا ہے اس کی حد جاری کر کے میرے گناہ کی معافی کا سبب بن جائیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے واپس جا یعنی زبان کے ذریعہ استغفار کر اور دل سے توبہ کر، راوی کہتے ہیں وہ چلا گیا اور تھوڑی دور جا کر پھر واپس آ گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی الفاظ فرمائے جو پہلے فرمائے تھے، چار مرتبہ اسی طرح ہوا اور (جب چوتھی بار ماعز نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے کس چیز سے اور کس وجہ سے پاک کروں؟ اس نے کہا کہ (حد جاری کر کے) زنا کے گناہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ (یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر اس کا منہ سونگھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس نے شراب پی رکھی ہے یا نہیں) لیکن شراب کی بو نہیں پائی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ماعز سے پوچھا کہ کیا (واقعی) تو نے زنا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کیے جانے کا حکم دیا چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا دو یا تین روز اسی طرح گزر گئے یعنی مجلس نبوی میں ماعز کی سنگساری کے بارے میں دو تین دن تک کوئی ذکر نہیں ہوا پھر (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کہ تم لوگ ماعز کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کرو بلا شبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کے ثواب کو پوری امت پر تقسیم کیا جائے تو وہ سب کے لئے کافی ہو جائے، پھر اس کے بعد (ایک دن) ایک عورت جو قبیلہ ازد کے خاندان غامد میں سے تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے، واپس جا اور اللہ تعالیٰ سے استغفار توبہ کر۔ اس عورت نے عرض کیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز ابن مالک کو پہلی دفعہ واپس کر دیا تھا اسی طرح مجھ کو بھی واپس کر دیں؟ اور درانحالیکہ (میں) وہ عورت (ہوں جو) زنا کے ذریعہ حاملہ ہے لہٰذا اس اقرار کے بعد میرے انکار کی گنجائش تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو! (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرح سے اپنے تغافل کو ظاہر کرنے اور اس کو اقرار زنا سے رجوع کرنے کا ایک اور موقع دینے کے لئے فرمایا کہ یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ کیا زنا کے ذریعہ حاملہ ہے!) اس عورت نے اس کے باوجود اپنے اقرار پر اصرار کیا اور کہا کہ "ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو اس وقت تک انتظار کر جب تک تو اپنے بچہ کی ولادت سے فارغ نہ ہو جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد ایک انصاری نے اس عورت کی خبر گیری اور کفالت کا اس وقت تک کے لئے ذمہ لے لیا جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ وہ غامدیہ عورت ولادت سے فارغ ہو گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ابھی اس کو سنگسار نہیں کریں گے اور اس کمسن بچے کو اس حالت میں نہیں چھوڑیں گے کہ کوئی اس کو دودھ پلانے والا نہ ہو۔ یعنی اگر ہم نے اس کو ابھی سنگسار کر دیا تو اس کا بچہ جو شیر خوار اور بہت چھوٹا ہے ہلاک ہو جائے گا، کیونکہ اس کی ماں کے بعد اس کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں ہے اس لئے ابھی اس کو سنگسار کرنا مناسب نہیں ہے) ایک اور انصاری (یہ سن کر) کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! اس بچہ کے دودھ پلانے اور اس کی خبر گیری کا میں ذمہ دار ہوں" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو سنگسار کیے جانے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کی گئی)۔

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ جا جب تک کہ تو ولادت سے فارغ نہ ہو جائے (انتظار کر) پھر جب وہ ولادت سے فارغ ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا جا اس بچہ کو دودھ پلا تا آنکہ تو اس کا دودھ چھڑائے اور پھر جب اس نے بچہ کا دودھ بھی چھڑا دیا تو اس بچہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی اس وقت اس کے بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس بچہ کا دودھ چھڑا دیا ہے یہ اب روٹی کھانے لگا ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ کو ایک مسلمان کے حوالے کیا اور اس عورت کے لئے حکم فرمایا کہ ایک گڑھا کھودا جائے جو اس کے سینہ تک کھودا جائے جب اس کے سینہ تک گڑھا کھود دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنگسار کیا گیا اس کی سنگساری کے دوران جب حضرت خالد ابن ولید نے ایک پتھر اس کے سر پر مارا اور اس کے سر کا خون حضرت خالد کے منہ پر آ کر پڑا تو حضرت خالد اس کو برا بھلا کہنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالد! اس کی بخشش ہو چکی ہے اس کو برا بھلا مت کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر توبہ (ناروا) ٹیکس لینے والا کرے تو اس کی مغفرت و بخشش ہو جائے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا چنانچہ پڑھی گئی اور وہ دفن کی گئی۔ (مسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 719)

بلاشبہ ماعز نے توبہ کی اس ارشاد کے ذریعہ اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کی سعادت اور اس کی توبہ کی فضیلت کو ظاہر فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے جو اس مغفرت اور رحمت کو لازم کرتی ہے جس کا دامن، مخلوق اللہ کی ایک بہت بڑی جماعت پر سایہ فگن ہو سکتا ہے یہاں اقامت حد (حد کی قائم ہونے) کو توبہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ جس طرح توبہ کے ذریعہ گناہ دھل جاتے ہیں اسی طرح حد جاری ہونے سے بھی گناہ ختم ہو جاتا ہے۔ جب تک کہ تو اپنے بچہ کی ولادت سے فارغ نہ ہو جائے "ابن مالک" کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ حاملہ جب تک کہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اس پر حد قائم نہ کی جائے تاکہ ایک بے گناہ کو جو اس کے پیٹ میں ہے ہلاک کرنا لازم نہ آئے۔ میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ زانیہ کو سنگسار کرنے میں اس وقت تک کی مہلت دی جائے جب تک کہ اس کا وہ بچہ جو اس کے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے اس سے مستغنی نہ ہو جائے بشرطیکہ اس کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ ہو، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے۔

اگر ایسی توبہ (نادرا) ٹیکس لینے والا کرے اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ غیر شرعی طور پر اور نامناسب طریقوں سے لوگوں سے محصول ٹیکس وصول کرتے ہیں وہ بڑے گناہگار ہیں کیونکہ اس طرح کے محصول و ٹیکس وصول کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کا مال زور

زبردستی سے اور ظلم کر کے چھین لیا جائے۔ حدیث کے آخری جملہ میں لفظ صلی مسلم کے تمام راویوں سے صاد اور لام کے زبر یعنی صیغہ معروف کے ساتھ منقول ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی نماز جنازہ پڑھی تھی جب کہ طبری کے نزدیک اور ابن ابی شیبہ اور ابوداؤد کی روایت میں یہ لفظ صاد کے پیش اور لام کے زیر یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ منقول ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی نماز جنازہ دوسرے لوگوں نے پڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں تو صراحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ (لم یصل علیہا) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اسی وجہ سے ائمہ کے ہاں سنگسار کئے جانے والے کی نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں۔ چنانچہ امام مالک کے ہاں اس کی نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے اور حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ امام وقت اور اہل فضل نہ پڑھیں دوسرے لوگ پڑھ سکتے ہیں لیکن حضرت امام شافعی اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے بلکہ ہر اس شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے جو کلمہ گو اور اہل قبلہ ہو اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہو یا اس پر حد قائم کی گئی ہو نیز ایک روایت میں امام احمد سے بھی یہی منقول ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم کے تمام راویوں نے لفظ "صلی" کو صاد اور لام کے زبر یعنی صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا ہے جب کہ طبری کے نزدیک یہ لفظ صاد کے پیش یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ ہے نیز ابی شیبہ ابوداؤد اور امام نووی نے بھی اس طرح نقل کیا ہے لہٰذا اس بارے میں یہ بات کہنی زیادہ مناسب ہے کہ یہ لفظ اصل میں تو صیغہ معروف ہی کے ساتھ ہے البتہ ماقبل کے الفاظ (ثم امر بہا) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس عورت کے جنازہ کو نہلانے کفنانے اور نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ لانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کی تائید اس عبارت سے ہوتی ہے جو مسلم کی روایت میں ہے کہ حدیث (امر بہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجمت ثم صلی علیہا فقال لہ عمر تصلی علیہا یا نبی اللہ وقد زنت) یہ روایت صراحت کے ساتھ یہ ثابت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی تھی۔ اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حدیث (ثم امرہم ان یصلوا علیہا) (یعنی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے قاضی عیاض نے بھی وضاحت کی ہے کہ اگرچہ مسلم نے اپنی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاذ ابن مالک کے جنازے کی نماز پڑھنا ذکر نہیں کیا ہے لیکن بخاری نے اس کو ذکر کیا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ جب مسلم کے اکثر راویوں نے لفظ "صلی" صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا تو یہاں صاحب مشکوۃ نے اس لفظ کو صیغہ مجہول کے ساتھ کیوں نقل کیا؟ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ اثبات، نفی پر مقدم ہوتا ہے اس اعتبار سے صاحب مشکوۃ کو یہ لفظ صیغہ معروف کے ساتھ کر کے اثبات کو ترجیح دینا چاہئے تھا لیکن جب انہوں نے معتمد صحیح نسخوں میں دیکھا کہ اس بارے میں مختلف روایات ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے جنازے کی نماز پڑھی یا نہیں پڑھی تو انہوں نے لفظ صلی کو صیغہ مجہول کے ساتھ نقل کرنے کو ترجیح دی تاکہ اس صورت میں دونوں ہی احتمال ملحوظ رہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ صورت ابہام سے خالی نہیں ہے اس لئے اس بارے میں اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ جمہور کی متابعت اور نقل مشہور کی موافقت کے پیش نظر اس لفظ کو صیغہ معروف ہی کے ساتھ قبول کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ بہرکیف یہ

حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حد، اس گناہ کو ختم کردیتی ہے جس کی سزا میں اس کا نفاذ اجراء ہوتا ہے مثلاً اگر زید زنا کا مرتکب ہوا اور اس کے اس جرم کی سزا میں اس پر حد جاری کی جائے تو وہ زنا کے گناہ سے بری ہو جائے گا اور آخرت میں اس سے اس زنا پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ ایک بات اور نووی کہتے ہیں کہ (یہاں اس عورت کے بارے میں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں اور) بظاہر دوسری روایت پہلی روایت کے مخالف ہے کیونکہ دوسری روایت سے تو صراحتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کو اس وقت سنگسار کیا گیا جب اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا اور وہ روٹی کھانے لگا تھا لیکن پہلی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بچے کی ولادت کے بعد ہی سنگسار کر دیا گیا تھا، لہٰذا دوسری دوسری روایت کے صریح مفہوم کے پیش نظر پہلی روایت کی تاویل کرنی ضروری ہوئی تاکہ دونوں روایتوں کا مفہوم یکساں ہو جائے کیونکہ دونوں روایتوں کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے اور دونوں ہی روایتیں صحیح ہیں، پس تاویل یہ ہے کہ پہلی روایت میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اس بچے کو دودھ پلانے کا ذمہ دار ہوں تو انہوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب کہ اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا اور دودھ پلانے کا ذمہ دار ہونے سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں اس بچہ کی کفالت اور پرورش کی ذمہ داری لیتا ہوں اور اپنے اس مفہوم کو انہوں نے مجازاً دودھ پلانے سے تعبیر کیا۔

2555 - حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عُثْمَانَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا اَبُوْعَمْرٍو حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ اَبِي كَثِيرٍ عَنْ اَبِي قِلَابَةَ عَنْ اَبِي الْمُهَاجِرِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ اَنَّ امْرَاَةً اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْتَرَفَتْ بِالزِّنَا فَاَمَرَ بِهَا فَشُكَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا ثُمَّ رَجَمَهَا ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا

◆◆ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک خاتون نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے زنا کا اعتراف کیا، نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت اس کے کپڑے باندھ دیے گئے، پھر آپ ﷺ نے اسے سنگسار کروا دیا، پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی۔

مرد کے احصان کی شرائط کا بیان

رجم کے لئے محصن ہونا شرط ہے اور شرط سے مراد یہ ہے کہ وہ مرجوم آزاد، عاقل، بالغ اور مسلمان ہو۔ جس نے کسی عورت سے نکاح صحیح کرتے ہوئے دخول کیا ہو۔ اور وہ دونوں صفت احصان پر قائم ہوں۔ پس عقل اور بلوغت یہ دونوں سزا کی اہلیت میں شرط ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کے بغیر شریعت کا خطاب ثابت ہی نہ ہوگا۔ اور ان دونوں کے سوا جو شرائط ہیں وہ نعمت کو مکمل کرنے کے لئے جنایت کو مکمل کرنے کے لئے ہیں۔ کیونکہ نعمت کی کثرت کے وقت نعمتوں کا انکار زیادہ سخت ہے۔ اور یہ اشیاء بڑی نعمتوں میں سے ہیں اور ان نعمتوں کے جمع ہونے پر زنا میں جانے کے سبب رجم مشروع ہوا ہے پس ان نعمتوں کے جمع پر حد کا دارومدار ہوگا۔ جبکہ شرافت وعلم میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت نے ان کے اعتبار کو بیان نہیں کیا ہے اور رائے سے شریعت کو معین کرنا ناممکن ہے۔ اسی لئے آزاد سے نکاح صحیح ممکن ہے۔ اور نکاح صحیح پر حلال وطی پر قدرت حاصل ہوگی اور دخول کے سبب اس حلال کام کو کرنے میں آرام حاصل ہوگا اور اسلام مسلمان کو مسلمان عورت سے نکاح کرنے کا حکم دیتا ہے اور حرمت زنا کے اعتقاد کو مضبوط کرنے والا ہے پس یہ

2555: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

تمام احکام مسلمان کوزنا سے روکنے والے ہیں اوراتنی کثرت کے موانع ہونے کے سبب زنا سخت جرم ہے۔

اسلام کی شرط لگانے میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے ہم سے اختلاف کیا ہے اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت ہمارے خلاف ہے۔ اوران فقہاء کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی اور ایک یہودیہ کوزنا کے سبب رجم کرنے کا حکم دیا تھا۔ جبکہ ہم اسکا جواب یہ دیں گے کہ یہ حکم تورات کے سبب سے تھا اور بعد میں منسوخ ہو گیا ہے۔ جس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں ہے۔

اور دخول معتبر ہے جس میں قبل اس طرح داخل کیا جائے وہ ایلاج غسل کو واجب کر دے۔ امام قدوری علیہ الرحمہ نے دخول کے وقت مرد عورت کے لئے احصان شرط قرار دی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے منکوحہ کافرہ، مملوکہ یا مجنونہ یا صبیہ سے دخول کیا تو وہ محصن نہ ہوگا اوراسی طرح جب شوہران صفات میں سے کسی ایک صفت سے متصف ہو۔ اور اس کی زوجہ آزاد مسلمان، عاقل اور بالغ ہو کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نعمت مکمل ہوتی ہے کیونکہ طبیعت پاگل عورت سے جماع کرنے سے نفرت کرنے والی ہے۔ اور بچی سے عدم رغبت کے سبب خواہش کم ہوگی اور مملوکہ منکوحہ میں بچے کی رقیت سے بچنے کے لئے خواہش کم ہوگی اور اختلاف دین کے سبب باہمی نفرت ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کافرہ میں ہم سے اختلاف کیا ہے لیکن ان کے خلاف حجت وہی حدیث ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ مسلمان شخص کو یہودیہ اور نصرانیہ عورت محصن نہیں بناتیں۔ اور آزاد عورت کو کوئی غلام محصنہ نہیں بنا سکتا۔ (ہدایہ، کتاب حدود، لاہور)

احصان کی شرائط میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اہل علم کا اجماع ہے کہ رجم صرف محصن شادی شدہ کو ہی کیا جائے گا. اور عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: " جو شادی شدہ ہو اور زنا کرے اس کو رجم کرنا حق ہے " اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: " کسی بھی مسلمان شخص کا خون بہانا جائز نہیں، مگر تین اسباب میں سے ایک کی بناپر: یا پھر وہ شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے "۔

احصان کی سات شرائط کا بیان

پہلی شرط: عورت کی شرمگاہ (قبل) میں وطی کرنا. اس شرط میں کوئی اختلاف نہیں؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: " شادی شدہ کو شادی شدہ کے بدلے سو کوڑے اور رجم ہے " اور ثیابۃ: یعنی شادی شدہ ہونا قبل میں وطی سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس کا معتبر ہونا ضروری ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جماع کے بغیر نکاح سے محصن ہونا ثابت نہیں ہوتا، چاہے اس میں خلوت بھی ہوئی ہو، یا قبل کے بغیر وطء ہوئی ہو یا دبر میں وطئی ہوئی ہو یا پھر کچھ نہ ہوا ہو تو اسے محصن نہیں کہا جائے گا؛ کیونکہ اس سے عورت ثیب نہیں ہوتی، اور نہ ہی وہ کنوارہ پن سے خارج ہوتی ہے، جن کی حد سو کوڑے اور ایک برس جلاوطنی ہے، اس لیے کہ حدیث میں یہی وارد ہے۔

اور وطی میں یہ ضروری ہے کہ حشفہ یعنی عضو تناسل کا اگلا حصہ عورت کی شرمگاہ میں غائب اور داخل ہو، کیونکہ یہ وطی کی حد ہے جس کے ساتھ وطی کے احکام کا تعلق ہے۔

دوسری شرط: وہ نکاح میں ہو؛ کیونکہ نکاح کو احصان کا نام دیا جاتا ہے؛ اس کی دلیل فرمان باری تعالی ہے: (اور شادی شدہ عورت)۔

یہاں محصنات کا لفظ بولا گیا ہے، اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں کہ زنا اور وطء شبہ سے وطء کرنے والا محصن یعنی شادی شدہ شمار ہو، اور نہ ہی ہمارے علم میں ہے کہ لونڈی سے وطء کرنے والا شادی شدہ کہلاتا ہو، اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں؛ کیونکہ یہ نکاح نہیں، اور نہ ہی اس سے نکاح کے احکام ثابت ہوتے ہیں۔

تیسری شرط: وہ نکاح صحیح ہو، اکثر اہل علم کا قول یہی ہے، جن میں عطاء، قتادہ، مالک، شافعی، اور اصحاب الرائے شامل ہیں۔

چوتھی شرط: آزادی، ابوثور رحمہ اللہ کے علاوہ باقی سب اہل علم کے ہاں یہ شرط پائی جاتی ہے۔

پانچویں اور چھٹی شرط: بلوغت، اور عقل، اگر بچے اور مجنون نے وطء کر لی اور پھر بالغ یا عقلمند ہو گیا تو وہ محصن شمار نہیں ہوگا، اکثر اہل علم کا قول یہی ہے، اور امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے۔

ساتویں شرط: وطی کی حالت میں ان دونوں میں کمال پایا جائے، وہ اس طرح کہ عقلمند اور آزاد مرد عقلمند اور آزاد عورت سے وطء کرے، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول یہی ہے۔

اور امام مالک کہتے ہیں: اگر ان دونوں میں سے ایک کامل ہو تو وہ محصن ہوگا، لیکن بچہ نہیں جب وہ کسی بڑی عورت سے وطء کرے تو وہ اسے محصن نہیں کریگا۔ (المغنی ابن قدامہ (9/41).)

محصن کے لئے عدم شرط اسلام میں امام شافعی کی مستدل حدیث

حضرت عبدالرحمن بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودیہ کو لایا گیا ان دونوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تورات میں کیا پاتے ہو اس کے بارے میں جس نے زنا کیا؟ انہوں نے کہا ہم ان کے چہروں کو سیاہ کرتے ہیں اور سوار کرتے ہیں اس طرح کہ ہم ان کے چہروں کو ایک دوسرے کے مخالف کرتے ہیں اور ان کو چکر لگواتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو تورات لے آو۔ وہ اسے لے آئے اور پڑھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آیت رجم تک پہنچے تو اس نوجوان نے جو پڑھ رہا تھا اپنا ہاتھ آیت پر رکھ لیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیں۔ اس نے ہٹایا تو اس کے نیچے آیت رجم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، انہیں رجم کر دیا گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی ان دونوں کو سنگسار کرنے والوں میں سے تھا۔ تحقیق! میں نے اس مرد کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ پر پتھر برداشت کر کے اس عورت کو بچا رہا تھا۔

(صحیح مسلم: جلد دوم حدیث نمبر 1944، حدیث متواتر)

رجم کے ثبوت کا بیان

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا پھر ان کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رجم کیا اور ان کے بعد میں نے رجم کیا اور اگر قرآن میں زیادتی کو ناپسند نہ کرتا تو مصحف میں لکھوا دیتا۔ اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ بعد میں کچھ ایسے لوگ نہ آجائیں جو رجم کو قرآن کریم میں نہ پاکر اس کا انکار نہ کردیں۔ اس باب میں حضرت علی سے حدیث منقول ہے حضرت عمر کی حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت عمر ہی سے کئی سندوں کے ساتھ منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1470، حدیث متواتر)

حضرت عبداللہ بن عبداللہ حضرت ابو ہریرہ، زید بن خالد سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ، زید بن خالد، اور شبل سے سنا کہ یہ تینوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ دو آدمی جھگڑا کرتے ہوئے آئے اور ان میں سے ایک آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔ اور مجھے اجازت دیں کہ میں عرض کروں میرا بیٹا اس کے پاس مزدوری کرتا تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کرلیا۔ مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے پر رجم ہے تو میں نے سو بکریاں فدیے کے طور دیں اور ایک غلام آزاد کیا پھر میری اہل علم ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے ہیں اور ایک سال جلاوطنی کی سزا ہے اور اس شخص کی عورت پر رجم ہے آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرماؤں گا وہ سو بکریاں اور غلام واپس لے لو تمہارے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے پھر فرمایا اے انیس کل صبح اس شخص کے اسکی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کرلے تو اسے رجم کرو حضرت انیس دوسرے دن گئے تو اس نے اعتراف کرلیا اس پر انہوں نے اسے سنگسار کردیا۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1471، حدیث متواتر)

محصن کے لئے رجم و کوڑوں کا جمع نہ ہونے کا بیان

اور محصن کے لئے رجم اور کوڑوں کو جمع نہ کیا جائے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جمع نہ کیا۔ اور اس لئے کہ رجم کے ہوتے ہوئے کوڑے مارنے کا کوئی مقصد ہی نہیں بنتا۔ کیونکہ دوسرے کی سزا رجم سے حاصل ہونے والی ہے۔ اور رجم سزا کی آخری حد ہے اور زانی کی ہلاکت کے بعد اس کی سزا حاصل نہ ہوگی۔ (یعنی ہلاکت کے بعد کوڑوں کی سزا کا محل ہی ختم ہو جائے گا۔ اور رجم سے قبل سزا نہیں دی جاسکتی کیونکہ رجم بڑی سزا اس پر طاری ہے اور اس کو پورا کرنے کے بعد محل ختم ہو جائے گا۔)

رجم و کوڑوں کی سزا کو جمع نہ کرنے میں فقہی مذاہب

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے یہ بات ذہن نشین کرلو کہ اللہ تعالی نے ان عورتوں کے لیے راستہ نکال دیا ہے پس اگر زانی شادی شدہ ہوں تو انہیں سو کوڑے مارنے کے بعد سنگسار کردیا جائے اور اگر غیر شادی شدہ ہوں تو سو کوڑے اور ایک سال جلاوطن کرنا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ بعض علماء صحابہ علی بن طالب، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود وغیرہ کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ محصن کو پہلے کوڑے مارے جائیں پھر سنگسار کیا جائے۔

بعض علماء اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض علماء صحابہ، ابوبکر، عمرو، وغیرہ فرماتے ہیں کہ محصن کو صرف سنگسار کیا جائے تو کوڑے نہ مارے جائیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی احادیث میں منقول ہے کہ آپ نے صرف رجم کا حکم دیا کوڑے مارنے کا حکم نہیں دیا جیسے کہ ماعز کا قصہ وغیرہ۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے، سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، اور احمد کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول حدیث نمبر 1474)

ایک زنا کی دو سزاؤں کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کو بطور حد، کوڑے مارے گئے، اس کے بعد جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ شخص محصن ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دیا گیا۔ (ابوداؤد، کتاب الحدود)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کوڑے مارے کا جو حکم دیا اس کے بارے میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کو یہ بتایا گیا ہوگا کہ وہ شخص غیر محصن غیر شادی شدہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کو بتایا نہیں گیا ہوگا بلکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی گمان کیا ہوگا کہ یہ غیر محصن ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوڑے کی سزا دی، لیکن جب بعد میں یہ ثابت ہوا کہ یہ شخص محصن ہے اور محصن ہونے کی وجہ سے سنگساری کا سزاوار ہے تو اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر امام وقت (حاکم شرعی) کسی کو حد کی کوئی سزا دے اور پھر بعد میں اسے معلوم ہو کہ یہ مجرم حد کی اس سزا کا نہیں بلکہ حد کی کسی دوسری سزا کا مستوجب ہے مثلاً اس کو کوڑے مارنے کی سزا دی مگر بعد میں ثابت ہوا کہ حقیقت میں یہ سنگساری کا سزاوار ہے تو اس حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوبارہ اس سزا کو جاری کرے جس کا وہ مجرم شرعی طور پر مستوجب ہے۔

اس حدیث سے ابتدائی طور پر دونوں کو جمع کرنے کا ثبوت نہیں ہے کیونکہ ابتدائی طور دو حدوں کو جمع نہ کیا جائے گا۔

بیوی کی باندی سے زنا کرنے سے متعلق بعض احکام کا بیان

زنا کے مقدمات میں اس اصول کے اطلاق کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمے میں، جس میں شوہر نے اپنی بیوی کی لونڈی سے جماع کیا تھا، یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر تو خاوند نے بیوی کی اجازت کے بغیر ایسا کیا ہے تو اسے رجم کیا جائے گا، لیکن اگر اس میں بیوی کی رضامندی شامل تھی تو خاوند کو صرف سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اسی نوعیت کے ایک دوسرے مقدمے میں آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر شوہر نے لونڈی کے ساتھ زبردستی جماع کیا ہے تو لونڈی آزاد ہے، لیکن اگر لونڈی رضامند تھی تو پھر وہ شوہر کی ملکیت قرار پائے گی اور دونوں صورتوں میں شوہر کے لیے لازم ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو اس جیسی کوئی دوسری لونڈی خرید کر دے۔ (نسائی، رقم ۳۳۱۰-ابوداؤد، رقم ۳۸۶۸)

امام ابن ابی شیبہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سیدنا عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے ایک ایسے شخص کو جس نے اپنی بیوی کی لونڈی سے زبردستی زنا کیا تھا، رجم نہیں کیا، بلکہ اسے سو سے کم کوڑے لگانے کی سزا دی۔ اس صورت

میں سوکوڑے لگانے یا رجم کرنے کے بجائے تعزیری سزا دینے کا فتویٰ سفیان ثوری سے بھی مروی ہے۔

سعید بن المسیب اور مدینہ کے بعض دیگر فقہا کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی اور کسی دوسرے شخص کی مشترکہ لونڈی سے وطی کرے تو اسے ننانوے کوڑے لگائے جائیں۔

ابن المسیب نے ایک مقدمے میں جس میں دو مالکوں نے اپنی مشترکہ لونڈی سے مجامعت کی تھی، فتویٰ دیا کہ دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے جائیں۔

ابن المسیب ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص مال غنیمت کے تقسیم ہونے سے پہلے ہی کسی لونڈی سے استمتاع کرے تو اسے ننانوے کوڑے لگائے جائیں گے۔

ایک عورت نے اپنے غلام سے نکاح کر لیا اور اس کے جواز پر یہ استدلال پیش کیا کہ قرآن مجید میں 'مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ' کو حلال کہا گیا ہے اور میرا غلام بھی میری ملک یمین ہے۔ سیدنا علی کے مشورے پر سیدنا عمر نے اسے محض سوکوڑوں کی سزا دی۔ اسی طرح ایک خاتون نے گواہوں اور سرپرست کے بغیر نکاح کر لیا اور کہا کہ میں ثیب ہوں اور اپنے معاملے میں خودمختار ہوں تو سیدنا عمر نے اسے بھی صرف سوکوڑے لگائے۔

(مصنف عبدالرزاق، رقم ۱۳۵۳۶، ۱۳۳۹۱-۱۳۵۳۳-۱۳۵۲۶-۲۲، ۱۳۵۲۸-۲۳-۱۳۵۳۷-۲۳-۲۸۷۶۰)

حضرت ابوہریرہ اور زید بن خالد اور شبل فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک مرد نے پوچھا کہ باندی محصن ہونے سے قبل بدکاری کرے تو اس کا کیا حکم ہے فرمایا اسے کوڑے لگاؤ پھر اگر بدکاری کرے تو پھر کوڑے لگاؤ پھر تیسری چوتھی مرتبہ کے بارے میں فرمایا کہ اسے فروخت کر دو گو بالوں کی ایک رسی کے عوض۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 723)

بَاب رَجْمِ الْيَهُوْدِيِّ وَالْيَهُوْدِيَّةِ

یہ باب یہودی مرد اور یہودی عورت کو سنگسار کرنے کے بیان میں ہے

2556 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ يَهُوْدِيَّيْنِ اَنَا فِيمَنْ رَجَمَهُمَا فَلَقَدْ رَاَيْتُهُ وَاِنَّهُ يَسْتُرُهَا مِنَ الْحِجَارَةِ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یہودیوں کو سنگسار کروایا تھا، انہیں سنگسار کرنے والوں میں میں بھی شامل تھا، میں نے اس مرد کو دیکھا کہ وہ اس عورت کو پتھر سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

2557 - حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

2556: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2557: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1437

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ يَهُوْدِيًّا وَيَهُوْدِيَّةً

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو سنگسار کروا دیا۔

2558 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَهُوْدِيٍّ مُحَمَّمٍ مَجْلُوْدٍ فَدَعَاهُمْ فَقَالَ هٰكَذَا تَجِدُوْنَ فِيْ كِتَابِكُمْ حَدَّ الزَّانِيْ قَالُوْا نَعَمْ فَدَعَا رَجُلًا مِّنْ عُلَمَائِهِمْ فَقَالَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوْسٰى اَهٰكَذَا تَجِدُوْنَ حَدَّ الزَّانِيْ قَالَ لَا وَلَوْلَا اَنَّكَ نَشَدْتَّنِيْ لَمْ اُخْبِرْكَ نَجِدُ حَدَّ الزَّانِيْ فِيْ كِتَابِنَا الرَّجْمَ وَلٰكِنَّهُ كَثُرَ فِيْ اَشْرَافِنَا الرَّجْمُ فَكُنَّا اِذَا اَخَذْنَا الشَّرِيْفَ تَرَكْنَاهُ وَكُنَّا اِذَا اَخَذْنَا الضَّعِيْفَ اَقَمْنَا عَلَيْهِ الْحَدَّ فَقُلْنَا تَعَالَوْا فَلْنَجْتَمِعْ عَلٰى شَيْءٍ نُقِيْمُهُ عَلَى الشَّرِيْفِ وَالْوَضِيْعِ فَاجْتَمَعْنَا عَلَى التَّحْمِيْمِ وَالْجَلْدِ مَكَانَ الرَّجْمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَوَّلُ مَنْ اَحْيَا اَمْرَكَ اِذْ اَمَاتُوْهُ وَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کے پاس سے گزرے جس کا منہ کالا کیا گیا تھا اور اسے کوڑے لگائے گئے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو بلایا اور دریافت کیا: کیا تم نے اپنی کتاب میں زنا کرنے والے کی سزا ایسی پائی ہے، انہوں نے جواب دیا جی ہاں، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علماء میں سے ایک شخص کو بلایا اور دریافت کیا: میں تمہیں اس اللہ کے نام کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی ہے، کیا تم لوگ زنا کرنے والے کی سزا ایسی پاتے ہو، اس نے جواب دیا: جی نہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قسم نہ دی ہوتی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات نہ بتاتا، ہم نے اپنی کتاب میں زنا کرنے والے کی سزا سنگسار کرنا پائی ہے' لیکن ہمارے امیر لوگوں کو سنگسار کیے جانے کے واقعات زیادہ ہوئے' تو پھر ہم نے یہ کیا کہ جب ہم کسی امیر آدمی کو پکڑتے تھے' تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کسی غریب آدمی کو پکڑتے تھے' تو اس پر حد جاری کر دیتے تھے، پھر ہم نے یہ سوچا کہ اگر ہم مل جل کر کوئی ایسی سزا تجویز کرتے ہیں جسے ہم امیر اور غریب ہر ایک پر لاگو کر سکیں' تو پھر ہم نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس کا منہ کالا کیا جائے اور کوڑے لگا دیا کریں، یہ سنگسار کرنے کی جگہ ہوگا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے اللہ! ان لوگوں نے جب تیرے حکم کو ترک کر دیا تھا' اس وقت میں وہ سب سے پہلا فرد ہوں جس نے تیرے حکم کو دوبارہ جاری کیا"۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں حکم دیا تو اس مجرم کو سنگسار کر دیا گیا۔

مجوسیہ باندی سے جماع کرنے والے پر تہمت لگانے کا بیان

اور جب کسی بندے نے ایسے آدمی پر تہمت لگائی جس نے اپنی باندی یا مجوسیہ سے جماع کیا یا اپنی حائض بیوی یا مکاتبہ سے وطی کی تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ ملکیت ہونے کے باوجود یہ وطی حرام ہے۔ مگر حرمت موقت ہے اس لئے یہ حرام لغیرہ ہو

گا اور زنانہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ مکاتب کی وطی احصان کو ساقط کرنے والی ہے۔ اور امام زفر علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ وطی کے حق میں ملکیت ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا وطی کے سبب وطی کرنے والے پر ناجائز وطی کا جرمانہ واجب ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ ملکیت ذات باقی ہے اور اس کی حرمت لغیرہ ہے کیونکہ وہ مؤقت ہے۔ اور جب کسی بندے نے ایسے آدمی پر تہمت لگائی جس نے اپنی باندی سے وطی کی اور وہ باندی اس کی رضاعی بہن تھی تو قاذف پر حد جاری نہ کی جائے گی کیونکہ اس کی حرمت ابدی ہے اور یہی صحیح ہے۔

اور جب کسی نے ایسے مکاتب پر تہمت لگائی جو فوت ہو گیا ہے اور کتابت کے بدلے میں مال کی آدائیگی کو چھوڑ گیا ہے تو قاذف پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ کاتب کی آزادی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہے اور اس وجہ سے شبہ پیدا ہو چکا ہے۔

اور جب کسی نے ایسے مجوسی پر تہمت لگائی جس نے اپنی ماں سے شادی کی تھی اس کے بعد وہ اسلام لے آیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کے قاذف کو حد لگائی جائے گی۔

صاحبین کہتے ہیں کہ اس پر حد جاری نہ کی جائے گی۔ یہ اختلاف اس صورت مسئلہ کی بناء پر ہے کہ امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک اہل مجوس کا نکاح محارم سے درست ہوتا ہے۔ جبکہ اس میں صاحبین کا اختلاف ہے اور کتاب النکاح میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

اور جب کوئی حربی امان لیکر دارالاسلام میں آ گیا اور پھر اس نے کسی مسلمان پر تہمت لگا دی تو اس پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ قذف بندے کا حق ہے اور حربی مستامن نے حقوق العباد ادا کرنے کا عہد کیا ہے کیونکہ حربی مستامن کا تمنا یہ تھی کہ اس کو تکلیف نہ دی جائے تو وہ اس حکم کو لازم کرنے والا ہوگا کہ وہ خود بھی کسی کو تکلیف پہنچانے والا نہ ہوگا اور نہ تکلیف دہ کوئی کام کرے گا۔

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس عورت سے وطی کی گئی اُس میں مِلک کا شبہہ ہو تو حد قائم نہ ہوگی اگرچہ اوس کو حرام ہونے کا گمان ہو، جیسے اپنی اولاد کی باندی۔ جس عورت کو الفاظ کنایہ سے طلاق دی اور وہ عدت میں ہو، اگرچہ تین طلاق کی نیت کی ہو۔ بائع کا بیچی ہوئی لونڈی سے وطی کرنا جبکہ مشتری نے لونڈی پر قبضہ نہ کیا ہو بلکہ بیع اگر فاسد ہو تو قبضہ کے بعد بھی۔ شوہر نے نکاح میں لونڈی کا مہر مقرر کیا اور ابھی وہ لونڈی عورت کو نہ دی تھی کہ اوس لونڈی سے وطی کی۔ لونڈی میں چند شخص شریک ہیں، اون میں سے کسی نے اوس سے وطی ک۔ اپنے مکاتب کی کنیز سے وطی کی۔ غلام ماذون جو خود اور اوس کا تمام مال دَین میں مستغرق ہے، اُس کی لونڈی سے وطی کی۔ غنیمت میں جو عورتیں حاصل ہوئیں تقسیم سے پہلے اون میں سے کسی سے وطی کی بائع کا اوس لونڈی سے وطی کرنا جس میں مشتری کو خیار تھا یا اپنی لونڈی سے استبراء سے قبل وطی کی۔ یا اوس لونڈی سے وطی کی جو اس کی رضاعی بہن ہے یا اوس کی بہن اس کے تصرف میں ہے۔ یا اپنی اوس لونڈی سے وطی کی جو مجوسیہ ہے۔ یا اپنی زوجہ سے وطی کی جو مرتدہ ہو گئی ہے یا اور کسی

وجہ سے حرام ہوگئی، مثلاً اس کے بیٹے سے اوس کا تعلق ہوگیا یا اوس کی ماں یا بیٹی سے اس نے جماع کیا۔ (ردمحتار، کتاب الحدود)

بَاب مَنْ اَظْهَرَ الْفَاحِشَةَ

یہ باب ہے کہ جو شخص بے حیائی پھیلائے

بعض لوگوں کا مشغلہ ہی دوسروں کی عیب جوئی ہوتا ہے۔ کسی کے حقیقی یا فرضی عیوب کو اچھالنے اور ان کی تشہیر کرنے میں انہیں خاص لطف آتا ہے۔ اور بعض منہ پھٹ ایسے ہوتے ہیں کہ چلتے چلتے کسی کی پگڑی اچھال دی۔ دو چار بیتقط سنا کر اپنی بڑائی کی تسکین کرلی۔ ایسے لوگ جس دل آزاری کا باعث بنتے ہیں اور باہمی محبت و پیار کو جتنا نقصان پہنچاتے ہیں اس کا اندازہ ہر اس شخص کو اچھی طرح ہے، جس کو اس قماش کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہو۔ اسلام جو مسلمانوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح یکجان دیکھنا چاہتا ہے وہ ان یاوہ گوئیوں کو کب برداشت کرسکتا ہے۔ اس لئے اس آیت میں واضح ہدایت فرمادی کہ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ ناپسند ہیں ان سے باز آجاؤ۔ کسی کی پس پشت غیبت۔ کسی کی منہ پر توہین اور ہتک عزت سب کی ممانعت کردی گئی۔ ہاں وہ شخص جس پر واقعی ظلم ہوا ہو اس کی حق تلفی کی گئی اسے رخصت ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کا برملا اظہار کرے اور اپنی مظلومیت کی داستان بیدھڑک سنائے۔

اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ظالم ومظلوم دونوں کو احساس دلایا جارہا ہے۔ ظالم یہ نہ سمجھے کہ اس کے مظالم کس کو علم ہی نہیں یا دنیا کی کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ظالم کے کرتوتوں سے واقف ہے۔ اور اگر دنیا کی کوئی عدالت اسے سزا نہیں دے سکتی تو اللہ تعالیٰ کی عدالت سے اسے سزا مل کر رہے گی۔ اور مظلوم کو تسلی دی جارہی ہے کہ اگر کوئی دوسرا تمہاری دادرسی نہیں کرتا تو صبر کرو اللہ تعالیٰ تیرا فریاد رس ہے۔ تیری مظلومیت اور بیکسی کا اسے خوب علم ہے۔

2559- حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيْدِ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي جَعْفَرٍ عَنْ اَبِي الْاَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا اَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُ فُلَانَةَ فَقَدْ ظَهَرَ مِنْهَا الرِّيبَةُ فِي مَنْطِقِهَا وَهَيْئَتِهَا وَمَنْ يَدْخُلُ عَلَيْهَا

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اگر میں نے کسی ثبوت کے بغیر کسی کو سنگسار کروانا ہوتا' تو میں فلاں عورت کو سنگسار کروا دیتا کیونکہ اس کی بات چیت اس کی ہیئت اور اس کے ہاں آنے جانے والے لوگ اس عورت کے مشکوک ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔

2560- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ ذَكَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَقَالَ لَهُ ابْنُ شَدَّادٍ اَهِيَ الَّتِي قَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا اَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُهَا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تِلْكَ امْرَاَةٌ اَعْلَنَتْ

2559: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2560 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 6855' ورقم الحدیث: 7238' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 3739

قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے لعان کرنے والے میاں بیوی کا تذکرہ کیا' تو ابن شداد نے ان سے یہ کہا: کیا یہی وہ عورت تھی؟ جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں نے کسی ثبوت کے بغیر کسی کو سنگسار کرنا ہوتا' تو اسے سنگسار کر دیتا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ عورت تو اعلانیہ طور پر گناہ کرتی تھی۔

شرح

فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا کفر وانکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی اس لئے لفظ فاسق کافر کے لئے بھی بولا جاتا ہے قرآن کریم میں بیشتر لفظ فاسقین کافروں ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور مومن گنہگار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے فقہا کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے ان کی اصطلاح میں فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسیم قرار دیا گیا ہے جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے اس کی عادت بنالے وہ فقہا کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے (مظہری) اور جو شخص یہ فسق کے کام اور گناہ علانیہ جرأت کے ساتھ کرتا پھرے اس کو فاجر کہا جاتا ہے۔

بَاب مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ

یہ باب ہے کہ جو شخص قوم لوط کا سا عمل کرے

2561- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَاَبُوْ بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِیْ عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جس شخص کو تم قوم لوط کا سا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو یہ عمل کرنے والے اور جس کے ساتھ یہ عمل کیا گیا ہے انہیں قتل کر دو۔

2562- حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نَافِعٍ اَخْبَرَنِیْ عَاصِمُ بْنُ عُمَرَ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الَّذِیْ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ قَالَ ارْجُمُوا الْاَعْلٰى وَالْاَسْفَلَ ارْجُمُوْهُمَا جَمِيْعًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس شخص کے بارے میں نقل کرتے ہیں جو قوم لوط کا سا عمل کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"تم لوگ اوپر والے اور نیچے والے (یعنی یہ عمل کرنے والے اور جس کے ساتھ یہ عمل کیا جائے اسے) ان دونوں کو

2561 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4462' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1456

2562 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1456

سنگسار کردو"۔

2563- حَدَّثَنَا اَزْهَرُ بْنُ مَرْوَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيْلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِىْ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ یہ ہے کہ وہ قوم لوط کا سا عمل کریں گے"۔

لوطی کی حد میں مذاہب اربعہ

لواطت کرنے والے کی حد کے متعلق اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک لواطت پر شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہاں امام المسلمین جس قسم پر اور جس قدر مصلحت سمجھے بطور تعزیر سزا جاری کر سکتا ہے۔

امام شافعی کا ظاہر قول ہے کہ فاعل پر حد زنا جاری ہوگی اور مفعول پر سو کوڑے ہیں۔امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل اور مفعول یہ دونوں کو قتل کیا جائے گا، جیسا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جس شخص کو قوم لوط کا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو۔(ترمذی، ابن ماجہ (امام مالک اور امام احمد کے نزدیک لواطت کرنے والے کو سنگسار کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو قوم لوط جیسا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو اس باب میں حضرت جابر اور ابو ہریرہ سے بھی احادیث منقول ہیں اس حدیث کو ہم ابن عباس کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔محمد بن اسحاق نے اس حدیث کو عمرو بن ابی عمر سے روایت کیا ہے اور فرمایا قوم لوط کا سا عمل کرنے والا ملعون ہے قتل کا ذکر نہیں کیا اور یہ بھی مذکور ہے کہ چوپائے سے بدفعلی کرنے والا بھی ملعون ہے۔عاصم بن عمرو بن سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے والد سے اور وہ ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ہم نہیں جانتے کہ اس حدیث کو عاصم کے علاوہ کسی اور نے بھی سہیل بن ابی صالح سے روایت کیا ہو عاصم بن عمر حفظ کے اعتبار سے حدیث میں ضعیف ہیں لوطی عمل کرنے والے کی سزا کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اسے سنگسار کیا جائے خواہ وہ شادی شدہ یا غیر شادی شدہ۔امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض علماء وفقہاء تابعین، حسن بصری، ابراہیم نخعی اور عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے پر اسی طرح حد جاری کی جائے جس طرح زانی پر حد جاری کی جاتی ہے۔سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی جلد اول رقم الحدیث 1498)

لواطت کا جرم سب جرائم سے بڑا، اور سب گناہوں سے سب سے زیادہ قبیح گناہ ہے، اور افعال میں سے غلط ہے، اس کے

2563: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1457

مرتکب افراد کو اللہ تعالیٰ نے وہ سزا دی ہے جو کسی اور امت کو نہیں دی، اور یہ جرم فطرتی گراوٹ، اور بصیرت کے اندھے پن، اور عقلی کمزوری، قلت دین پر دلالت کرتا ہے، اور ذلت و پستی کی علامت، اور محرومی کا زینہ ہے، اللہ تعالیٰ سے ہم عافیت و معافی طلب کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: اور جب لوط (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو کہا کیا تم ایسی فحاشی کرتے ہو جو تم سے قبل کسی نے بھی نہیں کی، یقیناً تم عورتوں کی بجائے مردوں سے شہوت والے کام کرتے ہو، بلکہ تم تو حد سے بڑھی ہوئی قوم ہو، اس کی قوم کا جواب تھا کہ اسے تم اپنی بستی سے نکال باہر کرو یہ پاکباز لوگ بنے پھرتے ہیں، تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی، مگر اس کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی، اور ہم نے ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی، تو آپ دیکھیں کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا۔ (الاعراف (80-84.))

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان کچھ اس طرح ہے۔ تیری عمر کی قسم یقیناً یہ تو اپنی مدہوشی میں حیران پھرتے ہیں تو انہیں صبح کے وقت ایک چنگاڑ نے پکڑ لیا، اور ہم نے ان کی بستی کا اوپر والا حصہ نیچے کر دیا، اور ہم نے ان پر آسمان سے کنکروں کی بارش برسائی، یقیناً اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں، اور یہ باقی رہنے والی راہ ہے۔ (الحجر (72-76.))

اس کے علاوہ کئی ایک آیات اور بھی ہیں۔ ترمذی، ابو داود اور ابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جسے قوم لوط والا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو"

سنن ترمذی رقم الحدیث، (1456) سنن ابو داود رقم الحدیث، (4462) سنن ابن ماجہ رقم الحدیث، (2561) علامہ البانی نے صحیح ترمذی میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اور مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قوم لوط جیسا عمل کرنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے، اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت فرمائے جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے، یہ تین بار فرمایا"

مسند احمد رقم الحدیث، (2915) مسند احمد کی تحقیق میں شیخ شعیب الارناؤط نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ اور صحابہ کرام کا لوطی عمل کرنے والے کو قتل کرنے پر اجماع ہے، لیکن اسے قتل کرنے کے طریقہ میں اختلاف کیا ہے۔

ان میں سے بعض صحابہ کرام تو اسے جلا کر قتل کرنے کے قائل ہیں مثلاً علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما، اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

اور ان میں سے بعض کی رائے ہے کہ اسے اونچی جگہ سے گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہی ہے۔

اور بعض صحابہ کرام اسے پتھروں سے رجم کرنے کے قائل ہیں حتی کہ وہ ہلاک ہو جائے، یہ بھی ابن عباس اور علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور ان میں سے بعض کا قول ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا چاہے وہ کسی بھی حالت میں ہو، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ اور کچھ

کاقول ہے کہ: بلکہ زانی جیسی سزادی جائے گی، اگر تو شادی شدہ ہے تو اسے رجم کیا جائے گا، اور اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے کوڑے مارے جائینگے۔

اور بعض کا قول ہے کہ: اسے شدید قسم کی وہ تعزیر لگائی جائے گی جسے حکمران مناسب سمجھے۔ اس مسئلہ میں ابن قیم رحمہ اللہ نے تفصیل بیان کرتے ہوئے فقہاء کرام کے دلائل بیان کرنے کے بعد اس کا مناقشہ بھی کیا ہے، اور پہلے قول کی تائید کی ہے، انہوں نے اس فاحش اور منکر کام کا علاج اپنی کتاب "الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی" میں تفصیلا بیان کیا ہے، یہاں ہم ان کی کلام کا کچھ حصہ ذکر کرتے ہیں: "اور جب لواطت سب فساد اور خرابیوں سے زیادہ بڑی تھی تو دنیا وآخرت میں اس کی سزا بھی سب سزاؤں سے بڑی ہوئی۔ اس کی سزا میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا اس کی سزا زنا سے بڑی ہے یا کہ زنا کی سزا بڑی ہے، یا دونوں کی سزا برابر ہے؟

اس میں تین قول پائے جاتے ہیں: ابو بکر صدیق اور علی بن ابی طالب، اور خالد بن ولید، اور عبداللہ بن زبیر، اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، اور امام مالک، اسحاق بن راہویہ، اور امام احمد اصح ترین روایت میں، اور امام شافعی اپنے ایک قول میں اس طرف گئے ہیں کہ اس کی سزا زنا سے زیادہ سخت ہے، اور ہر حالت میں اس کی سزا قتل ہے، چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔

لوطی کی حد میں فقہی مذاہب کی تفصیل کا بیان

اور امام شافعی ظاہر مذہب، اور امام احمد دوسری روایت میں یہ کہتے ہیں کہ: اس کی سزا اور زانی کی سزا برابر ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کا کہنا ہے کہ اس کی سزا زانی کی سزا سے کم ہے اور وہ تعزیر ہے۔

خرابیوں اور فساد میں لواطت سے بڑھ کر کوئی خرابی اور فساد نہیں جو کفر کی خرابی سے ملتی ہے، اور بعض اوقات تو اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ بیان بھی کریں گے۔

ان کا کہنا ہے: اللہ تعالی نے قوم لوط سے قبل کسی بھی قوم کو اس میں مبتلا نہیں کیا، اور نہ ہی انہیں ایسی سزا دی جو کسی اور امت کو نہیں دی گئی، اور ان کو کئی قسم کی سزا دی گئی، جن میں ان کی ہلاکت کے ساتھ ساتھ ان کے گھروں کو ان پر الٹا کر گرانا، اور انہیں زمین میں دھنسانے کے ساتھ ساتھ آسمان سے پتھروں کی بارش کرنا، اور انہیں کی آنکھوں کو پھوڑ کر رکھ دینا، اور ان کا عذاب مستقل کرنا، تو اللہ تعالی نے ان کا انجام ایسا کیا اور انہیں وہ سزا دی جو کسی اور کو نہیں دی۔

یہ اس اس عظیم جرم کی بنا پر تھی جس کی بنا پر قریب تھا کہ زمین پر اس عمل کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے زمین ہلنے لگتی، اور جب فرشتے اس کا مشاہدہ کرتے تو اہل زمین پر عذاب نازل ہونے کے ڈر سے وہ آسمان کی طرف بھاگ نکلتے کہ کہیں وہ بھی عذاب سے دوچار نہ ہو جائیں، اور زمین اپنے پروردگار کے سامنے احتجاج کرنے لگتی، اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جاتے۔

بد فعلی کیے جانے والے شخص کے لیے بہتر ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے، کیونکہ جب کوئی شخص اس کے ساتھ بد فعلی کرتا ہے تو اسے وہ ایسا قتل کرتا ہے جس کے ساتھ زندگی کی امید ہی نہیں کی جا سکتی، بخلاف اس شخص کے جسے وہ قتل کر دے تو وہ مظلوم اور شہید ہوتا ہے، اس کی دلیل (یعنی لواطت قتل سے بھی بڑی خرابی اور فساد ہے) یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے قاتل کی حد کو مقتول کے ولی کے اختیار

میں رکھا ہے چاہے تو وہ اسے معاف کردے، اور چاہے تو اس سے قصاص لے، لیکن لواطت کی حد کو حتمی طور پر قتل ہی قرار دیا ہے، جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے، اور سنت نبویہ بھی اس کی صراحت کرتی ہے، اور اس کا کوئی مخالف نہیں، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اور ان کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرب کے ایک علاقے میں دیکھا کہ ایک مرد کے ساتھ وہی کچھ کیا جاتا ہے جس طرح عورت کے ساتھ تو انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، تو اس کے متعلق ان سب میں زیادہ شدید قول علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا تھا، وہ کہنے لگے:

ایسا فعل تو صرف ایک امت نے کیا تھا، اور تمہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا، میری رائے ہے کہ انہیں آگ میں جلا کر راکھ کر دیا جائے، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انہیں جلا کر راکھ کر دینے کا لکھا۔

اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: بستی اور شہر میں سب سے اونچی عمارت دیکھ کر لواطت کرنے والے شخص کو اس سے گرا کر اوپر سے پتھر برسائے جائینگے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس حد کو قوم لوط کے عذاب سے اخذ کیا ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرتے ہیں کہ: "جسے تم قوم لوط والا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو"

اسے اہل سنن نے روایت کیا ہے، اور ابن حبان وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث سے حجت اور دلیل پکڑی ہے، اور اس کی سند بخاری کی شرط پر ہے۔ وہ کہتے ہیں: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ: "اللہ تعالیٰ قوم لوط والا عمل کرنے والے پر لعنت کرے، اللہ تعالیٰ قوم لوط والا عمل کرنے والے پر لعنت کرے، اللہ تعالیٰ قوم لوط والا عمل کرنے والے پر لعنت کرے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایک ہی حدیث میں زانی پر تین بار لعنت نہیں آئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کے مرتکب افراد پر لعنت تو کی ہے، لیکن ایک بار سے زیادہ سے تجاوز نہیں کیا، اور لواطت کے متعلق تین بار تکرار کے ساتھ لعنت کی ہے۔

اور پھر صحابہ کرام نے اس کے قتل پر عمل بھی کیا ہے، اور اس میں کسی بھی دو صحابیوں کا اختلاف نہیں، بلکہ اسے قتل کرنے کے طریقہ کار میں ان کا اختلاف پایا جاتا ہے، جسے بعض افراد نے اسے قتل کرنے میں اختلاف سمجھا ہے، تو اسے صحابہ کرام کے مابین نزاعی مسئلہ بیان کیا ہے، حالانکہ یہ تو ان کے مابین مسئلہ اجماع ہے نہ کہ مسئلہ نزاع۔

ان کا کہنا ہے: اور جو کوئی بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے درج ذیل فرمان: ?اور تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، کیونکہ یہ فحاشی اور غضب کا باعث ہے، اور برا راستہ ہے۔

اور لواطت کے متعلق فرمان باری تعالیٰ: ?تو کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جو تم سے قبل جہان والوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔

پر غور وفکر اور تامل کیا تو اس کے سامنے ان دونوں کے مابین فرق واضح ہو جائے گا، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زنا کو نکرہ ذکر کیا

ہے، یعنی وہ فحش کاموں میں سے ایک فحش کام ہے، اور اسے لواطت میں معرفہ ذکر کیا ہے، جو فحاشی کے تمام معانی کو اپنے اندر جمع کرنے کا فائدہ دے رہا ہے، جیسے آپ کہیں کہ: زید الرجل، اور نعم الرجل زید.

یعنی: تم اس خصلت کا ارتکاب کر رہے ہو جس کی فحاشی ہر شخص کے ہاں مقرر ہے، جس میں اس کی فحاشی اور کمال بیان کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی، اس لیے کہ اسم کسی اور کی طرف منصرف نہیں ہو سکتا۔ الجواب الکافی (260-263).

اور ابن تیمیہ کہتا ہے لواطت کے بارہ میں بعض علماء کرام کا قول ہے کہ اس کی حد زنا کی حد جیسی ہی ہے، اور اس کے علاوہ اور قول بھی کہا گیا ہے۔

لیکن صحیح بات اور جس پر صحابہ کرام کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ: اوپر اور نیچے والے دونوں کو ہی قتل کر دیا جائے گا، چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کیونکہ اہل سنن نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جسے بھی تم قوم لوط والا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو" اور ابو داود نے کنوارے لواطت کرنے والے شخص کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ: "اسے رجم کیا جائے گا"

اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی اس جیسی روایت بیان کی جاتی ہے، لواطت کرنے والے شخص کو قتل کرنے میں صحابہ کرام کے مابین کوئی اختلاف نہیں، لیکن اسے قتل کرنے کے کئی ایک طریقے بیان کیے ہیں.

چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اسے جلانے کا حکم دیا تھا، اور ان کے علاوہ دوسروں سے قتل کرنے کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور بعض سے بیان کیا جاتا ہے کہ: اس پر دیوار گرا دی جائے گی حتی کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ: انہیں گندی اور بدبودار جگہ پر قید کیا جائے گا حتی کہ وہ مر جائیں.

اور بعض کہتے ہیں: اسے بستی میں سب سے اونچی دیوار پر چڑھا کر اسے نیچے گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں گے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے ساتھ کیا تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہی ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ اسے رجم کیا جائے گا، اکثر سلف کا مسلک یہی ہے.

ان کا کہنا ہے: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو رجم کیا تھا، اور قوم لوط سے مشابہت میں زانی کو رجم کرنا شروع کیا ہے، تو اس لیے دونوں کو ہی رجم کیا جائے گا، چاہے وہ آزاد ہوں یا غلام، یا ان میں سے ایک غلام اور دوسرا آزاد ہو، جب دونوں بالغ ہوں تو انہیں رجم کیا جائے گا، اور اگر ان میں سے کوئی ایک نابالغ ہو تو اسے قتل سے کم سزا دی جائے گی، اور صرف بالغ کو ہی رجم کیا جائے گا۔ (السیاسة الشرعیة صفحہ 138)

دوم: جس کے ساتھ لواطت کی جائے وہ بھی فاعل کی طرح ہی ہے، کیونکہ وہ دونوں فحش کام میں شریک ہیں، تو اس لیے ان کی سزا قتل ہے جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہے، لیکن اس سے دو صورتیں مستثنیٰ ہونگی:

پہلی صورت: جسے زد وکوب کر کے یا قتل وغیرہ کی دھمکی دے کر لواطت کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، تو اس پر کوئی حد نہیں.

شرح منتھی الارادات میں درج ہے: "جس شخص کے ساتھ لواطت کی گئی ہے اگر وہ مکرہ ہو اور اسے قتل کر دینے دھمکی دے کر یا

زدوکوب کرکے مجبور کیا گیا ہو یا لواطت کرنے والا شخص اس پر غالب آ گیا ہو تو اس پر کوئی حد نہیں۔ (شرح مسلم ط بیروت (348/3)

دوسری صورت: جس کے ساتھ لواطت کی گئی ہے اگر وہ چھوٹا بچہ ہو ابھی بالغ نہیں ہوا تو اس پر کوئی حد نہیں، لیکن اسے تعزیر لگائی جائے گی ادب سکھایا جائے گا جس سے اس عمل کو روکنے میں مدد ملے،

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے "المغنی" میں نقل کیا ہے کہ: "مجنون اور بچہ جو بالغ نہیں ہوا اسے حد نہ لگانے میں علماء کرام کا کوئی اختلاف نہیں۔ (المغنی ابن قدامہ (62/9)

بَاب مَنْ اَتٰى ذَاتَ مَحْرَمٍ وَّمَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً

باب 13: جو شخص کسی محرم کے ساتھ زنا کرے یا جو شخص کسی جانور کے ساتھ برا فعل کرے

2564 - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ فُدَيْكٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَّقَعَ عَلٰى ذَاتِ مَحْرَمٍ فَاقْتُلُوْهُ وَمَنْ وَّقَعَ عَلٰى بَهِيْمَةٍ فَاقْتُلُوْهُ وَاقْتُلُوا الْبَهِيْمَةَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"جو شخص کسی محرم کے ساتھ زنا کرے اسے قتل کر دو، جو شخص کسی جانور کے ساتھ برا فعل کرے اسے قتل کر دو اور اس جانور کو بھی قتل کر دو"۔

محرمات ابدیہ سے نکاح میں فقہ حنفی کے مطابق سزا کا بیان

طحاوی جلد 2 ص 73 میں واضح طور پر یہ فتویٰ موجود ہے سوتیلی ماں سے نکاح کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے۔ کیوں کہ اس نے حرام کو حلال سمجھا لہٰذا اس پر ارتداد کی سزا نافذ ہوگی اور یہ صرف عقد نکاح ہی سے نافذ ہو جائے گی اس کے لئے مباشرت شرط نہیں اور اگر اس نے یہ نکاح حرام سمجھ کر کیا تو مباشرت ووطی کی صورت میں حد نافذ ہوگی، اسی طرح محرم سے بلا نکاح وطی کی تو بھی حد نافذ ہوگی۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ غور فرمایئے کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔

(اول) محرمات میں سے کسی کے ساتھ نکاح کیا گیا، اگر حلال اور جائز سمجھ کر کیا تو کافر و مرتد ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس پر ارتداد کی شرعی سزا نافذ ہوگی (اور یہ صرف عقد نکاح ہی سے نافذ ہو جائے گی، مباشرت شرط نہیں)۔ اور اگر حرام و ناجائز سمجھ کر (صرف نکاح کیا وطی یا مباشرت نہ کی) کیا تو اس کے لئے شرعاً کوئی حد اور سزا مقرر نہیں ہے (البتہ گنہگار ہوگا)

(دوم) نکاح کے بعد اگر اس نے وطی و مباشرت بھی کر لی تو یہ زنا ہے۔ لہٰذا اس پر زنا کی حد جاری ہوگی۔ (سوم) بغیر نکاح کے اگر کسی محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کر لیا تو اس پر بھی زنا کی حد جاری ہوگی۔

باقی رہا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص کے لئے قتل کی سزا کا حکم دیا ہے تو اس کے بارے میں (غیر مقلدین

2564 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کے امام) قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ اس نے فعل حرام کو حلال سمجھا جو کفر کے لوازمات میں سے ہے اس لئے قتل کیا گیا (نیل الاوطار ج7 ص122) گویا یہ قتل کی سزا حد نہیں بلکہ ارتداد کی سزا تھی۔

امام حافظ ابن الہمام الحنفی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قتل کی سزا بطور سیاست وتعزیر تھی (فتح القدیر ص148) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اختلاف قتل کی سزا میں نہیں ہے بلکہ اس میں ہے کہ یہ قتل کی سزا حد ہے یا تعزیر؟

لیکن مذکورہ مسئلہ معترض نے اس طرح پیش کیا۔ جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ محرمات ابدیہ سے نکاح کے قبیح فعل کی حرمت سے انکاری ہیں اور قرآن وحدیث سے صریح نصوص کے مخالف ہیں (معاذ اللہ)؟

ذرا غور فرمائیں کہ غیر مقلدین کا یہ فعل اور عامی مسلمان کے سامنے ایسے مسائل کو یوں پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے سوائے اس کے کہ مقلدین حضرات کے دلوں میں سے ائمہ کرام کا اعتماد ختم کر دیا جائے؟

مزید ملاحظہ فرمائیں فقہ حنفی کی کتابوں سے محرمات ابدیہ سے نکاح پر فتویٰ جات: درمختار (جلد 3 ص179) میں ہے اسے تعزیراً قتل کیا جائے گا عالمگیری (جلد2 ص148) میں ہے کہ اسے عبرتناک سزا دی جائے گی۔

طحاوی (جلد2 ص97) میں ہے کہ یہ زنا سے بڑا گناہ ہے ولكن يجب فيه التعزير والعقوبة البليغة اس پر تعزیراً سخت ترین سزا واجب ہے۔

حافظ ابن ہمام رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا کہ ماں بیٹی وغیرہ سے نکاح جائز ہے وہ کافر، مرتد اور واجب القتل ہے (فتح القدیر ج5 ص42) (طحاوی ج2 ص96)

جانور سے وطی کا زنا کے حکم میں نہ ہونے کا بیان

اور جس نے کسی جانور سے وطی کی تو اس پر حد نہ ہوگی کیونکہ اس میں جنایت کے ہونے اور داعی کے موجود ہونے میں زنا کا حکم نہیں پایا جا رہا۔ کیونکہ فطرت سلیمہ اس سے نفرت کرنے والی ہے۔ اور اس کام پر تیار کرنے والی یا تو انتہائی بے وقوفی ہے یا پھر شہوت کی شدت ہے۔ اور اسی دلیل یعنی عدم رغبت کے سبب ان کی شرمگاہوں کو چھپانا واجب نہیں ہے۔ جبکہ وطی کرنے والے کو سزا دی جائے گی اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور رہی وہ روایت کہ اس جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے تو اس کا معاملہ ختم کرنے کے سبب سے ہے اور یہ واجب نہیں ہے۔

جانور سے وطی کرنے والے پر عدم حد میں مذاہب اربعہ

جس چوپائے کے ساتھ لواطت کی گئی ہو اس جانور کو قتل کر دیا جائے گا، اور اس کا گوشت نہیں کھایا جائے گا، اور اگر وہ جنسی زیادتی کرنے والے شخص کی ملکیت ہو تو اس کی کوئی ضمان نہیں، لیکن اگر کسی دوسرے کی ملکیت ہو تو اسے اس جانور کی ضمان اور قیمت بھی ادا کرنا ہوگی۔ اور بدفعلی کرنے والے شخص کو تعزیر لگے گی، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ اس میں درج ذیل حدیث وارد ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جسے تم کسی چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پاؤ تو اسے قتل کر دو، اور چوپایا بھی قتل کر دو" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا: چوپائے کو قتل کیوں کیا جائے گا؟ تو انہوں نے فرمایا: اس سلسلہ میں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ سے کچھ نہیں سنا، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا کہ اس کا گوشت کھایا جائے، یا اس سے نفع اٹھایا جائے، اور اس سے ایسی بدفعلی کی گئی ہو۔ سنن ترمذی رقم الحدیث، (1455) سنن ابوداود رقم الحدیث، (4464) سنن ابن ماجہ رقم الحدیث، (2564) اس حدیث کو ابوداود اور طحاوی نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کے بعد کہا ہے: اور سفیان ثوری نے عاصم سے اور انہوں نے ابورزین سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ: "جو چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرے اس پر کوئی حد نہیں"

ہمیں یہ محمد بن بشار نے عبدالرحمن بن مہدی سے اور وہ سفیان ثوری سے بیان کیا ہے، اور پہلی حدیث سے یہ زیادہ صحیح ہے، اور اہل علم کے ہاں عمل بھی اسی پر ہے، اور امام احمد اور اسحاق کا قول بھی یہی ہے۔

"جمہور فقہاء کا مسلک ہے کہ چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرنے والے پر کوئی حد نہیں، لیکن اس پر تعزیر لگائی جائے گی، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: جو چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرے اس پر کوئی حد نہیں"

اور اس طرح کا قول تو توقیف سے ہی کہا جا سکتا ہے، اور اس لیے کہ سلیم الطبع اس کا انکار کرتی ہیں، تو حد لگانے کی دلیل نہیں لی جا سکتی۔ اور شافعیہ کا قول ہے: اسے زنا کی حد لگائی جائے گی، اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

اور شافعیہ کا ایک دوسرا قول یہ ہے: اسے مطلقا قتل کیا جائے گا، چاہے وہ شادی شدہ ہو یا کنوارہ ہو۔

اور جمہور فقہاء (احناف، مالکیہ، شافعیہ) کا مسلک ہے کہ: چوپایا قتل نہیں کیا جائے گا، اور اگر قتل کر دیا جائے تو بغیر کسی کراہت کے کھانا جائز ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے ہاں اگر وہ کھائے جانے والے جانور میں سے ہو، اور ابو یوسف اور محمد نے اسے کھانے سے منع کیا ہے، ان کا کہنا ہے: اسے ذبح کر کے جلا دیا جائے گا۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کی اجازت دی ہے، اور احناف نے اس سے زندہ یا مردہ نفع لینے کی کراہت بیان کی ہے۔

اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ: چوپایا قتل کیا جائے گا چاہے وہ اس کی اپنی ملکیت ہو یا کسی دوسرے کی، اور چاہے کھایا جانے والا ہو یا نہ کھایا جانے والا۔

شافعیہ کے ہاں بھی یہی قول ہے، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا مروی ہے: "جو چوپائے سے بدفعلی کرے اسے قتل کر دو، اور چوپایا بھی قتل کر دو"

اور شافعیہ کے ہاں ایک اور قول بھی ہے: اگر کھایا جانے والا ہو تو اسے ذبح کیا جائے گا، اور اگر کھائے جانے والی جنس میں سے ہو تو انہوں نے اسے کھانے کی حرمت صراحت سے بیان کی ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ (33/24)

"اور اگر انسان کسی چوپائے سے بدفعلی کرے تو اسے تعزیر لگائی جائے گی، اور جانور قتل کر دیا جائے گا کیونکہ وہ حرام اور مردار ہے۔ اور اگر وہ جانور اس کی اپنی ملکیت ہو تو اس کا نقصان ہوگا، اور اگر کسی دوسرے کا ہو تو بدفعلی کرنے والا مالک کو اس کی قیمت ادا

کریگا اور ایک قول یہ بھی ہے: جو چوپائے سے بدفعلی کرے اسے قتل کر دیا جائے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: تم جسے چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پاؤ اسے قتل کر دو، اور چوپایا بھی قتل کر دو"

اور اس عموم سے اہل علم نے یہ اخذ کرتے ہوئے کہا ہے: چوپائے کی فرج کسی بھی حالت میں حلال نہیں تو یہ لواطت کی طرح ہو گا۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے جب اہل علم کے ہاں یہ حدیث ضعیف ٹھری تو وہ دو چیزوں میں سے ہلکی اور خفیف کی طرف مائل ہوئے، اور وہ چوپائے کا قتل ہے، لیکن آدمی کو قتل نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ اس کی حرمت زیادہ عظیم ہے، لیکن آدمی کو اس معصیت کی وجہ سے تعزیر لگائی جائے گی۔

اور عام قاعدہ اور اصول ہے کہ: ہر اس معصیت و نافرمانی میں تعزیر واجب ہے جس میں حد نہ ہو، اور نہ ہی کفارہ ہو۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: چوپائے کو قتل کرنے کی علت میں فقہاء کا اختلاف ہے: اس لیے قتل کیا جائے گا کہ وہ فاعل کے لیے عار کا باعث ہے، اور جب اسے دیکھے گا تو اسے فعل یاد آئے گا۔

ابن بطہ سے ان کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " جسے تم چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پاؤ اسے قتل کر دو، اور چوپائے کو قتل کر دو۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چوپائے کا کیا قصور ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ اور یہ نہ کہا جائے " اور یہ بھی کہا گیا ہے: تا کہ وہ بدصورت مخلوق نہ جنے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے: تا کہ کھایا نہ جائے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی علت بیان کرتے ہوئے اسی طرح اشارہ کیا ہے۔ (المغنی ابن قدامہ (60/9)

جانور سے جماع کرنے پر حد نہیں آتی

درمختار جلد 2 ص 414، عالمگیری ج 2 ص 673، ہدایہ ج 2 ص 458، شرح وقایہ ص 331، کنز ص 192، (حدیث میں ہے کہ اس شخص اور جانور کو قتل کر دیا جائے) (حقیقۃ الفقہ ص 169)

الجواب: جانور کے ساتھ بدفعلی کرنا حرام ہے مگر اس کو زنا نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ زنا انسانی جنس سے ہوتا ہے اگر شادی شدہ انسان زنا کا ارتکاب کرے تو اسے رجم (سنگ سار) کیا جائے اگر غیر شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے تو اسے سو کوڑے مارا جائیں گے لیکن اگر کوئی بدفطرت اور بدبخت انسان جانور کے ساتھ بدفعلی کرے تو اس پر زنا کی حد جاری نہ کی جائے گی اور فقہ کی کتابوں میں جس طرح یہ مسئلہ موجود ہے بعینہ یہی مسئلہ حدیث شریف کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ مثلاً مشکوۃ المصابیح میں ص 313، و ترمذی شریف ص 270، (ابواب الحدود) ابوداؤد شریف ج 2 ص 265 (ابواب الحدود) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے تو اس پر حد نہیں باقی اس کا یہ مطلب لینا کہ زنا کی حد نہیں تو یہ فعل جائز ہوا۔ یہ نری حماقت ہے دیکھئے گندگی کھانا اور خنزیر کھانا شرعاً حرام ہے مگر کھانے والے پر شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اور فقہ کی کتابوں میں صراحۃ موجود ہے کہ جانور کے ساتھ وطی کرنے والے کو تعزیر لگائی جائے گی یعنی سخت سزا دی جائے جس کا ذکر مولف حقیقۃ الفقہ نے چھوڑ دیا ہے۔ اور خیانت کا ارتکاب کیا ہے اور ان لوگوں کی ساری زندگی ہی جھوٹ بولنے میں صرف ہو جاتی ہے اور تعزیر کے طور پر جانور کے

ساتھ بدفعلی والے بدفطرت انسان کو حاکم وقت قتل کر دے جیسا کہ ترمذی شریف کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بدفعلی کرنے والے انسان اور جانور جس کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے دونوں کو قتل کر دیا جائے معلوم ہوا کہ یہ قتل تعزیراً ہے۔

بَاب اِقَامَةِ الْحُدُوْدِ عَلَى الْاِمَاءِ

یہ باب کنیزوں پر حدود قائم کرنے کے بیان میں ہے

2565- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَشِبْلٍ قَالُوْا كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ رَجُلٌ عَنِ الْاَمَةِ تَزْنِیْ قَبْلَ اَنْ تُحْصَنَ فَقَالَ اجْلِدْهَا فَاِنْ زَنَتْ فَاجْلِدْهَا ثُمَّ قَالَ فِی الثَّالِثَةِ اَوْ فِی الرَّابِعَةِ فَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعَرٍ

◆◆ حضرت ابوہریرہ، رضی اللہ عنہ حضرت زید بن خالد، رضی اللہ عنہ حضرت شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کنیز کے بارے میں دریافت کیا: جو شادی شدہ ہونے سے پہلے ہی زنا کا ارتکاب کر لیتی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے کوڑے مارو پھر اگر وہ زنا کا ارتکاب کرے تو اسے کوڑے لگاؤ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری یا شاید چوتھی مرتبہ یہ فرمایا پھر تم اسے فروخت کر دو اگر چہ بالوں کی ایک رسی کے عوض کر دو۔

2566- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِیْ حَبِيْبٍ عَنْ عَمَّارِ بْنِ اَبِیْ فَرْوَةَ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ مُسْلِمٍ حَدَّثَهُ اَنَّ عُرْوَةَ حَدَّثَهُ اَنَّ عَمْرَةَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَتْهُ اَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا زَنَتِ الْاَمَةُ فَاجْلِدُوْهَا فَاِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا فَاِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا فَاِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا ثُمَّ بِيْعُوْهَا وَلَوْ بِضَفِيْرٍ وَّالضَّفِيْرُ الْحَبْلُ

◆◆ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"جب کوئی کنیز زنا کا ارتکاب کرے تو اسے کوڑے مارو، اگر وہ پھر زنا کا ارتکاب کرے تو اسے کوڑے لگاؤ، اگر وہ پھر زنا کا ارتکاب کرے تو اسے کوڑے لگاؤ، اگر وہ پھر زنا کا ارتکاب کرے تو اسے کوڑے لگاؤ اور پھر اسے فروخت کر دو اگر چہ وہ ایک رسی کے عوض میں ہو"۔

(امام ابن ماجہ کہتے ہیں) لفظ "ضفیر" سے مراد رسی ہے۔

2565: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2153' ورقم الحدیث: 2154' ورقم الحدیث: 2232' ورقم الحدیث: 2233' ورقم الحدیث: 2555' ورقم الحدیث: 2556' ورقم الحدیث: 6837' ورقم الحدیث: 6838' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4422' ورقم الحدیث: 4423' ورقم الحدیث: 4424' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4469' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1433

2566: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

تو! وہ اس پر حد جاری کرے، یعنی اس کو پچاس کوڑے مارے ایہ واضح رہے کہ لونڈی غلام کی حد، آزاد مرد وعورت کی بہ نسبت آدھی حد ہے اور لونڈی غلام کے لئے سنگساری کی سزا مشروع نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ آقا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مملوک پر خود بخود حد جاری کرے جب کہ حنفی علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، ان کے نزدیک یہ حکم اا اس پر حد جاری کرے دراصل سبب پر محمول ہے یعنی اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ آقا اپنی زنا کار لونڈی پر جاری ہونے کا سبب اور واسطہ بنے بایں طور کہ وہ اس لونڈی کو حاکم کے سامنے پیش کر دے تا کہ وہ اس پر حد جاری کرے۔ اور اس کو عار نہ دلائے کا مطلب یہ ہے کہ حد جاری ہو جانے کے بعد اس لونڈی پر لعن طعن نہ کرے اور نہ اس کو حد جاری ہونے کی عار وغیرہ دلائے کیونکہ جب اس نے حد کی صورت میں اپنے گناہ کا کفارہ بھر دیا اور وہ گناہ سے پاک ہو گئی تو اب اس پر لعن طعن کیسا اور اسے عار کیوں دلائی جائے! اور یہ حکم خاص طور پر لونڈی ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ آزاد کا بھی یہی حکم ہے لیکن لونڈیاں چونکہ توبیخ وسرزنش کا محل ہوتی ہیں اس لئے خاص طور پر لونڈی کے بارے میں یہ حکم بیان کیا گیا۔ وہ اس لونڈی کو بیچ ڈالے کا مطلب یہ ہے کہ چاہئے تو حد جاری کرنے کے بعد اس کو بیچے اور چاہے حد جاری کرنے سے پہلے ہی بیچ دے لیکن حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حد جاری کرنے سے پہلے ہی بیچ دینا چاہئے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فاسق وفاجر اور اہل معاصی کے ساتھ رہن سہن کو ترک کر دینا اور اس طرح کی لونڈی کو بیچ دینا مستحب ہے لیکن علماء ظواہر کے نزدیک واجب ہے۔

بَاب حَدِّ الْقَذْفِ

یہ باب ہے کہ زنا کا جھوٹا الزام لگانے پر جاری ہونے والی حد

قذف کے معنی ومفہوم کا بیان

عربی لغت میں قذف کا مطلب تیر پھینکنا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں قذف سے مراد ہے کسی پاک دامن مومن مرد یا مومن عورت پر واضح الفاظ میں زنا کی تہمت لگانا یا اسکے بارے میں ایسی بات کہنا جس کا مطلب یہ ہو کہ وہ زنا کار ہے۔ حد اس سزا کو کہتے ہیں جو بطور حق اللہ تعالیٰ مقرر کی گئی ہو یا پھر وہ سزا جو کسی انسان کی حق تلفی یا ایذا دہی کی پاداش میں مجرم کو دی جائے۔ ایسی سزاؤں کو حد یا حدود اس لیے بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود سے ایسے جرائم اور انکی سزائیں متعین کر دیں ہیں اور کسی کو ان میں کمی بیشی یا تجاوز کا اختیار حاصل نہیں، چنانچہ یہ حدود اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہیں اور ان کو عبور کر جانا گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن وسنت میں کم وبیش دس ایسے جرائم گنوائے گئے ہیں جو حدود اللہ کے زمرے میں آتے ہیں اور شریعت اسلامیہ نے انکی سخت سزائیں مقرر کی ہیں۔

قرآن مجید کے لیے قذف کے لیے رمی کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ قذف کے مترادفات میں سے ہے۔ لفظ رمی کا مطلب نشانہ لگانا یا تیر چلانا ہے۔ حج کے موقع پر شیطان کو کنکریاں مارنے کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ان آیات سے پہلے حد زنا کا حکم ہے اور بعد میں قانون لعان کی وضاحت کی گئی ہے۔ قانون لعان سے مراد میاں اور بیوی کا ایک دوسرے پر زنا کا الزام دھرنا

ہے۔آیت کے سیاق وسباق سے یہ پختہ وضاحت ہوجاتی ہے کہ یہاں تہمت سے مراد زنا کاری کی تہمت مراد ہے۔

حد قذف جاری کرنے کا بیان

2567- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بَكْرٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَ عُذْرِیْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ وَتَلَا الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا نَزَلَ اَمَرَ بِرَجُلَيْنِ وَامْرَاَةٍ فَضُرِبُوْا حَدَّهُمْ

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' جب میرے عذر کے بارے میں آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا تذکرہ کیا اور قرآن کی آیت تلاوت کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت دو مردوں اور ایک خاتون پر حد جاری کی گئی۔

محصن یا محصنہ پر تہمت لگانے والے پر حد کا بیان

اور جب کسی شخص نے شادی شدہ مرد یا شادی شدہ عورت پر زنا کی تہمت صراحت کے ساتھ لگائی اور مقذوف نے حد کا مطالبہ کردیا تو حاکم حد کے طور قاذف کو اسی کوڑے مارے گا جب قاذف آزاد ہو۔کیونکہ قرآن مجید نے ' (وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ) اِلٰى اَنْ قَالَ (فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً) کے بعد اسی کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے اور آیت میں رمی سے مراد بہ اتفاق زنا کی تہمت ہے اور نص میں اسی حکم کی طرف اشارہ ہے کیونکہ چار گواہوں کی شرط بھی لگائی گئی ہے اور چار گواہ زنا کے ساتھ خاص ہیں۔اور مقذوف کا مطالبہ کرنا شرط ہے کیونکہ اس میں عار کو دور کرنے کے لئے مقذوف کا حق ہے اور مقذوف کا محصن ہونا شرط ہے اسی آیت مبارکہ کے سبب جو ہم نے تلاوت کرچکے ہیں۔

قاذف کے جسم کے مختلف حصوں میں کوڑے مارے جائیں گے۔اسی دلیل کے سبب جو زنا کے باب میں گزر چکی ہے اور اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں گے۔کیونکہ حد قذف کا سبب یقینی نہیں ہوتا لہٰذا اتنی سختی کے ساتھ اس حد کو قائم نہیں کیا جائے گا جبکہ حد زنا میں ایسا نہیں ہے البتہ امام اس سے پوستین اور موٹے کپڑے اتروالے۔کیونکہ ان کے سبب ہر ایک کا تکلیف پہنچانا مانع ہے۔اور جب مقذوف غلام ہو تو رقیت کے سبب اس کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کسی پر زنا کی تہمت لگانے کو قذف کہتے ہیں اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔اسی طرح لواطت کی تہمت بھی کبیرہ گناہ ہے مگر لواطت کی تہمت لگائی تو حد نہیں بلکہ تعزیر ہے اور زنا کی تہمت لگانے والے پر حد ہے۔حد قذف آزاد پر اسی کوڑے ہے اور غلام پر چالیس ہے۔زنا کے علاوہ اور کسی گناہ کے بہتان کو قذف نہ کہیں گے نہ اس پر حد ہے البتہ بعض صورتوں میں تعزیر ہے، جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔(بحرالرائق، کتاب الحدود)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قذف کا ثبوت دو مردوں کی گواہی سے ہوگا یا اس تہمت لگانے والے کے اقرار

2567:اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:4474' ورقم الحدیث:4475' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:3181

سے۔ اور اس جگہ عورتوں کی گواہی یا شہادۃ علی الشہادۃ کافی نہیں بلکہ ایک قاضی نے اگر دوسرے قاضی کے پاس لکھ بھیجا کہ میرے نزدیک قذف کا ثبوت ہو چکا ہے اور کتاب القاضی کے شرائط بھی پائے جائیں: جب بھی یہ دوسرا قاضی حد قذف قائم نہیں کرسکتا۔ اصل گواہ قاضی کے پاس حاضر نہ ہوسکے وہ کسی دوسرے سے کہے کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں تم میری طرف سے قاضی کے دربار میں یہ گواہی دے دینا۔ اسی طرح اگر قاذف نے قذف سے انکار کیا اور گواہوں سے ثبوت نہ ہوا تو اس سے حلف نہ لیں گے اور اگر اس پر حلف رکھا گیا اور اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا تو حد قائم نہ کریں گے اور اگر گواہوں میں باہم اختلاف ہوا، ایک گواہ قذف کا کچھ وقت بتاتا ہے اور دوسرا گواہ دوسرا وقت کہتا ہے تو یہ اختلاف معتبر نہیں یعنی حد جاری کریں گے۔ اور اگر ایک نے قذف کی شہادت دی اور دوسرے نے اقرار کی یا ایک کہتا ہے مثلاً فارسی زبان میں تہمت لگائی اور دوسرا یہ بیان کرتا ہے کہ اردو میں تو حد نہیں۔ جب اس قسم کا دعویٰ قاضی کے یہاں ہو اور گواہ ابھی نہیں لایا ہے تو تین دن تک قاذف کو محبوس رکھیں گے اور اس شخص سے گواہوں کا مطالبہ ہوگا اگر تین دن کے اندر گواہ لایا فبہا ورنہ اسے رہا کردینگے۔ (درمختار، کتاب الحدود)

مقذوف کی شرائط کا بیان

اور احصان کا معنی یہ ہے کہ مقذوف آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، مسلمان ہو اور زنا کے فعل سے پاک ہو۔ حریت کی شرط اس لئے ہے کہ اس پر احصان کا لفظ بولا کا تا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ" اس میں محصنات سے مراد آزاد مرد ہیں اور عقل وبلوغ کی شرط اس لئے ہے کیونکہ بچے اور مجنون میں شرمندگی نہیں ہوتی۔ اور ان سے زنا صادر نہیں ہوتا اور مسلمان ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں ہے اور عفت اس سبب سے ہے کیونکہ غیر عفیف کو شرم محسوس نہیں ہوتی البتہ غیر عفیف تہمت میں قاذف قرار دیا جائے گا کیونکہ اس میں وہ سچا ہے۔

قذف کے ہونے یا نہ ہونے میں فقہی مذاہب

یہ حکم صرف اسی صورت میں نافذ ہوگا جب کہ الزام لگانے والے نے محصنین یا محصنات پر الزام لگایا ہو کسی غیر محصن پر الزام لگانے کی صورت میں اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ غیر محصن اگر بدکاری میں معروف ہو تب تو اس پر الزام لگانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن اگر وہ ایسا نہ ہو تو اس کے خلاف بلا ثبوت الزام لگانے والے کے لیے قاضی خود سزا تجویز کرسکتا ہے، یا ایسی صورتوں کے لیے مجلس شوریٰ حسب ضرورت قانون بنا سکتی ہے۔

کسی فعل قذف کے مستلزم سزا ہونے کے لیے صرف یہ بات کافی نہیں ہے کہ کسی نے کسی پر بدکاری کا بلا ثبوت الزام لگایا ہے، بلکہ اس کے لیے کچھ شرطیں قاذف (الزام لگانے والے) میں اور کچھ مقذوف (الزام کے ہدف بنائے جانے والے) میں، اور کچھ خود فعل قذف میں پائی جانی ضروری ہیں۔

قاذف میں جو شرطیں پائی جانی چاہئیں وہ یہ ہیں: اول یہ کہ وہ بالغ ہو۔ بچہ اگر قذف کا مرتکب ہو تو اسے تعزیر دی جاسکتی ہے

مگراس پر حد جاری نہیں کی جاسکتی۔

دوم یہ کہ وہ عاقل ہو۔مجنون پر حد قذف جاری نہیں ہوسکتی۔اسی طرح حرام نشے کے سواکسی دوسری نوعیت کے نشے کی حالت میں،مثلاً کلوروفارم کے زیر اثر الزام لگانے والے کو بھی مجرم نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

سوم یہ کہ اس نے اپنے آزادارادے سے (فقہاء کی اصطلاح میں طائعا) یہ حرکت کی ہو۔کسی کے جبر سے قذف کا ارتکاب کرنے والا مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔

چہارم یہ کہ وہ مقذوف کا اپنا باپ یادادانہ ہو،کیونکہ ان پر حد قذف جاری نہیں کی جاسکتی۔ان کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ ناطق ہو،گونگا اگر اشاروں میں الزام لگائے تو وہ حد قذف کا مستوجب نہ ہوگا۔لیکن امام شافعی کو اس سے اختلاف ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اگر گونگے کا اشارہ بالکل صاف اور صریح ہو جسے دیکھ کر ہر شخص سمجھ لے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے تو وہ قاذف ہے،کیونکہ اس کا اشارہ ایک شخص کو بدنام ورسوا کردینے میں تصریح بالقول سے کسی طرح کم نہیں ہے۔اس کے برعکس حنفیہ کے نزدیک محض اشارے کی صراحت اتنی قوی نہیں ہے کہ اس کی بنا پر ایک آدمی کو 80 کوڑوں کی سزادے ڈالی جائے۔وہ اس پر صرف تعزیر دیتے ہیں۔

مقذوف میں جو شرطیں پائی جانی چاہئیں وہ یہ ہیں: پہلی شرط یہ کہ وہ عاقل ہو،یعنی اس پر بحالت عقل زنا کرنے کا الزام لگایا گیا ہو۔مجنون پر(خواہ وہ بعد میں عاقل ہوگیا ہو یا نہ ہوا ہو) الزام لگانے والا حد قذف کا مستحق نہیں ہے۔کیونکہ مجنون اپنی عصمت کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرسکتا،اور اس پر اگر زنا کی شہادت قائم بھی ہوجائے تو نہ وہ حد زنا کا مستحق ہوتا ہے نہ اس کی عزت پر حرف آتا ہے۔لہٰذا اس پر الزام لگانے والا بھی حد قذف کا مستحق نہ ہونا چاہیے۔لیکن امام مالک اور امام لیث بن سعد کہتے ہیں کہ مجنون کا قاذف حد کا مستحق ہے کیونکہ بہر حال وہ ایک بے ثبوت الزام لگا رہا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ بالغ ہو۔یعنی اس پر بحالت بلوغ زنا کے ارتکاب کا الزام لگایا گیا ہو بچے پر الزام لگانا،یا جواب پر اس امر کا الزام لگان کہ وہ بچپن میں اس فعل کا مرتکب ہوا تھا،حد قذف کا موجب نہیں ہے،کیونکہ مجنون کی طرح بچہ بھی اپنی عصمت کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرسکتا،نہ وہ حد زنا کا مستوجب ہوتا ہے،اور نہ اس کی عزت مجروح ہوتی ہے۔

لیکن امام مالک کہتے ہیں کہ سن بلوغ کے قریب عمر کے لڑکے پر اگر زنا کے ارتکاب کا الزام لگایا جائے تب تو قاذف حد کا مستحق نہیں ہے،لیکن اگر ایسی عمر کی لڑکی پر زنا کرانے کا الزام لگایا جائے جس کے ساتھ مباشرت ممکن ہو،تو اس کا قاذف حد کا مستحق ہے، کیونکہ اس سے نہ صرف لڑکی بلکہ اس کے خاندان تک کی عزت مجروح ہوجاتی ہے اور لڑکی کا مستقبل خراب ہوجاتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو،یعنی اس پر بحالت اسلام زنا کرنے کا الزام لگایا گیا ہو،کافر پر الزام،یا مسلم پر یہ الزام کہ وہ بحالت غلامی اس کا مرتکب ہوا تھا،موجب حد نہیں ہے،کیونکہ غلام کی بے بسی اور کمزوری یہ امکان پیدا کردیتی ہے کہ وہ اپنی عصمت کا اہتمام نہ کرسکے۔خود قرآن میں بھی غلامی کی حالت کو احصان کی حالت قرار نہیں دیا گیا ہے،چنانچہ سورہ نساء میں مُحْصَنات کا لفظ لونڈی کے بالمقابل استعمال ہوا ہے۔لیکن داؤد ظاہری اس دلیل کو نہیں مانتے۔وہ کہتے ہیں کہ لونڈی اور غلام کا قاذف بھی حد کا مستحق

ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ عفیف ہو، یعنی اس کا دامن زنا اور شبہ زنا سے پاک ہو۔ زنا سے پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر پہلے کبھی جرم زنا ثابت نہ ہو چکا ہو۔ شبہ زنا سے پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نکاح فاسد، یا خفیہ نکاح، یا مشتبہ ملکیت، یا شبہ نکاح میں مباشرت نہ کر چکا ہو، نہ اس کے حالات زندگی ایسے ہوں جن میں اس پر بدچلنی اور آبرو باختگی کا الزام چسپاں ہو سکتا ہو، اور نہ زنا سے کم تر درجہ کی بداخلاقیوں کا الزام اس پر پہلے کبھی ثابت ہو چکا ہو، کیونکہ ان سب صورتوں میں اس کی عفت مجروح ہو جاتی ہے، اور ایسی مجروح عفت پر الزام لگانے والا 80 کوڑوں کی سزا کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ اگر حد قذف جاری ہونے سے پہلے مقذوف کے خلاف کسی جرم زنا کی شہادت قائم ہو جائے، تب بھی قاذف چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ وہ شخص پاک دامن نہ رہا جس پر اس نے الزام لگایا تھا۔

مگر ان پانچوں صورتوں میں حد نہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مجنون، یا بچے، یا کافر، یا غلام، یا غیر عفیف آدمی پر بلا ثبوت الزام زنا لگا دینے والا مستحق تعزیر بھی نہیں ہے۔

اب وہ شرطیں لیجیے جو خود فعل قذف میں پائی جانی چاہییں۔ ایک الزام کو دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز قذف بنا سکتی ہے۔ یا تو قاذف نے مقذوف پر ایسی وطی کا الزام لگایا ہو جو اگر شہادتوں سے ثابت ہو جائے تو مقذوف پر حد واجب ہو جائے۔ یا پھر اس نے مقذوف کو ولد الزنا قرار دیا ہو۔ لیکن دونوں صورتوں میں الزام صاف اور صریح ہونا چاہیے۔ کنایات کا اعتبار نہیں ہے جن سے زنا یا طعن فی النسب مراد ہونے کا انحصار قاذف کی نیت پر ہے۔ مثلاً کسی کو فاسق فاجر، بدکار، بدچلن وغیرہ الفاظ سے یاد کرنا۔ یا کسی عورت کو رنڈی، کسبن، یا چھنال کہنا، یا کسی سید کو پٹھان کہہ دینا کنایہ ہے جس سے صریح قذف نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ تعریض کے معاملے میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا وہ بھی قذف ہے یا نہیں۔ مثلاً کہنے والا کسی کو مخاطب کر کے یوں کہے کہ ہاں، مگر میں تو زانی نہیں ہوں، یا میری ماں نے تو زنا کرا کے مجھے نہیں جنا ہے امام مالک کہتے ہیں کہ اس طرح کی تعریض جس سے صاف سمجھ میں آ جائے کہ قائل کی مراد مخاطب کو زانی یا ولد الزنا قرار دینا ہے، قذف ہے جس پر حد واجب ہو جاتی ہے۔

لیکن امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، اور امام شافعی، سفیان ثوری، ابن شبرمہ، اور حسن بن صالح اس بات کی قائل ہیں کہ تعریض میں بہر حال شک کی گنجائش ہے، اور شک کے ساتھ حد جاری نہیں کی جا سکتی۔

امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ تعریض اگر لڑائی جھگڑے میں ہو تو قذف ہے اور ہنسی مذاق میں ہو تو قذف نہیں ہے۔ خلفاء میں سے حضرت عمر اور حضرت علی نے تعریض پر حد جاری کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دو آدمیوں کے درمیان گالم گلوچ ہو گئی۔ ایک نے دوسرے سے کہا نہ میرا باپ زانی تھا نہ میری ماں زانیہ تھی۔ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا آپ لوگ اس سے کیا سمجھتے ہیں؟ کچھ لوگوں نے کہا اس نے اپنے باپ اور ماں کی تعریف کی ہے، اس کے ماں باپ پر تو حملہ نہیں کیا۔ کچھ دوسرے لوگوں نے کہا اس کے لیے اپنے ماں باپ کی تعریف کرنے کے لیے کیا یہی الفاظ رہ گئے تھے؟ ان خاص الفاظ کو اس موقع پر استعمال کرنے سے صاف مراد یہی ہے کہ اس کے ماں باپ زانی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے دوسرے گروہ سے اتفاق کیا اور حد جاری کردی (جصاص ج3 ص330)۔

اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ کسی پر عمل قوم لوط کے ارتکاب کا الزام لگانا قذف ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو قذف نہیں مانتے۔ امام ابویوسف، امام محمد، امام مالک اور امام شافعی اسے قذف قرار دیتے ہیں اور حد کا حکم لگاتے ہیں۔

حد قذف کے مطالبہ کے حقداروں کا بیان

حنفیہ کے نزدیک حد قذف کا مطالبہ یا تو خود مقذوف کرسکتا ہے، یا پھر وہ جس کے نسب پر اس سے حرف آتا ہو اور مطالبہ کرنے کے لیے خود مقذوف موجود نہ ہو، مثلاً باپ، ماں، اولاد اور اولاد کی اولاد۔ مگر امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ حق قابل توریث ہے۔ مقذوف مرجائے تو اس کا ہر شرعی وارث حد کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ البتہ یہ عجیب بات ہے کہ امام شافعی بیوی اور شوہر کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ موت کے ساتھ رشتہ زوجیت ختم ہوجاتا ہے اور بیوی یا شوہر میں سے کسی ایک پر الزام آنے سے دوسرے کے نسب پر کوئی حرف نہیں آتا۔ حالانکہ یہ دونوں ہی دلیلیں کمزور ہیں۔ مطالبہ حد کو قابل توریث ماننے کے بعد یہ کہنا کہ یہ حق بیوی اور شوہر کو اس لیے نہیں پہنچتا کہ موت کے ساتھ رشتہ زوجیت ختم ہوجاتا ہے خود قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن نے ایک کے مرنے کے بعد دوسرے کو اس کا وارث قرار دیا ہے۔ رہی یہ بات کہ زوجین میں سے کسی ایک پر الزام آنے سے دوسرے کے نسب پر کوئی حرف نہیں آتا، تو یہ شوہر کے معاملہ میں چاہے صحیح ہو مگر بیوی کے معاملے میں تو قطعاً غلط ہے۔ جس کی بیوی پر الزام رکھا جائے اس کی تو پوری اولاد کا نسب مشتبہ ہوجاتا ہے۔ علاوہ بریں یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ حد قذف صرف نسب پر حرف آنے کی وجہ سے واجب قرار دی گئی ہے۔ نسب کے ساتھ عزت پر حرف آنا بھی اسکی ایک اہم وجہ ہے، اور ایک شریف مرد یا عورت کے لیے یہ کچھ کم بے عزتی نہیں ہے کہ اس کی بیوی یا اس کے شوہر کو بدکار قرار دیا جائے۔ لہٰذا اگر حد قذف کا مطالبہ قابل توریث ہو تو زوجین کو اس سے مستثنیٰ کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔

شہادت حد میں گواہوں کے اتحاد مجلس میں فقہی مذاہب

یہ بات ثابت ہوجانے کے بعد کہ ایک شخص نے قذف کا ارتکاب کیا ہے، جو چیز اسے حد سے بچاسکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ چار گواہ ایسے لائے جو عدالت میں یہ شہادت دیں کہ انہوں نے مقذوف کو فلاں مرد یا عورت سے کے ساتھ بالفعل زنا کرتے دیکھا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ چاروں گواہ بیک وقت عدالت میں آنے چاہییں اور انہیں بیک وقت شہادت دینی چاہیے، کیونکہ اگر وہ یکے بعد دیگرے آئیں تو ان میں سے ہر ایک قاذف ہوتا چلا جائے گا اور اس کے لیے پھر چار گواہوں کی ضرورت ہوگی۔ لیکن یہ ایک کمزور بات ہے۔ صحیح بات وہی ہے جو امام شافعی اور عثمان البتی نے کہی ہے کہ گواہوں کے بیک وقت آنے اور یکے بعد دیگرے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ دوسرے مقدمات کی طرح گواہ ایک کے بعد ایک آئے اور شہادت دے۔ حنفیہ کے نزدیک ان گواہوں کا عادل ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر قذف چار فاسق گواہ بھی لے آئے تو وہ حد قذف سے بچ جائے گا،

اور ساتھ ہی مقذوف بھی حد زنا سے محفوظ رہے گا کیونکہ گواہ عادل نہیں ہیں۔ البتہ کافر، یا اندھے، یا غلام، یا قذف کے جرم میں پہلے کے سزا یافتہ گواہ پیش کر کے قاذف سزا سے نہیں بچ سکتا۔

مگر امام شافعی کہتے ہیں کہ قاذف اگر فاسق گواہ پیش کرے تو وہ اور اس کے گواہ سب حد کے مستحق ہوں گے۔ اور یہی رائے امام مالک کی بھی ہے۔ اس معاملے میں حنفیہ کا مسلک ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ گواہ اگر عادل ہوں تو قاذف جرم قذف سے بری ہو جائے گا اور مقذوف پر جرم زنا ثابت ہو جائے گا۔ لیکن اگر گواہ عادل نہ ہوں تو قاذف کا قذف، اور مقذوف کا فعل زنا، اور گواہوں کا صدق و کذب، ساری ہی باتیں مشکوک قرار پائیں گی اور شک کی بنا پر کسی کو بھی حد کا مستوجب قرار نہ دیا جا سکے گا۔

جماعت کے قاذف کی حد کا بیان

قذف جماعت کے معاملہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص بہت سے لوگوں پر بھی الزام لگائے، خواہ ایک لفظ میں یا الگ الگ الفاظ میں، اس پر ایک ہی حد لگائی جائے گی اِلّا یہ کہ حد لگنے کے بعد وہ پھر کسی نئے قذف کا ارتکاب کرے۔ اس لیے کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں اس سے معلوم ہوا کہ ایک فرد ہی نہیں ایک جماعت پر الزام لگانے والا بھی صرف ایک ہی حد کا مستحق ہوتا ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ زنا کا کوئی الزام ایسا نہیں ہو سکتا جو کم از کم دو شخصوں پر نہ لگتا ہو۔ مگر اس کے باوجود شارع نے ایک ہی حد کا حکم دیا، عورت پر الزام کے لیے الگ اور مرد پر الزام کے لیے الگ حد کا حکم نہیں دیا۔

بخلاف اس کے امام شافعی کہتے ہیں کہ ایک جماعت پر الزام لگانے والا خواہ ایک لفظ میں الزام لگائے یا الگ الگ الفاظ میں، اس پر ہر شخص کے لیے الگ الگ پوری حد لگائی جائے گی۔ یہ رائے عثمان البتی کی بھی ہے۔ اور ابن ابی لیلیٰ کا قول، جس میں شعبی اور اَوزاعی بھی ان کے ہم نوا ہیں یہ ہے کہ ایک لفظ میں پوری جماعت کو زانی کہنے والا ایک حد کا مستحق ہے اور الگ الگ الفاظ میں یہ ایک کو کہنے والا ہر ایک کے لیے الگ حد کا مستحق ہے۔

مقذوف کی بعض شرائط کا بیان

تہمت لگانے والے پر حد واجب ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں۔ جس پر تہمت لگائی وہ (۱) مسلمان، (۲) عاقل، (۳) بالغ، (۴) آزاد، (۵) پارسا ہو اور (۶) تہمت لگانے والے کا نہ وہ لڑکا ہو، نہ پوتا اور (۷) نہ گونگا ہو، (۸) نہ خصی، (۹) نہ اس کا عضو تناسل جڑ سے کٹا ہو، (۱۰) نہ اس نے نکاح فاسد کے ساتھ وطی کی اور (۱۱) اگر عورت کو تہمت لگائی تو وہ ایسی نہ ہو جس سے وطی نہ کی جا سکے اور (۱۲) وقتِ حد تک وہ شخص محصن ہو، لہٰذا معاذ اللہ قذف کے بعد مرتد ہو گیا یا مجنون یا بوہرا ہو گیا یا وطی حرام کی یا گونگا ہو گیا تو حد نہیں۔ (ردمختار، کتاب الحدود)

تکرار قذف میں ایک حد کا فقہی بیان

تکرار قذف کے بارے میں حنفیہ اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ قاذف نے سزا پانے سے پہلے یا سزا کے دوران میں خواہ کتنی ہی مرتبہ ایک شخص پر الزام لگایا ہو، اس پر ایک ہی حد جاری کی جائے گی۔ اور اگر اجرائے حد کے بعد وہ اپنے سابق الزام ہی کی تکرار کرتا رہے تو جو حد اسے لگائی جا چکی ہے وہی کافی ہوگی۔ البتہ اگر اجرائے حد کے بعد وہ اس شخص پر ایک نیا الزام زنا عائد کر دے تو پھر نئے سرے سے مقدمہ قائم کیا جائے گا۔ مغیرہ بن شعبہ کے مقدمہ میں سزا پانے کے بعد ابوبکرہ کھلے بندوں کہتے رہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ مغیرہ نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ ان پر پھر مقدمہ قائم کریں۔ مگر چونکہ وہ سابق الزام ہی کو دوہرا رہے تھے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ اس پر دوسرا مقدمہ نہیں لایا جا سکتا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے قبول کر لی۔ اس کے بعد فقہاء میں اس بات پر قریب قریب اتفاق ہو گیا کہ سزا یافتہ قاذف کو صرف نئے الزام ہی پر پکڑا جا سکتا ہے، سابق الزام کے اعادے پر نہیں۔

مقذوف کے فوت ہو جانے سے سقوط حد کا بیان

اور جس شخص نے کسی پر تہمت لگائی اور مقذوف فوت ہو گیا تو حد باطل ہو جائے گی۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک حد باطل نہ ہوگی اگر کچھ حد قائم تھی کہ مقذوف فوت ہو گیا تو ہماری نزدیک بھی حد باطل ہو جائے گی حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف اور یہ اختلاف دونوں اس حکم پر مبنی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک حد میراث سے جاری ہوتی ہے جبکہ ہمارے نزدیک حد میراث سے جاری ہونے والی نہیں ہے۔ اور اس حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حد قذف شریعت اور بندے دونوں کا حق ہے۔ اور اس حد کا اجراء مقذوف سے شرمندگی دور کرنے کے لئے جاری کی گئی ہے۔ اور اس کا فائدہ صرف مقذوف کو حاصل ہے۔ پس اس طرح یہ بندے کا حق بن جائے گا۔ اس کے بعد اسکو سزا کے طور پر جاری کیا گیا ہے اسی سبب سے اسکو حد کہا جاتا ہے اور زاجر کو مشروع کرنا اس سبب سے ہے کہ دنیا سے فساد کو دور کیا جائے۔ اور شریعت کا حق ہونے کی یہی علامت ہے اور احکام ان میں سے ہر ایک کے حق میں گواہ ہیں اور جب ان دونوں جہات میں تعارض واقع ہوا تو امام شافعی علیہ الرحمہ اس وقت بندے کے حق کو مقدم کرتے ہوئے اسی کے غلبہ کی جانب مائل ہو گئے ہیں کیونکہ محتاج بندہ ہے شریعت محتاج نہیں ہے۔

ہم احناف شریعت کے حق کو غالب کرنے کی طرف مائل ہوئے ہیں کیونکہ بندے کا حق مالک اور آقا جو اس کا مولیٰ یعنی اللہ ہی ہے پس شریعت کی طرح بندے کے حق کی بھی رعایت کرنا ہوگی جبکہ اس کے برعکس میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت کے حقوق میں وصول کرنے کے اعتبار سے بندے کا حق صرف نیابت کرنا ہے اور یہی وہ مشہور قاعدہ فقہیہ ہے۔ جس سے مختلف فیہ فروعات نکلنے والی ہیں۔

ان میں سے ارث ہے۔ کیونکہ ارث حقوق العباد میں جاری ہونے والی ہے جبکہ حق شرع میں نہیں ہے۔ اور اسی میں سے عفو ہے لہذا ہمارے نزدیک مقذوف کا عفو صحیح نہیں ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک صحیح ہے اور اسی سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ ہمارے

نزدیک قذف کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں تداخل جاری ہوتا ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے مطابق اس میں داخل جاری ہونے والا نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا عفو میں امام شافعی علیہ الرحمہ کی طرح قول روایت کیا گیا ہے جبکہ ہمارے اصحاب فقہ میں سے بعض لوگوں نے یہاں تک کہا ہے کہ اس میں بندے کا حق غالب ہے اور اسی کے مطابق جواب دیئے ہیں البتہ قول اول زیادہ ظاہر ہے۔

کسی کے باپ اور ماں دونوں پر تہمت لگائی اور دونوں مر چکے ہیں تو اس کے مطالبہ پر حد قائم ہوگی مگر ایک ہی حد ہوگی دو نہیں۔ اسی طرح اگر وہ دونوں زندہ ہیں جب بھی دونوں کے مطالبہ پر ایک ہی حد ہوگی کہ جب چند حدیں جمع ہوں تو ایک ہی قائم کی جائے گی۔ (درمختار، کتاب الحدود)

قذف کا اقرار کرنے کے بعد رجوع کرنے کا بیان

اور جب کسی شخص نے قذف کا اقرار کیا اور اس کے بعد اس سے رجوع کر لیا تو اس کے رجوع قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس کے اقرار کرنے سبب مقذوف کا حق ثابت ہو چکا ہے پس اب رجوع میں وہ مقر کو جھٹلانے والا ہے بہ خلاف اس حق رجوع کے، کیونکہ وہ خاص اللہ کا حق ہے کیونکہ اس میں رجوع کرنے والے کو کوئی جھٹلانے والا نہیں ہے اور جب کسی نے کسی عربی کو یا نبطی کہا تو اس پر حد جاری نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کو بداخلاقی یا عدم فصاحت پر محمول کیا جائے گا۔ اور اسی طرح جب کسی نے کہا تم عربی نہیں تو اسکو بھی حد نہ لگائی جائے گی اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں

اور جب ایک بندے سے دوسرے آدمی سے کہا اے آسمانی پانی کے بچے، تو وہ قاذف نہ ہوگا کیونکہ اس سے جود وسخاوت اور صفائی میں تشبیہ مراد ہے کیونکہ آسمانی پانی کا لقب اس کے لئے صفائی اور سخاوت کے سبب سے ہے۔ اور جب کسی نے کسی بندے کو اس کے چچا یا اس کے اس ماموں یا اس کی ماں کے شوہر کی طرف منسوب کر دیا تو وہ بھی قاذف نہ ہوگا کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو باپ کہا جاتا ہے البتہ چچا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے " (نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ) "فرمایا ہے حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔ اور ماموں کو باپ کہنا اس حدیث کے سبب سے ہے۔ الخال اب" ماموں باپ ہوتا ہے۔ اور سوتیلا باپ پرورش کے سبب باپ کہلانے والا ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب تہمت لگانے والے نے پہلے اقرار کیا کہ ہاں تہمت لگائی ہے پھر اپنے اقرار سے رجوع کر گیا یعنی اب انکار کرتا ہے تو اب رجوع معتبر نہیں یعنی مطالبہ ہو تو حد قائم کریں گے۔ اسی طرح اگر باہم صلح کر لیں اور کچھ معاوضہ لیکر معاف کر دے یا بلا معاوضہ معاف کر دے تو حد معاف نہ ہوگی یعنی اگر پھر مطالبہ کرے تو کر سکتا ہے اور مطالبہ پر حد قائم ہوگی۔ (فتح القدیر، کتاب الحدود)

تہمت میں تعدد پر ایک حد جاری ہونے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر چند حدیں مختلف قسم کی جمع ہوں مثلاً اس نے تہمت بھی لگائی ہے اور شراب بھی پی اور چوری بھی کی اور زنا بھی کیا تو سب حدیں قائم کی جائیں گی مگر ایک ساتھ سب قائم نہ کریں کہ اس میں ہلاک ہو جانے کا خوف ہے بلکہ ایک قائم کرنے کے بعد اتنے دنوں اسے قید میں رکھیں کہ اچھا ہو جائے پھر دوسری قائم کریں اور سب سے پہلے حدِ قذف جاری کریں اس کے بعد امام کو اختیار ہے کہ پہلے زنا کی حد قائم کرے یا چوری کی بنا پر ہاتھ پہلے کاٹے یعنی ان دونوں میں تقدیم و تاخیر کا اختیار ہے۔ پھر سب کے بعد شراب پینے کی حد ماریں۔ (درمختار، کتاب الحدود)

اگر اس نے کسی کی آنکھ بھی پھوڑی ہے اور وہ چاروں چیزیں بھی کی ہیں تو پہلے آنکھ پھوڑنے کی سزا دی جائے یعنی اس کی بھی آنکھ پھوڑ دی جائے پھر حد قذف قائم کی جائے اس کے بعد رجم کر دیا جائے اگر محصن ہو اور باقی حدیں ساقط اور محصن نہ ہو تو اسی طرح عمل کریں۔ اور اگر ایک ہی قسم کی چند حدیں ہوں مثلاً چند شخصوں پر تہمت لگائی یا ایک شخص پر چند بار تو ایک حد ہے ہاں اگر پوری حد قائم کرنے کے بعد پھر دوسرے شخص پر تہمت لگائی تو اب دوبارہ حد قائم ہوگی اور اگر اسی پر دوبارہ تہمت ہو تو نہیں۔

جو شخص ایسی شہادت پیش نہ کر سکے جو اسے جرم قذف سے بری کر سکتی ہو، اس کے لیے قرآن نے تین حکم ثابت کیے ہیں: ایک یہ کہ 80 کوڑے لگائے جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے۔ تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہے۔ اس کے بعد قرآن کہتا ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کریں اور اصلاح کریں کہ اللہ غفور اور رحیم ہے)۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس فقرے میں توبہ اور اصلاح سے جس معافی کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق ان تینوں احکام میں سے کس کے ساتھ ہے۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلے حکم سے اس کا تعلق نہیں، یعنی توبہ سے حد ساقط نہ ہوگی اور مجرم کو سزائے تازیانہ بہر حال دی جائے گی۔ فقہاء اس پر بھی متفق ہیں کہ اس معافی تعلق آخری حکم سے ہے، یعنی توبہ اور اصلاح کے بعد مجرم فاسق نہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا۔ (اس میں اختلاف صرف اس پہلو سے ہے کہ آیا مجرم نفس قذف سے فاسق ہوتا ہے یا عدالتی فیصلہ صادر ہونے کے بعد فاسق قرار پاتا ہے۔

امام شافعی اور لیث بن سعد کے نزدیک وہ نفس قذف سے فاسق ہو جاتا ہے اس لیے وہ اسی وقت سے اس کو مردود الشہادت قرار دیتے ہیں۔

اس کے برعکس امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام مالک کہتے ہیں کہ وہ عدالتی فیصلہ نافذ ہو جانے کے بعد فاسق ہوتا ہے، اس لیے وہ نفاذ حکم سے پہلے تک اس کو مقبول الشہادت سمجھتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ مجرم کا عند اللہ فاسق ہونا نفس قذف کا نتیجہ ہے اور عند الناس فاسق ہونا اس پر موقوف ہے کہ عدالت میں اس کا جرم ثابت ہو اور وہ سزا پا جائے)۔ اب رہ جاتا ہے بیچ کا حکم، یعنی یہ کہ قاذف کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے۔ فقہاء کے درمیان اس پر بڑا اختلاف واقع ہو گیا ہے کہ آیا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا کے فقرے کا تعلق اس حکم سے بھی ہے یا نہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اس فقرے کا تعلق صرف آخری حکم سے ہے، یعنی جو شخص توبہ اور اصلاح کر لے گا وہ عند اللہ اور عند الناس فاسق نہ رہے گا، لیکن پہلے دونوں حکم اس کے باوجود برقرار رہیں گے، یعنی مجرم پر حد جاری کی جائے گی

اور وہ ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت بھی رہے گا۔

اس گروہ میں قاضی شُریح، سعید بن مُسَیَّب، سعید بن جبیر، حسن بصری، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، مکحول، عبدالرحمٰن بن زید، ابوحنیفہ، ابویوسف، زُفَر محمد، سُفیان ثوری اور حسن بن صالح جیسے اکابر شامل ہیں۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا کا تعلق پہلے حکم سے تو نہیں ہے مگر آخری دونوں حکموں سے ہے، یعنی توبہ کے بعد قذف کے سزا یافتہ مجرم کی شہادت بھی قبول کی جائے گی اور وہ فاسق بھی نہ شمار ہوگا۔ اس گروہ میں عطاء، طاؤس، مجاہد، شعبی، قاسم بن محمد، سالم، زُہری، عِکرِمہ، عمر بن العزیز، ابن ابی نجیح، سلیمان بن یَسار، مَسرُوق، ضحاک، مالک بن انس، عثمان البتّی، لیث بن سعد، شافعی، احمد بن حنبل اور ابن جریر طبری جیسے بزرگ شامل ہیں۔

یہ لوگ اپنی تائید میں دوسرے دلائل کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو بھی پیش کرتے ہیں جو انہوں نے مغیرہ بن شعبہ کے مقدمے میں کیا تھا، کیونکہ اس کی بعض روایت میں یہ ذکر ہے کہ حد جاری کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکرہ اور ان کے دونوں ساتھیوں نے کہا اگر تم توبہ کرلو (یا اپنے جھوٹ کا اقرار کرلو) تو میں آئندہ تمہاری شہادت قبول کروں گا ورنہ نہیں۔ دونوں ساتھیوں نے اقرار کرلیا، مگر ابوبکرہ اپنے قول پر قائم رہے۔ بظاہر یہ ایک بڑی قوی تائید معلوم ہوتی ہے، لیکن مغیرہ بن شعبہ کے مقدمے کی جو روداد ہم پہلے درج کرچکے ہیں اس پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس نظیر سے اس مسئلے میں استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ وہاں نفس فعل متفق علیہ تھا اور خود مغیرہ بن شعبہ کو بھی اس سے انکار نہ تھا۔

بحث اس میں تھی کہ عورت کون تھی۔ مغیرہ بن شعبہ کہتے تھے کہ وہ ان کی اپنی بیوی تھیں جنہیں یہ لوگ ام جمیل سمجھ بیٹھے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ثابت ہوگئی تھی کہ حضرت مغیرہ کی بیوی اور ام جمیل باہم اس حد تک مشابہ تھیں کہ واقعہ جتنی روشنی میں جتنے فاصلے سے دیکھا گیا اس میں یہ غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ عورت ام جمیل ہے۔ مگر قرائن سارے کے سارے مغیرہ بن شعبہ کے حق میں تھے اور خود استغاثے کا بھی ایک گواہ اقرار کرچکا تھا کہ عورت صاف نظر نہ آتی تھی۔

اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ کے حق میں فیصلہ دیا اور ابوبکرہ کو سزا دینے کے بعد وہ بات کہی جو مذکورہ بالا روایتوں میں منقول ہوئی ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا منشا دراصل یہ تھا کہ تم لوگ مان لو کہ تم نے بے جا بدگمانی کی تھی اور آئندہ کے لیے ایسی بدگمانیوں کی بنا پر لوگوں کے خلاف الزامات عائد کرنے سے توبہ کرو، ورنہ آئندہ تمہاری شہادت بھی قبول نہ کی جائے گی۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ جو شخص صریح جھوٹا ثابت ہوجائے وہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک توبہ کرکے مقبول الشہادت ہوسکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے میں پہلے گروہ ہی کی رائے زیادہ وزنی ہے۔ آدمی کی توبہ کا حال خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ ہمارے سامنے جو شخص توبہ کرے گا ہم اسے اس حد تک تو رعایت دے سکتے ہیں کہ اسے فاسق کے نام سے یاد نہ کریں، لیکن اس حد تک رعایت نہیں دے سکتے کہ جس کی زبان کا اعتبار ایک دفعہ جاتا رہا ہے اس پر پھر محض اس لیے اعتبار کرنے لگیں کہ وہ ہمارے سامنے توبہ کر رہا ہے۔ علاوہ بریں خود قرآن کی عبادت کا انداز بیان بھی یہی بتا رہا ہے کہ: اَلَّذِيْنَ تَابُوْا کا تعلق صرف اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے ہے۔ اس لیے کہ عبارت میں پہلی وہ باتیں حکم کے الفاظ میں فرمائی

گئی ہیں: ان کو اسی کوڑے مارو، اور ان کی شہادت بھی قبول نہ کرو۔ اور تیسری بات خبر کے الفاظ میں ارشاد ہوئی ہے: وہ خود ہی فاسق ہیں۔

اس تیسری بات کے بعد متصلاً یہ فرمانا کہ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کر لیں، خود ظاہر کر دیتا ہے کہ یہ استثناء آخری فقرہ خبریہ سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ پہلے دو حکمی فقروں سے۔ تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ استثناء آخری فقرے تک محدود نہیں ہے، تو پھر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ شہادت قبول نہ کرو کے فقرے تک پہنچ کر رک کیسے گیا، اسی کوڑے مارو کے فقرے تک بھی کیوں نہ پہنچ گیا۔

تعزیری سزا کا بیان

2568- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي فُدَيْكٍ حَدَّثَنِي ابْنُ اَبِي حَبِيبَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ يَا مُخَنَّثُ فَاجْلِدُوْهُ عِشْرِيْنَ وَاِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ يَا لُوطِيُّ فَاجْلِدُوْهُ عِشْرِيْنَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب کوئی شخص دوسرے شخص سے یہ کہے: اے ہیجڑے! تو تم اسے بیس کوڑے مارو اور جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہے اے لوطی! تو تم اسے بیس کوڑے لگاؤ۔

شرح

حضرت ابن عباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کوئی شخص کسی (مسلمان) کو کہے "اے یہودی" تو اس کو بیس کوڑے مارو اور اگر اے مخنث کہے تب بھی اس کے بیس کوڑے مارو اور جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہو اس کو مار ڈالو۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

(مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 779)

مخنث "اس کو کہتے ہیں جس کے اعضاء اور بات چیت کے انداز میں زنانہ پن ہو اور حرکات وسکنات میں عورتوں کے مشابہ ہوا جس کو زنخا اور زنانہ بھی کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی غلام پر یا کسی کافر پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو تعزیر (کوئی سزا) دی جانی چاہئے۔ اسی طرح اس شخص کو بھی تعزیر دی جائے جو کسی مسلمان پر زنا کے علاوہ کسی اور برائی کی تہمت لگائے مثلاً ان الفاظ کے ذریعہ اس کو مخاطب کرے اے فاسق، اے فاجر، اے کافر، اے خبیث اے چور، اے منافق، اے لوطی یعنی اغلام باز، اے یہودی، اے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے والے، اے سود خوار، اے دیوث اے مخنث، اے خائن، اے رنڈی کی اولاد اے بدکار عورت کے بچے، اے زندیق، اے کتے، اے زانیوں یا چوروں کے پشت پناہ اور اے حرام زادے اگر کوئی شخص کسی مسلمان شخص کو ان الفاظ کے ذریعہ مخاطب کرے تو وہ قابل تعزیر نہیں ہوگا، اے گدھے، اے کتے، اے بندر، اے بکرے، اے الو، اے سانپ، اے بیل، اے بھیڑیے، اے حجام، اے حجام کی اولاد (درانحالیکہ وہ کسی حجام کی اولاد نہ ہو) اے ولدالحرام، اے ناکس، اے منکوس، اے مسخرے،

2568 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1462

اے ٹھٹھے باز، عیار اے بیوقوف اور اے وہمی، لیکن اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ علماء نے اس شخص کو تعزیر دینا پسند کیا ہے جو مذکورہ بالا الفاظ کے ذریعہ کسی ایسے شخص کو مخاطب کرے جو شرفاء میں سے ہو۔ خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تعزیر (کوئی سزا) دے جب کہ وہ کہنے کے باوجود اس کے سامنے زینت و آرائش کرنے سے اجتناب کرتی ہو یا وہ اس کو اپنے بستر پر (ہم بستری) بلائے اور وہ انکار کر دے، یا وہ نماز نہ پڑھتی ہو، یا غسل جنابت ترک کرتی ہو اور یا اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے باہر آتی جاتی ہو۔
"جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہو اس کو مار ڈالو۔" حضرت امام احمد نے اس ارشاد کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے جب کہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف زجر، تہدید سے ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ارشاد اس بات پر محمول ہے کہ جو شخص حلال اور ہلکا جان کر کسی محرم عورت سے زنا کرے اس کو مار ڈالا جائے ورنہ محرم عورت کے ساتھ زنا کا بھی وہی حکم ہے جو دوسری عورتوں کے ساتھ زنا کا ہے کہ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر غیر محصن (کنوارا) ہو تو کوڑے مارے جائیں۔

بَاب حَدِّ السَّكْرَانِ

یہ باب نشہ کرنے والے کی حد کے بیان میں ہے

خمر (شراب) کے معنی مفہوم کا بیان

قاموس میں لکھا ہے کہ خمر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال (یعنی جس کو پینے) سے نشہ و مستی پیدا ہو جائے۔ اور وہ انگور کے شیرے کی صورت میں ہو یا عام کہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی چیز کا عرق و کاڑھا وغیرہ ہو، زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس کا عام مفہوم مراد لیا جائے) یعنی نشہ لانے والی چیز خواہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی دوسری چیز کا شیرہ وغیرہ کیونکہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی ہے اور اس زمانہ میں انگور کی شراب کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ وہ کھجور سے بنائی جاتی تھی خمر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لغت میں خمر کے معنی ہیں ڈھانپنا چھپانا، خلط کرنا اور چونکہ شراب انسان کی عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اور اس کے فہم و شعور کی قوتوں کو خلط و خبط کر دیتی ہے اس لئے اس کو خمر کہا گیا۔

قرآن کے مطابق حرمت شراب کا بیان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ (سورۃ مائدہ: ۹۱)

"اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تا کہ تم فلاح پاؤ وہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض اور شراب اور جوئے کے ذریعے اور روک دے تم کو یاد الہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟"

شراب اور جوا قطعی طور پر حرام کام ہیں۔ چونکہ یہ شیطانی عمل ہیں شیطان یہ چاہتا ہے۔ کہ بندے کو صراط مستقیم سے ہٹا کر

ناکامی کے راستوں پر ڈال دے اسی شراب کی وجہ سے عزت، غیرت، گھر بار، اولاد، پیسہ، کاروبار، وغیرہ سب برباد ہو جاتے ہیں سب سے بڑھ کر نقصان اس کے ایمان کا ہوتا ہے کیونکہ شراب اور ایمان کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”ایمان اور دائمی شراب نوشی کبھی جمع نہیں ہو سکتے ممکن ہے کی ان دونوں میں سے ایک دوسری کو نکال دے“۔ (سنن نسائی)

یہ دنیا تو چند روزہ ہے اور اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے چند لمحوں کے مقابلے میں اور چند لمحوں کی لذت کے لئے ہمیشہ کی زندگی برباد کرنا نہایت ہی گھاٹے کا اور خسارے کا سودہ ہے۔ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو شراب جیسی لعنت سے بچایئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں بھی حرام کیں ہیں تو ان کے عوض ان سے بہتر عطا بھی کیں ہیں شراب حرام کی تو لذیذ مشروبات اور روح اور جسم کو فائدہ دینے والی چیزیں حلال کیں۔ کھانے کی گندی چیزیں حرام کیں تو پاکیزہ کھانے حلال کیے۔

شراب سے متعلق حکم نزول کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ’جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”اے اللہ ہمارے لئے شراب کے بارے میں واضح اور بین (روشن) حکم نازل فرما تو اس وقت سورۃ بقرہ کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی

’وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے ”ان دونوں میں بڑا گناہ ہے“ بس حضرت عمر رضی اللہ کو بلایا گیا اور ان پر یہ آیت مبارکہ پڑھی گئی تو انہوں نے پھر یہ کہا اے اللہ شراب کے بارے میں ہمارے لئے واضح حکم نازل فرما تب سورۃ نساء کی آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ”اے ایمان والو! تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے میں ہو“ جب نماز کھڑی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی اعلان کرتا تھا خبردار کوئی نشے والا نماز کے قریب نہ آئے“۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان کو یہ آیت مبارکہ سنائی گئی انہوں نے پھر یہی کہا ’اے اللہ ہمارے لئے شراب کا واضح اور بین حکم نازل فرما پھر سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۹۱ نازل ہوئی۔ ”کیا تم باز آؤ گے یا نہیں؟“ تو حضرت عمر رضی اللہ نے کہا کہ ہم باز آ گئے۔ (سنن نسائی جلد سوم ص ۵۷۳ رقم الحدیث، ۵۵۴۳) (سنن ابی داؤد جلد سوم ص ۵۴ رقم الحدیث، ۳۱۸۵) (مسلم شریف)

احادیث کے مطابق حرمت شراب کا بیان

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کی حد (سزا میں کھجور کی ٹہنیوں (چھڑیوں) اور جوتوں سے مارا (یعنی مارنے کا حکم دیا) اور حضرت ابوبکر نے (اپنے دور خلافت میں شراب پینے والے کو چالیس کوڑے مارے۔" (بخاری، مسلم)

اور روایت میں حضرت انس ہی سے یوں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب نوشی کی حد (سزا) میں چالیس کھجور کی ٹہنیوں اور جوتوں سے مارتے تھے یعنی مارنے کا حکم دیتے تھے۔ (مشکوۃ المصابیح جلد سوم رقم الحدیث، 763)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زانی زنا نہیں کرتا اس حال میں کہ وہ مومن ہو اور نہ شراب پینے والا شراب پیتا ہے اس حال میں کہ وہ مومن ہو، اور نہ چوری کرنے والا چوری کرتا ہے اس حال میں کہ وہ

مومن ہو، اور نہ اچکا اچکنے کے وقت جب لوگ اس کی طرف آنکھ اٹھاتے ہیں مومن رہتا ہے، اور ابن شہاب سے بواسطہ سعید بن مسیب وابوسلمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح منقول ہے مگر اس میں نہبہ کا لفظ نہیں ہے۔
(صحیح بخاری: جلد سوم: رقم الحدیث، 1690 حدیث متواتر)

شراب کی حرمت نازل ہونے پر صحابہ کرام کا عمل

حضرت عبداللہ یعنی ابن مبارک حضرت سلیمان تیمی سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں "کہ اس دوران میں اپنے قبیلے کے لوگوں یعنی اپنے چچاؤں کے پاس کھڑا تھا اور میں لوگوں میں سب سے چھوٹا تھا ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ شراب کو حرام کر دیا گیا ہے جبکہ میں انکی خدمت کر رہا تھا میں انہیں تر کھجوروں سے بنائی گئی شراب پلا رہا تھا انہوں نے کہا کہ اسے الٹا دو تو میں نے اس کو الٹا دیا"۔ (نسائی جلد سوم ص ۵۸۰ رقم الحدیث، ۵۴۴۵)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی زیر نگرانی یتیموں کے لئے کچھ شراب خریدی تھی۔ (اور ابھی یہ حرام نہیں ہوئی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسے بہا دو اور مٹکے توڑ دو"۔
(ترمذی شریف ص ۶۵۶ رقم الحدیث، ۱۳۰۲)

شراب کی حرمت کا سبب وعلت

شراب جس کو ام الخبائث" کہا گیا ہے، بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی جزو زندگی کا درجہ رکھتی تھی اس لئے بعثت نبوی کے بعد ابتداء اسلام میں بھی اس کا رواج برقرار رہا، اور عام طور پر لوگ اس کو پینے پلانے میں مبتلا رہے لیکن اس کی برائی اور اس کے نقصان کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں کھٹک بھی پیدا ہوتی تھی، اور حضرت عمر کے قول (انها تذهب المال وتذهب العقل) (یہ شراب مال کو بھی برباد کرتی اور عقل کو بھی ختم کرتی ہے) کے پیش نظر لوگوں میں یہ احساس تمنا بھی روز بروز بڑھتا جاتا تھا کہ اس کی اباحت جتنی جلد ختم ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے، ادھر چونکہ پوری سوسائٹی اس لعنت میں گرفتار تھی اور ایک ایسی عادت تھی جس کی جڑیں پورے معاشرے میں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں اس لئے مصلحت شریعت یہ تھیں کہ اس کی حرمت کا نفاذ دفعتاً کرنے کی بجائے بتدریج روبہ عمل میں لایا جائے کہ شریعت کا مقصد بھی پورا ہو جائے اور لوگ اس لعنت سے بھی نجات پا جائیں، چنانچہ جب کچھ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔

(يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا)(البقرہ، ۲۱۹)

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور (بظاہر) ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدے ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدوں سے بہت بڑھا ہوا ہے۔"

جو سعید روحیں پہلے ہی سے شراب کے مضر اثرات کا احساس رکھتی تھیں اور جو لوگ اس کی برائی سے طبعاً بیزار تھے ان کے لئے

تو بس اتنا ہی کافی تھا کہ قرآن کریم نے "شراب" کو گناہ کہہ دیا لہٰذا انہوں نے شراب نوشی قطعاً ترک کر دی لیکن چونکہ اس آیت میں شراب کی حرمت کا کوئی واضح اور قطعی حکم نہیں ہے اس لئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے مے نوشی کا مشغلہ بدستور جاری رکھا۔ اور پھر اس سلسلہ میں یہ دوسری آیت نازل ہوئی:

(يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ) (4۔ النساء: 43)

اے ایمان والو تم ایسی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ کہ تم نشہ کی حالت میں مست ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

اس آیت نے شراب نوشی کے جاری مشغلہ پر ایک ضرب لگائی، اور نماز کے اوقات میں شراب نوشی بالکل ترک کر دی گئی البتہ نماز کے علاوہ اوقات میں بعض لوگوں کے یہاں اب بھی شراب نوشی کا مشغلہ بند نہیں ہوا اور آخر کار ۳ھ میں یہ تیسری آیت نازل ہوئی جس میں حرمت شراب کو واضح کر دیا گیا یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔

شرابی پر اجرائے حد کی شرائط کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسلمان، عاقل، بالغ، ناطق، غیر مضطر، بلا اکراہ شرعی، خمر کا ایک قطرہ بھی پیے تو اس پر حد قائم کی جائے گی جبکہ اسے اس کا حرام ہونا معلوم ہو۔ کافر یا مجنون یا نابالغ یا گونگے نے پی تو حد نہیں۔ اسی طرح اگر پیاس سے مرا جاتا تھا اور پانی نہ تھا کہ پی کر جان بچاتا اور اتنی پی کہ جان بچ جائے تو حد نہیں اور اگر ضرورت سے زیادہ پی تو حد ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے شراب پینے پر مجبور کیا یعنی اکراہ شرعی پایا گیا تو حد نہیں۔ شراب کی حرمت کو جانتا ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ واقع میں اسے معلوم ہو کہ یہ حرام ہے دوسرے یہ کہ دارالاسلام میں رہتا ہو تو اگر چہ نہ جانتا ہو حکم یہی دیا جائے گا کہ اسے معلوم ہے کیونکہ دارالاسلام میں جہل عذر نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی حربی دارالحرب سے آ کر مشرف باسلام ہوا ہے۔ اور شراب پی اور کہتا ہے مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ حرام ہے تو حد نہیں ہے۔ (درمختار، کتاب الحدود)

حد خمر کا بیان

2569 - حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ اَبِىْ حُصَيْنٍ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيْدٍ ح و حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِىُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ سَمِعْتُهٗ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ عَلِىُّ بْنُ اَبِىْ طَالِبٍ مَا كُنْتُ اُدِىْ مَنْ اَقَمْتُ عَلَيْهِ الْحَدَّ اِلَّا شَارِبَ الْخَمْرِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّ فِيْهِ شَيْئًا اِنَّمَا هُوَ شَىْءٌ جَعَلْنَاهُ نَحْنُ

◄► حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں جس شخص پر حد جاری کرتا ہوں (اگر وہ مر جاتا ہے) تو میں اس کی

2569 ،اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:6778 اخرجہ مسلم فی "الصحیح"، رقم الحدیث:4433 ورقم الحدیث:4434 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث

دیت ادا نہیں کروں گا صرف شراب پینے والے کا حکم مختلف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں کوئی باقاعدہ چیز (یعنی سزا) مقرر نہیں کی اس کی سزا ہم لوگوں نے مقرر کی ہے۔

2570- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ ح و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ جَمِيعًا عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْرِبُ فِي الْخَمْرِ بِالنِّعَالِ وَالْجَرِيدِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے شراب نوشی پر جوتوں اور ٹہنیوں کے ذریعے (سزا) دلوائی تھی۔

شرابی کی سزا اسی کوڑوں پر اجماع کا بیان

آزاد شخص کے لئے شراب اور اس کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے۔ اور حد زنا کی طرح یہ کوڑے بھی اس کے جسم کے مختلف حصوں پر لگائے جائیں گے۔ اور مشہور روایت کے مطابق اس کے بدن سے کپڑے اتار دیئے جائیں گے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک آسانی کے اظہار کے پیش نظر اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں کیونکہ اس میں کوئی نص بیان نہیں ہوئی اور روایت مشہورہ کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے ایک مرتبہ تخفیف کر دی ہے پس دوبارہ تخفیف کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

اور اگر شراب پینے والا غلام ہے تو اس کی حد چالیس (۴۰) کوڑے ہے۔ کیونکہ غلامی سزا کو نصف کرنے والی ہے۔ جس طرح پہلے بتا دیا گیا ہے اور جس نے شراب پینے یا نشہ کرنے کا اقرار کیا اور اس کے بعد حد قائم ہونے سے پہلے ہی اس سے رجوع کر لیا تو اس پر حد جاری نہ کی جائے گی کیونکہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ (ہدایہ، کتاب حدود، لاہور)

شرابی کی سزا کے اجماع پر دلائل کا بیان

(۱) حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا اس نے شراب پی تھی آپ نے اسے کھجور کی دو چھڑیاں چالیس کے قریب ماریں ابوبکر نے بھی اسی پر عمل کیا پھر حضرت عمر نے لوگوں سے مشورہ کیا تو عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا سب سے ہلکی حد اسی کوڑے ہیں۔ پس حضرت عمر نے اسی کا حکم دیا یہ حدیث حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور تابعین اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ شرابی کی حد اسی کوڑے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 1484)

(۲) حضرت ثور ابن زید دیلمی کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے شراب کی حد سزا کے تعین کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت علی نے ان سے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ شرابی کو اسی کوڑے مارے جائیں کیونکہ جب وہ شراب پیتا ہے تو بدمست ہو جاتا ہے اور ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو بہتان لگاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے حکم جاری کیا کہ شراب پینے والے کو اسی

2570: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کوڑے مارے جائیں۔" (مؤطا امام مالک، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 770)

(۳) حضرت علی نے اپنی رائے کی دلیل میں بڑی جاندار بات فرمائی کہ شراب پینے والے کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے اور وہ نشہ کی حالت میں اول فول بکتا ہے اور خواہ مخواہ کسی پر الزام لگاتا پھرتا ہے یہاں تک کہ نیک پارسا اور پاکدامن عورتوں پر زنا کا بہتان لگانے سے بھی باز نہیں رہتا، اس اعتبار سے اس کا نشہ گویا قذف پر قیاس کرتے ہوئے شرابی کی سزا بھی زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتی ہے گویا حضرت علی نے یہ بات اغلب کا اعتبار کرتے ہوئے فرمائی کہ زیادہ تر شرابی اپنے نشے کی حالت میں اول فول بکتے ہیں اور دوسروں پر الزام لگاتے ہیں اور چونکہ حکم کا انحصار اغلب پر ہوتا ہے اس لئے ہر شرابی کے لئے یہ ایک ہی سزا مقرر ہو گئی خواہ نشہ کی حالت میں اول فول بکے یا نہ بکے اور کسی پر الزام لگائے یا نہ لگائے بہر حال حضرت عمر نے حضرت علی کی اس رائے کو تسلیم کیا اور شراب پینے کی سزا اسی کوڑے متعین فرمائی جس پر تمام صحابہ نے اجماع واتفاق کیا۔

(۴) سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ابتدائی خلافت کے زمانہ میں ہم لوگ شراب پینے والوں کو لاتے تو ہم لوگ ہاتھوں، جوتیوں، اور چادروں سے اسے مارتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری زمانہ آیا تو انہوں نے چالیس کوڑے مارے اور جب ان شرابیوں نے زیادہ سرکشی کی اور فسق کرنا شروع کیا تو انہوں نے اسی کوڑے لگوائے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: رقم الحدیث، 1697)

(۵) حضرت عبداللہ بن فیروز داناج، حضرت حضین بن منذر سے روایت نقل کرتے ہیں "کہ جب ولید بن عقبہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا گواہوں نے اس پر گواہی دی تھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اپنے بھتیجے کو پکڑ واور اس پر حد جاری کر دو۔ حضرت علی رضی اللہ نے اس پر حد جاری کر دی اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴۰ کوڑے مارے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ نے ۴۰ کوڑے مارے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے مارے یہ سب سنت ہیں"۔ (ابن ماجہ جلد ۲ ص ۵۳، رقم الحدیث، ۲۵۶۰)

شرابی کی حد میں اسی کوڑوں پر اجماع صحابہ کرام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں نشے کی حالت میں پائے جانے والے شخص کو جسے کسی بھی چیز سے نشہ ہوا ہوا سے چالیس کوڑے مارتے تھے، لیکن اپنی خلافت کے آخری ایام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خاص واقعہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے اس جرم کی سزا اسی کوڑے جاری کر دی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے ابوافرہ کلبی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تھے اور ان کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ابوافرہ کلبی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ بکثرت مے نوشی اختیار کرتے جا رہے ہیں اور سزا کو کم سمجھ رہے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب بیٹھے ہیں ان سے دریافت کر لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری رائے یہ

ہے کہ آپ شراب نوشی کی سزا بھی (80) کوڑے مقرر کریں کیونکہ جب کوئی آدمی شراب پیتا ہے تو اسے نشہ ہو جاتا ہے اور نشہ کی حالت میں ہذیان بکتا ہے اور لوگوں پر تہمت لگاتا ہے اس لیے تہمت کی سزا ہی شراب نوشی کی سزا مقرر کریں تو 80 کوڑے ہیں جو تہمت لگانے والے کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی سزا 80 کوڑے مقرر کرنے کا فرمان جاری کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس لیے بھی 80 کوڑے مقرر کیے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب نوشی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتوں سے چالیس ضربیں لگوائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر جوتی کی جگہ ایک کوڑا مقرر کیا۔ شراب نوشی کے ساتھ اگر کوئی اور جرم بھی ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی سزا بھی حد کے ساتھ جمع کر دیتے، جیسے انہوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمن پر حد کے ساتھ تعزیر بھی جاری کی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کے دوران مے نوشی پر ایک شخص کو اسی درے شراب نوشی کے اور بیس کوڑے رمضان کی بے حرمتی کے بھی لگائے۔ جو شخص جتنی مرتبہ شراب پئے گا اتنی مرتبہ ہی اس پر حد جاری کی جائے گی۔ چنانچہ ابو محجن ثقفی نے آٹھ مرتبہ شراب پی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر آٹھ مرتبہ ہی حد جاری فرمائی۔

شرابی پر اس وقت حد جاری ہوگی جب اس کا نشہ اتر جائے گا اور کوڑے جو مارے جائیں گے وہ زیادہ شدید نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ہلکے نہیں درد پہنچانے والے ہوں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے شراب چڑھائی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے ایک ایسے شخص کے پاس بھیجتا ہوں جو تیرے ساتھ کوئی نرمی نہیں کرے گا۔ چنانچہ اسے مطیع بن اسود عدوی کے پاس بھیج دیا گیا اور ان سے کہا کہ اگلے دن صبح اس پر مے نوشی کی حد جاری کر دینا۔ چنانچہ اگلے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود گئے تو دیکھا کہ وہ اس مے نوش کو سخت قسم کے کوڑے مار رہے ہیں،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کتنے مارے جا چکے ہیں جواب دیا کہ ساٹھ، حضرت عمر نے حکم دیا اس کوڑے کی شدت کے سبب باقی بیس چھوڑ دو۔ شراب نوشی کی حد میں چالیس کی بجائے اسی کوڑوں کا تقرر چونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا اس لیے بعض فقہاء ان اضافی چالیس دروں کو تعزیر کا مقام دیتے ہیں تاہم جمہور علمائے امت کل اسی کی تعداد کو ہی حد گردانتے ہیں کیونکہ اس تعداد پر صحابہ کرام کا اجماع واقع ہوا ہے اور جس مقدس گروہ سے جمع وتدوین قرآن میں کسی غلطی کا احتمال نہیں ہوا تو کیا اس گروہ سے دیگر معاملات میں غلطی کے احتمال کے امکان سے قرآن مجید کی صحت مشکوک ہو سکتی ہے۔

2571 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ عَرُوبَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الدَّانَاجِ سَمِعْتُ حُضَيْنَ بْنَ الْمُنْذِرِ الرَّقَاشِيَّ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِی الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ فَيْرُوْزَ الدَّانَاجُ قَالَ حَدَّثَنِیْ حُضَيْنُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ لَمَّا جِیْءَ بِالْوَلِيْدِ بْنِ عُقْبَةَ اِلٰى عُثْمَانَ قَدْ شَهِدُوْا عَلَيْهِ قَالَ لِعَلِيٍّ دُوْنَكَ ابْنَ عَمِّكَ فَاَقِمْ عَلَيْهِ الْحَدَّ فَجَلَدَهُ عَلِيٌّ وَّقَالَ جَلَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

2571 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4432' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4480' ورقم الحدیث: 4481' اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 6773' ورقم الحدیث: 6776' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4469' ورقم الحدیث: 4430' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4479

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِيْنَ وَجَلَدَ اَبُوْبَكْرٍ اَرْبَعِيْنَ وَجَلَدَ عُمَرُ ثَمَانِيْنَ وَكُلٌّ سُنَّةٌ

◄◄ حضین بن منذر بیان کرتے ہیں: جب ولید بن عقبہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے لایا گیا اور لوگوں نے اس کے خلاف گواہی دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا آپ اپنے چچازاد کو سنبھالیں اور اس پر حد جاری کریں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے لگائے۔ انہوں نے یہ بتایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے لگائے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے لگائے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 80 کوڑے لگائے ہیں ان میں سے ہر ایک طریقہ سنت ہے۔

شراب کی حد کا بیان

اور جس شخص نے شراب پی اور وہ پکڑا گیا ہے اور اس کے منہ میں بو بھی موجود ہے۔ یا پھر لوگ اس کو نشے کی حالت میں پکڑ کر لے آئے اور گواہوں نے اس کے شراب پینے گواہی دی تو اس پر حد لازم ہے۔ اور اسی طرح جب اس نے شراب پینے کا اقرار کیا اور اس کی بو موجود ہے کیونکہ شراب کی پینے کی جنایت واضح ہو چکی ہے اور مدت کچھ گزری نہیں ہے اور اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک اصل ہے جس نے شراب اس کو کوڑے مارو اگر وہ دوبارہ پی لے تو پھر کوڑے مارو۔

شیخین کے نزدیک اگر اس نے شراب کی بو ختم ہو جانے کے بعد اقرار کیا ہے تو اس پر حد جاری نہ کی جائے گی جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس پر حد جاری کی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے تقادم بہ اتفاق قبول شہادت کو روکنے والا ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس تقادم کو حد زنا پر قیاس کیا جائے گا اور یہ زمانے کے ساتھ مقدر ہوگا کیونکہ زمانے کے گزرنے سے تاخیر ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ بو کبھی شراب کے سوا کسی اور چیز کی بھی آسکتی ہے جس طرح اس شعر میں ہے وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اپنا منہ سونگھ لے تو نے شراب پی ہے جبکہ میں ان سے کہتا ہوں کہ میں نے سفرجل یعنی سیب کھایا ہوا ہے۔ اور شیخین کے نزدیک تقادم بو کے ختم ہو جانے سے مقدر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا: جب تم شرابی میں شراب کی بو پاؤ تو اس کو کوڑے مارو۔ کیونکہ شراب کی بو پایا جانا شراب پینے کی مضبوط دلیل ہے اور بو کا اعتبار ناممکن ہونے کی صورت میں زبان کے مقدر ہونے کا سہارا لیا جاتا ہے اور پہنچانے کے لئے بو کے درمیان فرق کرنا بھی ممکن ہے جبکہ اشتباہ ناواقف لوگوں کو ہوتا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اقرار تقادم کو باطل کرنے والا نہیں ہے جس طرح حد زنا میں ہے اور اس کی دلیل وہاں بیان کی جا چکی ہے جبکہ شیخین کے نزدیک بو پائے جانے کی صورت مین حد قائم کی جائے گی کیونکہ شراب کی حد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قیاس کے بغیر انعقاد اجماع ممکن نہیں۔ اور انہوں نے بو کے پائے جانے کو شرط قرار دیا ہے۔ (ہدایہ، کتاب حدود، لاہور)

شراب نوشی کی سزا

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن وسنت کے حکم اور اجماع امت کے مطابق شراب حرام ہے اور جو شخص شراب پیئے

وہ "حد" (شرعی سزا) کا مستوجب ہے جو جمہور علماء کے قول کے مطابق "اسی ۸۰ کوڑے مارنا" ہے، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت امام شافعی اور کچھ دوسرے علماء کے قول کے مطابق "چالیس کوڑے مارنا" ہے۔

شراب کی سزا کے نفاذ کا بیان

اگر کوئی شخص شراب پئے اگرچہ اس نے ایک ہی قطرہ پی ہو اور پھر اس کو حاکم وقاضی کے سامنے پیش کیا جائے اور اس وقت شراب کی بو موجود ہو یا اس کو نشے کی حالت میں پیش کیا گیا ہو اگرچہ وہ نشہ نبیذ پینے کی وجہ سے ہو اور دو شخص اس کی شراب نوشی کی گواہی دیں یا وہ خود اپنی شراب نوشی کی گواہی دیں یا وہ خود اپنی شراب کا ایک مرتبہ اور امام ابویوسف کے قول کے مطابق دو مرتبہ اقرار کر لے نیز یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنی خوشی سے شراب پی ہے کسی کی زبردستی سے نہیں پی ہے تو اس پر حد جاری کی جائے یعنی اگر وہ شخص ازاد ہو تو اس کو اسی ۸۰ کوڑے مارے جائیں اور اگر غلام ہو تو چالیس کوڑے مارے جائیں اور یہ کوڑے اس وقت مارے جائیں جب کہ اس کا نشہ ختم ہو جائے نیز زنا کی حد اور اس حد میں بھی اس طرح کوڑے مارے جائیں کہ بدن کے مختلف حصوں پر چوٹ آئے یعنی پورے کوڑے بدن کے کسی ایک ہی حصہ پر نہ مارے جائیں بلکہ مختلف حصوں پر مارے جائیں۔

اگر کسی شخص نے اپنی شراب نوشی کا اقرار اس وقت کیا جب کہ شراب کی بو ختم ہو گئی ہو یا دو آدمیوں نے کسی کی شراب نوشی کی گواہی اس وقت دی جب کہ بو ختم ہو گئی تو اس پر حد جاری نہ کی جائے اس طرح اگر کسی شخص میں صرف شراب کی بو پائی گئی یا اس نے صرف شراب کی قے کی، یا اس نے پہلے تو اپنی شراب نوشی کا اقرار کیا مگر بعد میں مکر گیا۔ اور یا اس نے نشے کی حالت میں اقرار کیا تو ان صورتوں میں بھی اس پر حد جاری نہ کی جائے۔

واضح رہے کہ جو نشہ حد کو واجب کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شخص مرد وعورت اور زمین وآسمان کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔ لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ "نشہ" سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ہزیان اور واہی تباہی باتیں بکنے لگے۔ حنفی مسلک میں فتویٰ اسی قول پر ہے۔

حضرت علقمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حمص میں کہ (جو اک شہر کا نام ہے) مقیم تھے وہیں ایک مرتبہ ابن مسعود نے سورت یوسف کی قرات کی تو ایک شخص نے ان کی قرات سن کر کہا کہ یہ سورت اس طرح نازل نہیں کی گئی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں یہ سورۃ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پڑھی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سن کر فرمایا کہ تم نے خوب پڑھا۔ وہ شخص جب حضرت ابن مسعود سے گفتگو کر رہا تھا تو اچانک حضرت ابن مسعود نے اس کے منہ آتی ہوئی شراب کی بو محسوس کی حضرت ابن مسعود نے اس سے فرمایا تم شراب پیتے ہو؟ یعنی قرآن کے خلاف عمل کرتے ہو اور اس پر طرہ یہ کہ قرآن کریم کو یعنی اس کی قرات کو یا قرات کے لہجہ وطرز ادائیگی کو جھٹلاتے بھی ہو۔ پھر حضرت ابن مسعود نے اس پر حد جاری کی یعنی شراب پینے کی سزا کے طور پر اسے کوڑے مارے۔ (بخاری ومسلم)

اگر مسرت ابن مسعود کی قرات، قرات مشہورہ (یعنی متواترہ) تھی تو اس شخص نے اس قرت کی تکذیب کر کے کتاب اللہ کی تکذیب کی لہٰذا اس کے اس انکار اور تکذیب نے یقیناً اسے کفر کی حد میں داخل کر دیا تھا اور اگر ابن مسعود کی قرات قرات شاذ تھی تو

ان کی اس قرات کی تکذیب کتاب اللہ کی تکذیب کو مستلزم نہیں تھی اس لئے کہا جائے گا کہ اس صورت میں ابن مسعود کا اس شخص سے یہ کہنا کہ تم کتاب اللہ کی تکذیب کرتے ہو۔ تغلیظا اور تہدیدا اور بظاہر یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس موقع پر حضرت ابن مسعود کسی قرات شاذ کے مطابق سورت یوسف پڑھ رہے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اس شخص کے مرتد ہو جانے کا حکم نہیں لگایا تھا بلکہ صرف شراب کی حد جاری کر دینے ہی پر اکتفا کیا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے اس شخص سے یہ بات تغلیظا ہی کہی کیونکہ قرات وقرآن کے اصل کلمہ کا انکار اور جھٹلانا کفر ہے نہ کہ لہجہ اور ادائیگی کلمات کا انکار کفر کو مستلزم ہے۔ حاصل یہ کہ اس شخص نے لہجہ اور ادائیگی کلمات کا انکار کیا تھا اصل قرآن یا اصل قرات کا انکار نہیں کیا تھا اسی لئے حضرت ابن مسعود نے اس پر صرف شراب کی حد جاری کی مرتد ہونے کی حد جاری نہیں کی۔ حدیث کے ظاہری مفہوم سے ایک اور مسئلہ پر روشنی پڑ رہی ہے اور وہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس شخص کو شراب پینے کی سزا دی یعنی اس پر حد جاری کر دی جب کہ شراب نوشی کا بظاہر واحد ثبوت اس کے منہ سے آنے والی بو تھی چنانچہ چنانچہ علماء کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے یعنی ان کے نزدیک شراب نوشی کا جرم منہ سے شراب کی بو آنے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے لیکن حنفیہ اور شوافع دونوں کا مسلک یہ ہے کہ شراب نوشی کا جرم محض منہ سے شراب کی بو آنے سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی ایسے شخص شراب کی حد جاری کی جاسکتی ہے جس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہو اور اس کے علاوہ اس کی شراب نوشی کا اور کوئی ثبوت نہ ہو کیونکہ بسا اوقات ترش سیب اور امرود کی بو بعض شراب کی بو کے مشابہ ہوتی ہے۔ جہاں تک حضرت ابن مسعود کے اس واقعہ کا تعلق ہے اس کے بارہ میں ان حضرات کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس شخص نے خود شراب نوشی کا اقرار کیا ہوگا یا اس کی شراب نوشی پر گواہ قائم ہو گئے ہوں گے اس وجہ سے انہوں نے حد جاری کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نشہ آور اشیاء حشیش، افیون، کوکین، مورفین وغیرہ کا استعمال کئی ایک وجوہات کی بنا پر حرام ہے، جن میں سے چند ایک ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

یہ اشیاء عقل میں فتور پیدا کرتی ہیں، اور جو چیز عقل میں فتور پیدا کرے وہ حرام ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "ہر نشہ آور چیز خمر ہے، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور جس کسی نے بھی دنیا میں شراب نوشی کی اور وہ شراب نوشی کرتے ہوئے توبہ کیے بغیر ہی مر گیا تو وہ آخرت میں شراب نہیں پیئے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۰۰۳)

اور بخاری و مسلم شریف میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں: "مجھے اور معاذ بن جبل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے علاقے میں جو کی شراب تیار کی جاتی ہے جسے مزر کا نام دیا جاتا ہے، اور شہد سے تیار کردہ شراب کو البتع کہا جاتا ہے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر مسکر اور نشہ آور چیز حرام ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث، (4087) صحیح مسلم رقم الحدیث، (1733)

اور بخاری و مسلم میں ہی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر یہ فرما رہے تھے کہ: "اما بعد: لوگو شراب کی حرمت نازل ہو چکی ہے، اور یہ شراب پانچ اشیاء یعنی انگور، کھجور،

اور شہد، اور گندم، اور جو سے تیار ہوتی ہے، اور خمر وہ ہے جو عقل میں فتور پیدا کردے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث، (4343) صحیح مسلم رقم الحدیث، (3032))

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نشہ آور اشیاء عقل میں فتور پیدا کرتی اور اس پر پردہ ڈالتی ہے، اور اسے غائب کردیتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ وسلم کے اس مطلق فرمان: (ہر مسکر اور نشہ آور چیز حرام ہے) سے ہر نشہ آور چیز کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے، چاہے وہ شراب نہ بھی ہو، تو اس میں حشیش وغیرہ بھی شامل ہوگی۔

امام نووی وغیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بالجزم اور یقین کے ساتھ کہا ہے کہ یہ مسکر یعنی نشہ آور ہے، اور دوسرے نے یقین کے ساتھ اسے مخدر یعنی بیہوش کردینے والی قرار دیا ہے، کیونکہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جو کچھ شراب نوشی سے لڑکھڑاہٹ اور مدہوشی وغیرہ ہوتی ہے وہ اس سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ نشہ آور نہیں تو ابوداود میں "ہر مسکر اور مفتر چیز کی ممانعت کی روایت موجود ہے۔

(از فتح الباری (10/45))

خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ہر وہ شراب مفتر ہے جو اعضاء میں فتور اور ڈھیلا پن پیدا کردے اور کنارے سن کردے، اور یہ چیز نشہ کی ابتدا ہوتی ہے، اور اسے پینے کی ممانعت اس لیے ہے تا کہ یہ نشہ کا ذریعہ نہ بن جائے۔

بَاب مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ مِرَارًا

یہ باب ہے کہ جو شخص بار بار شراب نوشی کرے

2572- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ عَنِ ابْنِ اَبِىْ ذِئْبٍ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَكِرَ فَاجْلِدُوْهُ فَاِنْ عَادَ فَاجْلِدُوْهُ فَاِنْ عَادَ فَاجْلِدُوْهُ ثُمَّ قَالَ فِى الرَّابِعَةِ فَاِنْ عَادَ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"جب کوئی شخص مدہوش ہوجائے تو تم اسے کوڑے لگاؤ اگر وہ دوبارہ ایسا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ اگر وہ پھر ایسا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی مرتبہ یہ ارشاد فرمایا اگر وہ پھر ایسا کرے تو اس کی گردن اڑا دو"۔

2573- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِىْ عَرُوْبَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ عَنْ ذَكْوَانَ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِىْ سُفْيَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا شَرِبُوا الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثُمَّ اِذَا شَرِبُوْا فَاجْلِدُوْهُمْ ثُمَّ اِذَا شَرِبُوْا فَاجْلِدُوْهُمْ ثُمَّ اِذَا شَرِبُوْا فَاقْتُلُوْهُمْ

2572 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4484 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 5678

2573 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4482 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 1444

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جب لوگ شراب پئیں' تو انہیں کوڑے لگاؤ پھر اگر وہ شراب پئیں' تو انہیں کوڑے لگاؤ پھر اگر وہ شراب پئیں' تو انہیں کوڑے لگاؤ پھر اگر وہ شراب پئیں' تو انہیں قتل کردو۔

بار بار شراب پینے والے کی سزا کا بیان

حضرت جابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص شراب پیے اس کو کوڑے مارو اور جو شخص بار بار پیے یہاں تک کہ چوتھی مرتبہ پیتا ہوا پایا جائے تو اس کو قتل کر ڈالو حضرت جابر کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے بعد ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پٹائی کی اور اس کو قتل نہیں کیا۔ (ترمذی) ابوداؤد کی ایک روایت میں نسائی ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں جو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کی ہے جس میں حضرت ابن عمرو، حضرت ابوہریرہ اور حضرت شرید بھی شامل ہیں یہ حدیث لفظ (فاقتلوہ) تک منقول ہے یعنی ان رواتیوں میں (ثم اتی) الخ کی عبارت نہیں ہے۔

(مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: حدیث نمبر 765)

تو اس کو قتل کر ڈالو اس حکم سے یہ تو یہ مراد ہے کہ اس شخص کی بہت پٹائی کرو اور خوب مارو، یا پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم زجر وتہدید کے طور پر اور قانونی وانتظامی مصالح کے پیش نظر دیا تھا اس کا تعلق کسی مستقل قانون اور وجوب سے نہیں تھا نیز بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اس کو قتل نہیں کیا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قتل کردینے کا حکم زجر وتہدید اور قانونی وانتظامی مصلحتوں کی بناء پر تھا یا پہلے تو یہی حکم تھا مگر بعد میں آپ نے خود اپنے اس عمل سے کہ اس کو قتل نہیں کیا یہ حکم منسوخ قرار دے دیا۔

امام نووی نے امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میری کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ اور کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس کو متروک العمل قرار دینے پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہوان دونوں میں سے ایک حدیث تو وہ ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی خوف ودہشت یا بارش نہ ہو تب بھی جمع بین الصلوتین کی اجازت ہے اور دوسری حدیث یہ ہے کہ جس میں چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کردینے کا حکم ہے گویا امام ترمذی کے اس قول کو نقل کرنے کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ حدیث جس میں چوتھی بار شراب پینے والے [کو] قتل کر[دینے] کا حکم ہے منسوخ ہے اور اس کی منسوخی پر سب کا اتفاق واجماع ہے۔

بَاب الْكَبِيرِ وَالْمَرِيضِ يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ

یہ باب ہے کہ جب کسی عمر رسیدہ شخص یا بیمار شخص پر حد واجب ہو جائے

2574- حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ عَبْدِ

2574 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اللّٰہِ بْنِ الْاَشَجِّ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ بْنِ سَہْلِ بْنِ حُنَیْفٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَۃَ قَالَ کَانَ بَیْنَ اَبْیَاتِنَا رَجُلٌ مُخْدَجٌ ضَعِیْفٌ فَلَمْ یُرَعْ اِلَّا وَہُوَ عَلٰی اَمَۃٍ مِّنْ اِمَاءِ الدَّارِ یَخْبُثُ بِہَا فَرَفَعَ شَاْنَہٗ سَعْدُ بْنُ عُبَادَۃَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اجْلِدُوْہُ ضَرْبَ مِائَۃِ سَوْطٍ قَالُوْا یَا نَبِیَّ اللّٰہِ ہُوَ اَضْعَفُ مِنْ ذٰلِکَ لَوْ ضَرَبْنَاہُ مِائَۃَ سَوْطٍ مَاتَ قَالَ فَخُذُوْا لَہٗ عِثْکَالًا فِیْہِ مِائَۃُ شِمْرَاخٍ فَاضْرِبُوْہُ ضَرْبَۃً وَّاحِدَۃً

حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ حضرت سعید بن سعد رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ہمارے محلے میں ایک شخص رہتا تھا، جو اپاہج اور انتہائی کمزور تھا، اس کے حوالے سے کوئی اندیشہ نہیں تھا، اس میں صرف ایک مسئلہ تھا کہ وہ اس بستی کی رہنے والی ایک کنیز کے ساتھ زنا کیا کرتا تھا، جب اس کا معاملہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اسے ایک سو کوڑے لگاؤ''۔

لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ زیادہ کمزور ہے (یہ انہیں برداشت نہیں کر سکے گا) اگر ہم نے اسے ایک سو کوڑے لگائے تو یہ مر جائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر کھجوروں کی ایک ڈال لو جس میں سو شاخیں ہوں، وہ اسے ایک مرتبہ مار دو''۔

شرح

یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے ضعیف بندوں پر عنایت ہے، اور مسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے زنا کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا، میں اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ اس نے ابھی بچہ جنا ہے، میں ڈرا کہیں کوڑے لگانے سے وہ مر نہ جائے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا اس کو چھوڑ دو یہاں تک کہ نفاس سے پاک ہو جائے'' صحیح مسلم کی اس روایت میں مہلت کا ذکر ہے جب کہ اس سے پہلی والی حدیث میں بوڑھے پر کوڑے لگانے میں کسی مہلت کا ذکر نہیں تو ان دونوں حدیثوں میں جمع کی صورت یہ ہے کہ جب کسی بیمار کے اچھا ہونے کی امید ہو تو حد نافذ کرنے سے رک جائے یہاں تک کہ وہ اچھا ہو جائے اور جو اس کے اچھا ہو جانے کی امید نہ ہو تو حد نافذ کر دیں جیسے سعید بن عبادہ کی روایت میں ہے، واضح رہے بڑھاپا وہ بیماری ہے جس سے اچھا ہونے کی کوئی امید نہیں، اور نفاس وہ بیماری جو کچھ دنوں میں ٹھیک ہو جاتی ہے، اس لئے اس میں مہلت ہے۔

2574 م- حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ وَکِیْعٍ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِیُّ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ یَّعْقُوْبَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ بْنِ سَہْلٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحْوَہٗ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

حضرت علی کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ''لوگو! اپنے غلام لونڈیوں پر حد جاری کر دیں اگر وہ زنا کے مرتکب

ہوں تو پچاس کوڑے مارو خواہ وہ محصن یعنی شادی شدہ ہوں یا غیر محصن۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے زنا کا ارتکاب کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اس پر حد جاری کروں مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ ابھی حال ہی میں اس کی ولادت ہوئی ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے پچاس کوڑے مارتا ہوں تو وہ مر جائے گی چنانچہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ اس حالت میں اس پر حد جاری نہیں کی۔ (مسلم) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (جب حضرت علی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ذکر کیا تو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک کہ اس کا نفاس کا خون بند نہ ہو جائے اس وقت تک کے لئے اسے چھوڑ دو اس کے بعد اس پر حد جاری کرو اور اپنے بردوں غلام لونڈیوں پر حد جاری کیا کرو۔ (مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 721)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد کی سزا اور عورت اگر نفاس کی حالت میں ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے جب تک کہ وہ نفاس سے فارغ نہ ہو جائے کیونکہ نفاس ایک طرح کا مرض ہے اور مریض کو اس کے اچھا ہونے تک مہلت دینی چاہئے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مریض، زنا کا مرتکب ہو اور اس کے محصن شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو رجم سنگساری کا سزا اور گردانا چکا ہو تو اس کو اسی مرض کی حالت میں رجم کیا جائے اور اگر اس کے غیر محصن غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو کوڑے مارے جانے کا سزا وار گردانا گیا ہو تو پھر اس کو اس وقت تک کوڑے نہ مارے جائیں جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے ہاں اگر وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے بچنے کی امید نہ کی جاتی ہو جیسے دق وسل وغیرہ یا وہ ناقص وضعیف الخلقت ہو تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ سزا پوری کرنے کے لئے اس کو کھجور کی کسی ایسی بڑی شاخ سے مارا جائے جس میں چھوٹی چھوٹی سو ٹہنیاں ہوں اور وہ شاخ اس کو ایک دفعہ اس طرح ماری جائے کہ اس کی ایک ایک ٹہنی اس کے بدن پر لگ جائے اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس مقصد کے لئے پھیلی ہوئی شاخ استعمال کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ تلف کے خوف سے کوڑے مارنے کی حد نہ تو شدید گرمی میں جاری کی جائے اور نہ سخت جاڑے میں بلکہ اس کے لئے معتدل موسم کا انتظار کیا جائے۔

بَاب مَنْ شَهَرَ السِّلَاحَ

یہ باب ہے کہ جو شخص ہتھیار اٹھالیتا ہے

2575- حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ و حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ و حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ وَمُوسَى بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا

2575 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھالے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔

شرح

رضی اللہ عنہ بعض ائمہ حدیث نے کہا ہے کہ ارشاد گرامی: ''وہ ہم میں سے نہیں ہے'' میں اس شخص کے لئے جو مسلمان پر ہتھیار اٹھائے بڑی وعید ہے، یعنی وہ اپنے اخلاق وعادات میں زمانہ جاہلیت کے کفار کی طرح ہو گیا، جو آپس میں لڑنے بھڑنے اور جنگ کرنے کے عادی تھے، جن احادیث میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی براءت کا ذکر ہے اس کے سلسلے میں علماء اسلام کی آراء مندرجہ ذیل ہیں۔

مرتکب کبیرہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ براءت کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی اطاعت واقتداء کرنے والا نہیں، اور اسلامی شریعت کا محافظ وپابند نہیں ہے، تو وہ احادیث جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صغیرہ گناہوں کے مرتکب سے متعلق ''لیس منا'' (فلاں کام کرنے والا ہم میں سے نہیں ہے) فرمایا ہے، تو ان میں ایمان کی نفی سے مراد ایسا ضروری ولابدی ایمان ہے جس کے ذریعہ وہ بغیر سزا وعقاب کے ثواب واجر کا مستحق ہے، اور یہ معنی سابقہ ایمان کی نفی سے توجیہ کے ہم مثل ہے؛

2576 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ الْبَرَّادِ بْنِ يُوسُفَ بْنِ بُرَيْدِ بْنِ اَبِيْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِيْ مُوسٰى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
''جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے گا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔

2577 - حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ وَيُوْسُفُ بْنُ مُوْسٰى وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْبَرَّادِ قَالُوْا حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ شَهَرَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص ہم پر اپنے ہتھیار سونت لے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔

قرآن کے مطابق تعزیر کا بیان

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ

2575م اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2576 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 276

2577 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 7071 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 277 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1459

يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ (حجرات،۱۱)

اے ایمان والو! نہ مرد مرد سے مسخرہ پن کریں، عجب نہیں وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، دور نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں طعنہ نہ دو اور بُرے لقبوں سے نہ پکارو کہ ایمان کے بعد فاسق کہلانا برا نام ہے اور جو توبہ نہ کرے، وہی ظالم ہے۔

دہشت گرد اور ہراس پھیلانے والے ناپسندیدہ لوگ

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو بدگمانی کرنے، تہمت رکھنے اپنوں اور غیروں کو خوفزدہ کرنے، خواہ مخواہ کی دہشت دل میں رکھ لینے سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ بسا اوقات اکثر اس قسم کے گمان بالکل گناہ ہوتے ہیں پس تمہیں اس میں پوری احتیاط چاہیے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہاں تک تجھ سے ہو سکے اسے بھلائی اور اچھائی پر محمول کر۔ ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کعبہ کرتے ہوئے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے؟ تو کیسی بڑی حرمت والا ہے؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ مومن کی حرمت اس کے مال اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنے کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت بڑی ہے۔ یہ حدیث صرف ابن ماجہ میں ہی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بدگمانی سے بچو گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے بھید نہ ٹٹولو۔ ایک دوسرے کی ٹوہ حاصل کرنے کی کوشش میں نہ لگ جایا کرو حسد بغض اور ایک دوسرے سے منہ پھلانے سے بچو سب مل کر اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو سہو۔ مسلم وغیرہ میں ہے ایک دوسرے سے روٹھ کر نہ بیٹھ جایا کرو، ایک دوسرے سے میل جول ترک نہ کرلیا کرو، ایک دوسرے کا حسد بغض نہ کیا کرو بلکہ سب مل کر اللہ کے بندے آپس میں دوسرے کے بھائی بند ہو کر زندگی گزارو۔ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال اور میل جول چھوڑ دے۔

طبرانی میں ہے کہ تین خصلتیں میری امت میں رہ جائیں گی فال لینا، حسد کرنا اور بدگمانی کرنا۔ ایک شخص نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ان کا تدارک کیا ہے؟ فرمایا جب حسد کرے تو استغفار کرلے۔ جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دے اور یقین نہ کر اور جب شگون لے خواہ نیک نکلے خواہ بد اپنے کام سے نہ رک اسے پورا کر۔

ابو داؤد میں ہے کہ ایک شخص کو حضرت ابن مسعود کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کی ڈاڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں آپ نے فرمایا ہمیں بھید ٹٹولنے سے منع فرمایا گیا ہے اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہو گئی تو ہم اس پر پکڑ سکتے ہیں مسند احمد میں ہے کہ عقبہ کے کاتب وجین کے پاس گئے حضرت عقبہ گئے اور ان سے کہا کہ میرے پڑوس میں کچھ لوگ شرابی ہیں میرا ارادہ ہے کہ میں داروغہ کو بلا کر انہیں گرفتار کرا دوں، آپ نے فرمایا ایسا نہ کرنا بلکہ انہیں سمجھاؤ بجھاؤ ڈانٹ ڈپٹ کر دو، پھر کچھ دنوں کے بعد آئے اور کہا وہ باز نہیں آتے اب تو میں ضرور داروغہ کو بلاؤں گا آپ نے فرمایا افسوس افسوس تم ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو سنو میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری کرے اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے کسی نے زندہ درگور کردہ لڑکی کو بچالیا۔ ابوداؤد میں ہے حضرت معاویہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تو لوگوں کے باطن اوران کے راز ٹٹولنے کے درپے ہوگا تو تو انہیں بگاڑ دے گا یا فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب کردے۔

حضرت ابودرداء فرماتے ہیں اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ امیر اور بادشاہ جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے اور گہرا اترنا شروع کردیتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تجسس نہ کرو یعنی برائیاں معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو تاک جھانک نہ کیا کرو اسی سے جاسوس ماخذ ہے تجسس کا اطلاق عموماً برائی پر ہوتا ہے اور تحسس کا اطلاق بھلائی ڈھونڈنے پر۔ جیسے حضرت یعقوب اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں (يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ 87)-12 یوسف:87)، بچو تم جاؤ اور یوسف کو ڈھونڈو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور کبھی کبھی ان دونوں کا استعمال شر اور برائی میں بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے نہ تجسس کرو نہ تحسس کرو نہ حسد و بغض کرو نہ منہ موڑو بلکہ سب مل کر اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ امام اوزاعی فرماتے ہیں تجسس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو اور تحسس کہتے ہیں ان لوگوں کی سرگوشی پر کان لگانے کو جو کسی کو اپنی باتیں سنانا نہ چاہتے ہوں۔ اور تدابر کہتے ہیں ایک دوسرے سے رک کر آزردہ ہو کر قطع تعلقات کرنے کو۔ پھر غیبت سے منہ فرماتا ہے ابوداؤد میں ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیبت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے مسلمان بھائی کی کسی ایسی بات کا ذکر کرے جو اسے بری معلوم ہو تو کہا گیا اگر وہ برائی اس میں ہو جب بھی؟ فرمایا ہاں غیبت تو یہی ہے ورنہ بہتان اور تہمت ہے۔ ابوداؤد میں ہے ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ صفیہ تو ایسی ایسی ہیں مسدد راوی کہتے ہیں یعنی کم قامت، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ایسی بات کہی ہے کہ سمندر کے پانی میں اگر ملا دی جائے تو اسے بھی بگاڑ دے اور ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی شخص کی کچھ ایسی ہی باتیں بیان کی گئیں تو آپ نے فرمایا میں اسے پسند نہیں کرتا مجھے چاہے ایسا کرنے میں کوئی بہت بڑا نفع ہی ملتا ہو۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک بی بی صاحبہ حضرت عائشہ کے ہاں آئیں جب وہ جانے لگیں تو صدیقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارے سے کہا کہ یہ بہت پست قامت ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ان کی غیبت کی الغرض غیبت حرام ہے اور اس کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ لیکن ہاں شرعی مصلحت کی بنا پر کسی کی ایسی بات کا ذکر کرنا غیبت میں داخل نہیں جیسے جرح و تعدیل نصیحت و خیر خواہی جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فاجر شخص کی نسبت فرمایا تھا یہ بہت برا آدمی ہے اور جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا معاویہ مفلس شخص ہے اور ابوالجہم بڑا مارنے پیٹنے والا آدمی ہے۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جبکہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے نکاح کا مانگا ڈالا تھا اور بھی جو باتیں اس طرح کی ہوں ان کی تو اجازت ہے باقی اور غیبت حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اس سے بہت

زیادہ نفرت تمہیں غیبت سے کرنی چاہیے۔ جیسے حدیث میں ہے اپنے دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے اور فرمایا بری مثال ہمارے لئے لائق نہیں۔ حجۃ الوداع کے خطبے میں ہے تمہارے خون مال آبرو تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسی حرمت تمہارے اس دن کی تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے۔ ابوداؤد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مسلمان کا مال اس کی عزت اور اس کا خون مسلمان پر حرام ہے انسان کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی حقارت کرے۔

اور حدیث میں ہے اے وہ لوگو جن کی زبانیں تو ایمان لا چکیں ہیں لیکن دل ایماندار نہیں ہوئے تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنا چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدہ خرابیوں کو ظاہر کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے گھرانے والوں میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے، مسند ابو یعلی میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ سنایا جس میں آپ نے پردہ نشین عورتوں کے کانوں میں بھی اپنی آواز پہنچائی اور اس خطبہ میں اوپر والی حدیث بیان فرمائی ،حضرت ابن عمر نے ایک مرتبہ کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تیری حرمت وعظمت کا کیا ہی کہنا ہے لیکن تجھ سے بھی بہت زیادہ حرمت ایک ایماندار شخص کی اللہ کے نزدیک ہے۔ ابوداؤد میں ہے جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا اسے جہنم کی اتنی ہی غذا کھلائی جائے گی اسی طرح جس نے مسلمانوں کی برائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اسے اسی جیسی پوشاک جہنم کی پہنائی جائے گی اور جو شخص کسی دوسرے کی بڑائی دکھانے سنانے کو کھڑا ہوا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھاوے سناوے کے مقام میں کھڑا کر دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے ہیں جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے ہیں میں نے پوچھا کہ جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتیں لوٹتے تھے (ابوداؤد) اور روایت میں ہے کہ لوگوں کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا معراج والی رات میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جن میں مرد و عورت دونوں تھے کہ فرشتے انکے پہلوؤں سے گوشت کاٹتے ہیں اور پھر انہیں اس کے کھانے پر مجبور کر رہے ہیں اور وہ اسے چبا رہے ہیں میرے سوال پر کہا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو طعنہ زن، غیبت گو، چغل خور تھے، انہیں جبراً آج خود ان کا گوشت کھلایا جا رہا ہے (ابن ابی حاتم)

یہ حدیث بہت مطول ہے اور ہم نے پوری حدیث سورہ سبحٰن کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہے فالحمد للہ۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزے کا حکم دیا اور فرمایا جب تک میں نہ کہوں کوئی افطار نہ کرے شام کو لوگ آنے لگے اور آپ سے دریافت کرنے لگے آپ انہیں اجازت دیتے اور وہ افطار کرتے اتنے میں ایک صاحب آئے اور عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں نے روزہ رکھا تھا جو آپ ہی کے متعلقین میں سے ہیں انہیں بھی آپ اجازت دیجئے کہ روزہ کھول لیں آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اس نے دوبارہ عرض کی تو آپ نے فرمایا وہ روزے سے نہیں ہیں کیا وہ بھی روزے دار ہو سکتا ہے؟ جو انسانی گوشت کھائے جاؤ انہیں کہو کہ اگر وہ روزے سے ہیں تو قے کریں چنانچہ انہوں نے قے کی جس میں خون جمے کے لوتھڑے نکلے اس نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپ نے فرمایا اگر یہ اسی حالت میں مر جاتیں تو آگ کا لقمہ بنتیں۔ اس کی سند ضعیف ہے

اور متن بھی غریب ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں عورتوں کی روزے میں بری حالت ہے مارے پیاس کے مر رہی ہیں اور یہ دوپہر کا وقت تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی پر اس نے دوبارہ کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو مر گئی ہوں گی یا تھوڑی دیر میں مر جائیں گی آپ نے فرمایا جاؤ انہیں بلا لاؤ جب وہ آئیں تو آپ نے دودھ کا مٹکا ایک کے سامنے رکھ کر فرمایا اس میں قے کر اس نے قے کی تو اس میں پیپ خون جامد وغیرہ نکلی جس سے آدھا مٹکا بھر گیا پھر دوسری سے قے کرائی اس میں بھی یہی چیزیں اور گوشت کے لوتھڑے وغیرہ نکلے اور مٹکا بھر گیا، اس وقت آپ نے فرمایا انہیں دیکھو حلال روزہ رکھے ہوئے تھیں اور حرام کھا رہی تھیں دونوں بیٹھ کر لوگوں کے گوشت کھانے لگی تھیں (یعنی غیبت کر رہی تھیں) (مسند احمد)

مسند حافظ ابو یعلی میں ہے کہ حضرت ماعز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زنا کیا ہے آپ نے منہ پھیر لیا یہاں تک کہ وہ چار مرتبہ کہہ چکے پھر پانچویں دفعہ آپ نے کہا تو نے زنا کیا ہے؟ جواب دیا ہاں فرمایا جانتا ہے زنا کسے کہتے ہیں؟ جواب دیا ہاں، جس طرح انسان اپنی حلال عورت کے پاس جاتا ہے اسی طرح میں نے حرام عورت سے کیا۔ آپ نے فرمایا اب تیرا مقصد کیا ہے؟ کہا یہ کہ آپ مجھے اس گناہ سے پاک کریں آپ نے فرمایا کیا تو نے اسی طرح دخول کیا تھا جس طرح سلائی سرمہ دانی میں اور لکڑی کنویں میں؟ کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ نے انہیں رجم کرنے یعنی پتھراؤ کرنے کا حکم دیا چنانچہ یہ رجم کر دیئے گئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے دیکھو اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس نے اپنے تئیں نہ چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح پتھراؤ کیا گیا۔ آپ یہ سنتے ہوئے چلتے رہے تھوڑی دیر بعد آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک مردہ گدھا پڑا ہوا ہے فرمایا فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ وہ سواری سے اتریں اور اس گدھے کا گوشت کھائیں انہوں نے کہا یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے کیا یہ کھانے کے قابل ہے؟ آپ نے فرمایا ابھی جو تم نے اپنے بھائی کی بدی بیان کی تھی وہ اس سے بھی زیادہ بری چیز تھی۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ شخص جسے تم نے برا کہا تھا وہ تو اب اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

مسند احمد میں ہے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ نہایت سڑی ہوئی مرداری بو والی ہوا چلی آپ نے فرمایا جانتے ہو؟ یہ بو کس چیز کی ہے؟ یہ بدبو ان کی ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور روایت میں ہے کہ منافقوں کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی غیبت کی ہے یہ بدبودار ہوا وہ ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان ایک سفر میں دو شخصوں کے ساتھ تھے جن کی یہ خدمت کرتے تھے اور وہ انہیں کھانا کھلاتے تھے ایک مرتبہ حضرت سلمان سو گئے تھے اور قافلہ آگے چل پڑا پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان دونوں نے دیکھا کہ حضرت سلمان نہیں تو اپنے ہاتھوں سے انہیں خیمہ کھڑا کرنا پڑا اور غصہ سے کہا سلمان تو بس اتنے ہی کام کا ہے کہ پکی پکائی کھا لے اور تیار خیمے میں آ کر آرام کر لے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت سلمان پہنچے ان دونوں کے پاس سالن نہ تھا تو کہا تم جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے لئے سالن لے آؤ۔ یہ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میرے دونوں ساتھیوں نے بھیجا ہے کہ اگر آپ کے پاس سالن ہو تو دے دیجئے آپ نے فرمایا وہ سالن کا کیا کریں گے؟

انہوں نے تو سالن پالیا۔

حضرت سلمان واپس گئے اور جا کر ان سے یہ بات کہی وہ اٹھے اور خود حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تو سالن نہیں نہ آپ نے بھیجا آپ نے فرمایا تم نے سلمان کے گوشت کا سالن کھالیا جبکہ تم نے انہیں یوں کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (میتا) اس لئے کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور یہ ان کی غیبت کررہے تھے۔ مختار ابوضیا میں تقریباً ایسا ہی واقعہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے اس خادم کا گوشت تمہارے دانتوں میں اٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں اور ان کا اپنے غلام ہے جبکہ وہ سویا ہوا تھا اور ان کا کھانا تیار نہیں کیا تھا صرف اتنا ہی کہنا مروی ہے کہ یہ تو بڑا سونے والا ہے ان دونوں بزرگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ ہمارے لئے استغفار کریں۔

مسند ابویعلی میں ہے جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا (یعنی اس کی غیبت کی) قیامت کے دن اس کے سامنے وہ گوشت لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جیسے اس کی زندگی میں تو نے ان کا گوشت کھایا تھا اب اس مردے کا گوشت بھی کھا۔ اب یہ چیخے گا چلائے گا ہائے وائے کرے گا اور اسے جبراً وہ مردہ گوشت کھانا پڑے گا۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ کا لحاظ کرو اس کے احکام بجالاؤ اس کی منع کردہ چیزوں سے رک جاؤ اور اس سے ڈرتے رہا کرو۔ جو اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو اس پر بھروسہ کرے اس کی طرف رجوع کرے وہ اس پر رحم اور مہربانی فرماتا ہے۔ جمہور علماء کرام فرماتے ہیں غیبت گو کی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے اور پھر سے اس گناہ کو نہ کرے پہلے جو کر چکا ہے اس پر نادم ہونا بھی شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی حاصل کرلے۔ بعض کہتے ہیں یہ بھی شرط نہیں اس لئے کہ ممکن ہے اسے خبر ہی نہ ہو اور معافی مانگنے کو جب جائے گا تو اسے اور رنج ہوگا۔ پس اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جن مجلسوں میں اس کی برائی بیان کی تھی ان میں اب اس کی سچی صفائی بیان کرے اور اس برائی کو اپنی طاقت کے مطابق دفع کردے تو ادلا بدلا ہو جائے گا۔

مسند احمد میں ہے جو شخص اس وقت کسی مومن کی حمایت کرے جبکہ کوئی منافق اس کی مذمت بیان کررہا ہو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو مقرر کردیتا ہے جو قیامت والے دن اس کے گوشت کو نار جہنم سے بچائے گا اور جو شخص کسی مومن پر کوئی ایسی بات کہے گا جس سے اس کا ارادہ اسے مطعون کرنے کا ہو اسے اللہ تعالیٰ پل صراط پر روک لے گا یہاں تک کہ بدلا ہو جائے یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے جو شخص کسی مسلمان کی بےحرمتی ایسی جگہ میں کرے جہاں اس کی آبروریزی اور توہین ہوتی ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ ایسی جگہ رسوا کرے گا جہاں وہ اپنی مدد کا طالب ہو اور جو مسلمان ایسی جگہ اپنے بھائی کی حمایت کرے اللہ تعالیٰ بھی ایسی جگہ اس کی نصرت کرے گا۔ (ابوداؤد، تفسیر ابن کثیر، حجرات، ۱۱)

بَاب مَنْ حَارَبَ وَسَعٰى فِي الْاَرْضِ فَسَادًا

یہ باب ہے کہ جو شخص جنگ کرے اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرے

2578 - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ اُنَاسًا مِّنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوْا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَقَالَ لَوْ خَرَجْتُمْ اِلٰى ذَوْدٍ لَّنَا فَشَرِبْتُمْ مِنْ اَلْبَانِهَا وَاَبْوَالِهَا فَفَعَلُوْا فَارْتَدُّوْا عَنِ الْاِسْلَامِ وَقَتَلُوْا رَاعِيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَاقُوْا ذَوْدَهٗ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْ طَلَبِهِمْ فَجِيْءَ بِهِمْ فَقَطَعَ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ وَسَمَرَ اَعْيُنَهُمْ وَتَرَكَهُمْ بِالْحَرَّةِ حَتّٰى مَاتُوْا

◈ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عرینہ قبیلے کے کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں آئے، مدینہ منورہ کی آب و ہوا انہیں موافق نہیں آئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم ہمارے اونٹوں کی طرف چلے جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو (تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا)''۔

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا پھر وہ لوگ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو گئے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں لوگوں کو بھیجا، جب انہیں پکڑ کر لایا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیے، ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں اور انہیں تپتے ہوئے پتھروں پر چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ (اس حالت میں) مر گئے۔

2579 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اَبِي الْوَزِيْرِ حَدَّثَنَا الدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ قَوْمًا اَغَارُوْا عَلٰى لِقَاحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ اَعْيُنَهُمْ

◈ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' کچھ لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کو لوٹ لیا (پھر جب وہ پکڑے گئے) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیے اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں۔

شرح

دوسری روایت میں ہے کہ پیاس کے مارے تڑپتے رہے لیکن کسی نے ان کو پانی نہیں دیا یہاں تک کہ وہ مر گئے، یہ آنکھیں پھوڑنا اور پانی نہ دینا تشدد کے لئے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ انہوں نے کئی کبیرہ گناہ کئے تھے، ارتداد، قتل، لوٹ پاٹ، ناشکری وغیرہ۔ بعضوں نے کہا کہ یہ قصاص میں تھا کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا، غرض بدکار، بدفعل،

2578 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2579 اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4049' ورقم الحدیث: 4050' ورقم الحدیث: 4051

بے رحم اور ظالم پر ہرگز رحم نہ کرنا چاہئے، اور اس کو ہمیشہ سخت سزا دینی چاہئے تاکہ عام لوگ تکلیف سے محفوظ رہیں، اور یہ عام لوگوں پر عین رحم و کرم ہے کہ ظالم کو سخت سزا دی جائے، اور ظالم پر رحم کرنا غریب رعایا پر ظلم ہے۔

اسلام دین امن وسلامتی ہے

اسلام خود بھی امن وسلامتی کا دین ہے اور دوسروں کو بھی امن وعافیت کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام کے دینِ امن وسلامتی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بھیجے ہوئے دین کے لئے نام ہی اسلام پسند کیا ہے۔ (1) لفظ اسلام سَلم یا سِلم سے ماخوذ ہے، جس کے معنی امن وسلامتی اور خیر وعافیت کے ہیں۔ اسلام اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے سراسر امن ہے۔ گویا امن وسلامتی کا معنی لفظ اسلام کے اندر ہی موجود ہے۔ لہٰذا اپنے معنی کے اعتبار سے ہی اسلام ایک ایسا دین ہے جو خود بھی سراپا سلامتی ہے اور دوسروں کو بھی امن وسلامتی، محبت ورواداری، اعتدال وتوازن اور صبر وتحمل کی تعلیم دیتا ہے۔

قرآن وحدیث میں اگر مسلم اور مومن کی تعریف تلاش کی جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مسلمان صرف وہ شخص ہے جو تمام انسانیت کے لئے پیکر امن وسلامتی ہو اور مومن بھی وہی شخص ہے جو امن وآشتی، تحمل وبرداشت، بقاء باہمی اور احترام آدمیت جیسے اوصاف سے متصف ہو۔ یعنی اجتماعی سطح سے لے کر انفرادی سطح تک ہر کوئی اس سے محفوظ ومامون ہو۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا.

اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے پہلے (کی کتابوں میں) بھی اور اس (قرآن) میں بھی۔ (الحج، 78:22)

دین اسلام کے تین درجات

پیغمبر اسلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کے درج ذیل تین درجات بیان فرمائے ہیں:

اسلام ایمان احسان

اعمال، عقائد اور احوال کے باب میں دین اسلام کے یہ تین مراتب ہیں۔ دین اسلام کی تمام تعلیمات انہی کے گرد گھومتی نظر آتی ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری اور امام مسلم کی روایت کردہ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک سائل کی صورت میں حاضر مجلس ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درج ذیل تین سوال عرض کیے: اسلام کیا ہے؟

اِس پہلے سوال کے جواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے اساسی اعمال بیان فرمائے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے دوسرا سوال یہ کیا: ایمان کیا ہے؟

اِس کے جواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے اساسی عقائد بیان فرمائے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے تیسرا سوال یہ کیا: احسان کیا ہے؟

اِس سوال کے جواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی اعلیٰ قلبی کیفیات اور روحانی احوال بیان فرمائے جن سے بندۂ مومن کی باطنی تطہیر اور روحانی ارتقاء واستحکام کے بعد اس کی شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے۔

سوالات کے جواب حاصل کرنے کے بعد جب جبریل علیہ السلام واپس چلے گئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمہیں (ان سوالات کے ذریعے) دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔

1. بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعۃ، 1:27، رقم: 50

اِس مضمون پر مشتمل متعدد احادیث میں دین اسلام کے ان تین مراتب کی تفصیلات واضح کی گئی ہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم میں بھی باری تعالیٰ نے مختلف مقامات پر دین اسلام کے یہ تین درجات بیان فرمائے ہیں۔

دین اسلام کے پہلے درجے اسلام کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدۃ، 5 : 3)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔

دین اسلام کے دوسرے درجے ایمان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ.

(الحجرات، 49:14)

دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، آپ فرما دیجیے: تم ایمان نہیں لائے، ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔

دین اسلام کے تیسرے درجے احسان کے بارے میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ. (النساء، 4:125)

اور دین اِختیار کرنے کے اعتبار سے اُس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنا روئے نیاز اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ صاحبِ احسان بھی ہوا۔

ایک مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین اسلام کے تینوں درجات بالترتیب اکٹھے بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. (المائدۃ، 5: 93)

ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اس (حرام) میں کوئی گناہ نہیں جو وہ (حکمِ حرمت اترنے سے پہلے) کھا پی چکے ہیں جب کہ وہ (بقیہ معاملات میں) بچتے رہے اور (دیگر احکامِ الٰہی پر) ایمان لائے اور اعمال صالحہ پر عمل پیرا رہے، پھر (احکامِ حرمت کے آجانے کے بعد بھی ان سب حرام اشیاء سے) پرہیز کرتے رہے اور (اُن کی حرمت پر صدقِ دل سے) ایمان

لائے، پھر صاحبانِ تقویٰ ہوئے اور (بالآخر) صاحبانِ احسان (یعنی اللہ کے خاص محبوب ومقرب و نیکوکار بندے) بن گئے، اور اللہ احسان والوں سے محبت فرماتا ہے۔

سطور بالا میں کی گئی اِس بنیادی بحث سے واضح ہوتا ہے، اور ائمہ دین کا بھی اسی اَمر پر اِجماع ہے، کہ دین اسلام کاملاً تین درجوں پر مشتمل ہے اور اس کی کل تعلیمات اِنہی تین درجوں میں تقسیم ہیں۔ اگر اِسلام کے عام معنی مراد لیے جائیں تو اس سے مراد مکمل دین ہے اور اگر اس کے خاص معنی مراد لیے جائیں تو اس سے مراد دین کے اساسی اعمال ہوں گے جنہیں اَرکانِ اِسلام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی ارکان اسلام ہیں جن سے مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی عملی سانچے میں ڈھلتی ہے۔ اِسی طرح دین اسلام کی وہ تعلیمات جن کا تعلق اعمال اور احکام کے ساتھ ہے، اسلام کے ذیل میں آتی ہیں۔ ان سے مسلمانوں کی عملی واخلاقی زندگی وجود میں آتی ہے۔ دینِ اِسلام کی وہ تعلیمات جن کا تعلق عقائد ونظریات کے ساتھ ہے، وہ ایمان کے ذیل میں آتی ہیں اور ان سے انسانی زندگی کا فکری ونظریاتی پہلو تشکیل پاتا ہے جب کہ دینِ اِسلام کی وہ تعلیمات جن سے اَعلیٰ قلبی کیفیات اور روحانی اَحوال نصیب ہوتے ہیں، وہ احسان کے ذیل میں آتی ہیں۔ ان تعلیمات سے بندۂ مؤمن کی اَخلاقی وروحانی تطہیر ہوتی ہے اور اُس کے قلب وباطن کا روحانی ارتقاء ہوتا ہے جو فی الحقیقت اسلام اور ایمان کا مقصود ومدعا ہوتا ہے۔

اب ہم بالترتیب دین اسلام کے تینوں مراتب کا ذکر لغوی اور اِصطلاحی حوالے سے کرتے ہیں تاکہ یہ خوش گوار حقیقت واضح ہو سکے کہ ان تین مراتب کا امن، امان اور سلامتی کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

لفظ اسلام کا لغوی معنیٰ اور تحقیق کا بیان

لفظِ اسلام مصدر ہے اور یہ سَلِمَ يَسْلَمُ سَلَامًا وسَلَامَةً سے ماخوذ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً. (البقرة، 2: 208)

اسلام (سلامتی) میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

یہاں السِّلْم کا معنی ابو عمرو نے اسلام کیا ہے۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اقدس ہے: مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔ (مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام وأي أموره أفضل، 1: 65، رقم: 41)

لہٰذا کسی فرد کے اسلام لانے اور مسلمان ہو جانے کا مطلب سلامتی کے دروازے میں داخل ہو جانا ہے یہاں تک کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔

امامِ لغت ابو منصور محمد الازہری (282-370ھ) تہذیب اللغۃ میں بیان کرتے ہیں کہ ابو اسحاق الزجاج نے اللہ تعالیٰ کے اس قول۔ فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (تو آپ (ان سے شفقتاً) فرمائیں کہ تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنی ذات (کے ذِمّہ کرم) پر رحمت لازم کر لی ہے)۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ انہوں نے محمد بن یزید کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ لغتِ عرب میں سَلام کے چار معانی ہیں: ان میں سے ایک یہ کہ سَلام، سَلمت سے مصدر ہے؛ دوسرا یہ کہ سَلامۃ کی جمع ہے؛ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اَسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم مبارک ہے اور چوتھا یہ کہ یہ ایک ایسے درخت کا نام ہے جو سدا بہار شجرِ سایہ دار ہے۔

زجاج نے کہا: وہ سَلام جو سَلَّمْتُ کا مصدر ہے، اس کا معنیٰ انسان کے لئے دعا ہے کہ وہ اپنے دین اور اپنی جان میں آفات سے سلامت رہے اور اس کی تاویل تمام آفات و بَلِیّات سے نجات اور چھٹکارا پانا ہے۔ (اَزہری، تہذیب اللغۃ، 292:4)

جنت کو بھی دَارُ السَّلام اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی فنا اور موت نہ ہوگی۔ نہ کسی کی زندگی کو خطرہ ہوگا نہ کسی کی صحت کو، نہ کسی کی عزت کو پریشانی لاحق ہوگی نہ کسی کی حرمت کو۔ یہ خالصتاً امن وسکون، راحت وعافیت اور مسرت وسلامتی کا گھر ہوگا جس میں کوئی خوف وحزن اور رنج وملال بھی نہ ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ (انہی کے لیے ان کے رب کے حضور سلامتی کا گھر ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے)۔ اور دَارُ السَّلام سے مراد دَارُ السَّلَامَۃ ہے یعنی سلامتی والا گھر، کیونکہ حقیقی سلامتی صرف اور صرف جنت میں ہے اور اس میں ایسی بقا ہے جس کے ساتھ فنا نہیں، ایسی غنا ہے جس کے ساتھ فقر نہیں، ایسی عزت ہے جس کے ساتھ ذلت نہیں اور ایسی صحت ہے جس کے ساتھ بیماری نہیں۔

امام راغب اصفہانی بیان کرتے ہیں: اَلسِّلْم اور اَلسَّلَامَۃ کا معنی ظاہری اور باطنی آفات سے پاک ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشعراء، 26 : 89)

مگر وہی شخص (نفع مند ہوگا) جو اللہ کی بارگاہ میں سلامتی والے بے عیب دل کے ساتھ حاضر ہوا۔

یعنی ایسا دل جو ظلم وفساد سے خالی ہو۔ پس یہ سلامتی باطن سے متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا) میں سلامتی کا تعلق ظاہر سے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرامین مقدسہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ، اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ، اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا، يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ، وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا، سب میں سلامتی اور امن وعافیت کا ہی معنی ہے۔

لہٰذا یہ وہ پہلا معنی ہے جو اسلام کے لفظ میں لغتاً اور دلالتاً پایا جاتا ہے۔ اس سے یہ چیز اَظْهَرُ مِنَ الشَّمْس ہوگئی کہ ہر اسم یا فعل جو لفظِ اسلام کی اصل اور مادّہ سے مشتق ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر امن، امان، سلامتی اور عافیت کا معنی رکھتا ہو۔

بالکل تندرست ہو اس میں کوئی داغ دھبہ بھی نہ ہو۔ لیکن اللہ نے (مسلمانوں کو بزدلی اور باہمی نزاع سے) بچالیا۔

(ان سے کہا جائے گا:) ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ۔ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (کشتی سے) اتر جاؤ۔ اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیرو ہیں، سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے۔ اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۔

(تم پر) سلام ہو، (یہ) ربِ رحیم کی طرف سے فرمایا جائے گا۔ (انہیں خوش آمدید کہتے اور مبارک باد دیتے ہوئے کہیں گے:) تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کے صلہ میں۔

(1) البقرة، 2: 71 (2) الانفال، 8: 43 (3) الحجر، 15: 46 (4) ہود، 11: 48 (5) المائدة، 5: 16 (6) الفرقان، 25: 63 (7) یٰسین، 36

58۔(8)الرعد،24:13

باری تعالیٰ نے بھی اپنا ایک نام السّلام بیان فرمایا ہے، جس کا سبب بھی اَلسَّلَامَۃُ مِنَ الْعَیْبِ وَالنَّقْصِ وَالْفَنَا یعنی اللہ تعالیٰ کا ہر عیب، نقص اور فنا سے پاک ہونا ہے۔ اِس سے لفظ اسلام کے مذکورہ بالا معنی پر دلالت واقع ہوتی ہے کیونکہ اسم الٰہی ہونے کے باعث یہ لفظ اور اس کا مدلول اپنے اندر سلامتی، حسن، بھلائی اور خیر کے تمام معانی جمع کیے ہوئے ہے اور جملہ عوارض فساد کی مکمل نفی لیے ہوئے ہے۔ اس وجہ سے ہر مسلمان کا شعار ملاقات اور اس کی علامت اسلام ہی تسلیم کو بنا دیا گیا ہے کہ جب بھی دو مسلمان باہم ملیں تو ایک دوسرے کو السلام علیکم کہہ کر امن و سلامتی کی دعا اور پیغام دیں اور ایک دوسرے کے لئے ہر قسم کے شر و فساد اور عدوان و طغیان سے محفوظ رہنے کی نیک خواہش کا اظہار کریں۔ یہی حکم مسلمانوں کو خروج عن الصلوۃ پر دیا گیا ہے کہ نماز کا اختتام بھی دائیں بائیں ہر ایک کے لیے سلامتی، امن و امان اور حفاظت و عافیت کے پیغام پر کریں۔

اسی طرح السلام کا ایک اور معنی سرسبز درخت ہے۔ لسان العرب اور تہذیب اللغۃ میں امام لغت ابو حنیفہ کا قول مروی ہے: اَلسَّلَامُ شَجَرٌ عَظِیْمٌ وَہُوَ اَبَدًا اَخْضَرُ (1) (سلام ایسا شجر عظیم ہے جو ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے)۔ اس کی وجہ بھی ائمہ لغت نے یہی لکھی ہے۔ یہ درخت آفات سے یعنی سوکھنے، جلنے اور جھڑنے سے محفوظ ہوتا ہے اس لئے اسے السلام کہتے ہیں۔ ابن بری نے کہا ہے کہ شجر سایہ دار کو اَلسَّلَم کہتے ہیں اور اس کی جمع سلام ہے۔ سو اس کی وجہ تسمیہ بھی ہمیشہ سایہ دار اور سدا بہار رہنا ہے۔ گویا جو شے بھی سایہ دار ہو، نفع بخش ہو اور امن و سلامتی کی آئینہ دار ہو اس میں سَلْم، سَلَم اور سلام کا معنی تصور کیا جائے گا۔

(ابن منظور، لسان العرب، 297:12)

مزید برآں عربی لغت میں سیڑھی کو اَلسُّلَّم کہتے ہیں۔ الزجاج نے بیان کیا ہے: اَلسُّلَّمُ سُمِّیَ سُلَّمًا لِاَنَّہٗ یُسَلِّمُکَ اِلٰی حَیْثُ تُرِیْدُ (1) (سیڑھی کو بھی سُلَّم اس لئے کہتے ہیں کہ یہ انسان کو جہاں وہ چاہتا ہے سلامتی اور خیریت سے چڑھا دیتی ہے)۔ ورنہ بغیر سیڑھی کے چھت یا بلندی پر چڑھنے کے لیے چھلانگ سمیت جو طریقہ بھی استعمال کیا جائے گا، اس میں گرنے اور زخمی ہو جانے یا ہلاک ہو جانے کا خطرہ برقرار رہے گا۔ جب آپ سیڑھی کا ذریعہ اپنا لیتے ہیں تو خطرات سے محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں۔ اس کے اسی سلامتی کے کردار کی وجہ سے لغت عرب میں اسے اَلسُّلَّم کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے:

اب لفظ اَلسَّلْم کے ایک اور معنی پر غور کیجیے اور وہ ہے ڈول۔ صاحب لسان العرب ابن منظور لکھتے ہیں: اَلسَّلْمُ ہو الدلو العظیمۃ (1) (بڑے ڈول کو سَلْم کہتے ہیں)۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ ڈول وہ برتن ہے جس کے ذریعے کنویں سے پانی نکالتے ہیں۔ مشینی دور سے قبل ڈول کے ذریعے ہی پانی نکالا جاتا تھا۔ سوال یہ ہے کہ ڈول کو سَلْم کا نام کیوں دیا گیا۔ اس سے پانی نکال کر پیاسے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ ضرورت مند پانی گھروں کو لے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ پہلے زمانہ میں غسل اور وضو بھی اسی طرح کیا جاتا تھا۔ سو ڈول کی اس حیات بخشی اور نفع رسانی کے باعث اسے سَلْم کا نام دیا گیا کہ اسی کے ذریعے لوگوں کی کنوؤں کے پانی تک رسائی ہوتی ہے اور پانی سے زندگی، سیرابی، ٹھنڈک، سکون، راحت جان اور سبزی و ہریالی سب کچھ وابستہ ہے۔ اس لیے اس کے حصول کے ذریعے کو سلامتی (سَلْم) کا لقب مل گیا۔ (ابن منظور، لسان العرب، 201:12)

لفظِ اسلام پر لغوی بحث ہم نے بطور نمونہ کی ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ اسلام اپنے لفظ، معنی اور عنوان کے لحاظ سے کلیتاً امن و سلامتی، خیر و عافیت اور حفظ و امان کا نام ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام فساد و ہلاکت سے نہ صرف محفوظ و مامون ہونے بلکہ ہر ایک کو محفوظ و مامون رکھنے کا نام ہے۔ اس میں اصلاً کسی فساد انگیزی، تباہی و بربادی اور تفرقہ و انتشار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیم کا ہر پہلو انتہا پسندی اور دہشت گردی کی نفی کرتا ہے اور اس کی جگہ بھلائی، آبادی، شادابی، سلامتی، ترقی، عافیت اور نفع بخشی کی ترغیب اور ضمانت دیتا ہے۔ سو جس شخص کا طرزِ عمل اسلام کے اساسی معنی اور اس کے فکری و عملی اطلاق سے متصادم ہوگا اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

اب مذکورہ بالا معانی کی تائید میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان وہ ہے جس نے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔

. 1 بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، 1: 13، رقم: 10

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بہترین اسلام اس شخص کا ہے) جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (.1 بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، 1:13، رقم: 11)

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ کا جواب مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ دے کر لوگوں کے اس اعتراض کو رفع فرما دیا ہے کہ ہم کس کا اسلام مانیں اور کس کا نہ مانیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا واضح تصور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بہترین اسلام ان لوگوں کا ہے جن کے ہاتھ اور زبان سے تمام طبقاتِ انسانی محفوظ رہیں، جو بقائے باہمی، محبت و رواداری، تحمل و برداشت اور بین المذاہب رواداری کے علم بردار ہوں۔ اس کے برعکس اگر کوئی تبلیغ و تنفیذِ دین کے لئے انتہا پسندی، نفرت و تعصب، افتراق و انتشار اور جبر و تشدد کا راستہ اختیار کرے اور پر امن شہریوں کا خون بہائے تو ایسے لوگ، چاہے ظاہری طور پر اعمالِ شرعی کے پابند ہی کیوں نہ ہوں، ان کا دعویٰ اسلام ہرگز پسندیدہ اور مقبول نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقی اسلام کو پرکھنے کا معیار بنیادی طور پر امن و سلامتی کو قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا: کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (بہترین اسلام یہ ہے کہ) تم (دوسروں کو) کھانا کھلاؤ اور (ہر ایک کو) سلام کرو، خواہ تم اسے جانتے ہو یا نہیں جانتے۔ (بخاری، الصحیح، رقم: 12)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (بہترین) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام لوگ محفوظ رہیں۔ (نسائی، السنن، رقم: 4995)

امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے حضور نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اُس شخص کا اسلام سب سے بہتر ہے) جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام لوگ محفوظ رہیں۔ (أحمد بن حنبل، المسند، 2:187، رقم: 6753)

امام طبرانی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مسلمانوں میں سے کون بہترین ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (وہ مسلمان بہترین ہے) جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام لوگ محفوظ رہیں۔ (طبرانی، المعجم الأوسط، 3:287، رقم: 3170)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 1:54، رقم: 23)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ جو شخص اپنے کسی (مسلمان) بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرماتا ہے۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی (دنیوی) مشکل حل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مشکلات میں سے کوئی مشکل حل فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر نہ تو ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری یہاں ہے (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اپنے سینۂ اقدس کی طرف اشارہ کیا)۔ کسی مسلمان کے لئے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ایک مسلمان پر دوسرے کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت (و آبرو پامال کرنا) حرام ہے۔

(بیہقی، شعب الإیمان، 5:280، رقم: 6660)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں بعض مقامات پر مطلقاً لفظِ النَّاس استعمال کر کے اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ فرما دیا ہے کہ مسلمان اور مومن صرف وہی شخص ہوگا جس سے بلاتفریق دین و مذہب ہر شخص کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو۔ لہٰذا جو شخص آدمیت و انسانیت کا احترام ملحوظ نہ رکھے اور قتل و غارت گری، فساد انگیزی اور جبر و تشدد کا راستہ اختیار کرے، وہ کتنی ہی عبادت و ریاضت کرتا پھرے، ہرگز مومن نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی شخص نے ڈاڑھی رکھی ہو، تسبیح و تہلیل بھی کرتا ہو، نماز پنجگانہ ادا کرتا ہو، روزوں کا اہتمام کرتا ہو، تہجد گذار اور قائم اللیل ہو اور دعوت و تبلیغ کے علاوہ ہر سال حج و عمرہ بھی کرتا ہو، الغرض تمام عبادات کے باوجود اس سے لوگوں کی جان و مال محفوظ نہ ہوں تو یہ تمام عبادات اسے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتیں، کیونکہ حقیقی فلاح کا انحصار محض ظاہری عبادات پر نہیں بلکہ قلبِ سلیم پر ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (أحمد بن حنبل، المسند، 2:258)

یعنی اگر اندر کا انسان نہیں بدلا، وہ وحشی اور درندہ ہے تو باہر کے انسان کو جتنے بھی پارسائی کے لبادے اوڑھالیں، اس سے اللہ کو

ہرگز دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

لفظ ایمان کا لغوی معنی اور تحقیق

لفظِ ایمان بقول لحیانی أَمِنَ يَأْمَنُ أَمْناً وأَمْنًا وأَمَانَةً وأَمَنَةً سے مصدر ہے۔ اس کے معنی میں بھی اسلام کی طرح امن و امان کی ہی کامل دلالت ہے۔ امام لغت ابو منصور محمد الازہری (282-370ھ) نے تھذیب اللغۃ میں ابوزیاد کا قول نقل کیا ہے: آمَنَ فلانٌ العدوّ إيماناً، فأَمِنَ والعدوُّ مُؤْمَنٌ (1) (فلاں شخص نے دشمن کو امان فراہم کی۔ یہ ایمان ہے یعنی امان دینا ہے۔ پس وہ امن پا گیا)۔ سو دشمن کو مُؤمَن کہیں گے کیونکہ وہ مامون ہو گیا اور امان دینے والا مؤمِن کہلائے گا۔ اسی طرح قرآن مجید نے مکہ معظمہ کو شہرِ امن ہونے کی بنا پر وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ (2) (اور اس اَمن والے شہر (مکہ) کی قسم) کہہ کر قسم سے یاد فرمایا ہے۔ یہاں امین، مامون کے معنی میں آیا ہے۔ ابونصر الجوہری نے بھی اخفش سے یہی سبب روایت کیا ہے۔ (ابن منظور، لسان العرب، 21:13)

امن، خوف کی ضد ہے اور حضرت مجاہد سمیت کئی طرق سے اللہ تعالیٰ کا ایک نام بھی الامین مروی ہے۔ اسی طرح المؤمن کا اسم الٰہی ہونا تو خود قرآن مجید میں آیا ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہے، یعنی اپنے اولیاء کو خوف سے امان دینے والا۔ سورہ قریش میں بھی یہی مذکور ہے: پس انہیں چاہیے کہ اس گھر (خانہ کعبہ) کے رب کی عبادت کریں (تاکہ اس کی شکر گزاری ہو۔ جس نے انہیں بھوک (یعنی فقر و فاقہ کے حالات) میں کھانا دیا (یعنی رزق فراہم کیا) اور (دشمنوں کے) خوف سے امن بخشا (یعنی محفوظ و مامون زندگی سے نوازا۔

اِیمان اور اَمن لغتِ عرب میں دو طرح آتے ہیں: متعدی اور غیر متعدی۔ اس طرح لفظِ مومن کے دو معنی ہوئے: خود امن پانے والا اور دوسروں کو امن فراہم کرنے والا۔ قرآن حکیم میں حرمِ مکہ کا ذکر یوں آیا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا (العنکبوت، 29)

اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم (کعبہ) کو جائے امان بنا دیا ہے۔

پھر کعبۃ اللہ کی نسبت ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا (البقرة، 2 : 125)

اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے لیے رجوع (اور اجتماع) کا مرکز اور جائے امان بنا دیا۔

مزید برآں ابو اسحاق الزجاج نے صاحبِ اَمن کے لیے آمِنٌ، أَمِنٌ اور أَمِينٌ سب الفاظ ایک ہی معنی میں بیان کئے ہیں۔ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ستاروں کو اَمَنَۃ کہا گیا ہے: النجوم أَمَنَةُ السماء، فإذا ذهبت النجوم أتى السماء ما توعد. اس کا مطلب یہ ہے کہ ستارے آسمانی کائنات کی امان ہیں۔ جب وہ باہم ٹکرا کر گر جائیں گے تو قیامت آ جائے گی یعنی کائنات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو اپنے صحابہ کے لئے اَمَنَۃ فرمایا: أنا أَمَنَةٌ لأصحابي، فإذا ذهبت أتى أصحابي ما يوعدون (میں اپنے اصحاب کے لئے امان ہوں، جب میں دنیا سے ظاہراً رخصت ہو جاؤں گا تو ان پر اختلافوں، بغاوتوں اور عداوتوں کے فتنے ٹوٹ پڑیں گے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے)۔ سو ایسے ہی ہوا جن کے نتیجے میں کئی خلفاء

راشدین اور ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أصحابي أمنة لأمتي، فإذا ذهبت أصحابي، أتى أمتي ما يوعد (میرے صحابہ، میری امت کے لئے امان ہیں، جب ان کا زمانہ گزر جائے گا تو امت میں وہ فتنے سر اٹھائیں گے جن کا ذکر کر دیا گیا ہے)۔ (أحمد بن حنبل، المسند، 4:398، رقم:1958)

الغرض ہر جگہ اَمَنَةٌ، اَمن وامان کے معنی میں بیان ہوا ہے اور یہی لغت میں لفظِ ایمان کی اصل ہے۔ سو معلوم ہوا کہ لفظ ایمان کے مادہ میں اور اس کے تمام مشتقات میں امن وامان ہی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص کا عمل یا اقدام امن وامان کے خلاف ہے بلکہ اس کی تباہی اور خاتمہ کا باعث ہے، اور وہ اپنی کارروائیوں سے خوف پھیلاتا ہے اور دہشت گردی، قتل وغارت گری اور تباہ کاری کا مرتکب ہوتا ہے، اس کا کوئی تعلق ایمان سے نہیں ہو سکتا۔

لفظِ اِسلام اور اِیمان کی لغوی تحقیق سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ دین کے دونوں درجے، اسلام اور ایمان ہر عمل میں کلیتًا امن وامان اور عافیت وسلامتی کا تقاضا کرتے ہیں۔ امن وامان کو تباہ کرنے کا کوئی بھی عمل ہو، خواہ اسے کوئی بھی نعرہ دیا جائے، اس کے لیے کسی بھی سبب کا سہارا لیا جائے اور اسے کوئی بھی لباس اوڑھایا جائے، وہ نہ اسلام کے دائرے میں ہو گا نہ ایمان کے دائرے میں۔ بلکہ صراحتًا ایمان کے بھی خلاف ہو گا اور اسلام سے بھی متصادم ہو گا۔ اس لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کو امن، امان اور امانت داری کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔

لفظِ ایمان کی اسی لغوی اور معنوی اِفادیت کے پیشِ نظر پیغمبرِ رحمت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد ملت کو متعدد ہدایات اِرشاد فرمائی ہیں تا کہ تمام مسلمان محبت والفت، تحمل وبرداشت، احترام آدمیت اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (1) (آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں) کی چلتی پھرتی تصویریں بن جائیں اور نتیجتًا پورے کا پورا معاشرہ امن وآشتی اور خیر وعافیت کا گہوارہ بن جائے۔ ذیل میں ایمان کے مذکورہ بالا معانی کی تائید ملاحظہ فرمائیں۔

امام نسائی اور احمد بن حنبل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: مومن وہ ہے کہ جس کے پاس لوگ اپنے خون (یعنی جان) اور مال محفوظ سمجھیں۔

(نسائی، السنن، کتاب الإیمان وشرائعه، باب صفة المؤمن، 8:104، رقم:4995)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مومن کی حرمت کو کعبے کی حرمت سے زیادہ محترم قرار دیا ہے۔ امام ابن ماجہ اور طبرانی سے مروی حدیث مبارکہ ملاحظہ کریں: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا: (اے کعبہ!) تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے۔

تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! مومن کے جان ومال کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے۔

(طبرانی، مسند الشامیین، 2:396، رقم:1568)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں اخلاق ایمان میں

سے ہیں: جب کسی کو غصہ آئے تو وہ غصہ اسے (عمل) باطل میں نہ ڈال دے، اور جب کوئی خوش ہو تو وہ خوشی اسے حق سے نکال نہ دے، اور جب کوئی شخص قدرت رکھنے کے باوجود وہ چیز نہیں لیتا جو اس کی نہیں ہے۔ (طبرانی، المعجم الصغیر، 114.1، رقم 164)

جس نے کسی ایسی جان کا قتل حلال جانا جس کا ناحق قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر رکھا ہے، تو گویا اس نے تمام لوگوں کے قتل کو حلال جانا، کیونکہ ایسی جان جس کا قتل حرام ہے، وہ شخص اس کے قتل کو حلال سمجھ کر کفر کا مرتکب ہوا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے تمام لوگوں کے قتل کو حلال جانا، کیونکہ جو شخص کتاب اللہ کی ایک آیت کا انکار کرتا ہے وہ پوری کتاب کا انکار کرنے والا ہے۔

(ابو منصور ماتریدی، تاویلات اہل السنۃ، 501.3)

یہ آیت ایک اور توجیہ کی بھی حامل ہے اور وہ یہ کہ کہا گیا ہے کہ کسی جان کے قتل کو حلال جاننے والے پر تمام لوگوں کے قتل کا گناہ لازم آئے گا (کیونکہ عالم انسانیت کے ایک فرد کو قتل کر کے گویا اس نے پوری انسانیت پر حملہ کیا ہے)۔

ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ تمام لوگوں پر لازم ہے کہ اجتماعی کوشش کے ساتھ اس جان کو قتل سے بچائیں اور اس کی مدد کریں۔ پس جب وہ اس کو قتل کر کے فساد بپا کرنے کی کوشش کرے گا تو گویا وہ پوری انسانیت پر فساد بپا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ یہ آیت اس حکم کے ساتھ تمام اہل کفر اور اہل اسلام کے لئے نازل ہوئی ہے جبکہ وہ فساد فی الارض کے لئے سرگرداں ہو۔

علامہ ابو حفص الحنبلی اپنی تفسیر اللباب فی علوم الکتاب میں اللہ تعالیٰ کے فرمان فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا کی تفسیر میں ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتے ہوئے مختلف ائمہ کے اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حضرت مجاہد نے فرمایا: جس شخص نے ایک جان کو بھی ناحق قتل کیا تو وہ اس قتل کے سبب دوزخ میں جائے گا، جیسا کہ وہ تب دوزخ میں جاتا اگر وہ ساری انسانیت کو قتل کر دیتا (یعنی اس کا عذاب دوزخ ایسا ہو گا جیسے اس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا ہو)۔

حضرت قتادہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا بڑھا دی ہے اور اس کا بوجھ عظیم کر دیا ہے یعنی جو شخص ناحق کسی مسلمان کے قتل کو حلال سمجھتا ہے گویا وہ تمام لوگوں کو قتل کرتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا کی تفسیر میں فرمایا کہ (جس نے ناحق ایک جان کو قتل کیا) اس پر اس کے قتل کا قصاص واجب ہو گا، اس شخص کی مثل جس پر تمام انسانیت کو قتل کرنے کا قصاص واجب ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے (بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے پھرتے ہیں (یعنی مسلمانوں میں خونریز رہزنی اور ڈاکہ زنی وغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا پھانسی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا (وطن کی) زمین (میں چلنے پھرنے) سے دور (یعنی ملک بدر یا قید) کر دیے جائیں۔ یہ (تو) ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔ مگر جن لوگوں نے، قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پا جاؤ، توبہ کر لی سو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ (ابو حفص الحنبلی، اللباب فی علوم الکتاب، 301.7)

اللہ تعالیٰ کے فرمان يُحَارِبُونَ اللَّهَ سے مراد ہے: یحاربون اولیاء ہ (وہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے جنگ کرتے ہیں)۔ یہی معنی

جمہور نے بیان کیا ہے۔ اور علامہ زمخشری نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں؛ اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا دراصل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ جنگ کے حکم میں ہے۔

یہ آیت ۔اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ۔ مسلمان راہزنوں کے بارے میں اتری ہے، اور یہ اکثر فقہاء کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہر وہ شخص شامل ہے جو ان صفات سے متصف ہو خواہ وہ مسلم ہو یا کافر۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ آیت کفار کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوگا نہ سبب کے خاص ہونے کا۔ اور اگر کہا جائے کہ محاربون وہ ہیں جو مجتمع ہوتے ہیں اور ان کے پاس طاقت وقوت بھی ہوتی ہے اور وہ مسلمانوں کی جانوں کا قصد کرتے ہیں تو فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر یہ وصف صحراء میں پایا جائے تو ایسے لوگ راہزن کہلائیں گے، اور اگر دہشت گردی قتل و غارت گری کا یہ عمل شہروں میں پایا جائے تو امام اوزاعی، مالک، لیث بن سعد اور شافعی کا قول ہے کہ وہ (قاتل ہونے کے علاوہ) راہزن اور ڈاکو بھی ہیں، ان پر بھی یہی حد ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ شہروں میں ہوں تو ان کا گناہ بہت ہی زیادہ ہو جائے گا۔

کسی ایک مومن کو قصداً قتل کرنے والے کی ذلت آمیز سزا کا اندازہ یہاں سے لگالیں کہ اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) نے ایک ہی آیت میں نہ صرف ایسے قاتل کے لیے دوزخ کی سزا کا ذکر کیا ہے بلکہ خَالِدًا، غَضِبَ، لَعَنَهٗ اور عَذَابًا عَظِيْمًا فرما کر اس کی شدت و حدت میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (النساء، 4.93)

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے کہ مدتوں اس میں رہے گا اور اس پر اللہ غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مسلمانوں کا قتلِ عام کفریہ فعل ہے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا خون بہانے، اُنہیں قتل کرنے اور فتنہ وفساد برپا کرنے کو نہ صرف کفر قرار دیا ہے بلکہ اسلام سے واپس کفر کی طرف پلٹ جانا قرار دیا ہے۔ اسے اصطلاحِ شرع میں اِرتداد کہتے ہیں۔

امام بخاری حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کرنے کے سبب کفر کی طرف نہ لوٹ جانا۔ (بخاری، الصحیح، رقم: 6668)

گویا کلمہ گو مسلمانوں کا آپس میں قتل عام صریح کفریہ عمل ہے جسے ارتداد سے لفظی مماثلت دی گئی ہے۔

قتل، شرک کی طرح ظلمِ عظیم ہے

حافظ ابن کثیر (م 774ھ) آیت وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا کی تفسیر میں قتلِ عمد کو گناہ عظیم اور معصیتِ کبریٰ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اسے شرک جیسے ظلمِ عظیم کے ساتھ ملا کر بیان

کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: اس (قتل عمد جیسے) گناہ عظیم کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے یہ شدید دھمکی اور مؤکد وعید ہے کہ قتل عمد کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ شرک جیسے گناہ کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔ اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) نے سورۂ فرقان میں ارشاد فرمایا ہے:

(اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پوجا نہیں کرتے۔

اور نہ ہی کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے بغیر حق مارنا اللہ نے حرام فرمایا ہے اور نہ ہی بدکاری کرتے ہیں۔) اور ارشاد فرمایا: (فرما دیجئے! آؤ میں وہ چیزیں پڑھ کر سنا دوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں (وہ) یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔۔۔ اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے (قتل کرنا) اللہ نے حرام کیا ہے بجز حق (شرعی) کے۔ یہی وہ امور ہیں جن کا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 1:535)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر انسانی جان و مال کے تلف کرنے اور قتل و غارت گری کی خرابی و ممانعت سے آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں (مقرر کی گئی) ہے اس دن تک جب تم اپنے رب سے ملو گے۔ سنو! کیا میں نے تم تک (اپنے رب کا) پیغام پہنچا دیا؟ لوگ عرض گزار ہوئے: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا۔ اب چاہیے کہ (تم میں سے ہر) موجود شخص اسے غائب تک پہنچا دے کیونکہ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں کہ جن تک بات پہنچائی جائے تو وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھتے ہیں (اور سنو!) میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کر کے کافر نہ ہو جانا۔

(بخاری، الصحیح، رقم:1654)

اس متفق علیہ حدیث مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً یہ فیصلہ صادر فرما دیا کہ جو لوگ آپس میں خون خرابہ کریں گے، فتنہ و فساد اور دہشت گردی کی وجہ سے ایک دوسرے پر اسلحہ اٹھائیں گے اور مسلمانوں کا خون بہائیں گے وہ مسلمان نہیں بلکہ کفر کے مرتکب ہیں۔ لہٰذا انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کے جبر و تشدد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِي كُفَّارًا فرما کر کفر قرار دے دیا۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے قاتل کی سزا جہنم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اگر تمام آسمانوں و زمین والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تب بھی یقیناً اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں جھونک دے گا۔ (ترمذی، السنن، رقم:1398)

حرابہ اور محاربین کی اصطلاحی تعریف

بعض علماء نے باغی کو محارب کے معنی میں بھی لیا ہے اور بعض نے باغی اور محارب میں فرق کرتے ہوئے ان کے ساتھ برتاؤ کی صورتیں بھی مختلف لکھی ہیں۔ مثلاً: امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ (م861ھ) فرماتے ہیں: محاربین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی تاویل کے بغیر طاقت کی بنیاد پر یا اس کے بغیر بغاوت کرنے والے ہیں، جو لوگوں کے مال چھین لیتے ہیں، انہیں قتل کرتے ہیں اور راستوں میں خوف و ہراس پیدا کرتے ہیں۔ (ابن ہمام، فتح القدیر، 6:99)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (م 463ھ) نے ڈاکو، فسادی، خون خرابہ کرنے والے اور دوسروں کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والوں کو بھی محارب ہی قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ہر وہ شخص جس نے رکاوٹیں ڈال کر راستوں کو کاٹ دیا اور ان میں خوف و ہراس پیدا کیا، مال لوٹنے اور خون کو مباح کرنے کے ذریعے زمین میں فساد پھیلایا، وہ محارب ہے۔ (ابن عبدالبر، الکافی فی فقہ اہل المدینہ، 1087:2)

باغیوں کی علامات کا بیان

باغیوں اور دہشت گردوں کی مخصوص علامات کا تفصیلی ذکر تو خوارج کے ضمن میں آگے آئے گا۔ تاہم یہاں اختصار کے ساتھ کچھ ائمہ کرام کی عبارات موضوع زیر بحث کی وضاحت کے لیے پیش کی جارہی ہیں۔

فقہائے احناف میں سے امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پس باغی دہشت گرد گروہ، خوارج ہی ہوتے ہیں۔ جن کی یہ تین علامتیں عام ہیں۔

ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہر گناہ کفر ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ (اس لئے وہ فاسق حکمرانوں کو کافر سمجھتے ہیں)۔ یہ انتہاء پسند لوگ مسلمان حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کو قتل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور ان کے اموال کو اپنی خودساختہ تاویل کی وجہ سے حلال قرار دیتے ہیں جو انہوں نے (لوگوں کو مشتعل کرنے کے لیے) گھڑی ہوتی ہے۔

ان کے پاس طاقت اور قوت ہوتی ہے (جسے وہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے کہیں سے بھی اور کسی سے بھی حاصل کرنے میں حرج نہیں سمجھتے)۔ (کاسانی، بدائع الصنائع، 140:7)

فقہ شافعی کی معروف کتاب حاشیۃ البجیرمی میں علامہ سلیمان بن عمر بن محمد الشافعی (م 1221ھ) نے دہشت گرد خوارج کی تعریف میں لکھا ہے: دہشت گرد خوارج، بدعتیوں کی ایک قسم ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور اس کے سارے اعمال ضائع ہیں اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اور (ان کا یہ بھی عقیدہ ہوتا ہے کہ) کبیرہ گناہ ظاہر ہونے کے بعد دارالاسلام دارالکفر میں بدل جاتا ہے (اس لیے وہ مسلمانوں کا قتل عام جائز سمجھتے ہیں)۔ (بجیرمی، حاشیہ، 201:4)

امام ابن قدامہ المقدسی نے المغنی میں قتال اھل البغی کے عنوان سے باب باندھا ہے جس میں باغیوں سے متعلق بنیادی ابحاث بیان کی ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 9 اور 10 سے باغیوں کا حکم بیان کیا ہے۔ اس کے بعد أحادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دہشت گردوں اور خوارج کی مذمت کرتے ہوئے خوارج کی اقسام کو یوں بیان کیا ہے۔

حکومت کے دائرہ اختیار اور اس کے نظم سے خروج کرنے والوں کی چار قسمیں ہیں: وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو بغیر کسی تاویل کے حکومتِ وقت کی اطاعت سے روک لیا اور اس کے دائرہ اختیار اور اس کے نظم سے بغاوت و خروج کیا تو یہ راہزن ڈاکو ہیں جو زمین میں فساد برپا کرنے والے ہیں۔

وہ لوگ جن کے پاس تاویل تو ہے مگر وہ چند لوگ ہیں جن کے پاس کوئی محفوظ ٹھکانہ نہیں یعنی ایک، دو، دس یا قدرے زیادہ۔

ہمارے اکثر اصحاب (حنابلہ) کے نزدیک یہ ڈاکو ہیں اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے کیونکہ ابن ملجم نے جب سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر میں ٹھیک ہو گیا تو اس کے بارے میں خود فیصلہ کروں گا اور اگر شہید ہو گیا تو اس کا مثلہ نہ کرنا۔

وہ خوارج جو گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، زبیر اور دیگر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر گردانتے ہیں۔ مسلمانوں کے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں سوائے اُس شخص کے جو ان کے ساتھ مل کر خروج کرے۔

مسلمانوں میں سے کچھ لوگ جو حکومتِ وقت کے دائرہ اختیار اور اس کے نظم سے خروج کرتے ہیں اور اطاعت کا طوق بظاہر پرکشش تاویل کی بناء پر اتار پھینکنے کا قصد کرتے ہیں شرط یہ ہے کہ ان میں اتنی قوت موجود ہو جس کا مقابلہ کرنے کے لئے حکومتِ وقت کو لشکر تیار کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو یہ ہیں وہ باغی لوگ جن کا حکم ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں۔ لوگوں پر واجب ہے کہ وہ ان دہشت گروں کے خلاف حکومتِ وقت کی مدد کریں۔ پس اگر وہ حکومت وقت کی مدد و اعانت کو ترک کر دیں گے تو باغی دہشت گرد اُن پر غالب آ جائیں گے اور زمین میں فساد پھیل جائے گا۔ (ابن قدامہ، المغنی، 5،3،9)

بَاب مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ

یہ باب ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے

2580- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ

◄► حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔

2581- حَدَّثَنَا الْخَلِيْلُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ سِنَانٍ الْجَزَرِيُّ عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ مِهْرَانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُتِيَ عِنْدَ مَالِهٖ فَقُوْتِلَ فَقَاتَلَ فَقُتِلَ فَهُوَ شَهِيْدٌ

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جس شخص کے مال پر حملہ کیا جائے اور پھر اس کے ساتھ لڑائی کی جائے اور وہ لڑائی کرے اور قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے''۔

2580 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4772 'اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1421 'اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 4101 'ورقم الحدیث 4102 'ورقم الحدیث 4105 'ورقم الحدیث 4106

2581 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2582 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْعَامِرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمُطَّلِبِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُرِيْدَ مَالُهٗ ظُلْمًا فَقُتِلَ فَهُوَ شَهِيْدٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس شخص کا مال ظلم کے طور پر ہتھیانے کی کوشش کی جائے اور اس دوران وہ قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے''۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مال واسباب کی حفاظت کر رہا تھا کہ کسی نے اس کو قتل کر دیا تو وہ شہید ہے یہی حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے۔ اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے (جناب رسالت مآب میں حاضر ہو کر) عرض کیا کہ "یارسول اللہ! مجھے بتایئے اگر کوئی شخص میرے پاس میرا مال (زبردستی) لینے آئے (تو کیا میں مال اس حوالے کر دوں؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نہیں تم اس کو اپنا مال نہ دو" اس نے عرض کیا" یہ بتایئے اگر وہ مجھ سے لڑ پڑے (تو کیا کروں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی اس سے لڑو" اس نے عرض کیا" بتایئے اگر اس نے مجھے مار ڈالا آپ نے فرمایا تم شہید ہو گے دریافت کیا اگر وہ مر جائے (تو اس کا کیا حشر ہوگا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا (اور تم پر اس کا کوئی وبال نہیں ہوگا)۔" (مسلم) تشریح: یہ حدیث مسلمانوں کو اپنی جان ومال اور عزت وآبرو بچانے کے لئے حملہ آور کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی تلقین کرتی ہے اور اللہ کے نام لیواؤں کے شعور یہ احساس جاگزیں کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ کسی بھی ایسے شخص کے مقابلہ میں کم ہمتی اور بزدلی کا ثبوت دے جو اس کے مال کو لوٹنا چاہتا ہے اور اس کی زندگی کو تباہ وبرباد کرنے پر تلا ہوا ہے، بلکہ ایک مسلمان کو ایمان ویقین اور اعتماد علی اللہ کی جو طاقت حاصل ہوتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حملہ آور اور فسادی کا پوری مردانگی سے مقابلہ کرے اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دے کر شہادت کا مرتبہ حاصل کرے یا اس حملہ آور فسادی کو ختم کر کے اس کو جہنم رسید کر دے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر قاتل وفسادی مسلمان بھی ہو تو اس کی مدافعت کرنا اور اس مدافعت میں اس کو ہلاک کر دینا مباح ہے۔

بَاب حَدِّ السَّارِقِ

یہ باب چوری کرنے والے کی حد میں ہے

2583 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهٗ وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهٗ

2582 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2583 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 4384 'اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 4888

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے چوری کرنے والے پر لعنت کی ہے وہ ایک انڈا چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے وہ ایک رسی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے''۔

2584- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِىُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَطَعَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ مِجَنٍّ قِيْمَتُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کٹوا دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

2585- حَدَّثَنَا اَبُوْمَرْوَانَ الْعُثْمَانِىُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ عَمْرَةَ اَخْبَرَتْهُ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْطَعُ الْيَدُ اِلَّا فِىْ رُبْعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ہاتھ صرف ایک چوتھائی دینار جتنی قیمتی چیز یا اس سے زیادہ قیمت والی چیز کی چوری پر کاٹا جائے گا۔

2586- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْهِشَامٍ الْمَخْزُوْمِىُّ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا اَبُوْوَاقِدٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِىْ ثَمَنِ الْمِجَنِّ

عامر بن سعد اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''ڈھال کی قیمت (جتنی قیمتی چیز) چوری کرنے پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا''۔

نصاب سرقہ میں مذاہب فقہاء کا بیان

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چوری کے مال کی حد مقرر ہے۔ گو اس کے تقرر میں اختلاف ہے۔ امام مالک کہتے ہیں تین درہم سکے والے خاص یا ان کی قیمت یا زیادہ کی کوئی چیز چنانچہ صحیح بخاری مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے اور اس کی قیمت اتنی ہی تھی۔ حضرت عثمان نے اترنج کے چور کے ہاتھ کاٹے تھے جبکہ وہ تین درہم کی قیمت کا تھا۔ حضرت عثمان کا فعل گویا صحابہ کا اجماع سکوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پھل کے چور کے ہاتھ بھی کاٹے جائیں گے۔ حنفیہ اسے نہیں مانتے اور ان کے نزدیک چوری کے مال کا دس درہم کی قیمت کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں شافعیہ کا اختلاف

2584 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 4383

2585 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 6789 'اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 4384 'اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 4383 'اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 1445 'اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 4931 'ورقم الحدیث 4933 'ورقم الحدیث 4934 'ورقم الحدیث 9435 'ورقم الحدیث 4936

2586 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہے پاؤیادینار کے تقرر میں۔

امام شافعی کا فرمان ہے کہ پاؤ دینار کی قیمت کی چیز ہو یا اس سے زیادہ۔ان کی دلیل بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور کا ہاتھ پاؤ دینار میں پھر جو اس سے اوپر ہو اس میں کاٹنا چاہئے مسلم کی ایک حدیث میں ہے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر پاؤ دینار پھر اس سے اوپر میں۔پس یہ حدیث اس مسئلے کا صاف فیصلہ کر دیتی ہے اور جس حدیث میں تین درہم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ کاٹنے کو فرمانا مروی ہے وہ اس کے خلاف نہیں اس لئے کہ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا۔پس اصل چوتھائی دینار ہے نہ کہ تین درہم۔حضرت عمر بن خطاب حضرت عثمان بن عفان حضرت علی بن ابی طالب بھی یہی فرماتے ہیں۔حضرت عمر بن عبدالعزیز لیث بن سعد اوزاعی شافعی اسحاق بن راہو یہ ابوثور داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔

ایک روایت میں امام اسحٰق بن راہو یہ اور امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ خواہ ربع دینار ہو خواہ تین درہم دونوں ہی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے۔مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دو اس سے کم میں نہیں۔اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا تو چوتھائی دینار تین درہم کا ہوا۔نسائی میں ہے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہ کاٹا جائے۔حضرت عائشہ سے پوچھا گیا ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا پاؤ دینار۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ جس ڈھال کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا اس کی قیمت نو درہم تھی چنانچہ ابوبکر بن شیبہ میں یہ موجود ہے اور عبداللہ بن عمر سے۔عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو مخالفت کرتے رہے ہیں اور حدود کے بارے میں اختیار پر عمل کرنا چاہئے اور احتیاط زیادتی میں ہے اس لئے دس درہم نصاب ہم نے مقرر کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر شافعی بعض فقہی مذاہب کے تائیدی دلائل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بعض سلف کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار حد ہے علی ابن مسعود ابراہیم نخعی ابوجعفر باقر سے یہی مروی ہے۔سعید بن جبیر فرماتے ہیں پانچوں نہ کاٹی جائیں مگر پانچ دینار پچاس درہم کی قیمت کے برابر کے مال کی چوری میں۔ظاہر یہ کا مذہب ہے کہ ہر تھوڑی بہت چیز کی چوری پر ہاتھ کٹے گا انہیں جمہور نے یہ جواب دیا ہے کہ اولاً تو یہ اطلاق منسوخ ہے لیکن یہ جواب ٹھیک نہیں اس لئے تاریخ نسخ کا کوئی یقینی علم نہیں۔دوسرا جواب یہ ہے کہ انڈے سے مراد لوہے کا انڈا ہے اور رسی سے مراد کشتیوں کے قیمتی رسے ہیں۔تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرمان باعتبار نتیجے کے ہے یعنی ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی چیزوں سے چوری شروع کرتا ہے آخر قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور افسوس کے اوپر چور کو نادم کرنے کے فرما رہے ہیں کہ کیسا رذیل اور بیخوف انسان ہے کہ معمولی چیز کے لئے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

مذکور ہے کہ ابوالعلاء معری جب بغداد میں آیا تو اس نے اس بارے میں بڑے اعتراض شروع کئے اور اس کے جی میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میرے اس اعتراض کا جواب کسی سے نہیں ہو سکتا تو اس نے ایک شعر کہا کہ اگر ہاتھ کاٹ ڈالا جائے تو دیت میں پانچ سو لوائیں اور پھر اسی ہاتھ کو پاؤ دینار کی چوری پر کٹوادیں یہ ایسا تناقض ہے کہ ہماری سمجھ میں تو آتا ہی نہیں خاموش ہیں اور کہتے ہیں

کہ ہمارا مولا ہمیں جہنم سے بچائے۔ لیکن جب اس کی یہ بکواس مشہور ہوئی تو علماء کرام نے اسے جواب دینا چاہا تو یہ بھاگ گیا پھر جواب بھی مشہور کر دیے گئے۔

قاضی عبدالوہاب نے جواب دیا تھا کہ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک ثمین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہو گیا اس نے چوری کر لی تو اس کی قیمت گھٹ گئی۔ بعض بزرگوں نے اسے قدرے تفصیل سے جواب دیا تھا کہ اس سے شریعت کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے اور دنیا کا امن وامان قائم ہوتا ہے، جو کسی کا ہاتھ بیوجہ کاٹ دینے کا حکم دیا تا کہ چوری کا دروازہ اس خوف سے بند ہو جائے۔ پس یہ تو عین حکمت ہے اگر چوری میں بھی اتنی رقم کی قید لگائی جاتی تو چوریوں کا انسداد نہ ہوتا۔ یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا۔ مناسب مقام یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے، اسی عضو پر سزا ہو۔ تا کہ انہیں کافی عبرت حاصل ہو اور دوسروں کو بھی تنبیہہ ہو جائے۔ اللہ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے احکام میں حکیم ہے۔ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اللہ کی طرف جھک جائے، اللہ اسے اپنا گناہ معاف فرما دیا کرتا ہے۔ ہاں جو مال چوری میں کسی کا لے لیا ہے چونکہ وہ اس شخص کا حق ہے، لہٰذا صرف توبہ کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ مال جس کا ہے اسے نہ پہنچائے یا اس کے بدلے پوری پوری قیمت ادا کرے۔ جمہور ائمہ کا یہی قول ہے، صرف امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ "جب چوری پر ہاتھ کٹ گیا اور مال تلف ہو چکا ہے تو اس کا بدلہ دینا اس پر ضروری نہیں"۔

دار قطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ "ایک چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا، جس نے چادر چرائی تھی، آپ نے اس سے فرمایا، میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہو گی، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے چوری کی ہے تو آپ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو، انہوں نے توبہ کی، آپ نے فرمایا اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی" (رضی اللہ عنہ)

ابن ماجہ میں ہے کہ "حضرت عمر بن سمرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ مجھ سے چوری ہو گئی ہے تو آپ مجھے پاک کیجئے، فلاں قبیلے والوں کا اونٹ میں نے چرالیا ہے۔ آپ نے اس قبیلے والوں کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا اونٹ تو ضرور گم ہو گیا ہے۔ آپ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگے، اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا، تو نے میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا چاہا تھا" (رضی اللہ عنہ)

ابن جریر میں ہے کہ "ایک عورت نے کچھ زیور چرا لئے، ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسے پیش کیا، آپ نے اس کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میری توبہ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا تم تو ایسی پاک صاف ہو گئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی"۔ اس پر آیت (فمن تاب) نازل ہوئی۔

مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہے لیکن آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ یہ عورت مخزوم قبیلے کی تھی اور اس کا یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑی گھرانے کی عورت تھی، لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں، یہ واقعہ

غزوہ فتح میں ہوا تھا، بالاخر یہ طے ہوا کہ حضرت اسامہ بن زید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت پیارے ہیں، وہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں، حضرت اسامہ نے جب اس کی سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گزرا اور غصے سے فرمایا! اسامہ تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اب تو حضرت اسامہ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی، میرے لئے آپ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی خصلت پر تباہ و برباد ہو گئے کہ ان میں سے جب کوئی شریف شخص بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کریں تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں پھر اس بیوی صاحبہ نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی اور نکاح کر لیا، پھر وہ میرے پاس اپنے کسی کام کاج کے لئے آتی تھیں اور میں اس کی حاجت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دیا کرتی تھی۔ (رضی اللہ عنہا)

"مسلم میں ہے ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی، پھر انکار کر جایا کرتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا" اور روایت میں ہے یہ زیور ادھار لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلال کو ہوا تھا۔ کتاب الاحکام میں ایسی بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو چوری سے تعلق رکھتی ہیں۔ فالحمد للہ۔ جمیع مملوک کا مالک ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ، سچا حاکم، اللہ ہی ہے۔ جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جس کے کسی ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا، جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ ہر ہر چیز پر وہ قادر ہے اس کی قدرت کامل اور اس کا قبضہ سچا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مائدہ ۳۸)

چوری کی سزا اور اس کا نصاب

یہ بات تو عنوان ہی سے معلوم ہو گئی کہ اسلامی قانون چور کی سزا قطع ید ہاتھ کاٹ دینا ہے لیکن اس بارے میں فقہاء کا باہم اختلاف ہے کہ کتنی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نصاب سرقہ مال کی وہ مقدار جس پر قطع ید کی سزا دی جائے گی کم از کم دس درہم تقریباً ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے اس سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی اور حضرت امام شافعی چوتھائی دینار سونا یا تین درہم چاندی اور یا اس قیمت کی کسی بھی چیز کو نصاب سرقہ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں چوتھائی دینار چرانے والے کو قطع ید کی سزا دینا مذکور ہے اور اس وقت چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا اور ایک دینار کی مالیت بارہ درہم کے برابر تھی۔ امام اعظم ابوحنیفہ کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ: حدیث (**لا قطع الا فی دینار او عشرۃ دراھم**)

"ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری پر قطع ید نہیں ہے۔"

نیز ھدایہ کے قول کے مطابق اس بارے میں "اکثر" پر عمل کرنا "اقل" پر عمل کرنے سے بہتر ہے کیونکہ معاملہ ایک انسانی عضو کے کاٹنے کا ہے اور "اقل" میں عدم جنایت کا شبہ ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ فقہاء کے اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ایک ڈھال کی چوری پر دی گئی تھی چنانچہ حضرت امام شافعی کی طرف سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ڈھال کی قیمت تین درہم تھی جب کہ حنفیہ کی طرف سے شمنی کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس کی قیمت دس درہم تھی حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے ابن ابی شیبہ نے یہی نقل کیا ہے نیز کافی میں بھی یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی تھی تو اس کی قیمت دس درہم تھی۔

نصاب سرقہ میں امام شافعی کی مستدل حدیث

حضرت عائشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چور کا ہاتھ اسی صورت میں کاٹا جائے جب کہ اس نے چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت کی چوری کی ہو۔" (بخاری ومسلم مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث 744)

یہ حدیث حضرت امام شافعی کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ چوتھائی دینار سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گویا ان کے نزدیک نصاب سرقہ کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار ہے ملا علی قاری نے اپنی کتاب میں اس حدیث کے تحت بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے جو اختلافی اقوال ہیں ان کو نقل کر کے امام ابو حنیفہ کے مسلک کو بڑی مضبوط دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔

نصاب سرقہ میں امام مالک کی مستدل حدیث

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کے چرانے پر جس کی قیمت تین درہم تھی، چور کا داہنا ہاتھ کٹوا دیا تھا۔" (بخاری ومسلم مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث 745)

علامہ شمنی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس روایت کے معارض ہے جو ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے نقل کی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی حضرت ابن عباس اور عمرو ابن شعیب سے بھی اسی طرح منقول ہے نیز شیخ ابن ہمام نے بھی ابن عمر اور ابن عباس سے یہی بات نقل کی ہے کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور عینی نے ھدایہ کے حاشیہ میں بھی یہی لکھا ہے چنانچہ اسی بنیاد پر ابو حنیفہ کا یہ مسلک ہے کہ قطع ید ہاتھ کاٹنے کی سزا اسی چور پر نافذ ہوگی جس نے کم سے کم دس درہم کے بقدر مال کی چوری کی ہو اس سے کم مالیت کی چوری پر یہ سزا نہیں دی جائے گی جہاں تک ابن عمر کی روایت کا تعلق ہے جس سے اس ڈھال کی قیمت تین درہم متعین کی حالانکہ حقیقت میں وہ ڈھال دس درہم کی مالیت کی تھی جیسا کہ اکثر روایتوں سے ثابت ہوا اس موقع پر شیخ عبدالحق اور ملا علی قاری نے اپنی اپنی شرح میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم ان کی کتابوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

نصاب سرقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کی مستدل حدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹا ڈھال کی چوری کرنے کی وجہ سے جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی (یہ حدیث دلیل ہے حضرت امام ابو حنیفہ کی امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو

محمد بن سلمہ اور سعدان بن یحییٰ نے ابن اسحاق سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے)۔

(سنن ابوداؤد۔ جلد سوم: رقم الحدیث 993' حدیث مرفوع)

نصاب سرقہ میں احناف کے مؤقف کی ترجیح کا بیان

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جحفہ یا ترس ڈھال کی قیمت سے کم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا اور یہ دونوں (ڈھالیں) قیمت والی ہیں۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: رقم الحدیث ۱۱۹۰)

صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے کہ ڈھال کی قیمت سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ لہٰذا چوری کا نصاب کم از کم ڈھال ٹھہرا کیونکہ اس سے کم نصاب میں عدم حد کے سبب شبہ پیدا ہو گیا ہے اور قانون یہ ہے کہ شبہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا احناف کے مؤقف کے مطابق نصاب سرقہ کم از کم دس دراہم ہے۔

نصاب سرقہ میں بعض احادیث وآثار کا بیان

یہ حکم، جیسا کہ واضح ہے، ایک اصولی نوعیت کا حکم ہے اور قرآن نے اپنے اسلوب کے مطابق اس کی اطلاقی تفصیلات مثلاً یہ کہ چور کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں یا ایک اور اگر ایک تو کون سا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے؟ سے صراحتاً تعرض نہیں کیا، تاہم حکم کے الفاظ اور اس کو محیط عقلی قرائن اس حوالے سے پوری رہنمائی فراہم کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی کی روشنی میں اپنے عمل کے ذریعے سے ان پہلوؤں کی وضاحت فرمائی ہے۔

عقل عام اور اخلاقیات قانون کے مسلمہ تصورات کے تناظر میں اس صورت کے لیے بیان کی ہے جب باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے مالک کی حفاظت اور نگرانی میں پڑے ہوئے کسی مال کو چرایا جائے۔ اتفاقاً موقع پا کر کسی غیر محفوظ چیز کو اٹھا لینا سرے سے اس کے دائرہ اطلاق میں ہی نہیں آتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی وضاحت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص راستے میں چلتے ہوئے کسی کے باغ سے کچھ پھل توڑ لے یا کسی کھلی جگہ پر بغیر حفاظت کے پڑے ہوئے غلے میں سے کچھ لے لے یا راہ چلتے کسی جانور کو ہنکا لے جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔

امام شافعی نے حکم کو محیط ان عقلی قرائن کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کی مذکورہ صورتوں کو قطع ید سے مستثنیٰ قرار نہ دیا ہوتا تو قرآن مجید کے ظاہر کی رو سے ہر اس شخص کا ہاتھ کاٹنا لازم ہوتا جس نے 'سرقہ' کا ارتکاب کیا ہو، حالانکہ ہماری بیان کردہ توجیہ سے واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ استثنا قرآن کے عموم میں کوئی تخصیص پیدا نہیں کرتا، بلکہ درحقیقت 'سرقہ' کے صحیح مصداق کی تعیین وتوضیح کی حیثیت رکھتا ہے اور اگر آپ کی تصریحات موجود نہ ہوتیں تو بھی قانونی دانش ان صورتوں کو قرآن کی بیان کردہ سزا سے لازماً مستثنیٰ قرار دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا نے اس استثنا کو منصوص صورتوں تک محدود رکھنے کے بجائے اسے ایک عمومی ضابطے پر محمول کیا ہے اور اس کی روشنی میں چوری کی بہت سی دیگر صورتوں کو بھی قطع ید سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

اس ضمن میں چوری کی سزا کے نفاذ کے لیے مسروقہ مال کی مقدار کا مسئلہ بالخصوص توجہ طلب ہے۔ قرآن نے یہاں کسی

مخصوص نصاب کی شرط کی تصریح نہیں کی، لیکن یہ شرط حکم کے پس منظر میں موجود ہے، اس لیے کہ قانون کا موضوع جرم کی اسی صورت کو بنایا جاتا ہے جسے عقلاً وعرفاً کسی باقاعدہ قانونی سزا کا مستوجب سمجھا جائے، جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ معمولی اور حقیر چیزوں کی چوری سے صرف نظر کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں قانون کو بالعموم حرکت میں نہیں لایا جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم میں مضمر اسی شرط کو واضح کرتے ہوئے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے ایک ڈھال کی قیمت کو معیار قرار دیا اور آپ کے دور میں عمومی طور پر اسی پر عمل ہوتا رہا۔ ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی چور کا ہاتھ ایک زرہ یا ڈھال سے کم قیمت کے مال میں نہیں کاٹا گیا۔

یہاں تنقیح طلب سوال یہ ہے کہ کیا ڈھال کو معیار قرار دینے کا حکم شرعی حیثیت رکھتا ہے اور ہر زمانے میں ہر معاشرے کے لیے اسی کو واجب الاتباع معیار کی حیثیت حاصل ہے؟ فقہا نے ڈھال کی قیمت کی تعیین میں اختلاف کے باوجود اصولی طور پر ڈھال ہی کو شریعت کا مقرر کردہ غیر متبدل نصاب سرقہ قرار دیا ہے، تاہم اکابر صحابہ اور تابعین کی آرا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں مقرر کردہ معیار، یعنی ڈھال کی قیمت کو نہیں، بلکہ اس کے پیچھے کار فرما اصول، یعنی قیمتی اور غیر قیمتی چیز میں فرق کو اصل اہمیت کا حامل سمجھتے تھے۔ چنانچہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لم تقطع يد سارق على عهد النبي صلى الله عليه وسلم في ادنى من ثمن المجن ترس او حجفة و كان كل واحد منهما ذا ثمن. (بخاری، رقم ۶۲۹۲)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی چور کا ہاتھ زرہ یا ڈھال سے کم قیمت چیز میں نہیں کاٹا گیا اور یہ دونوں چیزیں قیمتی تھیں۔"

ایک دوسری روایت میں فرماتی ہیں: **لم يكن يقطع على عهد النبي صلى الله عليه وسلم في الشیء التافه.** (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۱۱۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معمولی چیز کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔

اسی طرح جلیل القدر تابعی عروہ بن زبیر فرماتے ہیں: **كان السارق على عهد النبي صلى الله عليه وسلم يقطع في ثمن المجن و كان المجن يومئذ له ثمن و لم يكن يقطع في الشیء التافه.** (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۱۱۰)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چور کا ہاتھ ایک ڈھال کی قیمت میں کاٹا جاتا تھا، کیونکہ اس وقت ڈھال ایک قیمتی چیز سمجھی جاتی تھی۔ کسی معمولی چیز کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔

صحابہ کے فتاویٰ اور فیصلوں کے مطالعہ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے مختلف مقدمات میں، مقدمے کی نوعیت کے لحاظ سے، کسی مخصوص نصاب کی پابندی کیے بغیر قطع ید کی سزائیں دی یا تجویز کی ہیں اور قیمتی اور غیر قیمتی اشیا میں اپنے اپنے ذوق اور صوابدید کے لحاظ سے فرق قائم کیا ہے۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے لوہے کا ایک خود چرانے پر جس کی قیمت ایک چوتھائی

دینار تھی، چور کا ہاتھ کاٹ دیا۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ چور کا ہاتھ ایک چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ قیمت کی چیز چرانے پر کاٹا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی چیز کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جس کو میں پانچ یا تین درہم میں بھی لینا پسند نہ کرتا۔

حضرت عمرہ بیان کرتی ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مقدمے میں تین درہم کا ایک لیموں چرانے پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا۔ لیکن ایک دوسرے مقدمے میں ایک آدمی کو، جس نے کپڑا چرایا تھا، حضرت عمر کے پاس لایا گیا تو انھوں نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، تاہم حضرت عثمان نے کہا کہ اس کپڑے کی قیمت دس درہم سے کم ہے۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو اس کپڑے کی قیمت آٹھ درہم نکلی پس حضرت عمر نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے چار درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کو درست قرار نہیں دیا۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ پانچ انگلیوں کا ہاتھ پانچ درہم چرانے پر ہی کاٹا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جوتوں کا ایک جوڑا چرانے پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ مکے کے راستے میں لوگوں کے چابک چرایا کرتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر دوبارہ تم نے ایسا کیا تو میں تمھارے ہاتھ کاٹ دوں گا۔

اسی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے دور اول میں فقہا کے ایک گروہ نے ڈھال یا اس کی قیمت کو معیار ماننے یا صحابہ سے منقول فتاویٰ اور فیصلوں میں سے کسی کو اختیار کرنے کے بجائے قیاس کے اصول پر ایک دوسرا معیار پیش کیا اور کہا کہ چونکہ بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب کم سے کم چالیس بکریاں ہے، اس لیے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے بھی کم از کم چالیس درہم کو نصاب قرار دینا چاہیے۔

داؤد اصفہانی نے اسی بنیاد پر یہ رائے اختیار کی ہے کہ قلیل یا کثیر مال کی حد بندی اور اس کی بنیاد پر نصاب سرقہ کی تعیین کا مدار اصلاً عرف و عادت پر ہے۔ امام رازی، ان کے استدلال کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

نحن لا نوجب القطع في سرقة الحبة الواحدة ولا في سرقة التبنة الواحدة بل في اقل شيء يجري فيه الشح والضنة وذلك لان مقادير القلة والكثرة غير مضبوطة فربما استحقر الملك الكبير آلافاً مولفة وربما استعظم الفقير طسوجًا ولما كانت مقادير القلة والكثرة غير مضبوطة وجب بناء الحكم على اقل ما يسمى مالاً. (رازی، مفاتيح الغيب ۶/ ۱۷۸)

ہم ایک دانے یا ایک تنکے کی چوری پر نہیں، بلکہ اس کم سے کم مقدار پر قطع ید کو لازم ٹھہراتے ہیں جس کے بارے میں انسان اپنے اندر بخل اور کنجوسی محسوس کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قلت اور کثرت کی کوئی متعین مقدار طے نہیں کی جا

سکتی۔ چنانچہ ایک عظیم بادشاہ ہزاروں لاکھوں کی رقم کو حقیر سمجھ سکتا ہے، جبکہ ایک فقیر ممکن ہے کہ ایک طسوج کو بھی بہت بڑی چیز خیال کرے۔ چونکہ قلت اور کثرت کی کوئی متعین مقدار طے نہیں کی جاسکتی، اس لیے قطع ید کے حکم کا مدار اس کم سے کم مقدار پر رکھنا پڑے گا جسے مال کہا جاسکتا ہو۔

اب اگر سرقہ میں نصاب مقرر کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ معمولی چیزوں کی چوری پر سزا نہ دی جائے، بلکہ کسی ایسی چیز کی چوری پر قطع ید کی سزا نافذ ہو جو عقلاً وعرفاً کسی خاص قدر و قیمت کی حامل ہو تو ظاہر ہے کہ ہر معاشرے کا عرف مختلف ہوتا ہے اور اس میں قدر و قیمت رکھنے والی چیزیں بھی ایک جیسی نہیں ہوسکتیں۔ عرب کے بدوی معاشرے میں ڈھال وغیرہ کو ایک قیمتی چیز کی حیثیت حاصل تھی اور اس بنا پر اس کو معیار مقرر کرنا بھی درست تھا، لیکن ظاہر ہے کہ دوسرے معاشروں میں صورت حال اس سے مختلف ہے۔ اس بات کو درست مان لینے کا تقاضا یہ ہے کہ ڈھال کو تمام معاشروں اور زمانوں کے لیے معیار قرار دینے کے بجائے اس کا تعین ہر علاقے اور ہر دور کے اہل حل وعقد کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے جو اپنے عرف، ضروریات اور حالات کے لحاظ سے حد سرقہ کے لیے نصاب متعین کریں۔

سرقہ بیضہ والی حدیث کے نسخ وتاویل کا بیان

حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

(بخاری، مسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 746)

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بلاتعین گنہگاروں پر لعنت بھیجنا جائز ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد آیت (الا لعنۃ اللہ علی الظالمین سے بھی ثابت ہے ہاں کسی شخص کو متعین کر کے یعنی اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔

نصاب سرقہ کے سلسلے میں یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ چوتھائی دینار یا تین درہم سے بھی کم مالیت کی چوری پر قطع ید کی سزا جاری ہوسکتی ہے جب کہ چاروں ائمہ میں سے کسی کے بھی مسلک میں چوتھائی دینار یا تین درہم سے کم میں قطع ید کی سزا نہیں ہے اس اعتبار سے یہ حدیث تمام ائمہ کے مسلک کے خلاف ہے لہٰذا ان سب کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں بیضہ سے بیضہ آہن مراد ہے کہ جسے خود کہا جاتا ہے اور جس کو مجاہدین اور فوجی اپنے سروں پر پہنتے ہیں اسی طرح رسی سے کشتی کی رسی مراد ہے جو بڑی قیمتی ہوتی ہے علاوہ ازیں بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں انڈے اور رسی کے چرانے پر قطع ید کی سزا دی جاتی تھی مگر بعد میں اس کو منسوخ قرار دے دیا گیا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ اس کو چوری کی عادت اسی عادت اسی طرح پڑتی ہے کہ چھوٹی اور کمتر چیزیں چراتے چراتے بڑی بڑی اور قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کو قطع ید کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

نصاب سرقہ میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال چوری کرنے کے بدلے میں جس کی قیمت تین درہم تھی۔ اس باب میں حضرت سعد، عبداللہ بن عمرو، ابن عباس ابوہریرہ، ام ایمن سے بھی روایات منقول ہیں۔ حضرت ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام کا اسی پر عمل ہے حضرت ابوبکر بھی ان میں شامل ہیں انہوں نے پانچ درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا حضرت عثمان اور حضرت علی سے منقول ہے کہ انہوں نے چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹا۔ حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید سے منقول ہے کہ پانچ درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے۔ بعض فقہاء تابعین کا اس پر عمل ہے۔

امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق کا یہی قول ہے کہ چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چیز چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چیز میں ہاتھ نہ کاٹا جائے یہ حدیث مرسل ہے اسے قاسم بن عبدالرحمٰن نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے لیکن قاسم کا ابن مسعود سے سماع نہیں۔ بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ سفیان ثوری، اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 1487)

بَاب تَعْلِيقِ الْيَدِ فِي الْعُنُقِ

یہ باب ہاتھ گلے میں لٹکا دینے کے بیان میں ہے

2587 - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو بِشْرٍ بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَأَبُو سَلَمَةَ الْجُوبَارِيُّ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ، قَالُوا حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَطَاءِ بْنِ مُقَدَّمٍ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ مَكْحُولٍ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ قَالَ سَأَلْتُ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ عَنْ تَعْلِيقِ الْيَدِ فِي الْعُنُقِ فَقَالَ السُّنَّةُ قَطَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ رَجُلٍ ثُمَّ عَلَّقَهَا فِي عُنُقِهِ

ابن محیریز بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے گردن میں ہاتھ لٹکانے کے بارے میں دریافت کیا: تو انہوں نے فرمایا: یہ سنت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ کٹوا کر اس شخص کی گردن میں لٹکا دیا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ کی کرامت

حضرت علی المرتضیٰ کی خدمت میں ایک حبشی غلام پیش کیا گیا جس نے چوری کی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ نے پوچھا تو نے چوری کی ہے۔ اس نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے اس بات کو تین مرتبہ دھرایا۔ وہ آگے سے کہتا رہا، ہاں میں نے چوری کی

2587 اخرجه ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4411' اخرجه الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1447' اخرجه النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 4997' ورقم الحدیث: 4998

ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے: اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس کا ہاتھ کاٹ لیا گیا۔ پھر اس نے کٹا ہوا ہاتھ لیا اور باہر نکل گیا۔

رستے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اس غلام کی ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا کس نے تیرا ہاتھ کاٹا۔ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا دین کے دست بازو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد، فاطمہ الزہراء کے شوہر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کاٹا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس سے کہنے لگے کہ حضرت علی المرتضٰی نے تیرا ہاتھ کاٹا ہے اور تو ان کی تعریف کر رہا ہے۔ اس حبشی غلام نے جواب دیا ہاں، انہوں نے میرا ہاتھ کاٹ کر مجھے دردناک عذاب سے بچالیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کی خبر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو دی۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو بلایا، وہ حاضر خدمت ہوا تو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی جگہ پر رکھ کر رومال کے ساتھ لپیٹ دیا، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی چنانچہ اللہ کے حکم سے اس کا کٹا ہوا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ (حکایات قلیوبی)

اللہ تعالیٰ وارث

حضرت رابعہ عدویہ کے گھر میں چور گھس گیا اور وہ خود آرام فرما رہی تھی۔ چور نے گھر کا سارا سامان جمع کر کے دروازے سے نکلنے کا پروگرام بنایا۔ مگر دروازہ چور پر مخفی ہو گیا یعنی چور کو دروازہ کا پتا نہ چل سکا۔ اس کے بعد وہ بیٹھ گیا اور دروازہ کے نظر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے غائب سے آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے کپڑے رکھ دے اور دروازے سے باہر نکل جا۔ اس نے کپڑے رکھ دیئے تو دروازہ ظاہر ہو گیا۔ پھر اس نے کپڑے پکڑے تو دروازہ پھر غائب ہو گیا۔ پھر اس نے کپڑے رکھ دیئے تو دروازہ ظاہر ہو گیا۔ پھر وہ کپڑے لے کر جانے لگا تو دروازہ پھر غائب ہو گیا۔ اس طرح تین مرتبہ ہوا۔ بالآخر ایک منادی نے غیب سے آواز دی۔ اگرچہ رابعہ عدویہ سو گئی ہے لیکن اس کا حبیب تو نہیں سویا کیونکہ اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند آتی ہے۔ چور نے کپڑے رکھے اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

بَاب السَّارِقِ يَعْتَرِفُ

یہ باب ہے کہ جب کوئی چور اعتراف کرلے

2588- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي مَرْيَمَ اَنْبَاَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِي حَبِيبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ عَمْرَو بْنَ سَمُرَةَ بْنِ حَبِيبِ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ جَاءَ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى

2588: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ سَرَقْتُ جَمَلًا لِبَنِیْ فُلَانٍ فَطَهِّرْنِیْ فَاَرْسَلَ اِلَیْهِمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّا افْتَقَدْنَا جَمَلًا لَنَا فَاَمَرَ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُطِعَتْ یَدُہٗ قَالَ ثَعْلَبَةُ اَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهِ حِیْنَ وَقَعَتْ یَدُہٗ وَهُوَ یَقُوْلُ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ طَهَّرَنِیْ مِنْكِ اَرَدْتِ اَنْ تُدْخِلِیْ جَسَدِی النَّارَ

◄► عبدالرحمن بن ثعلبہ انصاری اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: عمرو بن سمرہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں نے بنوفلاں کا ایک اونٹ چوری کرلیا ہے تو آپ ﷺ مجھے پاک کر دیجئے، نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کی طرف پیغام بھجوایا، انہوں نے کہا: ہمیں اپنا ایک اونٹ نہیں مل رہا (یعنی وہ واقعی چوری ہو چکا ہے) تو نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہ منظر آج بھی میری نگاہ میں ہے کہ جب اس شخص کا ہاتھ نیچے گرا تو وہ یہ کہہ رہا تھا، ہر طرح کی حمد اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے تم سے مجھے پاک کر دیا ہے، تم یہ چاہتے تھے کہ تم میرے جسم کو جہنم میں داخل کردو۔

اقرار سے وجوب قطع کا بیان

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ایک مرتبہ اقرار کرنے سے قطع واجب ہو جاتا ہے۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ صرف دو مرتبہ اقرار کرنے سے حد سرقہ واجب ہوگی۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ کہ دونوں اقراروں کے لئے مجلس کا مختلف ہونا لازمی ہے کیونکہ دونوں دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔ پس اس کو دوسرے پر قیاس نہ کیا جائے گا اور وہ گواہی ہے اسی طرح ہم نے زنا میں قیاس کیا ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے ایک اقرار کرنے سے چوری ظاہر ہو چکی ہے پس ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہوگا۔ جس طرح قصاص اور حد قذف میں ہے اور اس کو شہادت پر قیاس نہ کیا جائے گا اس لئے گواہی میں جھوٹ کی تہمت کو کم کرنے کے لئے زیادہ فائدے مند ہوتی ہے۔ جبکہ اقرار میں زیادتی کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے کیونکہ یہاں تہمت معدوم ہے اور متعدد مرتبہ اقرار کرنے باوجود رجوع کرنے کا دروازہ بند نہ ہوگا کیونکہ مال کے حق میں رجوع کرنا صحیح ہی نہیں ہے اس لئے مال والا رجوع کرنے والے کو جھٹلانے والا ہے جبکہ زنا میں زیادتی کی شرط یہ خلاف قیاس ہے پس وہ شریعت کے حکم تک محدود رہنے والی ہے۔

حضرت ابوامیہ مخزومی بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور کو پیش کیا گیا جس نے اپنے جرم کا صریح اعتراف واقرار کیا لیکن (چوری کے مال میں سے) کوئی چیز اس کے پاس نہیں نکلی چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ "میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے" اس نے کہا کہ "ہاں! میں نے چوری کی ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار یا تین بار یہ کہا (کہ میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے) مگر وہ ہر بار یہ اعتراف واقرار کرتا تھا (کہ میں نے چوری کی ہے) آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری کیا پھر کٹنے کے بعد) اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ "(اپنی زبان کے ذریعہ) اللہ تعالیٰ سے بخشش

طلب کرو (اور اپنے دل کے ذریعہ) اس کی طرف متوجہ ہو۔" اس نے کہا میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں (یعنی توبہ کرتا ہوں) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا" اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔"

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 761)

اور صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس روایت کو ان چاروں اصل کتابوں (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) میں جامع الاصول میں، بیہقی کی شعب الایمان میں، اور خطابی کی معالم السنن میں اسی طرح یعنی ابوامیہ سے منقول پایا ہے لیکن مصابیح کے بعض نسخوں میں اس روایت میں ابورمثہ (ہمزہ اور یا کی بجائے را مکسورہ اور ثا مثلثہ کے ساتھ) منقول ہے مگر حضرت شیخ حافظ ابن حجر عسقلانی نے وضاحت کی ہے کہ اس روایت کا ابورمثہ سے منقول ہونا غلط ہے، اور ابورمثہ اگرچہ صحابی ہیں لیکن یہ روایت ان سے منقول نہیں ہے۔

"اس ارشاد میں، میں خیال نہیں کرتا الخ" سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ وہ شخص اپنے اعتراف سے رجوع کرے تا کہ اس پر حد ساقط ہو جائے اور اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زنا کا اقرار کرنے والوں کے سامنے اس طرح کے جملے ارشاد فرماتے تھے جن کا مقصد " تلقین عذر" ہوتا تھا۔ یہ حضرت امام شافعی کے دوقولوں میں سے ایک قول ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس طرح کی " تلقین عذر اور تلقین رجوع" صرف زنا کی حد کے ساتھ مخصوص ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو استغفار کا حکم دیا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص پر حد جاری ہوئی ہے اس کو وہ حد بالکل (یعنی تمام گناہوں سے) پاک نہیں کرتی بلکہ اس کے اسی گناہ کو ختم کرتی ہے جس کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوئی ہے کہ حد جاری ہو جانے کے بعد وہ پروردگار کی جانب سے اس کے سبب دوبارہ عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

عبدالرحمن بن ثعلبہ، حضرت عمرو بن سمرہ بن حبیب بن عبدشمس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں فلاں قبیلہ کا اونٹ چوری کر بیٹھا آپ مجھے پاک کر دیجئے نبی نے ان کو بلا بھیجا انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا اونٹ گم ہوا ہے نبی نے حکم دیا تو عمرو کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت ثعلبہ فرماتے ہیں کہ جب ان کا ہاتھ کاٹ کر گرا تو میں دیکھ رہا تھا وہ کہہ رہے تھے تمام تعریفیں اللہ کے لیے جس نے (اے ہاتھ) تجھ سے مجھے پاک کر دیا تیرا تو ارادہ تھا کہ میرے پورے جسم کو دوزخ میں بھجوائے۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: رقم الحدیث، 746)

بَاب الْعَبْدِ يَسْرِقُ

یہ باب ہے کہ جب کوئی غلام چوری کرے

2589- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ اَبِيْ عَوَانَةَ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ

2589 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4412 'اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 4994

أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَرَقَ الْعَبْدُ فَبِعْهُ وَلَوْ بِنَشٍّ

◈ حضرت ابو ہریرہ رٹائٹنڈروایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جب کوئی غلام چوری کرے تو اسے فروخت کر دو اگرچہ نصف اوقیہ کے عوض میں کرو۔''

2590- حَدَّثَنَا جُبَارَةُ بْنُ الْمُغَلِّسِ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ تَمِيمٍ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدًا مِنْ رَقِيقِ الْخُمُسِ سَرَقَ مِنَ الْخُمُسِ فَرُفِعَ ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقْطَعْهُ وَقَالَ مَالُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ سَرَقَ بَعْضُهُ بَعْضًا

◈ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں: خمس کے غلاموں میں سے ایک غلام نے خمس کے مال میں سے چوری کی، جب یہ مقدمہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ نہیں کٹوایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کا مال ہے اس میں سے ایک نے دوسرے کو چوری کر لیا ہے۔''

بڑے غلام کی چوری پر عدم حد کا بیان

اور بڑے غلام کی چوری پر قطع ید نہ ہوگا کیونکہ یہ غصب ہے جبکہ چھوٹے غلام کی چوری پر قطع ید ہوگا کیونکہ اس میں سرقہ اپنی تعریف کے ساتھ پایا جا رہا ہے ہاں جب وہ اپنی ترجمانی کرنے والا ہے کیونکہ ایسا غلام اور بالغ بیوقوف بچے تھے میں شامل ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا قطع ید واجب نہ ہوگا اگرچہ غلام چھوٹا ہی کیوں نہ ہو جو سمجھ سکتا ہو اور نہ سمجھ سکتا ہو اور استحسان کا حکم ہے۔ کیونکہ یہ ایک طرح آدمی ہے اور ایک طرح سے مال ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ غلام مطلق طور پر مال ہے۔ کیونکہ اس سے فائدہ حاصل ہونے والا ہے اگرچہ اس میں آدمیت کا حق بھی مل گیا ہے۔

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے آزاد بچے کو چرا لیا اگرچہ زیور پہنے ہوئے ہے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح اگر بڑے غلام کو جو اپنے کو بتا سکتا ہے چرایا تو قطع نہیں، اگرچہ سوتے یا بیہوشی یا جنون کی حالت میں اسے چرا لیا ہو اور اگر نا سمجھ غلام کو چرایا تو قطع ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود، بیروت)

سارق غلام کی حد میں مذاہب اربعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر غلام چوری کرے تو اس کو بیچ ڈالو اگرچہ نش کے بدلے میں اس کو بیچنا پڑے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

نش نون کے زبر اور شین کے ساتھ) نصف اوقیہ یعنی بیس درہم کو کہتے تھے مراد یہ ہے کہ چوری کرنے والے غلام کو بیچ ڈالو اگرچہ اس کو کتنی ہی کم قیمت میں کیوں نہ بیچنا پڑے کیونکہ چوری کا ارتکاب کر کے وہ عیب دار ہو گیا ہے اور عیب دار غلام کو بیچ دینا

2590. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور اکثر اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ اگر غلام چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے خواہ وہ بھگوڑا ہو یا غیر بھگوڑا۔ اس بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر خاوند بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال چرائے یا کوئی غلام اپنے مالک یا اپنے مالک کی بیوی اور یا اپنی مالکہ کے خاوند کے مال کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ عام طور پر خاوند بیوی کو ایک دوسرے کے مال پر اور غلام کو اپنے آقا اور اس کے گھر والوں کے مال واسباب پر خود ان کی اجازت سے دسترس حاصل ہوتی ہے اس صورت میں حرز کی شرط پوری طرح نہیں پائی جاتی جو قطع ید کی سزا کے لئے ضروری ہے۔

بَاب الْخَائِنِ وَالْمُنْتَهِبِ وَالْمُخْتَلِسِ

یہ باب ہے کہ خیانت کرنے والا، ڈاکہ ڈالنے والا اور اچک کر کوئی چیز لینے والا

2591- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُقْطَعُ الْخَائِنُ وَلَا الْمُنْتَهِبُ وَلَا الْمُخْتَلِسُ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''خیانت کرنے والے، ڈاکہ ڈالنے والے اور اچک کر کوئی چیز لینے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا''۔

2592- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَاصِمِ بْنِ جَعْفَرٍ الْمِصْرِىُّ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ عَلَى الْمُخْتَلِسِ قَطْعٌ

ابراہیم بن عبدالرحمن اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''اچکنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا''۔

خائن کے قطع ید میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "خیانت کرنے والے، لوٹنے والے اور اچکے کا ہاتھ کاٹنا مشروع نہیں۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: حدیث نمبر 750)

اور صاحب مصابیح نے شرح السنۃ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) حضرت صفوان ابن امیہ مدینہ تشریف لائے اور مسجد میں سر کے نیچے اپنی چادر رکھ کر سو گئے اسی (دوران) ایک چور آیا اور اس نے ان کی وہ چادر (آہستہ سے کھینچ لی (اور بھاگ

2591 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4391 'ورقم الحدیث: 4392 'ورقم الحدیث: 4393 'اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1448 'اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 4987 'ورقم الحدیث: 4988 'ورقم الحدیث: 4989 'اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3935

2592 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

چاہا) مگر صفوان نے اس کو پکڑ لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے (اور واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (خود مجرم کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ چوری ثابت ہو جانے پر) اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، (یہ فیصلہ سن کر) حضرت صفوان (کو رحم آ گیا اور انہوں نے کہا کہ "اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لانے سے میرا یہ ارادہ نہیں تھا (کہ صرف میری چادر کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹے جائیں اس لئے میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو معاف فرما دیں) میں نے اپنی چادر اس کو صدقہ کر دی۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پھر اس کو میرے پاس لانے سے پہلے ہی تم نے اپنی چادر اس کو صدقہ کیوں نہ کر دی تھی اور اس کو معاف کیوں نہیں کر دیا تھا۔" اسی طرح کی روایت ابن ماجہ نے عبداللہ ابن صفوان سے اور انہوں نے اپنے والد (حضرت صفوان سے) اور دارمی نے حضرت ابن عباس سے نقل کی۔"

"خائن" اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کوئی چیز بطور عاریت کے یا امانت رکھنے کے لئے دی جائے اور وہ اس کی چیزیں کچھ یا سب ہضم کر جائے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ چیز ضائع ہو گئی ہے یا سرے سے اس کا انکار کر دے یعنی یہ کہے کہ وہ چیز مجھے نہیں دی گئی ہے۔ اگر چہ ایسا شخص بہت گنہگار ہوتا ہے مگر قطع ید کا مستوجب نہیں ہوتا کیونکہ خائن جس چیز کو ہتھیاتا ہے وہ پوری طرح "محرز" یعنی محفوظ مال کے حکم میں نہیں ہوتی ہدایہ میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح لٹیرے اور اچکے کو بھی قطع ید کی سزا اس لئے نہیں دی جاتی کہ وہ غیر کا مال چھپ چھپا کر نہیں لیتے جیسا کہ پچھلی حدیث کی تشریح میں اس کی وضاحت کی گئی۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ چاروں ائمہ کا یہی مسلک ہے۔

سر کے نیچے چادر رکھنے" کے بارے میں ھدایہ میں لکھا ہے کہ صحیح تر بات یہ ہے کہ کسی چیز کا اپنے سر کے نیچے رکھنا "حرز" ہے حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس کو پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا تھا اور اپنا حق کیوں نہیں چھوڑ دیا تھا اب جب تم اس کو میرے پاس لے آئے اور اس کا جرم ثابت ہو جانے پر میں نے اس کا ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دے دیا تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہو گیا ہے اب اس معاملہ میں تمہارا کوئی حق باقی نہیں رہ گیا ہے بلکہ یہ اللہ کا حق ہو گیا ہے لہٰذا تمہارے معاف کرنے سے اس کا جرم معاف نہیں ہوگا! اس سے معلوم ہوا کہ چور جب حاکم کے سامنے پیش ہو جائے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے تو پھر اسے کوئی بھی سزا سے نہیں بچا سکتا، خود مدعی اور صاحب مال کے معاف کرنے سے بھی اس کی سزا معاف نہیں ہوگی، ہاں حاکم کے پاس قضیہ پہنچنے سے پہلے اس کو معاف کر دینا جائز ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنا دی جائے اور پھر اسے چوری کی ہوئی چیز کو اس کا مالک اس شخص (چور) کو ہبہ کر کے اس کے سپرد کر دے یا اس چیز کو اس کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس صورت میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن امام زفر امام شافعی اور امام احمد یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور حضرت امام ابو یوسف کا بھی ایک قول یہی ہے اور حضرت صفوان کی مذکور حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک روایت میں تو یہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح یہاں نقل کی گئی لیکن حاکم وغیرہ کی روایت میں اس طرح نہیں ہے بلکہ کچھ اضافہ وزیادتی کے ساتھ ہے۔ لہٰذا اس اضافہ وزیادتی کی وجہ سے اضطراب واقع ہو گیا اور اضطراب حدیث کے ضعیف ہونے کا موجب

ہوجاتا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب سرقہ، بتصرف)

کفن چور پر عدم حد کا بیان

اور کفن چور کے ہاتھ کو نہ کاٹا جائے گا۔ یہ حضرت امام اعظم اور امام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک ہے جبکہ امام ابو یوسف اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا کہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کفن چرایا ہم اس کو ہاتھ کاٹیں گے۔ کیونکہ کفن متقوم مال ہے اور متقوم مال کی طرح حفاظت میں ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ چھیننے والے پر قطع ید نہیں ہے اور اہل مدینہ کی زبان میں مختفی کفن چور کو کہتے ہیں۔ کیونکہ ملکیت میں شبہ پیدا ہو چکا ہے اس لئے میت کے حق میں کوئی ملکیت نہیں ہے اور وارث کو بھی کوئی ملکیت حاصل نہیں ہوتی جبکہ میت کی ضرورت مقدم ہے اور اس کے مقصود یعنی ڈانٹ ڈپٹ میں بھی خلل پیدا ہو چکا ہے کیونکہ اس طرح کی جنایت بہ ذات نادر الوجود ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث غیر مرفوع ہے یا پھر وہ سیاست محمول کی جائے گی اور جب قبر بند تالے میں ہو تب صحیح قول کے مطابق اختلاف ہے اور اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور اسی طرح جب کسی نے قافلہ میں تابوت میں رکھی ہوئی میت کا کفن چوری کر لیا تب بھی یہی اختلاف ہے اور اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

امانت میں خیانت کی یا مال لوٹ لیا یا اُچک لیا تو قطع نہیں۔ اسی طرح قبر سے کفن چرانے میں قطع نہیں اگرچہ قبر مقفل مکان میں ہو بلکہ جس مکان میں قبر ہے اُس میں سے اگر علاوہ کفن کے کوئی اور کپڑا وغیرہ چرایا جب بھی قطع نہیں بلکہ جس گھر میں میت ہو وہاں سے کوئی چیز چرائی تو قطع نہیں، ہاں اگر اس فعل کا عادی ہو تو بطور سیاست ہاتھ کاٹ دیں گے۔ ذی رحم محرم کے یہاں سے چرایا تو قطع نہیں اگرچہ وہ مال کسی اور کا ہو اور ذی رحم محرم کا مال دوسرے کے یہاں تھا وہاں سے چرایا تو قطع ہے۔ شوہر نے عورت کے یہاں سے یا عورت نے شوہر کے یہاں سے یا غلام نے اپنے مولیٰ یا مولیٰ کی زوجہ کے یہاں سے یا عورت کے غلام نے اس کے شوہر کے یہاں چوری کی تو قطع نہیں۔ اسی طرح تاجروں کی دوکانوں سے چرانے میں بھی قطع نہیں ہے جبکہ ایسے وقت چوری کی کہ اس وقت لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت ہے۔ (درمختار، کتاب الحدود)

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "اے ابوذر!" میں نے عرض کیا "میں حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمانبردار ہوں، فرمائیے کیا ارشاد ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اس وقت کیا کرو گے جب لوگوں کو موت) یعنی کوئی وبا اپنی لپیٹ میں لے لے گی (کیا اس وقت تم موت سے بھاگ کھڑے ہو گے یا صبر واستقامت کی راہ اختیار کرو گے؟" اور گھر یعنی قبر کی جگہ ایک غلام کے برابر ہو جائے گی (یعنی اس وقت وبا کی وجہ سے اتنی کثرت سے اموات ہوں گی کہ ایک قبر کی جگہ ایک ایک غلام کی قیمت کے برابر خریدی جائے گی میں نے عرض کیا اس کے بارے میں اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں (یعنی میں نہیں جانتا کہ اس وقت میرا کیا ہوگا، آیا میں صبر واستقامت کی راہ اختیار کروں یا اپنا مسکن چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس وقت تم پر صبر لازم ہے" حضرت حماد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ کفن چور

کا ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ وہ میت کے گھر میں داخل ہوا ہے۔" (ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: حدیث نمبر 757)

حضرت حماد ابن ابوسلیمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بظاہر بڑا لطیف نکتہ پیدا اور یہ استدلال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ قبر کو گھر" کہا ہے اس طرح گھر کی طرح قبر بھی "حرز" ہوئی جیسے اور کوئی شخص گھر میں سے کوئی چیز چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے ایسے ہی اگر کوئی شخص قبر میں سے کفن چرائے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت حماد کا یہ استدلال مضبوط نہیں ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جگہ "حرز" کے حکم میں ہوں جس پر" گھر" کا اطلاق ہوتا ہو مثال کے طور پر فرض کیجئے اگر کوئی شخص کسی ایسے گھر میں سے کچھ مال چراتا ہے جس کا دروازہ بند نہ ہو یا جس میں کوئی نگہبان موجود نہ ہو تو متفقہ طور پر تمام علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اگرچہ اس نے ایک گھر کے اندر سے مال چوری کیا ہے مگر اس گھر کے عدم محفوظ ہونے کی وجہ سے وہ "حرز" نہیں رہا، اور جب اس صورت میں "حرز" کی شرط نہیں پائی گئی تو اس پر قطع ید کی سزا بھی نافذ نہیں ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح" قبر" کو اگرچہ " گھر" فرمایا گیا ہے لیکن چونکہ وہ "حرز" یعنی محفوظ نہیں ہے اس لئے اس میں سے کفن چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد کا مسلک یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا کفن چور پر نافذ نہیں ہوگی جب کہ تینوں ائمہ احنفیہ میں سے) حضرت امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

بیت المال کے سارق پر عدم حد کا بیان

اور جب کسی شخص نے بیت المال سے چوری کر ڈالی تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ لوگوں کا مال ہے اور چور بھی عوام میں داخل ہے اور اسی طرح ایسے مال پر بھی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا جس مال میں چور خود شریک ہو۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور جب کسی کے دوسرے پر کچھ دراہم باقی ہیں تو دراہم والے نے اتنے دراہم اس کے چوری کر لئے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ اپنا حق وصول کرنے والا ہے اور اس میں دلیل استحسان کے مطابق نقد و ادھار دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ مدت میں تعین مطالبہ میں تاخر کے سبب سے ہوتا ہے اور اگر حق والے نے اپنے حق سے زیادہ چوری کر ڈالی تب بھی قطع ید نہ ہوگا کیونکہ اپنے حق والے مال میں چوری کی شکل میں وہ شرکت کرنے والا بن جائے گا۔ اور قرض خواہ نے مقروض کا سامان چوری کر لیا تو اس پر قطع ید ہوگا کیونکہ قرض خواہ کے لئے صرف قرض دار کی خوشنودی کے ساتھ بیع کے طور اس سے وصولی کا حق ہے۔

حضرت امام ابویوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس صورت میں بھی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ بعض فقہاء کے نزدیک قرض دار سے اپنا قرض وصول جائز ہے اگرچہ وہ حق لینے کے لئے یا رہن کے طور پر لے۔ ہم کہیں گے کہ یہ ایسا قول ہے جس کو کسی ظاہری دلیل کی طرف منسوب نہیں کیا گیا حالانکہ جب تک اس کے ساتھ دعویٰ ملنے والا نہ ہوگا تب تک اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا یہاں تک کہ جب چور نے دعویٰ کیا تو اس سے حد کو ختم کر دیا جائے گا کیونکہ یہ خلاف جگہ میں ایک گمان ہے۔ اور جب قرض خواہ کا قرض دراہم میں ہو اور اس نے چوری دنانیر کی کر ڈالی تو ایک قول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ اس کو لینے کا حق نہیں

ہے۔ جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لئے کہ ساری نقدیوں کی جنس تو ایک ہی ہے۔
علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیت المال یہ عام مال ہے جس میں چور کا حق بھی ہے اور سقوط حد کا سبب یا دلیل وہی ہے جس کو مصنف نے بیان کر دیا ہے۔ (عنایہ، ج ۷، ص ۳۴۳، بیروت)
شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص کے دوسرے پر دس درم آتے تھے قرض خواہ نے قرضدار کے یہاں سے روپے یا اشرفیاں چرالیں تو قطع نہیں اور اگر اسباب چرایا اور کہتا ہے کہ میں نے اپنے روپے کے معاوضہ میں لیا یا بطور رہن اپنے پاس رکھنے کے لیے لایا تو قطع نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الحدود)

چوری میں تعدد پر حد سرقہ کا بیان

اور جب کسی شخص نے کوئی سامان چرایا اور اس چوری میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا اس کے بعد وہ مال مالک کو واپس کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد چوری دوبارہ وہی مال پھر چوری کر لیا اور وہ مال اسی حالت میں موجود بھی ہے تو اب چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔
حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ایک روایت اسی طرح ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چور دوبارہ چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹ دو۔ اور اس ارشاد گرامی میں کوئی تفصیل ذکر نہیں ہوئی ہے پس دوسری جنایت پہلی کی طرح کامل ہے۔ بلکہ تقدم کے سزا کے اعتبار سے پہلی سے زیادہ بری ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب مالک نے چور کو کوئی سامان فروخت کر دیا اور اس کے بعد مالک نے اس سے وہ سامان خرید لیا اور اس کے بعد اس چور نے وہ سامان چور کر لیا ہو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قطع ید نے عصمت کے مقام کو ساقط کر دیا ہے جس طرح بعد میں ان شاء اللہ معلوم ہو جائے گا۔
مالک کی طرف مال واپس کرنے کے سبب اگرچہ عصمت واپس لوٹنے والی ہے مگر محل، ملکیت، قیام موجب قطع کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ سقوط عصمت کا شبہ برقرار ہے بہ خلاف اس صورت کے جس کو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ تبدیل سبب کے سبب ملکیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ چور کا دوبارہ چوری کرنا شاذ و نادر ہے۔
اس لئے کہ وہ زجر کی مشقت کو برداشت کر چکا ہے پس اس پر حد قائم کرنا مقصد سے خالی ہوگا جبکہ مقصد جنایت کو کم کرنا ہے یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح محدود فی القذف والے نے دوبارہ پہلے مقذوف پر تہمت لگائی۔
فرمایا اور جب چوری شدہ مال اپنے اصلی حالت سے بدل گیا ہے یعنی وہ سوت تھا اس کو کسی نے چوری کر لیا اور چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور وہ مالک کو واپس کر دیا اس کے بعد مالک نے کپڑے کی بُنائی کرائی اس کے بعد اس کو اسی چور نے چوری کر لیا تو اب اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ عین بدل چکا ہے۔ پس سوت کو غصب کرنے والا بننے کے سبب اس کا مالک ہو جائے گا اور ہر مسئلہ میں تبدیل کا یہی قانون ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) اور جب محل بدل چکا ہے تو محل کے متحد ہونے اور اسی محل میں قطع ید کے پائے جانے کے سبب شبہہ ختم ہو چکا ہے پس دوبارہ قطع ید واجب ہو جائے گا۔

سبب ملکیت کی تبدیلی ذات میں تبدیلی کوواجب کرتی ہے، قاعدہ

تبدل الملك یوجب تبد لا فی العین ۔(نورالانوار)

سبب ملکیت کی تبدیلی ذات میں تبدیلی کوواجب کرتی ہے۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے سبب ملکیت میں تبدیلی آجائے یعنی وہ سبب جس کی وجہ سے ملکیت تھی وہ سبب بھی تبدیل ہوجائے تو اسکی وجہ سے اس کی ذات میں تبدیلی ہوجائے گی اور حکم بھی تبدیل ہوجائے گا۔اس کا ثبوت یہ ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو کچھ گوشت صدقہ دیا گیا تھا انہوں نے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کیا، آپ نے فرمایا: یہ گوشت بریرہ کے لئے صدقہ تھا اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ص ۳۴۵،قدیمی کتب خانہ کراچی)

کیونکہ جب تم نے اسے حاصل کیا تو وہ تمہارے لئے صدقہ تھا اور جب تمہاری ملکیت میں آگیا اور پھر تم نے ہمیں دیا تو وہ ہمارے لئے ہدیہ ہوگا کیونکہ ملکیت کی تبدیلی عین یعنی ذات میں تبدیلی کوواجب کرتی ہے۔(نورالانوار)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بیٹا باپ کا حق ادا نہیں کرسکتا مگر یہ کہ وہ اپنے باپ کوکسی کا غلام دیکھے اور پھر اسے خرید کر آزاد کردے۔(مسلم ج ۱ص ۴۹۵ قدیمی کتب خانہ کراچی)

فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ ہر ذی رحم محرم جب ملکیت میں آئے گا تو وہ آزاد ہوجائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالعموم فرمایا: جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوگیا تو وہ آزاد ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۱ص ۱۸۱،قدیمی کتب خانہ کراچی)(ہدایہ اخیرین ج ۴ص ۴۴۹، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

ذی رحم محرم پر ملکیت حاصل ہونے پر وہ سبب جو عام غلاموں میں ہوتا ہے وہ تبدیل ہوگیا کیونکہ سبب غلامیت سے زیادہ قوی سبب ذی رحم محرم ہونا ہے اور قوی سبب کے ہوتے ہوئے ضعیف سبب ساقط ہوجاتا ہے۔اس لئے وہ لوگ جو ذی رحم محرم ہوں گے وہ اپنے رشتہ دار کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہوجائیں گے۔

بَاب لَا يُقْطَعُ فِي ثَمَرٍ وَّلَا كَثَرٍ

یہ باب ہے کہ پھل یا کثر چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

2593- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَّلَا كَثَرٍ

2593 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:1449' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:4981' ورقم الحدیث 4982' ورقم الحدیث 4983' ورقم الحدیث 4984' ورقم الحدیث:4985

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''پھل اور کثر کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا''۔

2594- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ اَخِيْهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا قَطْعَ فِىْ ثَمَرٍ وَّلَا كَثَرٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''پھل اور کثر پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا''۔

شرح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میوہ، پھل اور کھجور کے گابھے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، جب تک یہ چیزیں محفوظ مقام میں سوکھنے کے لئے نہ رکھی جائیں، یعنی جرین (کھلیان) میں، مگر شرط یہ ہے کہ چور اس میوے یا پھل کو صرف کھالے، اور گود میں بھر کر نہ لے جائے، اگر گود میں بھر کر لے جائے تو اس کو دوگنی قیمت اس کی دینا ہوگی، اور سزا کے لئے مار بھی پڑے گی۔

بَاب مَنْ سَرَقَ مِنَ الْحِرْزِ

یہ باب ہے کہ جو شخص محفوظ جگہ سے کوئی چیز چوری کرے

چوری میں شرط حرز کا بیان

حرز حد سرقہ کی دوسری شرط ہے۔ حرز سے مراد وہ کم سے کم انتظامات ہیں جو مال کی حفاظت کے لیے کیے گئے ہوں۔ بغیر کسی حفاظتی تحویل کے موجود مال یا ساز وسامان کے ہتھیا لینے پر حد سرقہ جاری نہیں کی جائے گی۔ حرز کا تعین عرف ورواج کے مطابق ہوگا کیونکہ دیہاتوں میں معمولی اور چھوٹی دیوار کو بھی ملکیت کے ثبوت کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے جبکہ شہروں میں اس سے زیادہ انتظام کی ضرورت ہوتی ہے، جانور کو باندھنا اور دیگر سواریوں کو تالا لگانا حرز ہوتا ہے، بصورت دیگر ساز وسامان اور مال کو لاوارث سمجھ لیا جاتا ہے۔

مکان کی چار دیواری حرز ہے اور اس سے مال نکال کر لے جانا سرقہ کی ذیل میں آتا ہے، کھونٹے سے بندھی ہوئی کشتی اور جانور اور تالا لگی سواری بھی حرز کے اندر شمار ہوں گے اور انہیں کھول کر لے جانے والا سرقہ کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ مالک کی نظر میں موجود شے بھی حرز میں سمجھی جاتی ہے جیسے ایک شخص کی سواری گھاس چر رہی ہو اور کسی کھونٹے سے بندھی نہ ہو لیکن مالک نے اس پر نظر رکھی ہو تو اس سواری کو لے جانے والا حد سرقہ کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ سونے والے کے نیچے دبی ہوئی چیز بھی حرز میں ہوگی لیکن قبر حرز نہیں ہوگی اور کفن نکالنے والا حد سرقہ کی ذیل میں نہیں آئے گا کیونکہ مردہ مالک بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پس یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کھلے ہوئے جانور، کھلی ہوئی سواریاں اور عام سڑکوں، چوراہوں اور ویرانوں پر موجود ساز وسامان و مال واسباب پر ناجائز قبضہ کرنے

2594- اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

والے حد سرقہ کے اگر چہ مرتکب نہیں ہوں گے تاہم انہیں کوئی تعزیری دی جائے گی جو حد سرقہ یعنی ہاتھ کاٹنے سے شدید تر بھی ہو سکتی ہے۔

شور مچانے پر اگر چور سامان چھوڑ کر بھاگ جائے تو فبہا اور اگر مزاحمت کرے تو اس کے خلاف جوابی کاروائی کرنا جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک قول منقول ہے کہ چور کو خوفزدہ کرو مگر پکڑو نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اپنے غلاموں کو کھانے کو نہیں دیتے تھے جس پر ان غلاموں نے ایک شخص کی اونٹنی ذبح کر کے کھالی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلاموں کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے ان کے آقا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے اونٹنی کی قیمت سے دوگنا تاوان وصول کیا۔ قحط کے زمانے میں ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اونٹنی کی چوری کی شکایت لایا کہ اس کی اونٹنی چوری کر کے ذبح کر لی گئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دو اونٹنیاں دے دیں اور ساتھ کہا کہ ہم قحط کے زمانے میں حد سرقہ جاری نہیں کیا کرتے۔ شبہ کے مال سے چوری کرنے پر بھی حد جاری نہیں ہوگی جیسے دس آدمی کچھ مال کے مشترک مالک ہیں اور ان میں ایک آدمی اس مال کا کچھ حصہ چوری کر لیتا ہے تو اس پر حد سرقہ جاری نہیں کی جاسکے گی کیونکہ اس مال میں اس کے حصے کا بھی حق شبہ تھا۔ مال چھیننے والے پر حد سرقہ جاری نہیں ہوگی کیونکہ وہ چوری نہیں ہے اور اگر راستہ روک کر مال چھینا گیا ہے تو حد حرابہ جاری ہوگی، اسی طرح امانت میں خیانت کرنے والے پر اور عاریتاً چیز لے کر واپس نہ کرنے والے پر بھی حد سرقہ جاری نہیں ہو سکے گی اور یہ لوگ تعزیر کے مستحق ہوں گے۔

بعض فقہا سبزیوں اور پھلوں کے کھالینے کو اور جانوروں کے دودھ دوہ کر پی لینے کو بھی چوری نہیں سمجھتے لیکن یہ کہ صرف کھانے پینے کے بقدر ہی لیے گئے ہوں یعنی مسافر دوران سفر کسی باغ سے بغیر اجازت پھل توڑ کر کھالے یا بغیر اجازت جانور کا دودھ دوہ کر پی لے تو حد سرقہ جاری نہیں کی جائے گی لیکن اگر کپڑے اور برتن بھر بھر کر لے جانے لگیں تو پھر جملہ شرائط پوری ہونے پر پھلوں اور سبزیوں اور جانوروں کے دودھ چوروں پر بھی حد جاری ہوگی۔ چور کے پاس سے چوری کا سامان برآمد ہو جائے تو اسے مالک کو واپس کر دینا لازم ہے۔ سامان کی برآمدگی، اقرار جرم اور گواہان چور کا جرم ثابت کرنے کے طریقے ہیں۔

حرز کی اقسام کا بیان

حرز کی دو اقسام ہیں۔ (۱) وہ مال جو اپنے حکم کے اعتبار سے محفوظ ہو جس طرح کوئی مال گھر یا کمرے میں ہو۔ (۲) وہ حفاظت جو کسی نگران کے سبب سے حاصل ہو۔

صاحب کتاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حرز ضروری ہے کیونکہ حرز کے بغیر خفیہ طور مال کو اٹھالینا ثابت نہ ہوگا۔ اس کے بعد حرز کبھی مکان کے سبب سے ہوتا ہے اور یہ وہ مکان ہے کہ جس کو سامانوں کے تحفظ کے لئے بنایا گیا ہے۔ جس طرح گھر، کمرہ ،صندوق اور دوکان ہے۔

اور حرز کبھی محافظ یعنی نگران سے حاصل ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص راہ میں بیٹھا ہے یا مسجد میں بیٹھا ہے اور اس کا سامان اس کے پاس موجود ہو تو حفاظت اس شخص کے سبب سے ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چور کا ہاتھ کٹوا دیا تھا جس نے حضرت

صفوان رضی اللہ عنہ کے سر کے نیچے سے چادر چوری کی تھی۔اور حضرت صفوان مسجد میں سو رہے تھے۔اور مکان میں حفاظت کو محافظ سے حفاظت کرانے کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا اور یہی صحیح ہے۔کیونکہ وہ سامان اس کی حفاظت کے بغیر بھی محفوظ ہے۔وہ گھر ہے اگرچہ اس کا دروازہ نہ ہو یا دروازہ ہو لیکن کھلا ہوا ہے تو چرانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔کیونکہ وہ مکان حفاظت کے لئے بنایا گیا ہے۔کیونکہ وہاں چیز نکالنے سے قبل وہ مالک کے قبضہ میں ہوتی ہے۔بہ خلاف اس چیز کے جو نگران کی حفاظت میں ہو کیونکہ اس سے لیتے ہی قطع ید واجب ہوگا کیونکہ صرف لے لینا ہی مالک کو قبضے کو ختم کرنے والا ہے کیونکہ اسی سے چوری مکمل ہونے والی ہے۔اور اس کا فرق نہ کیا جائے گا کہ نگران جاگنے والا ہے یا سونے میں محو ہے اور سامان اس کے نیچے ہو یا اس کے اوپر ہو یہی صحیح ہے کیونکہ سامان کو اپنے پاس ہونے کے سبب عرف میں اس کو سامان کا محافظ ہی جانا جاتا ہے۔اور بنیاد پر اس صورت مسئلہ میں مستعیر اور مؤدع ضامن نہ ہوں گے کیونکہ یہ ضائع کرنا نہیں ہے۔بہ خلاف اس قول کے جس کو فتاویٰ میں اختیار کیا گیا ہے۔(ہدایہ)

حضرت صفوان بن امیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں اپنی تیس درہم کی مالیت والی چادر پر سو رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اسے اچک کر لے گیا مجھ سے۔وہ آدمی پکڑا گیا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔صفوان کہتے ہیں کہ پس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ہاتھ تیس درہم کی وجہ سے کاٹتے ہیں میں اس چادر کو اس کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اور اس کی قیمت تاخیر سے لے لوں گا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر یہ میرے پاس لانے سے قبل ہی کیا ہوتا۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو زائدہ نے سماک عن سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔اس میں فرمایا کہ صفوان سو گئے اور اسے صفوان وطاؤس نے روایت کیا کہ صفوان سو رہے تھے کہ ایک چور آیا اور اس نے ان کے سر کے نیچے سے چادر چرالی۔اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ اس چور نے ان کے سر کے نیچے سے چادر کھینچ لی تو صفوان بن عبداللہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ صفوان مسجد میں سو گئے اور اپنی چادر کو تکیہ بنالیا پس ایک چور آیا اور اس نے چادر کو چرالیا پھر چور پکڑ گیا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 999)

مالک کی حفاظت سے چوری کرنے پر حد کا بیان

اور جس بندے نے کسی محرز یا غیر محرز مقام سے کوئی چیز چوری کرلی اور اس کا مالک اس کے پاس حفاظت کر رہا تھا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ اس نے اس طرح کا مال چوری کیا ہے جو دو حفاظتوں میں سے ایک حفاظت میں تھا۔

اور اس شخص پر قطع نہ ہوگا۔جس نے حمام یا ایسے کمرے سے مال چوری کیا ہے جہاں عام لوگوں کو داخلے کی اجازت تھی کیونکہ عرف کے مطابق حمام میں عام لوگوں کو اجازت ہوتی ہے۔ہاں پھر اس میں داخل ہونے کی اجازت حقیقت میں حاصل ہے پس حفاظت میں خلل پیدا ہو چکا ہے۔اور اسی میں تجارتی دوکانیں اور سرائے بیوت بھی داخل ہیں۔البتہ جب کسی نے ان جگہوں سے رات کے وقت چوری کی تو قطع ید ہوگا کیونکہ یہ جگہیں مالوں کی حفاظت کے لئے بنائی جاتی ہیں۔اور ان میں داخل ہونے کی اجازت

دن کے ساتھ خاص ہے۔

اور جب کسی نے مسجد سے کوئی چیز چوری کی اور اس کا مالک سامان کے پاس موجود تھا تو چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ یہ سامان حفاظت کرنے والے کے سبب محفوظ ہے۔ ہاں مسجد مال کی حفاظت کے لئے نہیں بنائی جاتی۔ پس یہ مال محرز بہ مکان نہ ہوا بہ خلاف حمام کے اور اس گھر کے جس میں داخلے کی اجازت دی گئی ہو۔ تو قطع یہ نہ ہوگا کیونکہ یہ احراز کے لئے بنائے جاتے ہیں کیونکہ مکان محرز ہوگا پس حراز بہ حافظ کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

اور مہمان چور کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا جس نے اپنے میزبان کا مال چوری کیا کیونکہ مہمان کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت ملی ہے لہٰذا گھر اس کے حق میں محرز نہ رہا۔ کیونکہ مہمان گھر میں رہنے والوں کے حکم میں ہے پس اس کا یہ عمل خیانت ہوگا چوری نہ بنے گا۔ (ہدایہ)

جنادہ بن ابی امیہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت بسر بن ارطاۃ کے ساتھ سمندر میں سفر کر رہے تھے کہ تو ایک چور جس کا نام، مصدر، تھا اور اس نے اونٹ چوری کیا تھا لایا گیا تو حضرت بسر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ، سفر کے دوران چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 1013)

2595 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ نَامَ فِي الْمَسْجِدِ وَتَوَسَّدَ رِدَائَهٗ فَاُخِذَ مِنْ تَحْتِ رَاْسِهٖ فَجَاءَ بِسَارِقِهٖ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُقْطَعَ فَقَالَ صَفْوَانُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ اُرِدْ هٰذَا رِدَائِيْ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلَّا قَبْلَ اَنْ تَاْتِيَنِيْ بِهٖ

◄► عبداللہ بن صفوان اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: وہ مسجد میں سو گئے انہوں نے اپنی چادر تکیہ کے طور پر نیچے رکھ لی تو ان کے سر کے نیچے سے اسے نکال لیا گیا پھر وہ اس چور کو لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت اس کا ہاتھ کاٹا جانے لگا' تو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! میرا یہ مقصد نہیں تھا میں یہ چادر اس کو صدقہ کرتا ہوں' تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے میرے پاس لانے سے پہلے تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟

2596 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ كَثِيْرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلًا مِنْ مُزَيْنَةَ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الثِّمَارِ فَقَالَ مَا اُخِذَ فِيْ اَكْمَامِهٖ فَاحْتُمِلَ فَثَمَنُهٗ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ وَمَا كَانَ مِنَ الْجَرِيْنِ فَفِيْهِ الْقَطْعُ اِذَا بَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ وَاِنْ اَكَلَ وَلَمْ يَاْخُذْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَالَ الشَّاةُ الْحَرِيْسَةُ مِنْهُنَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ثَمَنُهَا وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ وَالنَّكَالُ وَمَا كَانَ فِي الْمُرَاحِ فَفِيْهِ الْقَطْعُ اِذَا كَانَ مَا يَاْخُذُ

2595 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4394' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4893' ورقم الحدیث 4894' ورقم الحدیث 4895' ورقم الحدیث 4896' ورقم الحدیث 4898' ورقم الحدیث 4899

2596 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 1711

مِنْ ذٰلِكَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ

عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: مزینہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے پھلوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو پھل خوشے میں سے چوری کیا گیا ہو، اور اسے اٹھا کر لے جایا گیا ہو تو اس کی قیمت بھی دی جائے گی اور اس کی مثل کی ادائیگی بھی لازم ہوگی اور جس پھل کو کھجوریں خشک کرنے کی جگہ سے چوری کیا گیا ہو تو اگر اس کی قیمت ڈھال کی قیمت جتنی ہو تو پھر اس میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوگی لیکن اگر اس شخص نے صرف پھل کو کھایا ہو لے کر نہ گیا ہو تو اب اس پر کوئی سزا لازم نہیں ہوگی''۔

ان صاحب نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اگر چراگاہ میں سے کسی بکری کو چوری کرلیا جائے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس کی قیمت اور اس کی مانند ایک بکری کی ادائیگی لازم ہوگی اور ایسے شخص کو سزا بھی دی جائے گی لیکن اگر وہ بکریوں کے باڑے میں سے چوری کی گئی ہو تو اس میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوگی بشرطیکہ جو بکری اس نے چوری کی ہے وہ ڈھال کی قیمت جتنی ہو''۔

شرح

حضرت رافع ابن خدیج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درخت پر لگے ہوئے میوے اور کھجور کے سفید گابھے کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے۔" (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ) تشریح: یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی مستدل ہے وہ اس کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ تر میوہ پھل چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ وہ میوہ محرز ہو یا غیر محرز۔ غیر محرز کی تعریف پیچھے گذر چکی ہے اسی پر گوشت دودھ اور ان چیزوں کو بھی قیاس کیا گیا ہے جو دیرپا نہ ہوں اور جلدی ہی خراب و متغیر ہو جاتی ہوں کہ ان کی چوری میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا امام اعظم علاوہ دوسروں نے ان سب چیزوں کی چوری میں قطع ید کی سزا کو واجب کیا ہے۔

چنانچہ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ چیزیں جو بہت معمولی اور حقیر ہوں اور جو دارالسلام میں ہر شخص کے لئے مباح کے درجہ میں ہوں جیسے گھاس لکڑی نرسل مچھلی پرندہ ہڑتال اور چونا وغیرہ ان کی چوری کرنے والا بھی قطع ید کا سزاوار نہیں ہوگا۔ اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان پھلوں میں سے کچھ اس وقت چرائے جب کہ ان کو درختوں سے توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو اور ان (چرائے ہوئے پھلوں) کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو وہ قطع ید کا سزاوار ہوگا۔ (ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ المصابیح، جلد سوم، رقم الحدیث، 747)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے کیونکہ وہ محرز نہیں ہے ہاں جب وہ پھل درخت پر سے توڑ لئے گئے اور ان کو خشک ہونے کے لئے کھلیان میں جمع کر دیا گیا تو اب ان کی چوری میں قطع ید کی سزا واجب ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ محرز ہو گئے ہیں۔اس اعتبار سے یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے سوا جمہور علماء کی دلیل ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ پھل جب تک خشک نہیں ہوا ہے اس کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے خواہ وہ پھل محرز ہو یا غیر محرز۔اس حدیث کے بارے میں حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ حدیث میں "جب کہ ان کو توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو" کی قید کا تعلق ان پھلوں کے خشک ہو جانے کے بعد سے ہے جیسا کہ عرب میں رواج تھا (کہ جس طرح درخت سے پھلوں کو توڑ کر خشک ہونے کے لئے کھلیان وغیرہ میں پھیلا دیا جاتا ہے تھا اس طرح پھلوں کو ان کے خشک ہونے کے بعد کسی جگہ جمع بھی کر دیا جاتا تھا) اور حنفیہ کے نزدیک بھی ان پھلوں کی چوری میں قطع ید کی سزا جاری ہوگی جو خشک ہونے کے بعد کھلیان وغیرہ میں جمع کئے گئے ہیں۔پھل جب تک خشک نہ ہوں اس وقت تک ان کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہوگی خواہ وہ درخت پر لگے ہوئے ہوں یا ان کو توڑ کر کھلیان وغیرہ میں جمع کر دیا گیا ہو۔

معمولی اشیاء کی چوری پر عدم حد میں مذاہب اربعہ

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ ایک ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ایک ڈھال کی قیمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دس درہم، بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ تین درہم، بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ پانچ درہم اور بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ ایک چوتھائی دینار ہوتی تھی۔اسی اختلاف کی بنا پر فقہا کے درمیان کم سے کم نصاب سرقہ میں اختلاف ہوا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب دس درہم ہے اور امام مالک۔رحمۃ اللہ علیہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھائی دینار۔

(پھر بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے گی۔مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ **لا قطع فی ثمرة ولا كثر** (پھل اور ترکاری کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے)۔ **لا قطع فی طعام** (کھانے کی چوری میں قطع ید نہیں ہے۔)۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ **لم یکن قطع السارق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الشیء التافه** (حقیر چیزوں کی چوری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا)۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے اور صحابہ کرام میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا کہ **لا قطع فی الطیر** (پرندے کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے)۔نیز سیدنا عمر و علی رضی اللہ عنہما نے بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا اور اس معاملہ میں بھی صحابہ کرام میں سے کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ان مآخذ کی بنیاد پر مختلف ائمہ فقہ نے مختلف چیزوں کو قطع ید کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترکاریاں، پھل، گوشت، پکا ہوا کھانا، غلہ جس کا ابھی کھلیان نہ کیا گیا ہے، کھیل اور گانے بجانے کے آلات وہ چیزیں ہیں کن کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے۔نیز جنگل میں چرتے ہوئے جانوروں کی چوری اور بیت

المال کی چوری میں بھی وہ قطعِ ید کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسرے ائمہ نے بھی بعض چیزوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان چوریوں پر سرے سے کوئی سزا ہی نہ دی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ ان جرائم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

جمع شدہ جگہ سے پھلوں کی چوری پر حد کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اور وہ ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (درخت پر) لٹکے ہوئے پھل کے متعلق سوال کیا گیا (کہ اسے توڑا جا سکتا ہے کہ نہیں بغیر اجازت کے) تو فرمایا کہ جس حاجت مند نے اسے (توڑ کر) کھالیا اور دامن میں انہیں جمع نہیں کیا تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ اور جو (باغ میں سے) کچھ پھل وغیرہ (جمع کر کے) لے نکلے تو اس کے اوپر اتنے پھلوں کا دگنا ہے اور سزا الگ ہوگی اور جس نے پھلوں کو اس جگہ سے جہاں انہیں جمع کیا جاتا ہے (سکھانے وغیرہ کے لیے) چوری کرلیا اور اس کی مقدار ڈھال کی قیمت کے برابر ہوگئی تو اسکے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم، رقم الحدیث 996)

بَاب تَلْقِينِ السَّارِقِ

یہ باب چور کو تلقین کرنے کے بیان میں ہے

2597- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ إِسْحَقَ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْمُنْذِرِ مَوْلَى أَبِي ذَرٍّ يَذْكُرُ أَنَّ أَبَا أُمَيَّةَ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلِصٍّ فَاعْتَرَفَ اعْتِرَافًا وَلَمْ يُوجَدْ مَعَهُ الْمَتَاعُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا إِخَالُكَ سَرَقْتَ قَالَ بَلَى ثُمَّ قَالَ مَا إِخَالُكَ سَرَقْتَ قَالَ بَلَى فَأَمَرَ بِهِ فَقُطِعَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ قَالَ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ قَالَ اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ

حضرت ابوامیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا اس نے اپنے گناہ کا اعتراف کرلیا' لیکن اس کے پاس سے ساز وسامان نہیں ملا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے یہ نہیں لگتا کہ تم نے چوری کی ہے' اس نے عرض کی: جی ہاں! پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا مجھے یہ نہیں لگتا کہ تم نے چوری کی ہے' اس نے عرض کی: جی ہاں! تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ پڑھو۔

''میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں' توبہ کرتا ہوں''۔

اس شخص نے یہ پڑھا میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں' توبہ کرتا ہوں' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ یہ دعا مانگی: ''اے اللہ! تو اس کی توبہ قبول کرلے۔''

2597 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 4380' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 4892

مصری چور کی چوری سے توبہ، خود ہی اپنے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے

مصری نوجوان نے چوری کی عادت سے جان چھڑانے کے لیے خود ہی اپنے اوپر حدِ سرقہ (چوری کی حد) نافذ کر دی۔ 30 سالہ علی العفیفی جب تمام تر کوششوں کے باوجود چوری کی عادت سے چھٹکارا نہ پاسکا تو اس نے انتہائی قدم اُٹھاتے ہوئے ریلوے ٹریک پر رکھ کر پہلے بایاں ہاتھ کاٹا، اس کے باوجود بھی دل چوری سے باز نہ آیا تو دوسرا ہاتھ اسی طریقے سے تن سے جدا کر ڈالا۔ یہ نوجوان چوری کی تین ہزار وارداتیں کرنے کے بعد تائب ہوا اور تاریخ میں خود پر حد نافذ کرنے والا پہلا شخص بن گیا۔ العربیہ کی رپورٹ کے مطابق، شریعت اسلامی میں چوری کی سزا قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہے۔ تاہم سزا کا نفاذ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لیکن مصری نوجوان نے یہ کام خود کر ڈالا۔ رپورٹ کے مطابق کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود کو چوری کی عادت تھی۔ وہ بغیر کسی ضرورت کے بھی لوگوں کی چیزیں چرا لیا کرتا تھا۔

علی العفیفی کا کہنا ہے کہ میرا تعلق مصر کے شہر طنطا سے ہے، جس کے محلے میت حبیش میں میرے والد کا اپنا کاروبار ہے اور وہ مقامی جامع مسجد کے موذن بھی ہیں۔ مجھے بچپن ہی سے چوری کی عادت پڑ گئی تھی۔ پرائمری اسکول میں بچوں کے قلم، کاپی، جیومیٹری بکس اور دوسری چیزیں چرا لیا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ عادت پختہ ہوتی گئی اور میں چوری کا ماہر ہو گیا۔ میٹرک تک میں نے سونا، چاندی، نقدی اور دیگر قیمتی اشیاء چرانا شروع کر دیں۔ میری اس بری عادت سے گھر والے بہت پریشان تھے۔ انہوں نے مجھے ہر قسم کی سزائیں دیں، لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ میری وجہ سے والد کی عزت بھی داؤ پر لگ گئی۔ انہوں نے مختلف نفسیاتی ماہرین سے میرا علاج کرایا، لیکن میری عادت نہ چھڑا سکے۔

وقت گزرنے کے ساتھ میں لوگوں کی جیبوں سے موبائل فون اور پرس وغیرہ نکالنے کا بھی ماہر ہو گیا۔ میں کسی ضرورت تحت چوری نہیں کرتا تھا، بلکہ عادت سے مجبور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چوری کے پیسے غریبوں میں تقسیم کر دیتا یا غریب بچوں کو کھلونے خرید کر دے دیتا تھا۔ علی العفیفی کا مزید کہنا تھا کہ پھر مجھے خود ہی احساس ہوا کہ میں انتہائی غلط راستے پر گامزن ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو چوری سے روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن نفس پر قابو پانا مشکل ہو گیا تو میں نے فیصلہ کیا کہ اپنے آپ کو ایسی سزا دوں گا کہ چوری کی عادت خود ختم ہو جائے گی، میں نے اپنے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا لیکن اپنے ارادے پر عمل کرنے سے قبل میں علاقے کے معروف عالم دین کے پاس گیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ مجھ پر چوری کی حد جاری کرتے ہوئے میرا ہاتھ کاٹ دیں۔

لیکن انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ یہ کام ریاست کا ہے، میں نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد میں کی طرف گیا اور پٹڑی کے قریب بیٹھ کر ریل کی آمد کا انتظار کرنے لگا، جیسے ہی ٹرین قریب آتی دکھائی دی تو میں نے اپنا بایاں بازو پٹڑی پر رکھ دیا، ایک لمحے میں میرا ہاتھ کلائی سے کٹ کر پٹڑیوں کے درمیان گر گیا اور میں بیہوش ہو گیا۔ مجھے اسپتال لے جایا گیا۔ ہوش میں آنے پر مجھے ہاتھ سے محرومی کا افسوس تو ہوا، تاہم اس سے کئی زیادہ چوری کی عادت سے جان چھوٹنے کی خوشی تھی۔ یہ چار برس پہلے کی بات ہے۔ کچھ روز بعد اسپتال سے فارغ ہو کر گھر آیا تو میری خوشی اس وقت عارضی ثابت ہوئی، جب میرے دل نے دوبارہ چوریاں کرنے پر مجبور کر دیا۔ تاہم میرا ضمیر مسلسل مجھے ملامت کرتا رہا۔

میں ہر رات سوچتا کہ اب چوری نہیں کروں گا، لیکن صبح پھر چوریاں کرنے کے لیے نکل پڑتا تھا۔اس دوران مجھے ایک عالم دین کی تقریر سننے کا موقع ملا تو میں نے چوری کی عادت ترک کر کے توبہ کرنے کا تہیہ کرلیا۔میں نے فیصلہ کیا کہ میرے ہاتھ سے چوری کے اتنے گناہ ہوئے ہیں کہ اب ان کا کفارہ یہی ہے کہ دوسرا ہاتھ بھی کاٹ پھینکوں۔علی العفیفی نے حال ہی میں اپنے دوسرے ہاتھ سے جان چھڑانے کے لیے بھی وہی طریقہ اختیار کیا، جو پہلے ہاتھ کو کاٹنے کے لیے کیا تھا۔اب وہ اسپتال سے فارغ ہو کر گھر آ گیا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ اب اس نے پکی توبہ کی ہے اور پنج وقتہ نمازوں کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت بھی پابندی سے کرتا ہے۔ علی کا کہنا ہے کہ اس نے تقریباً ہر چیز چرائی۔سب سے بڑی واردات میں، اس نے پندرہ ہزار مصری پاؤنڈ چرائے تھے۔

جس میں 5 ہزار اسی روز جوئے میں اڑا دیئے تھے۔اس کا کہنا ہے کہ میں نے تقریباً 3 ہزار چوریاں کی۔علی نے گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ سے اپیل کی ہے کہ اس کا نام زیادہ چوریاں کرنے والے شخص کے طور پر ریکارڈ کا حصہ بنایا جائے۔تاہم حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنی زیادہ وارداتوں کے باوجود وہ کبھی گرفتار ہوا اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی مقدمہ درج ہوا۔علی العفیفی کا کہنا ہے کہ اسے اس بات پر خوشی ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ چوری سے توبہ کرلی، بلکہ اپنے اوپر حد نافذ کرنے والے پہلے شخص کا اعزاز بھی حاصل کر لیا۔علی العفیفی اس انوکھے طرزِ عمل کے بعد مصری حکومت نے اس کے لیے ڈھائی سو مصری پاؤنڈ ماہوار وظیفہ مقرر کرنے کا اعلان کیا ہے۔علی دونوں ہاتھوں سے محروم ہونے کے باوجود اپنے تمام کام خود کرتا ہے، کٹے ہاتھوں سے موبائل فون اور انٹرنیٹ بھی استعمال کرتا ہے۔اسے اپنی معذوری سے زیادہ بری عادت چھوٹنے کی خوشی ہے۔(بشکریہ، روزنامہ سچ)

بَاب الْمُسْتَكْرَهِ

یہ باب ہے کہ جس شخص کو مجبور کیا گیا ہو

2598- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مَيْمُوْنٍ الرَّقِّيُّ وَاَيُّوْبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَزَّانُ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا مُعَمَّرُ بْنُ سُلَيْمَانَ اَنْبَاَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ اَرْطَاةَ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اسْتُكْرِهَتِ امْرَاَةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَرَاَ عَنْهَا الْحَدَّ وَاَقَامَهُ عَلَى الَّذِيْ اَصَابَهَا وَلَمْ يَذْكُرْ اَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا

عبدالجبار بن وائل اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حد کو ختم کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر حد جاری کی جس نے اس عورت کے ساتھ زنا کیا تھا راوی نے یہ بات ذکر نہیں کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کے لیے مہر مقرر کیا تھا (یا نہیں؟)

زبردستی والے زنا پر عدم حد کا بیان

اور جب کسی حکمران نے کسی کو زنا پر مجبور کیا اور اس نے زنا کرلیا تو اس پر حد واجب نہ ہوگی۔جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا پہلا موقف یہ تھا کہ اس پر حد لگائی جائے گی۔اور یہی امام زفر کا قول بھی ہے کیونکہ مرد کی طرف سے آلہ منتشر ہو جانے کے بعد ہی

2598: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1453

زنا ثابت ہوسکتا ہے اور آلہ تناسل کا کھڑا ہونا رضامندی کی دلیل ہے۔ لیکن اسکے بعد امام صاحب علیہ الرحمہ نے اس مؤقف سے رجوع کرلیا کہ مجبور شخص پر حد نہیں ہے۔ کیونکہ زنا کے لئے مجبور کرنے والا ظاہری طور سبب موجود ہے جبکہ آلہ تناسل کا کھڑا ہونا شک والی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ کبھی بغیر ارادے کے بھی کھڑا ہوجاتا ہے اور کبھی طبعی طور پر کھڑا ہوجاتا ہے۔ جبکہ زبردستی کھڑا نہیں ہوتا جس طرح سونے والے شخص میں ہے لہٰذا اسی نے شبہ پیدا کردیا ہے۔

اور جب زانی کو حاکم وقت کے سوال کسی دوسرے نے مجبور کیا تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر حد جاری کی جائے گی جبکہ صاحبین کے نزدیک اس پر حد قائم نہ کی جائے گی کیونکہ صاحبین کے نزدیک حکمران کے سوا میں مجبوری ثابت ہوجاتی ہے کیونکہ اس میں اثر تو ہلاکت کا ڈر ہے اور یہ خوف بادشاہ کے سوا میں بھی ثابت ہوسکتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ بادشاہ کے سوا مجبوری نادر ہے کیونکہ اس حالت میں مجبور بادشاہ یا مسلمانوں کی جماعت سے مدد طلب کرسکتا ہے۔ ہاں وہ ہتھیار کے سبب اپنا دفاع کرنے پر بھی قادر ہے اور نادر کا کوئی حکم نہیں ہوا کرتا۔ پس اس شخص سے حد ساقط نہ ہوگی۔ جبکہ بادشاہ کا اکراہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ مجبور شخص بادشاہ کے خلاف نہ تو کسی دوسرے مدد طلب کرسکتا ہے اور نہ ہی خود اسکے خلاف ہتھیار اٹھا سکتا ہے پس یہ دونوں الگ الگ ہوگئے۔ (ہدایہ)

زنا بالجبر میں صرف مرد پر حد جاری ہوگی

اور حضرت وائل ابن حجر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی کی گئی یعنی ایک مرد نے اس سے زبردستی زنا کیا اس عورت کو تو حد سے برات دی گئی لیکن اس زنا کرنے والے پر حد جاری کی گئی۔ راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو زنا کرنے والے سے مہر بھی دلوایا۔ (ترمذی)

راوی کے ذکر نہ کرنے سے لازم نہیں آتا کہ ایسی صورت میں مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ دوسری احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جس عورت سے زنا بالجبر کیا گیا ہو اس کے لئے مہر واجب ہوتا ہے اور یہاں مہر سے مراد عقر صحبت حرام اور صحبت تشبہ کے مابین (عوض اور بدلہ) کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق ایک ایسی مقدار پر ہوتا ہے کہ اگر حرام صحبت کی اجرت یعنی حلال ہوتی تو وہ مقدار واجب ہوتی۔ برجندی فتاویٰ عالمگیری میں یہ لکھا ہے کہ عقر مہر مثل کو کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ زنا بالجبر کی صورت میں زنا کرنے والے مرد سے عورت کو جو رقم دلوائی جائے گی اس کی مقدار اس عورت کے مہر کے مثل کے برابر ہونی چاہئے۔

حضرت وائل ابن حجر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دن ایک عورت نماز کے لئے گھر سے نکلی تو راستہ میں اس کو ایک شخص ملا جس نے اس پر کپڑا ڈال کر اس سے اپنی حاجت پوری کرلی یعنی اس کے ساتھ زبردستی زنا کیا وہ عورت چلائی اور وہ مرد اس کو وہیں چھوڑ کر چلا گیا، جب کچھ مہاجر صحابہ ادھر سے گزرے تو اس عورت نے ان کو بتایا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے یعنی میرے اوپر کپڑا ڈال کر مجھے بے بس کردیا اور پھر مجھ سے بدکاری کی لوگوں نے اس شخص کو پکڑ لیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور سارا واقعہ بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے تو یہ فرمایا کہ جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ نے بخشش دیا ہے۔ (کیونکہ اس بدکاری میں نہ صرف یہ کہ تمہاری خواہش و رضا کا دخل نہیں تھا بلکہ تمہیں مجبور و بے بس بھی

کردیا گیا تھا) اور جس شخص نے اس عورت سے بدکاری کی تھی اس کے حق میں یہ فیصلہ دیا کہ اس کو سنگسار کر دیا جائے یعنی اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور چونکہ وہ محصن تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس سنگسار کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے اوپر حد جاری کرا کر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس طرح کی توبہ مدینہ والے کرتے تو ان کی توبہ قبول کی جاتی۔ (ترمذی، ابوداود، کتاب الحدود)

حدیث کے آخر جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے جرم کی سزا بھگت کر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو اہل مدینہ کے درمیان تقسیم کیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ ان سب کی توبہ قبول کی جاتی بلکہ اس کا ثواب سارے مدینے والوں کے لئے کافی ہو جاتا۔ گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ نے یہ واضح کیا کہ اس شخص نے اگرچہ شروع میں ایک بڑی بے حیائی کا ارتکاب کیا اور سخت برا کام کیا مگر جب اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ اپنے جرم سے پاک ہو گیا اور بخش دیا گیا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کا اقرار کیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ اس پر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید وہ کوئی عذر پیش کر سکے۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا؟ تمہیں بدکاری پر کس چیز نے مجبور کیا۔ اس عورت نے کہا میرا ایک پڑوسی تھا جس کے اونٹوں کے ہاں پانی اور دودھ تھا اور میرے اونٹ کے ہاں پانی اور دودھ نہ تھا۔ اسی وجہ سے میں پیاسی رہتی تھی، میں نے اس سے پانی مانگا تو اس نے پانی دینا اس شرط پر منظور کیا کہ میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دوں اس پر میں نے تین دفعہ انکار کیا مگر جب میری پیاس اس قدر بڑھ گئی کہ جان نکلنے کا اندیشہ ہو گیا تو میں نے اسکی خواہش پوری کر دی، تب اس نے مجھے پانی پلایا۔ اس پر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اکبر! پس جس کو مجبور کیا جائے اور اس کا ارادہ سرکشی اور زیادتی کا نہ ہو، تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (الطرق الحکمیہ ص ۵۳، دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

اضطرار کی کیفیت کے مفہوم کا بیان

باغ اور عاد کی تفسیر میں حضرت مجاہد فرماتے ہیں، ڈاکو راہزن مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنے والا سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا بھی کے لئے اس اضطرار کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں، غیر باغ کی تفسیر حضرت مقاتل بن حبان یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو اور اس میں لذت اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو، اسے بھون بھان کر لذیذ بنا کر اچھا پکا کر نہ کھائے بلکہ جیسا تیسا صرف جان بچانے کے لئے کھالے اور اگر ساتھ لے تو اتنا کہ زندگی کے ساتھ حلال چیز کے ملنے تک باقی رہ جائے جب حلال چیز مل گئی اسے پھینک دے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے، حضرت مجاہد فرماتے ہیں جو شخص اس کے کھانے کے لئے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے،

ایک شخص بھوک کے مارے بے بس ہو گیا ہے اسے ایک مردار جانور نظر پڑا اور کسی دوسرے کی حلال چیز بھی دکھائی دی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹنا ہے نہ ایذاء دہی ہے تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھالینا چاہئے مردار نہ کھائے، پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہی چیز اس کے ذمہ رہے گی یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ رہے گی دوسرے یہ کہ نہ رہے گی۔ نہ رہنے والے قول کی تائید میں یہ حدیث ہے

جو ابن ماجہ میں ہے، حضرت عباد بن شرحبیل غزی کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ بالیں توڑ کر چھیل کر دانے چبانے لگا اور تھوڑی سی بالیں اپنی چادر میں باندھ کر چلا کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا پیٹا اور میری چادر چھین لی، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ عرض کیا تو آپ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا نہ اس کے لئے کوئی اور کوشش کی نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا یہ بیچارہ بھوکا تھا نادان تھا جاؤ اس کا کپڑا واپس کرو اور ایک وسق یا آدھا وسق غلہ اسے دے دو، (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے) ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجت مند شخص ان سے میں کچھ کھالے لیکر نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطراب اور بے بسی کے وقت اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جس سے بے بسی اور اضطرار ہٹ جائے، یہ بھی مروی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں اللہ کی مہربانی اور نوازش ہے یہ حرام اس کے لئے حلال ہے حضرت مسروق فرماتے ہیں اضطرار کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت ایسی چیز کے کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہو، یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

اغتصاب کا معنی

کسی چیز کو ظلم اور زبردستی لینے کو عربی میں اغتصاب کا نام دیا جاتا ہے، اور اس وقت یہ اصطلاع عورتوں کی زبردستی عزت لوٹنے میں استعمال ہوتی ہے۔

یہ ایک ایسا جرم ہے جو سب شریعتوں میں قبیح اور حرام ہے، اور سب عقل و داش اور فطرت سلیمہ رکھنے والے اسے حرام اور قبیح ہی گردانتے ہیں، اور اسی طرح سب زمینی قوانین اور نظاموں میں بھی یہ جرم قبیح اور شنیع شمار ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے، لیکن کچھ ملکوں میں یہ سزا اس صورت میں معاف ہو جاتی ہے جب دست درازی کی قربانی بننے والی عورت سے شادی کر لی جائے! اور یہ نظام اور قانون اللہ تعالیٰ کے قوانین اور نظام کے مخالف قانون اور نظام بنانے والوں میں قلت دین یا دین بالکل نہ ہونے اور فطرت کے خلاف فطرت کے الٹا پن، اور خلل عقل کی دلیل ہے۔

ہم نہیں جانتے کہ جلاد اور اس کی قربانی بننے والی عورت کے مابین کونسی محبت و مودت ہوگی، اور خاص کر اس دست درازی اور عزت لوٹنے کے عمل کو نہ تو ایام و ماہ اور سال محو کریں گے، اور نہ ہی اسے زمانہ اور وقت مٹائیگا جیسا کہ کہا جاتا ہے اس لیے جن عورتوں کی عزت لوٹی گئی اور دست درازی کر کے ان کی عزت کو تار تار کیا گیا ان میں سے بہت ساری خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہیں، اور بہت ساری تو اس میں کامیاب بھی ہو جاتی ہیں، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس طرح کی شادیاں ناکام ہو جاتی ہیں، اور دست درازی کرنے والا شخص اس عورت کو ذلیل و رسوا ہی کر کے رہی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

اور اس شریعت مطہرہ کے لائق تھا کہ اس شنیع اور قبیح فعل کی حرمت میں، اور اس کی مرتکب افراد کے لیے قابل عبرت سزا کے متعلق اس کا واضح اور صاف موقف ہو۔

اور پھر اسلام نے تو وہ دروازے بھی بند کر دیے ہیں جس کے ذریعہ مجرم اپنے جرم کا ارتکاب کرتا ہے، یورپی سرچ نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ عورتوں پر دست درازی کرنے اور انکی عزت تار تار کرنے والے اکثر افراد مجرم لوگ ہی ہوتے ہیں، اور وہ انہایہ شنیع فعل شراب نوشی اور دوسری نشہ آور اشیاء کے نشہ میں دھت ہو کر ہی کرتے ہیں، اور وہ اپنے شکار کو الگ جگہ اکیلا جانے کو فرصت سمجھتے ہیں، یا پھر عورت کا اپنے گھر میں اکیلا رہنا انہیں فرصت اور موقع دیتا ہے.

اور اسی طرح اس ریسرچ اور سروے سے یہ بھی واضح ہوا ہے کہ یہ مجرم قسم کے لوگ جو کچھ ٹی وی چینلوں اور انٹرنیٹ پر دیکھتے ہیں کہ عورت بن سنور کر اور تقریبا بے لباس ہو کر باہر نکلتی ہے، تو یہ سب کچھ انہیں اس جرم کے ارتکاب کا حوصلہ اور جرات دیتا ہے.

شریعت اسلامیہ نے ایسے قوانین بنائے ہیں جن کی بنا پر عورت کی عزت و عصمت اور حیاء محفوظ رہتی ہے، اور وہ قوانین اسے اس کے منافی لباس زیب تن کرنے کی اجازت نہیں دیتے، اور اسے اکیلا اور بغیر محرم سفر کرنے سے بھی منع کرتے ہیں، اور اجنبی اور غیر محرم مرد سے مصافحہ کرنے سے منع کرتے ہیں. اور پھر شریعت اسلامیہ نے نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکی کی شادی جلد کرنے پر ابھارا ہے، یہ سب کچھ اور اس کے علاوہ باقی اسلامی قوانین مجرموں کے لیے اپنا شکار جال میں پھنسانے کے دروازے بند کرتا ہے، اسی لیے جب ہم یہ سنتے یا پڑھتے ہیں کہ اس طرح کے اکثر جرائم فحش معاشرے میں ہوتے ہیں، اور اس معاشرے کے لوگ مسلمان عورتوں سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ ترقی میں ان کی طرح ہو جائیں!

چنانچہ مثال کے طور پر امریکہ میں انٹرنیشنل معافی کمیٹی نے (2004 میلادی) کی اپنی سالانہ رپورٹ "عورت کے خلاف سازش بند کرو" کے عنوان میں یہ بیان کیا ہے کہ ہر نوے (90) سیکنڈ یعنی ڈیڑھ منٹ میں یہاں ایک عورت کی عزت لوٹی جاتی ہے! تو یہ لوگ کونسی حیاء کی زندگی بسر کر رہے ہیں؟! اور یہ کونسی ترقی حضارت ہے جسے وہ مسلمان عورتوں میں داخل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟!

دوم: اور شریعت اسلامیہ میں عزت لوٹنے کی سزا یہ ہے کہ: غاصب اور عزت لوٹنے والے شخص پر زنا کی حد جاری ہوتی ہے، اگر وہ شادی شدہ ہے تو اسے رجم کیا جائے گا، اور اگر وہ شادی شدہ نہیں تو پھر اسے سو کوڑے لگا کر ایک برس کے لیے جلاوطن کیا جائے گا. اور بعض علماء کرام تو اس پر یہ بھی واجب کرتے ہیں کہ وہ عورت کو مہر بھی ادا کرے.

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمارے ہاں تو عزت لوٹنے والے شخص کے بارہ میں حکم یہ ہے اگر عورت آزاد ہے تو پھر وہ مہر مثل دیگا، چاہے عورت کنواری ہو یا شادی شدہ، اور اگر وہ لونڈی ہے تو اس کی جتنی قیمت کم ہوئی وہ ادا کرنا ہوگی، اور عزت لوٹنے والے پر ہی حد جاری ہوگی، اور اس سارے مسئلہ میں جس عورت کی عزت لوٹی گئی اس کو کوئی سزا نہیں۔ (الموطا (734/2)

شیخ سلیمان الباجی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس عورت پر زبردستی کی گئی ہو اگر تو وہ آزاد ہے تو جس نے اس کی عزت لوٹی اسے اس کا مہر مثل ادا کرنا ہوگا، اور عزت لوٹنے والے پر حد لگائی جائے گی، امام شافعی رحمہ اللہ کا قول اور لیث رحمہ اللہ یہی مسلک ہے، اور علی بن ابی طالب رضی اللہ سے مروی ہے. اور امام ابو حنیفہ اور امام ثوری رحمہما اللہ کہتے ہیں: اس پر حد جاری ہوگی، لیکن مہر نہیں ہے.

ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ: حد اور مہر یہ دونوں حق ہیں، ایک حق تو اللہ تعالیٰ ہے، اور دوسرا حق مخلوق کا ہے، تو اس طرح جائز

یہ ہوا کہ یہ دونوں جمع ہوں، جس طرح کہ چوری میں ہاتھ کاٹنا اور چوری کا سامان واپس کرنا ہوتا ہے۔

(المنتقی شرح الموطا (5/268-269)

اور ابن عبدالبر کہتے ہیں: "اور علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ دست درازی کر کے عزت لوٹنے والے شخص پر حد جاری ہوگی اگر اس پر حد واجب ہونے کی گواہی مل جائے، یا وہ خود اقبال جرم کرلے، اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کو سزا دی جائے گی، (یعنی جب چار گواہ نہ ہونے، اور اقبال جرم نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حد ثابت نہ ہوتی ہو، تو حکمران اور قاضی اسے اتنی سزا ضرور دیگا جس سے اس طرح کے جرم کا سدباب ہو اور آئندہ کوئی اور نہ کرے) اور اگر یہ صحیح طور پر ثابت ہو جائے کہ عورت کی عزت زبردستی لوٹی گئی ہے، اور اس کی چیخ و پکار اور مدد طلب کرنے کے باوجود مرد اس پر غالب آگیا تھا تو عورت پر سزا نہیں ہوگی۔ (الاستذکار (7/146)

سوم: اور زبردستی عزت لوٹنے والے شخص کو زنا کی حد کا لگانا اس وقت ہے جب اس نے اسلحہ کے زور پر عزت نہ لوٹی ہو، لیکن اگر اس نے اسلحہ کے زور پر عورت کی عزت لوٹی تو پھر وہ محارب شمار ہوگا، اور اس پر درج ذیل آیت میں مذکور حد لگائی جائے گی:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: نہیں سوائے اس بات کے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرتے ہیں، اور زمین میں فساد مچانے کی کوشش کرتے ہیں انہیں یا تو قتل کر دیا جائے، یا پھر انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے، یا پھر ان کے الٹ ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے، اور انہیں آخرت میں بہت زیادہ عذاب ہوگا۔ (المائدہ، ۳۳)

چنانچہ حکمران اور قاضی اس آیت میں مذکور ان چار سزاؤں میں سے جسے مناسب سمجھے اور جس میں مصلحت ہو جس کی بنا پر معاشرے میں امن و سلامتی پھیل سکتی ہو، اور ظالموں اور فسادیوں کو ان کے جرائم سے روک سکتی ہو اختیار کر سکتا ہے۔

بَاب النَّهْيِ عَنْ اِقَامَةِ الْحُدُوْدِ فِي الْمَسَاجِدِ

یہ باب مساجد میں حدود قائم کرنے کی ممانعت میں ہے

2599 - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ ح وحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَفْصٍ الْاَبَّارُ جَمِيعًا عَنْ اِسْمٰعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ

◈ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"مساجد میں حدود قائم نہیں کی جائیں گی"۔

2600 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَاَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ لَهِيعَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ اَنَّهُ سَمِعَ عَمْرَو بْنَ

2599 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1401 اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث: 2661

2600 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شُعَيْبٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ جَلْدِ الْحَدِّ فِي الْمَسَاجِدِ

عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد میں حد کے کوڑے لگانے سے منع کیا ہے۔

شرح

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، یا اسی قسم کے دوسرے جرائم حدود (یعنی ان کی شرعی سزائیں) مساجد میں جاری نہ کی جائیں، اسی طرح قصاص بھی اسی حکم میں داخل ہے کہ کسی قاتل کو بطور قصاص مسجد میں قتل نہ کیا جائے کیونکہ مسجدیں فرض نماز پڑھنے کے لئے ہیں یا فرض نماز کے توابع کے لئے ہیں جیسے نفل نمازیں یا ذکر و شغل اور دینی علوم کا پڑھنا پڑھانا۔ حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کو قتل کر دے تو اس کو مقتول اولاد کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اس بارے میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ اگر بیٹا اپنے ماں باپ کو قتل کر دے تو اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیٹے کو بطور قصاص قتل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر ماں باپ، بیٹے کو مار ڈالے تو اس میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد تو یہ فرماتے ہیں کہ باپ کو بطور قصاص قتل نہ کیا جائے، امام مالک کا قول یہ ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو ذبح کر کے مار ڈالا ہے تو اس صورت میں باپ کو بطور قصاص قتل کیا جاسکتا ہے اور اگر اس نے بیٹے کو تلوار سے ختم کیا ہے تو پھر اس سے قصاص نہ لیا جائے! یہ ملحوظ رہے کہ اس بارے میں ماں کا حکم بھی وہی ہے جو باپ کا ہے، نیز دادا دادی اور نانی بھی ماں اور باپ کے حکم میں ہیں۔

بَابُ التَّعْزِيرِ

یہ باب تعزیر کے بیان میں ہے

تعزیر کے معنی ومفہوم کا بیان

تعزیر" کی اصل ہے "عزر" جس کے لغوی معنی ہیں منع کرنا، باز رکھنا، ملامت کرنا۔ اصطلاح شریعت میں اس لفظ (تعزیر) کا استعمال اس سزا کے مفہوم میں کیا جاتا ہے جو حد سے کم درجہ کی ہو اور تنبیہ اور تادیب کے طور پر کسی کو دی جائے اور اس سزا کو "تعزیر" اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو اس فعل (گناہ وجرم) کے دوبارہ ارتکاب سے باز رکھتی ہے جس کی وجہ سے اسے وہ سزا (تعزیر) بھگتنی پڑی ہے۔ حد اور تعزیر میں فرق: حد اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ "حد" تو وہ خاص سزا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ساتھ ہی متعین ہے، حاکم کو صرف اس سزا کے نفاذ کا اختیار حاصل ہے اس کو قانون سازی یا اس میں کسی تغیر وتبدل کا حق اس کو حاصل نہیں ہے، اس کے برخلاف "تعزیر" وہ سزا ہے جس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین نہیں کیا ہے بلکہ اس کا تعین حاکم کی رائے پر موقوف رکھا گیا ہے کہ وہ موقع ومحل اور اقتضاء وقت وضرورت کے مطابق جو سزا چاہے متعین کرے۔

تعزیر کی سزا کا بیان

2601 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَنْبَأَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ لَا يُجْلَدُ أَحَدٌ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ

حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: "کسی بھی شخص کو دس کوڑوں سے زیادہ نہیں مارے جاسکتے البتہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا حکم مختلف ہے"۔

تعزیری سزا قریبی حد کی سزا سے کم ہوگی

تعزیری سزا قریبی حد کی سزا سے کم ہوگی۔ (الفروق) وہ سزائیں جو مخصوص جرائم پر اللہ کی طرف سے لازم ہوئی ہیں وہ تو حدود اللہ ہیں اور اگر ایسا جرم جو قابل حد نہ ہو یا اس جرم کے بارے میں کسی شرعی سزا کا نصاب متعین نہ ہو تو ایسی سزا کو تعزیر کہتے ہیں یعنی جس طرح دس دراہم کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا لیکن اگر چوری شدہ چیز اس سے کم قیمت کی ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ حد جاری نہیں ہوتی تو اس چور کے لئے جو سزا ہوتی ہے اسے تعزیر کہیں گے، اور اس تعزیری سزا کے بارے میں یہ قانون ہے کہ وہ حد کی سزا سے کم ہو کیونکہ اگر وہ قابل حد یا حد کے برابر والا گناہ ہوتا تو ضرور اس کے بارے میں کوئی حد یا حد جیسا حکم نازل ہوتا۔ اور جب شارع علیہ السلام کی طرف سے ایسے جرم پر حد نہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ جرم حد کے جرم سے کم سزا والا ہے اور اسکی نوعیت کم درجہ کے گناہ کی سی ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے سوا کسی کو دس کوڑے سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۲ مطبوعہ وزارت تعلیم اسلام آباد)

تعزیری جرائم اور انکی سزائیں

۱- اگر کسی شخص کو غیر محرم کے ساتھ جماع کے سوا باقی تمام حرام کاموں کے ساتھ پکڑا جائے تو انہیں تعزیری طور چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ کیونکہ حد زنا تو جاری نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس کا ارتکاب نہیں کیا گیا اور تعزیر کی سزا حد کی سزا سے کم ہوگی۔

شراب بیچنے والے پر تعزیر

اگر کسی گھر میں شراب ہو اور وہ شخص فاسق ہو یا کچھ لوگ شراب کی مجلس لگائے بیٹھے ہیں تو ان پر تعزیر لگائی جائے گی کیونکہ

2601 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6848 ورقم الحدیث: 6849 ورقم الحدیث: 6850 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 4435 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4491 ورقم الحدیث: 4492 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1463

شبہات سے حد ساقط ہو جاتی ہے جبکہ تعزیر ساقط نہیں ہوتی۔ (الموسوعہ ج ۱۲ ص ۳۵، بیروت)

تعزیری قتل کی اباحت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے محرم سے جماع کیا اس کو قتل کر دو۔ (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۷۷، فاروقی ملتان)

انتباہ:

اگر تعزیری جرم بڑی نوعیت کا ہو اور قرآن وسنت سے قتل جیسی سزا یا اس کے برابر کی سزا کی کوئی نص مل جائے تو اس کو بیان کردہ نص کے مطابق سزا دی جائے گی۔

اسلحہ تان لینے پر تعزیر

اگر کسی شخص نے کسی مسلمان پر تلوار یا چھری تان لی یا چاقو نکالے یا لاٹھی لائے تو خواہ اس نے وار نہ کیا ہو اس پر تعزیر واجب ہے کیونکہ اس نے مسلمان کو ڈرایا ہے اور اس کے قتل کرنے کا قصد کیا ہے جو نا جائز ہے۔

دفاعی قتال کی اباحت

اگر ڈاکو راستہ میں کسی قوم پر ڈاکہ ڈالیں تو ان کے لئے اپنی جانوں اور اپنے اموال کے دفاع میں ان سے قتال کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔ اگر ڈاکو مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان ڈاکوؤں کی مدد کریں بلکہ ان پر ڈاکوؤں سے قتال لازم ہے۔ کیونکہ برائی کو روکنا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے اس امت کی اسی بناء پر تعریف فرمائی ہے (الموسوعہ ج ۱۲ ص ۲۷، بیروت)

مشترکہ باندی سے جماع پر تعزیر

حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص مشترکہ باندی سے جماع کرے اس کو حد سے ایک کوڑا کم کی تعزیر لگائی جائے (شرح کبیر جلد ۱۰ ص ۳۴۷، دار الفکر بیروت)

جدید تہذیب اور تعزیرات

دور حاضر میں بہت سے جرائم ایسے ہیں جو جرام کا سبب بنتے ہیں اور کئی فسادات اس سے پھیلتے ہیں جس میں نوجوان طلباء اور طالبات کے تفریحی دورے اور سیر گاہوں اور پارکوں کی طرف سیر سپاٹے ہیں کیونکہ اسی وجہ سے لڑکیوں کے اغواء اور قتل وغارت کے کئی بڑے جرائم جنم لیتے ہیں لہٰذا اس پر تعزیری سزا ہونی چاہیے تا کہ ان بڑے جرائم کا سد باب کیا جاسکے۔

اجتہاد:

تعزیر امام وقت کے اجتہاد پر موقوف ہوتی ہے اور وہ قاضی یا جو کسی ریاست وحکومت کی طرف سے ذمہ دار ہوں ان کی طرف سے اجتہادی قوت علمی کے ساتھ اس کا تعین کیا جائے گا نہ کہ جہال اور گمراہ کن لوگ یا تعصب کرنے والے لوگوں کو اس کا اختیار دیا جائے گا۔

تعزیر میں دس کوڑوں کی سزا کا بیان

2602- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ كَثِيْرٍ عَنْ يَحْيَى ابْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَزِّرُوْا فَوْقَ عَشَرَةِ اَسْوَاطٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ”دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دو“۔

شرح

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطور تعزیر دس سے زیادہ کوڑے مارنے کی سزا دینا جائز نہیں ہے لیکن علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس بارے میں فقہاء کے اختلافی اقوال ہیں کہ بطور تعزیر زیادہ سے زیادہ کتنے کوڑے مارنے کی سزا دی جا سکتی ہے؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ انتالیس سے زیادہ نہ ہو، جب کہ حضرت امام ابویوسف یہ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ پچھتر کوڑے ہو سکتے ہیں، البتہ کم سے کم تعداد کے بارے میں تین کوڑے پر سب کا اتفاق ہے، اسی طرح اس مسئلہ پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تعزیر میں جو کوڑے مارے جائیں ان کی تعداد حد میں مارے جانے والی تعداد تک نہ پہنچے لیکن سختی وشدت میں اس سے بھی بڑھ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ان احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان کے سرپرستوں کے لیے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ان کی تربیت ونگرانی میں رہنے والے افراد کے اخلاق سدھارنے میں اگر سارے وسائل ناکام ہو جائیں تو تادیباً ان کو مارنا پیٹنا بھی جائز ہے، اور اس کی آخری حد دس کوڑے ہیں، اس سے زیادہ کی سزا نہ دینی چاہئے، اس حدیث کا علماء کے اقوال میں سب سے صحیح مطلب یہی ہے، حدیث کے آخری ٹکڑے میں حدود اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس سے مراد بعض علماء کے یہاں وہ حدود (جرائم) ہیں، جن کی سزا اسلامی شریعت میں موجود ہے، جیسے: زانی کی سزا، بہتان لگانے والے کی سزا، چور کی سزا، ناحق جان لینے پر قصاص یا دیت اور اعضاء اور جوارح کے تلف ہو جانے پر مقرر سزائیں، ان سب کو حدود کہا جاتا ہے۔

ان جرائم کے علاوہ جن میں سزا مقرر ہے، دوسرے جرائم اور گناہ ایسے ہیں جن میں تعزیر (یعنی تادیبی سزا) ہے، یعنی دس کوڑے اور اس سے کم، یہ امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے، اور یہ سزا ایسے آدمی کو دی جائے گی جس نے جرم اور گناہ کا کام کر لیا ہے، اور جو شخص گناہ اور جرم میں برابر ملوث ہے، تو اس کی تادیب اس وقت تک ہوتی رہے گی، جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آ جائے۔

2602: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ابن تیمیہ اس مسئلہ میں فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب (حنابلہ) نے جو تعزیرات (تادیبی سزائیں) مقرر فرمائی ہیں، وہ اس گناہ پر ہے، جو ماضی میں ہوا ہے، چاہے اس کا تعلق کسی ناجائز کام کے کرنے سے ہو یا کسی مشروع کام کے چھوڑنے سے ہو، لیکن اگر تعزیر اس گناہ اور جرم میں ملوث آدمی پر ہو تو وہ مرتد اور حربی کافر کے قتل اور باغی سے جنگ کے مقام میں ہے، اور اس تعزیر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، یہ قتل تک ہوسکتی ہے، جیسا کہ کسی آدمی کے مال کو کوئی زبردستی لینے کی کوشش کرے، تو صاحب مال کے لیے جائز ہے کہ اس حملہ آور کو اس اقدام سے روکے، اور اپنے مال کو بچائے چاہے یہ کام اس کے قتل ہی کے ذریعہ انجام پائے۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے یہاں تعزیرات (تادیبی سزائیں) مقررہ حدود سے زیادہ نہ ہوں گی۔

بعض علماء نے "إلا في حد من حدود اللہ" کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ حدود اللہ سے مراد اللہ کے اوامر واحکام اور نواہی وممنوعات ہیں، تو کسی واجب کام کے چھوڑ دینے یا کسی حرام کام کے کرنے پر تعزیر وتادیب کا معاملہ امام اور حاکم کی رائے پر ہے کہ وہ ایسی سزا دے جس سے آدمی غلط کام سے باز آجائے، اور یہ حالات وزمانہ، مقام، اشخاص اور گناہ کی نوعیت پر مبنی ہے، زمانے اور مقام کی بنا پر خطا کاروں کی سزا میں کمی اور زیادتی کی جاسکتی ہے، ایسے ہی افراد واشخاص کا معاملہ ہے، بعض لوگوں کو ہلکی یا سخت ڈانٹ ہی جرم کے ارتکاب سے روکنے میں کافی ہوجاتی ہے، بعض لوگوں کا علاج جیل بھیج کر ہوتا ہے، اور بعض لوگوں کو مال کا تاوان لے کر پابند کیا جاسکتا ہے، معاشرہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی سطح پر اچھی شہرت رکھتے ہیں، اور ان کا شمار شرفاء یا دینداروں میں ہوتا ہے، اور ایسے لوگوں سے بھی کبھی کبھار غلطی ہوجاتی ہے تو ان سے چشم پوشی کی جانی چاہئے، بعض لوگ جرائم کا ارتکاب کھلم کھلا کرتے ہیں، اور عناد وتمرد کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کو قرار واقعی سزا ملنی چاہئے تا کہ وہ اپنے جرائم سے باز آجائیں۔

جرائم اور معصیت کے کام چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، اس لیے حاکم کو اس کا پس منظر معلوم رہنا چاہئے تا کہ تادیبی سزاؤں کے صحیح نتائج برآمد ہوں، حاکم کو ہر طرح کی چھوٹی بڑی سزائیں دینے کا اختیار ہے، ان سزاؤں کی اصل شرع میں موجود ہے، امام احمد رحمہ اللہ "رمضان میں دن کے وقت شراب پینے والے کے بارے میں یا اس طرح کا کام کرنے والے کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ اس پر حد نافذ کی جائے گی، اور اس کے بارے میں سختی کی جائے گی، جیسے حرم میں قتل کرنے والے پر دیت ہے، اور مزید تہائی دیت"۔

نیز فرمایا: عورت عورت کے ساتھ فحش کاری کرے تو دونوں کو سزا دی جائے گی اور دونوں کی تادیب ہوگی، نیز صحابہ کو گالی دینے والے کے بارے میں فرمایا کہ حاکم پر واجب ہے کہ اس کو سزا دے اگر توبہ نہ کرے تو دوبارہ سزا کا مستحق ہے۔

ابن تیمیہ نے اس سلسلے میں جو فرمایا ہے ان میں سے اختیارات سے آپ کے بعض اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

فرماتے ہیں: "آدمی کی تعزیر کبھی اس کی بے عزتی کرکے ہوتی ہے، جیسے اس کو پکارا جائے: اے ظالم، اے ظلم وعدوان کرنے والے، اور اسے مجلس سے اٹھا دیا جائے، مزید فرمایا: مال سے تعزیر جائز ہے، کبھی مال لے کر اور کبھی مال ضائع کرکے اور یہ امام احمد کے قاعدہ کے مطابق ہے، اس لیے کہ اصحاب امام احمد سے اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے کہ مال میں سزائیں سب کی سب منسوخ نہیں

ہیں، امام محمد مقدسی کا یہ قول: "ولا یجوز أخذ مال المعزر" (جس کی تعزیر کی گئی ہے اس کا مال لینا جائز نہیں ہے)، اس سے آپ نے اس بات کی طرف سے اشارہ کیا ہے جو ظالم حکمران کرتے ہیں"۔

نیز فرمایا: "حاکم کے نزدیک یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں آدمی نے ضروری خبر چھپائی ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اس کی تعزیر کرے، جیسے کہ مجہول اقرار کرنے والے کے بارے میں اس کو تعزیر کا حق ہے تاکہ اس کی تفسیر وتوضیح کرے، یا جس نے اقرار کو چھپالیا اس پر بھی حاکم کو تعزیر کا حق حاصل ہے"۔

کبھی مستحب کام کے ترک پر بھی تعزیر ہوتی ہے، جیسے چھینکنے والا آدمی اگر "الحمد للہ" نہ کہے تو اس کا جواب "یہدیکم اللہ" کہہ کر نہیں دیا جاتا، نام نہاد ابن تیمیہ کہتا ہے میں نے جنگ میں ایک بڑے لشکر کے ذمہ دار امیر کو فتویٰ دیا کہ وہ ان لوگوں کو جنہوں نے مسلمانوں کے مال لوٹے ہیں اور صرف قتل ہی سے وہ اب اقدام سے رُکیں گے کو قتل کریں چاہے دس آدمی مارے جائیں اس لیے کہ یہ صائل (حملہ آور) سے دفاع کے قبیل سے ہے۔

ابن القیم فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حدود سے مراد حقوق ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر واحکام اور اس کی منع کی ہوئی چیزیں، اور مندرجہ ذیل آیات میں حدود اللہ سے مراد اللہ کے اوامر ونواہی ہی ہیں: (وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ، سورۃ البقرۃ: 229) (وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ سورۃ الطلاق: 1) (تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا) (سورۃ البقرۃ: 229)

اور ایسے لوگ جن کی تعزیر وتادیب دس کوڑے سے زیادہ نہیں ہے، تو وہ ایسی تعزیرات ہیں جن کا تعلق گناہوں (معصیت) سے نہیں ہے، جیسے: باپ اپنے چھوٹے بچے کی تادیب کرے۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں: تعزیر گناہ کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے مطابق ہوگی، اور حاکم کی رائے کے مطابق کہ جس آدمی کی تادیب کی جائے وہ اس کو برداشت بھی کرے، اور اس کی حد اسی کوڑے سے کم ہے۔

امام مالک کہتے ہیں: تعزیر جرم کے مطابق ہوگی، اگر اس کا جرم بہتان لگانے سے بڑا ہوگا تو سو (۰۰) یا اس سے زیادہ کوڑوں کا مستحق ہوگا۔

امام ابوثور کہتے ہیں: تعزیر جرم کے مطابق ہوگی اور شر وفساد کرنے والے کی تعزیر جلد کی جائے گی اور اس مقدار میں ہوگی جو ادب کو پورے طور پر سکھادے چاہے تعزیر حد سے بڑھ جائے جب کہ جرم بڑا ہو، جیسے کہ آدمی اپنے غلام کو قتل کر دے، یا اس کے جسم کے کسی حصے کو کاٹ لے، یا اس کو سزا دینے میں اسراف ومبالغے سے کام لے تو اس کی سزا جرم کے مطابق ہوگی، اور اگر امام عادل ومامون ہو تو اس کی رائے کے مطابق۔

علامہ عبدالرحمن سعدی فرماتے ہیں: مصلحت اور تنبیہ کو سامنے رکھتے ہوئے دس کوڑوں سے زیادہ تعزیر کا جائز ہونا صحیح مذہب ہے۔

زیر نظر حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی آدمی کو دس کوڑے سے زیادہ نہ مارا جائے، الا یہ کہ اللہ کی حدود میں سے کوئی حد ہو (تو اس

سے زیادہ مارنا جائز ہے) اس سے مراد معصیت اور گناہ ہے، اور چھوٹے بچے، بیوی، اور خادم وغیرہ کی گناہ کے کاموں کے علاوہ باتوں میں تادیب دس کوڑے سے زیادہ نہیں ہوگی۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کئی کئی بار تعزیر کرتے تھے اور جب وہ کئی حرام کاموں پر تعزیر ہوتی تو اس کو الگ الگ کرتے تھے، پہلے سو کوڑے لگاتے پھر دوسرے دن سو پھر تیسرے دن سو، الگ الگ اس واسطے لگاتے کہ مجرم کا کوئی عضو لوٹ نہ جائے، نیز فرماتے ہیں: جس آدمی کے پاس غلام ہوں تو اس پر واجب ہے کہ وہ انہیں معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے، اور اگر ان کو سزا دینے پر قادر ہو تو واجبات کے چھوڑنے اور محرمات کا ارتکاب کرنے پر تعزیر کرے۔ (توضیح الاحکام من بلوغ المرام)

بَاب الْحَدُّ كَفَّارَةٌ

یہ باب ہے کہ حد کفارہ ہوتی ہے

2603 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ وَابْنُ اَبِي عَدِيٍّ عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ عَنْ اَبِي قِلَابَةَ عَنْ اَبِي الْاَشْعَثِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَ مِنْكُمْ حَدًّا فَعُجِّلَتْ لَهُ عُقُوْبَتُهُ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ وَاِلَّا فَاَمْرُهُ اِلَى اللّٰهِ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

”تم میں سے جو شخص کسی حد کا ارتکاب کرے اور اسے (دنیا میں) جلدی سزا دے دی جائے تو یہ سزا اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گی ورنہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا“۔

شرح

حضرت علی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص، حد کا سزاوار ہو (یعنی کوئی ایسا گناہ کرے جس پر حد متعین ہے) اور پھر اسی دنیا میں اس کو سزا دے دی گئی (یعنی اس پر حد جاری کی گئی یا تعزیری یعنی کوئی اور سزا دی گئی تو) آخرت میں اس کو اس گناہ کی کوئی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ) اللہ تعالیٰ کی شان عدل یہ بعید ہے کہ وہ آخرت میں اپنے بندے کو دوبارہ سزا دے اور جو شخص کسی حد (یعنی گناہ) کا مرتکب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو چھپا لیا اور اس کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی شان کریمی سے یہ بعید ہے کہ وہ اس چیز پر دوبارہ مؤاخذہ کرے جس کو وہ معاف کر چکا ہے (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 774)

اور اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کو چھپا لیا الخ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے ندامت وشرم ساری کے ساتھ اپنے گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت وبخشش کا طلب گار رہا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کی پردہ پوشی فرمائی اور اس طرح اس کو اسی دنیا میں معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کی شان کریمی سے یہ امید ہے کہ آخرت میں بھی اس کو معاف کر دے۔

2603: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4438

سزا یافتہ کی برائی بیان کرنے کے سبب سخت وعید کا بیان

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ماعز اسلمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بارے میں چار بار یعنی چار مجلسوں میں یہ گواہی دی (یعنی یہ اقرار کیا) کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ بطریق زنا، جماع کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار (اس کے اقرار کرنے پر) منہ پھیر لیتے تھے (تاکہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کرے اور حد سے بچ جائے) اور پھر پانچویں بار اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "کیا تو نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی ہے؟ اس نے کہا کہ "ہاں!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کیا تو نے اس طرح صحبت کی کہ وہ (یعنی تیرا عضو مخصوص) اس (عورت کے حصہ مخصوص) میں غائب ہو گیا؟" اس نے کہا کہ "ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا جانتے ہو زنا کیا ہے کہا" ہاں! میں نے اس عورت کے ساتھ حرام طور پر وہ کام کیا ہے جو ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ حلال طور پر کرتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" (اچھا یہ بتا) یہ جو کچھ تو نے کہا ہے اس سے تیرا مقصد کیا ہے؟" اس نے کہا کہ "میں چاہتا ہوں کہ آپ (مجھ پر حد جاری فرما کر) مجھ کو (اس گناہ سے) پاک کر دیجئے۔ چنانچہ (اتنی جرح کرنے کے بعد جب اس کا جرم زنا بالکل ثابت ہو گیا تو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کو سنگساری کا) حکم جاری فرمایا اور اس کو سنگسار کر دیا گیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے دو آدمیوں کو یہ گفتگو کرتے ہوئے سنا کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے یہ کہہ رہا تھا" اس شخص کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس کے نفس نے اس کو (اپنے اقرار گناہ سے) باز نہ رکھا یہاں تک کہ وہ ایک کتے کی مانند سنگسار کیا گیا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اس وقت تو ان دونوں سے کچھ نہیں کہا البتہ کچھ دیر تک چلنے کے بعد ایک مرے ہوئے گدھے کے قریب سے گذرے جس کے پاؤں (اس کا جسم بہت زیادہ پھول جانے کے سبب) اوپر اٹھے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ فلاں فلاں (یعنی وہ دونوں) شخص کہاں ہیں (جنہوں نے ماعز کی اس وجہ سے تحقیر کی تھی کہ اس کو سنگسار کیا گیا تھا) انہوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ!" ہم دونوں (حاضر) ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں اترو اور اس گدھے کا مردار گوشت کھاؤ۔" انہوں نے (بڑی حیرت کے ساتھ) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کا گوشت کون کھاتا ہے؟ (یعنی اس کا گوشت کھائے جانے کے قابل نہیں ہے آپ ہم سے اس کے کھانے کو کیوں فرماتے ہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ابھی اپنے بھائی کی جو آبروریزی کی ہے وہ اس گدھے کا گوشت کھانے سے بھی زیادہ سخت (بری بات) ہے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بلاشبہ وہ (ماعز) جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت خزیمہ ابن ثابت کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہو جو حد کو واجب کرنے والا ہو اور پھر اس پر اس گناہ کی حد جاری کی جائے مثلاً کسی شخص نے زنا کیا اور اس کے کوڑے مارے گئے، یا کسی شخص نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا) تو وہ حد اس کے اس گناہ کا کفارہ ہے (یعنی حد جاری ہونے کے بعد وہ شخص اس گناہ سے پاک وصاف ہو جائے گا)۔ (شرح السنہ، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: حدیث نمبر 773)

پردہ پوشی کرنے کا بیان

2604- حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَمَّالُ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِىْ جُحَيْفَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَ فِى الدُّنْيَا ذَنْبًا فَعُوْقِبَ بِهٖ فَاللّٰهُ اَعْدَلُ مِنْ اَنْ يُّثَنِّىَ عُقُوْبَتَهٗ عَلٰى عَبْدِهٖ وَمَنْ اَذْنَبَ ذَنْبًا فِى الدُّنْيَا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاللّٰهُ اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يَّعُوْدَ فِىْ شَىْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ

◄► حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص دنیا میں کسی گناہ کا ارتکاب کرے اور اسے سزا دے دی جائے' تو اللہ تعالیٰ اس معاملے میں زیادہ عدل کرنے والا ہے کہ وہ اپنے بندے کو دوسری مرتبہ بھی سزا دے اور جو شخص دنیا میں کسی گناہ کا ارتکاب کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ اس معاملے میں زیادہ معزز ہے کہ جس چیز کو اس نے معاف کر دیا تھا اس میں دوبارہ اس پر گرفت کرے''۔

شرح

جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو (اسی دنیا میں اس سزا بھگتنے کے لئے) اس کو ظاہر کرنا (یعنی حاکم کے سامنے خود اپنے گناہ کا اقرار کرنا) اگرچہ اس کے ایمان کی پختگی، اس کے قلب واحساس کی سلامتی اور اس اللہ ترسی کا مظہر ہوگا لیکن اس کے حق میں زیادہ بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ وہ اپنے گناہ کو چھپا کر اپنے نفس کی پردہ پوشی کرے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ وطلب مغفرت وبخشش کرے۔

مسلمانوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرنا بہترین عمل ہے کیوں کہ یہ قیامت والے دن تمام مخلوقات کے سامنے ذلت ورسوائی سے بچنے کا سبب بنے گا۔

جو بھی انسان گناہ کرے اسے کبھی دوسروں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اس طرح وہ خود سے پردہ اٹھاتا ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس طرح اپنے لئے عزت چاہتا ہے اسی طرح دوسروں کے لئے بھی چاہے اور جس طرح اپنے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کی عزت خراب کرے اسی طرح دوسرے کے لئے بھی سوچے۔

پردہ پوشی" یا "عیب چھپانے" کا مطلب یہ ھے کہ دوسروں سے اُس کا ذکر نہ کرے اور اس عیب کی تشہیر نہ کرے۔ لیکن اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں کو یاد رکھنا ضروری ھیں۔

1۔ کسی کے عیب کو چھپانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز نہیں ھے لہٰذا اگر کوئی شخص اس عیب کے بارے میں سوال کرے تو اول تو جواب کو ٹالنے کی کوشش کرے اور اگر جواب دینا پڑے تو کوئی بات خلافِ واقعہ نہ کہے۔

2۔ کسی کے عیب کی پردہ پوشی اسی وقت جائز ھے جب اس عیب کا اثر اُسی شخص کی ذات تک محدود ھو لیکن اگر اُس سے کسی

2604 ,اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:2626

دوسرے کو نقصان پہنچنے کا بھی اندیشہ ہو تو متعلقہ شخص کو اُس عیب کے بارے میں بتا دینا جائز اور موجب ثواب ہے۔ بشرطیکہ نیت دوسروں کو نقصان سے بچانے کی ہو، کسی کو رسوا کرنا مقصد نہ ہو۔

3۔اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہو جس سے معاشرے میں بُرائی پھیلنے کا اندیشہ ہو تو متعلقہ حکام کو اُس سے باخبر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ کہ نیت اصلاح معاشرہ اور درستگی فرد ہو۔ کسی قسم کی ذاتی عناد اور دشمنی کا انتقام لینا مقصود نہ ہو۔

کسی مسلمان سختی کو دور کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو آدمی دنیا کی سختیوں میں سے کسی مسلمان کی کوئی سختی اور تنگی دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن وہاں کی سختیاں اس سے دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندوں کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرتا رہتا ہے اور جو آدمی علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کے راستہ کو آسان کر دیتا ہے اور جب کوئی جماعت اللہ کے گھر (مسجد یا مدرسہ) میں قرآن پڑھتی پڑھاتی ہے تو اس پر (اللہ کی جانب سے) تسکین نازل ہوتی ہے۔ رحمت الٰہی اس کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے اور فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ اس جماعت کا ذکر ان (فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس رہتے ہیں اور جس نے عمل میں تاخیر کی آخرت میں اس کا نسب کام نہیں آئے گا۔

(صحیح مسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد اول: حدیث نمبر 199)

اس حدیث سے اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی عظمت و برتری کا پتہ چلتا ہے، اسلام اپنی تعلیمات کے ذریعہ پوری انسانی برادری کے درمیان محبت و مروت، انسانی ہمدردی و رواداری، امداد و معاونت اور حسن سلوک کی اعلیٰ روح پیدا کرنا چاہتا ہے تا کہ انسان اخلاق و محبت کی ایک کڑی میں منسلک ہو کر پورے امن و سکون اور چین و راحت کے ساتھ حقوق عبدیت ادا کر سکیں۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم قیامت کے دن کی سختی سے بچنا چاہتے ہو تو تم اپنے بھائی کی خبر گیری کرو جو دنیا کی سختی میں پھنسا ہوا ہے، اگر اس پر کوئی سخت وقت آپڑا ہے تو اس کی مدد کرو۔ اگر وہ زندگی کی کسی الجھن میں پھنسا ہوا ہے تو اسے چھٹکارا دلاؤ۔ اگر وہ مصائب و تکلیف میں مبتلا ہے تو ان کو اس سے دور کرو۔ اس لئے کہ حسن سلوک کا یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر تم آخرت کی سختیوں سے نہایت آسانی کے ساتھ گزر جاؤ گے۔ اعلان کیا جا رہا ہے کہ اگر تم دین و دنیا دونوں جگہ کی آسانیاں چاہتے ہو۔

اگر تم اس کے متمنی ہو کہ دنیا کی کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومے اور آخرت کی فلاح و سعادت تمہارے حصہ میں آئے تو اپنے اس بھائی کی مدد کرو جو تنگدست ہے۔ مفلسی و متلاشی کے جال میں پھنسا ہوا ہے، بے روزگاری و تباہ حالی کی چکی میں پس رہا ہے، مثلاً اگر وہ مقروض ہے اور اللہ نے تمہیں وسعت دی ہے تو اس کا قرض ادا کر دو۔ اگر کوئی خود تمہارا مقروض ہے اور تم جانتے ہو کہ وہ قرض ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو تم اس کا قرض معاف کر دو، اگر کوئی انتہائی تباہ حال و پریشان ہے تو اس کی مدد کر کے تنگدستی سے اسے چھٹکارا دلاؤ۔ اگر کوئی اپنی ناداری و مفلسی کی بناء پر اپنی کسی سخت ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا تو تم اس کی اس ضرورت کو پورا کر دو

اور پھر دیکھو اللہ کی رحمت کس طرح بڑھ کر تمہیں اپنے دامن میں چھپاتی ہے۔

دنیا کی عزت و عظمت تمہارے قدموں میں کھیلتی نظر آئے گی اور زندگی کی ہر آسانی تمہارے لئے مہیا ہوگی اور نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی اللہ کی رحمت تمہارے ساتھ ہوگی، وہاں کی ہر سختی اور ہر آزمائش میں تمہارا ہی حسن سلوک مددگار و معاون ہوگا اور تم وہاں کے ہر امتحان میں کامیاب رہوگے۔ اسی طرح فرمایا گیا ہے کہ اگر تم دنیا و آخرت میں اپنے عیوب کی پردہ پوشی چاہتے ہو تو تم دنیا میں اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرو۔ یعنی کسی کے عیب کو لوگوں کے سامنے بیان کرکے اسے رسوا اور ذلیل نہ کرو۔ اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اسے لوگوں کے سامنے ظاہر کرکے اور برسرعام اچھال کے اسے شرمندہ نہ کرو کیونکہ یہ اللہ کا معاملہ ہے وہ اگر چاہے گا تو اسے دنیا ہی میں یا آخرت میں سزا دے گا ورنہ اپنی رحمت سے اسے معاف کردے گا۔

پردہ پوشی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی ناداری و مفلسی کی بنا پر لباس کی نعمت سے محروم ہے اور اتنا تنگدست و غریب ہے کہ اپنے ستر کو بھی نہیں چھپا سکتا تو چاہئے کہ اپنے اس نادار بھائی کی ستر پوشی کرے اس لئے کہ جو اپنے بھائی کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا میں اور قیامت میں اس کے عیوب اور گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے گا اور آخر میں عمومی طور پر یہ کلیہ بتا دیا گیا ہے کہ جب تک کوئی بندہ اپنے کسی بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اور اللہ کی مخلوق کی خبرگیری میں مصروف رہتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت رہتی ہے۔

حدیث میں طلب علم اور طالب علم کی فضیلت بھی ظاہر فرمائی جارہی ہے، چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو آدمی علم دین کے حصول کے لئے اپنے وطن و شہر کو چھوڑ کر عزیز و اقارب سے جدا ہو کر اور عیش و آرام پر لات مار کر حصول علم کے جذبہ سے باہر نکلتا ہے اور تلاش علم کے لئے راہ مسافرت پر گامزن ہوتا ہے تو رب قدوس اس کی ریاضت و مشقت اور جان کاہی و پریشانی کی وجہ سے اس پر بہشت کی راہ آسان کر دیتا ہے یعنی طالب علم کی کوششوں کے صلہ میں اسے جنت میں داخل کیا جائے گا یا یہ کہ اسے خداوند کی جانب سے اس عظیم سعادت کی توفیق ہوگی کہ اس نے جس علم کی تلاش میں اتنی مصیبتوں اور پریشانیوں کو برداشت کیا اس پر وہ نیک عمل بھی کرے جو جنت میں داخل ہونے کا سبب اور باعث ہے۔

اسی طرح جو لوگ مساجد و مدارس میں حصول علم میں منہمک ہوتے ہیں اور قرآن کے علوم و معارف سے استفادہ کرنے اور دوسروں کو پڑھانے میں مشغول ہوتے ہیں ان پر اللہ کی جانب سے بے پایاں رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان پر اللہ کی جانب سے تسکین کا نزول ہوتا ہے یعنی طلب علم کے سلسلہ میں ان کے اندر خاطر جمعی اور دلبستگی ودیعت فرمائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے قلوب دنیا کے عیش و عشرت، راحت و آرام اور غیر اللہ کے خوف و ڈر سے پاک صاف ہو کر ہر وقت اللہ کی طرف لو لگائے رہتے ہیں اور ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل نور الٰہی کی مقدس روشنی سے جگمگا اٹھتے ہیں نیز فرشتے ان کی عزت و توقیر کرتے ہیں اور فرط عقیدت سے ان لوگوں کو گھیرے رہتے ہیں اور پھر رب قدوس اس مقدس جماعت کا تذکرہ جو درس و تدریس میں مشغول ہوتی ہے اپنے ان فرشتوں کے درمیان کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں یہ اس جماعت کی انتہائی عظمت و فضیلت کی دلیل ہے۔

آخر حدیث میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی وکامرانی اور فلاح وسعادت کا دار ومدار عمل پر ہے۔ اگر دنیا میں عمل خیر میں کوتاہی نہیں تو آخرت میں عزت وعظمت کا حقدار ہوگا اور دنیا میں کسی نے عمل میں کوتاہی کی اگر چہ وہ دنیا میں کتنا ہی با اقبال وباعظمت کیوں نہ رہا ہو اور کتنا ہی بڑا حسب ونسب والا کیوں نہ ہو آخرت میں اس سے باز پرس ہوگی اور وہاں دنیا کی عالی نسبی اور وجاہت کچھ کام نہیں دے گی بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست (یعنی اے جامی) جب تم اسیر عشق ہو گئے تو حسب ونسب کے چکر میں نہ پڑو کیونکہ اس راہ میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں ہے۔

خود اپنے عیبوں پر پردہ ڈالنے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مدینہ کے کنارے میں نے ایک عورت کو گلے لگا کر سوائے صحبت کے اور سب کچھ کرلیا ہے، (یعنی صحبت تو نہیں کی لیکن بوس وکنار ہو گیا ہے اس لئے) میں حاضر ہو گیا ہوں جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں میرے بارے میں حکم فرمائیں۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے جو سزا بھی تجویز فرمائیں گے مجھے منظور ہوگی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جو اس وقت مجلس نبوی میں حاضر تھے یہ سن کر) فرمایا اللہ نے تو تمہارے عیب کی پردہ پوشی فرمائی تھی اگر تم بھی اپنے عیب کو چھپا لیتے تو (اچھا تھا) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ کے حکم کے انتظار میں) اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ وہ آدمی کھڑا ہوا اور چلا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا جو اسے بلا لایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ آیت (وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ،ہود:114) دن کے اول وآخر اور رات کی چند ساعتوں میں نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں اور یہ نصیحت، نصیحت ماننے والوں کے لئے ہے۔ لوگوں میں سے ایک آدمی (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ حکم خاص طور پر اسی کے لئے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں: سب لوگوں کے لئے یہی حکم ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد اول: حدیث نمبر 541)

گناہوں پر پردہ پوشی کی دعا مانگنے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ خندق کے دن ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا کوئی ذکر ودعا ہے جسے ہم پڑھیں اور کامیاب ہوں کیونکہ ہمارے دل گردن کو پہنچ گئے ہیں (یعنی انتہائی دشواریوں اور مشقتوں نے ہمیں گھیر لیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اور وہ یہ ہے۔ دعا اللّٰھم استر عوراتنا وامن روعاتنا۔ یعنی اے اللہ ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خوف سے امن میں رکھ! حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے منہ پر ہوا کے تھپیڑے مارے اور ہوا ہی کے ذریعہ انہیں شکست دی۔ (احمد، مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: حدیث نمبر 986)

خندق کے دن سے مراد غزوہ خندق ہے جسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بایں طور اپنی مدد

ونصرت سے نوازا کہ ہوا کے تیز وتند تھپیڑے دشمنان دین پر مسلط کر دیئے جنہوں نے ان کی ہانڈیاں الٹ دیں، ان کے خیمے اکھاڑ ڈالے اور انہیں طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کر دیا۔

اپنے عیوب ظاہر نہ کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پوری عافیت میں ہے علاوہ ان لوگوں کے جو اپنے عیوب اور گناہ کو ظاہر کرتے ہیں یعنی میری امت کے وہ سارے گنہگار جو ایمان کی حالت میں مریں اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے البتہ وہ لوگ یقیناً سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے جو نہ صرف گناہ کرتے ہیں بلکہ اپنے گناہ کو دنیا والوں پر ظاہر بھی کرتے پھرتے ہیں بلاشبہ یہ بات بڑی بے پروائی کی ہے کہ کوئی شخص رات میں برا کام کرے اور پھر صبح ہونے پر جب کہ اللہ نے اس کے اس برے کام کو چھپا لیا تھا تو وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ اے فلاں شخص میں نے آج رات میں ایسا ایسا (یعنی فلاں برا کام) کیا حالانکہ اس کے پروردگار نے رات میں اس کے گناہ کی پردہ پوشی کی تھی اور اس نے صبح ہوتے ہیں اللہ کے پردہ کو چاک کر دیا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد چہارم: حدیث نمبر 768)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب میں لفظ معافا کے معنی سلامت ومحفوظ رہنا لکھے ہیں گویا ان کے نزدیک کل امتی معافا الا المجاہرون، کا ترجمہ یوں ہوگا کہ میری امت کے تمام لوگ غیبت سے محفوظ و مامون ہیں یعنی شریعت الہٰی میں کسی مسلمان کی غیبت کرنے کو روا نہیں رکھا گیا ہے علاوہ ان لوگوں کے جو گناہ ومعصیت کے کھلم کھلا ارتکاب کرتے ہیں ایک دوسرے شارح حدیث طیبی نے بھی یہی معنی لکھے ہیں کہ لیکن ملا علی قاری نے یہ لکھا ہے کہ حدیث کا سیاق وسباق اور اس کا حقیقی مفہوم اس معنی پر دلالت نہیں کرتا چنانچہ ان کے نزدیک زیادہ مبنی برحقیقت کے معنی وہی ہیں جو ترجمہ میں نقل کئے گئے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی نے حدیث کی وضاحت میں لکھا ہے کہ شریعت نے جس غیبت کو حرام قرار دیا ہے وہ اس شخص کی غیبت ہے جو پوشیدہ طور پر کوئی گناہ کرتا ہے اور اپنے عیب کو چھپاتا ہے لیکن جو لوگ کھلم کھلا اور ڈھٹائی کے ساتھ گناہ کرتے ہیں اور اپنے عیب کو خود ظاہر کرتے پھرتے ہیں کہ نہ تو اللہ سے شرماتے ہیں اور نہ بندوں سے تو ان کی غیبت کرنا درست ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ فاسق معلن یعنی کھلم کھلا فسق وفجور کرنے والے کی غیبت کرنا جائز ہے نیز ظلم کرنے والے حاکم وسلطان اور مبتدع داعی کی اور دادخواہی وانظہار ظلم کے لئے غیبت کرنا بھی درست ہے اسی طرح اصلاح عیوب کی خاطر اور بقصد نصیحت کسی کی برائی کو بیان کرنا کسی کے گواہ وشاہد کے حالات کی چھان بین اور اس کے بارے میں صحیح اطلاعات بہم پہنچانے کی خاطر اس کے عیوب کو بیان کرنا اور اخبار واحادیث کے راویان کی حیثیت وشخصیت کو واضح کرنے کے لئے ان کے عیوب کو ظاہر کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے۔

مسلمانوں کا باہم بھائی بھائی ہونے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کا دینی بھائی ہے یعنی تمام مسلمان آپس میں دینی اخوت کا تعلق رکھتے ہیں اور اس اعتبار سے شریعت کو وہی مقام حاصل ہے جو ماں کو حاصل

ہوتا ہے اور شارع تمام مسلمانوں کے دینی باپ ہیں لہٰذا اس دینی اخوت کا تقاضا ہے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان پر ظلم نہ کرے اور کسی کو ہلاکت میں مبتلا نہ کرے اور نہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو اس کے دشمن کے ہاتھوں میں چھوڑے بلکہ اس دشمن کے مقابلہ پر اس کی مدد اعانت کرے اور یاد رکھو جو شخص کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کی سعی و کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے جو شخص کسی مسلمان بھائی کے کسی غم کو دور کرتا ہے تو اللہ اس کو قیامت کے دن غموں میں سے ایک بڑے غم سے نجات دے گا اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کے بدن یا اس کے عیب کو ڈھانکتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب کو ڈھانکے گا۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ المصابیح: جلد چہارم: حدیث نمبر 889)

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان بھائی کی ستر پوشی کرنے والے یا اس کے عیوب کو چھپانے والے شخص نے دنیا میں جو عیوب و گناہ کئے ہوں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے ان گناہ وعیوب کی پردہ پوشی کرے گا بایں طور کہ اہل موقف کے سامنے ظاہر نہیں کرے گا اس پر مواخذہ ومحاسبہ نہیں کرے گا اور نامہ اعمال کی پیشی کے وقت ان کا ذکر پوشیدہ طور پر ہوگا۔ علماء نے لکھا ہے کہ جن مسلمانوں کے عیوب کی پردہ پوشی مستحسن ومستحب ہے وہ اس درجہ کے مسلمان ہیں جن کو اہل عزت وحیاء کہا جاتا ہے یعنی وہ مسلمان جن کی ظاہری زندگی پاکیزہ اور آبرومندانہ سمجھی جاتی ہے اور جن کے عیوب پوشیدہ رہتے ہیں کہ اگر تقاضائے بشریت ان سے کوئی گناہ وعیب سرزد ہو جائے تو وہ اس کو پردہ حیاء میں چھپاتے ہیں رہے وہ مسلمان جو حیاء کا پردہ اٹھا دیتے ہیں جن کی ایذاء رسانی اور فتنہ پردازی آشکار ہوتی ہے اور علی الاعلان گناہ معصیت کا ارتکاب کرنے میں کوئی شرم اور جھجک محسوس نہیں کرتے ان کا معاملہ جداگانہ ہے کہ نہ صرف ان کو ان گناہ وعیوب پر ٹوکنا واجب اور ان کو ارتکاب معصیت سے منع کرنا اور تنبیہ کرنا لازم ہے بلکہ اگر وہ روکنے اور تنبیہ کرنے کے باوجود اپنی برائیوں اور گناہ وایذا رسانی سے باز نہ آئیں تو ان کے بارے میں حاکم کے یہاں اطلاع دینی چاہیے تاکہ وہ ان کو ایذاء رسانی اور فتنہ پردازی سے باز رکھے اسی طرح روایات حدیث اور مورخین پر جرح ونقد، ارباب حکومت اور گواہوں کی تحقیق اور اہل ظلم کے حالات کا اظہار بھی نہ صرف جائز بلکہ واجب لازم ہے کیونکہ ان صورتوں میں دین وعلم کی نگہبانی اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اس لئے مذکورہ بالا لوگوں کے حالات وعیوب کو بیان کرنا اس اظہار عیب میں داخل نہیں ہے جس کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کے عیب تلاش کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو با آواز بلند اس طرح مخاطب فرمایا اے وہ لوگو جو زبان سے تو اسلام لائے ہیں اور ان کے دل تک ایمان نہیں پہنچا ہے تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم ان مسلمانوں کو اذیت نہ دو جو کامل مسلمان ہیں بایں طور کہ انہوں نے زبان سے بھی اسلام کو قبول کیا ہے اور ان کا دل بھی ایمان سے نور سے منور ہے ان کو عار نہ دلاؤ اور ان کے عیب نہ ڈھونڈو۔ یاد رکھو جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرتا ہے اللہ اس کا عیب ڈھونڈے گا اور جس کا عیب اللہ تعالیٰ ڈھونڈے اس کا رسوا کیا جانا یقینی ہے اگرچہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر اپنے گھر میں چھپا ہوا کیوں نہ ہو۔

(ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح: جلد چہارم حدیث نمبر 972)

جو زبان سے اسلام لائے ہیں اس خطاب میں مومن اور منافق دونوں شامل ہیں اور اس کے آگے جو یہ فرمایا کہ جن کے دل ایمان تک نہیں پہنچا ہے یعنی ان کا دل اصل ایمان یا کمال ایمان کے نور سے منور نہیں ہوا ہے تو اس کے ذریعہ خطاب میں فاسق کو بھی شامل کر لیا گیا ہے یہ بات اس لئے بھی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ارشاد گرامی میں آگے یہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرتا ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب تمام مسلمانوں سے تھا خواہ وہ کامل مسلمان ہوں یا منافق اور یا فاسق۔

اگر خطاب صرف منافقین سے ہوتا چونکہ مسلمان اور منافق کے درمیان اخوۃ یعنی بھائی چارہ نہیں ہے اس لئے اس ارشاد گرامی میں اپنے مسلمان بھائی کا لفظ استعمال نہ کیا جاتا لہٰذا طیبی کا اس قول کا اختیار کرنا کہ اس ارشاد گرامی کے مخاطب صرف منافقین ہیں اور صرف انہیں پر اس حدیث کا اطلاق ہوتا ہے ظاہر مفہوم کے خلاف ہے۔ "عار نہ دلاؤ" کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اس کے اس گناہ پر طعن اور تنبیہ نہ کرو جو کبھی پہلے اس سے صادر نہ ہوا ہو خواہ اس گناہ سے اس کا توبہ کرنا تمہیں معلوم ہو یا نہ ہو البتہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب کی حالت میں ہو یا وہ کوئی گناہ کر چکا ہو اور وہ گناہ اس کے توبہ کرنے سے پہلے علم میں آ گیا ہو تو اس صورت میں اس کو اس گناہ پر طعن اور تنبیہ کرنا اس شخص پر واجب ہے جو اس پر قادر ہے اور اگر وہ گناہ قابل حد و تعزیر ہو تو اس پر حد اور تعزیر بھی جاری کرنا قاضی حاکم پر واجب ہوگا گویا اس صورت کا تعلق عار دلانے سے نہیں ہوگا بلکہ اس کا شمار امر بالمعروف نہی عن المنکر کے زمرہ میں ہوگا۔

نہ ان کے عیب ڈھونڈو" یعنی تم کسی مسلمان کے جن کے عیوب کو نہیں جانتے ہو اس کی ٹوہ میں نہ لگو اس کے جو عیوب تمہارے علم میں آ گئے ہیں ان کو دوسروں کے سامنے ظاہر نہ کرو اس سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان جو فاسق نہ ہو کے عیوب کی ٹوہ میں رہنے یا اس کے جو عیوب علم میں ہوں ان کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنے سے اجتناب کرنا واجب ہے اور جو شخص ایسا کرے اس سے خود بھی کنارہ کشی اختیار کرنا اور دوسروں کو بھی اس سے دور رکھنا واجب ہے۔

اللہ اس کے عیب ڈھونڈے گا" کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں کسی مسلمان کی عیب جوئی کرتا ہے یا کسی مسلمان کے عیوب کو ظاہر کرتا ہے دوسروں کے سامنے اس کو رسوا کرتا ہے اس کو جان لینا چاہیے کہ آخرت میں اس کے ساتھ بھی ایسا معاملہ ہوگا بایں طور کہ اللہ وہاں اس کے عیوب سے درگزر کرنے کے بجائے اس کی ایک ایک برائی پر نظر رکھے گا اور اس کے تمام عیوب کو مخلوق کے سامنے ظاہر کرے گا تا کہ جس طرح اس نے اپنے ایک مسلمان بھائی کو دنیا میں رسوا کیا تھا اسی طرح آخرت میں وہ خود بھی رسوا ہوگا اور ظاہر ہے کہ آخرت کی رسوائی دنیا کی رسوائی سے کہیں زیادہ ہوگی عطا نے لکھا ہے کہ کسی کے عیوب کی ٹوہ لگانا خود سب سے بڑا عیب ہے۔

امام غزالی نے لکھا ہے کہ عیب جوئی وہ خصلت ہے جو دراصل بدگمانی کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے جو شخص کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی قائم کر لیتا ہے وہ اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ٹوہ میں لگا رہے چنانچہ وہ ٹوہ میں لگا رہتا ہے اور جب اس کے علم میں کوئی عیب آ جاتا ہے تو پھر وہ اس کی پردہ دری کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے ایک مسلمان کے

کرداراس کی سماجی حیثیت اس کے شخص وقار اور اس کی نجی زندگی کو معاشرہ میں ذلت ورسوائی سے بچانے پر بڑا زور دیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس بات کی تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم کسی مسلمان کے کسی عیب کو جانو تو اس کو چھپاؤ نہ کہ اس کو اچھالتے پھرو نیز کسی شخص کو یہ اجازت نہیں ہے کہ کسی مسلمان کے نجی حالات کی جستجو کرے اس کی کمزوری کو کھوج کھوج کر دوسروں کے سامنے لائے اور اس کے کردار کے ان گوشوں میں جھانکنے کی کوشش کرے جن کو وہ دنیا کی نظروں سے چھپانا چاہتا ہے اس کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ شریعت نے کسی مسلمان کے عیوب کی پردہ پوشی کا جو حکم دیا ہے اس کی حد یہ ہے کہ اگر کسی کے پڑوس میں ایسا مکان ہے جہاں شغل مے نوشی ہوتا ہے اور راگ رنگ کی مجلس جمتی ہو تو اس شخص کو چاہئے کہ وہ خود اپنے مکان کا دروازہ بند کرے تاکہ اس کی نظر اس مذکورہ مکان کے درمیان جو دیوار حائل ہے اس سے کان لگا کر چوری چھپے اس آواز کو سننے کی کوشش نہ کرنی چاہیے جو اس مکان میں گانے بجانے اور راگ رنگ وغیرہ کے پیدا ہونے کا سبب ہے۔

اور نہ یہ جائز ہے کہ اس برائی کو دیکھنے کے لئے اس شخص کے گھر میں گھسا جائے ہاں اگر اس مکان کے مکین اپنے افعال بد کو خود ظاہر کر رہے ہوں جیسے وہ اتنی بلند آواز میں گانا بجانا کر رہے ہوں کہ باہر تک آواز آرہی ہو یا شرابی لوگ آپس میں شرابیوں جیسا کہ شور وشغب کر رہے ہوں اور ان کی آواز ان کے شغل مے نوشی بھی ان تک ظاہر ہو رہی ہو تو یہ دوسری بات ہے کہ اس طرح اگر وہ شخص ان کی ٹوہ لینے کے مقصد کے بغیر یونہی اس گھر میں چلا جائے اور وہ لوگ شغل مے نوشی یا گانا بجانا موقوف کر کے شراب کے برتن اور گانے بجانے کی چیزیں اپنے دامن وغیرہ کے نیچے چھپالیں تو اس شخص کے لئے یہ جائز نہ ہوگا اور نہ یہ جائز ہوگا اپنے پڑوسیوں سے دریافت کرتا پھرے کہ اس کے مکان میں کیا کیا ہوتا ہے۔

آخر میں ایک بات یہ جان لینی چاہیے کہ حدیث کے الفاظ ولم یفض الایمان الی قلبه (اور ان کے دل تک ایمان نہیں پہنچا ہے) میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب تک ایمان نور دل کو روشن نہیں کر دیتا اس وقت تک نہ اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور نہ اس کے حقوق ادا ہوتے ہیں اور یہ کہ قلب کے تمام روحانی امراض کا علاج اللہ کی معرفت اور اس کے حقوق کو ادا کرنے پر موقوف ہے چنانچہ جو شخص اللہ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور اس کے حقوق کو ادا کرتا ہے تو نہ وہ کسی کو تکلیف پہنچاتا ہے اور نہ کسی کو نقصان و ضرر میں مبتلا کرتا ہے نہ کسی کو عار دلاتا ہے اور نہ کسی کے احوال وکردار کی کمزوریوں اور اس کے عیوب کی تلاش وجستجو میں رہتا ہے۔

قیامت کے دن اہل ایمان کی پردہ پوشی ہونے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ مؤمن کو اپنے (فضل وکرم اور اپنی رحمت کے) قریب کرے گا اور (پھر) اس کو اپنی حفاظت اور اپنی عنایت کے سائے میں چھپائے گا تاکہ وہ اہل محشر پر اپنے گناہوں اور اپنی بداعمالیوں کے کھل جانے کی وجہ سے شرمندہ اور رسوا نہ ہو) پھر اللہ تعالیٰ اس (مؤمن) سے پوچھے گا کہ کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، یعنی کیا تجھے یاد اور اعتراف ہے کہ تو نے دنیا میں فلاں فلاں گناہ کئے تھے؟ وہ (مؤمن) عرض کرے گا کہ ہاں اے پروردگار (مجھے اپنا وہ گناہ یاد ہے اور اپنی بدعملی کا اعتراف کرتا ہوں غرضیکہ اللہ تعالیٰ اس (مؤمن) سے اس کے تمام گناہوں کا اعتراف واقرار کرائے گا اور وہ (مؤمن) اپنے دل میں کہتا ہوگا کہ (ان گناہوں کی پاداش) میں اب ہلاک ہوا،

اب تباہ ہوا! لیکن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں اور ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور آج بھی میں تیرے ان گناہوں کو بخش دوں گا" پس اس (مؤمن) کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا (اور برائیوں کا اعمال نامہ کالعدم کردیا جائے گا) اور جہاں تک کافروں اور منافق لوگوں کا تعلق ہے تو ان کو تمام مخلوق کے سامنے طلب کیا جائے گا اور پکار کر کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے (کفر وشرک کے ذریعہ) اپنے رب پر بہتان باندھا تھا، جان لو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ المصابیح: جلد پنجم: حدیث نمبر 125)

مؤمن" کا لفظ یا تو بطور نکرہ ہے کہ غیر متعین طور پر کسی بھی مؤمن کے بارے میں یہ بشارت دی گئی ہے اور یہ بھی بعید نہیں ہے" مؤمن" سے جنس مؤمن مراد ہو یعنی تمام مؤمنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کا یہی معاملہ فرمائے گا! اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہ بشارت ان مؤمن بندوں کے حق میں ہے جو اس دنیا میں کسی کی غیبت نہیں کرتے، کسی پر عیب نہیں لگاتے کسی کو ذلیل ورسوا نہیں کرتے، کسی مسلمان کی فضیحت سے خوش نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور لوگوں میں کسی کی آبروریزی کا باعث نہیں بنتے! پس اللہ تعالیٰ ان کے اوصاف کی جزا کے طور پر قیامت کے دن ان کی پردہ پوشی فرمائے گا اور ان کو اپنی حفاظت ورحمت کے سایہ میں چھپائے گا۔

بَاب الرَّجُلِ يَجِدُ مَعَ امْرَاَتِهِ رَجُلًا

یہ باب ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے شخص کو پائے

2605 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمَدِينِيُّ اَبُوْعُبَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ مُحَمَّدٍ الدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرَّجُلُ يَجِدُ مَعَ امْرَاَتِهِ رَجُلًا اَيَقْتُلُهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا قَالَ سَعْدٌ بَلٰى وَالَّذِي اَكْرَمَكَ بِالْحَقِّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْمَعُوْا مَا يَقُوْلُ سَيِّدُكُمْ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اور شخص کو پاتا ہے تو کیا وہ اسے قتل کردے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بولے: جی ہاں! اس ذات کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے (میں تو ایسا ہی کروں گا) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سنو! تمہارا یہ سردار کیا کہہ رہا ہے؟

شرح

دوسری روایت میں ہے: میں اس سے زیادہ غیرت رکھتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ سعد کا یہ کہنا بظاہر غیرت کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے مگر مجھ کو اس سے زیادہ غیرت ہے، اور اللہ تعالیٰ کو مجھ سے بھی زیادہ

2605: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3745' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4532

غیرت ہے، اس پر بھی اللہ نے جو شریعت کا حکم اتارا اسی پر چلنا بہتر ہے۔

2606 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ دَلْهَمٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ قَبِيصَةَ ابْنِ حُرَيْثٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ قَالَ قِيلَ لِأَبِي ثَابِتٍ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ حِينَ نَزَلَتْ آيَةُ الْحُدُودِ وَكَانَ رَجُلًا غَيُورًا أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّكَ وَجَدْتَ مَعَ امْرَأَتِكَ رَجُلًا أَيَّ شَيْءٍ كُنْتَ تَصْنَعُ قَالَ كُنْتُ ضَارِبَهُمَا بِالسَّيْفِ أَنْتَظِرُ حَتَّى أَجِيءَ بِأَرْبَعَةٍ إِلَى مَا ذَاكَ قَدْ قَضَى حَاجَتَهُ وَذَهَبَ أَوْ أَقُولُ رَأَيْتُ كَذَا وَكَذَا فَتَضْرِبُونِي الْحَدَّ وَلَا تَقْبَلُوا لِي شَهَادَةً أَبَدًا قَالَ فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَفَى بِالسَّيْفِ شَاهِدًا ثُمَّ قَالَ لَا إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَتَابَعَ فِي ذَلِكَ السَّكْرَانُ وَالْغَيْرَانُ

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ مَاجَهْ سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ يَقُولُ هَذَا حَدِيثُ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ الطَّنَافِسِيِّ وَفَاتَنِي مِنْهُ

◆◆ سلمہ بن محبق بیان کرتے ہیں: حضرت ابو ثابت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا، یہ اس وقت کی بات ہے جب حدود سے متعلق آیت نازل ہوئی تھی، وہ ایک غصے والے شخص تھے (ان سے کہا گیا) آپ کا کیا خیال ہے، اگر آپ اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو پاتے ہیں تو پھر آپ کیا کریں گے، انہوں نے جواب دیا: میں ان دونوں کو تلوار کے ذریعے قتل کر دوں گا، کیا مجھے انتظار کرنا چاہئے کہ جب تک میں چار گواہ نہیں لے آتا، اتنی دیر میں تو وہ شخص اپنا کام پورا کر کے چلا بھی گیا ہو گا یا پھر مجھے یہ کہنا چاہیے کہ میں نے ایسا، ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو تم لوگ پھر مجھ پر حد جاری کر دو گے اور آئندہ بھی میری گواہی کبھی قبول نہیں کرو گے۔

راوی کہتے ہیں: اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تلوار گواہ ہونے میں کافی ہے''۔

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نہیں! مجھے یہ اندیشہ ہے کہ نشے میں مبتلا لوگ یا تیز مزاج والے لوگ بکثرت ایسا کرنے لگ جائیں گے''۔

امام ابن ماجہ کہتے ہیں: میں نے امام ابوزرعہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے، یہ روایت علی بن محمد طنافسی سے منقول ہے اور اس کا کچھ حصہ مجھ سے ضائع ہو گیا ہے۔

بَاب مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةَ أَبِيهِ مِنْ بَعْدِهِ

یہ باب ہے کہ جو شخص اپنے باپ کے بعد اس کی بیوی سے شادی کر لے

2607 - حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ح و حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ أَبِي سَهْلٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ ابْنُ غِيَاثٍ

2606 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2607 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4456 'ورقم الحدیث: 4457 'اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1362 'اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 3331 'ورقم الحدیث 3332

جَمِيعًا عَنْ اَشْعَثَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَرَّ بِي خَالِي سَمَّاهُ هُشَيْمٌ فِي حَدِيثِهِ الْحَارِثَ بْنَ عَمْرٍو وَقَدْ عَقَدَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَاءً فَقُلْتُ لَهُ اَيْنَ تُرِيدُ فَقَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةَ اَبِيهِ مِنْ بَعْدِهِ فَاَمَرَنِي اَنْ اَضْرِبَ عُنُقَهُ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرے ماموں میرے پاس سے گزرے (ہشام نامی راوی نے اپنی روایت میں ان کا نام حارث بن عمرو ذکر کیا ہے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک جھنڈا دیا تھا میں نے ان سے دریافت کیا: آپ کہاں جارہے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کے ساتھ شادی کرلی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں اس کی گردن اڑادوں۔

2608- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنُ اَخِي الْحُسَيْنِ الْجُعْفِيِّ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مَنَازِلَ التَّيْمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيسَ عَنْ خَالِدِ بْنِ اَبِي كَرِيمَةَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةَ اَبِيهِ اَنْ اَضْرِبَ عُنُقَهُ وَاُصَفِّيَ مَالَهُ

معاویہ بن قرہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک ایسے شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے شادی کرلی تھی (اس کام کے لیے) کہ میں اس کی گردن اڑادوں اور اس کے مال پر قبضہ کرلوں۔

منکوحہ اب کی حرمت میں نص قطعی کا بیان

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا ۔(النساء، ۲۲)

اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو مگر جو ہو گزرا وہ بے شک بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت بری راہ۔ (کنز الایمان)

صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا تم نے عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پہ لیا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے اپنے لئے حلال کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سوتیلی ماؤں کی حرمت بیان فرماتا ہے اور ان کی تعظیم اور توقیر ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ باپ نے کسی عورت سے صرف نکاح کیا ابھی وہ رخصت ہو کر بھی نہیں آئی مگر طلاق ہوگئی یا باپ مرگیا وغیرہ تو بھی وہ سبب اور برا راستہ ہے اور جگہ فرماتا ہے آیت (ولا تقربوا الفواحش) الخ یعنی کسی برائی بے حیائی اور فحش کام کے قریب بھی نہ جاؤ یا وہ بالکل ظاہر ہو خواہ پوشیدہ ہو اور فرمان ہے آیت (ولا تقربوا الزنا) الخ، زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً وہ فحش کام اور بری راہ ہے یہاں مزید فرمایا کہ یہ کام بڑے بغض کا بھی ہے یعنی فی نفسہ بھی بڑا برا امر ہے اس سے باپ بیٹے میں عداوت پڑ جاتی ہے اور دشمنی قائم ہو جاتی ہے۔

یہی مشاہدہ میں آیا ہے اور عموماً یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے دوسرا نکاح کرتا ہے وہ اس کے پہلے خاوند سے بغض

2608: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہی رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں امہات المومنین قرار دے گئیں اور امت پر مثل ماں کے حرام کی گئیں کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں اور آپ مثل باپ کے ہیں، بلکہ اجماعاً ثابت ہے کہ آپ کے حقوق باپ دادا کے حقوق سے بھی بہت زیادہ اور بہت بڑے ہیں بلکہ آپ کی محبت خود اپنی جانوں کی محبت پر بھی مقدم ہے صلوات اللہ وسلامہ علیہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کام اللہ کے بغض کا موجب ہے اور برا راستہ ہے اب جو ایسا کام کرے وہ دین سے مرتد ہے اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال بیت المال میں بطور رفے کے داخل کر لیا جائے،

سنن اور مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے بعد نکاح کیا تھا کہ اسے قتل کر ڈالو اور اس کے مال پر قبضہ کر لو،

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میرے چچا حارث بن عمیر اپنے ہاتھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا جھنڈا لے کر میرے پاس سے گزرے میں نے پوچھا کہ چچا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کہاں بھیجا ہے؟ فرمایا اس شخص کی طرف جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہے مجھے حکم ہے کہ میں اس کی گردن ماروں (مسند احمد)

منکوحہ اب سے نکاح کرنے والے کی وعید کا بیان

حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ ایک دن میرے ماموں حضرت ابو بردہ بن نیار میرے پاس سے اس حال میں گزرے کہ ان کے ہاتھ میں ایک نشان تھا میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس شخص کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں لے آؤں۔ (ترمذی) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت میں نیز نسائی ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ ابو بردہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی گردن ماردوں اور اس کا مال واسباب لے آؤں۔ اور اس روایت میں میرے ماموں کی جگہ میرے چچا کے الفاظ ہیں (لہذا یہ بات مختلف فیہ ہو گئی کہ حضرت بردہ بن نیاز حضرت براء بن عازب کے ماموں تھے یا چچا تھے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ کو اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنے والے کی گردن مارنے کے لئے بھیجا تو ان کے ہاتھ میں بطور نشان ایک جھنڈا دے دیا تھا تاکہ لوگ اس علامتی جھنڈے کو دیکھ کر جان لیں کہ یہ شخص مذکورہ بالا خدمت کی انجام دہی کے لئے دربار رسالت فرستادہ ہے۔

علامہ طیبی شافعی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ کو جس شخص کی گردن مارنے کا حکم دیا تھا اس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر کے شریعت اسلام کے ایک ظاہری حکم کی خلاف ورزی ہی نہیں کی تھی بلکہ اس کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے جیسا کہ اہل جاہلیت یعنی کفار ایسا عقیدہ رکھتے تھے لہٰذا اسلامی شریعت کا یہ فیصلہ ہے کہ جو شخص کسی حرام چیز کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کر ڈالنا اور اس کا مال واسباب ضبط کر لینا جائز ہے۔

سوتیلی ماں سے نکاح حرمت پر اجماع

اس پر تو علماء کا اجماع ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کرلی خواہ نکاح کر کے خواہ ملکیت میں لا کر خواہ شبہ سے وہ عورت بیٹے پر حرام ہے، ہاں اگر جماع نہ ہوا ہو تو صرف مباشرت ہوئی ہو یا وہ اعضاء دیکھے ہوں جن کا دیکھنا اجنبی ہونے کی صورت میں حلال نہ تھا تو اس میں اختلاف ہے۔

امام احمد تو اس صورت میں بھی اس عورت کو لڑکے پر حرام بتاتے ہیں، حافظ ابن عساکر کے اس واقعہ سے بھی اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت خدیج حمصی نے جو حضرت معاویہ کے مولی تھے حضرت معاویہ کے لئے ایک لونڈی خریدی جو گورے رنگ کی اور خوبصورت تھی اسے برہنہ ان کے پاس بھیج دیا ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اس سے اشارہ کر کے کہنے لگے اچھا نفع تھا اگر یہ ملبوس ہوتی پھر کہنے لگے اسے یزید بن معاویہ کے پاس لے جاؤ پھر کہا نہیں نہیں ٹھہرو ربیعہ بن عمرو حرسی کو میرے پاس بلا لاؤ یہ بڑے فقیہ تھے جب آئے تو حضرت معاویہ نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میں نے اس عورت کے یہ اعضاء مخصوص دیکھے ہیں، یہ برہنہ تھی۔ اب میں اسے اپنے لڑکے یزید کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں تو کیا اس کے لئے یہ حلال ہے؟ حضرت ربیعہ نے فرمایا امیر المومنین ایسا نہ کیجئے یہ اس کے قابل نہیں رہی فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو اچھا جاؤ عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو بلا لاؤ وہ آئے وہ تو گندم گوں رنگ کے تھے اس سے حضرت معاویہ نے فرمایا اس لونڈی کو میں تمہیں دیتا ہوں تا کہ تمہاری اولاد سفید رنگ پیدا ہو یہ عبداللہ بن مسعدہ وہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو دیا تھا آپ نے انہیں پالا پرورش کیا پھر اللہ تعالیٰ کے نام سے آزاد کر دیا پھر یہ حضرت معاویہ کے پاس چلے آئے تھے۔

وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ (النساء ۲۳)

اور تمہاری نسلی بیٹوں کی بی بیاں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا مگر جو ہو گزرا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس سے مُتبنّٰی نکل گئے ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور رضاعی بیٹے کی بی بی بھی حرام ہے کیونکہ وہ نسبی کے حکم میں ہے اور پوتے پرپوتے بیٹوں میں داخل ہیں۔

فرمایا کہ عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو کہ تمہاری پشت سے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بیٹے یا پوتے نسبی ہوں منہ بولے یعنی لے پالک نہ ہوں جس کو متبنّٰی کہتے ہیں رضاعی سے احتراز نہیں اور اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کا یہ مطلب ہے، کہ زمانہ جاہلیت میں اس حکم سے پہلے جو دو بہنوں کو جمع کر لیتے تھے وہ معاف ہے اور فِیْ حُجُوْرِكُمْ فرمانے سے یہ مطلب ہے، کہ جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اور ان کی پرورش کرتے ہو یعنی اولاد جیسا ان سے معاملہ کرتے ہو اور گویا اولاد ہی سمجھتے ہو اس سے ان کے نکاح کی حرمت اور ظاہر ہوگئی یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرمت کے لئے گود میں رکھنا ضروری ہے۔

بَاب مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ

یہ باب ہے کہ جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف یا اپنے آزاد کرنے والے آقا کی طرف کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرلے

2609 - حَدَّثَنَا اَبُوْ بِشْرٍ بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي الضَّيْفِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ ابْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ انْتَسَبَ اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف خود کو منسوب کرے یا اپنے آزاد کرنے والے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف خود کو منسوب کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے''۔

2610 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدًا وَّاَبَا بَكْرَةَ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا يَقُوْلُ سَمِعَتْ اُذُنَايَ وَوَعٰى قَلْبِيْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ غَيْرُ اَبِيْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہمارے کانوں نے یہ بات سنی اور ہمارے ذہن نے اسے محفوظ رکھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اور وہ یہ بات جانتا ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے (جس کی طرف وہ خود کو منسوب کر رہا ہے) تو جنت اس شخص پر حرام ہو جاتی ہے۔

2611 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور (کا بیٹا ہونے) کا دعویٰ کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا، اگرچہ اس کی خوشبو پانچ سو برس کے فاصلے سے محسوس ہوتی ہے''۔

2609 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2610 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4326' ورقم الحدیث: 6766' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 216' ورقم الحدیث 217' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 5113

2611 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

نسب کے مؤثر ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جیسے سونے چاندی کی مختلف کانیں ہوتی ہیں یونہی آدمیوں کی ہیں، اور رگ خفیہ اپنا کام کرتی ہے، اور برا ادب بری رگ کی طرح ہے۔

(المسند لاحمد بن حنبل، ج ۲، ص ۵۳۹، اتحاف السادۃ، از امام زبیدی، ج ۱، ص ۷۲)

زانی کے لئے نسب ثابت نہ ہونے کا بیان

مسلم شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بچہ بستر والے (یعنی خاوند) کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں)۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عاھر زانی کو کہتے ہیں، زانی کے لیے پتھر ہیں کا معنی یہ ہے کہ: اسے ذلت ورسوائی ملے گی اور بچے میں اس کا کوئی حق نہیں۔

اور عرب عادتا یہ کہتے تھے کہ: اس کے لیے پتھر ہیں، اور اس سے وہ معنی یہ لیتے تھے کہ اس سوائے ذلت ورسوائی کے اور کچھ نہیں ملے گا۔

زنا سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوتا۔ مندرجہ بالا حدیث (بچہ بستر والے کا اور زانی کے لیے پتھر ہیں) کی بنا پر فقہاء کا کہنا ہے کہ ولد زنا کا نسب ثابت نہیں ہوتا، یعنی زنا سے پیدا شدہ بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے زانی سے ملحق کیا جائے گا۔

ولد زنا کے عدم نسب میں فقہاء کرام کے اقوال

اول: حافظ ابن حزم الظاہری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (زانی کے لیے پتھر ہیں) کے الفاظ کہہ کر زانی سے اولاد کی نفی کردی ہے، تو زانی پر حد ہے اور بچے کا الحاق زانی کے ساتھ نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر عورت بچہ جنتی ہے تو اسے ماں کے ساتھ ہی ملحق کیا جائے گا مرد کی طرف نہیں۔

اور اسی طرح وہ اپنی ماں کا اور ماں اس کی وارث ہوگی اس لیے کہ لعان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ عورت سے ملحق کیا اور مرد سے اس کی نفی کردی۔

دوم۔ فقہ مالکیہ میں ہے کہ: زانی کا پانی فاسد ہے اس لیے بچہ اس کی طرف ملحق نہیں ہوگا۔

سوم: فقہ حنفی میں ہے کہ: ایک شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ اس نے آزاد عورت کے ساتھ زنا کیا اور یہ بچہ اس کے زنا سے پیدا شدہ ہے اور عورت بھی اس کی تصدیق کردے تو پھر بھی نسب ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (بچہ بستر والے (خاوند) کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں) تو یہاں پر فراش اور بستر تو زانی کا ہے ہی نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کا حصہ تو صرف پتھر قرار دیے ہیں، تو اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ نسب میں زانی کا کوئی حصہ نہیں۔

زنا سے پیدا شدہ بچے کا الحاق زانیہ عورت سے ہوگا

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ولد زنا کا الحاق زانی سے نہیں ہوسکتا بلکہ جس زانی عورت نے اسے جنا ہے اس کے ساتھ ہی اس کا الحاق ہوگا، امام سرخسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "المبسوط" میں ذکر کیا ہے کہ کسی مرد نے یہ اعتراف کیا کہ اس نے آزاد عورت سے زنا کیا اور یہ اس کے زنا کا بیٹا ہے اور عورت نے بھی اس کی تصدیق کردی تو نسب اس سے ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں) اور زانی کا بستر نہیں۔ اور اگر اسی دائی نے اس کی ولادت کی گواہی دے دی تو اس کی وجہ سے بچے کا عورت کے ساتھ نسب ثابت ہوگا لیکن مرد سے نہیں۔

عورت کے ساتھ نسب کا ثبوت تو بچے کی ولادت ہے جو کہ دائی کی گواہی سے ظاہر ہوا ہے، اس لیے کہ عورت سے بچے کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا لہٰذا عورت سے بچے کا نسب ثابت ہوگیا۔

زانی مرد کا زنیہ عورت سے شادی کرنا اور بچے کے نسب میں اس کی اثر اندازی:

فقہ حنفیہ کی کتاب فتاوی ھندیہ میں ہے کہ: اگر کسی نے عورت سے زنا کیا تو وہ حاملہ ہوگئی پھر اس نے اسی عورت سے شادی کرلی تو اس نے اگر تو چھ یا چھ سے زیادہ ماہ کی مدت میں بچہ جنا تو اس سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا، اور اگر چھ ماہ سے قبل پیدائش ہو جائے تو پھر نسب ثابت نہیں ہوگا۔

لیکن اگر وہ اس کا اعتراف کرے کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے اور یہ نہ کہے کہ وہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہے، لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ وہ میرے زنا سے ہی پیدا ہوا ہے تو اس طرح نہ تو نسب ثابت ہوگا اور نہ ہی وہ اس کا وارث بنے گا۔

اور علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "المغنی" میں ذکر کیا ہے کہ جمہور علماء کے قول کے مطابق لعان کرنے والی عورت کے بچے کو لعان کرنے والا جب اپنے خاندان میں ملانا چاہے تو اسے اس کے ساتھ ہی ملحق کیا جائے گا، لیکن ولد زنا کو زانی سے ملحق نہیں جائے گا، یعنی جب زانی ولد زنا کو اپنے ساتھ ملانا چاہے تو اسے زانی کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا۔

علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ مالکی کہتے ہیں۔ کہ جاہلیت میں عادت تھی کہ زنا سے نسب کا الحاق کیا جاتا تھا، اور وہ لوگ زنا کے لیے لونڈیاں کرائے پر حاصل کرتے تھے اور ماں جس کا اعتراف کرلیتی بچہ اس کی طرف منسوب کردیا جاتا، اور اسلام نے آکر اسے باطل قرار دیا اور بچے کو شرعی بستر والے کی طرف منسوب کردیا، اور جب عبد بن زمعہ اور سعد بن ابی وقاص کا آپس میں تنازع پیدا ہوا اور سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عتبہ کی وصیت پر دور جاہلیت کے طریقہ پر عمل کرنا چاہا اور انہیں اسلام میں اس کے باطل ہونے کا علم نہ ہوا اور نہ ہی جاہلیت میں اس کی نسبت عتبہ کی طرف ہوسکی یا تو اس کا سبب عدم دعوی تھا، یا پھر بچے کی ماں نے عتبہ کا ہونے کا اعتراف نہ کیا، اور عبد بن زمعہ نے یہ دلیل لی کہ وہ اس کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ نے اسی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ اور وہ سب اس پر جمع ہیں کہ جب بچہ کسی آدمی کے بستر پر پیدا ہوا اور دوسرا شخص اس کا دعوی کرے کہ وہ بچہ میرا ہے تو وہ اس کی طرف ملحق نہیں ہوگا۔ (المغنی (228/6)

باندی کی بیع ہوجانے کے بچہ جننے کا بیان

جب کسی آدمی نے باندی کو بیچا پھر اس نے بچہ جنا اور بائع نے اس کا دعویٰ کر دیا تو اگر بیع کے دن سے چھ ماہ سے کم میں اگر باندی نے بچہ جنا ہو تو وہ بچہ بائع کا ہو گا اور اس کی ماں بائع کی ام ولد ہو گی قیاس میں اس کا دعویٰ باطل ہو گا۔

حضرت امام زفر اور حضرت امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اس لئے کہ بائع کا بیع کرنا اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ بچہ اس کا غلام ہے لہٰذا اس کے دعویٰ میں تناقض ہو گیا اور دعویٰ کے بغیر نسب ثابت نہیں ہوتا استحسان کی دلیل یہ ہے کہ بائع کی ملکیت سے علوق کا اتصال اس امر کی واضح شہادت ہے کہ وہ بچہ اس کا ہے اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہا یک مسلمان زنا نہیں کرے گا اور نسب کا مدار پوشیدگی پر ہے لہٰذا اس میں تناقض ہو سکتا ہے اور جب بائع کا دعویٰ صحیح ہے تو یہ دعویٰ وقت علوق کی طرف منسوب ہو گا اور یہ واضح ہو جائے گا کہ بائع نے اپنی ام ولد کو بیچا ہے اس لئے بیع کو فسخ کر دیا جائے گا اس لئے کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں ہے اور بائع ثمن کا واپس کرے گا اس لئے کہ اس نے ناحق ثمن پر قبضہ کیا ہے۔

اور جب بیع کے دو سال بعد باندی نے بچہ جنا تو بائع کا دعویٰ درست نہیں ہو گا اس لئے کہ یقینی طور پر علوق بائع کی ملکیت سے متصل نہیں ہے جبکہ علوق کا اتصال ہی دلیل اور حجت ہے مگر یہ کہ بائع خریدار کی تصدیق کر دے تو بائع سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اس کو استیلاد بالنکاح پر محمول کیا جائے گا اور بیع باطل نہیں ہو گی اس لئے کہ ہم کو یہ یقین ہے کہ علوق بائع کی ملکیت میں نہیں ہوا ہے۔

لہٰذا نہ تو آزادی کی حقیقت ثابت ہو گی اور نہ ہی آزادی کا حق ثابت ہو گا اور یہ دعویٰ تحریر کا دعویٰ ہو گا اور غیر مالک تحریر کے دعویٰ کا اہل نہیں ہوتا۔

ثبوت نسب میں مدت حمل کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ مہینے ہے اور زیادہ سے زیادہ دو سال لہٰذا جو عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہے اور عدت پوری ہونے کا عورت نے اقرار نہ کیا ہو اور بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے اور اگر عدت پوری ہونے کا اقرار کیا اور وہ مدت اتنی ہے کہ اُس میں عدت پوری ہو سکتی ہے اور وقتِ اقرار سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا جب بھی نسب ثابت ہے کہ بچہ پیدا ہونے سے معلوم ہوا کہ عورت کا اقرار غلط تھا اور ان دونوں صورتوں میں ولادت سے ثابت ہوا کہ شوہر نے رجعت کر لی ہے جبکہ وقت طلاق سے پورے دو برس یا زیادہ میں بچہ پیدا ہوا اور دو برس سے کم میں پیدا ہوا تو رجعت ثابت نہ ہوئی ممکن ہے کہ طلاق دینے سے پہلے کا حمل ہو اور اگر وقتِ اقرار سے چھ مہینے پر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں۔ یونہی طلاقِ بائن یا موت کی عدت پوری ہونے کا عورت نے اقرار کیا اور وقتِ اقرار سے چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے، ورنہ نہیں۔ جس عورت کو بائن طلاق دی اور وقتِ طلاق سے دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے اور دو برس کے بعد پیدا ہوا تو نہیں مگر جبکہ شوہر اُس بچہ کی نسبت کہے کہ یہ میرا ہے یا ایک بچہ دو برس کے اندر پیدا ہوا دوسرا بعد میں تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

("الدرالمختار"، کتاب الطلاق، فصل فی ثبوت النسب، ج ۵، ص ۲۳۷، بیروت)

وقت بیع سے چھ ماہ سے زائد پر جنم دینے کا بیان

اور جب اس لے بیع کے وقت سے چھ ماہ سے زائد میں اور دو سال سے کم مدت میں بچہ جنا تو نسب کے متعلق بائع کا دعویٰ مقبول نہیں ہوگا مگر یہ کہ خریدار اس کی تصدیق کردے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ علوق بائع کی ملکیت میں نہ ہوا ہو اور اس حوالے سے جیسا کہ کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا خریدار کی تصدیق ضروری ہے اور جب خریدار نے تصدیق کردی تو نسب ثابت ہوجائے گا بیع باطل ہوجائے گی اور یہ بچہ آزاد ہوگا اور اس کی ماں بائع کی ام ولد ہوگی جیسا کہ پہلے مسئلہ میں ہے اس لئے کہ بائع اور خریدار نے ایک دوسرے کی تصدیق کردی ہے اور یہ احتمال تو ہے ہی کہ علوق بائع کی ملکیت میں ہوا ہوگا۔

مدت حمل سے استدلال رجعت ونسب کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کس شخص نے اپنی عورت سے کہا اگر تو جنے تو تجھ کو طلاق ہے اُس کے بچہ پیدا ہوا طلاق ہوگئی پھر چھ مہینے یا زیادہ میں دوسرا بچہ پیدا ہوا تو رجعت ہوگئی اگرچہ دوسرا بچہ دو برس سے زیادہ میں پیدا ہوا کہ اکثر مدت حمل دو برس ہے اور اس صورت میں عدت حیض سے ہے تو ہوسکتا ہے کہ زیادہ زیادہ دنوں کے بعد حیض آیا اور عدت ختم ہونے سے پیشتر شوہر نے وطی کی ہو۔ہاں اگر عورت عدت گزرنے کا اقرار کرچکی ہو تو مجبوری ہے۔اور اگر دوسرا بچہ پہلے بچہ سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا تو بچہ پیدا ہونے کے بعد رجعت نہیں۔(درمختار، کتاب طلاق)

چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ جنم دینے پر عدم استیلاد کا بیان

جب بچہ فوت گیا اور بائع نے اس کے نسب کا دعویٰ کردیا جبکہ باندی نے اس کو چھ ماہ سے کم مدت میں جنا ہو تو ماں میں استیلاد ثابت نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ بچہ تابع ہے اور موت کے بعد اس کا نسب ثابت نہیں ہوا اس لئے کہ موت کے بعد نسب کے ثبوت کی ضرورت ہی نہیں رہی لہٰذا استیلاد کو اس کے تابع نہیں کیا جائے گا اور جب ماں مرگئی اور بائع نے نسب کا دعویٰ کردیا اور ماں نے چھ ماہ سے کم میں وہ بچہ جنا تھا تو بچے میں نسب ثابت ہوجائے گا اور بائع اس کو لے لے گا اس لئے کہ نسب کے معاملے میں ولد ہی اصل ہے لہٰذا تبع کا فوت ہونا اس کے لئے نقصان دے نہیں ہے اور ولد اس وجہ سے اصل ہے کہ ماں اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور اس کو ام ولد بولا جاتا ہے اور وہ ماں اسی ولد سے حریت حاصل کرتی ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس باندی کو اس کے بچے نے آزاد کردیا اور ماں کے لئے حریت کا حق ثابت ہوتا ہے جب کہ بچے کے لئے حریت کی حقیقت ثابت ہوتی ہے اور ادنی اعلی کا تابع ہوتا ہے۔

حضرت امام اعظم کے نزدیک بائع پورا ثمن واپس کرے گا جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ صرف لڑکے کے حصے کا ثمن واپس کرے گا اور ماں کے حصے کا ثمن واپس نہیں کرے گا اس لئے کہ یہ واضح ہوگیا کہ اس نے اپنی ام ولد کو بیچا ہے جبکہ امام اعظم کے نزدیک عقد اور غصب میں ام ولد کی مالیت متقوم نہیں ہے لہٰذا خریدار اس کا ضامن نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک خریدار اس کی مالیت کا ضامن ہوگا۔

دو شرکاء کا دعویٰ نسب کرنے کا بیان

جب دونوں شریکوں نے مل کر اکٹھا دعویٰ کیا تو دونوں سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اس صورت میں کہ جب وہ باندی دونوں کی ملکیت میں حاملہ ہوئی ہو حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کہ قیافہ شناس کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ یہ جانتے ہوئے کہ ایک بچہ دو نطفوں سے پیدا نہیں ہو سکتا تو ایک بچے کا نسب دو لوگوں سے ثابت کرنا ناممکن ہے پھر بھی ہم نے مشابہت پر عمل اور حضرت اسامہ کے متعلق ایک قیافہ شناس کے قول پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تھے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ مکتوب گرامی ہے جو اس واقعہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت شریح کو لکھا تھا دونوں شرکاء نے معاملہ ملا دیا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بھی ان پر حکم مبہم کر دو اور جب وہ معاملہ واضح کر دیں تو تم بھی ان پر حکم واضح کر دینا اور وہ ان دونوں کا بچہ ہوگا اور ان دونوں کا وارث ہوگا اور یہ دونوں شریک اس کے وارث ہوں گے اور ان میں سے جو زندہ رہ گیا اسے اس کی میراث ملے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب گرامی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں صادر ہوا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اس لئے کہ جب وہ سبب استحقاق میں برابر کے وارث ہیں تو استحقاق میں بھی وہ دونوں برابر کے وارث ہوں گے اور نصب کی اگر چہ جزیں نہیں ہوتی اسکے باوجود بھی کچھ ایسے احکام متعلق ہوتے ہیں جن میں جزیں ہو سکتی ہیں اس لئے جو حکم تجزی کو قبول کرے گا وہ انکے کے حق میں متجزی ہو کر ثابت ہو جائے گا اور جو حکم تجزی قبول نہیں کرے گا وہ ان میں سے ہر ایک کے حق میں پورے طریقے سے اس طرح ثابت ہوگا کہ دوسرا اس کے ساتھ نہیں تھا لیکن جب شریکین میں سے ایک دوسرے کا باپ ہو یا ایک مسلمان اور دوسرا ذمی ہو تو ان میں اس بچے کا باپ ہونے میں مسلمان ذمی سے زیادہ راجح ہوگا اس لئے کہ مسلمان کے حق میں مرجح موجود ہے اور وہ اسلام ہے اور باپ کے حق میں بھی مرجح موجود ہے اور وہ بچے کے حصے میں اس کا حق ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوش ہونا اس وجہ سے ہے کہ کفار حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب میں طعن کرتے تھے اور قیافہ شناس کا قول ان کے طعنے کو ختم کر رہا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوئے تھے۔ اور وہ باندی ان دونوں کی ام ولد ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا دعوٰی بچے کے متعلق اپنے حق میں درست ہے اسی وجہ سے باندی میں ہر شریک کا حصہ اپنے بچے کے تابع ہو کر اس شریک کا ام لد ہو جائے گا اور ان میں سے ہر شریک پر آدھا عقر واجب ہوگا تا کہ وہ بدل ہو جائے اس چیز کا جو ایک شریک کا دوسرے پر لازم ہے اور وہ بچہ ان دونوں شریکوں میں سے ہر ایک سے اتنا حصہ پائے گا جتنا کامل بیٹے کو دیا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کے کامل باپ کی میراث کا اقرار کیا تھا اور یہ اقرار ہر ایک شریک کے حق میں حجت ہے۔ اور یہ دونوں شریک اس بچے سے ایک باپ کی میراث پائیں گے کیونکہ دونوں سبب میں برابر ہیں جس طرح اس صورت میں جب دونوں نے بینہ پیش کر دیا ہو۔

ولد کے اصل اور ماں کے تابع ہونے کا بیان

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ کہ جامع صغیر میں ہے کہ جب کسی آدمی کی ملکیت میں باندی حاملہ ہوئی پھر اس نے اس کو فروخت کر

دیا اور خریدار کے قبضہ میں اسنے بچہ جنا اور بائع نے اس بچے کا دعویٰ کر دیا جبکہ خریدار ماں کو آزاد کر چکا ہے تو وہ بچہ بائع کا ہوگا اور بائع خریدار کو اس کے حصے کا ثمن واپس کرے گا اور خریدار نے بچے کو آزاد کیا ہو تو بائع کا دعویٰ ساقط ہو جائے گا۔

فرق کا سبب یہ ہے کہ اس میں ولد اصل ہے اور ماں اسکے تابع ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور پہلی صورت میں دعویٰ اور استیلاد سے مانع موجود ہے اور وہ تابع یعنی ماں کا آزاد ہو جانا ہے لہٰذا یہ آزادی اصل میں ثبوت نسب سے مانع نہیں ہوگا اور بچے کے آزادی سے اس کی ماں کا آزاد ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ مغرور آدمی کا لڑکا آزاد ہوتا ہے حالانکہ اس بچے کی ماں اپنے آقا کی مملوک رہتی ہے اور جیسا کہ نکاح سے باندی کا بچہ ہونا۔

اور دوسری صورت میں اصل یعنی ولد کی وجہ سے مانع موجود ہے لہٰذا یہ بچہ میں بھی اور ماں میں بھی نسب اور آزادی کو ثابت کرنے سے مانع ہوگا اور اعتاق اس وجہ سے مانع ہے اس لئے کہ وہ نقض کا احتمال نہیں رکھتی جیسا کہ استحقاق نسب اور استیلاد کا حق لہٰذا اس اعتبار سے دونوں برابر ہیں اور بچہ میں خریدار کی طرف سے حقیقی اعتاق ثابت ہے جبکہ ماں میں حریت کا حق ثابت ہے اور بچہ میں بائع کی طرف سے دعویٰ کا حق موجود ہے اور حق حقیقت کے لئے عارضہ نہیں ہوتا اور مدبر بنانا اعتاق کے درجہ میں ہے اس لئے کہ تدبیر میں بھی بطلان کا احتمال نہیں ہوتا اور تدبیر سے بھی آزادی کے کچھ اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں۔

اور پہلی فصل امام محمد کا یہ قول **یرد علیه بحصته من الثمن** صاحبین کا قول ہے اور امام اعظم کے نزدیک پورا ثمن واپس کرنا ہوگا یہی درست ہے جس طرح کہ موت کی فصل میں ہم کر چکے ہیں۔

اقرار سے نسبت ولد ہونے کا بیان

اور اگر کوئی مرد یا عورت یہ اقرار کرے کہ لاوارث بچہ اس کا ہے تو بچہ اس کی طرف ہی منسوب ہوگا، اس لیے کہ بچے کی مصلحت اسی میں ہے کہ اس کا نسب مل جائے، اور اس کا کسی دوسرے کو کوئی نقصان اور ضرر نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے نسب کا دعویٰ کرنے والا منفرد شخص ہو، اور یہ بھی ممکن ہو کہ بچہ اس سے ہو۔

لیکن اگر اس کے نسب کا دعویٰ کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں تو صاحب دلیل کو مقدم کیا جائے گا، اور اگر ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی دلیل نہ ہو یا پھر دلائل آپس میں تعارض رکھتے ہوں تو بچے کو ان کے ساتھ قیافہ لگانے والے پر پیش کیا جائے گا اور قیافے والا بچے کو جس کے ساتھ ملحق کرے گا بچہ اس شخص کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔

اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی صحابہ کرام کی موجودگی میں یہی فیصلہ کیا تھا، اور اس لیے بھی کہ قیافہ والے قوم میں سب سے زیادہ نسب کو جانتے ہیں، اور اس میں صرف ایک قیافہ شناس ہی کافی ہوگا، اور اس میں شرط یہ ہے کہ وہ قیافہ لگانے والا مرد ہو اور عادل اور اور اس کے قیافہ کے صحیح ہونے کا تجربہ بھی ہو۔

فروخت شدہ غلام پر دعویٰ نسب کرنے کا بیان

جب کسی آدمی نے ایسا غلام بیچا جو اس کے پاس پیدا ہوا تھا اور خریدار نے اس کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا پھر بائع اول نے اس

کے نسب کا دعویٰ کیا تو وہ غلام اس کا بیٹا ہوگا اور بیع ساقط ہو جائے گی اس لئے کہ بیع میں نقض کا احتمال ہے لیکن بائع کا جو دعویٰ ہے اس میں نقض کا احتمال نہیں ہے لہٰذا اس کے سبب بیع ساقط ہو جائے گی۔

اسی طرح جب خریدار نے اس لڑکے کو مکاتب بنا دیا یا رہن رکھ دیا یا اسے کرایہ پر دے دیا یا اس کی ماں کو مکاتب بنایا ہو یا اس کو رہن رکھا ہو یا اس کا نکاح کر دیا ہو پھر بائع اول نے دعویٰ کیا ہو اس لئے کہ یہ امور بطلان کا احتمال رکھتے ہیں لہٰذا ان میں سے ہر ایک باطل ہو جائے گا اور دعویٰ درست ہوگا اعتاق اور تدبیر کے خلاف جیسا کہ گزر چکا ہے اور اس صورت کے خلاف جب پہلے خریدار نے دعویٰ کیا ہو پھر بائع نے دعویٰ کیا ہو تو اس صورت میں بائع سے نسب ثابت نہیں ہوگا اس لئے کہ جو نسب خریدار سے ثابت ہو چکا ہے اس میں نقض کا احتمال نہیں ہے تو یہ خریدار کے لئے آزاد کرنے کی طرح ہو جائے گا۔ (ہدایہ)

دو جڑوے بچوں میں دعویٰ نسب کا بیان

جب کسی آدمی نے دو جڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا دعویٰ کیا تو دونوں بچوں کا نسب ہی اس سے ثابت ہو جائے گا اس لئے کہ وہ دونوں ایک ہی نطفے سے پیدا ہوئے ہیں لہٰذا ان میں سے ایک کا نسب ثابت ہونے سے یقیناً دوسرے کا بھی نسب ثابت ہو جائے گا یہ حکم اس سبب سے ہے کہ جڑواں بچے وہی کہلاتے ہیں جن کی پیدائش میں چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو اور دوسرے بچے کا حمل قرار پانا متصور نہ ہو اس لئے چھ ماہ سے کم میں حمل کا تصور نہیں ہے۔

جامع صغیر میں ہے کہ جب کسی آدمی کے پاس دو غلام ہوں اور وہ دونوں اس کے پاس پیدا ہوئے ہوں اور قابض نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا اور مشتری نے اس کو آزاد کر دیا پھر بائع کے قبضہ میں جو غلام تھا اس کے بارے میں نسب کا دعویٰ کیا تو وہ دونوں اس کے بیٹے ہوں گے اور مشتری کی آزادی ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ جب علوق اور دعویٰ ے متصل ہونے کی وجہ سے اس بچے کے نسب کا دعویٰ ثابت ہو گیا جو بائع کے قبضہ میں ہے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اس لئے کہ مسئلہ اس حال میں فرض کیا گیا ہے کہ علوق اور ولادت دونوں چیزیں بائع کی ملکیت میں ہوئی ہیں پس جب بائع نے اس بچے کو اپنے سے پیدا ہونے کا اقرار کر لیا تو تو بچہ میں اصلی حریت ثابت ہو جائے گی اور مشتری کا آزادی باطل ہو جائے گا اس صورت کے خلاف کہ جب بچہ ایک ہو اس لئے کہ اس صورت میں بائع کے دعوے کا حق بن کر بالقصد آزادی باطل ہوگا اور صورت مسئلہ میں اصل آزادی کے سبب تبعیت کے طور پر مشتری کی آزادی باطل ہے لہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق ہو گیا اور جب اصل علوق بائع کی ملکیت میں نہ ہوا ہو تو اسی لڑکے کا نسب اس سے ثابت ہوگا جو اس کے قبضہ میں ہے اور جو اس نے بیچ دیا ہے اس میں بیع باطل نہیں ہوگی کیونکہ یہ دعویٰ تحریر ہے اس لئے کہ علوق اور نسب کے دعویٰ میں اتصال نہیں ہے لہٰذا یہ دعویٰ بائع کے محل ولایت پر انحصار کرنے والا ہوگا۔

علامہ قاضی احمد بن فراموز حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب دو توام بچے (جوڑواں) پیدا ہوئے یعنی دونوں ایک حمل سے پیدا ہوئے، دونوں کے مابین چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہے ان میں سے ایک کے نسب کا اقرار دوسرے کا بھی اقرار ہے ایک کا نسب جس سے ثابت ہوگا دوسرے کا بھی اُسی سے ثابت ہوگا۔ (درر الاحکام، کتاب دعویٰ، بیروت)

نسب کا سماع سے ثابت ہو جانے کا فقہی بیان

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں قصداً ثابت نہیں ہوتیں جیسے کسی شخص کے پاس کھانا لانے والے مجوسی کا خبر دینا کہ اس کو فلاں مسلمان نے یہ کھانا تیرے لئے بطور ہدیہ دے کر تیرے پاس بھیجا ہے، بیشک مجوسی کا قول معاملات میں مقبول ہوتا ہے اور تحائف بھیجنا معاملات میں سے ہے، پھر اس کھانے کا حلال ہونا ضمناً ثابت ہو جائے گا اگرچہ امور دینیہ میں کافر کا قول بالکل مقبول نہیں ہوتا اور حلال وحرام ہونا امور دینیہ میں سے ہے،

یہی تعلیل بعینہ علامہ زیلعی کی تبیین الحقائق میں دیکھی جہاں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ملک کو اس کی حدود کے ساتھ دیکھا کہ فلاں ابن فلاں کی طرف منسوب ہوتی ہے جبکہ اس نے مالک کو نہ تو چہرے سے پہچانا اور نہ ہی اس کے نسب کو جانا پھر وہ شخص آیا جس کی طرف ملک محدود کی نسبت کی جاتی ہے اور خاص اسی ملک محدود کے مالک ہونے کا دعویٰ کیا تو شاہد کو اس کی ملک پر گواہی دینا بطور استحسان حلال ہے کیونکہ نسب سماع سے ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا مالک لوگوں سے سن کر اور ملک دیکھ کر معلوم ہو گیا، اور اگر اس طرح کی گواہی مسموع نہ ہو تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے کیونکہ لوگوں میں کچھ نقاب پوش ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں بالکل سامنے نہیں آتے تو ایسے شخص کو ملک میں تصرف کرتے ہوئے دیکھنا شاہد کے لئے متصور نہیں، اور یہ تسامع سے ملک کو ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو تسامع سے نسب کا اثبات ہے اور اس کے ساتھ ضمن میں ملک کا اثبات ہے اور یہ ممتنع نہیں، ممتنع تو قصداً تسامع سے ملک کا اثبات ہے (تبیین الحقائق، کتاب شہادت، بولاق مصر)

اقرار نسب میں اقرار اول کا دوسرے اقرار سے قوی ہونے کا بیان

جب کسی آدمی کے پاس ایک بچہ ہو اور قابض یہ کہتا ہو کہ یہ میرے فلاں غائب غلام کا بچہ ہے پھر قابض نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو وہ بچہ کبھی بھی قابض کا بیٹا نہیں ہو سکتا اگرچہ غلام اس بات کا انکار بھی کر دے کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے یہ حکم حضرت امام اعظم کے نزدیک ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ جب غلام انکار کر دے تو وہ بچہ آقا کا ہوگا اسی اختلاف پر یہ بھی ہے کہ جب اس نے یہ کہا کہ یہ بچہ فلاں کا ہے اور اسی سے پیدا ہوا ہے پھر اپنے لئے اس کا دعویٰ کر لیا صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ غلام کے رد کر دینے سے اقرار رد ہو جاتا ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ اقرار تھا ہی نہیں اور نسب کا اقرار کر دینے سے رد ہو جاتا ہے اگرچہ اس میں نقض کا احتمال نہیں ہوتا کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اس میں اکراہ اور ہزل اپنا اثر دکھاتے ہیں تو یہ ایسا ہو گیا کہ گویا مشتری نے یہ اقرار کیا کہ بائع نے مبیع غلام کو بیچنے سے پہلے ہی آزاد کر دیا تھا مگر بائع نے اس کی تکذیب کر دی پھر مشتری نے کہا کہ میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا تو ولاء مشتری کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اس صورت کے خلاف کہ جب غلام آقا کی تصدیق کر دے تو بھی آقا کے دعوے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ اب وہ ایسے نسب کا دعویٰ کر رہا ہے جو دوسرے سے ثابت ہے اور اس صورت کے خلاف کہ جب غلام نہ تو تصدیق کرے اور نہ ہی تکذیب کرے اس لئے کہ غلام کے تصدیق کرنے کی صورت میں اس بچے سے مقر لہ کا حق متعلق ہو چکا ہے تو وہ بچہ ملاعنہ کے

بچے کی طرح ہو جائے گا کہ ملاعن کے علاوہ اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا اس لئے کہ ملاعن کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو جھٹلا دے
حضرت امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ نسب ان چیزوں میں سے ہے جن کے ثابت ہونے کے بعد ان کے باطل ہونے کا احتمال نہیں ہوتا اور اس جیسا اقرار بھی رد کرنے سے رد نہیں ہوتا لہٰذا اقرار باقی رہے گا اور مدعی کا دعوی ممتنع ہوگا جیسا کہ کسی آدمی نے دوسرے کے خلاف کسی چھوٹے بچے کے نسب کی گواہی دی پھر کسی تہمت کے سبب اس کی گواہی رد ہوگئی اس کے بعد اس نے اپنے لئے اس کے نسب کا دعوی کر دیا تو اس کا دعوی مردود ہوگا اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ مقرلہ کی تصدیق کے سبب اس بچے کا حق اس سے وابستہ ہوگیا حتی کہ تکذیب کے بعد مقرلہ اس کی تصدیق کر دے پھر بھی اسی سے نسب ثابت ہوگا نیز اقرار کے سبب اس بچے کا حق بھی اس سے متعلق ہوگیا ہے لہٰذا مقرلہ کے انکار سے نسب کا انکار نہیں ہوگا۔
اور ولاء کا مسئلہ بھی اسی اختلاف کی بناء پر ہے اور اگر ہم اس کو متفق علیہ مان بھی لیں تو ولاء اقوی سے پیش آنے سے ساقط ہو جائے گا جس طرح ماں کی طرف سے باپ کی طرف ولاء منتقل ہو جاتا ہے اور صورت مسئلہ میں ولاء موقوف پر ایسی چیز حاوی ہوگئی ہے جو اس سے بھی اقوی ہے یعنی مشتری کا دعوی لہٰذا اس دعوی کیسبب ولاء موقوف ساقط ہو جائے گا نسب کے خلاف جیسے کہ گذر چکا ہے اور یہ مسئلہ امام اعظم کی اصل پر اس آدمی کے حق میں حیلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جو کسی غلام کو بیچے اور اس کو بیع کے بعد دوسرے کی طرف سے دعوے کا خوف ہو تو وہ دوسرے کے لئے نسب کا اقرار کر کے اس کا دعوی خارج کر دے۔

حق ولاء کے سبب نسب ووراثت میں حقدار ہونے کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مثال اس کی یہ ہے ملاعنہ عورت کا لڑکا اپنی ماں کے موالی کی طرف منسوب ہوگا اگر وہ مر جائے گا وہی اس کے وارث ہوں گے اگر جنایت کرے گا وہی دیت دیں گے پھر اس عورت کا خاوند اقرار کر لے کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس کی ولاء باپ کے موالی کو ملے گی وہی وارث ہوں گے وہی دیت دیں گے مگر اس کے باپ پر حد قذف پڑے گی مالک نے اسی طرح کہا اگر عورت ملاعنہ عربی ہو اور خاوند اس کے لڑکے کا اقرار کر لے کہ میرا لڑکا ہے تو وہ لڑکا اپنے باپ سے ملا دیا جائے گا۔ جب تک خاوند اقرار نہ کرے تو اس لڑکے کا ترکہ اس کی ماں اور اخیافی بھائی کو حصہ دے کر جو بچ رہے گا۔ مسلمانوں کا حق ہوگا اور ملاعنہ کے لڑکے کی میراث اس کی ماں کے موالی کو اس واسطے ملتی ہے کہ جب تک اس کے خاوند نے اقرار نہیں کیا نہ اس لڑکے کا نسب ہے نہ اس کا کوئی عصبہ ہے جب خاوند نے اقرار کر لیا نسب ثابت ہوگیا اپنے عصبہ سے مل جائے گا۔
حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس غلام کی اولاد آزاد عورت سے ہو اور غلام کا باپ آزاد ہو وہ، اپنے پوتے یا ولاء کا مالک ہوگا جب تک باپ غلام رہے گا جب باپ آزاد ہو جائے گا تو اس کے موالی کو ملے گی اگر باپ غلامی کی حالت میں مر جائے گا تو میراث اور ولاء دادا کو ملے گی اگر اس غلام کے دو آزاد لڑکوں میں سے ایک لڑکا مر جائے اور باپ ان کا غلام ہو تو ولاء اور میراث اس کے دادا کو ملے گی۔ (مؤطا امام مالک، ج ا، حدیث، ۱۱۶۶)

دعویٰ آزادی کا دعویٰ غلامی سے قوی ہونے کا بیان

جب کسی مسلمان اور نصرانی کے قبضہ میں ایک بچہ ہو اور نصرانی کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور مسلمان کہے کہ یہ میرا غلام ہے تو وہ

نصرانی کا بیٹا ہوگا یا آزاد ہوگا اس لئے کہ اسلام کو ترجیح دی جاتی ہے لیکن ترجیح تعارض کا تقاضہ کرنے والی ہوتی ہے اور یہاں پر تعارض نہیں ہے اور بچے کو نصرانی کا بیٹا بنانے میں اس کے ساتھ زیادہ شفقت ہے اس لئے کہ وہ اسی وقت حریت سے مشرف ہو جائے گا اور کچھ دنوں بعد اسلام سے بھی مشرف ہو جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ظاہر ہیں اور اگر اس کو غلام مان لیا جائے تو وہ اپنے آقا کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا اور آزادی کی نعمت سے محروم رہے گا اور بعد میں بھی آزادی حاصل کرنا اس کے بس میں نہیں ہوگی اور جب دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہو کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کو مسلمان کا بیٹا قرار دینا زیادہ راجح ہے اس لئے کہ اس میں اسلام کو غلبہ ہوگا اور بچے کے حق میں شفقت بھی زیادہ ہوگی۔

علامہ قاضی احمد بن فراموز حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب ایک بچہ کے متعلق ایک مسلم اور ایک کافر دونوں دعویٰ کرتے ہیں مسلمان کہتا ہے یہ میرا غلام ہے اور کافر کہتا ہے میرا بیٹا ہے وہ بچہ آزاد اور اُس کافر کا بیٹا قرار دیا جائے گا اور اگر مسلمان نے پہلے دعویٰ کر دیا ہے تو مسلمان کا غلام قرار دیا جائے گا اور اگر مسلمان و کافر دونوں نے اُس کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا تو مسلم کا بیٹا قرار دیا جائے گا۔ (دررالاحکام، کتاب دعویٰ، بیروت)

عورت کا کسی بچے کے متعلق دعویٰ کرنے کا بیان

جب کسی عورت نے کسی بچے کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو اس کے دعوے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جب تک کہ ولادت پر کوئی عورت گواہی دے اور صورت مسئلہ یہ ہے کہ وہ عورت شوہر والی ہو اس لئے کہ وہ دوسرے پر نسب لادنے کا دعویٰ کر رہی ہے لہٰذا دلیل کے بغیر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مرد کے خلاف اس لئے کہ وہ اپنے اوپر نسب کو لا درہا ہے پھر اس سلسلے میں دائی کی گواہی کافی ہوگی اس لئے کہ یہاں تعین ولد کی ضرورت ہے، رہا نسب تو وہ موجودہ زوجیت سے ثابت ہے اور یہ درست ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت کے بارے میں دائی کی گواہی کو قبول فرمایا ہے۔

ولادت میں تنہا دائیہ کی گواہی کے مقبول ہونے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ وقت نکاح سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں اور چھ مہینے یا زیادہ پر ہوا تو ثابت ہے جبکہ شوہر اقرار کرے یا سکوت اور اگر کہتا ہے کہ بچہ پیدا ہی نہ ہوا تو ایک عورت کی گواہی سے ولادت ثابت ہو جائے گی اور اگر شوہر نے کہا تھا کہ جب تو جنے تو تجھ کو طلاق اور عورت بچہ پیدا ہونا بیان کرتی ہے اور شوہر انکار کرتا ہے تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوگی تنہا جنائی کی شہادت ناکافی ہے۔ یونہی اگر شوہر نے حمل کا اقرار کیا تھا یا حمل ظاہر تھا جب بھی طلاق ثابت ہے اور نسب ثابت ہونے کے لیے فقط جنائی کا قول کافی ہے۔ اور اگر دو بچے پیدا ہوئے ایک چھ مہینے کے اندر دوسرا چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے بعد تو دونوں میں کسی کا نسب ثابت نہیں۔ نکاح میں جہاں نسب ثابت ہونا کہا جاتا ہے وہاں کچھ یہ ضرور نہیں کہ شوہر دعوے کرے تو نسب ہوگا بلکہ سکوت سے بھی نسب ثابت ہوگا اور اگر انکار کرے تو نفی نہ ہوگی جب تک لعان نہ ہوا اور اگر کسی وجہ سے لعان نہ ہو سکے جب بھی ثابت ہوگا۔ (عالمگیری، باب ثبوت نسب)

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون غنیتہ سے نکاح کرلیا۔ ایک عورت نے ان سے کہا کہ میں تمہیں اور تمہاری منکوحہ دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے۔ حضرت عقبہ نے کہا کہ مجھے اس بات کا علم نہیں ہے نہ تم نے پہلے کبھی مجھ سے یہ بات کہی۔ پھر انہوں نے اپنی بیوی کے رشتہ داروں سے معلوم کروایا انہوں نے بھی یہی کہا کہ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ اس عورت نے عقبہ کو دودھ پلایا ہے۔ آخر کار حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرہ بیان کیا۔ دودھ پلانے والی عورت تن تنہا یہ واقعہ بیان کر رہی تھی۔ دوسرا کوئی گواہ اس کی گواہی نہیں دے رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رضاعت کے بارے میں اس عورت کا کہا تسلیم فرمایا۔ غنیتہ کو عقبہ کی رضاعی بہن قرار دیا۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے غنیتہ کو چھوڑ دیا اور دوسری جگہ نکاح کیا۔

بَاب مَنْ نَفَى رَجُلًا مِنْ قَبِيلَتِهِ

یہ باب ہے کہ جو شخص کسی شخص کی اس کے قبیلے سے نفی کرے

2612 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ ح و حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ حَيَّانَ اَنْبَاَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمُغِيْرَةِ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَقِيْلِ بْنِ طَلْحَةَ السُّلَمِيِّ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ هَيْصَمٍ عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَفْدِ كِنْدَةَ وَلَا يَرَوْنِيْ اِلَّا اَفْضَلَهُمْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَسْتُمْ مِنَّا فَقَالَ نَحْنُ بَنُو النَّضْرِ ابْنِ كِنَانَةَ لَا نَقْفُوْ اُمَّنَا وَلَا نَنْتَفِيْ مِنْ اَبِيْنَا قَالَ فَكَانَ الْاَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ يَقُوْلُ لَا اُوْتٰى بِرَجُلٍ نَفٰى رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ مِنَ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ اِلَّا جَلَدْتُهُ الْحَدَّ

◄► حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں کندہ قبیلے کے وفد کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ لوگ مجھے اپنے میں سے سب سے افضل سمجھتے تھے، میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگ ہم میں سے نہیں ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں، ہم ماں کے نسب کی پیروی نہیں کرتے اور باپ کے نسب سے لاتعلقی کا اظہار نہیں کرتے"۔

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے، میرے سامنے جو بھی ایسا شخص لایا جائے' جو قریش سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کی نضر بن کنانہ کی اولاد ہونے سے نفی کرے گا' تو میں اس پر حد جاری کروں گا۔

نضر بن کنانہ کی فضیلت و برتری کا بیان

حضرت واثلہ ابن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا حقیقت یہ ہے کہ

2612 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں کنانہ کو چنا اور اولاد کنانہ سے قریش کو چنا اور اولاد قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چنا۔ (مسلم) اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام میں اسمٰعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور اولاد اسمٰعیل میں، بنی کنانہ کو برگزیدہ کیا۔ (مشکوۃ المصابیح: جلد پنجم: حدیث نمبر 304)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسلی و نسبی تعلق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان تھے، انہی عدنان کی اولاد بنو اسمٰعیل کے تمام مشہور قبائل پر مشتمل ہے، اسی لئے عرب مستعربہ بنی اسمٰعیل کو عدنانی یا آل عدنان کہا جاتا ہے عدنان کے بیٹے معد اور معد کے بیٹے نزار تھے، نزار کے جو چار مشہور بیٹے بتائے جاتے ہیں ان میں سے دو بیٹے ربیعہ اور مضر سب سے زیادہ نامور اور جزیرہ نما عرب کے بڑے قبائل کے مورث ہیں، مضر کی اولاد میں آگے چل کر ایک شخص کنانہ ہوئے اور ان کی اولاد مضر کے قبائل میں سب سے زیادہ مشہور و معروف قبیلہ پر مشتمل ہوئی، کنانہ کے بیٹے نضر اور نضر کے بیٹے مالک اور مالک کے بیٹے فہر تھے، یہی وہ فہر ہیں جن کا لقب قریش تھا، فہر کی اولاد میں بہت سے قبائل ہوئے اور سب "قریش" کہلاتے ہیں یہ تمام قبائل مختلف علاقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان نہ باہمی ربط و اتفاق تھا اور نہ کوئی اجتماعی نظام تھا۔

پھر ایک شخص قصی بن کلاب پیدا ہوئے، انہوں نے بڑی محنت اور جدوجہد کر کے تمام قریش کو منظم کیا، ان میں اجتماعیت اور بیداری کی روح پھونکی جس کی بدولت قریش نے نہ صرف مکہ معظمہ بلکہ تمام حجاز پر غلبہ و اقتدار حاصل کر لیا۔ اسی وجہ سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں "قریش" اصل میں قصی بن کلاب کا لقب ہے، کیونکہ یہ لفظ (قریش) قرش سے نکلا ہے جس کے معنی جمع کرنے اور منظم کرنے کے ہیں۔ ویسے زیادہ مشہور یہ ہے کہ "قریش" ایک سمندری جانور کا نام ہے جو نہایت قوت اور زور رکھتا ہے، اس کی تائید حضرت ابن عباس کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ قریش کا نام اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ قریش (قرش) ایک بڑی خطرناک مچھلی کا نام ہے جو سب مچھلیوں کو نگل لیتی ہے لیکن خود اس کو نہ کوئی مچھلی گزند پہنچاتی ہے نہ اس پر قابو پاتی ہے۔ یہی وجہ تسمیہ قاموس میں بھی مذکور ہے۔ ظہور اسلام کے وقت قریش کی شاخوں میں سے جو شاخ سب سے زیادہ مشہور با عزت اور غالب تھی وہ بنو ہاشم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب ابن مرۃ ابن کعب ابن لوی ابن غالب ابن فہر ابن مالک ابن نضر ابن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرک ابن الیاس ابن مضر ابن نزار ابن معد ابن عدنان۔ عدنان سے پہلے کا نسب نامہ زیادہ وثوق کے ساتھ نہیں بتایا جا سکتا۔ اس کی تفصیل کی روشنی میں حدیث کا مفہوم واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو سب سے زیادہ برگزیدگی و عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اپنے سلسلہ نسب کی تمام تر برگزیدگیوں اور عظمتوں کا نچوڑ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ، الشعراء: 214)

اپنے قریب کے کعبہ والوں کو ڈرایئے تو آپ کوصفا پر جو خانہ کعبہ کے قریب ہے تشریف لے گئے اور وہاں سے پکارنا شروع کیا۔اے بنی عدی یعنی قریش کی تمام شاخوں کو نام بنام بلانا شروع کیا۔چنانچہ جب قریش کی تمام شاخوں کے لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا تم لوگ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ جنگل میں ایک لشکر آ کر اترا ہے اور تمہیں تباہ وغارت کر دینا چاہتا ہے تو کیا تم مجھ کو سچا جانو گے ان سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ بیشک کیونکہ ہمارا ہمیشہ کا تجربہ یہ ہے کہ تم نے جب بھی کوئی بات کہی ہے سچ کہی ہے تمہاری زبان سے ہم نے کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہیں سنی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم مجھے سچا سمجھتے ہو تو سنو کہ میں اللہ کی طرف سے تمہیں اس کے سخت ترین عذاب کے اترنے سے پہلے ڈرانے والا مامور ہوا ہوں یعنی میں اللہ کے رسول کی حیثیت سے تمہارے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتا ہوں اس کو قبول کرو اگر تم اس دعوت کو قبول نہیں کرو گے اور مجھ پر ایمان نہیں لاؤ گے تو پھر میں تمہیں یہ خبر دیتا ہوں کہ تم پر اللہ کا نہایت سخت عذاب نازل ہوگا۔ابولہب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اور جس کا نام عبدالعزیٰ تھا یہ بات سن کر بولا۔سارے دن تیری تباہی ہو، کیا اسی لئے تو نے ہمیں اکٹھا کیا تھا کہ ہم تیری خراب باتیں سنیں؟ اس پر سورت لہب نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔اور حقیقت یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کرنے کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گیا۔(بخاری ومسلم،مشکوۃ المصابیح: جلد چہارم: حدیث نمبر 1304)

اور ایک روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دیکر قریش کو جمع کیا اور فرمایا کہ اے عبد مناف کے بیٹو میری اور تمہاری حالت کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے دشمن کا لشکر اپنی قوم پر حملہ آور ہونے کے لئے آتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنی قوم کو اس دشمن کے قتل وغارت گری سے بچانے کے لئے چلا تا کہ کسی پہاڑی پر چڑھ کر بلند آواز کے ذریعہ قوم کے لوگوں کو دشمن کے خطرہ سے آگاہ کر دے لیکن اس خوف سے کہ کہیں دشمن کا لشکر اس سے پہلے ہی اس کی قوم تک نہ پہنچ جائے اس نے وہیں سے چلا چلا کر یہ کہنا شروع کر دیا۔

بطن" کے اصل معنی تو پیٹ کے ہیں لیکن یہ گروہ یا شاخ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جو قبیلہ سے نیچے کا درجہ ہے بطن سے نیچے کا جو درجہ ہوتا ہے اس کو فخذ کہتے ہیں گویا عرب میں نسب کے بالائی درجہ کو تو قبیلہ کہتے ہیں اس کے بعد کے درجہ کو بطن اور اس کے بعد کے درجہ کو فخذ کہا جاتا تھا چنانچہ قریش قبیلہ کا نام ہے۔

جس کے مورث اعلیٰ کا نام نضر بن کنانہ تھا نضر بن کنانہ کے بعد جو شاخیں چلیں ان کو بطون سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر بطون کے بعد کی شاخوں کو افخاذ کہا جاتا ہے۔اصطلاحی الفاظ میں اس کا حاصل یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ قبیلہ بمنزلہ جنس ہے، بطن بمنزلہ نوع کے ہیں اور فخذ بمنزلہ فصل کے ہے۔

وادی" (جنگل) سے مراد حجاز کا وہ خاص علاقہ ہے جو مکہ سے شمالی جانب تقریباً سولہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جس کو وادی فاطمہ کہا جاتا ہے یہ ایک نخلستانی علاقہ ہے اور یہاں کی زمین شاداب اور قابل کاشت ہے اس وادی کا ایک قدیم نام مرالظہر ان بھی ہے۔مکہ اور مدینہ کے درمیان کا یہ پرانا راستہ اس طرف سے بھی گزرتا تھا۔"ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں" میں ہاتھوں کے ٹوٹنے اور ہلاک ہونے سے مراد اس کی ذات کا ہلاک ہونا ہے، جیسا کہ قرآن نے ان الفاظ آیت (ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ) سے

ثابت ہوتا ہے کہ عربی میں ذات کی ہلاکت کو ہاتھوں کی ہلاکت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس کے دونوں ہاتھوں سے مراد اس کے دونوں جہاں یعنی دنیا اور آخرت ہیں چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اس کے دونوں جہاں تباہ و برباد ہو گئے، وہ نہ یہاں کار ہا نہ وہاں کا۔ اور بعض حضرات نے یہ تحقیق بھی بیان کی ہے کہ خاص طور اس کے ہاتھوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو اسلام کی دعوت پیش کرتے ہوئے عذاب الٰہی سے ڈرایا تو ابولہب نے اس وقت صرف مذکورہ بات کہنے ہی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اپنے ہاتھوں سے پتھر اٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنا بھی چاہا تھا۔

عبد مناف" قریش کی ان دو شاخوں کے جد اعلیٰ کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت سب سے مشہور اور مقتدر و غالب شاخیں تھیں۔ عبد مناف کے دو بیٹوں یعنی ہاشم اور عبد شمس سے جو شاخیں چلیں ان میں سے ایک یعنی ہاشم کی اولاد کو بنو ہاشم کہا جاتا ہے اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہے، اس خاندان کے ممتاز افراد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جو سلسلہ نسب چلا وہ علوی اور عباسی کہلاتا ہے عبد مناف کے دوسرے بیٹے عبد شمس تھے، ان کی شاخ ان کے بیٹے امیہ سے چلی اور ان کا خاندان بنو امیہ کے اہم اشخاص میں حضرت ابوسفیان، مروان اور سیدنا عثمان غنی ہیں۔ "صباحاہ" اصل میں ایک ایسا لفظ ہے جو اہل عرب میں کسی خطرناک اور دہشت آمیز چیز سے ڈرانے کے لئے بولا جاتا ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ لفظ صباح "صبح کے وقت) سے مشتق ہے اور عام طور پر دشمن چونکہ صبح کے وقت حملہ آور ہو کر غارت گری کرتا ہے اس لئے کسی حملہ کے خطرہ کے وقت چوکیدار اور محافظ لوگ اس لفظ کے ذریعہ چیختے چلاتے ہیں تاکہ لوگ حملہ کے خطرہ سے آگاہ ہو کر اپنی حفاظت و مقابلہ کے لئے تیار رہیں۔ لہٰذا اس لفظ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ لوگو ہوشیار ہو جاؤ قبل اس کے کہ دشمن تمہیں تباہ و غارت کرنے کے لئے حملہ آور ہو اپنے بچاؤ کے لئے یہاں سے نکل جاؤ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قریش کے سامنے مذکورہ مثال بیان کر کے گویا یہ فرمایا کہ میں بھی تمہیں ایک ایسے ہی عذاب کے خطرہ سے آگاہ کر رہا ہوں جو تمہیں تباہ و برباد کر دے گا لہٰذا قبل اس کے کہ وہ عذاب تم پر نازل ہو تم ایمان قبول کر کے اس عذاب سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

بَابُ الْمُخَنَّثِينَ

یہ باب ہیجڑوں سے متعلق احکام میں ہے

گانے باجے کے ذریعے رزق کمانے کی حرمت کا بیان

2613- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ اَبِي الرَّبِيعِ الْجُرْجَانِيُّ اَنْبَاَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ الْعَلَاءِ اَنَّهُ سَمِعَ بِشْرَ بْنَ نُمَيْرٍ اَنَّهُ سَمِعَ مَكْحُولًا يَقُولُ اِنَّهُ سَمِعَ يَزِيدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهُ سَمِعَ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ

2613 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ کَتَبَ عَلَیَّ الشِّقْوَةَ فَمَا اُرَانِیْ اُرْزَقُ اِلَّا مِنْ دُفِّیْ بِکَفِّیْ فَأْذَنْ لِیْ فِی الْغِنَاءِ فِیْ غَیْرِ فَاحِشَةٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اٰذَنُ لَكَ وَلَا کَرَامَةَ وَلَا نُعْمَةَ عَیْنٍ کَذَبْتَ اَیْ عَدُوَّ اللّٰهِ لَقَدْ رَزَقَكَ اللّٰهُ طَیِّبًا حَلَالًا فَاخْتَرْتَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْكَ مِنْ رِزْقِهٖ مَکَانَ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَكَ مِنْ حَلَالِهٖ وَلَوْ کُنْتُ تَقَدَّمْتُ اِلَیْكَ لَفَعَلْتُ بِكَ وَفَعَلْتُ قُمْ عَنِّیْ وَتُبْ اِلَی اللّٰهِ اَمَا اِنَّكَ اِنْ فَعَلْتَ بَعْدَ التَّقْدِمَةِ اِلَیْكَ ضَرَبْتُكَ ضَرْبًا وَجِیْعًا وَحَلَقْتُ رَاْسَكَ مُثْلَةً وَنَفَیْتُكَ مِنْ اَهْلِكَ وَاَحْلَلْتُ سَلَبَكَ نُهْبَةً لِفِتْیَانِ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ فَقَامَ عَمْرٌو وَبِهٖ مِنَ الشَّرِّ وَالْخِزْیِ مَا لَا یَعْلَمُهٗ اِلَّا اللّٰهُ فَلَمَّا وَلّٰی قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰؤُلَاءِ الْعُصَاةُ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بِغَیْرِ تَوْبَةٍ حَشَرَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کَمَا کَانَ فِی الدُّنْیَا مُخَنَّثًا عُرْیَانًا لَا یَسْتَتِرُ مِنَ النَّاسِ بِهُدْبَةٍ کُلَّمَا قَامَ صُرِعَ

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے، اسی دوران عمرو بن مرہ وہاں آیا، وہ بولا: یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بدنصیبی مقرر کردی ہے (یعنی میں ہیجڑا ہوں) تو میرا تو یہی خیال ہے کہ مجھے صرف اپنی ہتھیلی کے ذریعے دف بجا کر ہی رزق مل سکتا ہے، تو آپ ﷺ مجھے گانے کی اجازت دیجئے جو فحش نہ ہو، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں تمہیں اجازت نہیں دوں گا کیونکہ اس میں نہ تمہارے لیے عزت ہے اور نہ ہی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اے اللہ کے دشمن! تم نے غلط کہا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں پاکیزہ اور حلال رزق عطا کیا ہے' لیکن تم اسے اختیار کر رہے ہو' جس رزق کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور اس رزق کی جگہ اختیار کر رہے ہو' جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے، اگر میں اس حوالے سے آگاہ کر چکا ہوتا تو میں تمہارے ساتھ یہ سلوک کرتا اور وہ کرتا (یعنی میں تمہیں سزا دیتا) تم میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں' توبہ کرو، اب جب میں نے تمہیں اس سے منع کر دیا ہے' تو اس کے بعد اگر تم نے ایسا کیا' تو میں تمہیں انتہائی شدید سزا دوں گا اور تمہارا سر منڈوا دوں گا، اور تمہارے خاندان والوں سے تمہیں جلا وطن کر دوں گا اور مدینہ منورہ کے لڑکوں کے لیے تمہارے ساز و سامان کو حاصل کرنے کو حلال قرار دوں گا''۔

تو عمرو وہاں سے اٹھ گیا، اسے جو برائی اور جو رسوائی لاحق ہوئی اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، جب وہ چلا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یہ نافرمان لوگ ہیں ان میں سے جو شخص توبہ کیے بغیر مر جائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اسی طرح زندہ کرے گا' جس طرح وہ دنیا میں تھا، یعنی وہ ہیجڑا بھی ہوگا اور برہنہ بھی ہوگا، وہ اپنے نامرد ہونے کو لوگوں سے نہیں چھپا سکے گا، جب بھی وہ کھڑا ہوگا' تو پھر گر جائے گا''۔

2614- حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ زَیْنَبَ بِنْتِ اُمِّ سَلَمَةَ

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَیْهَا فَسَمِعَ مُخَنَّثًا وَهُوَ یَقُوْلُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اُمَیَّةَ اِنْ یَفْتَحِ اللّٰهُ الطَّائِفَ غَدًا دَلَلْتُكَ عَلٰى امْرَاَةٍ تُقْبِلُ بِاَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخْرِجُوْهُمْ مِنْ بُیُوْتِكُمْ

◆◆ سیّدہ زینب بنت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتی ہیں: ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہیجڑے کو عبداللہ بن امیہ سے یہ کہتے ہوئے سنا، اگر اللہ تعالیٰ نے کل طائف کی فتح نصیب کر دی تو میں تمہاری رہنمائی ایک ایسی عورت کی طرف کروں گا' جو خوب صحت مند ہوگی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ان لوگوں کو اپنے گھروں سے نکال دو''۔

خنثیٰ سے متعلق احکام کی بعض تفصیل کا بیان

جب کسی کے پیدا ہونے والے بچے کی فرج بھی ہو اور اس کا ذکر بھی ہو۔ تو وہ بچہ ہیجڑہ ہے۔ اب اگر تو ذکر سے پیشاب کرے تو لڑکا ہوگا۔ اگر فرج سے کرے تو وہ لڑکی ہوگی۔ لیکن اگر وہ ان دونوں سے پیشاب کرتا ہو تو ان دونوں میں سے جس سے پیشاب پہلے باہر آتا ہو۔ اس بچے کی نسبت اس کی طرف ہی کی جائے گی۔ اگر ان دونوں سے ایک ساتھ ہی پیشاب باہر آتا ہو تو اس صورت میں پھر امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثرت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں سے جس سے زیادہ پیشاب نکلتا ہوگا۔ بچے کی نسبت اس کی طرف ہی کی جائے گی۔ جب ہیجڑہ بالغ ہوگیا اور اس کی ڈاڑھی نکل آئی یا وہ کسی عورت تک جا پہنچا (یعنی اس نے اس عورت سے مجامعت کرلی) تو وہ مرد شمار ہوگا۔

اور اگر عورت کی طرح اس کے پستان ظاہر ہو گئے یا اس کے پستانوں میں دودھ اتر آیا یا اسے حیض آ گیا یا حمل ٹھہر گیا یا سامنے کی جانب سے اس تک رسائی (اس سے صحبت کرنا) ممکن ہوگی تو وہ عورت ہوگی۔ پس اگر ان مذکورہ علامتوں میں سے اس کے لئے کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی تو وہ خنثیٰ مشکل ہوگا۔ ہیجڑہ جب امام کے پیچھے نماز کے لئے اٹھے گا تو وہ مردوں اور عورتوں کی صفوں کے درمیان کھڑا ہوگا۔ اگر اس ہیجڑے کا کوئی مال ہو تو اس کے مال سے ایک لونڈی خریدی جائے گی۔ جو کہ اس کا ختنہ کرے گی۔ پس اگر ہیجڑے کا مال نہ ہو تو پھر امام سرکاری خزانے سے اس کے لئے لونڈی خریدے گا۔ پس جس وقت اس کا ختنہ کرلے گی تو وہ امام پھر اس لونڈی کو فروخت کر کے اس کی قیمت واپس سرکاری خزانے میں لوٹا دے گا۔ اگر ہیجڑے کا باپ فوت ہو گیا اس حال میں کہ اس نے اپنے پیچھے ایک لڑکا ایک ہیجڑہ چھوڑا ہو تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس آدمی کا مال ان دونوں کے درمیان تین حصوں پر تقسیم ہوگا۔ وہ اس طرح کہ لڑکے کے لئے دو حصے ہوں گے اور ہیجڑے کے لئے ایک حصہ ہو گا۔ اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہیجڑہ معاملہ میراث میں عورت شمار ہوگا۔ مگر یہ کہ اگر وہ اس کے علاوہ کچھ اور ثابت ہو جائے (تب عورت شمار نہ ہوگا) صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہیجڑے کو نصف حصہ مذکر کی میراث کا اور نصف حصہ مؤنث کی میراث کا ملے گا۔ امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی قول ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے

قول کے قیاس (یعنی اس کی تخریج) میں اختلاف ہے۔

مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اس آدمی کا مال ان دونوں کے درمیان سات حصوں پر تقسیم ہوگا۔ اس طرح کہ چار حصے لڑکے کے لئے اور ہیجڑے کیلئے تین حصے ہوں گے۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اس کا مال ان دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا اور وہ اس طرح کہ سات حصے لڑکے کے لئے اور باقی پانچ حصے ہیجڑے کے لئے ہوں گے۔

خنثیٰ مشکل سے متعلق اصل کا بیان

مصنف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ خنثیٰ مشکل میں قانون یہ ہے کہ دینی معاملات میں اس میں احتیاط اور زیادہ وثوق پر عمل کیا جائے گا۔ اور ایسے حکم کے ثبوت میں فیصلہ نہ کیا جائے گا جس کے ثبوت میں شک ہو۔

فرمایا کہ جب خنثیٰ امام کے پیچھے کھڑا ہو تو وہ مردوں اور عورتوں کی صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ اور اس شک کے سبب سے کہ وہ عورت ہے تو وہ مردوں کے درمیان میں نہ ہوتا کہ ان کی نماز فاسد نہ ہو۔ اور وہ نہ ہی عورتوں کے درمیان میں کھڑا ہو کہ ممکن ہے وہ مرد ہے اور اس کی نماز فاسد نہ ہو جائے۔

اور جب عورتوں کی صف میں کھڑا ہو چکا ہے تو میرے نزدیک اختیار کردہ یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کو لوٹائے گا کیونکہ ممکن ہے وہ مرد ہو۔ اور جب وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہوا ہے تو اس کی نماز مکمل ہے اور جو نماز اس کی دائیں یا بائیں جانب ہیں اور جو اس کے مقابل میں پیچھے ہیں وہ سب احتیاط کے پیش نظر اپنی نمازوں کو لوٹا لیں۔ کہ ممکن ہے وہ عورت ہو۔

خنثیٰ کا اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھنے کا بیان

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ میرے پسندیدہ حکم یہ ہے کہ خنثیٰ اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھے۔ کیونکہ ممکن ہے وہ عورت ہو۔ اور جب خنثیٰ اپنی نماز میں عورتوں کی طرح بیٹھنے والا ہے۔ کیونکہ جب وہ مرد ہے تو اس نے ایک سنت کو ترک کیا ہے لیکن عام طور پر ایسا جائز ہے۔ اور جب وہ عورت ہے جو اس نے ایک مکروہ عمل کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ ممکن حد تک عورتوں کے لئے پردہ کرنا لازم ہے اور جب اس نے اوڑھنی کے سوا نماز پڑھی ہے تو میں اس کو نماز لوٹانے کا حکم دوں گا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ عورت ہو۔ اور نماز کا یہ لوٹانا مستحب ہے۔ اور جب اس نے اس کو لوٹایا نہیں ہے تب اس کی نماز اس کے لئے کافی ہو جائے گی۔

اور خنثیٰ کے پاس جب مال ہے تو اس کے لئے ایک باندی کو خریدا جائے گا۔ جو اس کا ختنہ کرے گی۔ کیونکہ اس کی مملوکہ کے لئے اس کی جانب دیکھنا مباح ہے اگرچہ وہ مرد یا عورت ہے۔ اور مرد کے لئے اس کا ختنہ کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ممکن ہے وہ عورت ہو یا عورت کے لئے بھی اس کا ختنہ کرنا مکروہ ہے ممکن وہ مرد ہو۔ پس احتیاط وہی ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

اور جب اس کے پاس مال نہ ہو۔ تو حاکم اس کے لئے بیت المال سے ایک باندی خریدے کیونکہ بیت المال مسلمانوں کی ضرورتوں کے لئے بنایا گیا ہے۔ اور جب وہ باندی خنثیٰ کا ختنہ کر دے تو امام اس کو بیچ کر اس کی قیمت بیت المال کو واپس کر دے۔

کیونکہ ختنہ کے بعد اس کی کوئی ضرورت نہ رہی ہے۔

خنثیٰ کے لئے زندگی میں زیورات وریشمی لباس پہننے کی ممانعت کا بیان

اور خنثیٰ کے لئے اپنی زندگی میں زیورات اور ریشمی لباس پہننا مکروہ ہے۔ اور اس کا عورتوں یا مردوں کے ساتھ ننگا ہونا بھی مکروہ ہے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ وہ غیر محرم مرد یا عورت سے تنہائی میں رہے یا وہ غیر محرم مردوں کے ساتھ سفر کرے۔ پس تمام کے احتمال سے اس کو بچنا چاہے۔

اور جب خنثیٰ نے احرام باندھا ہے۔ جبکہ وہ مراہق ہے۔ تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مجھے اس کے لباس کا علم نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ مرد ہے تو اس کے لئے سلا ہوا لباس پہننا مکروہ ہے۔ اور جب وہ عورت ہے تو اس کے لئے سلا ہوا کپڑا نہ پہننا مکروہ ہے

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ عورت کا لباس پہنے گا۔ کیونکہ اس کے لئے سلے ہوئے کپڑے کو ترک کرنا جبکہ وہ عورت ہے اس کے پہننے سے زیادہ فاحش ہے اور اس پر کوئی ضمان نہ ہوگا اس لئے کہ وہ بالغ نہیں ہے۔

بچے کے ساتھ معلق طلاق پر خنثیٰ کو جنم دینے کا بیان

اور جس نے طلاق یا عتاق کی قسم اس شرط کے ساتھ کھائی کہ جب تو نے پہلے لڑکے کو جنم دیا اور اس کے بعد اس نے خنثیٰ مشکل کو جنم دیا ہے تو طلاق وعتاق کو وقوع نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ جب تک خنثیٰ کا معاملہ واضح ہو جائے۔ کیونکہ شک کے سبب قسم ثابت ہونے والی نہیں ہے۔

اور جب کسی شخص نے کہا ہے کہ میرا ہر غلام آزاد ہے یا میری ہر باندی آزاد ہے۔ اور اس کا مملوک ایک ہی ہے جو خنثیٰ ہے تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ اس کا معاملہ واضح ہو جائے۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اور جب اس نے ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات کہہ دی ہے تو خنثیٰ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ دونوں اوصاف میں سے ایک کا یقین ہے۔ اس لئے کہ خنثیٰ حکم کے بغیر نہیں ہے۔

اور جب خنثیٰ نے کہا ہے کہ میں مرد ہوں یا میں عورت ہوں تو اگر وہ مشکل ہے تو اس کے قول کا اعتبار نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ دعویٰ دلیل کے تقاضہ کے خلاف ہے۔ اور اگر وہ مشکل نہیں ہے تو اس کے دعویٰ کو قبول کر لینا مناسب ہے۔ کیونکہ دوسروں سے اپنے حال کو وہی زیادہ جاننے والا ہے۔

اور جب خنثیٰ کا معاملہ واضح ہو جانے سے پہلے وہ فوت ہو جائے۔ تو اس کو غسل نہ مرد دے گا اور نہ ہی کوئی عورت دے گی۔ کیونکہ مردوں اور عورتوں کے درمیان غسل کوئی حلت نہیں ہے۔ پس حرمت کے احتمال کے سبب اس سے بچنا ہوگا۔ اور غسل ناممکن ہونے کی صورت میں اس کو مٹی سے تیمم کروایا جائے گا۔

اور جب خنثیٰ مراہق ہے تو وہ کسی مرد یا عورت کے غسل کے وقت حاضر نہ ہو۔ کیونکہ ممکن ہے وہ مرد ہو یا وہ عورت ہو۔ اور اگر

اس کی قبر کو ڈھانپ دیا جائے تو یہی بہتر ہوگا۔ اس لئے کہ جب وہ عورت ہے تو اس کے لئے ہم نے واجب کو ادا کر دیا ہے اور جب وہ مرد ہے تو ڈھانپنا اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔

خنثیٰ مشکل کی نماز جنازہ اور کفن و دفن کا بیان

اور جب خنثیٰ مشکل فوت ہو جائے تو اس پر اور کسی دوسرے آدمی اور ایک عورت پر نماز جنازہ ایک ساتھ بھی پڑھی جائے گی تو اس میں مرد کو امام کے متصل رکھ دیا جائے گا اور خنثیٰ کو مرد کے پیچھے رکھا جائے گا اور عورت کو خنثیٰ کے پیچھے رکھا جائے گا۔ اور خنثیٰ کو مرد کے پیچھے رکھنا اس احتمال کے سبب سے ہے کہ شاید وہ عورت ہو اور عورت سے آگے اس لئے رکھا جائے گا کہ شاید وہ مرد ہو۔

اور جب کسی عذر کے پیش نظر خنثیٰ کو کسی آدمی کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کرنا پڑ جائے تو خنثیٰ کو مرد کے پیچھے کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عورت ہو اور ان دونوں کے درمیان مٹی کو بطور آڑ بنا کر ڈال دیا جائے گا۔ اور جب خنثیٰ کسی عورت کے ساتھ دفن کر رہے ہیں تو خنثیٰ کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ ممکن ہے وہ مرد ہو۔

اور خنثیٰ کو چار پائی پر عورت کی طرح چادر ڈال دی جائے گی تو میرے نزدیک بہتر یہی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے وہ عورت ہو۔ اور خنثیٰ کو لڑکی طرح کفن دیا جائے گا۔ اور یہی میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ یعنی اس کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا۔ کیونکہ جب وہ عورت ہے تو ایک سنت کو ادا کر دیا جائے گا۔ اور جب وہ مذکر ہے تو تین کپڑوں پر زائد کیا گیا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خنثیٰ مشکل کے لئے تقسیم وراثت کا بیان

اور جب خنثیٰ مشکل کا والد فوت ہو جائے اور اس خنثیٰ مشکل کے ساتھ ایک بھائی بھی ہے۔ تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کے درمیان مال وراثت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ بیٹے کے لئے دو حصے ہوں گے اور اس خنثیٰ کے لئے ایک حصہ ہوگا۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک خنثیٰ میراث میں عورت کی طرح ہے ہاں البتہ جب اس کا مرد ہونا ظاہر ہو جائے۔

صاحبین رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ خنثیٰ کے لئے مرد کی میراث کا نصف اور عورت کی میراث کا بھی نصف ملے گا۔ اور امام شعبی کا قول بھی اسی طرح ہے۔ اور فقہاء نے امام شعبی کے قول کو قیاس کرنے میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ان کے درمیان مال بارہ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ بیٹے کو سات حصے ملیں گے جبکہ خنثیٰ کو پانچ حصے ملیں گے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ان کے درمیان مال کو سات حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ بیٹے کو چار اور خنثیٰ کو تین حصے مل جائیں گے۔ کیونکہ اکیلا ہونے کے سبب سے بیٹا پوری میراث کا حقدار ہے۔ اور خنثیٰ تین چوتھائی کا حقدار ہے۔ پس اکٹھے ہونے کے وقت ان دونوں کے حقوق کی مقدار کے برابر مال کو تقسیم کیا جائے گا۔ اور خنثیٰ حساب سے تین لے گا جبکہ بیٹا حساب سے چار لے گا۔ اور یہ کل سات ہو جائیں گے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ جب خنثیٰ مرد ہے تو مال ان کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ اور جب وہ عورت ہے

تو مال ان کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ کیونکہ ہمیں ایسے عدد کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔ جس کا نصف بھی ہو اور تہائی بھی ہو۔ اور اس میں سب سے چھوٹا عدد چھ ہے۔ پس ایک حالت میں مال ان کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ اور ان میں سے ہر ایک کو تین تین حصے ملیں گے۔

اور دوسری حالت میں ان کے درمیان تین تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ اور خنثیٰ کو تین حصے جبکہ بیٹے کو چار حصے ملیں گے۔ پس خنثیٰ کے لئے دو حصے یقینی طور پر ثابت ہو چکے ہیں۔ جبکہ جو شک ہے وہ زائد حصے میں ہے۔ تو اس کو نصف نصف کر دیا جائے گا۔ اور خنثیٰ کو دو حصے اور نصف حصہ دیا جائے گا اور جو اس میں کسر واقع ہوئی ہے۔ پس مخرج کو زیادہ کر دیا جائے گا۔ تا کہ کسر ختم ہو جائے۔ تو حساب بارہ سے ہوگا۔ جس میں خنثیٰ کے لئے پانچ حصے اور بیٹے کے لئے سات حصے ہوں گے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں پر ابتدائی طور پر مال کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔ اور عورت کو جو مقدار کم از کم ہے وہ یقینی ہے۔ اور اس سے زائد میں شک ہے۔ پس کم از کم پر حصر کرتے ہوئے اس کو ہم نے یقیناً ثابت کر دیا ہے کیونکہ شک کے سبب مال ثابت نہیں ہوا کرتا۔ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح کسی دوسرے سبب سے مال کے واجب ہونے میں شک ہو جائے۔ تو اس وقت یقین پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور یہاں پر بھی اسی طرح ہوگا۔

ہاں البتہ جس وقت ہم خنثیٰ کو مرد فرض قرار دیں اور اس کا حصہ کم ہو تو اس وقت اس کو لڑکے والا حصہ ملے گا۔ کیونکہ وہ یقینی ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ وارثوں میں خاوند، ماں، حقیقی بہن ہو جو خنثیٰ ہے یا بیوی ہو، دو اخیافی بھائی ہوں اور ایک حقیقی بہن ہو تو خنثیٰ ہمارے نزدیک پہلی صورت میں شوہر کو نصف ماں کو تہائی اور بقیہ خنثیٰ کو مل جائے گا۔

اور دوسری صورت میں بیوی کے لئے چوتھائی، دونوں اخیافی بھائیوں کے لئے تہائی اور بقیہ خنثیٰ کو ملے گا۔ اس لئے ان دونوں صورتوں میں کم از کم یہی دونوں حصے ہیں۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ حق کو جاننے والا ہے۔ (ہدایہ)

خنثیٰ سے متعلق احکام کا بیان

جب کسی کے پیدا ہونے والے بچے کی فرج بھی ہو اور اس کا ذکر بھی ہو۔ تو وہ بچہ ہیجڑہ ہے۔ اب اگر تو ذکر سے پیشاب کرے تو لڑکا ہوگا۔ اگر فرج سے کرے تو وہ لڑکی ہوگی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے کہ اس کو میراث کس طرح ملے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہاں سے وہ پیشاب کرتا ہے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا ہے کیونکہ وہ جس عضو سے پیشاب کرے گا وہی اس کی دلیل ہے پس اصل وہ عضو ہے اور صحیح ہے اور دوسرا عیب کے حکم میں ہے۔

اور جب وہ دونوں راستوں سے پیشاب کرنے والا ہے تو جس سے پہلے پیشاب آتا ہے اس کا حکم ہوگا کیونکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہی عضو اصل ہے۔ اور سبقت میں بھی دونوں عضو برابر ہیں تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک کثرت کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

صاحبین نے کہا ہے کہ ان میں سے زیادہ پیشاب آنے والے عضو کی جانب اس کو منسوب کیا جائے گا۔ کیونکہ یہی عضو قوی

اور اصلی ہونے کی نشانی ہے۔ کیونکہ شرعی اصول کے مطابق اصل کو کل کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ پس کثرت کے سبب ترجیح حاصل ہوگی۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ کثرت سے خارج ہونا یہ کسی طاقت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ کثرت ان میں سے کبھی ایک عضو کے کشادہ ہونے اور دوسرے کے تنگ ہونے کے سبب ہوتی ہے۔ اور جب دونوں سے برابر پیشاب آنے والا ہے تو وہ بہ اتفاق خنثیٰ مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں کسی جانب کو کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے۔

خنثیٰ کے لئے بالغ ہونے یا داڑھی آجانے کا بیان

جب ہیجڑہ بالغ ہوگیا اور اس کی ڈاڑھی نکل آئی یا وہ کسی عورت تک جا پہنچا (یعنی اس نے اس عورت سے مجامعت کر لی) تو وہ مرد شمار ہوگا۔ اور اسی طرح جب اس کو مردوں کی احتلام ہو جائے یا اس ک چھاتی برابر ہو۔ یہ مردوں کی نشانی ہے۔

اور اگر عورت کی طرح اس کے پستان ظاہر ہو گئے یا اس کے پستانوں میں دودھ اتر آیا یا اسے حیض آ گیا یا حمل ٹھہر گیا یا سامنے کی جانب سے اس تک رسائی (اس سے صحبت کرنا) ممکن ہوگئی تو وہ عورت ہوگی۔ پس اگر ان مذکورہ علامتوں میں سے اس کے لئے کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی تو وہ خنثیٰ مشکل ہوگا۔ اور اسی طرح جب ان علامت میں تعارض واقع ہو جائے۔ (ہدایہ)

کِتَابُ الدِّيَاتِ

یہ کتاب دیات کے بیان میں ہے

دیت کے معنی ومفہوم کا بیان

دیات جمع ہے دیت کی جس کے معنی ہیں "مالی معاوضہ" گویا "دیت" اس مال کو کہتے ہیں جو جان کو ختم کرنے یا کسی شخص کے جسمانی اعضاء کو ناقص (مجروح) کرنے کے بدلہ میں دیا جاتا ہے! عنوان میں جمع کا لفظ "دیات" دیت کی انواع (قسموں) کے اعتبار سے لایا گیا ہے اس سے یہ اظہار مقصود ہے کہ دیت کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً ایک دیت تو وہ ہوتی ہے جو کسی کو جان سے مار ڈالنے کے بدلہ میں دی جاتی ہے اور ایک دیت وہ ہوتی ہے جو اعضاء کے نقصان کے بدلے میں دی جاتی ہے۔ پھر نوعیت وحیثیت کے اعتبار سے بھی دیت دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو مغلظہ کہلاتی ہے اور دوسری کو مخففہ کہتے ہیں۔ دیت مغلظہ تو یہ ہے کہ چار طرح کی سو اونٹنیاں ہوں یعنی پچیس بنت مخاض (جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگی ہو) پچیس بنت لبون (جو دو سال میں لگی ہوں) پچیس حقہ (جو تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہوں) اور پچیس جذعہ (جو چار سال کی ہو کر پانچویں سال میں لگی ہوں) یہ تفصیل حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت ابویوسف کے مسلک کے مطابق ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد کے نزدیک دیت مغلظہ یہ ہے کہ تین طرح کی اونٹنیاں ہوں یعنی تیس حقہ، تیس جذعہ اور چالیس مثنہ (جو پانچ سال کی ہو کر چھٹے سال میں لگی ہوں) اور سب حاملہ ہوں۔ دیت مغلظہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل شبہ عمد کا مرتکب پایا گیا ہو۔ دیت مخففہ یہ ہے کہ اگر سونے کی قسم سے دیت دی جائے تو اس کی مقدار ایک ہزار دینار (اشرفی) ہے اور اگر چاندی کی قسم سے دی جائے تو دس ہزار درہم دیئے جائیں گے اور اگر اونٹ کی قسم سے دے تو پانچ طرح کے سو اونٹ دینے ہوں گے یعنی بیس ابن مخاض (وہ اونٹ جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگے ہوں) بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس جذعہ دیت مخففہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل خطاء یا قتل جاری مجریٰ خطا اور یا قتل تسبیب کا مرتکب پایا گیا ہو۔

کتاب دیت کے شرعی ماخذ کا بیان

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

(النساء، ۹۲)

اور مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک

مملوک مسلمان کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا کر مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا۔ (کنز الایمان)

ارشاد ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ کسی حال میں اپنے مسلمان بھائی کا خون ناحق کرے صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی مسلمان کا جو اللہ کی ایک ہونے کی اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی شہادت دیتا ہو خون بہانا حلال نہیں مگر تین حالتوں میں ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو، دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو،

تیسرے دین اسلام کو چھوڑ دینے والا جماعت سے علیحدہ ہونے والا۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ جب ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام کسی سے واقع ہو جائے تو رعایا میں سے کسی کو اس کے قتل کا اختیار نہیں البتہ امام یا نائب امام کو بہ عہدہ قضا کا حق ہے، اس کے بعد استثناء منقطع ہے، عرب شاعروں کے کلام میں بھی اس قسم کے استثناء بہت سے ملتے ہیں،

اس آیت کے شان نزول میں ایک قول تو یہ مروی ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ جو ابوجہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا جس ماں کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا اس کے بارے میں اتری ہے اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا جسے وہ اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہا تھا یہاں تک کہ اس کی جان لے لی، ان کا نام حارث بن زید عامری تھا، حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ کانٹا رہ گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ موقعہ پا کر اسے قتل کر دوں گا اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد قاتل کو بھی اسلام کی ہدایت دی وہ مسمان ہو گئے اور ہجرت بھی کر لی لیکن حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا، فتح مکہ والے دن یہ ان کی نظر پڑے یہ جان کر کہ یہ اب تک کفر پر ہیں ان پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل کر دیا اس پر یہ آیت اتری دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے ایک شخص کافر پر حملہ کیا تلوار سونتی ہی تھی تو اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ان کی تلوار چل گئی اور اسے قتل کر ڈالا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان ہوا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ عذر بیان کیا کہ اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے یہ کلمہ پڑھا تھا، آپ ناراض ہو کر فرمانے لگے کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ یہ واقعہ صحیح حدیث میں بھی ہے لیکن وہاں نام دوسرے صحابی کا ہے، پھر قتل خطا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس میں دو چیزیں واجب ہیں ایک تو غلام آزاد کرنا دوسرے دیت دینا، اس غلام کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو، کافر کو آزاد کرنا کافی نہ ہوگا چھوٹا نابالغ بچہ بھی کافی نہ ہوگا جب تک کہ وہ اپنے ارادے سے ایمان کا قصد کرنے والا اور اتنی عمر کا نہ ہو،

امام ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان ہونا شرط ہے چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں، ایک انصاری سیاہ فام لونڈی کو لے کر حاضر حضور ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے ذمے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کر دوں، آپ نے اس لونڈی سے پوچھا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں فرمایا کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی تو قائل ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اسے آزاد کر دو اس نے اسناد صحیح ہے اور صحابی کون تھے؟ اس کا مخفی رہنا سند میں مضر نہیں،

یہ روایت حدیث کی اور بہت سی کتابوں میں اس طرح ہے کہ آپ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں دریافت کیا میں کون ہوں؟ جواب دیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ نے فرمایا اسے آزاد کردو۔ یہ ایماندار ہے پس ایک تو گردن آزاد کرنا واجب ہے دوسرے خوں بہا دینا جو مقتول کے گھروالوں کو سونپ دیا جائے گا یہ ان کے مقتول کا عوض ہے

یہ دیت سو اونٹ ہے پانچ سو قسموں کے، بیس تو دوسری سال کی عمر کی اونٹنیاں اور بیس اسی عمر کے اونٹ اور بیس تیسرے سال میں لگی ہوئی اونٹنیاں اور بیس پانچویں سال میں لگی ہوئی اور بیس چوتھے سال میں لگی ہوئی یہی فیصلہ قتل خطا کے خون بہا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے ملاحظہ ہو سنن و مسند احمد۔

یہ حدیث بروایت حضرت عبداللہ موقوف بھی مروی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دیت چار چوتھائیوں میں بٹی ہوئی ہے یہ خون بہا قاتل کے عاقلہ اور اس کے عصبہ یعنی وارثوں کے بعد کے قریبی رشتہ داروں پر ہے اس کے اپنے مال پر نہیں امام شافعی فرماتے ہیں میرے خیال میں اس امر میں کوئی بھی مخالف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کا فیصلہ انہی لوگوں پر کیا ہے اور یہ حدیث خاصہ میں کثرت سے مذکور ہے امام صاحب جن احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ بہت سی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، نساء ۹۲)

بَاب التَّغْلِيظِ فِي قَتْلِ مُسْلِمٍ ظُلْمًا

یہ باب مسلمان کو ظلم کے طور پر قتل کرنے کی شدید مذمت میں ہے

2615- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خونوں (یعنی قتل کے مقدمات) کے بارے میں فیصلہ ہوگا''۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن بندوں کے حقوق میں سے جس کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ انسان کے خون کا مقدمہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے جس چیز کے بارے میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ منہیات میں سے جس چیز کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کا مقدمہ ہوگا اور ماموررات میں سے جس چیز کے بارے میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔

2615 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 6533' ورقم الحدیث: 6864' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 4357' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 1396' ورقم الحدیث: 1397' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4003' ورقم الحدیث: 4004' ورقم الحدیث: 4005' ورقم الحدیث 4007

قتل کی ابتداء کرنے والے کی سزا کا بیان

2616 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ

◆◆ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس شخص کو ظلم کے طور پر قتل کیا جاتا ہے' تو اس کے خون کا بوجھ آدم کے اس بیٹے کے سر ہوتا ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا آغاز کیا تھا''۔

شرح

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو آدمی ظلم کے طریقہ پر قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے قابیل پر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ پہلا آدمی ہے جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد اول: حدیث نمبر 206)

انسانی ظلم وستم کی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل کی زندگی سے شروع ہوتی ہے جس نے اپنی ایک انتہائی معمولی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور انسانی تاریخ کا یہ سب سے پہلا خونی واقعہ تھا جس نے ناحق خون بہانے کی بنیاد ڈالی۔

جب کوئی نیک طریقہ رائج کرتا ہے تو اسے اس نیک کام کا ثواب بھی ملتا ہے، اسی طرح برا طریقہ رائج کرنے والے کو خود اس عمل کا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والے کا بھی گناہ ملتا ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ جب بھی کوئی آدمی ظلم کے طریقہ پر قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ قابیل پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ ناحق خون بہانے اور ظلم وستم کے ساتھ قتل کا اول موجد وہی ہے۔

پہلا قتل اور واقعہ قابیل کا بیان

اس قصے میں حسد وبغض سرکشی اور تکبر کا بدانجام بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح حضرت کے دو صلبی بیٹوں میں کشمکش ہوگئی اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بنا اور مار ڈالا گیا اور اپنا ٹھکانا جنت میں بنا لیا اور دوسرے نے اسے ظلم وزیادتی کے ساتھ بیوجہ قتل کیا اور دونوں جہان میں برباد ہوا۔ فرماتا ہے "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حضرت آدم کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح بیکم وکاست قصہ سنا دو۔ ان دونوں کا نام ہابیل وقابیل تھا۔

مروی ہے کہ چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی، اس لئے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم کے ہاں ایک حمل سے لڑکی لڑکا دو ہوتے تھے، پھر دوسرے حمل میں بھی اسی طرح تو اس حمل کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کرا دیا جاتا تھا، ہابیل کی

2616 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 3335' ورقم الحدیث:6867' ورقم الحدیث:7321' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 4355' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:2673' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 3996

بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کرلے، حضرت آدم نے اس سے منع کیا آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں اللہ کے نام پر کچھ نکالو، جس کی خیرات قبول ہوجائے اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی خیرات قبول ہوگئی پھر وہ ہوا جس کا بیان قرآن کی ان آیات میں ہوا۔

مفسرین کے اقوال سنیے حضرت آدم کی صلبی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا بیان فرمانے کے بعد مروی ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا، قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب رو تھی۔ جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کردیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا، حضرت آدم نے اس سے روکا۔ اب ان دونوں نے خیرات نکالی کہ جس کی قبول ہوجائے وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے حضرت آدم اس وقت مکہ چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے فرمایا زمین پر جو میرا گھر ہے اسے جانتے ہو؟ آپ نے کہا نہیں حکم ہوا مکہ میں ہے تم وہیں جاؤ، حضرت آدم نے آسمان سے کہا کہ میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا؟ اس نے انکار کیا زمین سے کہا اس نے بھی انکار کردیا، پہاڑوں سے کہا انہوں نے بھی انکار کیا، قابیل سے کہا، اس نے کہا ہاں میں محافظ ہوں، آپ جائیے آکر ملاحظہ فرمالیں گے اور خوش ہوں گے۔

اب ہابیل نے ایک خوبصورت موٹا تازہ مینڈھا اللہ کے نام پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ کے لئے نکالا۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلا گئی، جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی، اس کی کھیتی یونہی رہ گئی، اس نے راہ اللہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالیں تھیں۔

چونکہ قابیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آسکتی، اس لئے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی اس نے کہا کہ "اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور؟ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مینڈھا جنت میں پلتا رہا اور یہی وہ مینڈھا ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کے بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب ومحبوب جانور اللہ کے نام اور خوشی کے ساتھ قربان کیا، برخلاف اس کے قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بیدلی سے اللہ کے نام نکالی۔ ہابیل تنومندی اور طاقتوری میں بھی قابیل سے زیادہ تھا تاہم اللہ کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کا ظلم وزیادتی سہ لی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدم نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ چونکہ آپ ہابیل کو چاہتے ہیں اور آپ نے اس کے لئے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہوگئی۔ اب اس نے ٹھان لی کہ میں اس کانٹے ہی کو اکھاڑ ڈالوں۔ موقع کا منتظر تھا ایک روز اتفاقاً حضرت ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی تو انہیں بلانے کے لئے حضرت آدم نے قابیل کو بھیجا۔

یہ ایک چھری اپنے ساتھ لے کر چلا، راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی، اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی اس پر ہابیل نے کہا میں نے بہترین، عمدہ، محبوب اور مرغوب چیز اللہ کے نام نکالی اور تو نے بیکار بیجان چیز نکالی، اللہ تعالیٰ اپنے متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔ اس پر وہ اور بگڑا اور چھری گھونپ دی، ہابیل کہتے رہ گئے کہ اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اللہ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بری طرح لیا جائے گا۔ اللہ کا خوف کر مجھے قتل نہ کر لیکن اس بیرحم نے اپنے

بھائی کو مار ہی ڈالا۔ قابیل نے اپنی توام بہن سے اپنا ہی نکاح کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں، اسی لئے میں اس کا حقدار ہوں۔

یہ بھی مروی ہے کہ قابیل نے گیہوں نکالے تھے اور ہابیل نے گائے قربان کی تھی۔ چونکہ اس وقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے، اس لئے یہی دستور تھا کہ صدقہ نکال دیتے آگ آسمان سے آتی اور اسے جلا جاتی یہ قبولیت کا نشان تھا۔ اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی، بڑا بھائی حسد کی آگ میں بھڑکا اور اس کے قتل کے درپے ہوگیا، یونہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی۔ نکاح کے اختلاف کو مٹانے کی وجہ نہ تھی، قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ ناراضگی کا باعث عدم قبولیت قربانی تھی نہ کچھ اور۔ ایک روایت مندرجہ روایتوں کے خلاف یہ بھی ہے کہ قابیل نے کھیتی اللہ کے نام نذر دی تھی۔

اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اس سے ڈرتا رہے۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں لوگ میدان قیامت میں ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیزگار کہاں ہیں؟ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہو جائیں گے اور اللہ کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے اللہ تعالیٰ نہ ان سے رخ پوشی کرے گا نہ پردہ۔

راوی حدیث ابوعفیف سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا وہ جو شرک اور بت پرستی سے بچے اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی، وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سن کر اس سے کہتا ہے کہ تو جو چاہے کر، میں تو تیری طرح نہیں کروں گا بلکہ میں صبر و ضبط کروں گا، تھے تو زور و طاقت میں یہ اس سے زیادہ مگر اپنی بھلائی، نیک بختی اور تواضع و فروتنی اور پرہیزگاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو گناہ پر آمادہ ہو جائے لیکن مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہوسکتا، میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں وہ تمام جہان کا رب ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ "جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ صحابہ نے پوچھا قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ حضرت سعد بن وقاص نے اس وقت جبکہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین کو گھیر رکھا تھا کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "عنقریب فتنہ برپا ہوگا۔ بیٹھا رہنے والا اس وقت کھڑے رہنے والے سے اچھا ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا"۔ کسی نے پوچھا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے"۔ آپ نے فرمایا پھر بھی تو حضرت آدم کے بیٹے کی طرح ہو جا۔ ایک روایت میں آپ کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔

حضرت ایوب سختیانی فرماتے ہیں "اس امت میں سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا وہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان ہیں"۔ ایک مرتبہ ایک جانور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے اور آپ کے ساتھ ہی آپ کے پیچھے حضرت ابوذر تھے، آپ نے فرمایا ابوذر بتاؤ تو جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ جا سکیں گے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا جو حکم رب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو فرمایا صبر کرو۔

پھر فرمایا جبکہ آپس میں خونریزی ہوگی یہاں تک کہ ریت کے تھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی

جواب دیا تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کرلے کہا پھر اگرچہ میں نہ میدان میں اتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا جن کا تو ہے اور وہیں رہ۔ عرض کیا کہ پھر میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لے لوں؟ فرمایا پھر تو تو بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو جائے گا بلکہ اگر تجھے کسی کی تلوار کی شعائیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے تاکہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لے جائے۔ حضرت ربعی فرماتے ہیں ہم حضرت حذیفہ کے جنازے میں تھے، ایک صاحب نے کہا میں نے مرحوم سے سنا ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے سب سے دور دراز گھر میں چلا جاؤں گا اور اسے بند کر کے بیٹھ جاؤں گا، اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے گا تو میں کہدوں گا کہ لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لے، پس میں حضرت آدم کے ان دو بیٹوں میں سے جو بہتر تھا، اس کی طرح ہو جاؤں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر رکھ لے جائے۔ یعنی تیرے وہ گناہ جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔

یہ مطلب بھی حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ میری خطائیں بھی مجھ پر آ پڑیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔ لیکن انہی سے ایک قول پہلے جیسا بھی مروی ہے، ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہ ہو۔ اسی بنا پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اوپر بار کر لیتا ہے اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔ بزار میں ایک حدیث ہے کہ "بے سبب کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے"۔ گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں، تاہم یہ بھی صحیح نہیں اور اس روایت کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذاء کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اب وہ قاتل پر آ جاتے ہیں۔

یہ بات ثابت نہیں ممکن ہے بعض قاتل ویسے بھی ہوں، قاتل کو میدان قیامت میں مقتول ڈھونڈھتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لے جائے گا۔ اور سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی تلافی نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ سارے ہی گناہ بعض قاتلوں کے سر پڑ جائیں کیونکہ ظلم کے اس طرح کے بدلے لئے جانے احادیث سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑھ کر ظلم ہے اور سب سے بدتر۔ واللہ اعلم۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے جائے، تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آ جائیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا ملتی ہے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈال دیئے جائیں، اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر ہابیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور ڈرایا اور خوف زدہ کیا کہ اس کام سے باز آ جا، ورنہ گنہگار ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے ہی کا نہیں، سارا بوجھ تجھ ہی پر ہوگا اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

اس نصیحت کے باوجود اس کے نفس نے اسے دھوکا دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آ کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا، اسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کر لی ہے اور لوہے سے اسے مار ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلے گئے تھے، یہ ڈھونڈھتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا، یہ اس وقت سوئے

ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر، گلا دبا دبا کر ان کی جان لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اے دوسرا پتھر زور سے دے مارا، جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا، یہ دیکھ اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا، اس لئے قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا، کبھی اسے تھپڑ اور گھونسے مارتا۔ یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ پتھر لے کر اس کا سر کچل ڈال، جب اس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت حوا کے پاس آیا اور کہا قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا، انہوں نے پوچھا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ وہ کھاتا پیتا ہے نہ بولتا چالتا ہے، نہ ہلتا جلتا ہے کہا شاید موت آ گئی اس نے کہا ہاں وہی موت۔ اب تو مائی صاحبہ چیخنے چلانے لگیں، اتنے میں حضرت آدم آئے پوچھا کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب نہ دے سکیں، آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرط غم ورنج کی وجہ سے ان کی زبان نہ چلی تو کہا اچھا تو اور تیری بیٹیاں ہائے وائے میں ہی رہیں گی اور میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں۔ قابیل خسارے ٹوٹے اور نقصان والا ہو گیا، دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے، اس کے خون کا بوجھ آدم کے اس لڑکے پر بھی پڑتا ہے، اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خون ناحق گرایا ہے"۔ مجاہد کا قول ہے کہ "قاتل کے ایک پیر کی پنڈلی کو ران سے اس دن سے لٹکا دیا گیا اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا، اس کے گھومنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے، جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے۔

حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ "جہنم کا آدھوں آدھ عذاب صرف اس ایک کو ہو رہا ہے، سب سے بڑا معذب یہی ہے زمین کے ہر قتل کے گناہ کا حصہ اس کے ذمہ ہے۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں "اس پر اور شیطان پر ہر خون ناحق کا بوجھ پڑتا ہے"۔ جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے، کس طرح اسے چھپائے؟ تو اللہ نے دو کوے بھیجے، وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے، یہ اس کے سامنے لڑنے لگے، یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا، پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی، یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی یہ ترکیب آ گئی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوے کو دوسرے کوے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سال بھر تک قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کندھے پر لادے لادے پھرتا رہا، پھر کوے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا، یہ بھی کہا گیا ہے مار ڈال کر پھر پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لئے بھی کہ سب سے پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا۔ اہل توراۃ کہتے ہیں کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اللہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہابیل کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے کیا خبر؟ میں اس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے، تجھ پر میری لعنت ہے، اس زمین میں جس کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بیگناہ بھائی کا

خون پلایا ہے، اب تو زمین میں جو کچھ کام کرے گا وہ اپنی کھیتی میں سے تجھے کچھ نہیں دے گی، یہاں تک تم زمین پر عمر بھر بے چین بھٹکتے رہو گے پھر تو قابیل بڑا ہی نادم ہوا۔ نقصان کے ساتھ ہی پچھتاوا گویا عذاب پر عذاب تھا۔

اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر تو متفق ہیں کہ یہ تو دونوں حضرت آدم کے صلبی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے اس کا ایک حصہ بوجھ اور گناہ کا حضرت آدم کے اس پہلے لڑکے پر ہوتا ہے، اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے، لیکن حسن بصری کا قول ہے کہ "یہ دونوں بنی اسرائیل میں تھے، قربانی سب سے پہلے انہی میں آئی اور زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم کا انتقال ہوا ہے" لیکن یہ قول غور طلب ہے اور اس کی اسناد بھی ٹھیک نہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ واقعہ بطور ایک مثال کے ہے "تم اس میں سے اچھائی لے لو اور برے کو چھوڑ دو"۔ یہ حدیث مرسل ہے کہتے ہیں کہ اس صدمے سے حضرت آدم بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی، آخر فرشتوں نے ان کے غم کے دور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی۔

حضرت آدم نے اس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئیں۔ زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بدصورت ہو گئی، ہر ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشش والے چہروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی۔ اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اس مردے کے ساتھ اس زندے نے بھی گویا اپنے تئیں ہلاک کر دیا اور جو برائی قاتل نے کی تھی، اس کا بوجھ اس پر آ گیا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کو اسی وقت سزا دی گئی چنانچہ وارد ہوا ہے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے لٹکا دی گئی اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا یعنی جدھر سورج ہوتا ادھر ہی اس کا منہ اٹھا رہتا۔

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد ان کی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے۔ تو قابیل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں آتی۔ (تفسیر جامع البیان، مائدہ، بیروت)

2617 - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ الْأَزْهَرِ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ

◆◆ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خونوں (یعنی قتل کے مقدمات) کے بارے میں فیصلہ ہو گا''۔

2618 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَائِذٍ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا

2617 اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4002

2618 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

لَمْ يَتَنَدَّ بِدَمٍ حَرَامٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ

◆◆ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے کہ وہ کسی کو اس کا شریک نہ سمجھتا ہو اور اس نے کسی کو قتل نہ کیا ہو تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا''۔

2619 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ جَنَاحٍ عَنْ اَبِي الْجَهْمِ الْجُوْزَجَانِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِغَيْرِ حَقٍّ

◆◆ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری دنیا کا ختم ہو جانا اس سے زیادہ کم حیثیت رکھتا ہے کہ کسی مومن کو ناحق طور پر قتل کر دیا جائے''۔

2620 - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زِيَادٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعَانَ عَلٰى قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ اٰيِسٌ مِّنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص کسی مومن کے قتل میں نصف کلمے کے برابر مدد کرے جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا' تو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہوگا'' یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے''۔

مسلمانوں کے جان و مال کا احترام

مومن کی حرمت کعبہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے۔ سیاسی، فکری یا اعتقادی اختلافات کی بنا پر مسلمانوں کی اکثریت کو کافر، مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہوئے انہیں بے دریغ قتل کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مومن کے جسم و جان اور عزت و آبرو کی کیا اہمیت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مومن کی حرمت کو کعبے کی حرمت سے زیادہ محترم قرار دیا ہے۔ امام ابن ماجہ سے مروی حدیث مبارکہ ملاحظہ ہو:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ، وَيَقُوْلُ: مَا اَطْيَبَكِ وَاَطْيَبَ رِيْحَكِ، مَا اَعْظَمَكِ وَاَعْظَمَ حُرْمَتَكِ، وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ، وَاَنْ نَظُنَّ بِهِ اِلَّا خَيْرًا۔

2619 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2620 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

1. ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، 2: 1297، رقم 3932، 2. طبرانی، مسند الشاميين، 2: 396، رقم 1568، 3. منذری، الترغيب والترهيب، 3: 201، رقم 3679

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا: (اے کعبہ!) تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے، تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! مومن کے جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہیے۔

مسلمان کی طرف ہتھیار سے محض اشارہ کرنا بھی منع ہے

اَسلحہ کی کھلی نمائش پر بھی پابندی

فولادی اور آتشیں اسلحہ سے لوگوں کو قتل کرنا تو بہت بڑا اقدام ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ اسلام کو اپنے مسلمان بھائی کی طرف اسلحہ سے محض اشارہ کرنے والے کو بھی ملعون و مردود قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يُشِيرُ أَحَدُكُمْ إِلَى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَحَدُكُمْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ، فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ.

1. مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن الإشارة بالسلاح، 4: 2020، رقم: 2617، 2. حاكم، المستدرك على الصحيحين، 3: 587، رقم: 6176، 3. بيهقي، السنن الكبرى، 8: 23، الرقم: 2617

تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ کو ڈگمگا دے اور وہ (قتلِ ناحق کے نتیجے میں) جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔

یہاں اِستعارے کی زبان میں بات کی گئی ہے یعنی ممکن ہے کہ ہتھیار کا اشارہ کرتے ہی وہ شخص طیش میں آ جائے اور غصہ میں بے قابو ہو کر اسے چلا دے۔ اس عمل کی مذمت اور قباحت بیان کرنے کے لئے اسے شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے تا کہ لوگ اِسے شیطانی فعل سمجھیں اور اس سے باز رہیں۔

یہی مضمون ایک اور حدیث میں اِس طرح بیان ہوا ہے:

مَنْ أَشَارَ إِلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ حَتَّى يَدَعَهُ، وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ

1. مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن الإشارة بالسلاح، 4: 2020، رقم: 2616، 2. ترمذي، السنن، كتاب الفتن، باب ما جاء في إشارة المسلم إلى أخيه بالسلاح، 4: 463، رقم: 2162، 3. حاكم، المستدرك على الصحيحين، 2: 171، رقم: 2669، 4. ابن حبان، الصحيح، 13: 272، رقم: 5944، 5. بيهقي، السنن الكبرى، 8: 23، رقم: 15649

جو شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے فرشتے اس پر اس وقت تک لعنت کرتے ہیں جب تک وہ اس اشارہ کو

ترک نہیں کرتا خواہ وہ اس کا حقیقی بھائی (ہی کیوں نہ) ہو۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کسی دوسرے پر اسلحہ تاننے سے ہی نہیں بلکہ عمومی حالات میں اسلحہ کی نمائش کو بھی ممنوع قرار دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُوْلًا.

1. ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ما جاء فی النھی عن تعاطی السیف مسلولا، 4:464، رقم: 2163، 2. ابوداود، السنن، کتاب الجہاد، باب ما جاء فی النھی أن یتعاطی السیف مسلولا، 3:31، رقم: 2588، 3. حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 4:322، رقم: 7785، 4. ابن حبان، الصحیح، 13:275، رقم: 5946

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگی تلوار لینے دینے سے منع فرمایا۔

ننگی تلوار کے لینے دینے میں جہاں زخمی ہونے کا احتمال ہوتا ہے وہاں اسلحہ کی نمائش سے اشتعال انگیزی کا بھی خدشہ رہتا ہے۔ اسلام کے دین خیر و عافیت اور مذہب امن و سلامتی ہونے کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے بندوں اسلحہ کی نمائش پر پابندی لگا دی، تا کہ نہ تو اسلحہ کی دوڑ شروع ہو اور نہ ہی اس سے کسی کو threat کیا جا سکے۔ مذکورہ حدیث میں لفظِ مَسْلُول اِس اَمر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ریاست کے جن اداروں کے لیے اسلحہ ناگزیر ہو وہ بھی اس کو غلط استعمال سے بچانے کے لیے کے انتظامات کریں۔

درج بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اسلحہ کی نمائش، دکھاوا اور دوسروں کی طرف اس سے اشارہ کرنا سخت منع ہے تو اس کے بل بوتے پر ایک مسلم ریاست کے نظم اور اتھارٹی کو چیلنج کرتے ہوئے آتشیں گولہ و بارود سے مخلوق خدا کے جان و مال کو تلف کرنا کتنا بڑا گناہ اور ظلم ہوگا۔

مسلمانوں کے قتل اور فساد انگیزی کی ممانعت

اسلام نہ صرف مسلمانوں بلکہ بلاتفریق رنگ و نسل تمام انسانوں کے قتل کی سختی سے ممانعت کرتا ہے۔ اسلام میں کسی انسانی جان کی قدر و قیمت اور حرمت کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے بغیر کسی وجہ کے ایک فرد کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ اللہ عزوجل نے تکریم انسانیت کے حوالے سے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًام بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا. (المائدة، 5:32)

جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد (پھیلانے کی سزا) کے (بغیر، ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

اس آیت مبارکہ میں انسانی جان کی حرمت کا مطلقاً ذکر کیا گیا ہے جس میں عورت یا مرد، چھوٹے بڑے، امیر و غریب حتیٰ کہ مسلم اور غیر مسلم کسی کی تخصیص نہیں کی گئی۔ مدعا یہ ہے کہ قرآن نے کسی بھی انسان کو بلاوجہ قتل کرنے کی نہ صرف سخت ممانعت فرمائی ہے بلکہ اسے پوری انسانیت کا قتل ٹھہرایا ہے۔ جہاں تک قانون قصاص وغیرہ میں قتل کی سزا، سزائے موت ہے، تو وہ انسانی خون ہی کی حرمت و حفاظت کے لئے مقرر کی گئی ہے۔

دورانِ جنگ کسی شخص کے اظہار اسلام کے بعد اُس کے قتل کی ممانعت

ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے اس بات کا جائزہ لیں گے کہ اسلام دورانِ جنگ اسلامی لشکر کو کس قدر احتیاط کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ دنیا کی تمام اقوام کے ہاں یہ قول مشہور ہے کہ جنگ اور محبت میں ہر چیز جائز ہوتی ہے۔ مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت سے ہمیں جنگ کے اضطرابی اور حساس لمحات میں بھی احتیاط اور عدل سے کام لینے کا سبق ملتا ہے۔ درج ذیل حدیث مبارکہ میں ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ قتل کے خوف سے ہی سہی، جب ایک شخص نے کلمہ پڑھ کر اظہار اسلام کر دیا تو اس کے قتل پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت اظہار ناراضگی فرمایا، چہ جائے کہ کلمہ گو مسلمان اور اہل علم حضرات صرف اس لیے قتل کر دیے جائیں کہ وہ باغی گروہ کے انتہاء پسندانہ نظریات سے اختلاف رکھتے ہیں۔ حدیث ملاحظہ کریں۔

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔

بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ، فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ، فَهَزَمْنَاهُمْ، وَلَحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ رَجُلًا مِنْهُمْ، فَلَمَّا غَشِيْنَا قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. فَكَفَّ عَنْهُ الْأَنْصَارِيُّ، وَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي حَتَّى قَتَلْتُهُ. قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا، بَلَغَ ذَالِكَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ لِي: يَا أُسَامَةُ، أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا. قَالَ: فَقَالَ: أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟ قَالَ: فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَالِكَ الْيَوْمِ.

1. بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم أسامة بن زید إلی الحرقات من جہینة، 4: 1555، رقم: 4021، 2. بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ: ومن أحیاہا، 6: 2519، رقم: 6478، 3. ابن حبان، الصحیح، 11: 56، رقم: 4751

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جہاد کے لیے مقام خرقہ کی طرف روانہ کیا جو قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ ہے۔ ہم صبح وہاں پہنچ گئے اور (شدید لڑائی کے بعد) انہیں شکست دے دی۔ میں نے اور ایک انصاری صحابی نے مل کر اس قبیلہ کے ایک شخص کو گھیر لیا، جب ہم اس پر غالب آ گئے تو اس نے کہا لَا إِلٰہَ إِلَّا اللہ. انصاری تو (اس کی زبان سے) کلمہ سن کر الگ ہو گیا لیکن میں نے نیزہ مار کر اسے ہلاک کر ڈالا۔ جب ہم واپس آئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس واقعہ کی خبر ہو چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اے اسامہ! تم نے اسے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کیا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: تم نے اسے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ کلمات دہرا رہے تھے اور میں افسوس کر رہا تھا کہ کاش آج سے پہلے میں اسلام نہ لایا ہوتا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ان الفاظ سے روایت کی ہے۔

فَدَعَاهُ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: لِمَ قَتَلْتَهُ؟ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، أَوْجَعَ فِي الْمُسْلِمِيْنَ، وَقَتَلَ فُلَانًا وَفُلَانًا، وَسَمَّى لَهُ نَفَرًا. وَإِنِّي حَمَلْتُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَأَى السَّيْفَ، قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله

عليه وسلم : أَقَتَلْتَهُ؟ قَالَ : نَعَمْ : قَالَ : فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ : يَا رَسُوْلَ اللهِ، اسْتَغْفِرْ لِي. قَالَ : وَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ : فَجَعَلَ لَا يَزِيْدُهُ عَلَى أَنْ يَقُوْلَ : كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟

مسلم، الصحيح، كتاب الايمان، باب تحريم قتل الكافر بعد أن قال: لا إله إلا الله، 97:1، رقم 94-97

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر دریافت فرمایا: تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے مسلمانوں کو تکلیف دی۔ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لے کر بتایا کہ اس نے فلاں فلاں کو شہید کیا تھا۔ میں نے اس پر حملہ کیا جب اس نے تلوار دیکھی تو فوراً کہا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اسے قتل کر دیا؟ عرض کیا: جی حضور! فرمایا: جب روزِ قیامت لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کا کلمہ آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! میرے لئے استغفار کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: جب روزِ قیامت لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کا کلمہ آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی کلمات دہراتے رہے کہ جب قیامت کے دن لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کا کلمہ آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِي فَضَرَبَ إِحْدَى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ، فَقَطَعَهَا، ثُمَّ لَاذَ مِنِّي بِشَجَرَةٍ، فَقَالَ : أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ، أَفَأَقْتُلُهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ بَعْدَ أَنْ قَالَهَا؟ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : لَا تَقْتُلْهُ، قَالَ : فَقُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ، إِنَّهُ قَدْ قَطَعَ يَدِي، ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ بَعْدَ أَنْ قَطَعَهَا أَفَأَقْتُلُهُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : لَا تَقْتُلْهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ، وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ.

1. بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب شهود الملائكة بدرا، 4:1474، الرقم: 3794۔ 2. مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد أن قال لا إله إلا الله، 1:95، الرقم: 95

یارسول اللہ! یہ فرمائیے کہ اگر (میدان جنگ میں) کسی کافر سے میرا مقابلہ ہو اور وہ میرا ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر جب وہ میرے حملہ کی زد میں آئے تو ایک درخت کی پناہ میں آ کر کہہ دے: أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ (میں اللہ کے لیے مسلمان ہو گیا)، تو کیا میں اس شخص کو اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو قتل نہیں کر سکتے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کلمہ پڑھا ہے تو کیا میں اس کو قتل نہیں کر سکتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو قتل نہیں کر سکتے، اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ اس درجہ پر ہوگا جس پر تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے (یعنی حق پر) اور تم اس درجہ پر ہو گے جس درجہ پر وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا (یعنی کفر پر)۔

پر امن شہریوں اور مسلمانوں کا قتل عام کرنے والے ظالم اور سفاک دہشت گردوں کو اپنے جارحانہ رویوں اور ظالمانہ نظریات

پران فرامین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ضرور غور کرنا چاہیے کہ جب حالت جنگ میں موت کے ڈر سے کلمہ پڑھنے والے دشمن کو بھی امان حاصل ہے اور اس کا قتل بھی سخت منع ہے تو کلمہ گو مسلمانوں کو مسجدوں، دفتروں، تعلیمی اداروں اور بازاروں میں قتل کرنا کتنا بڑا جرم ہوگا؟

دہشت گردوں کی معاونت بھی جرم ہے

دہشت گردوں اور قاتلوں کو معاشرے میں سے انفرادی، مالی اور اخلاقی قوت کے حصول سے محروم کرنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہر قسم کی مدد واعانت سے کلیتاً منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مومن کے قتل میں معاونت کرے گا وہ رحمت الٰہی سے محروم ہو جائے گا۔ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

مَنْ أَعَانَ عَلَى قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ، لَقِيَ اللهَ عزوجل مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ : آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ.

.1 ابن ماجہ، السنن، کتاب الدیات، باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما، 2: 874، رقم: 2620، .2 ربیع، المسند، 1: 368، رقم: 960، .3 بیہقی، السنن الکبریٰ، 8: 22، رقم: 15646

جس شخص نے چند کلمات کے ذریعہ بھی کسی مومن کے قتل میں کسی کی مدد کی تو وہ اللہ عزوجل سے اس حال میں ملے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر لکھا ہوگا: آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس شخص)۔

اس حدیث کے مضمون میں یہ صراحت موجود ہے کہ نہ صرف ایسے ظالموں کی ہر طرح کی مالی وجانی معاونت منع ہے بلکہ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ (چند کلمات) کے الفاظ یہ بھی واضح کر رہے ہیں کہ تقریر یا تحریر کے ذریعے ایسے امن دشمن عناصر کی مدد یا حوصلہ افزائی کرنا بھی سخت مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے محرومی کا سبب ہے۔ اس میں دہشت گردوں کے ماسٹر مائنڈ طبقات کے لئے سخت تنبیہ ہے جو کم فہم لوگوں کو آیات واحادیث کی غلط تاویلیں کر کے انہیں جنت کی بشارت دے کر سول آبادیوں کے قتل پر آمادہ کرتے ہیں۔

مساجد پر حملے کرنے والے سب سے بڑے ظالم ہیں

اسلام اپنے ماننے والوں کو نہ صرف امن و آشتی، تحمل و برداشت اور بقاء باہمی کی تعلیم دیتا ہے بلکہ ایک دوسرے کے عقائد و نظریات اور مکتب و مشرب کا احترام بھی سکھاتا ہے۔ اعتقادی، فکری یا سیاسی اختلافات کی بنیاد پر مخالفین کی جان و مال یا مقدس مقامات پر حملے کرنا نہ صرف غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی فعل بھی ہے۔ خودکش حملوں اور بم دھماکوں کے ذریعے اللہ کے گھروں کا تقدس پامال کرنے والے اور وہاں لوگوں کی قیمتی جانیں تلف کرنے والے ہرگز نہ تو مومن ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ہدایت یافتہ۔ مسجدوں میں خوف وہراس کے ذریعے اللہ کے ذکر سے روکنے اور انہیں اپنی دہشت گردانہ کارروائیوں کے ذریعے ویران کرنے والوں کو قرآن نے نہ صرف سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے، بلکہ انہیں دنیا و آخرت میں ذلت آمیز عذاب کی وعید بھی سنائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

بین المذاہب رواداری اور دوسرے مذاہب کے احترام کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا ذکر آئندہ ابواب میں کیا جائے گا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ○ البقرة، 114:2

اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے سے روک دے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کرے، انہیں ایسا کرنا مناسب نہ تھا کہ مسجدوں میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لیے دنیا میں (بھی) ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مساجد اور عبادت گاہوں کو آباد کرنے کی بجائے اُن پر حملہ کرنے والے نہ تو یوم حساب پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ مومن ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۔ التوبة، 18:9

اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کرسکتا ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی اور اللہ کے سوا (کسی سے) نہ ڈرا۔ سو امید ہے کہ یہی لوگ ہدایت پانے والوں میں ہو جائیں گے۔

مساجد و مزارات اور دیگر مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنے والے دہشت گردوں کے احوال وظروف اور مجالست و مصاحبت کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کا ذہنی وفکری ارتقاء نہایت ہی تنگ نظری کے ماحول میں ہوتا ہے۔ اس تنگ نظری سے انتہا پسندی جنم لیتی ہے، انتہا پسندی انسان کو جارحیت پر اکساتی ہے اور پھر جارحیت کا منطقی نتیجہ دہشت گردی کی بھیانک صورت میں رونما ہوتا ہے۔ نفرت وتعصب اور جبر وتشدد کے اس مقام پر انسان کے اندر سے اعتدال و توازن اور تحمل و برداشت کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ جب انسان ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ ۔ کا مصداق بن کر سنگ دلی اور شقاوت وبدبختی کی انتہا کو پہنچتا ہے تو پھر اس سے بازاروں، مارکیٹوں، عوامی مقامات اور درس گاہوں میں موجود لوگوں کو قتل کرنے سے لے کر مساجد میں مشغول عبادت لوگوں کی جانیں لینے اور مساجد کو تاخت وتاراج کرنے تک کچھ بھی بعید نہیں ہوتا۔ ایسے اقدامات کرنے والوں کا اسلام سے کیا تعلق وواسطہ ہے! اگر ان میں خوف خدا اور فکر آخرت کا ایک ذرہ بھی ہوتا تو کم از کم ان کی وحشت و بربریت سے مساجد اور نمازی تو محفوظ رہتے۔ لہٰذا ان کا مساجد تک کو نشانہ بنانے کا اقدام اِس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کا اسلام جیسے پرامن اور سلامتی وعافیت والے دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد (بھی) تمہارے دل سخت ہو گئے چنانچہ وہ (سختی میں) پتھروں جیسے (ہو گئے۔ (البقرۃ)

بَاب هَلْ لِقَاتِلِ مُؤْمِنٍ تَوْبَةٌ

یہ باب ہے کہ کیا کسی مومن کو قتل کرنے والے کے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟

2621- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمَّارٍ الدُّهْنِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَمَّنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا ثُمَّ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى قَالَ وَيْحَهُ وَاَنّٰى لَهُ الْهُدٰى سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَجِيءُ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُتَعَلِّقٌ بِرَأْسِ صَاحِبِهِ يَقُولُ رَبِّ سَلْ هٰذَا لِمَ قَتَلَنِي وَاللّٰهِ لَقَدْ اَنْزَلَهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى نَبِيِّكُمْ ثُمَّ مَا نَسَخَهَا بَعْدَمَا اَنْزَلَهَا

◄► سالم بن ابوجعد بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا: جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دیتا ہے' پھر وہ توبہ کرتا ہے ایمان لے آتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے' پھر وہ ہدایت حاصل کر لیتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا ستیاناس ہو! اسے ہدایت کہاں سے مل سکتی ہے؟ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے قیامت کے دن قاتل اور مقتول آئیں گے' جس میں مقتول نے اپنے مقابل فریق کا سر پکڑا ہوا ہو گا اور وہ یہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! تو اس سے یہ پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟

(پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:) اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل کی تھی پھر اس کے بعد کسی آیت نے اس نازل شدہ آیت کو منسوخ نہیں کیا۔

2622- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ اَنْبَاَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيٰى عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِي الصِّدِّيقِ النَّاجِيِّ عَنْ اَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَا سَمِعْتُ مِنْ فِيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَتْهُ اُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي اِنَّ عَبْدًا قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ نَفْسًا ثُمَّ عَرَضَتْ لَهُ التَّوْبَةُ فَسَاَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَهْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰى رَجُلٍ فَاَتَاهُ فَقَالَ اِنِّي قَتَلْتُ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ نَفْسًا فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ قَالَ بَعْدَ تِسْعَةٍ وَتِسْعِينَ نَفْسًا قَالَ فَانْتَضٰى سَيْفَهُ فَقَتَلَهُ فَاَكْمَلَ بِهِ الْمِائَةَ ثُمَّ عَرَضَتْ لَهُ التَّوْبَةُ فَسَاَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَهْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰى رَجُلٍ فَاَتَاهُ فَقَالَ اِنِّي قَتَلْتُ مِائَةَ نَفْسٍ فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ فَقَالَ وَيْحَكَ وَمَنْ يَحُولُ بَيْنَكَ وَبَيْنَ التَّوْبَةِ اُخْرُجْ مِنَ الْقَرْيَةِ الْخَبِيثَةِ الَّتِي اَنْتَ فِيهَا اِلَى الْقَرْيَةِ الصَّالِحَةِ قَرْيَةِ كَذَا وَكَذَا فَاعْبُدْ رَبَّكَ فِيهَا فَخَرَجَ يُرِيدُ الْقَرْيَةَ الصَّالِحَةَ فَعَرَضَ لَهُ اَجَلُهُ فِي الطَّرِيقِ فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ قَالَ اِبْلِيسُ اَنَا اَوْلٰى بِهِ اِنَّهُ لَمْ يَعْصِنِي سَاعَةً قَطُّ قَالَ فَقَالَتْ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ اِنَّهُ خَرَجَ تَائِبًا قَالَ هَمَّامٌ فَحَدَّثَنِي حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِي رَافِعٍ قَالَ فَبَعَثَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَلَكًا فَاخْتَصَمُوا اِلَيْهِ ثُمَّ رَجَعُوا فَقَالَ انْظُرُوا اَيَّ الْقَرْيَتَيْنِ

2621 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4010' ورقم الحدیث: 4881

2622 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3470' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6939' ورقم الحدیث: 6940' ورقم الحدیث: 6941

كَانَتْ أَقْرَبَ فَأَلْحِقُوهُ بِأَهْلِهَا قَالَ قَتَادَةُ فَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ قَالَ لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ احْتَفَزَ بِنَفْسِهِ فَقَرُبَ مِنَ الْقَرْيَةِ الصَّالِحَةِ وَبَاعَدَ مِنْهُ الْقَرْيَةَ الْخَبِيثَةَ فَأَلْحَقُوهُ بِأَهْلِ الْقَرْيَةِ الصَّالِحَةِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کیا میں تم لوگوں کو یہ بات نہ بتاؤں؟ جو میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنی ہے میرے دونوں کانوں نے اس بات کو سنا اور میرے ذہن نے اسے محفوظ رکھا ایک شخص نے ننانوے قتل کیے پھر اسے توبہ کا خیال آیا' تو اس نے اس وقت کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں دریافت کیا: اس کی رہنمائی ایک شخص کی طرف کی گئی وہ اس کے پاس گیا اور بولا: میں نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟ اس نے دریافت کیا: کیا ننانوے قتل کے بعد بھی توبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے؟ تو اس نے تلوار کھینچی اور اس کو بھی قتل کر دیا اس طرح اس کی تعداد مکمل 100 ہو گئی پھر اسے توبہ کا خیال آیا اس نے اس علاقے کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں دریافت کیا: اس کی رہنمائی ایک شخص کی طرف کی گئی وہ اس کے پاس آیا اور بولا: میں نے ایک سو قتل کیے ہیں کیا میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟ تو وہ بولا تمہارا ستیاناس ہو تمہارے اور توبہ کے درمیان کون سی چیز رکاوٹ بن سکتی ہے؟ تم اس وقت جس بری جگہ پر رہتے ہو وہاں سے کسی نیک بستی کی طرف چلے جاؤ وہ فلاں' فلاں بستی ہے وہاں تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) وہ شخص اس نیک بستی کی طرف جانے کے ارادے سے روانہ ہوا راستے میں ہی اسے موت آ گئی' تو اس کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان اختلاف ہو گیا شیطان نے کہا: میں اس کا زیادہ حقدار ہوں' کیونکہ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی میری نافرمانی نہیں کی رحمت کے فرشتوں نے کہا: یہ شخص توبہ کر کے روانہ ہوا تھا۔ ہمام نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو بھیجا فرشتوں نے اس کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا اور رجوع کیا' تو اس فرشتے نے کہا: تم لوگ اس بات کا جائزہ لو کہ دونوں بستیوں میں سے کون سی بستی زیادہ قریب ہے؟ تو تم اسے اس بستی والوں کے ساتھ شامل کر دو۔

قتادہ نامی راوی بیان کرتے ہیں: حسن نے یہ بات بیان کی ہے جب اس شخص کی موت کا وقت قریب آیا' تو اس نے اپنے سانس کو روکا اور (گھسٹ کر) نیک بستی کے قریب ہو گیا اور بری بستی سے دور ہو گیا تو ان فرشتوں نے اسے نیک بستی والوں کے ساتھ شامل کیا۔

2622م- حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ إِسْمٰعِيلَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

سبحان اللہ اگر مالک کے رحم و کرم کو سامنے رکھا جائے تو امید ایسی بندھ جاتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی گناہ گار کو عذاب نہ ہوگا، اور اگر اس کے غضب اور عدل اور قہر کی طرف خیال کیا جائے، تو اپنے اعمال کا حال دیکھ کر ایسا خوف طاری ہوتا ہے کہ بس اللہ کی پناہ، ایمان اسی کا نام ہے کہ مومن خوف (ڈر) اور رجاء (امید) کے درمیان رہے، اگر خوف ایسا غالب ہوا کہ امید بالکل جاتی رہے تب بھی آدمی گمراہ ہو گیا، اور اگر امید ایسی غالب ہوئی کہ خوف جاتا رہا جب بھی اہل ہدایت اور اہل سنت سے باہر ہو گیا، اس حدیث

سے یہ معلوم ہوا کہ گناہ خواہ کسی قدر ہوں پر آدمی کو توبہ کا خیال نہ چھوڑنا چاہئے اور گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے، وہ ارحم الراحمین بندہ نواز ہے اور اس کا ارشاد ہے: (رحمتی سبقت غضبی) (یعنی میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "مغفرتك أرجى عندي من عملي" (یعنی اے رب اپنے عمل سے زیادہ مجھے تیری مغفرت کی امید ہے) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان قاتل کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، گو اس میں شک نہیں کہ مومن کا قتل بہت بڑا گناہ ہے اور مومن قاتل کی جزا یہی ہے کہ اس پر عذاب الٰہی اترے دنیا یا آخرت یا دونوں میں، مگر اس حدیث اور ایسی حدیثوں کی وجہ سے جن سے امید کو ترقی ہوتی ہے یہ کوئی نہ سمجھے کہ گناہ ضرور بخش دیا جائے گا، پھر گناہ سے بچنا کیا ضروری ہے کیونکہ گناہ پر عذاب تو وعدہ الٰہی سے معلوم ہو چکا ہے اب مغفرت وہ مالک کے اختیار میں ہے بندے کو ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس کی توبہ قبول ہوئی یا نہیں، اور اس کی مغفرت ہوگی یا نہیں، پس ایسے موہوم خیال پر گناہ کا ارتکاب کر بیٹھنا اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت پر تکیہ کر لینا بڑی حماقت اور نادانی ہے، ہر وقت گناہ سے بچتا رہے خصوصاً حقوق العباد سے، اور اگر بدقسمتی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو دل و جان سے اس سے توبہ کرے، اور اپنے مالک کے سامنے گڑگڑائے روئے، اور عہد کرے کہ پھر ایسا گناہ نہ کروں گا تو کیا عجب ہے کہ مالک اس کا گناہ بخش دے وہ غفور اور رحیم ہے۔

بَاب مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ اِحْدَى ثَلَاثٍ

یہ باب ہے کہ جس شخص کا کوئی قریبی عزیز فوت ہو جائے اسے تین میں سے ایک بات کا اختیار ہے

2623- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ وَاَبُوْ بَكْرٍ ابْنَا اَبِىْ شَيْبَةَ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ خَالِدٍ الْاَحْمَرُ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرٍ وَعُثْمَانُ ابْنَا اَبِىْ شَيْبَةَ قَالَا حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ وَعَبْدُ الرَّحِيْمِ بْنُ سُلَيْمَانَ جَمِيْعًا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ فُضَيْلٍ اَظُنُّهُ عَنِ ابْنِ اَبِى الْعَوْجَاءِ وَاسْمُهُ سُفْيَانُ عَنْ اَبِىْ شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُصِيْبَ بِدَمٍ اَوْ خَبْلٍ وَّالْخَبْلُ الْجُرْحُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ اِحْدَى ثَلَاثٍ فَاِنْ اَرَادَ الرَّابِعَةَ فَخُذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ اَنْ يَّقْتُلَ اَوْ يَعْفُوَ اَوْ يَاْخُذَ الدِّيَةَ فَمَنْ فَعَلَ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَعَادَ فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا

◄► حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جس شخص کو قتل کر دیا جائے یا جسے کوئی زخم لاحق ہو اسے تین میں سے ایک بات کا اختیار ہوگا، اگر وہ کوئی چوتھی صورت اختیار کرنا چاہے تو تم اس کے ہاتھ کو پکڑ لو، یہ کہ وہ (قاتل کو) قتل کر دے یا پھر یہ ہے کہ وہ معاف کر دے یا وہ دیت وصول کر لے، جو شخص ان میں سے کوئی ایک کام کرے اور پھر اس کے بعد دوبارہ کرنا چاہے تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہوگی جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا''۔

2624- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدِّمَشْقِىُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِىُّ حَدَّثَنِىْ يَحْيَى بْنُ اَبِىْ

2623 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4496

كَثِيرٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ اِمَّا اَنْ يَقْتُلَ وَاِمَّا اَنْ يُفْدَى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جس شخص کا کوئی عزیز قتل ہو جائے' تو اسے دو میں سے ایک باتوں کا اختیار ہوتا ہے یا تو یہ کہ وہ (قاتل کو) قتل کر دے یا پھر یہ ہے کہ اسے دیت دے دی جائے''۔

بَاب مَنْ قَتَلَ عَمْدًا فَرَضُوْا بِالدِّيَةِ

یہ باب ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر قتل کرے اور (دوسرے فریق) کے لوگ دیت پر راضی ہو جائیں

2625- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ خَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ضُمَيْرَةَ حَدَّثَنِي اَبِي وَعَمِّي وَكَانَا شَهِدَا حُنَيْنًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ ثُمَّ جَلَسَ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَقَامَ اِلَيْهِ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ وَهُوَ سَيِّدُ خِنْدِفٍ يَرُدُّ عَنْ دَمِ مُحَلِّمِ بْنِ جَثَّامَةَ وَقَامَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنٍ يَطْلُبُ بِدَمِ عَامِرِ بْنِ الْاَضْبَطِ وَكَانَ اَشْجَعِيًّا فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْبَلُوْنَ الدِّيَةَ فَاَبَوْا فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي لَيْثٍ يُقَالُ لَهُ مُكَيْتِلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ مَا شَبَّهْتُ هٰذَا الْقَتِيلَ فِي غُرَّةِ الْاِسْلَامِ اِلَّا كَغَنَمٍ رُمِيَ اَوَّلُهَا فَنَفَرَ اٰخِرُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ خَمْسُوْنَ فِي سَفَرِنَا وَخَمْسُوْنَ اِذَا رَجَعْنَا فَقَبِلُوا الدِّيَةَ

حضرت زید بن ضمیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرے والد اور میرے چچا نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ یہ دونوں حضرات غزوہ حنین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے ہیں، یہ دونوں حضرات بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کرلی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے' تو اقرع بن حابس جو خندف کا سردار تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جو محلم بن جثامہ کو قصاص کے طور پر قتل ہونے سے بچانا چاہتا تھا، پھر عیینہ بن حصن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ عامر بن اضبط کے خون کا قصاص لینا چاہتا تھا، وہ اشجعی تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

''تم لوگ دیت قبول کرلو گے''۔

انہوں نے یہ بات نہیں مانی، تو بنولیث سے تعلق رکھنے والا ایک شخص کھڑا ہوا جس کا نام مکیتل تھا، اس نے عرض کی: یارسول

2624 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 2434' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث:3292' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:2017' ورقم الحدیث 3649' ورقم الحدیث 3650' ورقم الحدیث 4505' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث:1405' ورقم الحدیث:2667' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث:4799' ورقم الحدیث:4800' ورقم الحدیث:4801

2625 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:4503

اللہ ﷺ، اللہ کی قسم! میں اس مقتول کو اسلام کے آغاز میں صرف یہی تشبیہ دے سکتا ہوں کہ اس کی مثال ان بکریوں کی طرح ہے جو پانی پینے کے لیے آتی ہیں انہیں تیر مارا جاتا ہے' تو ان میں سے آخری بھاگ جاتی ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم لوگوں کو سفر کے دوران پچاس اونٹ مل جائیں گے اور جب ہم واپس جائیں گے تو پچاس اس وقت مل جائیں گے''۔

تو ان لوگوں نے دیت کو قبول کر لیا۔

2626- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ مُوسٰى عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَمْدًا دُفِعَ إِلٰى أَوْلِيَاءِ الْقَتِيلِ فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاءُوا أَخَذُوا الدِّيَةَ وَذٰلِكَ ثَلَاثُونَ حِقَّةً وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَأَرْبَعُونَ خَلِفَةً وَذٰلِكَ عَقْلُ الْعَمْدِ مَا صُولِحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ وَذٰلِكَ تَشْدِيدُ الْعَقْلِ

◄◄ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص جان بوجھ کر کسی کو قتل کر دے تو اسے مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے اگر وہ لوگ چاہیں' تو اسے قتل کر دیں اگر وہ لوگ چاہیں' تو اس سے دیت وصول کر لیں یہ تیس حقہ تیس جزعہ اور چالیس خلفہ اونٹ ہوں گی اور یہ قتل عمد کی دیت ہے جب اس شخص پر مصالحت ہو جائے' تو یہ ان کو مل جائے گی اور یہ شدید ترین دیت ہے۔

مفلس بچے کے سبب دیت معاف کرنے کا بیان

حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ایک لڑکے نے جو مفلس خاندان سے تعلق رکھتا تھا، ایک ایسے لڑکے کا کان کاٹ ڈالا جو ایک دولت مند خاندان سے تھا، چنانچہ جس لڑکے نے کان کاٹا تھا اس کے خاندان والے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم محتاج و مفلس ہیں (لہذا ہم پر دیت مقرر نہ کی جائے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے) ان پر کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔ (ابوداؤد، نسائی، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: حدیث نمبر 666)

اگر کسی لڑکے سے کوئی جنایت (یعنی کسی کو نقصان یا تکلیف پہنچانے کا کوئی قصور) سرزد ہو جائے تو "اختیار صحیح" کے فقدان کی وجہ سے وہ جنایت خطائی کے حکم میں ہوتی ہے اور اس کا تاوان لڑکے کے عاقلہ (یعنی اس کے خاندان و برادری والوں پر واجب ہوتا ہے۔ "اس لئے اگر کوئی لڑکا کسی شخص کو قتل کر دے تو اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا۔

حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں قاعدہ کے اعتبار سے لڑکے کے عاقلہ پر تاوان واجب ہونا چاہئے تھا لیکن عاقلہ چونکہ غریب و مفلس تھے اور غریب و مفلس کسی تاوان کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کان کاٹنے والے لڑکے کے خاندان والوں پر کوئی دیت واجب نہیں فرمائی۔ حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس لڑکے نے کان کاٹا تھا وہ "آزاد" تھا کیونکہ وہ غلام ہوتا تو اس کی جنایت و دیت خود اس کی ذات کے ساتھ متعلق کی جاتی اور اس کے مالکوں کا

2626 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4506' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1387

تغیر و نقص ہونا اس کے وجوب کو اس کی ذات سے ختم نہ کرے گا۔

بَاب دِيَةِ شِبْهِ الْعَمْدِ مُغَلَّظَةً

یہ باب ہے کہ شبہ عمد کی دیت بڑی ہوگی

2627- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَتِيلُ الْخَطَإِ شِبْهِ الْعَمْدِ قَتِيلُ السَّوْطِ وَالْعَصَا مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَرْبَعُونَ مِنْهَا خَلِفَةٌ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا

●● حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ”خطا شبہ عمد کے طور پر قتل ہونے والے (یعنی لاٹھی یا عصا کے ذریعے قتل ہونے والے) کی دیت ایک سو اونٹ ہوگی، جن میں سے چالیس ایسی اونٹنیاں ہوں گی جن کے پیٹ میں ان کی اولاد ہو“۔

2627م- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ أَوْسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

●● یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شبہ عمد میں عاقلہ پر دیت مغلظہ واجب ہونے کا بیان

شبہ عمد میں عاقلہ پر دیت مغلظہ واجب ہے۔ اور قاتل پر کفارہ واجب ہے۔ اور کتاب جنایات کے شروع میں ہم اس کو بیان کر آئے ہیں۔

اور شبہ عمد کا کفارہ ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک مومن غلام کی آزادی ہے۔ اور جب قاتل غلام کو نہ پائے تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے اسی نص کے سبب سے ہے اور اس میں کھانا کھلانا کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ کھانے کھلانے کے بارے میں کوئی نص بیان نہیں ہوئی ہے۔ اور مقادیر حکم شریعت کے بتلانے سے معلوم ہوئی ہیں۔ اور اس میں ذکر کردہ کے کل کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ حرف فاء کی وجہ سے ہے یا کلی طور پر ذکر ہونے کی وجہ سے ہے۔ جس طرح معلوم ہو چکا ہے۔

اور کفارے میں ایسا شیر خوار بچہ بھی کفایت کر جائے گا جس کے والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو۔ اور اس کے اعضاء درست ہوں۔ جبکہ پیٹ میں موجود بچہ کفایت کرنے والا نہ ہوگا کیونکہ اس میں نہ زندگی کا علم ہے اور نہ ہی اس کے اعضاء کی سلامتی کا

2627 اخرجہ النسائی فی ”السنن“ رقم الحدیث 4805' ورقم الحدیث 4806

2627م اخرجہ ابوداؤد فی ”السنن“ رقم الحدیث: 4547' ورقم الحدیث: 4548' اخرجہ النسائی فی ”السنن“ رقم الحدیث 4807' ورقم الحدیث 4808' ورقم الحدیث 4809' ورقم الحدیث 4810' ورقم الحدیث 4811' ورقم الحدیث 4812' ورقم الحدیث 4814

علم ہے۔ (ہدایہ، کتاب الجنایات، لاہور)

قتل وقطع کی چار صورتوں کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قطع وقتل کی چار صورتوں میں دیت واجب ہوتی ہے۔(۱) قتل خطا (۲) شبہ عمد (۳) قتل بہ سبب (۴) قائم مقام خطا۔ ان سب صورتوں میں دیت عصبات پر واجب ہوتی ہے۔ سوائے اس صورت میں کہ باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اس کو اپنے مال میں دیت واجب ہوگی اور ہر اس قتل وقطع عمد میں جس میں کسی شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے مجرم کے اپنے مال میں دیت واجب ہوگی اور جنایت عمد کی صلح کا مال بھی مجرم کے مال سے ادا کیا جائے گا۔

(ہندیہ ص24 ج6، قاضی خان ص392 ج4)

علامہ سرخسی حنفی علیہ الرحمہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد کی اساس کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فان قيل كيف يظن بهم الاجماع على خلاف ما قضى به رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قلنا هذا اجتماع على وفاق ما قضى به رسول الله صلى الله عليه وسلم فانهم علموا ان رسول الله قضى به على العشيرة باعتبار النصرة وكانت قوة المرء ونصرته يومئذ بعشيرته ثم لما دون عمر رضى الله عنه الدواوين صارت القوة والنصرة بالديوان فقد كان المرء يقاتل قبيلته عن ديوانه. (المبسوط ۲۷/۱۲۸-۱۲۹)

اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ کے بارے میں کیسے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے خلاف اجماع کر لیا ہو تو ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ اجماع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے (خلاف نہیں، بلکہ اس کے) مطابق ہے، کیونکہ صحابہ یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلے پر دیت کی ادائیگی امداد باہمی کے اصول پر لازم کی ہے اور آپ کے زمانے میں کسی شخص کا قبیلہ ہی اس کی قوت اور نصرت کا مدار ہوتا تھا۔ پھر جب عمر رضی اللہ عنہ نے دیوان کا نظام بنا دیا تو اب قوت اور نصرت کا مدار دیوان بن گیا۔ چنانچہ (اگر لڑائی کا موقع آ جاتا تو) ایک شخص اپنے دیوان کے دفاع میں اپنے ہی قبیلے کے خلاف جنگ کیا کرتا تھا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فقہائے احناف نے اسی اصول پر بعد میں دیوان کا نظام ختم ہو جانے کے بعد ایک پیشے سے منسلک افراد کے مجموعے کو عاقلہ قرار دیا تھا، اجبکہ فقہا یہ بھی قرار دیتے ہیں کہ جہاں عاقلہ کی کوئی بھی شکل باقی نہ رہ گئی ہو، وہاں اگر قاتل کے لیے دیت کی ادائیگی مشکل ہو تو اس کی ذمہ داری بیت المال کو اٹھانا ہوگی۔ (در مختار، کتاب دیات، بیروت)

دیت کے چار انواع کے اونٹوں کی تعداد کا بیان

قتل خطاء میں کفارہ ہے اسی آیت کے سبب جس کو ہم تلاوت کر آئے ہیں۔ اور شیخین کے نزدیک اس کی دیت میں چار قسم کے اونٹ ہوں گے۔ پچیس بنت لخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقے اور پچیس جذعے ہیں۔

حضرت امام محمد اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ تین قسم کے اونٹ ہوں گے۔ تیس جذعے اور تیس حقے اور چالیس ثنیہ

اونٹنیاں ہوں جو حاملہ ہوں یعنی جن کی پیٹ میں اولاد ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ شبہ عمد والا مقتول وہ ہے جو کوڑے یا لاٹھی والا مقتول ہے اور اس میں سو اونٹ واجب ہیں۔ جن میں سے چالیس کے پیٹوں میں اولاد ہونی چاہیے۔

حضرت عمر فاروق اور حضرت زید رضی اللہ عنہما سے تیس حقے اور تیس جذعے نقل کیے گئے ہیں۔ کیونکہ شبہ عمد کی دیت زیادہ سخت ہے۔ اور دیت میں تغلیظ اسی وقت ثابت ہوگی۔ جس طرح ہم نے اس کو بیان کر دیا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمان کی جان میں سو اونٹ ہیں۔ اور امام محمد اور امام شافعی علیہما الرحمہ کی روایت کردہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ تغلیظ کی تعریف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما چار قسم کی تغلیظ کے قائل ہیں۔ جس طرح ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اور یہ قول مرفوع حدیث کی طرح ہے۔ پس یہ اس حدیث کا معارض بننے والا بن جائے گا۔

اور یہ تغلیظ خاص طور پر اونٹ میں ثابت ہوگی۔ کیونکہ اس کے بارے میں اونٹ کو بیان کیا گیا ہے۔ اور جب اونٹ کے سوا میں دیت کا فیصلہ کیا جائے تو دیت میں تغلیظ نہ ہوگی اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ (ہدایہ کتاب الجنایات، لاہور)

اقسام دیت کے جانوروں کا بیان

حضرت خشف بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے ابن مسعود سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطاء کی دیت میں بیس اونٹنیاں ایک سالہ، بیس اونٹ دو سالہ، بیس اونٹ تین سالہ اور بیس اونٹ چار سالہ (کل سو اونٹ) دیت مقرر فرمائی۔ (جامع ترمذی جلد اول رقم الحدیث 1419)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دیت صرف تین قسم کے مالوں سے ادا کی جائے گی۔ (۱) اونٹ ایک سو (۲) دینار ایک ہزار (۳) دراہم دس ہزار۔ قاتل کو اختیار ہے کہ ان تینوں میں سے جو چاہے ادا کرے۔ (عالمگیری از محیط ص24 ج6)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اونٹ سب ایک عمر کے واجب نہیں ہوں گے بلکہ مختلف العمر لازم آئیں گے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ خطا قتل کی صورت میں پانچ قسم کے اونٹ دیے جائیں گے۔ بیس بنت مخاض یعنی اونٹ کا وہ مادہ بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو اور بیس ابن مخاض یعنی اونٹ کے وہ نر بچے جو دوسرے سال میں داخل ہو چکے ہوں اور بیس بنت لبون یعنی اونٹ کا وہ مادہ بچہ جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو اور بیس حقے یعنی اونٹ کے وہ بچے جو عمر کے چوتھے سال میں داخل ہو چکے ہوں اور بیس جذعہ یعنی وہ اونٹنی جو پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہے اور شبہ عمد میں، پچیس بنت مخاض اور پچیس بنت لبون اور پچیس حقے اور پچیس جذعے صرف یہ چار قسمیں دی جائیں گی۔ (عالمگیری ص24 ج6، درمختار و شامی ص504 ج5)

2628- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُدْعَانَ سَمِعَهُ مِنَ الْقَاسِمِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَهُوَ عَلٰى دَرَجِ الْكَعْبَةِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ اَلَا اِنَّ قَتِيلَ الْخَطَاِ قَتِيلَ

2628 اخرجہ ابو داؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4549 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 4813

السَّوْطِ وَالْعَصَا فِيهِ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ مِنْهَا أَرْبَعُونَ خَلِفَةً فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا أَلَا إِنَّ كُلَّ مَأْثُرَةٍ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَدَمٍ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ سِدَانَةِ الْبَيْتِ وَسِقَايَةِ الْحَاجِّ أَلَا إِنِّي قَدْ أَمْضَيْتُهُمَا لِأَهْلِهِمَا كَمَا كَانَا

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خانہ کعبہ کی دہلیز پر موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

''ہر طرح کی حمد اس اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے' جس نے اپنے وعدہ کو سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی (اور مشرکین کے) لشکروں کو تنہا پسپا کردیا' یاد رکھنا! خطاء کے طور پر قتل ہونے والا شخص وہ ہے' جسے لاٹھی یا عصاء کے ذریعے قتل کیا جائے اس کی دیت ایک سو اونٹ ہوگی۔ اس میں چالیس خلفہ ہوں گے' جن کے پیٹ میں بچہ موجود ہوگا اور یہ بھی یاد رکھنا! کہ زمانۂ جاہلیت کی ہر ایک رسم اور خون (یعنی قتل یا اس کے بدلے کا حساب) میرے ان دو قدموں کے نیچے ہے' البتہ بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانے کا حکم مختلف ہے کیونکہ میں ان دونوں کاموں کو ان سے متعلقہ افراد کے لیے باقی رکھوں گا' جس طرح وہ پہلے تھے۔''

شرح

جاننا چاہیے کہ قتل عمد خطاء جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو اس کی دیت سو اونٹ دیت مغلظہ ہے جن میں چالیس اونٹنیاں ایسی بھی ہونی چاہئیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں، گویا اس روایت میں قتل عمد خطا سے مراد قتل خطا شبہ عمد ہے جو اوپر کی روایت میں مذکور ہوا۔ اس بارے میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ ارتکاب میں یا عمد کا دخل ہوتا ہے یا شبہ عمد کا اور یا خطاء محض کا۔ قتل عمد سے تو یہ مراد ہوتا ہے کہ کسی شخص کی جان بوجھ کر کسی ایسی چیز (مثلاً ہتھیار یا دھار دار آلہ) سے ہلاک کیا جائے جو اعضاء جسم کو جدا کردے، یا پھاڑ ڈالے اور شبہ عمد کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کو جان بوجھ کر کسی ایسی چیز سے ہلاک کیا جائے جو دھار دار اور ہتھیار کی قسم سے نہ ہو خواہ عام طور پر اس چیز سے انسان کو ہلاک کیا جاسکتا ہو، یا ہلاک نہ کیا جاسکتا ہو اور قتل خطاء یہ ہے کہ کسی کو خطاء (یعنی بلا قصد قتل یا نشانہ کی خطاء سے) ہلاک کردیا جائے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ چنانچہ وہ اس حدیث میں مذکورہ "لاٹھی" کو مطلق معنی پر محمول کرتے ہیں کہ خواہ وہ ہلکی ہو یا بھاری، جب کہ دوسرے ائمہ چونکہ یہ کہتے ہیں کہ کسی ایسی بھاری چیز سے قتل کرنا جس سے عام طور پر انسان کو قتل کیا جاسکتا ہو قتل عمد کے حکم میں ہے اس لئے وہ "لاٹھی" کو ہلکی لاٹھی پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک یہاں وہ ہلکی لاٹھی (چھڑی) مراد ہے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک نہ کیا جاسکتا ہو۔ بعض روایتوں میں "دیت" کے ساتھ مغلظہ کا لفظ بھی منقول ہے جیسا کہ مذکورہ بالا مصابیح کی روایت میں بھی یہ لفظ موجود ہے، چنانچہ قتل شبہ عمد میں دیت کی تغلیظ حضرت ابن مسعود، حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت ابو یوسف اور حضرت امام احمد، کے نزدیک تو یہ ہے کہ چار طرح کے سو اونٹ واجب ہوں جن کی ابتداء باب میں گذر چکی ہے۔

اور حضرت امام شافعی اور امام محمدؒ کے نزدیک تغلیظ یہ ہے کہ تین طرح کے سو اونٹ واجب ہوں ان کی تفصیل بھی ابتداء باب

میں گزر چکی ہے لیکن قتل خطاء میں بالاتفاق دیت مغلظہ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس میں پانچ طرح کے سو اونٹ واجب ہوتے ہیں یعنی بیس ابن مخاض، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون بیس حقہ اور بیس جذعہ۔ دیت مغلظہ کی تفصیل کے سلسلہ میں یہ حدیث حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد کے مسلک کی دلیل ہے، لیکن حنیفہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جو حضرت ابن مسعود اور حضرت سائب ابن یزید سے مروی ہے لہٰذا ہم نے متعین پر عمل کیا ہے۔

بَاب دِيَةِ الْخَطَإِ

یہ باب قتل خطاء کی دیت کے بیان میں ہے

2629- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هَانِئٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ جَعَلَ الدِّيَةَ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت 12 ہزار (درہم) مقرر کی ہے۔

دیت کے اونٹوں میں اختلافی اقوال کا بیان

غلطی والے قتل میں پانچ طرح کے سو اونٹوں کی دیت واجب ہے۔ بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس ابن مخاض، بیس حقے اور بیس جذعے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے یہی مفہوم ہے۔ ہم نے اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو اس سبب سے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی طرح قتل خطاء کے مقتول کے بارے میں فیصلہ کیا ہے۔ لہٰذا جو ہمارا قول ہے وہ زیادہ خفیف ہے۔ پس وہی حالت خطاء میں مناسب ہوگا۔ کیونکہ خطاء کرنے والا معذور ہوا کرتا ہے۔ جبکہ امام شافعی نے ابن مخاض کی جگہ پر ابن لبون کا فیصلہ کیا ہے۔ جبکہ ہماری روایت کردہ حدیث ان کے خلاف دلیل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کردے اسے مقتول کے ورثاء کے حوالے کردیا جائے گا وہ چاہیں تو اسے قصاصاً قتل کردیں اور چاہیں تو دیت لے لیں جو کہ ۳۰ حقے، ۳۰ جذعے اور ۴۰ حاملہ اونٹنیوں پر مشتمل ہوگی یہ قتل عمد کی دیت ہے اور جس چیز پر ان سے صلح ہو جائے وہ اس کے حقدار ہوں گے اور یہ سخت دیت ہے۔ قتل شبہ عمد کی دیت بھی قتل عمد کی دیت کی طرح مغلظ ہی ہے لیکن اس صورت میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ شیطان لوگوں کے درمیان دشمنی پیدا کردیتا ہے اور بغیر کسی کینے کے یا اسلحہ کے خونریزی ہو جاتی ہے۔ اس کی علاوہ جس صورت میں بھی قتل ہو گا وہ شبہ عمد ہو گا اس کی دیت مغلظ ہوگی اور قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا یہ اشہر حرم میں حرمت کی

2629 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4546 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 1388 ورقم الحدیث 1389 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 4818

وجہ سے اور پڑوس کی وجہ سے ہوگا۔ خطاءً قتل ہونے والے کی دیت سو اونٹ ہے جن میں ۳۰ بنت مخاض ۳۰ بنت لبون ۳۰ حقے اور دس ابن لبون مذکر اونٹ شامل ہوں گے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہر والوں پر اس کی قیمت چار سو دینار یا اس کے برابر چاندی مقرر فرماتے تھے اور قیمت کا تعین اونٹوں کی قیمت کے اعتبار سے کرتے تھے جب اونٹوں کی قیمت بڑھ جاتی تو دیت کی مقدار مذکور میں اضافہ فرما دیتے اور جب کم ہو جاتی تو اس میں بھی کمی فرما دیتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور باسعادت میں یہ قیمت چار سو دینار سے آٹھ سو دینار تک بھی پہنچی ہے اور اس کے برابر چاندی کی قیمت آٹھ ہزار درہم تک پہنچی ہے۔ (ہدایہ، کتاب الجنایات، لاہور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ بھی فرمایا کہ جس کی دیت گائے والوں پر واجب ہوتی ہو تو وہ دو سو گائے دے دیں اور جس کی بکری والوں پر واجب ہوتی ہو وہ دو ہزار بکریاں دے دیں ناک کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر اسے مکمل طور پر کاٹ دیا جائے تو پوری دیت واجب ہوگی اور اگر صرف نرم حصہ کاٹا ہو تو نصف دیت واجب ہوگی ایک آنکھ کی دیت نصف قرار دی ہے یعنی پچاس اونٹ یا اس کے برابر سونا چاندی یا سو گائے یا ہزار بکریاں، نیز ایک پاؤں کی دیت بھی نصف اور ایک ہاتھ کی دیت بھی نصف قرار دی ہے۔ دماغی زخم کی دیت تہائی مقرر فرمائی ہے یعنی ۳۳ اونٹ یا اس کی قیمت کے برابر سونا، چاندی، یا گائے بکری گہرے زخم کی دیت بھی تہائی مقرر فرمائی ہے ہڈی اپنی جگہ سے ہلا دینے کی دیت ۱۵ اونٹ مقرر فرمائی ہے اور کھال چیر کر گوشت نظر آنے والے زخم کی دیت پانچ اونٹ مقرر فرمائی ہے اور ہر دانت کی دیت پانچ اونٹ مقرر فرمائی ہے۔

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے کی ٹانگ پر سینگ دے مارا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا یا رسول اللہ مجھے قصاص دلوایئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جلد بازی سے کام نہ لو پہلے اپنا زخم ٹھیک ہونے دو وہ فوری طور پر قصاص لینے کے لئے اصرار کرنے لگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قصاص دلوا دیا بعد میں قصاص لینے والا لنگڑا اور جس سے قصاص لیا گیا وہ ٹھیک ہو گیا۔

چنانچہ وہ قصاص لینے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر اور کہنے لگا یا رسول اللہ میں لنگڑا ہو گیا اور وہ صحیح ہو گیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا میں نے تمہیں اس بات کا حکم نہ دیا تھا کہ جب تک تمہارا زخم ٹھیک نہ ہو جائے تم قصاص نہ لو لیکن تم نے میری بات نہیں مانی اس لئے اللہ نے تمہیں دور کر دیا اور تمہارا زخم خراب کر دیا اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ جسے کوئی زخم لگے وہ اپنا زخم ٹھیک ہونے سے پہلے قصاص کا مطالبہ نہ کرے ہاں جب تک زخم ٹھیک ہو جائے پھر قصاص کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ (مسند احمد: جلد سوم: رقم الحدیث، 2522)

دیت کی اقسام کا بیان

2630- حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ الْمَرْوَزِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوْسٰى عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ خَطَاً فَدِيَتُهٗ مِنَ الْاِبِلِ ثَلَاثُوْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَّثَلَاثُوْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَّثَلَاثُوْنَ حِقَّةً وَّعَشَرَةُ بَنِيْ لَبُوْنٍ وَّكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

2630، اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4541 ورقم الحدیث: 4546 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4815

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَوِّمُهَا عَلَى أَهْلِ الْقُرَى أَرْبَعَ مِائَةِ دِينَارٍ أَوْ عَدْلَهَا مِنَ الْوَرِقِ وَيُقَوِّمُهَا عَلَى أَزْمَانِ الْإِبِلِ إِذَا غَلَتْ رَفَعَ ثَمَنَهَا وَإِذَا هَانَتْ نَقَصَ مِنْ ثَمَنِهَا عَلَى نَحْوِ الزَّمَانِ مَا كَانَ فَبَلَغَ قِيمَتُهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الْأَرْبَعِ مِائَةِ دِينَارٍ إِلَى ثَمَانِ مِائَةِ دِينَارٍ أَوْ عَدْلَهَا مِنَ الْوَرِقِ ثَمَانِيَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ وَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ مَنْ كَانَ عَقْلُهُ فِي الْبَقَرِ عَلَى أَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَيْ بَقَرَةٍ وَمَنْ كَانَ عَقْلُهُ فِي الشَّاءِ عَلَى أَهْلِ الشَّاءِ أَلْفَيْ شَاةٍ

◆◆ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو خطا کے طور پر قتل کر دیا تو اونٹوں کی شکل میں اس کی دیت میں تیس بنت مخاض، تیس بنت لبون، تیس حقہ اور دس بنو لبون ہوں گی۔

شہروں میں رہنے والوں کے لیے نبی اکرم ﷺ نے اس کی قیمت چار سو دینار یا اس کے برابر چاندی مقرر کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ ادائیگی اونٹوں کی قیمت کے حساب سے مقرر کی ہے' اگر اونٹ مہنگے ہو جائیں' تو قیمت زیادہ ہو جائے گی اونٹ سستے ہو جائیں' تو ادائیگی میں بھی کمی آجائے گی اور یہ زمانہ کے حساب سے ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ان اونٹوں کی قیمت چار سو دینار سے آٹھ سو دینار رہی یا اس کے برابر چاندی جتنی رہی' جو آٹھ ہزار درہم بنتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فیصلہ دیا ہے' جو لوگ گائیں پالتے ہیں' تو گائے کی شکل میں دیت 200 گائے ہوگی اور جو لوگ بھیڑ بکریاں پالتے ہیں وہ بھیڑ بکریوں کی شکل میں اس کی دیت 2000 بھیڑ بکریاں ہوگی۔

قتل خطاء کی دیت کا سونے چاندی سے دینے کا بیان

قتل خطاء کی دیت سونے سے ایک ہزار دینار ہے جبکہ چاندی سے دس ہزار دراہم ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ چاندی سے بارہ ہزار دراہم ہے۔ اسی حدیث کی وجہ سے جس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار دراہم کا فیصلہ کیا ہے۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقتول کی دیت کے بارے میں دس ہزار دراہم کا فیصلہ کیا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ روایت کی توجیہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دراہم سے بارہ ہزار کا فیصلہ کیا تھا جن کا وزن اوزان ستہ میں سے تھا اور شروع میں اسی طرح ہوا کرتا تھا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار درہم دیت مقرر کی۔

(جامع ترمذی: جلد اول۔ رقم الحدیث، 1422)

دراہم کی دیت میں فقہی مذاہب کا بیان

عکرمہ سے روایت ہے کہ سعید بن عبدالرحمن مخزومی نے انہوں نے کہا کہ ہم سے روایت کی سفیان بن عبید نے انہوں نے عمرو

بن دینار سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے نبی سے اسی کی مانند اور اس میں ابن عباس کا ذکر نہیں کیا ابن عیینہ کی حدیث میں اس سے زائد الفاظ ہیں محمد بن مسلم کے علاوہ کسی اور نے ابن عباس سے یہ حدیث نقل نہیں کی۔ بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض علماء کہتے ہیں دیت دس ہزار درہم ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ دیت صرف اونٹوں سے دی جاتی ہے اور ان کی تعداد سو اونٹ ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 1423)

مختلف جانوروں سے دیت ادا کرنے کا بیان

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ دیت صرف تین اقسام سے ثابت ہوگی۔ جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ ان تینوں اقسام میں دوسو گائیں، اور بکریوں میں سے ایک ہزار بکریاں اور جوڑوں میں سے دوسو جوڑے ہیں۔ اور ہر جوڑے میں دو کپڑے ہیں۔ کیونکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ہر مال والے پر اسی طرح مقرر فرمایا تھا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مقدار اسی چیز سے درست ہوگی جس کی مالیت کا پتہ ہو جبکہ مذکورہ چیزیں یعنی گائے، بکری اور جوڑے ان کی مالیت مجہول ہے۔ اسی وجہ سے ان چیزوں سے ضمان کا اندازہ نہیں کیا جاتا۔ اور جہاں تک اونٹوں کا اندازہ ہے تو اس کو ہم نے مشہور آثار سمجھا ہے۔ اور یہ آثار اونٹوں کے سوا کے لئے نہیں ہیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب معاقل میں لکھا ہے۔ کہ جب کسی شخص نے دوسو جوڑوں یا دوسو گائیوں سے زیادہ پر مصالحت کرلی ہے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اور یہ انہی کے ساتھ تقرر کی نشانی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سب کا قول یہی ہے۔ لہٰذا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صاحبین کا قول ہے۔

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دیت صرف تین قسم کے مالوں سے ادا کی جائے گی۔ (۱) اونٹ ایک سو (۲) دینار ایک ہزار (۳) دراہم دس ہزار۔ قاتل کو اختیار ہے کہ ان تینوں میں سے جو چاہے ادا کرے۔ (عالمگیری از محیط ص 24 ج 6)

2631- حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا الصَّبَّاحُ بْنُ مُحَارِبٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنْ خِشْفِ بْنِ مَالِكٍ الطَّائِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِيَةِ الْخَطَإِ عِشْرُونَ حِقَّةً وَعِشْرُونَ جَذَعَةً وَعِشْرُونَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَعِشْرُونَ بِنْتَ لَبُونٍ وَعِشْرُونَ بَنِي مَخَاضٍ ذُكُورٌ

◄► حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''قتل خطاء کی دیت میں 20 حقہ، 20 جزعہ، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون اور 10 بنو مخاض مذکر ہوں گے''۔

2632- حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرِو ابْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ الدِّيَةَ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا قَالَ وَذَلِكَ قَوْلُهُ (وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ) قَالَ بِأَخْذِهِمُ الدِّيَةَ

2631: اخرجه ابوداؤد في "السنن" رقم الحديث 4545 اخرجه الترمذي في "الجامع" رقم الحديث 1386 اخرجه النسائي في "السنن" رقم الحديث 4816

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت بارہ ہزار مقرر کی ہے، وہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فرمان سے مراد یہی ہے۔

''اور انہوں نے اسی بات کو برا سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل کے ساتھ انہیں خوشحال کر دیا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اس سے مراد ان کا دیت وصول کرنا ہے۔

بَاب الدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَّهُ عَاقِلَةٌ فَفِي بَيْتِ الْمَالِ

یہ باب ہے کہ دیت کی ادائیگی خاندان پر ہوگی اگر قاتل کا خاندان نہ ہو تو بیت المال میں سے ادائیگی کی جائے گی

عاقلہ کے معنی ومفہوم کا بیان

معاقل یہ معقلہ کی جمع ہے اور وہ دیت ہے اور دیت کا نام عقل رکھا گیا ہے کیونکہ یہ خونوں کو باندھنے والی ہے یعنی اس سے روک دینے والی ہے۔

عاقلہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جو قتل خطاء یا شبہ عمد میں ایسے قاتل کی طرف سے دیت ادا کرتے ہیں جو ان کے متعلقین میں سے ہے اور یہ دیت اصالۃً واجب ہوئی ہو اور اگر وہ دیت اصالۃً واجب نہ ہوئی ہو مثلاً قتل عمد میں قاتل نے اولیائے مقتول سے مال پر صلح کر لی ہو تو قاتل کے مال سے ادا کی جائے گی اور اگر باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کر دیا ہو تو گو اصالۃً قصاص واجب ہونا چاہیے تھا مگر شبہ کی وجہ سے قصاص کے بجائے دیت واجب ہوگی جو باپ کے مال سے ادا کی جائے گی۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں عاقلہ پر دیت واجب نہ ہوگی۔ (درمختار وشامی، ص561، ج5، عالمگیری، ص83، ج6، بحرالرائق، ص399، ج8، فتح القدیر، ص402، ج8، تبیین الحقائق، ص176، ج6، بدائع صنائع، ص256، ج7، قاضی خان علی الھندیہ، ص448، ج3)

2633 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُبَيْدِ ابْنِ نَضْلَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (قاتل کے خاندان) پر دیت کی ادائیگی ختم ہونے کا فیصلہ دیا۔

2633: اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4369' ورقم الحدیث: 4370' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4568' ورقم الحدیث: 4569' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1411' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4836' ورقم الحدیث: 4837' ورقم الحدیث: 4838' ورقم الحدیث: 4839' ورقم الحدیث: 4840' ورقم الحدیث: 4841' ورقم الحدیث: 4842

قتل شبہ عمد وخطاء میں وجوب دیت کا بیان

قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں دیت ہوگی اور ہر وہ دیت جو نفس قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ وہ عاقلہ پر ہوتی ہے۔ اور عاقلہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو دیت کو ادا کرتے ہیں۔ اور اس کو ہم کتاب دیات میں بیان کر آئے ہیں۔ اور عاقلہ پر دیت واجب ہونے میں دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمل بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ان کے اولیاء سے فرمایا تھا کہ تم جاؤ اور اس کی دیت ادا کرو۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ جان محترم ہے جس کو ضائع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور خطاء کرنے والا معذور ہے اور شبہ عمد والے کو بھی آلے کا اعتبار کرتے ہوئے معذور سمجھیں گے۔ پس ان پر سزا واجب کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ جبکہ زیادہ مال واجب کرنے میں اس کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔ اور وہ اس کی ہلاکت ہے۔ کیونکہ جب یہ سزا ہو جائے گی۔ پس آسانی کو ثابت کرنے کے لئے اس کے ساتھ عاقلہ کو ملا دیا جائے گا۔ اور عاقلہ کو ملانے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ کیونکہ قاتل نے اپنی طاقت کی بناء کو غفلت کی ہے۔ یہ طاقت اس کو اپنے مددگاروں سے ملی ہے۔ اور عاقلہ اس کی معاون ہے۔ پس عاقلہ ہی اس کی نگرانی کو چھوڑتے ہوئے غفلت کرنے والی ہے۔ کیونکہ ملانے کے ساتھ یہی لوگ خاص ہیں۔ (ہدایہ)

اور قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں دیت ہوگی اور ہر وہ دیت جو نفس قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ وہ عاقلہ پر ہوتی ہے اور عاقلہ اہل دیوان ہوتے ہیں۔ اگر قاتل اہل دیوان میں سے ہو تو تین سالوں میں ان کے وظائف سے دیت لی جائے گی۔ اس کے بعد اگر وظائف تین سال سے کم یا زائد میں نکلیں تو جو اہل دیوان میں سے نہیں ان سے وصول کر لی جائے گی۔ اس کے عاقلہ اس کے کنبے والے ہوں گے ان پر تین سال میں کوئی قسط مقرر کر دی جائے گی۔ ایک سال میں ایک آدمی چار درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیے جائیں گے اور یا دہ ہر سال میں ایک درہم اور دو دانق (سات رتی کا وزن ہوتا ہے) ہوں گے اور چار درہموں سے کم بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر قبیلہ والوں کو اتنی توفیق واستطاعت نہ ہو تو قریب کے قبیلے والے بھی ساتھ ملا لئے جائیں گے۔ اور عاقلہ کے ساتھ قاتل بھی شامل ہوگا۔ پس وہ بھی دیت کی ادائیگی میں عاقلہ میں سے ایک آدمی کی طرح ہی ہوگا۔ آزاد ہونے والے سے عاقلہ اس کے آقا کے قبیلے والے ہوں گے موالات کے مولا کی طرف سے اس کا مولا مالک اور قبیلہ دیت دے گا۔ اور عاقلہ دیت کے بیسویں حصے سے کم کے متحمل نہیں ہوتے بلکہ وہ دسویں حصے یا اس سے زیادہ کے متحمل ہوتے ہیں اور جو اس سے کم ہو وہ جنایت کرنے والے کے مال سے پورا ہوگا۔ عاقلہ غلام کی جنایت کی دیت نہیں دیتے اور نہ ایسی جنایت کی دیت دیتے ہیں۔ جس کا کرنے والا اقرار کرلے مگر صرف اس صورت میں کہ وہ اس کی تصدیق کر دیں اور جو کچھ صلح کی وجہ سے لازم ہو اس کی دیت بھی وہ نہیں دیتے جب کسی آزاد نے کسی غلام پر غلطی سے کوئی زیادتی کر ڈالی تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔

2634- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ دُرُسْتَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ

رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِي عَامِرٍ الْهَوْزَنِيِّ عَنِ الْمِقْدَامِ الشَّامِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهٗ اَعْقِلُ عَنْهُ وَاَرِثُهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهٗ يَعْقِلُ عَنْهُ وَيَرِثُهٗ

حضرت مقدام شامی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا میں وارث ہوں میں اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا میں اس کا وارث بنوں گا اور جس کا کوئی وارث نہ ہو ماموں اس کا وارث ہوتا ہے وہ اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا اور وہی اس کا وارث بنے گا''۔

شرح

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی قوم کا بھانجا اسی قوم میں سے ہے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: حدیث نمبر 270)

مطلب یہ ہے کہ بھانجا اپنے ماموں کا وارث ہوتا ہے اور یہ ذوی الارحام میں سے ہے، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد کے نزدیک ذوی الارحام میت کے وارث ہوتے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ذوی الارحام کو میت کے ترکہ میں سے میراث اسی صورت میں ملتی ہے جب کہ میت کے ذوی الفروض اور عصبات موجود نہ ہوں ان دونوں کی موجودگی میں ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملتا۔ بہر حال حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے ذوی الارحام کے وارث ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عائشہ کی روایت (انما الولاء) پہلے باب میں نقل کی جا چکی ہے۔

بَاب مَنْ حَالَ بَيْنَ وَلِيِّ الْمَقْتُوْلِ وَبَيْنَ الْقَوَدِ اَوِ الدِّيَةِ

یہ باب ہے کہ جو شخص مقتول کے ولی اور قصاص کی دیت کے درمیان حائل ہو جائے

2635- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيْرٍ عَنْ عَمْرِو ابْنِ دِيْنَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ فِيْ عِمِّيَّةٍ اَوْ عَصَبِيَّةٍ بِحَجَرٍ اَوْ سَوْطٍ اَوْ عَصًا فَعَلَيْهِ عَقْلُ الْخَطَاِ وَمَنْ قَتَلَ عَمْدًا فَهُوَ قَوَدٌ وَّمَنْ حَالَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ''مرفوع'' حدیث کے طور پر یہ بات نقل کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص اندھا دھند یا مصیبت میں پتھر لاٹھی یا عصا کے ذریعے قتل کر دیتا ہے تو اس پر قتل کی خطاء کی دیت لازم ہو

2634: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 2899 ورقم الحدیث: 2900 اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث 2738

2635: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 4539 ورقم الحدیث: 4540 ورقم الحدیث: 4591 اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4803 ورقم الحدیث: 4804

گی اور جو شخص جان بوجھ کر قتل کرتا ہے تو اس میں قصاص لازم ہوگا اور جو اس شخص کے اور اس کے (مخالف فریق) کے درمیان رکاوٹ بنے گا اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی ایسے شخص کی کوئی فرض یا نفلی عبادت قبول نہیں ہو گی۔

بَاب مَا لَا قَوَدَ فِيهِ

یہ باب ہے کہ کن صورتوں میں قصاص نہیں ہوگا؟

2636- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَعَمَّارُ بْنُ خَالِدٍ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ دَهْثَمِ بْنِ قُرَّانَ حَدَّثَنِي نِمْرَانُ بْنُ جَارِيَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا ضَرَبَ رَجُلًا عَلَى سَاعِدِهِ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا مِنْ غَيْرِ مَفْصِلٍ فَاسْتَعْدَى عَلَيْهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ لَهُ بِالدِّيَةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أُرِيدُ الْقِصَاصَ قَالَ خُذِ الدِّيَةَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا وَلَمْ يَقْضِ لَهُ بِالْقِصَاصِ.

◄► نمران بن جاریہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک شخص نے دوسرے شخص کی کلائی پر ہاتھ مار کر اسے کاٹ دیا جو جوڑ سے ذرا ہٹ کے تھی، دوسرے شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے دیت کی ادائیگی کا حکم دیا، اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں قصاص لینا چاہتا ہوں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم دیت وصول کر لو، اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لیے برکت رکھے گا"۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کے حق میں قصاص کا فیصلہ نہیں دیا۔

قصاص کا صرف تلوار سے ہونے کا بیان

قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قاتل کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جو اس نے کیا ہے۔ البتہ اس میں شرط یہ ہے کہ وہ عمل مشروع ہو۔ اور جب قاتل اسی میں فوت ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی گردن کو کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ قصاص کا دارومدار برابری پر ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قصاص صرف تلوار ہے۔ اور اس سے وہ ہتھیار مراد ہے کیونکہ جو حکم امام شافعی علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے اس میں وصولی میں زیادتی ہے۔ اور جب قاتل سے ایسا رویہ اختیار کرنے بھی مقصد حاصل نہ ہو تو پھر اس کی گردن کو کاٹ دیا جائے گا پس اس بچنا لازم ہوگا۔ جس طرح ہڈی کو توڑنے والا مسئلہ ہے۔ (ہدایہ)

قصاص کا صرف قتل تلوار پر ہونے میں فقہی مذاہب

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک لڑکی کہیں جانے کے لیے نکلی اس نے چاندی کا زیور پہنا ہوا تھا ایک یہودی نے اسے پکڑ لیا اور اس کا سر پتھر سے کچل دیا اور زیور اتار لیا انس فرماتے ہیں کہ ابھی اس میں تھوڑی سے جان باقی تھی کہ لوگ پہنچ گئے اور اس عورت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے آپ نے پوچھا تمہیں کس نے قتل کیا کیا فلاں نے قتل کیا۔ اس نے اشارہ کیا

2636- اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کہ نہیں یہاں تک کہ آپ نے اس یہودی کا نام لیا تو اس نے کہا ہاں۔ حضرت انس فرماتے ہیں وہ یہودی پکڑا گیا اور اس نے اعتراف کر لیا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کا سر پتھر سے کچلنے کا حکم دیا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ قصاص صرف تلوار ہی سے لیا جائے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، رقم الحدیث 1428)

مکاتب کے قصاص کا آقا پر ہونے میں فقہی اختلاف کا بیان

اور جب مکاتب کا قتل عمد ہوا اور آقا کے سوا اس کا کوئی وراث بھی نہیں ہے۔ اور اس نے بدل کتابت کی مقدار کے مطابق مال چھوڑا ہے۔ تو شیخین کے نزدیک آقا کو قصاص کا حق ہوگا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک حق قصاص آقا کے لئے نہ ہوگا کیونکہ وصول کرنے کا سبب بدل چکا ہے۔ پس جب مکاتب آزاد ہو کر فوت ہوا ہے تو اب حق ولاء ہوگا اور جب وہ غلام کی حالت میں فوت ہوا ہے تو حق ملکیت ہوگا۔ ہذا یہ مسئلہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی بندے نے کسی دوسرے آدمی سے کہا کہ تم نے یہ باندی مجھ کو اتنے میں بیچ دی ہے اور آقا نے یہ بات کہہ دی ہے کہ میں تمہارا اس کے ساتھ نکاح کر دیا ہے تو اس بندے کے لئے باندی سے جماع کرنا حلال نہ ہوگا۔ اس لئے کہ سبب مختلف ہو چکا ہے اور یہ مسئلہ بھی اسی مسئلے کی طرح ہے۔

جبکہ شیخین نے یہ بات کہی ہے کہ دونوں صورتوں میں یقینی طور پر آقا کو وصول کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور آقا اس بات کا علم بھی رکھتا ہے اور حکم بھی متحد ہے اور جہاں تک بات اختلاف سبب کی ہے کہ وہ نہ تو منازعت کی جانب لے جانے والی ہے اور نہ ہی اختلاف حکم کا سبب ہے۔ کیونکہ سبب کے مختلف ہونے کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ جبکہ اس مسئلہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ملک یمین کا حکم یہ نکاح کے حکم سے مغایرت رکھنے والا ہے۔

اور جب مکاتب نے بدل کتابت کی ادائیگی کی مقدار کے برابر مال چھوڑا ہے اور آقا کے سوا اور بھی اس کا وارث ہے تو قصاص نہ ہوگا۔ خواہ ورثاء آقا کے ساتھ اکٹھے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ قصاص جس کا حق تھا یہ اس سے مشتبہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ جب مکاتب حالت غلامی میں فوت ہوا ہے تو اس کے لئے حقدار آقا ہے۔ اور جب وہ آزاد ہو کر فوت ہوا ہے تو اس کا حق وارث کے لئے ہوگا۔ اسلئے کہ غلام کی صفت آزادی یا غلامی پر فوت ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے۔ جبکہ صورت اول میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ حق آقا معین ہے۔

اور جب مکاتب نے بدل کتابت کی ادائیگی کے برابر مال نہیں چھوڑا اور اس کے آزاد وارث بھی ہیں۔ تو سب کے نزدیک آقا کے لئے حق قصاص ہوگا۔ کیونکہ کتابت کے ختم ہو جانے کے سبب وہ حالت غلامی میں فوت ہونے والا ہے۔ جبکہ معتق بعض میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ فوت ہوا ہے اور سعایہ کے برابر اس نے مال نہیں چھوڑا۔ اس لئے کہ یہاں بعض حصے کی آزادی عجز کے سبب ختم نہ ہوگی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے شعبہ کی حدیث کی طرح ہی منقول ہے اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ حسن بن علی پھر اس حدیث کو

بھول گئے اور کہنے لگے کہ آزاد آدمی کو غلام کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم، رقم الحدیث 1115)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب مولے انے اپنے غلام کو قتل کیا اس میں قصاص نہیں۔ اسی طرح اپنے مدبر یا مکاتب یا اپنی اولاد کے غلام کو قتل کیا یا اس غلام کو قتل کیا جس کے کسی حصہ کا قاتل مالک ہے۔

اور قتل سے قصاص واجب تھا مگر اس کا وارث ایسا شخص ہوا کہ وہ قصاص نہیں لے سکتا تو قصاص ساقط ہو گیا مثلاً وہ قاتل اس وارث کے اصول میں سے ہے تو اب قصاص نہیں ہو سکتا۔ جیسے ایک شخص نے اپنے خسر کو قتل کیا اور اس کی وارث صرف اس کی لڑکی ہے یعنی قاتل کی بیوی۔ پھر یہ عورت مرگئی اور اس کا لڑکا وارث ہوا جو اسی شوہر سے ہے تو قصاص کی صورت میں بیٹے کا باپ سے قصاص لینا لازم آتا ہے، لہٰذا قصاص ساقط ہو جائے گا۔ (درمختار، کتاب جنایات، بیروت)

مرہون غلام کا مرتہن کے ہاں قتل ہو جانے پر عدم قصاص کا بیان

اور جب مرتہن کے پاس سے مرہون رکھا ہوا غلام قتل ہو گیا ہے تو قصاص واجب نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ جب راہن اور مرتہن اکٹھے ہو جائیں۔ کیونکہ مرتہن کے لئے کوئی ملکیت نہیں ہے پس مرتہن کے لئے اس کی ولایت بھی نہ ہوگی۔ اور جب راہن قصاص میں مالک بنا ہے تو دین سے حق مرتہن ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ راہن اور مرتہن کا جمع ہونا شرط ہے۔ کہ رضائے مرتہن سے اس کا حق ساقط ہو جائے۔

اس بات پر تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی آزاد شخص کسی غلام کو قتل کر دے تو قاتل کو سخت سزا ضرور دی جائے۔ ان میں اختلاف اس بات پر ہے اس آزاد شخص کو غلام کے بدلے قصاص میں قتل کیا جائے گا یا نہیں۔ فقہاء کا ایک گروہ اس بات کی قائل ہے کہ اس آزاد شخص کو بھی غلام کے بدلے قصاص میں موت کی سزا دی جائے گی۔ دوسرے گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آزاد کو قتل تو نہیں کیا جائے گا البتہ سخت سزا ضرور دی جائے گی۔

قتل معتوہ پر حق قصاص باپ کے لئے ہونے کا بیان

اور جب معتوہ کے ولی کو قتل کر دیا گیا ہے تو اس کے باپ کو یہ حق ہوگا کہ وہ اس کے قاتل کو قتل کر دے گا۔ کیونکہ قصاص کا حق یہ ولایت نفس کے احکام میں سے ہے۔ یہ کسی ایسے حکم کے لئے مشروع ہوا ہے کہ جو جان کی جانب لوٹنے والا ہے۔ اور وہ شرح صدر ہے۔ کیونکہ باپ کو اس کی ولایت حاصل ہوئی ہے۔ جس طرح باپ کے لئے ولایت نکاح ہے۔ اور باپ کو صلح کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔ کیونکہ معتوہ کے حق میں زیادہ مہربانی اسی میں ہے۔ اور معتوہ کے باپ کو معاف کرنے کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں معتوہ کے حق کو باطل کرنا لازم آئے گا۔ اور اسی طرح عمد کے طور پر معتوہ کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اسی دلیل کے مطابق جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

صاحب ہدایہ کے بیان کردہ اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ اختیار اسی شخص سے منتقل ہو سکتا ہے۔ جو اختیار رکھنے کے بعد اس کے منتقل کرنے کا بھی مالک ہو۔ اور اسی وجہ سے معتوہ یعنی پاگل عورت کے اختیار کے انتقال کو قبول نہیں کیا گیا ہے کیونکہ معتوہ ہونے

کے سبب اس کی رائے مجہول ہے۔ اور کسی مجہول رائے سے حکم کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر معتوہ کا ولی معاف کر دے ممکن معتوہ اس کو معاف نہ کرنا چاہے لہذا یہ اس سے اختیار انتقال بھی ثابت ہو جائے گا۔ (ابن صادق رضوی عفی عنہ)

وصی کا مرتبہ باپ میں ہونے کے باوجود قصاص نہ لینے کا بیان

اور وصی ان مسائل میں باپ کے حکم میں ہوگا لیکن وہ قصاص نہ لے سکے گا۔ کیونکہ وصی کو اپنی جان پر ولایت نہیں ہے جبکہ قصاص لینا ولایت کے احکام میں سے ہے۔ اور اسی حکم کے مطابق نفس سے صلح کرنا اور عضو کا قصاص لینا ہے۔ کیونکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے قتل کے سوا کسی چیز کا استثناء نہیں کیا ہے۔

اور مبسوط کی کتاب صلح میں یہ لکھا ہے کہ وصی صلح کا مالک نہیں ہے کیونکہ صلح نفس کی جانب سے بدلہ لینے کے سبب سے جان میں تصرف کرنا ہے۔ پس اس کو قصاص لینے کے حکم میں شمار کیا جائے گا۔ اور یہاں بیان کردہ روایت کی دلیل یہ ہے کہ صلح سے مقصود مال حاصل ہونے والا ہے۔ اور مال وصی کے عقد سے واجب ہو جاتا ہے۔ جس طرح وہ باپ کے عقد سے واجب ہوا کرتا ہے۔ جبکہ قصاص میں ایسا نہیں ہے کیونکہ قصاص سے دل کی تسلی ہوتی ہے۔ اور یہ مقصد باپ کے ساتھ خاص ہے۔ اور وصی معاف کرنے کا مالک نہ ہوگا۔ کیونکہ اس باپ بھی مالک نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس میں حق معتوہ کو باطل کرنا لازم آئے گا۔ پس وصی بدرجہ اولیٰ اس کا مالک نہ ہوگا۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وصی قصاص طرف کا مالک بھی نہ ہو جس طرح وہ قصاص نفس کا مالک نہیں ہوتا۔ کیونکہ مقصود ایک ہے۔ اور دل کی تسلی ہے۔ جبکہ بطور استحسان وہ قصاص طرف کا مالک بن جائے گا۔ کیونکہ اطراف کے ساتھ مالوں جیسا معاملہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مال کی طرح ان کو بھی جانوں کی حفاظت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جس طرح یہ بتایا جاچکا ہے۔

پس وصی مال طرف سے وصول کرنا اور اس مال میں تصرف کرنے کے حکم میں ہوگا۔ اور بچہ اس باب میں معتوہ کے حکم میں ہے اور قول صحیح کے مطابق قاضی بھی باپ کے حکم میں ہے۔ کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص قتل کیا جائے اور اس کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کا قصاص بادشاہ وصول کرے گا۔ اور قصاص وصول کرنے میں قاضی بادشاہ کے حکم میں ہے۔

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور اگر نابالغ بچے کے کسی ایسے قریبی رشتے دار کو قتل کر دیا گیا یا اعضاء کاٹ دیئے گئے جس کے قصاص کا حق بچے کو تھا، تو اس بچے کے باپ کو قصاص لینے اور دیت کے مساوی یا اس سے زیادہ مال پر صلح کرنے کا حق ہے اور اگر مقدار دیت سے کم پر صلح کرے گا تب بھی صلح صحیح ہو جائے گی لیکن پوری دیت لازم ہوگی مگر معاف کرنے کا حق نہیں ہے اور وصی کو نفس کے قصاص وعفو کا حق نہیں ہے۔ صرف دیت کے مساوی یا اس سے زیادہ مال پر صلح کا حق ہے اور ما دون النفس میں قصاص وصلح کا حق ہے، عفو کا حق نہیں ہے۔ (شامی ص475 جلد5، قاضی خان ص442 ج3، درر غرر ص94 ج2)

مقتول کے اولیاء میں چھوٹے وبالغ بچوں کے ہونے کا بیان

جب کسی مقتول کے وارث چھوٹے بچے اور بالغ بچے ہیں تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بالغین کے لئے یہ حق ہوگا کہ وہ قاتل کو قتل کر ڈالیں۔

صاحبین نے کہا کہ ان اس وقت تک یہ اختیار نہ ہوگا کہ جب تک چھوٹے بچے بالغ ہو جائیں۔ کیونکہ قصاص ان کے درمیان مشترک ہے۔ اور قصاص اور اجزاء نہ ہونے کے سبب اس میں بعض کی وصولی ممکن نہیں ہے۔ اور بڑوں کا پورا قصاص وصول کرنے میں چھوٹوں کے حق کو باطل کرنا لازم آئے گا۔ پس ان کے بڑے ہونے تک قصاص کو مؤخر کر دیا جائے گا۔ جس طرح جب قصاص دو بڑے لڑکوں کے درمیان مشترک ہے اور ان میں سے ایک غائب ہے یا اسی طرح جب قصاص دو آقاؤں کے درمیان مشترک ہو۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ قصاص ایک ایسا حق ہے جس میں اجزاء نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ ایسے سبب سے ثابت ہونے والا ہے جس میں حصے نہیں ہوتے۔ اور وہ سبب قرابت ہے۔ اور بچے کی جانب ختم کرنے کا احتمال ختم ہو کر دیا گیا ہے پس وہ ہر ایک کے حق میں کامل قصاص ثابت ہو جائے گا۔ جس طرح ولایت نکاح میں ہوا کرتا ہے۔ جبکہ دو بڑوں میں ایسا نہیں ہے کیونکہ غائب کی جانب سے معافی کا پہلو احتمال رکھنے والا ہے۔ اور دو آقاؤں والا مسئلہ ہم کو تسلیم بھی نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان)

اور جب مقتول کے بعض اولیا بالغ ہیں اور بعض نابالغ تو قصاص میں یہ انتظار نہیں کیا جائے گا کہ وہ نابالغ بالغ ہو جائیں بلکہ جو ورثہ بالغ ہیں وہ ابھی قصاص لے سکتے ہیں۔ قصاص میں عدم تجزی ہی دلیل بن رہی ہے کہ وہ اسی وقت قصاص لے سکتے ہیں۔ کیونکہ جب اجزاء ہی نہیں ہیں تو انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھاوڑے سے قتل کرنے والے سے قصاص لینے کا بیان

جب کسی شخص نے پھاوڑا مار کر کسی کو قتل کر دیا ہے اور مقتول کو وہ لوہا جا لگا ہے۔ تو اس کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور جب اس کو لکڑی لگ گئی ہے تو وہ مارنے والے پر دیت لازم ہو جائے گی۔

مصنف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہوگا۔ کہ جس وقت مضروب کو لوہے کی دھار لگی ہو کہ وہ زخم ہو جائے اور سبب مکمل ہو جائے۔ اور جب اس کو لوہے کی پشت لگی ہے تب بھی صاحبین نے کہا ہے کہ قاتل پر قصاص واجب ہوگا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اسی طرح بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ آلہ کا اعتبار کرتے ہیں اور یہاں آلہ لوہا ہے۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ قصاص اس وقت واجب ہوگا۔ جب زخم ہوا ہے اور زیادہ صحیح یہی روایت ہے۔ جس طرح ان شاء اللہ ہم اس کو بیان کر دیں گے۔ اور ترازو کے پلڑے سے مار کر قتل کرنے کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پھاوڑا یہ بڑی لاٹھی کے حکم میں ہے پس یہ بھاری چیز کے قتل کی طرح ہوگا۔ اور اس میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہے۔ اسی وضاحت کے مطابق جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ کوڑے کے حکم میں ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور یہ مسئلہ موالات کا ہے۔ اور

آپ کی دلیل یہ ہے کہ اس وقت تک مسلسل مارتے رہنا ہے کہ جس سے مضروب فوت ہو جائے تو یہ عمد ہونے کی علامت ہے پس قصاص کو واجب کرنے والا سبب ثابت ہو جائے گا۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں، لیکن جب قتل عمد خطاء کے طور پر ہو اور شبہ عمد بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی دلیل عمد نہ ہونے کا شبہ بھی پایا جا رہا ہے۔ کیونکہ مسلسل مارنا یہ کبھی کبھی ادب سکھانے کے لئے بھی ہوا کرتا ہے۔ یا ممکن ہے کہ مارنے والے کو مارنے کے دوران ارادہ لاحق ہونے والا ہے۔ پس پہلی ضرب ارادے سے خالی ہوگی یا یہ بھی ممکن ہے کہ ضرب نے مقتل کو پایا ہے اور شبہہ قصاص کو ختم کرنے والا ہے پس دیت واجب ہو جائے گی۔

لکڑی کی چوٹ سے قتل ہونے والے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی ہنگامہ کے دوران قتل کر دیا جائے یا تیروں اور کوڑوں کی مار سے جو لوگوں کے درمیان ہونے لگے اس سے مارا جائے یا جو شخص لکڑی (کی چوٹ) سے مارا جائے تو اس کی دیت دلوائی جائے گی جس طریقہ سے کہ قتل خطاء میں دیت دلوائی جاتی ہے اور جو شخص قصداً قتل کیا جائے تو اس میں قصاص واجب ہے اب جو شخص قصاص کو روکے گا تو اس پر لعنت ہے خداوند قدوس کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی اس کا فرض اور نفل کچھ قبول نہیں ہوگا۔ (سنن نسائی: جلد سوم: رقم الحدیث، 1093)

ہاتھ پاؤں باندھ کر شیر کے آگے ڈالنے کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر شیر یا درندے کے سامنے ڈال دیا اس نے مار ڈالا، ایسے شخص کو سزا دی جائے اور مارا جائے اور قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہیں قید خانہ ہی میں مر جائے اسی طرح اگر ایسے مکان میں کسی کو بند کر دیا جس میں شیر ہے جس نے مار ڈالا یا اس میں سانپ ہے جس نے کاٹ لیا۔

اور گرم تنور میں کسی آدمی کو ڈال دیا اور وہ مر گیا یا آگ میں کسی کو ڈال دیا جس سے نکل نہیں سکتا اور وہ مر گیا تو ان دونوں صورتوں میں قصاص ہے اور اگر آگ میں ڈال کر نکال لیا اور تھوڑی سی زندگی باقی ہے مگر کچھ دنوں بعد مر گیا تو قصاص ہے اور اگر چلنے پھرنے لگا پھر مر گیا تو قصاص نہیں۔ (درمختار، کتاب جنایات، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور ایک شخص نے دوسرے کا پیٹ پھاڑ دیا کہ آنتیں نکل پڑیں۔ پھر کسی اور نے دوسرے کی گردن اڑا دی تو قاتل یہی ہے جس نے گردن ماری۔ اگر اس نے عمداً کیا ہے تو قصاص ہے اور خطاء کے طور پر ہو تو دیت واجب ہے اور جس نے پیٹ پھاڑا اس پر تہائی دیت واجب ہے اور اگر پیٹ اس طرح پھاڑا کہ پیٹھ کی جانب زخم نفوذ کر گیا تو دیت کی دو تہائیاں۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ پیٹ پھاڑنے کے بعد وہ شخص ایک دن یا کچھ کم زندہ رہ سکتا ہو، اور اگر زندہ نہ رہ سکتا ہو اور مقتول کی طرح تڑپ رہا ہو تو قاتل وہ ہے جس نے پیٹ پھاڑا، اس نے عمداً کیا ہو تو قصاص ہے اور خطاء کے طور پر ہو تو دیت ہے اور جس نے گردن ماری اس پر تعزیر ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے ایسا زخمی کیا کہ امید زیست نہ رہی۔ پھر دوسرے نے اسے زخمی کیا

تو قاتل وہی پہلا شخص ہے۔ اگر دونوں نے ایک ساتھ زخمی کیا تو دونوں قاتل ہیں۔ اگر چہ ایک نے دس وار کیے اور دوسرے نے ایک ہی وار کیا ہو۔

اور جب کسی شخص کا گلا کاٹ دیا۔ صرف حلقوم کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہے اور ابھی جان باقی ہے دوسرے نے اسے قتل کر ڈالا تو قاتل پہلا شخص ہے دوسرے پر قصاص نہیں کیونکہ اس کا میت میں شمار ہے لہٰذا اگر مقتول اس حالت میں تھا اور مقتول کا بیٹا مر گیا تو بیٹا وارث ہوگا یہ مقتول اپنے بیٹے کا وارث نہیں ہوگا۔ (عالمگیری، کتاب جنایات، بیروت)

ڈبونے والے قصاص میں فقہی اختلاف کا بیان

اور جب کسی شخص نے کسی بالغ کو یا بچے کو دریا میں ڈبو دیا ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک قصاص نہ ہوگا۔ جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ قصاص لیا جائے گا اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ ہاں البتہ صاحبین کے نزدیک گردن کو کاٹ کر قصاص لیا جائے گا۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کو ڈبویا جائے گا۔ جس طرح اس سے پہلے ہم بیان کر آئے ہیں۔

ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو غرق کرے ہم اس کو غرق کر دیں گے۔ کیونکہ وہ بھی آلہ قتل سے قتل کرنے والا ہے تو اس کو استعمال کرنا یہ اس کے عمد ہونے کی نشانی ہے۔ اور دم کی عصمت میں کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ شبہ عمد والا مقتول کوڑے اور عصا کا مقتول ہے۔ اور ہر خطاء میں دیت واجب ہے۔ جبکہ یہ آلہ قتل کے لئے اگر چہ نہیں بنایا گیا ہے اور اس کا استعمال بھی قتل کے لئے نہیں کیا جاتا کیونکہ اس طرح اس کا استعمال ناممکن ہے۔ پس اس میں عمد نہ ہونے کا شبہ پایا گیا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ یہ قصاص میں ہم مثل ہونے کی خبر دینے والا ہے۔ اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں بندے نے فلاں کی اتباع کی ہے۔ اور قینچی کے دونوں پھلوں کے لئے مقاصہ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور کوٹنے کے زخم کے درمیان کوئی مماثلت ہی نہیں ہے کیونکہ دوسرا ظاہر کو خراب کرنے میں ناقص ہے۔ اور کوٹنے کا زخم سزا کی حکمت سے میں بھی مماثلت رکھنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ ہتھیار سے قتل کرنا غالب ہے۔ جبکہ بھاری چیز سے قتل کرنا بھی شاذ و نادر ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی پیش کردہ روایت مرفوع نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سیاست پر محمول کی گئی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ڈبونے کی اضافت کو اپنی جانب کیا ہے یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ اور جب قصاص ممتنع ہو چکا ہے تو دیت واجب ہوگی۔ اور وہ عاقلہ پر واجب ہوگی۔ ہم اس کو بیان کر آئے ہیں جبکہ کفارے میں دونوں روایات کا اختلاف ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور بچہ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ یا برف پر ڈال دیا اور وہ مر گیا تو اس کے عصبہ سے دیت وصول کی جائے کسی کے ہاتھ، پاؤں باندھ کر دریا میں ڈال دیا اور ڈالتے ہی تہہ نشین ہو گیا تو اس کے عصبہ سے دیت وصول کی جائے اور اگر کچھ دیر تک تیرتا رہا پھر ڈوب کر مر گیا تو دیت نہیں۔ (درمختار، کتاب جنایات، بیروت)

2637 - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيِّ

عَنِ ابْنِ صُهْبَانَ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا قَوَدَ فِي الْمَأْمُوْمَةِ وَلَا الْجَائِفَةِ وَلَا الْمُنَقِّلَةِ

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''مامومہ (سر کے زخم)، جائفہ (پیٹ کے زخم)، منقلہ (ایسا زخم جس میں چھوٹی ہڈی ظاہر ہو جائے) زخم میں دیت نہیں ہو گی''۔

دس شجاج ہونے کا فقہی بیان

شجاج دس ہیں۔ ان میں سے ایک حارصہ ہے اور حارصہ اس کو کہتے ہیں جو جلد کو خارش زدہ کرے اور خون نہ نکالے۔ دوسرا دامعہ ہے جو خون کو ظاہر کر دے لیکن اس کو نہ بہائے۔ جس طرح آنکھ کا آنسو ہے۔ تیسرا دامیہ ہے جو خون کو بہا دے۔ چوتھا باضعہ ہے جو کھال کو کاٹ دے۔ پانچواں متلاحمہ ہے جو گوشت کو نکال دے، چھٹا سمحاق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان باریک جھلی تک پہنچ جائے۔ ساتواں موضحہ ہے جب زخم سے ہڈی دکھ جائے اور وہ ہڈی ظاہر ہو جائے۔ آٹھواں ہاشمہ ہے جو ہڈی کو توڑ دے۔ نواں منقلہ ہے جو ہڈی کو توڑ دینے کے بعد اس کو منتقل کر دے۔ دسواں آمہ ہے جب زخم اس طرح کا ہے کہ وہ ام راس تک سرایت کر جائے اور ام راس وہ جگہ ہے جہاں دماغ ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر ہر موضحہ کی دیت پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: رقم الحدیث 813)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا تو خطبہ میں ارشاد فرمایا ہر ایک زخم جو ہڈی کھول دے اس میں پانچ اونٹ ہیں۔ (سنن نسائی: جلد سوم: رقم الحدیث 1156)

اس کی دس 10 قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ حارصہ: جلد کے اس زخم کو کہتے ہیں جس میں جلد پر خراش پڑ جائے مگر خون نہ چھلکے۔ دامعہ: سر کی جلد کے اس زخم کو کہتے ہیں جس میں خون چھلک آئے مگر بہے نہیں۔ دامیہ: سر کی جلد کے اس زخم کو کہتے ہیں جس میں خون بہہ جائے۔ باضعہ: جس میں سر کی جلد کٹ جائے۔ متلاحمہ: جس میں سر کا گوشت بھی پھٹ جائے۔ سمحاق: جس میں سر کی ہڈی کے اوپر کی جھلی تک زخم پہنچ جائے۔ موضحہ: جس میں سر کی ہڈی نظر آ جائے۔ ہاشمہ: جس میں سر کی ہڈی ٹوٹ جائے۔ منقلہ: جس میں سر کی ہڈی ٹوٹ کر ہٹ جائے۔ امہ: وہ زخم جوام الدماغ، یعنی دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے۔

ان کے علاوہ زخموں کی ایک قسم جائفہ بھی کی گئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ زخم جوف تک پہنچے اور یہ زخم پیٹھ، پیٹ اور سینے میں ہوتا ہے۔ اور اگر گلے کا زخم غذائی نالی تک پہنچ جائے تو وہ بھی جائفہ ہے۔

(عالمگیری ص 28 ج 6، شامی ص 510 جلد 5، بحر الرائق ص 333 جلد 8)

2637 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

موضحہ میں قصاص ہونے کا بیان

موضحہ میں قصاص ہے لیکن اس میں شرط عمد ہے اسی حدیث کے سبب کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موضحہ میں قصاص کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے چھری ہڈی تک پہنچ گئی ہو۔ اور وہ دونوں برابر ہو جائیں۔ پس برابری ثابت ہو جائے گی۔

اور دوسرے شجاجوں میں کوئی قصاص نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں برابری کا اعتبار کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی ایسی حد نہیں ہے جہاں چھری رک جائے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ موضحہ سے بڑے زخموں کو توڑنا ہے۔ اور ہڈی توڑنے میں قصاص نہیں ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اسی طرح ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں لکھا ہے اور ظاہر الروایت بھی یہی ہے۔ اور جو موضحہ سے پہلے ہیں۔ ان میں قصاص واجب ہے۔ کیونکہ ان میں برابری کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اور ان میں ہڈی توڑنا بھی نہیں ہے۔ اور نہ ہی غالب ہلاکت کا کوئی خوف ہے۔ پس اس زخم کی گہرائی کو ایک سلائی سے ناپ لیا جائے گا۔ اس کے بعد اسی کی مقدار کے برابر ایک لوہا بنایا جائے گا۔ اور اس سے قاطع کی کاٹ دی گئی مقدار کے برابر کاٹا جائے گا۔ تاکہ قصاص کی وصولی ثابت ہو جائے۔

اور موضحہ کے سوا میں حکومت عدل واجب ہے۔ کیونکہ موضحہ کے سوا میں کوئی دیت مقرر نہیں ہے۔ اور نہ اس کو ضائع کیا جاسکتا ہے۔ پس حکومت عدل سے اس کا اعتبار کیا جانا لازم ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ موضحہ اور اس سے کم زخم اگر قصداً لگائے گئے ہوں تو ان میں قصاص ہے اور اگر خطاء ہوں تو موضحہ سے کم زخموں میں حکومت عدل ہے اور موضحہ میں دیتِ نفس کا بیسواں حصہ ہے اور ہاشمہ میں دیت نفس کا دسواں حصہ ہے اور منقلہ میں دیت نفس کا پندرہ فیصد حصہ اور آمہ اور جائفہ میں دیت کا تہائی حصہ ہے۔ ہاں اگر جائفہ آر پار ہو گیا تو دو تہائی دیت ہے۔ (عالمگیری ص 29 جلد 6، بحرالرائق ص 334، جلد 8، فتح القدیر ص 312، جلد 8، بدائع صنائع ص 316، جلد 7)

موضحہ خطاء میں دیت کے بیسویں حصے کا بیان

جب موضحہ خطاء ہے تو اس کی دیت کا بیسواں حصہ واجب ہے جبکہ ہاشمہ میں دیت کا بیسواں حصہ ہے۔ اور منقلہ میں دیت کا دسواں اور نصف دسواں ہے۔ اور آمہ میں تہائی دیت ہے۔ اور جائفہ میں تہائی دیت ہے۔ اور جب جائفہ پار ہو چکا ہے تو وہ دو جائفے ہیں۔ اور ان میں دیت کے دو تہائی واجب ہیں۔ اسی دلیل کے سبب سے جو حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے خط میں موجود ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ موضحہ میں پانچ اونٹ ہیں۔ اور ہاشمہ میں دس اونٹ ہیں۔ جبکہ منقلہ میں پندرہ اونٹ ہیں۔ اور آمہ میں تہائی دیت واجب ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق مأمومہ بھی روایت کیا گیا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جائفہ میں تہائی دیت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایسا جائفہ جو دوسری جانب پار ہو جائے اس میں دو تہائی

دیت کا فیصلہ فرمایا تھا۔ کیونکہ جب جائفہ پار ہو جائے تو اس کو دو جائفوں کے حکم میں سمجھ لیا جائے گا۔ کہ ایک جانب اندر سے ہے اور دوسرا جانب باہر سے ہے۔ اور ہر جائفہ میں تہائی دیت ہے۔ پس نافذہ میں دو تہائی دیت واجب ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر بن حزم میرے پاس ایک تحریر لے کر آئے جو کہ چمڑے کی ایک ٹکڑے پر لکھی ہوئی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ بیان ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اے ایمان والو پورا کرو اقرار کو اس کے بعد چند آیات کریمہ تلاوت فرمائیں پھر فرمایا جان میں سو اونٹ ہیں اور آنکھ میں پچاس اونٹ ہیں اور ہاتھ میں پچاس اونٹ ہیں اور پاؤں میں پچاس اونٹ ہیں اور جو زخم مغز تک پہنچ جائے اس میں تہائی دیت ہے اور اگر (زخم) پیٹ کے اندر تک پہنچ جائے تو اس میں تہائی دیت ہے اور (جس زخم یا چوٹ سے) ہڈی جگہ سے ہل جائے اس میں دیت پندرہ اونٹ ہیں اور انگلیوں میں دس دس اونٹ ہیں اور دانتوں میں پانچ پانچ اونٹ دیت ہے اور جس زخم سے ہڈی نظر آنے لگے اس میں پانچ اونٹ ہیں۔ (سنن نسائی: جلد سوم: رقم الحدیث، 1161)

اگر بیس 20 موضحہ زخم لگائے اور درمیان میں صحت نہ ہوئی تو پوری دیت نفس تین سال میں ادا کی جائے گی اور اگر درمیان میں صحت واقع ہوگئی تو ایک سال میں پوری دیت نفس ادا کرنا ہوگی۔ (عالمگیری از کافی ص29 جلد 6)

اور جب کسی کے سر پر ایسا موضحہ لگایا کہ اس کی عقل جاتی رہی۔ یا پورے سر کے بال ایسے اڑے کہ پھر نہ اُگے تو صرف دیت نفس واجب ہوگی اور اگر سر کے بال مختلف جگہوں سے اڑ گئے تو بالوں کی حکومت عدل اور موضحہ کی ارش میں سے جو زیادہ ہو گا وہ لازم آئے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ بال پھر نہ اُگیں، لیکن اگر دوبارہ پہلے کی طرح بال اُگ آئیں تو کچھ لازم نہیں ہے۔

(شامی در مختار ص513 جلد ج5، عالمگیری ص29 جلد 6)

اور جب کسی کی بھنوں پر خطاءً ایسا موضحہ لگایا کہ بھنوں کے بال گر گئے اور پھر نہ اُگے تو صرف نصف دیت لازم ہوگی۔

(عالمگیری ص30 جلد (6)

اور جب کسی کے سر پر ایسا موضحہ لگایا کہ اس سے سننے یا دیکھنے یا بولنے کے قابل نہ رہا۔ تو اس پر نفس کی دیت کے ساتھ موضحہ کا ارش بھی واجب ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس زخم سے موت نہ ہوئی ہو، اور اگر موت واقع ہوگئی تو ارش ساقط ہو جائے گا۔ اور عمد کی صورت میں جنایت کرنے والے کے مال سے تین سال میں دیت ادا کی جائے گی اور بصورت خطا عاقلہ پر تین سال میں دیت ہے۔ (شامی در مختار ص513، جلد 5)

خون کا جم کر سیاہ ہو جانے میں متلاحمہ کا بیان

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے متلاحمہ کو باضعہ مقدم قرار دیا ہے اور متلاحمہ یہ ہے کہ جس میں خون جم کر سیاہ ہو جائے۔ جس طرح ہم نے بیان کر دیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے لیکن اس میں عبارت کا اختلاف ہے۔ اور معنی وحکم کی جانب لوٹنے والا نہیں ہے۔ اور آمہ کے بعد ایک دوسرا زخم وہ ہے جس کو دامغہ کہتے ہیں۔ جو دماغ تک پہنچنے والا ہو۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ نے اس کو سبب

سے بیان نہیں کیا ہے کیونکہ یہ عام طور پر نقل بننے والا ہے۔ اور یہ کوئی ایسی جنایت منتصرہ بھی نہیں ہے کہ اس نے علم کو الگ بیان کر دیا جائے۔

لغت کے اعتبار سے شجاج چہرے اور سر کے ساتھ خاص ہے۔ اور جو زخم چہرے اور سر کے سوا ہو اس کو جراحت کہتے ہیں۔ اور قول صحیح کے مطابق حکم حقیقت پر مرتب ہونے والا ہے۔ یہاں تک کہ چہرہ اور سر کے سوا پنڈلی اور ہاتھ میں زخم ہے۔ تو اس کے لئے مقرر کردہ دیت ثابت نہ ہوگی۔ پس محض حکومت عدل واجب ہو جائے گی۔ کیونکہ ارش کا اندازہ توقیفی ہے۔ اور توقیف اسی زخم کا نام ہے جو چہرے اور سر کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں جو حکم وارد ہوا ہے۔ وہ اس عیب کے سبب ہے۔ جو کسی زخمی کو زخم کے اثر کے سبب لاحق ہو جاتا ہے۔ اور عیب ان زخموں کے ساتھ خاص ہے۔ جو عام طور پر کھلے رہنے والے ہیں۔ اور کھلے رہنے والے یہی دو اعضاء ہیں۔ یعنی چہرہ اور سر ہیں۔ ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔

زہری سے روایت ہے کہ میرے پاس حضرت ابوبکر بن حزم ایک کتاب لے کر آئے جو کہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھی ہوئی تھی وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تھی یہ ایک بیان ہے خدا اور اس کے رسول کی جانب سے اے اہل ایمان! تم لوگ اقرار کو پورا کرو (یعنی معاہدات کی پابندی کرو) پھر اس کے بعد چند آیات کریمہ تلاوت فرمائیں پھر فرمایا کہ جان میں ایک سو اونٹ ہیں اور آنکھ میں پچاس اونٹ ہیں اور زخم مغز تک پہنچے اس میں تہائی دیت ہے اور جو پیٹ کے اندر تک پہنچ جائے اس میں ایک تہائی دیت ہے اور جس سے ہڈی جگہ سے ہل جائے اس میں پندرہ اونٹ ہیں اور انگلیوں میں (دیت) دس دس اونٹ ہیں اور دانتوں میں پانچ پانچ اونٹ دیت ہے اور جس زخم سے ہڈی نظر آنے لگے اس میں دیت پانچ اونٹ ہیں (یعنی زخم ایسا سخت لگ جائے تو اس کی دیت پانچ اونٹ ہیں)۔ (سنن نسائی: جلد سوم، رقم الحدیث، 1160)

بَابُ الْجَارِحِ يُفْتَدَى بِالْقَوَدِ

یہ باب ہے کہ زخمی کرنے والا قصاص کی جگہ فدیہ دے گا

2638 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنْبَأَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَبَا جَهْمِ بْنَ حُذَيْفَةَ مُصَدِّقًا فَلَاجَّهُ رَجُلٌ فِي صَدَقَتِهِ فَضَرَبَهُ أَبُو جَهْمٍ فَشَجَّهُ فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا الْقَوَدَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ يَرْضَوْا فَقَالَ لَكُمْ كَذَا وَكَذَا فَرَضُوا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي خَاطِبٌ عَلَى النَّاسِ وَمُخْبِرُهُمْ بِرِضَاكُمْ قَالُوا نَعَمْ فَخَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ اللَّيْثِيِّينَ أَتَوْنِي يُرِيدُونَ الْقَوَدَ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِمْ كَذَا وَكَذَا أَرَضِيتُمْ قَالُوا لَا فَهَمَّ بِهِمُ الْمُهَاجِرُونَ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكُفُّوا فَكَفُّوا ثُمَّ دَعَاهُمْ فَزَادَهُمْ فَقَالَ أَرَضِيتُمْ قَالُوا نَعَمْ قَالَ إِنِّي خَاطِبٌ عَلَى النَّاسِ وَمُخْبِرُهُمْ بِرِضَاكُمْ قَالُوا

2638: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4534' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4792

نَعَمْ فَخَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَرَضِيتُمْ قَالُوا نَعَمْ
قَالَ ابْنُ مَاجَةَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيٰى يَقُولُ تَفَرَّدَ بِهٰذَا مَعْمَرٌ لَا اَعْلَمُ رَوَاهُ غَيْرُهُ

◆◆ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا ایک شخص نے زکوٰۃ کے حوالے سے ان کے ساتھ جھگڑا کیا' تو ابوجہم نے اس کی پٹائی کی اور اسے زخمی کر دیا وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! قصاص دلوایئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں اتنا اور اتنا دیا جاتا ہے (تم اسے معاف کردو) وہ لوگ اس پر راضی نہیں ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں اتنا اور اتنا مل جائے' تو وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لوگوں کو خطبہ دینے لگا ہوں اور تمہاری رضامندی کے بارے میں ان کو بتا دوں گا' ان لوگوں نے کہا: ٹھیک ہے' پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: لیث قبیلے سے تعلق رکھنے والے یہ لوگ میرے پاس آئے یہ لوگ قصاص لینا چاہ رہے تھے میں نے انہیں اتنی اور اتنی رقم کی پیشکش کی تو کیا تم لوگ اس بات سے راضی ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا: جی نہیں! (راوی کہتے ہیں:) مہاجرین ان لوگوں پر حملہ کرنے لگے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا وہ رک جائیں' تو وہ لوگ گئے' پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بلوایا اور انہیں مزید ادائیگی کی پیشکش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم لوگ راضی ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لوگوں کو اس بارے میں خطبہ دینے لگا ہوں اور انہیں تمہاری رضامندی کے بارے میں بتاؤں گا۔ ان لوگوں نے کہا: ٹھیک ہے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا تم لوگ راضی ہو ان لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں!

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے محمد بن یحییٰ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے اس روایت کو نقل کرنے میں معمر نامی راوی منفرد ہیں میرے علم کے مطابق ان کے علاوہ کسی اور نے اس روایت کو نقل نہیں کیا۔

بَاب دِيَةِ الْجَنِينِ

یہ باب پیٹ میں موجود بچے کی دیت کے بیان میں ہے

استقاط حمل کے سبب وجوب غرہ کا بیان

جب کسی شخص نے ایک عورت کے پیٹ پر مارا ہے اور اس عورت نے جنین کو گرا دیا ہے تو اس پر ایک غرہ واجب ہو جائے گا۔ اور یہ غرہ دیت کے عشر کا آدھا ہے۔ مصنف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ مرد کی دیت مذکر میں ہے اور مؤنث میں عورت کی دیت کا عشر واجب ہے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک پانچ سو دراہم ہیں۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ کیونکہ جنین کی زندگی یقینی نہیں ہے۔ اور ظاہری حالت حقدار بننے کی صلاحیت رکھنے والی نہیں ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جنین میں غرہ واجب ہے۔ یعنی وہ غلام یا باندی جس کی قیمت پانچ سو دراہم ہو۔ اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ "یا پانچ سو دراہم" پس اس اثر کے سبب ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔ اور یہی

حدیث اس شخص کے خلاف حجت ہے۔ جس نے چھ سو دراہم کی مقدار کو مقرر کیا ہے۔ جس کو امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے بھی اختیار کیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ غرہ پانچ سو دراہم کا ہے تو یہ عاقلہ پر واجب ہے۔ جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک قاتل کے مال سے واجب ہے۔ کیونکہ جزاء کا بدلہ وہی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقلہ پر غرہ کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ غرہ جان کا بدلہ ہے۔ اسی سبب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیت کا نام دے کر اس طرح کہا ہے کہ وہ اس کی دیت ادا کریں۔ تو اس پر عاقلہ نے کہا ہے کیا ہم ادا کریں ایسے جنین کی دیت جس نے نہ کوئی آواز نکالی اور نہ وہ رویا ہے۔ لیکن عواقل پانچ سو دراہم سے کم دیت ادا نہیں کیا کرتے۔

(ہدایہ)

اور جب کسی نے کسی حاملہ عورت کو ایسا مارا، یا ڈرایا، یا دھمکایا، یا کوئی ایسا فعل کیا جس کی وجہ سے ایسا مرا ہوا بچہ ساقط ہوا جو آزاد تھا۔ اگرچہ اس کے اعضاء کی خلقت مکمل نہیں ہوئی تھی بلکہ صرف بعض اعضاء ظاہر ہوئے تھے تو مارنے والے کے عاقلہ پر مرد کی دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم ایک سال میں واجب الادا ہوں گے۔ ساقط شدہ بچہ مذکر ہو یا مؤنث اور ماں مسلمہ ہو یا کتابیہ یا مجوسیہ، سب کا ایک ہی حکم ہے۔ (شامی در مختار ص516 جلد5، تبیین الحقائق ص139 ج6، عالمگیری ص34 جلد6، بحرالرائق ص341 جلد8، فتح القدیر ص324 جلد8، مبسوط ص87 جلد26)

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچہ میں جو اپنی ماں کے پیٹ میں مارا جائے ایک غرہ (یعنی ایک غلام یا باندی دینے کا) حکم فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر حکم فرمایا اس نے کہا کہ اس کا میں کس طریقہ سے تاوان ادا کروں کہ جس نے نہ تو کھایا اور نہ ہی پیا اور نہ اس نے شور مچایا نہ گفتگو کی۔ ایسے کا خون تو لغو ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا یہ تو کاہن ہے (یعنی کاہنوں جیسی باتیں بنا رہا ہے)۔

(سنن نسائی: جلد سوم: رقم الحدیث 1124)

غرہ کے ایک سال یا تین سال میں وجوب پر فقہی اختلاف کا بیان

اور غرہ ایک سال میں واجب ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ تین سال میں واجب ہوگا۔ کیونکہ وہ جان کا بدلہ ہے اسی سبب سے غرہ جنین کے وارثوں کے درمیان بطور میراث تقسیم کیا جاتا ہے۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو محمد بن حسن سے روایت کی گئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ملی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقلہ پر ایک سال میں غرہ واجب کیا ہے۔ کیونکہ جب الگ جان ہونے کی وجہ سے غرہ جان کا بدلہ ہے تو ماں کے اتصال کے سبب وہ اس کا عضو ہوگا۔ پس وراثت کے حق میں ہم نے پہلی مشابہت پر عمل کیا ہے۔ اور ایک سال تک کی مہلت میں ہم نے دوسری مشابہت پر عمل کیا ہے۔ اس لئے کہ جب عضو کا بدلہ تہائی دیت یا اس سے کم ہو اور وہ نصف عشر سے زائد ہو تو وہ ایک سال میں واجب ہوا کرتا ہے۔ جبکہ دیت کے اجزاء میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ دیت کا ہر ہر حصہ جس بندے پر واجب ہوتا ہے وہ تین

سالوں میں واجب ہوتا ہے۔اور اس میں مذکر ومؤنث دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ ہماری روایت کردہ حدیث میں اطلاق ہے۔ کیونکہ انسانیت کے حکم میں تفاوت کے سبب دو زندہ آدمیوں میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ جبکہ جنین میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پس اس کی دیت ایک ہی مقدار کے مطابق لازم ہوگی۔ اور وہ پانچ سو دراہم ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن کہتے تھے کہ غلام یا لونڈی کی قیمت جو پیٹ کے بچے کی دیت میں دی جائے پچاس دینار ہونے چاہئے یا چھ سو درہم اور عورت مسلمان آزاد کی دیت پانچ سو دینار ہیں یا چھ ہزار درہم۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ آزاد عورت کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کی دیت عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے اور وہ پچاس دینار ہے یا چھ سو درہم اور یہ دیت پیٹ کے بچے میں اس وقت لازم آتی ہے جب کہ وہ پیٹ سے نکل پڑے مردہ ہو کر میں نے کسی کو اس میں اختلاف کرتے نہیں سنا اگر پیٹ سے زندہ نکل کر مر جائے تو پوری دیت لازم ہوگی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جنین یعنی پیٹ کے بچے کی زندگی اس کے رونے سے معلوم ہوگی اگر رو کر مر جائے تو پوری دیت لازم آئے گی اور لونڈی کے جنین میں اس لونڈی کی قیمت کا دسواں حصہ دینا ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک عورت حاملہ نے کسی مرد یا عورت کو مار ڈالا تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا جب تک وضع حمل نہ ہو اگر عورت حاملہ کو کسی نے مار ڈالا عمداً یا خطاءً تو اس کے جنین کی دیت واجب نہ ہوگی بلکہ اگر عمداً مارا ہے تو قاتل قتل کیا جائے گا اور اگر خطاءً مارا ہے تو قاتل کے عاقلہ پر عورت کی دیت واجب ہوگی۔ سوال ہوا مالک سے اگر کسی نے یہودیہ یا نصرانیہ کے جنین کو مار ڈالا تو جواب دیا کہ اس کی ماں کی دیت کا دسواں حصہ دینا ہوگا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1425)

جنین کی دیت کا بیان

2639- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْجَنِيْنِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ فَقَالَ الَّذِیْ قُضِیَ عَلَيْهِ اَنَعْقِلُ مَنْ لَّا شَرِبَ وَلَا اَكَلَ وَلَا صَاحَ وَلَا اسْتَهَلَّ وَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا لَيَقُوْلُ بِقَوْلِ شَاعِرٍ فِيْهِ غُرَّةٌ عَبْدٌ اَوْ اَمَةٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ میں موجود بچے کے بارے میں تاوان کی ادائیگی کا فیصلہ دیا ہے جو ایک غلام یا کنیز ہوگی، جس شخص کے خلاف فیصلہ دیا گیا تھا وہ بولا: کیا ایسے بچے کی دیت دی جائے گی جس نے کچھ کھایا نہیں کچھ پیا نہیں، وہ چیخا نہیں، چلا کے رویا نہیں، اس طرح کا خون تو رائیگاں جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ شخص شاعروں کی طرح بات کر رہا ہے، ایسی صورت میں جرمانہ لازم ہوگا جو ایک غلام یا ایک کنیز ہوگی''۔

2640- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَعَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ

2639 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2640 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 3473' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 4570

الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ اسْتَشَارَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ النَّاسَ فِي إِمْلَاصِ الْمَرْأَةِ يَعْنِي سِقْطَهَا فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ شَهِدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِيهِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ فَقَالَ عُمَرُ ائْتِنِي بِمَنْ يَشْهَدُ مَعَكَ فَشَهِدَ مَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ

◆◆ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے عورت کا بچہ ضائع ہو جانے کے بارے میں مشورہ لیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گواہی دے کر یہ بات بیان کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں ایک غلام یا کنیز تاوان کے طور پر ادا کرنے کا فیصلہ دیا تھا' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: تم میرے پاس اس شخص کو لے کر آؤ! جو تمہارے ساتھ گواہی دے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ گواہی دی۔

2641- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ طَاوُسًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ نَشَدَ النَّاسَ قَضَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ يَعْنِي فِي الْجَنِينِ فَقَامَ حَمَلُ بْنُ مَالِكِ بْنِ النَّابِغَةِ فَقَالَ كُنْتُ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ لِي فَضَرَبَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِمِسْطَحٍ فَقَتَلَتْهَا وَقَتَلَتْ جَنِينَهَا فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِينِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ وَأَنْ تُقْتَلَ بِهَا

◆◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: انہوں نے لوگوں کو واسطہ دیا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملے میں فیصلے کے بارے میں بتائیں یعنی پیٹ میں موجود بچے کے بارے میں' تو حضرت حمل بن مالک رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے وہ بولے: میری دو بیویاں تھیں۔ ان میں سے ایک نے دوسری بیوی کو لکڑی کے ذریعے مار کر اسے بھی قتل کر دیا اور اس کے پیٹ میں موجود بچے کو بھی قتل کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا کہ بچے کا تاوان ایک غلام ہو گا اور مقتول عورت کے عوض میں اس عورت کو قتل کر دیا جائے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں اور ان میں سے ایک نے دوسری عورت کے پتھر کھینچ مارا جس سے وہ عورت بھی مر گئی اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مقتولہ کے اس بچہ کی دیت جو اس کے پیٹ میں مر گیا غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام ہے اور حکم فرمایا کہ مقتولہ کے دیت، قاتلہ کے خاندان و برادری والوں پر ہے نیز آپ نے اس کی دیت کا وارث اس کے بیٹوں اور ان لوگوں کو بنایا جو بیٹوں کے ساتھ (وراثت میں شریک) تھے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 653)

بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ میں جو واقعہ گزرا ہے وہ کسی اور عورت کا ہے اور اس حدیث میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ کسی اور عورت کا ہے۔ پہلی حدیث میں تو یہ ذکر تھا کہ پتھر مارنے سے عورت مر گئی تھی چنانچہ اس حدیث میں اس عورت کی وفات اور اس کی وفات کے بعد جو احکام نافذ ہوتے تھے ان کا ذکر کرنا مقصود تھا اور اس حدیث میں اس عورت کا ذکر کیا گیا ہے جو پتھر کی چوٹ کھانے

2641 اخرجہ ابو داؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4572' ورقم الحدیث 4573' ورقم الحدیث 4574' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 4753

کی وجہ سے مرگئی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کے پیٹ کا بچہ بھی مرگیا تھا چنانچہ یہاں اس کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ پتھر کے ذریعہ کسی کو ہلاک کر دینا دیت کا موجب ہے نہ کہ قصاص کا، نیز یہ قتل عمد کی قسم سے نہیں ہے بلکہ شبہ عمد کی قسم سے ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے لیکن اس بارے میں یہ حدیث چونکہ دوسرے ائمہ کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے وہ حدیث میں مذکورہ پتھر" کو چھوٹے پتھر" پر محمول کرتے ہیں۔

اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ دو عورتیں جو آپس میں سوکنیں تھیں (ایک دن باہم لڑ پڑیں) چنانچہ ان میں سے ایک نے دوسری کو (جو حاملہ تھی) پتھر یا خیمے کی چوب سے مارا جس کی وجہ سے اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچہ کی دیت میں غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام دینے کا حکم دیا اور دیت کو آپ نے مارنے والی عورت پر واجب کیا۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت مغیرہ نے کہا "ایک عورت اپنی سوکن کو جو حاملہ تھی، خیمہ کی چوب سے مارا جس کی وجہ سے وہ مرگئی (اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مرگیا) مغیرہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک عورت لحیان کے خاندان سے تھی (جو قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ ہے) مغیرہ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عاقلہ پر واجب کی اور پیٹ کے بچہ کی دیت میں غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام دینے کا حکم فرمایا۔

یہ حدیث بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کی دلیل ہے کیونکہ خیمے چوب سے عام طور انسان کو ہلاک کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اس عورت کو قتل عمد کا مرتکب قرار دیا گیا بلکہ شبہ عمد کا مرتکب گردانا گیا۔ حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ یہاں پتھر اور چوب سے مراد چھوٹا پتھر اور چوب ہے جس سے عام طور کسی انسان کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی لحیان کی ایک عورت کے اس بچہ کی دیت میں جو مر کر اس کے پیٹ سے گر پڑا تھا (عاقلہ پر) غرہ واجب کیا تھا اور غرہ سے مراد غلام یا لونڈی ہے، پھر جب وہ عورت (کہ جس کے عاقلہ پر غرہ واجب کیا تھا) مرگئی تو آپ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ اس کی میراث ان کے بیٹوں اور خاوند کے لئے ہے اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 652)

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں اور ان میں سے ایک نے دوسری عورت کے پتھر کھینچ مارا اتفاق سے وہ عورت حاملہ تھی اور پتھر اس کے پیٹ پر لگا، اس کے نتیجہ یہ ہوا کہ جو بچہ اس کے پیٹ میں تھا اس پتھر کی چوٹ سے مر کر پیٹ سے باہر آ گیا چنانچہ اس کی دیت میں پتھر مارنے والے کے عاقلہ (یعنی اہل خاندان) پر ایک غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام واجب کیا گیا اور اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہو کر بعد میں مر جاتا یا اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہوتا اور اس کے بعد وہ پتھر مارتی اور اس پتھر کی چوٹ سے وہ بچہ مر جاتا تو اس صورت میں پوری دیت واجب کی جاتی۔

غرہ اصل میں تو اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر ہوتی ہے، پھر سفید رنگ کے غلام یا لونڈی کو بھی غرہ کہا جانے لگا لیکن یہاں مراد مطلق غلام یا لونڈی ہے، ویسے فقہا کے نزدیک "غرہ" سے دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم مراد ہے۔" اور اس

کی دیت اس کے عصبہ پر ہے" میں عصبہ سے مراد عاقلہ ہیں اس جملہ سے یہ واضح کرنا مراد ہے کہ اگر چہ اس کی دیت اس کے عاقلہ یعنی خاندان اور برادری والوں پر واجب ہوگی مگر وہ خاندان اور برادری والے پر واجب ہوگی مگر وہ خاندان اور برادری والے اس کی میراث کے وارث نہیں قرار پائیں گے کیونکہ کسی کی دیت کا ذمہ دار ہونے سے اس کی میراث کا حقدار ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ اس کی میراث تو انہی لوگوں کو ملے گی جو اس کے شرعی وارث ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ یہاں وارثوں میں صرف بیٹوں اور خاوند کی تخصیص کیوں کی گئی تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جس عورت کا ذکر ہے اس کے ورثاء میں صرف یہی لوگ موجود ہوں گے اس لئے انہی کا ذکر کیا گیا ورنہ مقصود یہ ہے کہ میراث ہر اس وارث کو ملے گی جو موجود ہو۔

جنین میں واجب ہونے والے غرہ کا میراث میں تقسیم ہو جانے کا بیان

جنین میں جو غرہ واجب ہوا ہے وہ اس کی میراث میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ غرہ جنین کی جان کا بدلہ ہے۔ پس اس کے وارث اس کے غرہ کے بھی وارث بن جائیں گے۔ اور مارنے والا اس کا وارث نہ بن سکے گا۔ حتیٰ کہ جب کسی بندے نے اپنی بیوی کے پیٹ پر مارا ہے۔ اور اس نے مارنے والے کے مردہ بیٹے کو جنم دیا ہے تو باپ کی عاقلہ پر غرہ واجب ہے۔ مگر وہ اس میں وارث نہ ہوگا کیونکہ وہ ناحق قاتل ہے۔ اور قاتل کو میراث نہیں ملا کرتی۔

اور جب باندی کے جنین میں جب وہ مذکر ہو تو اس کی قیمت کا نصف عشر واجب ہے۔ اور جب وہ زندہ ہے اور مؤنث ہے تو اس کی قیمت کا عشر واجب ہوگا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس میں ماں کی قیمت کا عشر واجب ہے۔ کیونکہ جنین ایک طرح ماں کا حصہ ہے۔ اور اجزاء کی ضمان کی مقدار اجزاء کے اصل سے لی جاتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ضمان جنین کی جان کا بدلہ ہے۔ کیونکہ طرف کا ضمان اس وقت واجب ہوتا ہے جب اصل کا نقصان ظاہر ہو جائے۔ جبکہ جنین کے ضمان میں اصل کے نقصان کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔ پس یہ ضمان جنین کی جان کا بدلہ ہے۔ پس اس کو جنین کی جان کی مقدار کے برابر مقرر کیا جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب ماں کی واقع ہو جائے تو اس مسئلہ کو بہائم پر قیاس کرتے ہوئے نقصان کا ضمان واجب کر دیا جائے گا۔ اور یہ اس سبب سے ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک غلام کے قتل کا ضمان مال کا ضمان ہے۔ جس طرح اس کو ہم ان شاء اللہ بیان کر دیں گے۔ پس امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قانون کے مطابق یہ قیاس درست ہوا۔ (ہدایہ)

اسقاط کی ان سب صورتوں میں جن میں جنین کا غرہ یا دیت لازم ہوگی وہ جنین کے ورثاء میں تقسیم کی جائے گی۔ اور اس کی ماں بھی اس کی وارث ہوگی، ساقط کرنے والا وارث نہیں ہوگا۔ (درمختار و شامی ص 518 ج 5، تبیین الحقائق ص 141 ج 6، عالمگیری ص 34 ج 6، بحر الرائق ص 342 جلد 8، فتح القدیر ص 328 ج 8، بدائع صنائع ص 326 ج 7، مبسوط ص 90 ج 26)

بَاب الْمِيرَاثِ مِنَ الدِّيَةِ

یہ باب دیت سے میراث کے بیان میں ہے

2642 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ الدِّيَةُ لِلْعَاقِلَةِ وَلَا تَرِثُ الْمَرْاَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا حَتّٰى كَتَبَ اِلَيْهِ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَّثَ امْرَاَةَ اَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

◆◆ سعید بن مسیب یہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں دیت خاندان کو ملے گی عورت اپنے شوہر کی دیت میں کسی چیز کی وارث نہیں ہوگی' پھر حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ نے انہیں خط میں لکھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اشیم ضبابی رضی اللہ عنہ کی بیوی کو ان کے شوہر کی دیت میں وارث قرار دیا۔

2643 - حَدَّثَنَا عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ خَالِدِ النُّمَيْرِيُّ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ يَحْيَى بْنِ الْوَلِيْدِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى لِحَمَلِ بْنِ مَالِكٍ الْهُذَلِيِّ اللِّحْيَانِيِّ بِمِيْرَاثِهِ مِنِ امْرَاَتِهِ الَّتِي قَتَلَتْهَا امْرَاَتُهُ الْاُخْرٰى

◆◆ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمل بن مالک رضی اللہ عنہ کو ان کی اس بیوی کی وراثت میں حصے دار قرار دیا تھا جس بیوی نے ان کی دوسری بیوی کو قتل کر دیا تھا۔

بَاب دِيَةِ الْكَافِرِ

یہ باب کافر کی دیت کے بیان میں ہے

2644 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى اَنَّ عَقْلَ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ نِصْفُ عَقْلِ الْمُسْلِمِيْنَ وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى

◆◆ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: ''اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف ہوگی''۔ اس سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔

2642: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2927' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1415' ورقم الحدیث: 2110

2643' اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2644: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال ایک خطبہ دیا اور اس (میں حمد وثناء) کے بعد فرمایا کہ "لوگو! اسلام میں قسم اور عہد و پیمان کرنا جائز نہیں ہے لیکن وہ عہد وقسم جس کا رواج زمانہ جاہلیت میں تھا، اس کو اسلام مضبوطی سے قائم کرتا ہے (یاد رکھو) تمام مسلمان اپنے غیر (یعنی کفار) کے مقابلے پر (بھلائیوں کو پھیلانے اور آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے میں) ایک ہاتھ کی طرح ہیں ایک ادنیٰ ترین مسلمان بھی تمام مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے اور وہ مسلمان بھی حق رکھتا ہے جو سب مسلمانوں سے کہیں دور ہو اور مسلمانوں کا لشکر ان مسلمانوں کو بھی (مال غنیمت کا) حقدار بناتا ہے جو (لشکر کے ساتھ نہ گئے ہوں بلکہ) بیٹھے رہے ہوں، (خبردار) کوئی مسلمان کسی (حربی) کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے (امام شافعی کہتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلے میں بھی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے) اور (ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے اور (زکوۃ وصول کرنے والے کارکن بطور خاص سن لیں کہ) زکوۃ کے مویشیوں کو نہ کھنچوا منگایا جائے اور (زکوۃ دینے والے بھی سن لیں کہ وہ) مویشیوں کو کہیں دور لے کر نہ چلیں جائیں، (زکوۃ وصول کرنے والے کو چاہئے کہ) زکوۃ ان کے گھروں پر ہی لی جائے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "عہد والے کی دیت، آزاد کی دیت کا نصف ہے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 657)

(لا حلف فی الاسلام) اصل میں "حلف" کے معنی ہیں "عقد باندھنا" زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے عہد و پیمان باندھ لیا کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے لڑائی جھگڑے کے موقع پر ایک دوسرے کی مدد کی جائے گی اور اگر کسی معاملہ میں ایک پر کوئی تاوان واجب ہوگا تو دوسرا تاوان کو ادا کرے گا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد گرامی (لا حلف فی الاسلام) کے ذریعہ اس قسم کی عہد و پیمان سے منع کیا کہ یہ ایک خالص غیر منصفانہ اور غیر معقول رواج ہے جس کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن زمانہ جاہلیت ہی میں عہد و پیمان کی ایک یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ لوگ آپس میں اس بات کا عہد کرتے تھے کہ وہ مظلوم کی مدد کریں گے، قرابتداروں سے حسن سلوک کریں اور انسانی حقوق کی حفاظت وتائید کریں گے۔

یہ عہد و پیمان چونکہ سماجی اور معاشرتی نقطہ نظر سے باہمی محبت ومؤانست اور انسانی بہبود وبھلائی کے لئے ایک بہترین صورت تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ما کان من حلف) الخ کے ذریعہ اس کو اسلام میں بھی جائز رکھا۔ (یرد سرایاہم علی تعیدہم) یہ دراصل پہلے جملہ (ویرد علیہم واقصاہم) کا بیان اور وضاحت ہے، اس عبارت کی تشریح کتاب القصاص کی دوسری فصل میں حضرت علی کی روایت کے تحت کی جا چکی ہے اسی طرح (لا یقتل مؤمن بکافر) کی وضاحت بھی اسی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔" کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔

یہ حضرت امام مالک کے مسلک کی دلیل ہے، حضرت امام شافعی اور ایک قول کے مطابق حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ کافر کی دیت، مسلمان کی دیت کا ثلث (یعنی تہائی) ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ کافر کی دیت، مسلمان کی طرح

پوری دیت ہے، ملحوظ رہے کہ یہ ساری بحث ذمی وکافر کے بارے میں ہے حربی کافر کی کوئی دیت نہیں ہے۔ ہدایہ کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ ہر ذمی کی جس سے اسلامی مملکت کا معاہدہ ہو، جب تک کہ وہ معاہدہ باقی رہے اس کی دیت ایک ہزار دینار ہیں۔ "اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان، کا عمل بھی اسی حدیث کے مطابق رہا ہے لیکن جب حضرت امیر معاویہ کا زمانہ آیا تو اس کو نصف کر دیا گیا۔

ہدایہ نے حضرت علی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ذمی اسی لئے جزیہ دیتے ہیں کہ ان کا خون ہمارے خون کی طرح اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح محفوظ و مامون ہے" گویا صاحب ہدایہ نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ اصل یہی ہے کہ ذمی کی دیت بھی مسلمان کی دیت کی طرح پوری ہو۔ چنانچہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے صحابہ سے اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ ان مشہور و مستند ترین آثار و اقوال کے معارض نہیں ہوسکتا۔

مسلمان و ذمی کا دیت میں برابر ہونے کا بیان

مسلم اور ذمی یہ دونوں دیت میں برابر ہیں۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار دراہم ہے۔ اور مجوسی کی دیت آٹھ ہزار دراہم ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چھ ہزار دراہم ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ اور مسلمان کی پوری دیت ان کے نزدیک بارہ ہزار دراہم ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل وہ حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کی دیت چار ہزار دراہم ٹھہرائی ہے۔ اور مجوسی کی دیت آٹھ ہزار دراہم مقرر کی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر ذمی کی دیت اس کے عہد ذمہ میں رہتے ہوئے ایک ہزار دینار ہے اور شیخین نے بھی اسی طرح فیصلہ کیا ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کا روای بھی معلوم نہیں ہے۔ اور یہ حدیث کتب احادیث میں بھی نہیں پائی جاتی۔ جبکہ ہماری روایت کردہ حدیث یہ امام مالک علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث سے مشہور ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اسی حدیث کے مطابق ظاہر ہے۔ (ہدایہ)

قرآن مجید کے نصوص سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی جان کی دنیوی حرمت کے دائرے میں اصولی طور پر مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ چنانچہ 'مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ' اور 'لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَق' اور ان کے ہم معنی نصوص میں قتل ناحق کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہ نکتہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کسی بھی شخص کے قتل کیے جانے پر، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، قاتل کو سزا بھی ایک جیسی دی جائے اور سزا میں، چاہے وہ قصاص کی صورت میں ہو یا دیت کی شکل میں، مذہب کی بنیاد پر کوئی فرق نہ کیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول متعدد روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر بنوکعب کے ایک فرد نے بنوبکر کے ایک مشرک کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے قبیلے کے لوگوں سے کہا کہ وہ چاہیں تو قاتل سے قصاص لے لیں اور چاہیں تو دیت۔ آپ نے بنوخزاعہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ

انکم معشر خزاعة قتلتم هذا الرجل من هذيل القتيل وانى عاقله فمن قتل له قتيل بعد اليوم

فاهله بين خيرتين اما ان يقتلوا او ياخذوا العقل. (ترمذی، رقم ۱۳۲۶)

"اے گروہ خزاعہ، تم نے ہذیل کے اس شخص کو قتل کیا ہے اور میں اس کی دیت ادا کر رہا ہوں، لیکن آج کے بعد اگر کسی شخص کو قتل کیا جائے گا تو اس کے اہل خانہ کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہیں تو قاتل سے قصاص لے لیں اور چاہیں تو دیت قبول کر لیں۔

ایک ضعیف روایت میں بیان ہوا ہے کہ جب ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر اس کے مسلمان قاتل کو قتل کرنے کا حکم دے دیا کہ 'انا احق من اوفى بذمته ' یعنی جس نے اپنا عہد پورا کیا ہو، اس کا بدلہ لینے کا سب سے زیادہ حق میں رکھتا ہوں۔

اسی طرح متعدد واقعات میں یہ نقل ہوا ہے کہ آپ نے غیر مسلم مقتولین کے لیے مسلمانوں کے برابر دیت ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ واقعات حسب ذیل ہیں: عمرو بن امیہ الضمری نے واقعہ بئر معونہ کے شہدا کا بدلہ لینے کے لیے بنو عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دیت ادا کی جو دو آزاد مسلمانوں کی دیت کے مساوی تھی۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اپنے خطبے میں جاہلیت کے دور سے چلے آنے والے انتقامی سلسلوں کو ختم کرنے کا اعلان کیا اور دیت کے حوالے سے یہ عمومی قانون بیان فرمایا کہ

الا ان دية الخطا شبه العمد ما كان بالسوط والعصا مائة من الابل منها اربعون فى بطون اولادها. (ابوداؤد، رقم ۳۹۴۱)

سنو، ایسے قتل خطا کی دیت جو عمد کے مشابہ ہو، یعنی جس میں چھڑی اور لاٹھی کے ذریعے سے کسی کو قتل کیا گیا ہو، سو اونٹ ہوگی اور ان میں چالیس ایسی اونٹنیاں ہونی چاہییں جن کے پیٹ میں بچہ ہو۔

اس خطبے کے مخاطب قریش کے مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی دیت میں فرق کا کوئی ذکر نہیں فرمایا جو موقع کلام کے تناظر میں اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت ایسا کوئی فرق قائم کرنا نہیں چاہتی۔ چنانچہ فتح مکہ ہی کے موقع پر خراش بن امیہ خزاعی نے، جو مسلمان تھے، ایک مشرک کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر بنو خزاعہ نے اس کی دیت کے طور پر سو اونٹ ادا کیے۔

فتح مکہ ہی کے موقع پر خالد بن الولید نے بنو جذیمہ کے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو بھیج کر ان سب کی دیت ادا کی۔ اس واقعے میں آپ نے سیدنا علی کو وافر مال دے کر بھیجا جس سے بنو جذیمہ کے جانی اور مالی ہر طرح کے نقصان کی کھلے دل سے تلافی کی گئی، یہاں تک کہ جب تمام معاوضے ادا کرنے کے بعد بھی کچھ رقم بچ گئی تو سیدنا علی نے وہ بھی انھیں دے دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کی تحسین کی۔ یہاں قرائن یہی بتاتے ہیں کہ مسلم اور غیر مسلم کی دیت کے فرق کا سوال اٹھائے بغیر اہل عرب کے عرف میں دیت کی جو مقدار رائج تھی، وہی ادا کی گئی تھی۔

ایک مقدمے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت میں قتل ہونے والے ایک شخص کے قاتل کو، جو مسلمان تھا، حکم دیا کہ وہ مقتول کے بیٹے کو سو اونٹ ادا کرے۔

ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذمی کے قتل پر مسلمان کی دیت کے برابر دیت ادا کی۔ روایت کے ایک طریق میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ 'دیة الذمی دیة المسلم' یعنی ذمی کی دیت مسلمان کے مساوی ہے۔ اسامہ بن زید کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہد کی دیت مسلمان کے برابر، یعنی ایک ہزار دینار مقرر کی۔ مذکورہ روایات میں سے بعض اگرچہ محدثین کے کڑے فنی معیار پر پورا نہیں اترتیں، تاہم ان کو بالکلیہ بے اصل بھی قرار نہیں دیا جا سکتا اور ان میں تاریخی یا فقہی استدلال کا ماخذ بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

ذمی کی دیت میں فقہاء شوافع کی مستدل احادیث کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کافر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: رقم الحدیث، 1110)

حضرت عمرو بن شعیب، وہ اپنے والد سے، عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کافر کی دیت مسلمان کے نصف ہے یعنی مسلمان سے آدھی ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: رقم الحدیث، 1111)

عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ یہودی یا نصرانی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ حکم ہے کہ کوئی مسلمان کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے گا مگر جب مسلمان فریب سے اس کو دھوکہ دے کر مار ڈالے تو قتل کیا جائے گا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1440)

یہودی و نصرانی کی دیت کے نصف ہونے کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی منقول کہ کافر کی دیت مومن کی دیت کا نصف ہے حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس باب میں منقول حدیث حسن ہے حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس باب میں منقول حدیث بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے حضرت عمر بن خطاب سے منقول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ امام مالک، شافعی، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہودی اور عیسائی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 1448)

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور مسلم، ذمی، مستامن سب کی دیت ایک برابر ہے اور عورت کی دیت نفس، مادون النفس میں مرد کی دیت کی نصف دی جائے گی۔ اور وہ جنایات جن میں کوئی دیت معین نہیں ہے بلکہ انصاف کے ساتھ تاوان دلایا جاتا ہے ان میں مرد و عورت کا تاوان برابر ہوگا۔ (شامی ص 505 جلد 5، عالمگیری ص 24 جلد 6)

بَاب الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ

یہ باب ہے کہ قاتل وارث نہیں بنے گا

2645 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ الْمِصْرِيُّ أَنْبَأَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ إِسْحَقَ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''قاتل وارث نہیں بنتا''۔

2646 - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي مُدْلِجٍ قَتَلَ ابْنَهُ فَأَخَذَ مِنْهُ عُمَرُ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ ثَلَاثِينَ حِقَّةً وَثَلَاثِينَ جَذَعَةً وَأَرْبَعِينَ خَلِفَةً فَقَالَ ابْنُ أَخُو الْمَقْتُولِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيْسَ لِقَاتِلٍ مِيرَاثٌ

◄► عمرو بن شعیب بیان کرتے ہیں: بنو مدلج سے تعلق رکھنے والے ایک شخص ابوقتادہ نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے ایک سو اونٹ وصول کیے، جس میں تین حقہ، تیس جزعہ اور تیس خلفہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: مقتول کا بھائی کہاں ہے؟ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

''قاتل کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا''۔

قتل بہ سبب میں کفارہ اور محرومیت وراثت نہ ہونے میں فقہی اختلاف

اور جو قتل بہ سبب ہے اس میں کفارہ نہیں ہے اور نہ اس میں وراثت سے محروم ہوتا ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قتل بہ سبب کو سارے احکام میں قتل خطاء کے مطابق کر دیا جائے گا۔ کیونکہ شریعت نے اس کو قاتل کے حکم میں شمار کیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کی جانب قتل کی اضافت حقیقت میں نہیں کی گئی ہے پس صرف ضمان کے حق میں قتل بہ سبب کو قتل خطاء کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ ضمان کے سوا میں اپنی اصل پر باقی رہ جائے گا۔

اور کنواں کھودنے والا شخص اگر چہ کسی دوسرے کی ملکیت میں کھودنے کے سبب گناہگار ہے مگر وہ موت کے سبب گناہگار نہ ہوگا جس طرح مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ ایسے قتل کے گناہ پر کفارہ ہے اور میراث سے محروم ہونا بھی اسی دلیل کے مطابق ہے۔

اور وہ قتل جو نفس کے اعتبار سے شبہ عمد میں ہے وہ نفس کے سوا عمد ہوگا۔ کیونکہ آلہ قتل کو تبدیل کرنے کے سبب تلف کرنے کا حکم بدل چکا ہے۔ اور جان سے کم کو تلف کرنا یا ایک آلہ کے سوا دوسرے آلہ کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔ (ہدایہ)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور پانچویں قسم قتل بہ سبب، جیسے کسی شخص نے دوسری کی ملک میں کوآں کھودا یا پتھر رکھ

2645: اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 2109 اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2735

2646 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

دیا یا راستہ میں لکڑی رکھ دی اور کوئی شخص کوئیں میں گر کر یا پتھر اور لکڑی سے ٹھوکر کھا کر مر گیا۔ اس قتل کا سبب وہ شخص ہے جس نے کوآں کھودا تھا اور پتھر وغیرہ رکھ دیا تھا۔ اس صورت میں اس کے عصبہ کے ذمے دیت ہے۔ قاتل پر نہ کفارہ ہے نہ قتل کا گناہ، اس کا گناہ ضرور ہے کہ پرائی ملک میں کوآں کھودا، یا وہاں پتھر رکھ دیا۔ (درمختار، کتاب جنایات، بیروت)

اباحت سے حرمت اور حرمت سے اباحت کی طرف منتقل کرنے والے مختلف ذرائع واسباب

۱-طلاق:

جب کوئی شخص نکاح کر لیتا ہے تو وہ عورت اس کے لئے مباح ہو جاتی ہے لیکن جیسے ہی معمولی سے ذریعہ یعنی طلاق بائنہ یا طلاق مغلظہ دی تو عورت اس پر حرام ہوگئی کہ حکم اباحت حرمت کی طرف منتقل ہو گیا۔

۲-ظہار:

اپنی منکوحہ کو محرمات کے ساتھ ایسی تشبیہ دینا جو شرعی طور پر ظہار کہلائے۔ تو ایسی صورت میں بھی اپنی منکوحہ جو مباح تھی وہ ادائے کفارہ تک حرمت کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

۳-روزہ:

کھانا، پینا اور اپنی بیوی سے جماع کرنا حلال ہے لیکن جب کوئی شخص روزہ دار ہو تو اس قوی سبب کی وجہ سے اکل طعام، پینا اور اپنی منکوحہ سے جماع کی حِلت حرمت کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

۴-وضو:

عام حالات میں اگرچہ بے وضو رہنا مباح ہے لیکن قرآن کریم چھونے کے لئے اور حالت نماز میں بے وضو رہنے کی اباحت حرمت کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

۵-تیمم:

پانی کے نہ ہونے پر تیمم مباح ہوا ہے لیکن اگر حالت نماز میں نمازی کے لئے پانی میسر ہو جائے اور وہ کافی پانی پر استعمال کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو ایسی صورت میں اباحت تیمم اس سبب کی وجہ سے حرمت کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اس شخص کا تیمم ٹوٹ جائے گا اور اس پر وضو کرنا ضروری ہوگا۔

۶-نماز قصر:

حالت سفر شرعی کی وجہ سے چار رکعت والی فرض نماز میں قصر مباح ہوئی۔ لیکن جیسے ہی سفر ختم ہوا تو اس سبب کی وجہ سے نماز قصر کا حکم بھی ختم ہو جائے گا۔ ور اسی طرح چار رکعت والی نماز میں فرضیت چار رکعتوں کی تھی مگر جیسے ہی سفر جیسا قوی سبب پایا گیا تو یہ

نماز قصر کی منتقل ہو کر دو رکعت کی طرف لے گئی۔

۷۔ مریض کے لئے نماز کا حکم:

شریعت اسلامیہ نے مرض کو اعذار شرعیہ میں سے عذر تسلیم کیا ہے اور مریض کو نماز بیٹھ کر یا لیٹ کر ادا کرنے کی اجازت واباحت دی ہے لیکن اگر وہ حالت نماز میں قیام و رکوع و سجود پر قدرت حاصل کر لیتا ہے تو لیٹ کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے والی اباحت اسبابِ قدرت کی وجہ سے ممانعت کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اسے قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ نماز کو ادا کرنا ضروری ہوگا۔

۸۔ موزے پر مسح:

موزوں پر مسح جائز بالسنہ ہے لیکن انقطاع مدت کے ساتھ ہی اسکی اباحت ممانعت کی طرف منتقل ہو جائے گی اگرچہ وضو نہ ہی ٹوٹا ہو۔

۹۔ شرابی پر حد:

اگر کوئی شخص شراب پیتے ہوئے پکڑا گیا اور شراب کی بو موجود تھی اور اس پر گواہی بھی قائم ہوئی اور بو کی موجودگی میں شرابی نے اقرار شراب کر لیا تو اس پر حد جاری کی جائے گی اور اگر اس نے شراب کی بو ختم ہو جانے کے بعد اقرار کیا تو حد نہیں لگائی جائے گی۔ (المختصر القدوری ص ۱۸۹ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ ملتان)

کسی شخص پر حد جاری کرنے میں اصل حرمت ہے مگر جبکہ کوئی قابل حد جرم کا ارتکاب کر بیٹھے اور گواہی سے جرم ثابت ہو جائے۔ تو اس قوی سبب کی وجہ سے حرمت حد اباحت حد کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اسی طرح اگر وہ جرم قابل حد ثابت نہ ہو تو حرمت اپنے مقام پر برقرار رہتی ہے۔

۱۰۔ کلب معلم کا شکار:

عام کتوں کا مرا ہوا شکار حرام ہے جبکہ کلب معلم کا شکار جائز ہے۔ (القدوری ص ۱۹۵)

عام کتوں کے شکار میں حرمت ہی اصل ہے لیکن جب بھی شکار اس کتے سے مرا جس کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا اور وہ شرعی طور پر کلب معلم بھی ہے یعنی تین مرتبہ یا اس سے زائد مرتبہ اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ وہ شکار کرنے والے جانور کو نہیں کھاتا۔ تو ایسے کتے سے مرے ہوئے جانور کی حرمت اس قوی سبب کی بناء پر حلت کی طرف منتقل ہو جائے گی اور وہ شکار حلال ہو جائے گا۔

۱۱۔ حیوانات کی طرف احکام حلت:

حیوانات میں اصل حرمت ہے۔ لیکن وہ تمام حیوانات جو طیب اور حلال ہیں۔ جب شریعت اسلامیہ کے طریقہ کار کے مطابق ان کا شکار کیا جائے یا انہیں ذبح کیا جائے تو ان کی حرمت حلت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

۱۲-مشرک ومجوسی کا ذبیحہ:

ذبح کر لینے سے حلال جانوروں کو گوشت کھانا حلال ہو جاتا ہے لیکن جب ذبح کرنیوالا مشرک ہو یا مجوسی تو اسکا ذبیحہ حرام ہے کیونکہ مشرک ومجوسی میں وہ سبب جو حرمت کو حلت کی طرف منتقل کرنے والا تھا وہ مفقود ہے اور وہ یہ تھا کہ کوئی اہل ایمان شریعت اسلامیہ کے طریقے کے مطابق ذبح کرتا۔

۱۳-مردوں کے لئے ریشم کا لباس پہننا حلال نہیں:

مردوں کے لئے ریشم کا لباس پہننا حلال نہیں جبکہ عورتوں کے لئے حلال ہے۔(المختصر القدوری)

لباس میں اصل اباحت ہے لیکن ممانعت شرعی کی وجہ سے ریشم کا لباس ایک ایسا سبب ہے جو لباس کی اباحت کو حرمت کی طرف منتقل کر دیتا ہے جبکہ عورتوں کے لئے اباحت ہی باقی رہی کیونکہ وہاں سبب ناقل مفقود ہے۔

۱۴-وارثین کے لئے وصیت نہیں:

وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور وارثین کے لئے وصیت جائز نہیں۔(المختصر القدوری ۲۳۶)

وصیت کی اصل بھی مباح ہے۔لیکن شریعت اسلامیہ نے وارثین کے لئے حصے مقرر کیے ہیں کیونکہ اگر وارثین کے لئے وصیت جائز ہوتی تو کئی ورثاء دوسرے ورثاء سے زیادہ حصہ لے جائیں گے۔اس لئے وارثوں کے لئے اپنے ترکے سے وصیت کرنا جائز نہیں۔اب یہ ایسا سبب ہے جس نے ورثاء کے لئے وصیت کی اباحت کو ممانعت کی طرف منتقل کر دیا۔تاکہ حقوق میں مساوات قائم رہیں۔

۱۵-قاتل کو وراثت نہ ملے گی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قاتل کے لئے کچھ بھی وراثت نہیں۔(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۲۸ مطبوعہ دارالحدیث ملتان)

اسلام نے نسبی حقوق کا تحفظ کیا ہے کہ والدین کے وصال کے بعد انکی جائیداد و مال جو کہ ترکہ کہلاتا ہے وہ ان کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہی اس کے حق دار ہوتے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ کسی شخص نے بدبختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے باپ کو قتل کر دیا تو وہ بیٹا اپنے باپ کے ترکے سے وراثت نہ پائے گا۔کیونکہ قتل ایسا سبب ہے جس نے اس وراثت کی اباحت کو جو وارث ہونے کی وجہ سے اس کے حصہ میں آئی تھی اس اباحت کو حرمت یا ممانعت کی طرف منتقل کر دیا۔

۱۶-قاتل ومقتول دونوں جنتی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتا ہے کیونکہ ایک آدمی دوسرے کو قتل کرے گا اور یہ دونوں جنت میں داخل ہو جائیں گے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ایک شخص راہ خدا میں شہید کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ اس کے قاتل کو توبہ کی

توفیق دے گا وہ اسلام قبول کر کے اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرے گا اور شہید ہو جائے گا۔ (مسلم ج ص ۱۳۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

بَاب عَقْلِ الْمَرْاَةِ عَلٰى عَصَبَتِهَا وَمِيْرَاثُهَا لِوَلَدِهَا

یہ باب ہے کہ عورت پر لازم ہونے والی دیت کی ادائیگی اس کے عصبہ رشتے داروں پر لازم ہوگی' جبکہ اس عورت کی وراثت اس کی اولاد کو ملے گی

2647- حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَنْبَاَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوْسٰى عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّعْقِلَ الْمَرْاَةَ عَصَبَتُهَا مَنْ كَانُوْا وَلَا يَرِثُوا مِنْهَا شَيْئًا اِلَّا مَا فَضَلَ عَنْ وَرَثَتِهَا وَاِنْ قُتِلَتْ فَعَقْلُهَا بَيْنَ وَرَثَتِهَا فَهُمْ يَقْتُلُوْنَ قَاتِلَهَا

◄► عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: ''عورت کے عصبہ رشتے دار اس کی طرف سے دیت ادا کریں گے خواہ وہ جو بھی ہوں تاہم وہ اس عورت کے وارث نہیں بنیں گے ماسوائے اس چیز کے جو اس کے ورثاء میں سے بچ جاتی ہے، اگر عورت قتل ہو جاتی ہے تو اس کی دیت اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگی یا وہ ورثاء اس عورت کے قاتل کو قتل کر دیں گے''۔

2648- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا الْمُعَلّٰى بْنُ اَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا مُجَالِدٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدِّيَةَ عَلٰى عَاقِلَةِ الْقَاتِلَةِ فَقَالَتْ عَاقِلَةُ الْمَقْتُوْلَةِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِيْرَاثُهَا لَنَا قَالَ لَا مِيْرَاثُهَا لِزَوْجِهَا وَوَلَدِهَا

◄► حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے قتل کرنے والی عورت کے خاندان پر دیت کی ادائیگی لازم قرار دی ہے، مقتول عورت کے خاندان والوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا اس کی وراثت ہمیں ملے گی؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اس کی وراثت اس کے شوہر اور اس کے بچوں کو ملے گی''۔

وراثتی عصبات کی تعریف کا بیان

میت کے ترکہ میں سے ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ عصبات میں تقسیم ہوگا گویا ذوی الفروض پہلے درجہ کے وارث ہیں اور عصبات دوسرے درجہ کے وارث ہیں چنانچہ عصبات کے بھی درجے ہیں اول بیٹا پوتا پڑپوتا سکڑ پوتا یا اس کے نیچے کے درجہ ہے۔

دوم باپ دادا پڑدادا یا اس کے اوپر کے درجہ کے) سوم حقیقی اور سوتیلے بھائی اور ان کے لڑکے اگرچہ نیچے کے درجے کے ہوں چہارم میت کے چچا میت کے باپ کے چچا میت کے دادا کے چچا اور ان چچاؤں کے بیٹے پوتے پڑپوتے اور سکڑوتے۔ اب ان

2647 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2648 ،اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:4572

چاروں درجوں کی ترتیب یہ ہوگی ان چاروں درجوں میں مقدم بیٹے ہیں پھر پوتے پھر پڑپوتے پھر سکڑ دوتے پھر باپ پھر دادا پھر پڑ دادا پھر سکڑ دادا پھر بھائی پھر بہن پھر بھتیجے (اگر چہ نیچے تک) پھر چچا پھر چچا کی اولاد لہٰذا جب ان چاروں درجوں میں سے پہلے درجہ کا کوئی عصبہ موجود ہوگا تو باقی تینوں درجوں کے عصبات بالکل محروم قرار پائیں گے۔

اسی طرح اگر پہلے درجہ کا کوئی عصبہ یعنی بیٹا یا پوتا یا پڑوتا اور یا سکڑ وتا موجود نہ ہوگا اور دوسرے درجہ کا کوئی عصبہ موجود ہوگا تو باقی دو درجوں کے عصبات بالکل محروم ہو جائیں گے اور اگر نہ تو پہلے درجہ کے عصبات میں سے کوئی موجود اور نہ دوسرے درجہ کے عصبات میں سے بلکہ تیسرے درجہ کے عصبات میں سے کوئی موجود ہو تو پھر چوتھے درجہ کے عصبات بالکل محروم رہیں گے۔ ایسے ہی ان چاروں درجوں میں سے ہر درجہ میں قریب کا عصبہ بعید کے عصبہ پر مقدم ہوگا یعنی قریب کے عصبہ کی موجودگی میں بعید کے عصبہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ مثلاً میت کے بیٹا بھی موجود ہو اور پوتا بھی موجود ہو اور یہ دونوں ہی درجہ اول کے عصبہ ہیں مگر اس صورت میں قریب کا عصبہ یعنی بیٹا مقدم ہوگا کہ اسے میت کا ترکہ ملے گا اور بعید کا عصبہ یعنی پوتا محروم ہو جائے گا اسی طرح حقیقی عصبہ سوتیلے عصبہ پر مقدم ہوگا اور میت کے چچاؤں کے پوتے میت کے باپ کے چچاؤں پر مقدم ہوں گے۔ اور میت کے باپ کے چچاؤں کے پوتے میت کے دادا کے چچاؤں پر مقدم ہوں گے۔

بَاب الْقِصَاصِ فِي السِّنِّ

یہ باب دانت توڑنے کے قصاص کے بیان میں ہے

2649 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى أَبُو مُوسَى حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ وَابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ عَمَّةُ أَنَسٍ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ فَطَلَبُوا الْعَفْوَ فَأَبَوْا فَعَرَضُوا عَلَيْهِمُ الْأَرْشَ فَأَبَوْا فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ أَنَسُ ابْنُ النَّضْرِ يَا رَسُولَ اللَّهِ تُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا تُكْسَرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَنَسُ كِتَابُ اللَّهِ الْقِصَاصُ قَالَ فَرَضِيَ الْقَوْمُ فَعَفَوْا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی سیدہ ربیع رضی اللہ عنہا نے ایک کنیز کے دانت توڑ دیے، ان کے خاندان والوں نے معافی کی درخواست کی تو ان لوگوں نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا، ان کے خاندان والوں نے دیت دینے کی پیشکش کی تو انہوں نے اس بات کو بھی تسلیم نہیں کیا، وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص لینے کا حکم دیا، اس پر حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ربیع رضی اللہ عنہا کے دانت توڑ دیے جائیں گے؟ اس ذات کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے وہ نہیں توڑے جائیں گے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے انس! اللہ تعالیٰ کی کتاب میں قصاص کا حکم ہے''۔

2649 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

راوی کہتے ہیں: پھر دوسرے فریق کے لوگ راضی ہو گئے اور انہوں نے معاف کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے نام کی قسم اٹھا لیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری کر دیتا ہے''۔

دانت میں قصاص ہونے کا بیان

دانت میں قصاص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ دانت دانت کے بدلے میں، خواہ جس سے قصاص لیا جارہا ہے اس کا دانت دوسرے کے دانت سے بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ دانت کے نفع میں چھوٹے بڑے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

حضرت امام قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہر وہ زخم جس میں مماثلت ثابت ہو جائے اس میں قصاص واجب ہو جائے گا اسی آیت کریمہ کے سبب جس کو ہم تلاوت کر آئے ہیں۔ (ہدایہ)

حضرت محمد بن عبداللہ انصاری حمید انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ربیع بنت نضر نے ایک بچی کے دانت توڑ ڈالے تو اس کے آدمیوں نے اس سے دیت مانگی اور ربیع کے لوگوں نے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قصاص کا حکم دیا انس بن نضر نے کہا کیا ثنیہ کے دانت توڑے جائیں گے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس! کتاب اللہ تو قصاص کا حکم دیتی ہے پھر وہ لوگ راضی ہو گئے اور معاف کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ اس کو پورا کر دیتا ہے فزاری نے بواسطہ حمید انس نقل کیا کہ وہ لوگ راضی ہو گئے اور دیت منظور کر لی۔ (صحیح بخاری، جلد اول، رقم الحدیث، 2542)

دانت کے سوا کسی ہڈی میں قصاص نہ ہونے کا بیان

دانت کے سوا کسی ہڈی میں قصاص نہیں ہے اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہی جملہ ذکر کیا گیا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہڈی میں قصاص نہیں ہے۔ اور اس سے دانت کے سوا کی ہڈی مراد ہے۔ کیونکہ دانت کے علاوہ میں مماثلت کا اعتبار کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں کمی یا زیادتی کا احتمال بھی پایا جاتا ہے۔ جبکہ دانت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو رگڑ دیا جاتا ہے۔ اور جب کسی شخص نے جڑ سے کسی بندے کا دانت اکھاٹ پھینکا ہے۔ تو دوسرے کا دانت بھی جڑ سے اکھاڑ دیا جائے گا۔ اور یہ دونوں برابر ہو جائیں گے۔ (ہدایہ)

ہڈی توڑنے پر قصاص ہونے میں فقہی مذاہب کا بیان

اور سنن نسائی وغیرہ میں ہے، ایک غریب جماعت کے غلام نے کسی مالدار جماعت کے غلام کے کان کاٹ دیئے، ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ ہم لوگ فقیر مسکین ہیں، مال ہمارے پاس نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی جرمانہ نہ رکھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ غلام بالغ نہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ آپ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان سے سفارش کر کے معاف کرا لیا ہو۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی، آنکھ پھوڑ دینے والے کی آنکھ

پھوڑ دی جائے گی، ناک کاٹنے والے کا ناک کاٹ دیا جائے گا، دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے گا اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔ اس میں آزاد مسلمان سب کے سب برابر ہیں۔ مرد عورت ایک ہی حکم میں۔ جبکہ یہ کام قصداً کئے گئے ہوں۔ اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں، ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی۔ قاعدہ اعضا کا کٹنا تو جوڑ سے ہوتا ہے اس میں تو قصاص واجب ہے۔ جیسے ہاتھ، پیر، قدم، ہتھیلی وغیرہ۔ لیکن جو زخم جوڑ پر نہ ہوں بلکہ ہڈی پر آئے ہوں،

ان کی بابت حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ "ان میں بھی قصاص ہے مگر ران میں اور اس جیسے اعضاء میں اس لئے کہ وہ خوف وخطر کی جگہ ہے"۔ ان کے برخلاف ابوحنیفہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں، بجز دانت کے اور امام شافعی کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں۔

یہی مروی ہے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابن عباس سے بھی اور یہی کہتے ہیں عطاء، شعبی، حسن بصری، زہری، ابراہیم، نخعی اور عمر بن عبدالعزیز بھی اور اسی کی طرف گئے ہیں سفیان ثوری اور لیث بن سعد بھی۔ امام احمد سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل وہی حضرت انس والی روایت ہے، جس میں ربیع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ ہے۔ لیکن دراصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہوسکتا ہے کہ بغیر ٹوٹنے کے جھڑ گئے ہوں۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے۔ ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ابن ماجہ میں ہے کہ "ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو کہنی سے نیچے نیچے ایک تلوار ماردی، جس سے اس کی کلائی کٹ گئی، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ آیا، آپ نے حکم دیا کہ دیت ادا کرو اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اسی کو لے لے اللہ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپ نے قصاص کو نہیں فرمایا"۔ لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف اور گری ہوئی ہے، اس کے ایک راوی ہشم بن عشکی اعرابی ضعیف ہیں، ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی، دوسرے راوی غران بن جاریہ اعرابی بھی ضعیف ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ زخموں کا قصاص ان کے درست ہو جانے اور بھر جانے سے پہلے لینا جائز نہیں اور اگر پہلے لے لیا گیا پھر زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ دلوایا نہ جائے گا۔ اس کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ مار دی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوایئے، آپ نے دلوا دیا، اس کے بعد وہ پھر آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو لنگڑا ہو گیا، آپ نے فرمایا میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا، اب تیرے اس لنگڑے پن کا بدلہ کچھ نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے کو منع فرما دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، مائدہ، ۴۵)

بَاب دِيَةِ الْاَسْنَانِ

یہ باب دانتوں کی دیت کے بیان میں ہے

2650 - حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنِي شُعْبَةُ عَنْ

2650 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4559

قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَسْنَانُ سَوَاءٌ الثَّنِيَّةُ وَالضِّرْسُ سَوَاءٌ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''تمام دانت برابر کی حیثیت رکھتے ہیں سامنے کے دانت اور داڑھیں برابر ہیں''۔

2651 - حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْبَالِسِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ شَقِيْقٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَمْزَةَ الْمَرْوَزِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ النَّحْوِيُّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَضٰى فِي السِّنِّ خَمْسًا مِّنَ الْاِبِلِ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: آپ ﷺ نے دانت (کی دیت) میں پانچ اونٹوں کی ادائیگی کا فیصلہ دیا ہے۔

ہر دانت پر دیت کے پانچ اونٹوں کے وجوب کا بیان

ہر دانت میں پانچ اونٹ واجب ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ اور دانت اور داڑھ برابر ہیں۔ کیونکہ ہماری روایت کردہ حدیث مطلق ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ سارے دانت برابر ہیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اصل فائدے میں سب دانت برابر ہیں پس کسی قسم کی کمی یا زیادتی کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔ جس طرح ہاتھ اور انگلیوں میں فائدے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور یہ حکم اس وقت ہے۔ جب قطع خطاء ہو۔ مگر جب عمد کے طور پر ہو تو اس میں قصاص واجب ہوگا۔ (ہدایہ)

بَاب دِيَةِ الْاَصَابِعِ

یہ باب انگلیوں کی دیت کے بیان میں ہے

2652 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَّابْنُ اَبِيْ عَدِيٍّ قَالُوْا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ سَوَاءٌ يَّعْنِي الْخِنْصَرَ وَالْاِبْهَامَ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''یہ اور یہ برابر ہیں (راوی کہتے ہیں:) یعنی سب سے چھوٹی انگلی اور انگوٹھا''۔

2651 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2652 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 6895' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4558' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1392' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4862' ورقم الحدیث: 4863

شرح

اگر کوئی شخص کسی کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کاٹ دے تو چونکہ اس نے ایک انسان کو اس کی منفعت ایک بہت بڑے ذریعہ سے محروم کردیا اس لئے اس پر (بطور سزا) پوری دیت واجب ہوگی اس اعتبار سے ہر انگلی کاٹنے پر پوری دیت (یعنی سو اونٹ) کا دسواں حصہ دینا واجب ہوگا، اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ انگوٹھے اور چھنگلیا کی دیت برابر ہے اگرچہ انگوٹھے میں دو گانٹھ اور چھنگلیا میں تین گانٹھ ہوتی ہیں لیکن اصل میں منفعت میں دونوں انگلیوں کے مساوی ہونے کے اعتبار سے گانٹھ کی کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا جس طرح کہ دائیں اور بائیں میں فرق نہیں ہوتا اور جب ہر انگلی میں پوری دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا تو انگلی کی ہر گانٹھ کی دیت میں اسی حساب کا اعتبار ہوگا کہ انگلی کی دیت میں دسویں حصہ کا تہائی دینا ہوگا اور انگوٹھے کی ہر ایک گانٹھ کی دیت میں دسویں حصہ کا آدھا دینا ہوگا کیونکہ انگوٹھے میں دو گانٹھ ہوتی ہیں اور انگلیوں میں تین تین گانٹھیں ہوتی ہیں۔

2653- حَدَّثَنَا جَمِيلُ بْنُ الْحَسَنِ الْعَتَكِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ مَطَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَصَابِعُ سَوَاءٌ كُلُّهُنَّ فِيهِنَّ عَشْرٌ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ

◄► عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:
''تمام انگلیاں برابر کی حیثیت رکھتی ہیں، اور ان میں (سے ہر ایک کی) دس، دس اونٹوں (کی دیت ہوگی)''۔

2654- حَدَّثَنَا رَجَاءُ بْنُ الْمُرَجَّى السَّمَرْقَنْدِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ غَالِبٍ التَّمَّارِ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ مَسْرُوقِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَصَابِعُ سَوَاءٌ

◄► حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''تمام انگلیاں برابر ہیں''۔

ایک ہاتھ کی پانچ انگلیوں میں نصف دیت کا بیان

اور ایک ہاتھ کی پانچ انگلیوں میں نصف دیت ہے کیونکہ ہر انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے۔ جس طرح ہم روایت کر آئے ہیں۔ پس پانچ انگلیوں میں نصف دیت واجب ہو جائے گی۔ کیونکہ پانچ انگلیوں کو کاٹ دینے کے سبب پکڑنے والا فائدہ ختم ہو جائے گا۔ اور یہی چیز دیت کو واجب کرنے والی ہے۔ جس طرح اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اور جب اس نے ہتھیلی کے ساتھ انگلیوں کو کاٹ دیا ہے تو اس میں بھی نصف دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دونوں ہاتھوں میں پوری دیت ہے۔ اور ان میں سے ایک میں نصف دیت ہے۔ کیونکہ ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے۔ اس لئے کہ انگلیوں سے پکڑا جاتا ہے۔

2653 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2654 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4556' ورقم الحدیث: 4557' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4858' ورقم الحدیث 4859' ورقم الحدیث 4860

اور جب نصف کلائی کے ساتھ سے انگلیوں کو کاٹا ہے تو انگلیوں میں اور ہتھیلی میں نصف دیت واجب ہے۔ کیونکہ اس سے زائد تو حکومت عدل ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ اور ان سے دوسری روایت یہ بھی کی گئی ہے کہ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کی مقدار سے زیادہ ہو جائے تو وہ کندھے اور ران کے تابع ہے۔ کیونکہ شریعت نے ایک ہاتھ میں نصف دیت واجب کی ہے۔ جبکہ کندھے تک ہاتھ اس آلہ کا نام ہے پس شرعی مقدار پر کوئی اضافہ نہ کیا جائے گا۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ پکڑنے کا آلہ ہے اور پکڑنا یہ ہتھیلی اور انگلیوں کے درمیان ایک آلہ ہے یہ ذراع نہیں ہے۔ پس ضمنی طور ذراع کو اس کے تابع نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ذراع کا انگلیوں کے تابع ہونے میں کوئی سبب نہیں ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان ہتھیلی جو ایک کامل عضو ہے وہ موجود ہے۔ اور ذراع کا ہتھیلی کے تابع ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہتھیلی تابع ہے۔ اور کسی تابع کا تابع نہیں ہوا کرتا۔ (ہدایہ)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور اگر کسی کا ایسا زخمی ہاتھ کاٹا گیا جس کا زخم گرفت میں حارج نہ تھا تو قصاص لیا جائے گا اور اگر زخم گرفت میں حارج تھا تو انصاف کے ساتھ تاوان لیا جائے گا۔ اگر کالے ناخن والا ہاتھ کاٹا تو اس کا قصاص لیا جائے گا۔

اگر کسی کا صحیح ہاتھ کاٹ دیا اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل یا ناقص ہے تو مقطوع الید کو اختیار ہے، چاہے تو ناقص ہاتھ کاٹ دے یا چاہے تو پوری دیت لے لے یہ اختیار اس صورت میں ہے کہ ناقص ہاتھ کارآمد ہو ورنہ دیت پر اکتفا کیا جائے گا۔

(عالمگیری ص 12 جلد 6، درمختار و شامی ص 489 جلد 5، تبیین الحقائق ص 112 جلد 6)

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب زید نے بکر کا ہاتھ کاٹا اور زید کا ہاتھ شل یا ناقص تھا اور بکر نے ابھی اختیار سے کام نہیں لیا تھا کہ کسی شخص نے زید کا ناقص ہاتھ ظلماً کاٹ دیا یا کسی آفت سے ضائع ہو گیا تو بکر کا حق باطل ہو جائے گا۔ اور اگر زید کا ناقص ہاتھ قصاص یا چوری کے جرم میں کاٹ دیا گیا تو بکر دیت کا حق دار ہے۔

اگر کسی نے کسی کی انگلی یا ہاتھ کا کچھ حصہ کاٹ دیا پھر دوسرے شخص نے باقی ہاتھ کاٹ دیا اور زخمی مر گیا تو جان کا قصاص دوسرے شخص پر ہے، پہلے پر نہیں، پہلے کی انگلی یا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اور جب کسی کا ہاتھ قصداً کاٹا پھر کاٹنے والے کا ہاتھ آکلہ کی وجہ سے یا ظلماً کاٹ دیا گیا تو قصاص اور دیت دونوں باطل ہو جائیں گے اور اگر کاٹنے والے کا ہاتھ کسی دوسرے قصاص یا چوری کی سزا میں کاٹا گیا تو پہلے مقطوع الید کو دیت دے گا۔

اور جب کسی شخص کی دو انگلیاں کاٹ دیں اور کاٹنے والے کی صرف ایک انگلی ہے تو یہ ایک انگلی کاٹ دی جائے گی اور دوسری انگلی کی دیت واجب ہوگی۔

اور اگر کسی کا پہنچا کاٹ دیا پھر اسی قاطع نے دوسرے شخص کا وہی ہاتھ کہنی سے کاٹ دیا پھر دونوں مقطوع قاضی کے پاس آئے تو قاضی پہنچے والے کے حق میں قاطع کا پہنچا کاٹ دے گا۔ پھر کہنی والے کو اختیار دے گا کہ چاہے تو باقی ہاتھ کہنی سے کاٹ دے اور چاہے تو دیت لے لے اور اگر دونوں مقطوعوں میں سے ایک حاضر ہوا اور دوسرا غائب تو حاضر کے حق میں قصاص کا حکم

دے گا۔

اور جب کسی نے کسی کے ہاتھ کی انگلی کاٹ دی، پھر انگلی کٹنے نے قاطع کا ہاتھ جوڑ سے کاٹ دیا تو مقطوع الید کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس کا ناقص ہاتھ ہی کاٹ دے اور چاہے تو دیت لے لے اور انگلی کا حق باطل ہے۔

اور جب کسی شخص نے دو آدمیوں کے داہنے ہاتھ قصداً کاٹ دیئے پھر ایک نے بحکم قاضی قصاص لے لیا تو دوسرے کو دیت ملے گی اور اگر دونوں ایک ساتھ قاضی کے پاس آئے تو دونوں کے لیے قصاص میں قاطع کا داہنا ہاتھ کاٹ دے گا اور ہر ایک کو ہاتھ کی نصف دیت بھی ملے گی۔ (قاضی خان ص 436 جلد 3، درمختار ردالمحتار ص 491 جلد 5، بدائع صنائع ص 299 جلد 7، درر غرر ص 97 ج (2)

تین انگلیوں پر دیت کے وجوب کا بیان

اور جب ہتھیلی میں تین انگلیاں ہیں تو دیت بھی تین انگلیوں کی واجب ہوگی۔ جبکہ ہتھیلی میں بہ اتفاق کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ متقوم ہونے میں اصل انگلیاں ہیں۔ اور اکثر کو کل کا حکم حاصل ہے۔ پس انگلیوں کو ہتھیلی کے تابع بنالیں گے۔ جس طرح جب تمام انگلیاں موجود ہیں۔

حضرت امام قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ زائد انگلی میں احترام انسانیت کے سبب حکومت عدل واجب ہے۔ کیونکہ وہ بھی آدمی کا حصہ ہے۔ اگر چہ اس میں کوئی فائدہ یا زینت نہیں ہے۔ اور زائد دانت کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ (ہدایہ)

اور جب کسی شخص کا ہاتھ پہنچے سے کاٹ دیا اور قاطع سے اس کا قصاص لے لیا گیا اور زخم بھی اچھا ہو گیا پھر ان میں سے کسی نے دوسرے کا پہنچے سے کٹا ہوا ہاتھ کہنی سے کاٹ دیا تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔

اور جب کسی شخص نے کسی کے داہنے ہاتھ کی انگلی جوڑ سے کاٹی پھر اسی قاطع نے کسی دوسرے شخص کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا، یا پہلے کسی کا داہنا ہاتھ کاٹا، پھر دوسرے کے داہنے ہاتھ کی انگلی کاٹ دی اس کے بعد دونوں مقطوع آئے اور انھوں نے دعویٰ کیا تو قاضی پہلے قاطع کی انگلی کاٹے گا اس کے بعد مقطوع الید کو اختیار ہے کہ چاہے تو باقی ہاتھ کو کاٹ دے اور چاہے تو دیت لے لے اور اگر مقطوع الید پہلے آیا اور اس کی وجہ سے قاطع کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر انگلی کٹا آیا تو اس کے لیے دیت ہے۔

(عالمگیری ص 13 جلد 6، مبسوط ص 143 جلد 26، بدائع صنائع ص 300 جلد (7)

اور اگر کسی نے کسی کی انگلی کا ناخن والا پورا کاٹ دیا، پھر دوسرے شخص کی اسی انگلی کو جوڑ سے کاٹ دیا اور پھر تیسرے شخص کی اسی انگلی کو جڑ سے کاٹ دیا اور تینوں انگلیوں کے لیے قاضی کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا حق طلب کیا تو قاضی پہلے پورے والے کے حق میں قاطع کا پہلا پورا یعنی ناخن والا کاٹ دے گا پھر درمیان والے کو اختیار دے گا کہ چاہے تو درمیان سے قاطع کی انگلی کاٹ دے اور پہلے پورے کی دیت نہ لے اور چاہے تو انگلی کی دیت میں سے 32- دو تہائی لے لے۔ پھر جب درمیان والے نے انگلی کاٹ دی تو تیسرے کو یعنی جس کی انگلی جڑ سے کاٹی گئی تھی اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو قاطع کی انگلی جڑ سے کاٹ دے اور دیت کچھ نہ

لے اور چاہے تو پوری انگلی کی دیت قاطع کے مال سے لے لے اور اگر تین میں سے قاضی کے پاس ایک آیا اور دو غائب اور جو آیا وہ پہلے پورے والا ہے تو اس کے حق میں قاطع کی انگلی کا پہلا پورا کاٹا جائے گا۔ پورا کاٹنے کے بعد اگر دونوں غائبین بھی آ گئے تو ان کو مذکورہ بالا اختیار ہوگا۔ اور اگر پہلے وہ آیا جس کی پوری انگلی کاٹی تھی دوسرے دونوں نہیں آئے اور قاضی نے قاطع کی پوری انگلی کاٹ دی پھر دوسرے دونوں آ گئے تو ان کے لیے دیت ہے۔ (عالمگیری ص 13 جلد 6)

بَابُ الْمُوْضِحَةِ

یہ باب ہے کہ موضحہ (یعنی ایسا زخم جس میں ہڈی ظاہر ہو جائے) کا حکم

2655- حَدَّثَنَا جَمِيلُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ اَبِي عَرُوبَةَ عَنْ مَطَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ خَمْسٌ مِّنَ الْاِبِلِ

◄► عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: موضحہ زخم میں پانچ اونٹوں کی ادائیگی لازم ہوگی۔

سر پھٹنے سے عقل کے زائل ہو جانے کا بیان

جب کسی شخص کے سر پھٹ جانے کی وجہ سے عقل ختم ہو کر رہ گئی ہے یا اس کے سر بال ختم ہو گئے ہیں تو موضحہ کا ارش دیت میں شامل ہو جائے گا۔ کیونکہ عقل کے ختم ہو جانے کے سبب سارے اعضاء کا فائدہ ختم ہو چکا ہے۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی کو موضحہ کا زخم لگایا گیا ہے اور اس کے بعد وہ فوت ہو گیا ہے اور موضحہ کا ارش بالوں میں سے بعض حصہ کے ختم ہو جانے کی وجہ سے واجب ہوا ہے۔ حتیٰ کہ جب ختم شدہ بال اگ آئیں تو ارش ساقط ہو جائے گا۔ اور دیت پورے بالوں کے فوت ہو جانے کے سبب واجب ہو جائے گی۔ اور یہاں یہ دونوں یعنی ارش اور دیت ایک ہی سبب سے متعلق ہوئے ہیں۔ پس یہاں جز کل کے حکم میں شامل ہے۔ جس طرح جب کسی شخص نے انگلی کو کاٹ دیا ہے پھر اس کے بعد اس کا ہاتھ ضائع ہو گیا ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ موضحہ کا ارش دیت میں شامل نہ ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں نفس کے سوا میں جنایت ہے۔ پس ان میں مداخلت نہ ہوگی۔ جس طرح دوسری جنایت میں تداخل نہیں ہوتا۔ اور اس کا جواب ہم ذکر کر آئے ہیں۔

اور جب کسی کے سر پر ایسا موضحہ لگایا کہ اس کی عقل جاتی رہی۔ یا پورے سر کے بال ایسے اڑے کہ پھر نہ اُگے تو صرف دیت نفس واجب ہوگی اور اگر سر کے بال مختلف جگہوں سے اڑ گئے تو بالوں کی حکومت عدل اور موضحہ کی ارش میں سے جو زیادہ ہوگا وہ لازم آئے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ بال پھر نہ اُگیں، لیکن اگر دوبارہ پہلے کی طرح بال اُگ آئیں تو کچھ لازم نہیں ہے۔

(شامی و در مختار ص 513 جلد ج 5، عالمگیری ص 29 جلد 6)

2655: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

موضحہ کے ساتھ قوت سماعت وبصارت کے زوال پر وجوب دیت کا بیان

جب موضحہ کے سبب سے زخمی شخص کی قوت سماعت یا قوت بصارت یا کلام کرنے کی طاقت ختم ہو جائے تو کاٹنے والے پر دیت کے ساتھ ساتھ موضحہ کا ارش بھی واجب ہوگا۔ مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ شیخین کا قول ہے اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ شجہ سماعت اور کلام کی دیت میں داخل ہوگا۔ مگر وہ بصر کی دیت میں داخل نہ ہوگا۔ پہلے مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک جنایت میں نفس کے سوا واقع ہے۔ اور فائدہ بھی ایک ساتھ خاص ہے۔ پس یہ اعضائے مختلفہ کے مشابہ ہو جائے گا۔ جبکہ عقل میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ عقل کا نفع تمام اعضاء کی جانب لوٹنے والا ہے۔ جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ سماعت اور کلام یہ دونوں باطنی چیزیں ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک کو عقل پر قیاس کیا جائے گا۔ جبکہ بصارت ایک ظاہری چیز ہے۔ پس اس کو عقل کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے گا۔

موضحہ کے سبب دونوں آنکھوں کے ختم ہو جانے کا بیان

جب کسی شخص نے کسی بندے کو شجہ موضحہ لگایا ہے جس کے سبب اس کو دونوں آنکھیں ختم ہو گئی ہیں۔ تو امام صاحب کے نزدیک اس پر قصاص واجب نہ ہوگا جبکہ مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ان دونوں میں دیت واجب ہو۔ صاحبین نے کہا ہے کہ موضحہ میں قصاص ہے جبکہ مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ دونوں آنکھوں میں دیت ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب کسی بندے نے کسی شخص کی انگلی کو اوپر والے جوڑ سے کاٹ دیا ہے اس کے بعد بقیہ ساری انگلیاں یا ہاتھ ضائع ہو گیا ہے۔ تو اس میں سے کسی پر قصاص لازم نہ ہوگا اور مناسب یہ ہے کہ اعلیٰ فصل میں دیت واجب ہو۔ اور بقیہ میں حکومت عدل واجب ہو۔ اور اسی طرح جب کسی شخص کے بعض دانت توڑ دیئے ہیں اور اس کے بعد بقیہ سیاہ ہو گئے ہیں۔ اور اس میں امام محمد علیہ الرحمہ نے کوئی اختلاف نقل نہیں کیا ہے۔ جبکہ مناسب یہ ہے کہ پورے دانت میں دیت واجب ہو۔

(ہدایہ)

اور جب کسی کی بھنوں پر خطاء ایسا موضحہ لگایا کہ بھنوں کے بال گر گئے اور پھر نہ اُگے تو صرف نصف دیت لازم ہوگی۔ اور جب کسی کے سر پر ایسا موضحہ لگایا کہ اس سے سننے یا دیکھنے یا بولنے کے قابل نہ رہا۔ تو اس پر نفس کی دیت کے ساتھ موضحہ کا ارش بھی واجب ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس زخم سے موت نہ ہوئی ہو، اور اگر موت واقع ہو گئی تو ارش ساقط ہو جائے گا۔ اور عمد کی صورت میں جنایت کرنے والے کے مال سے تین سال میں دیت ادا کی جائے گی اور بصورت خطا عاقلہ پر تین سال میں دیت ہے۔ (شامی در مختار ص 513، جلد 5)

اور جب کسی نے کسی کے سر پر ایسا موضحہ عمداً لگایا کہ اس کی بینائی جاتی رہی تو ذہاب بصر اور موضحہ دونوں کی دیتیں واجب ہوں گی۔ (عالمگیری ص 30 جلد 6، در مختار و شامی ص 513، جلد 5، تبیین ص 136، جلد 6، بحر الرائق ص 339 ج 8)

کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے چندلا ہو گیا تھا۔ اس کے سر پر کسی نے عمداً موضحہ لگایا تو قصاص نہیں لیا جائے گا دیت لازم ہوگی اور اگر زخم لگانے والا بھی چندلا ہے تو قصاص لیا جائے گا۔ (عالمگیری ص 30 جلد 6)

بَاب مَنْ عَضَّ رَجُلًا فَنَزَعَ يَدَهُ فَنَدَرَ ثَنَايَاهُ

یہ باب ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کے ہاتھ پر کاٹے اور دوسرا اپنے ہاتھ کو کھینچے تو پہلے شخص کے سامنے کے دانت ٹوٹ جائیں

2656- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَمَّيْهِ يَعْلٰى وَسَلَمَةَ ابْنَیْ اُمَيَّةَ قَالَا خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَةِ تَبُوكَ وَمَعَنَا صَاحِبٌ لَنَا فَاقْتَتَلَ هُوَ وَرَجُلٌ اٰخَرُ وَنَحْنُ بِالطَّرِيقِ قَالَ فَعَضَّ الرَّجُلُ يَدَ صَاحِبِهٖ فَجَذَبَ صَاحِبُهُ يَدَهُ مِنْ فِيهِ فَطَرَحَ ثَنِيَّتَهُ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْتَمِسُ عَقْلَ ثَنِيَّتِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ اِلٰى اَخِيهِ فَيَعَضُّهُ كَعِضَاضِ الْفَحْلِ ثُمَّ يَاْتِیْ يَلْتَمِسُ الْعَقْلَ لَا عَقْلَ لَهَا قَالَ فَاَبْطَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

◄► حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمہ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے ہمارے ساتھ ہمارا ایک ساتھی بھی تھا اس کا ایک اور شخص کے ساتھ جھگڑا ہو گیا ہم ابھی راستے میں تھے راوی بیان کرتے ہیں: اس شخص نے دوسرے کے ہاتھ پر دانت کاٹا تو دوسرے شخص نے اپنا ہاتھ اس سے کھینچ لیا اس کے نتیجے میں اس کے سامنے والے دو دانت گر گئے وہ اپنے دانتوں کی دیت وصول کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف بڑھتا ہے اور اسے یوں چبا لیتا ہے' جس طرح اونٹ چباتا ہے اور پھر وہ دیت لینے کے لیے آ جاتا ہے؟ اس کی کوئی دیت نہیں ہوگی راوی بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (کے نقصان کو) کالعدم قرار دیا۔

2657- حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰى عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلًا عَضَّ رَجُلًا عَلٰى ذِرَاعِهٖ فَنَزَعَ يَدَهُ فَوَقَعَتْ ثَنِيَّتُهُ فَرُفِعَ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَبْطَلَهَا وَقَالَ يَقْضَمُ اَحَدُكُمْ كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ

◄► حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے دوسرے شخص کی کلائی پر کاٹا دوسرے نے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس شخص کے سامنے کے دانت گر گئے یہ معاملہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رائیگاں قرار دیا اور ارشاد فرمایا: تم میں سے ایک شخص دوسرے کو یوں کاٹتا ہے' جیسے اونٹ کاٹتا ہے۔

2656 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4779

2657 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6892' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4342' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1416' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4773' ورقم الحدیث: 4774' ورقم الحدیث: 4775' ورقم الحدیث: 4776

بعض دانتوں کے ٹوٹنے کے سبب سارے دانتوں کے گر جانے کا بیان

جب بعض دانت توڑے ہیں اور سارے دانت گر گئے ہیں۔ تو اس مسئلہ میں ابن سماعہ کی روایت کے سوا کسی بھی دوسری روایت کے مطابق قصاص نہیں ہے۔ اور جب کسی شخص نے کسی بندے کو دو موضحہ زخم لگائے ہیں اور اس کے بعد وہ دونوں جل کر ایک ہوگئے ہیں۔ تو یہ اسی دونوں روایات کے مطابق ہے۔

اور جب کسی شخص نے کسی بندے کا دانت اکھاڑ دیا ہے اس کے بعد ان دانتوں کی جگہ پر دوسرے دانت نکل آئے ہیں۔ تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اس سے ارش ساقط ہو جائے گا۔ جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ اس پر مکمل ارش واجب ہوگا۔ کیونکہ جنایت ثابت ہو چکی ہے۔ اور نئے دانت یہ اللہ کی طرف سے نعمت ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ معنوی طور پر جنایت نہیں ہوئی۔ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی بچے کا دانت اکھاڑ دیا ہے اور اسکے بعد پھر دانت نکل آئے تو بہ اتفاق فقہاء ارش واجب نہ ہوگا کیونکہ اس سے بچے کا کوئی فائدہ ختم نہیں ہوا ہے۔ اور اس سے نہ ہی کوئی زینت ختم ہوئی ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حکومت عدل واجب ہے۔ اور وہ اس درد کے سبب جو بچے کو لاحق ہوا ہے۔

اور جب کسی شخص نے دوسرے کا دانت توڑ دیا ہے اس کے بعد دانت والے نے اس دانت کو اسی جگہ پر رکھ دیا ہے اور اس جگہ پر گوشت اگ آیا ہے تو دانت کو اکھاڑنے والے پر مکمل ارش واجب ہوگا۔ کیونکہ اس کے اگ جانے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ رگیں لوٹ کر آنے والی نہیں ہیں۔ اور اسی طرح جب کسی شخص نے کان کو کاٹ دیا ہے اور کان والے نے کٹے ہوئے حصے کو ملا لیا اور اس کے بعد اس پر گوشت اُگ آیا ہے کیونکہ اسی حالت میں لوٹنے والا نہیں ہے جس حالت میں وہ تھا۔ (ہدایہ)

دانت کا وصف تبدیل ہونے کے سبب قصاص و دیت کا بیان

علامہ حسن بن منصور فرغانی قاضی خان علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کسی کے دانت کو ایسا مارا کہ دانت کالا ہو گیا اور مارنے والے کے دانت کالے یا پیلے یا سرخ یا سبز ہیں تو جس پر جنایت کی گئی ہے اس کو اختیار ہے کہ چاہے قصاص لے لے اور چاہے تو دیت لے لے۔ (شامی ص 486 جلد 5، قاضی خان بر حاشیہ عالمگیری ص 438 جلد 3، عالمگیری ص 12 جلد 6، بحر الرائق ص 305 جلد (8)

اور جب کسی کے دانت کو ایسا مارا کہ دانت کالا ہو گیا پھر دوسرے شخص نے یہ دانت اکھیڑ دیا تو پہلے والے پر پوری دیت لازم ہے اور دوسرے پر انصاف کے ساتھ تاوان ہے۔ (شامی ص 487 جلد 5، قاضی خان بر حاشیہ عالمگیری ص 438 جلد 3، بحر الرائق ص 305 جلد (8)

اور جب کسی شخص کا عیب دار دانت توڑا تو اس میں انصاف کے ساتھ تاوان ہے۔

(شامی ص 486 جلد 5، عالمگیری ص 12 جلد 6، بزازیہ علی الھندیہ ص 392 جلد 6، بحر الرائق ص 305 جلد (8)

اور اگر کسی کے دانت پر مارا اور دانت گر گیا تو قصاص لینے میں زخم کے مندمل ہونے کا انتظار کیا جائے گا، لیکن ایک سال تک انتظار نہیں ہوگا۔ (عالمگیری ص 11 ج 6، شامی ص 487 ج 5، بزازیہ علی الھندیہ ص 392 ج 6، طحطاوی علی الدر ص 269 ج 4، تبیین الحقائق ص 137 ج 6، فتح القدیر ص 320 ج (8)

اور جب کسی کے ہاتھ کو دانتوں سے کاٹا، اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اس کے دانت اکھڑ گئے تو دانتوں کا تاوان نہیں ہے۔

(قاضی خان علی الھندیہ ص 437 جلد 3، بزازیہ علی الھندیہ ص 395 جلد (6)

اور جب کسی شخص کے کپڑے کو دانتوں سے پکڑ لیا اور اس نے اپنا کپڑا کھینچا اور کپڑا پھٹ گیا تو دانتوں سے پکڑنے والا کپڑے کا نصف تاوان دے گا اور اگر کپڑا دانتوں سے پکڑ کر کھینچا کہ پھٹ گیا تو کپڑے کا کل تاوان دے گا۔

(قاضی خان علی الھندیہ ص 437 جلد (3)

منزوعہ کا نازع کے دانت کو اکھاڑنے کا بیان

اور جب کسی بندے نے دوسرے آدمی کا دانت اکھاڑ دیا ہے اور اس کے بعد اس منزوعہ نے اکھاڑنے والے کے دانت کو اکھاڑ دیا ہے اور اس کے بعد اس سے پہلے بندے کا دانت نکل آیا ہے تو پہلے پر اپنے ساتھی کے لئے پانچ سو درا ہم واجب ہوں گے۔ کیونکہ یہ پتہ چل چکا ہے کہ اول نے ناحق قصاص لیا ہے۔ اور اس لئے کہ موجب قصاص منبت کا فاسد ہونا ہے۔ اور منبت فاسد ہوا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اس دانت کی جگہ پر دوسرا دانت نکل آیا ہے۔ پس جنایت ختم ہو چکی ہے۔ پس بہ اتفاق اس کو سال کے لئے مہلت دے دی جائے گی۔ اور یہ بھی مناسب تھا کہ اس میں قصاص کے لئے ناامیدی کا انتظار کیا جاتا۔ مگر اس کا اعتبار کرنے کی وجہ سے حقوق کو ضائع کرنا لازم آئے گا۔ کیونکہ ہم نے ایک سال کو کافی سمجھ لیا ہے۔ کیونکہ ایک سال میں اکثر دانت نکل آتے ہیں۔ مگر جب ایک سال گزر جائے تو دانت نہ نکلیں تو پھر ہم قصاص کا حکم دیں گے۔ اور اگر دانت نکل آئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے قصاص کے فیصلہ میں غلطی کی ہے۔ اور قصاص لینا ناحق تھا۔ لیکن شبہ کے سبب قصاص واجب نہ ہوگا اور مال واجب ہو جائے گا۔ (ہدایہ)

دانت اکھڑنے کی دیت میں فقہی تصریحات کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کسی نے کسی کا دانت اکھیڑ دیا اس کے بعد نصف دانت اگ آیا تو قصاص نہیں ہے بلکہ نصف دیت ہے اور اگر پیلا اگا یا ٹیڑھا اگا تو انصاف کے ساتھ تاوان لیا جائے گا۔

(درمختار وشامی ص 515 جلد 5، بحرالرائق ص 305 جلد 8، طحطاوی ص 284 جلد 4، مجمع الانہر وملتقی الابحر ص 647 ج (2)

اگر کسی نے کسی کے بتیسوں دانت توڑ دیئے تو اس پر 3-15 دیت لازم ہوگی۔

(بحرالرائق ص 304 جلد 8، درمختار وشامی ص 509 جلد 5، طحطاوی علی الدر ص 281 جلد 4، مجمع الانہر وملتقی الابحر ص 642 جلد 2، عالمگیری ص 25 جلد 6، بزازیہ ص 391 جلد 6، بدائع صنائع ص 315 جلد 7، تبیین الحقائق ص 131 جلد (6)

اگر کسی نے کسی کا دانت اکھیڑ دیا اس کے بعد اس کا پورا دانت صحیح حالت میں دوبارہ نکل آیا تو جانی پر قصاص و دیت نہیں ہے مگر علاج معالجہ کا خرچہ اس سے وصول کیا جائے گا۔

(بحر رائق ص 305 ج 8، طحطاوی علی الدر ص 269 ج 4، درمختار وشامی ص 515 جلد 5، بزازیہ ص 391 ج 6، مبسوط ص 71 جلد 26، ہدایہ وعنایہ علی الفتح ص 320 ج 8، تبیین الحقائق ص 137 ج (6)

اگر کسی نے کسی کا کوئی دانت اکھیڑ دیا اور اس وقت اکھیڑنے والے کا وہ دانت نہیں تھا مگر جنایت کے بعد نکل آیا تو قصاص نہیں ہے، دیت ہے، خواہ جنایت کے وقت جانی کا یہ دانت نکلا ہی نہ ہو، یا نکلا ہو مگر اکھڑ گیا ہو۔ (بحرالرائق ص 305 جلد (8)

مریض نے ڈاکٹر سے دانت اکھیڑنے کو کہا، اس نے ایک دانت اکھیڑ دیا، مگر مریض کہتا ہے کہ میں نے دوسرے دانت کو اکھیڑنے کے لیے کہا تھا تو مریض کا قول یمین کے ساتھ مان لیا جائے گا اور مریض کے قسم کھانے کے بعد ڈاکٹر پر دانت کی دیت واجب ہوگی۔ (بحرالرائق ص 305 جلد (8)

کسی نے کسی کا دانت قصداً اکھیڑ دیا اور جانی کے دانت کالے یا پیلے یا سرخ یا سبز ہیں تو جس کا دانت اکھیڑا گیا ہے اس کو اختیار ہے کہ چاہے قصاص لے اور چاہے دیت لے لے۔ (بحرالرائق ص 305 جلد 8، عالمگیری ص 12 جلد (6)

کسی بچے نے بچے کا دانت اکھیڑ دیا تو جس کا دانت اکھیڑا گیا ہے اس کے بالغ ہونے تک انتظار کیا جائے گا، بلوغ کے بعد اگر صحیح دانت نکل آیا تو کچھ نہیں اور اگر نہیں نکلا یا عیب دار نکلا تو دیت لازم ہے۔

(درمختار و شامی ص 516 جلد 5، بزازیہ علی الهندیہ ص 392 جلد (6)

کسی نے کسی کے دانت پر ایسی ضرب لگائی کہ دانت کالا یا سرخ یا سبز ہو گیا یا بعض حصہ ٹوٹ گیا اور بقیہ کالا یا سرخ یا سبز ہو گیا تو قصاص نہیں ہے، دانت کی پوری دیت واجب ہے۔

(تبیین الحقائق ص 137 جلد 6، طحاوی ص 369 جلد 4، بدائع صنائع ص 315 جلد 7، بحرالرائق ص 304 ج (8)

بَاب لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ

یہ باب ہے کہ کسی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا جاسکتا

2658 - حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ عَمْرٍو الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ اَبِىْ جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ هَلْ عِنْدَكُمْ شَىْءٌ مِّنَ الْعِلْمِ لَيْسَ عِنْدَ النَّاسِ قَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا عِنْدَنَا اِلَّا مَا عِنْدَ النَّاسِ اِلَّا اَنْ يَّرْزُقَ اللّٰهُ رَجُلًا فَهْمًا فِى الْقُرْاٰنِ اَوْ مَا فِىْ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ فِيهَا الدِّيَاتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ

◆◆ ابوجحیفہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کے پاس کوئی خاص علم ہے؟ جو باقی لوگوں کے پاس نہیں ہے انہوں نے جواب دیا: جی نہیں! ہمارے پاس وہی کچھ ہے' جو لوگوں کے پاس بھی ہے' البتہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو قرآن کا جو فہم عطا کر دیتا ہے وہ ہے یا پھر اس صحیفے میں جو تحریر ہے وہ ہے' اس میں دیت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام منقول ہیں (جس میں یہ بات بھی شامل ہے) کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے قتل کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

2658 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 111' ورقم الحدیث: 3047' ورقم الحدیث: 6903' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 1412 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 4758

2659 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ

◄► عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''کسی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا جاسکتا''۔

2660 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَنَشٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''کسی کافر کے بدلے میں کسی مومن کو قتل نہیں کیا جاسکتا اور جب تک کوئی ذمی اپنے عہد پر کاربند ہے (اسے قتل نہیں کیا جاسکتا)''

شرح

حضرت جحیفہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا" قسم ہے اس ذات کی جس نے اناج کو پیدا کیا اور جان کو وجود بخشا میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو قرآن میں موجود نہ ہاں قرآن کی وہ سمجھ (مجھ کو ضرور دی گئی) جو کسی انسان کو عطا ہو سکتی ہے، نیز ہمارے پاس کچھ چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں" میں نے عرض کیا کہ "وہ کیا چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں؟ انہوں نے فرمایا (ناحق قتل) کا خون بہا، اس کی مقدار اور اس کے احکام اور قیدی کو چھوڑنے (کا ثواب لکھا ہے) اور یہ لکھا ہے کہ کافر (جو ذمی نہ ہو) کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔ (بخاری، مشکوٰۃ المصابیح۔ جلد سوم رقم الحدیث، 630)

ہاں قرآن کی وہ سمجھ جو کسی بھی انسان کو عطا ہو سکتی ہے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ فہم عطا فرمایا ہے جس سے میں قرآن کے معنی واحکام کا استنباط کرتا ہوں، اس کے اجمال واشارات سے مطلع ہو جاتا ہوں اور اسی فہم کے ذریعہ میری رسائی ان پوشیدہ علوم اور باطنی اسرار تک ہو جاتی ہے جو علماء راسخین اور ارباب یقین پر منکشف ہوتے ہیں"۔ ہمارے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس سے وہ نوشتہ مراد ہے جس میں حضرت علی نے خون بہا وغیرہ کے کچھ احکام ومسائل لکھ کر اس کو اپنی تلوار کی نیام میں رکھ رکھا تھا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس نوشتہ میں مذکورہ بالا تین چیزوں کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کے احکام ومسائل لکھے ہوئے تھے، جن کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ اس باب میں صرف قصاص اور خون بہا کا ذکر کرنا مقصود ہے، البتہ قیدی بعض نوعیت کے اعتبار سے چونکہ قریب القتل ہوتا ہے اس مناسبت سے اس کا بھی ذکر کر دیا گیا۔" کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے گا" بہت سے

2659 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2660 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

صحابہ وتابعین، تبع تابعین اور تینوں اماموں کا مسلک یہی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کو قتل کر دے میں مقتول کافر کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل نہ کیا جائے خواہ وہ مقتول کافر ذمی ہو یا حربی ہو لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر یہ مقتول کافر ذمی ہو تو اس کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل کیا جا سکتا ہے جو حدیث ان کے مسلک کی دلیل ہے وہ مرقات میں مذکور ہے۔

مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کرنے میں مذاہب اربعہ

حضرت شعبی، ابوجحیفہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی سے کہا کہ امیر المومنین کیا آپ کے پاس کوئی ایسی تحریر ہے جو اللہ کتاب میں نہ ہو، حضرت علی نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور روح کو وجود بخشا۔ مجھے علم نہیں کہ کوئی ایسی چیز ہو جو قرآن میں نہ ہو۔ البتہ ہمیں قرآن کی وہ سمجھ ضرور دی گئی ہے جو کسی انسان کو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے پھر کچھ چیزیں ہمارے پاس مکتوب بھی ہیں راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا وہ کیا ہیں حضرت علی نے فرمایا اس میں دیت ہے اور قیدیوں یا غلاموں کے آزاد کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی روایت ہے حضرت علی کی حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان ثوری، مالک بن انس، شافعی، احمد، اسحاق، کا یہی قول ہے کہ مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلے مسلمان کو بطور قصاص قتل کیا جائے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 1447)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی منقول کہ کافر کی دیت مومن کی دیت کا نصف ہے حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس باب میں منقول حدیث حسن ہے حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس باب میں منقول حدیث بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے۔

امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے حضرت عمر بن خطاب سے منقول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ امام مالک، شافعی، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہودی اور عیسائی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول رقم الحدیث، 1448)

بَاب لَا يُقْتَلُ الْوَالِدُ بِوَلَدِهِ

یہ باب ہے کہ والد کو اس کی اولاد کے بدلے میں قتل نہیں کیا جا سکتا

2661 - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُقْتَلُ بِالْوَلَدِ الْوَالِدُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:
''والد کو اس کی اولاد کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاسکتا''۔

2662 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْخَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يُقْتَلُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:
''والد کو اس کی اولاد کے قتل کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا''۔

والدین کے لئے بیٹے کو قتل پر قصاص نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مسجدوں میں حدود جاری نہ کی جائیں اور نہ اولاد کے (قتل کے) بدلے میں باپ کو قتل کیا جائے (بلکہ باپ سے دیت (یعنی مالی معاوضہ لیا جائے)۔

(ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 636)

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، یا اسی قسم کے دوسرے جرائم حدود (یعنی ان کی شرعی سزائیں) مساجد میں جاری نہ کی جائیں، اسی طرح قصاص بھی اسی حکم میں داخل ہے کہ کسی قاتل کو بطور قصاص مسجد میں قتل نہ کیا جائے کیونکہ مسجدیں فرض نماز پڑھنے کے لئے ہیں یا فرض نماز کے توابع کے لئے ہیں جیسے نفل نمازیں یا ذکر و شغل اور دینی علوم کا پڑھنا پڑھانا۔

حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کو قتل کر دے تو اس کو مقتول اولاد کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اس بارے میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ اگر بیٹا اپنے ماں باپ کو قتل کر دے تو اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیٹے کو بطور قصاص قتل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر ماں باپ، بیٹے کو مار ڈالے تو اس میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد تو یہ فرماتے ہیں کہ باپ کو بطور قصاص قتل نہ کیا جائے، امام مالک کا قول یہ ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو ذبح کر کے مار ڈالا ہے تو اس صورت میں باپ کو بطور قصاص قتل کیا جاسکتا ہے اور اگر اس نے بیٹے کو تلوار سے ختم کیا ہے تو پھر اس سے قصاص نہ لیا جائے! یہ ملحوظ رہے کہ اس بارے میں ماں کا حکم بھی وہی ہے جو باپ کا ہے، نیز دادا دادی، اور نانی بھی ماں اور باپ کے حکم میں ہیں۔

بَاب هَلْ يُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْعَبْدِ

یہ باب ہے کہ کیا غلام کے بدلے میں آزاد شخص کو قتل کیا جاسکتا ہے؟

2663 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ اَبِىْ عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَبْدَهٗ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَهٗ جَدَعْنَاهُ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

2662 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1400

''جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے ہم اس کو قتل کر دیں گے اور جو شخص اس کی ناک کاٹ دے ہم اس کی ناک کاٹ دیں گے''۔

2664- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا ابْنُ الطَّبَّاعِ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ اِسْحٰقَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ فَرْوَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ عَلِيٍّ وَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَتَلَ رَجُلٌ عَبْدَهٗ عَمْدًا مُتَعَمِّدًا فَجَلَدَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً وَّنَفَاهُ سَنَةً وَّمَحَا سَهْمَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

◆◆ ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات منقول ہے۔

ایک شخص نے اپنے غلام کو جان بوجھ کر قتل عمد کے طور پر قتل کر دیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوڑے لگوائے اور اسے ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا اور مسلمانوں میں سے اس کے حصے کو ختم کر دیا۔

غلام کے بدلے مالک کے قتل وعدم قتل میں فقہی مذاہب

حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے اسے قتل کریں گے اور جس نے اپنے غلام کے اعضاء (ناک، کان وغیرہ) کاٹے ہم بھی اس کے اعضاء کاٹیں گے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ بعض علماء، تابعین، اور ابراہیم نخعی کا یہی مذہب ہے۔ بعض اہل علم جن میں حضرت حسن بصری، اور عطاء بن ابی رباح بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ آزاد اور غلام کے درمیان خون اور زخم میں قصاص نہیں۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر مالک اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا لیکن اگر غلام کسی اور کا ہو تو اس کے بدلے آزاد کو بھی قتل کیا جائے سفیان ثوری کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 1449)

حضرت حسن بصری (تابعی) حضرت سمرۃ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کر دیں گے اور جو شخص (اپنے غلام کے) اعضاء کاٹے گا ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اور نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ کہ جو شخص اپنے غلام کو خصی کرے گا ہم اس کو خصی کر دیں گے۔ (مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 639)۔

جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کر دیں گے دیں گے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور زجر وتشدید اور تنبیہ فرمایا کہ لوگ اپنے غلاموں کو مار ڈالنے سے باز رہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص نے سخت ترین ممانعت تنبیہ کے باوجود بھی جب چوتھی یا پانچویں بار شراب پی لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو، لیکن جب وہ آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اس کو قتل نہیں کیا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں غلام سے مراد وہ شخص ہے جو غلام بھی رہا ہو، اور پھر آزاد کر دیا گیا ہو، اگرچہ ایسے شخص کو غلام نہیں کہا جاتا لیکن اس کے سابق حال کے اعتبار سے اس کو یہاں غلام تعبیر کیا گیا۔

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس آیت کریمہ (اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی) 2-البقرة 178) کے ذریعہ منسوخ ہے اس بارے میں جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اس نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس غلام کے بدلے میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام اعظم کے سوا تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ آیت کریمہ۔ (اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی) 2-البقرة:178) کے بموجب کسی آزاد شخص کو نہ تو اپنے غلام کے بدلے میں قتل کیا جانے اور نہ کسی دوسرے کے بدلے میں۔ حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت سفیان ثوری کا قول یہ ہے کہ مقتول غلام کے بدلے میں قاتل آزاد کو قتل کیا جائے خواہ وہ مقتول اس کا اپنا غلام ہو یا کسی دوسرے کا۔

اور جو شخص اعضاء کاٹے گا "شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ "تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی آزاد کسی غلام کے اعضاء جسم کاٹ ڈالے تو اس کے بدلے میں اس آزاد کے اعضاء جسم نہ کاٹے جائیں" علماء کے اس اتفاق سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے" یا تو زجر و تنبیہ پر محمول ہے یا منسوخ ہے۔

بَاب يُقْتَادُ مِنَ الْقَاتِلِ كَمَا قَتَلَ

یہ باب ہے کہ قاتل سے اسی طرح قصاص لیا جائے گا جس طرح اس نے قتل کیا تھا

2665 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ يَحْيَى عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَخَ رَأْسَ امْرَأَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقَتَلَهَا فَرَضَخَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ

◄► حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر اسے کچل کر اس لڑکی کو قتل کر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچلوا دیا۔

شرح

بظاہر یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس یہودی نے لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا تھا اسی طرح اس یہودی کا بھی دو پتھروں کے درمیان کچلا گیا ہو، یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دے تو مقتول مرد کے بدلے میں اس عورت کو قتل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح مقتول عورت کے بدلے میں اس کے مرد قاتل کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے، نیز یہ حدیث اس امر پر بھی دلالت ہے کہ ایسے بھاری پتھر سے کسی کو ہلاک کر دینا جس کی ضرب سے عام طور پر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو، قصاص کا بموجب ہے۔ چنانچہ اکثر علماء اور تینوں ائمہ کا یہی قول ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پتھر کی ضرب سے ہلاکت واقع ہو جائے تو اس کی وجہ سے قصاص لازم نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک اس

2665 اخرجہ بخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:2413' ورقم الحدیث:2746' ورقم الحدیث:6876' ورقم الحدیث۔6884' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 4341' خرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:4527' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:1394' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:4756

یہودی سے قصاص لینے کا سوال ہے تو اس کا تعلق سیاسی اور وقتی مصالح سے تھا۔

2666- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ح و حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ يَهُودِيًّا قَتَلَ جَارِيَةً عَلٰى أَوْضَاحٍ لَهَا فَقَالَ لَهَا أَقَتَلَكِ فُلَانٌ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا ثُمَّ سَأَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا ثُمَّ سَأَلَهَا الثَّالِثَةَ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ نَعَمْ فَقَتَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ حَجَرَيْنِ

◄► حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک یہودی نے ایک لڑکی کو اس کے ہار کی وجہ سے قتل کر دیا (وہ لڑکی قریب المرگ تھی)

کسی نے اس سے دریافت کیا: کیا تمہیں فلاں نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے اپنے سر کے ذریعے اشارہ کیا: جی نہیں! پھر اس سے دوسرے شخص کے بارے میں دریافت کیا: تو اس نے اپنے سر کے ذریعے اشارہ کیا جی نہیں! پھر اس سے تیسرے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا: تو اس نے اپنے سر کے ذریعے اشارہ کیا جی ہاں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا سر دو پتھروں میں رکھوا کر اسے قتل کروا دیا۔

بَاب لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ

یہ باب ہے کہ قصاص صرف تلوار کے ذریعے لیا جائے گا

2667- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ الْعُرُوقِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِي عَازِبٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ

◄► حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''قصاص صرف تلوار کے ذریعے لیا جائے گا''۔

2668- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ حَدَّثَنَا الْحُرُّ بْنُ مَالِكٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا مُبَارَكُ بْنُ فَضَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ

◄► حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''قصاص صرف تلوار کے ذریعے لیا جائے گا''۔

2666 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 5295' ورقم الحدیث: 6877' ورقم الحدیث: 6879' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 4337' ورقم الحدیث 4338' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4529' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4793

2667 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2668 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

قصاص کا صرف قتل تلوار پر ہونے میں فقہی مذاہب

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک لڑکی کہیں جانے کے لیے نکلی اس نے چاندی کا زیور پہنا ہوا تھا ایک یہودی نے اسے پکڑ لیا اور اس کا سر پتھر سے کچل دیا اور زیور اتار لیا انس فرماتے ہیں کہ ابھی اس میں تھوڑی سے جان باقی تھی کہ لوگ پہنچ گئے اور اس عورت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے آپ نے پوچھا تمہیں کس نے قتل کیا کیا فلاں نے قتل کیا۔ اس نے اشارہ کیا کہ نہیں یہاں تک کہ آپ نے اس یہودی کا نام لیا تو اس نے کہا ہاں۔ حضرت انس فرماتے ہیں وہ یہودی پکڑا گیا اور اس نے اعتراف کرلیا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کا سر پتھر سے کچلنے کا حکم دیا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ قصاص صرف تلوار ہی سے لیا جائے۔ (جامع ترمذی جلد اول رقم الحدیث، 1428)

بَاب لَا يَجْنِي اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ

یہ باب ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی سزا نہیں بھگتے گا

2669- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ شَبِيْبِ بْنِ غَرْقَدَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَلَا لَا يَجْنِىْ جَانٍ اِلَّا عَلٰى نَفْسِهٖ لَا يَجْنِىْ وَالِدٌ عَلٰى وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهٖ

◆◆ سلیمان بن عمرو اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

"یاد رکھنا! اور ہر مجرم اپنی سزا خود بھگتے گا، والد اپنی اولاد کی یا اولاد اپنے والد کی سزا نہیں بھگتے گی"۔

2670- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِىْ زِيَادٍ حَدَّثَنَا جَامِعُ بْنُ شَدَّادٍ عَنْ طَارِقٍ الْمُحَارِبِىِّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى رَاَيْتُ بَيَاضَ اِبْطَيْهِ يَقُوْلُ اَلَا لَا تَجْنِىْ اُمٌّ عَلٰى وَلَدٍ اَلَا لَا تَجْنِىْ اُمٌّ عَلٰى وَلَدٍ

◆◆ حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے، یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی بھی دیکھ لی، آپ ﷺ نے فرمایا:

"یاد رکھنا ماں اپنی اولاد کی سزا نہیں بھگتے گی، یاد رکھنا ماں اپنی اولاد کی سزا نہیں بھگتے گی"۔

2671- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يُوْنُسَ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ اَبِى الْحُرِّ عَنِ الْخَشْخَاشِ الْعَنْبَرِىِّ

2669 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2670 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِيَ ابْنِيْ فَقَالَ لَا تَجْنِيْ عَلَيْهِ وَلَا يَجْنِيْ عَلَيْكَ

◆◆ حضرت خشخاش عنبری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم اس کی سزا نہیں بھگتو گے اور یہ تمہاری سزا نہیں بھگتے گا''۔

2672 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عَقِيْلٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا اَبُو الْعَوَّامِ الْقَطَّانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْنِيْ نَفْسٌ عَلٰى اُخْرٰى

◆◆ حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''کوئی شخص کسی دوسرے کی سزا نہیں بھگتے گا''۔

دوسروں کے سبب سزا نہ ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کی صاحبزادی کا مکہ میں انتقال ہوا تو ہم لوگ ان کے یہاں آئے تاکہ نماز جنازہ اور تدفین میں شریک ہوں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس بھی وہاں آئے میں ان دونوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اتنے میں عبداللہ بن عمر نے حضرت عمرو بن عثمان سے جو ان کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے تھے کہا کہ تم اپنے گھر والوں کو آواز اور نوحہ کے ساتھ رونے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ میت اپنے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے اس کے جواب میں کہا کہ حضرت عمر اس میں سے کچھ کہتے تھے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے تو میت پر عام طور پر رونے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے لیکن حضرت عمر اس ممانعت کو صرف قریب المرگ کے پاس آواز و نوحہ کے ساتھ رونے پر محمول کرتے تھے چنانچہ انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ جب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے واپس ہوا اور ہم بیداء پہنچے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک موضع ہے تو اچانک حضرت عمر نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے ایک قافلہ کو دیکھا انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم وہاں جا کر دیکھو کہ قافلہ میں کون ہے؟ چنانچہ میں نے وہاں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت صہیب اور ان کے ہمراہ کچھ دوسرے لوگ ہیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے آ کر حضرت عمر کو بتا دیا حضرت عمر نے فرمایا انہیں بلا لاؤ۔

میں پھر صہیب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ چلیے اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق سے ملیے اس کے بعد جب مدینہ میں حضرت عمر زخمی کر دیئے گئے تو حضرت صہیب روتے ہوئے ان کے پاس آئے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ اے میرے بھائی، اے

2671 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2672 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

میرے آقا! یہ کیا ہوا! حضرت عمر نے اسی حالت میں صہیب سے فرمایا کہ تم میرے پاس آواز و بیان کے ساتھ رو رہے ہو؟ جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ مردہ یعنی یا تو حقیقۃً یا قریب المرگ اپنے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے یعنی ایسے رونے کی وجہ سے جو آواز نوحہ کے ساتھ ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق کی وفات ہوئی تو میں نے ان کا یہ قول حضرت عائشہ کی خدمت میں عرض کیا وہ سن کر فرمانے لگیں اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم کرے! یہ بات نہیں ہے اور نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مردہ اپنے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے یعنی نہ تو مطلقاً رونے کی وجہ سے اور نہ آواز و نوحہ کے ساتھ رونے کی وجہ سے میت کو عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کافر کے عذاب میں اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے زیادتی کر دیتا ہے۔ پھر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اس کے ثبوت میں تمہارے لئے قرآن کریم کا یہ فیصلہ ہی کافی ہے کہ (وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، (فاطر:18) کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت کے مضمون کا مفہوم بھی تقریباً یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہنساتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی رلاتا ہے حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر یہ سن کر کچھ نہ بولے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: حدیث نمبر 232)

۲۳ھ ذی الحجہ کا مہینہ چھبیسویں تاریخ اور چہار شنبہ کا دن تھا صبح کی نماز کے وقت حضرت عمر مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے حاضرین نے صفیں باندھ لیں آپ محراب مسجد میں کھڑے ہو گئے ابھی آپ نے نماز شروع ہی کی تھی کہ مغیرہ بن شعبہ غلام ابولولو لعین نے پیچھے جو گھات میں بیٹھا تھا دو دھاری خنجر سے آپ پر حملہ کیا خنجر پہلو میں لگا، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ لعین چھ زخم لگائے حضرت عمر گر گئے انہیں اٹھا کر گھر لایا گیا، پورے مدینہ میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی لوگ جوق در جوق در خلافت پر حاضر ہونے لگے۔ انہیں میں حضرت صہیب بھی تھے، انہوں نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خون میں نہائے دیکھا تو بے اختیار رونے لگے اور یہ کہتے جاتے تھے "اے میرے بھائی، اے میرے آقا" حضرت ابن عباس اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں بہر حال حضرت صہیب کے اس رونے اور ان کے اس کہنے کو نوحہ نہ سمجھ لیا جائے کیونکہ نوحہ وہ ہوتا ہے جو با آواز بلند اور بطریق بین ہو اور یہاں ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں پائی جاتی لیکن حضرت عمر نے صہیب کو اس سے بھی احتیاطاً منع فرما دیا کہ اظہار غم کا یہ مباح طریقہ کہیں حدود سے تجاوز کر کے اس مرحلہ پر پہنچ جائے جہاں شریعت مانع ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ نے جو قسم کھا کر حدیث کی نفی کی تو وہاں حقیقت میں ان کی مراد حدیث کی نفی نہیں تھی بلکہ انہوں نے اس منہدم اور نتیجہ کی نفی کی جو حضرت عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے اخذ کیا تھا ورنہ تو جہاں تک نفس حدیث کا تعلق ہے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے، اختلاف صرف اس حدیث کا مفہوم متعین کرنے میں ہے حضرت عمر اور حضرت عبداللہ تو اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ میت کے عذاب کا تعلق اس کے گھر والوں کے رونے سے یعنی اگر میت کے گھر والے میت پر روتے ہیں تو اسے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے خواہ میت مومن ہو یا کافر ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کافر کے حق میں ہے اور وہ بہر صورت عذاب میں مبتلا رہتا ہے چاہے اس کے گھر والے اس پر روئیں یا نہ روئیں ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ گھر والوں کے رونے کی وجہ سے کافر میت کے عذاب میں زیادتی کر دی جاتی ہے اور وہ بھی اس وجہ

سے کہ کافر رونے سے خوش اور راضی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض کافر تو مرتے وقت وصیت کر جاتے تھے کہ جب وہ مر جائیں تو اس پر رویا جائے اور نوحہ کیا جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے مسلک کہ اہل میت کا رونا میت کے عذاب کا سبب نہیں ہوتا پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتی ہیں کہ ولاتزروازرۃ وزر اخری یعنی ایک شخص کا گناہ کسی دوسرے شخص کے نامہ اعمال میں نہیں لکھا جاتا اور ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوتا تو اس پر اس گناہ کی سزا کا ترتب بھی نہیں ہو سکتا، لہٰذا اگر میت کے گھر والے روتے ہیں نوحہ کرتے ہیں تو یہ ان کا فعل ان کا گناہ میت کے نامہ اعمال میں کیوں لکھے جانے لگے اور ان کے گناہ کی وجہ سے میت کو عذاب میں کیوں مبتلا کیا جانے لگا۔

اس کے بعد حضرت ابن عباس نے بھی یہ کہہ کر حضرت عمر کے مسلک کی نفی اور حضرت عائشہ کے قول کی تائید کی کہ انسان کا رونا اور ہنسنا اس کی خوشی اور غمی اللہ ہی کی طرف سے ہے کہ وہی ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے اس لئے رونے کو عذاب میں کیا دخل؟ لیکن حضرت ابن عباس کے اس قول پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس طرح تو بندوں کے تمام ہی افعال اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے بندہ تو صرف انہیں کرتا ہے جس پر ثواب اور عذاب کا ترتب ہوتا ہے اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اسے ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی بداعمالی کرتا ہے تو اس پر عذاب دیا جاتا ہے اب ہنسنے کی مثال لے لیجیے اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو دیکھ کر فرط مسرت سے ہنستا ہے تو وہ ثواب پاتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو دیکھ کر بطور تمسخر واستہزاء ہنستا ہے تو گناہ گار ہوتا ہے، اسی طرح غمی وخوشی کا معاملہ ہے بعض خوشی اور بعضے غم ایسے ہوتے ہیں جن پر ثواب دیا جاتا ہے بعضے خوشی اور بعضے غم ایسے ہوتے ہیں جن پر عذاب دیا جاتا ہے اس لئے حضرت عائشہ کے قول کی تائید اور حضرت عمر کے مسلک کی نفی میں حضرت ابن عباس کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے ہاں ابن عباس کا یہ قول اس قید کے ساتھ تو صحیح ہو سکتا ہے کہ ہنسنا اور رونا بے اختیاری ہوں۔ یعنی اگر ہنسنے اور رونے میں اختیار کو دخل ہوگا تو پھر ان پر جواب اور عذاب کا ترتب ضرور ہوگا۔ حدیث کا یہ آخری جملہ حضرت ابن عمر یہ سن کر کچھ نہ بولے۔ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت ابن عمر نے یہ قصہ سن کر ابن عباس کی بات مان لی بلکہ انہوں نے خاموشی اختیار کر کے بحث کو ختم کر دینا ہی مناسب سمجھا جیسا کہ اہل عرفان کی شان ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی شخص مرتا ہے اور اس کے عزیزوں میں سے کوئی رونے والا یہ کہہ کر روتا ہے کہ اے پہاڑ اے سردار وغیرہ وغیرہ۔ تو اللہ تعالیٰ میت پر دو دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کے سینے میں مکے مار مار کر پوچھتے ہیں کیا تو ایسے ہی تھا؟ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب حسن ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: حدیث نمبر 236)

میت سے حقیقت یعنی مردہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور قریب المرگ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ میت پر رونے اور اس کی وجہ سے میت کو عذاب میں مبتلا کیے جانے کے بارہ میں کچھ باتیں گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہیں اس موقعہ پر بھی اس مسئلہ کے بارہ میں چند اور باتیں جانتے چلیے۔

علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں اس حدیث ان المیت لیعذب ببکاء اہلہ (یعنی میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے) کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ آیا میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسلہ میں جتنے مسلک ہیں ان کو علامہ موصوف نے اس طرح سلسلہ وار نقل کیا ہے۔

(۱) یہ حدیث اپنے ظاہر الفاظ ومفہوم کے مطابق مطلق ہے یعنی وصیت یا کافر کی قید نہیں ہے بلکہ میت پر چلا چلا کر رونے اور نوحہ کی وجہ سے میت کو عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بھی یہی رائے ہے۔

(۲) میت کو اس کے گھر والوں کی وجہ سے مطلقاً عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا (۳) عذاب کا تعلق حالت سے ہے یعنی مردہ اس وقت عذاب میں مبتلا ہوتا ہے جب کہ اس کے گھر والے اس پر رو رہے ہوتے ہیں اور وہ عذاب ان کے رونے کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ مردہ کے اپنے گناہوں اور برے اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۴) یہ حدیث مخصوص طور پر کافروں کے بارہ میں ہے یہ دونوں اقوال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہیں۔ (۵) یہ حدیث اور یہ وعید خاص طور پر اس شخص کے بارہ میں ہے جس کے یہاں نوحہ کا رسم ورواج ہو، امام بخاری کا یہی مسلک ہے۔ (۶) یہ حدیث اس شخص کے بارہ میں ہے جو نوحہ کے لئے وصیت کر جائے یعنی جو شخص اپنے وارثوں سے کہہ جائے کہ میرے مرنے کے بعد نوحہ کیا جائے تو اسے اس کے گھر والوں کے رونے اور نوحہ کرنے والوں کے نوحہ کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اسی کا فعل ہے۔

(۷) یہ وعید اس شخص کے بارہ میں ہے جو نوحہ نہ کرنے کی وصیت نہ کر جائے، چنانچہ جس شخص کو اپنے گھر والوں کے بارے میں یہ خیال ہو کہ وہ میرے مرنے کے بعد نوحہ کریں گے تو اسے اپنے گھر والوں کو نوحہ نہ کرنے کی وصیت کرنا واجب ہوگا۔ (۸) میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے اس وقت عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے جب کہ وہ میت کی ان باتوں کو بیان کرکے روئیں جو شرعی طور پر فی نفسہ بری اور انتہائی قابل نفرین ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی مرجاتا تھا تو لوگ یہ کہہ کہہ کر روتے تھے کہ اے عورتوں کو بیوہ کرنے والے، اے اولاد کو یتیم کرنے والے، اے گھر کو خراب کرنے والے۔

(۹) عذاب سے مراد اہل میت کے مذکورہ بالا طریقہ سے بیان کرکے رونے کی وجہ سے میت پر ملائکہ کا غصہ ہوتا ہے۔ (۱۰) اہل میت جب نوحہ کرتے ہیں تو میت اپنی قبر کے اندر عذاب میں مبتلا کی جاتی ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عذاب سے مراد یہ ہے کہ جب اہل میت غلط طریقہ سے روتے ہیں اور اس بارہ میں غیر شرعی روش اختیار کرتے ہیں تو اس کی وجہ سے میت کو شدید روحانی اذیت پہنچتی ہے اور اسے رنج ہوتا ہے جیسا کہ جب عالم برزخ میں دنیا سے کوئی روح آتی ہے اور وہاں پہلے سے موجود روحیں اس سے اپنے اعزہ کے متعلق پوچھتی ہیں اگر کسی روح کو اپنے متعلقین کے بارہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ برے اعمال اور گناہوں میں مبتلا ہیں تو اس روح کو رنج ہوتا ہے اور اگر اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلقین نیکی اور بھلائی کی راہ پر گامزن ہیں تو اسے خوشی ہوتی ہے۔ بہر حال مسئلہ کی پوری بحث کا حاصل یہ ہوا کہ اگر میت اس گناہ کا خود سبب ہوگا یعنی وہ اگر مرنے سے پہلے یہ وصیت کر جائے کہ میری میت پر نوحہ کیا جائے چلا چلا کر رویا جائے یا یہ کہ وہ وصیت تو نہ کر جائے مگر ان امور سے خوش وراضی ہوتا ہو تو

اس صورت میں حدیث میں مذکورہ عذاب اپنے حقیقی معنی پر محمول ہوگا باین طور کہ اگر میت پر اہل میت نوحہ وغیرہ کریں گے تو اسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

اور اگر یہ صورت نہ ہو یعنی نہ تو میت نے وصیت کی ہو اور نہ وہ ان باتوں کو پسند کرتا ہو تو اس شکل میں عذاب اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہوگا بلکہ رنج اٹھانے پر محمول ہوگا خواہ یہ رنج اٹھانا حالت نزع میں ہو یا موت کے بعد نیز خواہ کافر ہو خواہ مسلمان اس بارہ میں سب برابر ہیں اس طرح اس آیت (وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، فاطر:18) اور ان احادیث کے درمیان جو کہ اس بارہ میں میں مطلق منقول ہوئی ہیں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

بَاب الْجُبَارِ

یہ باب ہے کہ رائیگاں جانا (یعنی جس قتل یا زخم کی قصاص یا دیت نہیں ہوتی)

2673- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَّالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَّالْبِئْرُ جُبَارٌ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جانور کا زخمی کرنا رائیگاں جائے گا، معدن میں گر کر مرنا رائیگاں جائے گا، کنویں میں گر کر مرنا رائیگاں جائے گا''۔

2674- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا كَثِیْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَّالْمَعْدِنُ جُبَارٌ

◆◆ کثیر بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''جانور کی وجہ سے زخمی ہونے والے کا کوئی تاوان نہیں ہوگا، اور کان میں گر کر مرنے والے کا کوئی تاوان نہیں ہوگا''۔

2675- حَدَّثَنَا عَبْدُ رَبِّهٖ بْنُ خَالِدٍ النُّمَیْرِیُّ حَدَّثَنَا فُضَیْلُ بْنُ سُلَیْمَانَ حَدَّثَنِیْ مُوْسَی بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنِیْ اِسْحٰقُ بْنُ یَحْیَی بْنِ الْوَلِیْدِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْمَعْدِنَ جُبَارٌ وَّالْبِئْرَ جُبَارٌ وَّالْعَجْمَاءَ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَّالْعَجْمَاءُ الْبَهِیْمَةُ مِنَ الْاَنْعَامِ وَغَیْرِهَا وَالْجُبَارُ هُوَ الْهَدَرُ الَّذِیْ لَا یُغَرَّمُ

◆◆ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا تھا۔

''کان میں گر کر مرنے والے کا خون رائیگاں جائے گا، کنوئیں میں گر کر مرنے والے خون رائیگاں جائے گا اور جانور

2674 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2675 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کے زخمی کرنے کارائیگاں جائے گا"۔

روایت میں استعمال ہونے والے لفظ "عجماء" سے مراد جانور ہیں جبکہ لفظ "جبار" سے مراد رائیگاں قرار دینا ہے؛ جس پر کوئی تاوان لازم نہیں ہوتا۔

2676- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْاَزْهَرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّارُ جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "آگ میں گرنے والے کا خون رائیگاں جائے گا اور کنوئیں میں گر کر مرنے والے کا خون رائیگاں جائے گا"۔

کنوئیں میں گر کر بھوک یا غم سے فوت ہو جانے کا بیان

اور جب کسی بندے نے راستے میں کنواں کھودا ہے اور اس میں گر کر کوئی شخص بھوک یا دکھ کی وجہ سے فوت ہو گیا ہے۔ تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک کھودنے والے پر ضمان نہ ہوگا۔ کیونکہ گرنے والا اپنے ذاتی سبب سے فوت ہونے والا ہے۔ اور ضمان تو اس پر تب واجب ہوتا جب وہ گرنے کے سبب فوت ہوتا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب وہ بھوک کے سبب سے فوت ہوا ہے۔ تب بھی اس کا یہی حکم ہے اور جب وہ غم کی وجہ سے فوت ہوا ہے تو کھودنے والا ضامن ہوگا۔ اور کیونکہ گرنے کے سوا غم کا کوئی دوسرا سبب نہیں ہے۔ جبکہ بھوک کنوئیں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ کھودنے والا تمام احوال میں ضامن بنے گا۔ کیونکہ موت گرنے کے سبب سے لاحق ہونے والی ہے۔ اس لئے کہ جب وہ اس میں نہ گرتا تو کھانا اس کے قریب ہونا تھا۔ (ہدایہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چوپایوں کا زخمی کرنا بلا قصاص ہے اور کنویں میں گر کر اور کان کھودنے میں مر جانے والے کا خون معاف ہے، اور رکاز میں پانچواں حصہ ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: رقم الحدیث، 1819)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب کسی نے راستے میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی شخص گر پڑا اور بھوک پیاس یا وہاں کے تعفن کی وجہ سے دم گھٹ گیا اور مر گیا تو کنواں کھودنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ (عالمگیری ص 45 ج 6، شامی در مختار ص 522 ج 5، تبیین الحقائق ص 145، ج 6، بحر الرائق ص 348 ج 8، مبسوط ص 15، ج 27، خانیہ علی الھندیہ، ص 461 ج 3)

اور جب کسی نے راستے میں کنواں کھودا اس میں کسی نے گر کر خود کشی کر لی تو کنواں کھودنے والا ضامن نہیں ہے۔

(عالمگیری ص 45 ج 6، خانیہ علی الھندیہ ص 461 ج 3، مبسوط ص 16، ج 27، بحر الرائق، ص 348 ج (8)

2676: اخرجہ ابو داؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4594

مزدوروں کا مستاجر کے لئے غیر فناء میں کنواں کھودنے کا بیان

جب کسی بندے نے کچھ مزدوروں کو کام کے لئے مزدوری پر رکھ لیا ہے اور ان مزدوروں نے مستاجر کے لئے غیر حدود میں کنوئیں کو کھود ڈالا ہے۔ تو اس کا ضمان مستاجر پر ہوگا۔ اور مزدوروں پر کچھ واجب نہ ہوگا اور جب ان کو پتہ ہی نہیں ہے کہ یہ کنواں مستاجر کی حدود میں نہیں ہے۔ کیونکہ جب ان کا اس بات کا پتہ چل گیا ہے تو ظاہری اعتبار سے اجارہ درست ہو جائے گا۔ پس ان کا فعل مساجر کی جانب منتقل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ مستاجر کی جانب سے دھوکہ کھانے والے ہیں۔ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی شخص نے دوسرے کی بکری کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور مامور نے اس کی بکری ذبح کر ڈالی ہے۔ اس کے بعد اس کو پتہ چلا کہ یہ بکری حاکم دینے والے کی نہیں تھی۔ بلکہ کسی دوسرے کی تھی۔ لیکن یہاں پر مامور ضامن بن جائے گا۔ اور اس کے بعد وہ حکم چلانے سے رجوع کرے گا۔ اس لئے مباشر یعنی اصل فعل ذبح کرنے والے کا ہے۔ اور حکم دینے والا مسبب ہے۔ اور ترجیح مباشرت کو حاصل ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

پس جس نے ذبح کیا ہے وہ ضامن ہوگا۔ مگر حکم دینے والے کی جانب سے دھوکہ کے سبب رجوع کیا جائے گا۔ اور یہاں پر ابتدائی طور پر مستاجر پر ضمان واجب ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک مسبب ہے۔ اور اجیر متعدی نہیں ہے۔ بلکہ متعدی تو مستاجر ہے پس اس کی جانب کو ترجیح دی جائے گی۔ اور جب مزدوروں کا اس بات کا پتہ چلا تو ان پر بھی ضمان واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ جو چیز مستاجر کی ملکیت میں نہیں ہے۔ اس کے بارے میں اس کا حکم دینا درست نہ ہوگا۔ اور یہ دھوکہ بھی نہیں ہے۔ پس ان کا فعل انہی کی جانب مضاف ہو جائے گا۔

کنواں کھودنے کے سبب نقصان جان پر دیت کا بیان

علامہ امام شمس الائمہ سرخسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کسی نے راستے میں کنواں کھودا اس میں کوئی شخص گر گیا اور اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ پھر کنویں سے نکلا تو دو شخصوں نے اس کا سر پھاڑ دیا جس سے وہ بیمار ہو کر پڑا رہا پھر مر گیا تو اس کی دیت تینوں پر تقسیم ہو جائے گی۔ (مبسوط ص 18 جلد 27، عالمگیری ص 46 جلد (6)

اور جب کسی نے کنواں کھودنے کے لیے کسی کو مزدور رکھا۔ مزدور نے کنواں کھودا۔ اس کے بعد کوئی آدمی اس میں گر کر ہلاک ہو گیا۔ یہ کنواں اگر مسلمانوں کے ایسے عام راستے پر کھودا گیا تھا جس کو ہر شخص عام راستہ خیال کرتا تھا تو مزدور ضامن ہوگا۔ مستاجر نے اس کو یہ بتایا ہو کہ یہ عام راستہ ہے یا نہ بتایا ہو اسی طرح غیر معروف راستہ پر اگر کنواں کھودا گیا اور مستاجر نے مزدور کو یہ بتا دیا تھا کہ یہ عام مسلمانوں کا راستہ ہے تو بھی مزدور ضامن ہوگا۔ اور اگر مزدور کو یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ عام راستہ مسلمانوں کا ہے تو مستاجر ضامن ہوگا۔ (عالمگیری ص 46 ج 6)

مستاجر کے اقرار جگہ کے باوجود حق تصرف سے انکار کرنے کا بیان

جب مستاجر نے مزدوروں سے یہ کہا ہے کہ یہ میری حدود ہیں لیکن مجھے ان میں کنواں کھودنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اس

کے باوجود انہوں نے اس کے اندر کنواں کھود دیا ہے۔ اور اس میں کوئی شخص گر فوت ہو گیا ہے تو قیاس کے مطابق ان مزدوروں پر ضمان واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ فساد حکم سے وہی واقف ہیں۔ پس مستاجر نے ان کو کوئی دھوکہ نہیں دیا ہے۔

اور دلیل استحسان کے مطابق یہاں ضمان مستاجر پر واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ اس زمین کی حدود کا مستاجر کے لئے ہونا یہ ملکیت مستاجر کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اس زمین میں مٹی ڈالنے، ایندھن رکھنے، جانوروں کو باندھنے، سوار ہونے اور چبوترہ وغیرہ بنانے میں مستاجر کا قبضہ ثابت ہے۔ پس ہماری بیان کردی چیزوں میں تفکر کرنے کے سبب کنوئیں کو کھودنے کا معاملہ ظاہری اعتبار سے مستاجر کی ملکیت میں ہوگا۔ اور اس فعل کو مستاجر کی جانب منتقل کرنے کے لیے اتنی ہی دلیل کافی ہے۔

اور جب کسی شخص نے بادشاہ کی اجازت کے بغیر پل بنا دیا ہے اور کوئی شخص بطور عمد اس کے اوپر سے گزرا ہے اور وہ ہلاک ہو گیا ہے تو پل کو بنانے والے پر کچھ ضمان واجب نہ ہوگا۔

اور اسی طرح جب کسی بندے نے راستے میں لکڑی رکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد کوئی بندہ جان بوجھ کر وہاں سے گزرا ہے۔ تو اب پہلی ایسی زیادتی ہے جو سبب بننے والی ہے اور دوسری ایسی زیادتی ہے جو مباشرت ہے پس مباشر کی جانب اضافت کرنا بہتر ہے کیونکہ فاعل مختار کے عمل کا خلل انداز ہونا یہ تعلق کو توڑنے والا ہے۔ جس طرح کھودنے والے کے ساتھ مکمل کرنے والا ہوا کرتا ہے۔

اور جب کسی نے دوسرے شخص کے مکان سے ملحق جگہ پر کنواں کھودنے کے لیے کسی کو مزدور رکھا اور مزدور خود یہ جانتا تھا کہ یہ جگہ مستاجر کی نہیں ہے یا مستاجر نے مزدور کو بتا دیا تھا تو مزدور ضامن ہوگا اگر اس کنویں میں کوئی گر کر مر گیا اور اگر مزدور کو نہیں بتایا گیا اور وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ جگہ مستاجر کی نہیں ہے تو مستاجر ضامن ہو گیا۔ اور اگر مستاجر نے اپنے احاطہ سے ملحقہ اپنی زمین میں کنواں کھودنے پر مزدور رکھا اور اس کو یہ بتایا کہ اس جگہ کنواں کھودنے کا مجھے حق حاصل ہے۔ پھر اس کنویں میں کوئی شخص گر کر ہلاک ہو گیا تو مستاجر ضامن ہوگا۔ اور اگر مستاجر نے یہ کہا تھا کہ یہ جگہ میری ہے مگر مجھے کنواں کھودنے کا حق نہیں ہے تو بھی مستاجر ہی ضامن ہوگا۔ (عالمگیری ص46 ج6، درمختار و شامی ص524 ج5)

اور جب کسی نے مزدوروں کو سائبان یا چھجہ بنانے کے لیے مقرر کیا اگر اثنائے تعمیر میں عمارت کے گرنے سے کوئی ہلاک ہو گیا تو اس کا ضمان مزدوروں پر ہوگا اور ان سے دیت کفارہ اور وراثت سے محرومی لازم ہوگی اور اگر تعمیر سے فراغت کے بعد یہ صورت ہو تو مالک پر ضمان ہوگا۔ (عالمگیری از جوہرہ نیرہ ص41 ج6، مبسوط ص8 ج27، سراج الوہاج و بحر الرائق ص348 ج8، تبیین الحقائق ص144 ج6)

اور جب ان مزدوروں میں سے کسی کے ہاتھ سے اینٹ، پتھر یا لکڑی گر پڑی جس سے کوئی آدمی مر گیا تو جس کے ہاتھ سے گری ہے اس پر کفارہ اور اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے۔ (عالمگیری ص41 ج6)

اور جب کسی نے دیوار میں راستے کی طرف پرنالہ لگایا وہ کسی پر گرا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ اگر یہ معلوم ہے کہ دیوار میں گڑا ہوا حصہ لگ کر ہلاک ہوا تو ضمان نہیں ہے اور اگر بیرونی حصہ لگ کر ہلاک ہوا تو ضمان ہے اور اگر دونوں حصے لگ کر ہلاک ہوا تو نصف ضمان ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے تب بھی نصف ضمان ہے۔ (عالمگیری از محیط ص41 ج6، تبیین الحقائق ص143 ج6، مبسوط ص6 ج27،

،بحرالرائق ص 347 ج 8، قاضی خان علی الہندیہ ص 458 ج 3، در مختار و شامی ص 522 ج (5)

راستے سے اٹھائی ہوئی چیز کے گرنے کے سبب ہلاکت کا بیان

جب کسی بندے نے راستے سے کسی چیز کو اٹھایا ہے اور وہ چیز کسی آدمی پر گر گئی ہے۔ جس وہ ہلاک ہو گیا ہے۔ تو اٹھانے والا ضامن ہوگا۔ اور اسی طرح جب وہ چیز گری ہے اور کوئی بندہ اس سے پھسل گیا ہے اور اگر وہ چادر ہے جس کو کوئی اوڑھنے والا تھا اور اس کے بعد وہ چادر گری اور اس سے پھسل کر کوئی آدمی فوت ہو گیا ہے تو اوڑھنے والا ضامن نہ ہوگا۔ یہ لفظ دونوں احوال کو شامل ہے۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کسی چیز کو اٹھانے والا اس کی حفاظت کا ارادہ کرنے والا ہے۔ پس اس کو سلامتی کی حالت کے مقید کرنے میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے۔ جبکہ پہننے والا اس پہنی ہوئی چیز کا ارادہ کرنے والا نہیں ہے۔ پس ہمارے بیان کردہ وصف کے ساتھ اس کو مقید کرنے کی حالت میں حرج لازم آئے گا۔ پس اسی سبب سے ہم نے اس کو مطلق طور مباح قرار دے دیا ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب پہننے والے نے کوئی ایسی چیز پہنی ہوئی ہے جو عام طور پر نہیں پہنی جاتی تو وہ اٹھانے والے کی طرح ہوگا۔ کیونکہ ضرورت اس کے پہننے کی جانب بلانے والی نہیں ہے۔

مسجد میں لٹکائی گئی قندیل کے سبب ہلاکت ہو جانے کا بیان

جب کوئی مسجد کسی قوم کی ہے اور ان میں سے ایک بندے نے مسجد میں قندیل کو لٹکا دیا ہے یا اس کے اندر بوریے رکھ دیئے ہیں۔ یا پھر اس نے کنکری ڈال دی ہے۔ اور اس کے سبب سے کوئی بندہ ہلاک ہو گیا ہے تو جس بندے نے یہ کام کیا ہے وہ اس کا ضامن نہ ہوگا۔ اور جب یہ کام اس قوم کے سوا کسی دوسرے نے کیا ہے تو وہ ضامن بن جائے گا۔ مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ حکم امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ کام نیکیوں میں سے ہیں۔ اور نیکی کرنے کی اجازت ہر آدمی کے لئے عام ہے۔ پس اس کو سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہ کیا جائے گا۔ جس طرح اس صورت میں ہے کہ جب کام کرنے والے نے مسجد والوں کی اجازت کے ساتھ یہ کام کیا ہو۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ مسجد کے کاموں کے بارے میں انتظام کرنا یہ مسجد والوں کا کام ہے۔ اس کے سوا کسی کا کام نہیں ہے۔ جس طرح امام کا تقرر ہے، متولی کا انتخاب ہے۔ مسجد کا دروازہ کھولنا اور اس کو بند کرنا ہے اور دوبارہ جماعت کرانا ہے جب اہل محلہ سے پہلے جماعت ادا کر لی ہے۔ تو ان کام مطلق طور پر مباح ہے۔ اور وہ سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید بھی نہیں ہے۔ جبکہ ان کے سوا جب کسی نے ایسا کام کیا ہے تو یہ زیادتی میں شمار ہوگا۔ یا پھر اس قسم کا مباح بنے گا جس کو سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اور عبادات کا ارادہ یہ جرمانے کے منافی نہیں ہے۔ جب وہ طریقہ بھول جاتا ہے جس طرح کوئی شخص زنا کی گواہی میں اکیلا ہے اور جس مسئلہ کے بارے میں ہم بیان کر رہے ہیں اس کا طریقہ اہل مسجد سے اجازت طلب کرنا ہے۔

اور اہل مسجد نے بارش کا پانی جمع کرنے کے لیے مسجد میں کنواں کھدوایا، یا بڑا سا مٹکا رکھا یا یا چٹائی بچھائی یا دروازہ لگایا یا چھت

میں قندیل لٹکائی یا سائبان ڈالا اوران سے کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو اہل مسجد پر ضمان نہیں۔ اور اگر اہل محلہ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے یہ سب کام اہل محلہ کی اجازت سے کئے تھے اوران سے کوئی ہلاک ہو گیا تب بھی کسی پر کچھ نہیں۔ اور بغیر اجازت یہ کام کئے اور ان سے کوئی ہلاک ہو گیا تو کنواں اور سائبان کی صورت میں ضامن ہوں گے اور بقیہ صورتوں میں ضامن نہیں ہوں گے۔ (عالمگیری ص44 ج6، مبسوط ص24، ج27، شامی ص523 ج5، بحرالرائق ص352 ج8، خانیہ علی الھندیہ ص463 ج3)

بَابُ الْقَسَامَةِ

یہ باب قسامت کے بیان میں ہے

قسامت کے لغوی معنی ومفہوم کا بیان

قسامت ق کے زبر کے ساتھ قسم کے معنی میں ہے یعنی سوگند کھانا۔ شرعی اصطلاح میں "قسامت" کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی آبادی ومحلہ میں یا اس آبادی ومحلہ کے قریب میں کسی شخص کا قتل ہو جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو حکومت واقعات کی تحقیق کرے اگر قاتل کا پتہ چل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس آبادی یا محلہ کے باشندوں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے اس طرح کہ ان میں سے ہر آدمی یہ قسم کھائے کہ "خدا کی قسم! نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا مجھے علم ہے۔

مفہوم قسامت میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے جس کی بنیاد یہ مشہور حدیث ہے کہ (البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر) حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کے نزدیک "قسامت" کا مفہوم یہ ہے کہ جس آبادی ومحلہ میں یا جس آبادی ومحلہ کے قریب میں لاش پائی گئی ہے اگر اس کے باشندوں اور مقتول کے درمیان کوئی عداوت ودشمنی رہی ہو یا کوئی ایسی علامت پائی گئی ہو۔ جس سے یہ ظن غالب ہو کہ اس آبادی ومحلہ کے لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے جیسے اس آبادی یا محلہ میں لاش کا پایا جانا، تو مقتول کے وارثوں سے قسم لی جائے یعنی ان سے کہا جائے کہ وہ یہ قسم کھائیں کہ "خدا کی قسم! تم نے (یعنی اس آبادی یا محلہ کے لوگوں نے) اس کو قتل کیا ہے" اگر مقتول کے وارث یہ قسم کھانے سے انکار کر دیں تو پھر ان لوگوں سے قسم لی جائے جن پر قتل کا شبہ کیا گیا ہے" چنانچہ اس باب کی پہلی حدیث جو حضرت رافع سے منقول ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔

قسامت میں قصاص واجب نہیں ہوتا اگرچہ قتل عمد کا دعوی ہو بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے خواہ قتل عمد کا دعوی ہو یا قتل خطاء کا۔ لیکن حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر قتل عمد کا دعوی ہو تو پھر قصاص کا حکم نافذ کرنا چاہئے اور حضرت امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے۔

قسامت کے بارے میں ملحوظ رہنا چاہئے کہ قسامت کا یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو باقی رکھا اور اسی کے مطابق انصاریوں میں اس مقتول کا فیصلہ کیا جس کے قتل کا انہوں نے خیبر کے یہودیوں پر دعوی کیا تھا۔

قتل کا علم نہ ہونے کی صورت میں پچاس آدمیوں سے قسم لینے کا بیان

جب کوئی مقتول محلے میں پایا گیا ہے لیکن اس کے قاتل کا پتہ نہیں ہے تو ان پچاس بندوں سے قسم لی جائے گی جن کا انتخاب مقتول کا ولی کرے گا۔ اور وہ لوگ قسم اٹھائیں گے کہ بہ خدا ہم اس کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں اس کے قتل کا کوئی علم ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب وہاں پر کوئی قرینہ موجود ہے۔ تو اولیائے مقتول سے پچاس قسمیں لی جائیں گی۔ اور اس کے بعد ان پر مدعیٰ علیہ پر دیت کا فیصلہ کردیا جائے گا۔ اگر چہ وہ قتل عمد ہے یا قتل خطاء کا دعویٰ ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب قتل عمد کا دعویٰ ہے تو قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے دونوں اقوال میں سے ایک قول اسی طرح بھی ہے۔

حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ کے نزدیک لوث یہ ہے کہ وہاں پر کسی معین بندے پر قتل کی نشانی پائی جائے یا ظاہری حالت مدعی کے حق پر گواہ ہو۔ یعنی قاتل و مقتول میں ظاہری طور پر عدوات ہو۔ یا ایک عادل شخص کی گواہی ہے یا ایک غیر عادل جماعت کی اسی بات پر گواہی ہے۔ کہ اس کو اہل محلہ نے قتل کیا ہے۔ اور جب ظاہری حالت مدعی کے لئے گواہی نہ دے تو امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب بھی ہمارے مذہب کی طرح ہے۔ اور اس کے سواوہ قسم میں تکرار بھی نہیں کرتے بلکہ وہ اس کو ولی پر لوٹانے والے ہیں۔ ہاں البتہ جب اہل محلہ نے قسم اٹھالی ہے تو ان پر دیت واجب نہ ہوگی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک یمین کے ولی کا اولیائے مقتول سے قسم لینے کی ابتداء سے متعلق یہ حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں پچاس مرد اس بات کی قسم اٹھائیں کہ اہل محلہ نے اس کو قتل کیا ہے۔ کیونکہ قسم اس کے حق میں واجب ہوتی ہے جس کے حق میں ظاہری حالت گواہی دینے والی ہو۔ (قاعدہ فقہیہ) اسی دلیل کے سبب قابض پر قسم واجب ہوتی ہے اور جب ظاہری حالت ولی کے لئے گواہی دینے والا ہے تو اس سے قسم کی ابتداء کی جائے گی۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک مدعی پر قسم کو لوٹانا ہے۔ جس طرح انکار کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ اور یہ تو اس طرح کی دلالت ہے کہ جس میں ایک طرح کا شبہ ہے اور شبہ کے ساتھ قصاص جمع ہونے والا نہیں ہے۔ جبکہ مال شبہ کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ اسی لئے دیت واجب ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے انکاری پر قسم واجب ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق مدعی علیہ ہے اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے قسامت کا آغاز کیا ہے۔ اور ان کے درمیان مقتول کے پائے جانے کے سبب ان پر دیت لازم کی ہے۔ کیونکہ قسم یہ دینے کے لئے دلیل ہے استحقاق کے لئے دلیل نہیں ہے۔ اور ولی کا استحقاق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی دلیل کے سبب مدعی اپنی قسم سے مال خرچ کرنے کا حقدار نہیں ہوتا۔ پس قسم کے ذریعے وہ محترم جان میں بدرجہ اتم حقدار نہ ہوگا۔

حضرت امام قدوری علیہ الرحمہ کے قول "یَتَخَیَّرُهُمُ الْوَلِیُّ" سے اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ پچاس بندوں کو معین کرنے کا اختیار ولی کے لئے ہے۔ کیونکہ قسم اسی کا حق ہے۔ اور ظاہر بھی یہی ہے کہ ولی اسی کا انتخاب کرے گا۔ جس کو وہ قتل کے تہمت زدہ پائے گا یا وہ محلے کے شریف لوگوں کا انتخاب کرے گا۔ کیونکہ وہ لوگ ممکن حد تک جھوٹی قسم سے بچنے والے ہیں۔ پس

قاتل ظاہر ہو جائے گا۔ اور قسم کا فائدہ انکار ہے۔ اور جب اہل محلہ اس کے قاتل نہیں ہیں لیکن وہ قاتل کو جانتے ہیں تو ان کے اس علم پر نیک بندے کی قسم برے بندے کی قسم سے زیادہ فائدے مند ہے۔ اور جب اولیاء نے نابینا یا حد قذف والے کا انتخاب کیا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ قسم ہے یہ شہادت نہیں ہے۔ (ہدایہ، کتاب القسامہ، لاہور)

پچاس آدمیوں سے قسم لینے کا بیان

حضرت رافع ابن خدیج کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص (یعنی عبداللہ ابن سہل) خیبر میں قتل کر دیئے گئے چنانچہ ان کے ورثاء (یعنی ان کے بیٹے اور چچازاد بھائی) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان) سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے مقتول کے بارے میں گواہی دیں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہاں کوئی مسلمان تو موجود نہیں تھا البتہ یہود تھے (جو ظلم کرنے، فتنہ وفساد پھیلانے اور حیلہ گری میں بہت مشہور ہیں) وہ تو اس سے بھی بڑے کام کی جرأت رکھتے ہیں (جیسے انبیاء کو قتل کر دینا، کلام اللہ میں تحریف کرنا اور احکام خداوندی سے صریحا سرکشی کرنا) آپ نے فرمایا "اچھا تو ان میں پچاس آدمیوں کو منتخب کر لو اور ان سے قسمیں لو" لیکن مقتول کے ورثاء نے یہودیوں سے قسم لینے سے انکار کر دیا (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اتنے مکار ہیں کہ جھوٹی قسمیں کھالیں گے) چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقتول کا خون بہا اپنے پاس سے دے دیا۔ (ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 688)

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مفہوم حنفیہ کے اس مسلک کی واضح دلیل ہے کہ قسامت میں پہلے مدعا علیہ سے قسم لینی چاہئے۔

ملا علی قاری نے اس موقع پر تمام ائمہ کے مسلک کو نقل کرنے کے بعد حنیفہ ملک کے دلائل بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

پہلے اولیائے مقتول سے قسم لینے کا بیان

حضرت سہل بن ابی حثمہ کو خبر دی کچھ لوگوں نے جو اپنی قوم کے معزز تھے کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ فقر اور افلاس کی وجہ سے خیبر کو گئے محیصہ کے پاس ایک شخص آیا اور بیان کیا کہ عبداللہ بن سہل کو کسی نے قتل کر کے کنوئیں میں یا چشمے میں ڈال دیا ہے محیصہ یہ سن کر خیبر کے یہودیوں کے پاس آئے اور کہا قسم خدا کی تم نے اس کو قتل کیا ہے یہودیوں نے کہا قسم خدا کی ہم نے قتل نہیں کیا اس کو، پھر محیصہ اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے بیان کیا بعد اس کے محیصہ اور ان کے بھائی حویصہ جو محیصہ سے بڑے تھے۔

اور عبدالرحمن بن سہل (جو عبداللہ بن سہل مقتول کے بھائی تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے محیصہ نے چاہا کہ میں بات کروں کیونکہ وہی خیبر کو گئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بزرگی کی رعایت کر۔ حویصہ نے پہلے بیان کیا پھر محیصہ نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یہودی تمہارے قتل کی دیت دیں یا جنگ کریں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو اس بارے میں لکھا انہوں نے جواب میں لکھا کہ قسم خدا کی ہم نے اس کو قتل نہیں کیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویصہ اور محیصہ اور عبدالرحمن سے کہا تم قسم کھاؤ کہ یہودیوں نے اس کو مارا ہے تو دیت کے حقدار ہو گے انہوں نے کہا ہم قسم نہ کھائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اگر یہودی قسم کھالیں کہ ہم نے نہیں مارا انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ مسلمان نہیں ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے دیت ادا کی سہل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس سواونٹ بھیجے ان کے گھروں پر ان میں سے ایک سرخ اونٹنی نے مجھے لات ماری تھی۔

(موطا امام مالک: جلد اول۔رقم الحدیث، 1455)

پچاس قسموں کو پورا کرنے میں فقہی تصریحات کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ بشیر بن یسار سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سہل انصاری اور محیصہ بن مسعود خیبر کو گئے اور عبداللہ بن سہل کو کسی نے مار ڈالا تو محیصہ اور ان کے بھائی حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو عبدالرحمٰن نے بات کرنی چاہی اپنے بھائی کے مقدمے میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بزرگی کی رعایت کر تو حویصہ اور محیصہ نے قصہ بیان کیا عبداللہ بن سہل کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پچاس قسمیں کھاتے ہو (اس بات پر کہ فلاں شخص نے اس کو مار ڈالا ہے) اگر کھاؤ گے تو خون کا استحقاق (یا قاتل کا استحاق؟) تمہیں حاصل ہوگا انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہم کیونکر کھائیں) ہم اس وقت موجود نہ تھے نہ ہم نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یہودی پچاس قسمیں کھا کر بری ہو جائیں گے انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وہ کافر ہیں ان کی قسمیں ہم کیونکر قبول کریں گے بشیر بن یسار نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے دیت ادا کی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اتفاقی ہے اور میں نے بہت سے اچھے عالموں سے سنا ہے اور اس پر اتفاق کیا ہے۔ اگلے اور پچھلے علماء نے کہا قسامت میں پہلے مدعیوں سے قسم لی جائے گی وہ قسم کھائیں (اگر وہ قسم نہ کھائیں تو مدعیٰ علیہم سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھالیں گے تو بری ہو جائیں گے) اور قسامت دو امروں میں ایک امر سے لازم ہوتی ہے یا تو مقتول خود کہے مجھ کو فلانے نے مارا ہے (اور گواہ نہ ہوں) یا مقتول کے وارث کسی پر اپنا اشتباہ ظاہر کریں اور گواہی کامل نہ ہو تو انہیں دو وجہوں سے قسامت لازم آئے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس سنت میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ پہلے قسم ان لوگوں سے لی جائے گی جو خون کے مدعی ہوں۔ خواہ قتل عمد ہو یا قتل خطا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی حارث سے جن کا عزیز خیبر میں مارا گیا تھا پہلے قسم کھانے کو فرمایا تھا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مدعی قسم کھالیں تو ان کے خون کا مدعیوں سے پچاس قسمیں لی جائیں گی جب وہ پچاس آدمی ہوں تو ہر ایک سے ایک ایک قسم لی جائے گی اور پچاس سے کم ہوں یا بعض ان میں سے قسم کھانے سے انکار کریں تو مکرر قسمیں لے کر قسمیں پچاس پوری کریں گے مگر جب مقتول کے وارثوں میں جن کو عفو کا اختیار ہے کوئی قسم کھانے سے انکار کرے گا تو پھر قصاص لازم نہ ہوگا بلکہ جب ان لوگوں میں جن کو عفو کا اختیار نہیں کوئی قسم کھانے سے انکار کرے تو باقی لوگوں سے قسم لیں گے اور جن کو عفو کا اختیار ہے ان میں سے اگر کوئی ایک بھی قسم کھانے سے انکار کرے تو باقی وارثوں کو بھی قسم نہ دیں گے۔ بلکہ اس صورت میں مدعیٰ علیہم کو قسم دیں گے ان میں سے پچاس آدمیوں کو پچاس قسمیں دیں گے اگر پچاس سے کم ہوں تو مکرر کر کے پچاس پوری کریں

کے اگر مدعی علیہ ایک ہی ہو تو اس سے پچاس قسمیں لیں گے: یہ پچاس قسمیں کھانے کا بری ہو جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک قوم کی قوم لوگوں میں بہت آدمی ہوں خون کی تہمت لگے اور مقتول کے وارث ان سے قسم لینا چاہیں تو ہر شخص ان میں سے پچاس پچاس قسمیں کھائے گا یہ نہ ہوگا کہ پچاس قسمیں سب پر تقسیم ہو جائیں یہ میں نے اچھا سنا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قسامت مقتول کی عصبات کی طرف ہوگی جو خون کے مالک ہیں انہی کو قسم دی جاتی ہے اور انہی کی قسم کھانے سے قصاص لیا جاتا ہے۔ (موطا امام مالک جلد اول رقم الحدیث 1456)

2677 - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ حَدَّثَنِي أَبُو لَيْلَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْلٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ رِجَالٍ مِنْ كُبَرَاءِ قَوْمِهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ فَأَتَى مُحَيِّصَةُ فَأَخْبَرَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ قَدْ قُتِلَ وَأُلْقِيَ فِي فَقِيرٍ أَوْ عَيْنٍ بِخَيْبَرَ فَأَتَى يَهُودَ فَقَالَ أَنْتُمْ وَاللَّهِ قَتَلْتُمُوهُ قَالُوا وَاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى قَدِمَ عَلَى قَوْمِهِ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُمْ ثُمَّ أَقْبَلَ هُوَ وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ ابْنُ سَهْلٍ فَذَهَبَ مُحَيِّصَةُ يَتَكَلَّمُ وَهُوَ الَّذِي كَانَ بِخَيْبَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُحَيِّصَةَ كَبِّرْ كَبِّرْ يُرِيدُ السِّنَّ فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَيِّصَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِمَّا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ وَإِمَّا أَنْ يُؤْذَنُوا بِحَرْبٍ فَكَتَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فِي ذَلِكَ فَكَتَبُوا إِنَّا وَاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحُوَيِّصَةَ وَمُحَيِّصَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ تَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ قَالُوا لَا قَالَ فَتَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ قَالُوا لَيْسُوا بِمُسْلِمِينَ فَوَدَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةَ نَاقَةٍ حَتَّى أُدْخِلَتْ عَلَيْهِمُ الدَّارَ فَقَالَ سَهْلٌ فَلَقَدْ رَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ حَمْرَاءُ

حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ان کی قوم کے عمر رسیدہ افراد نے انہیں یہ بتایا کہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اور حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کسی ضروری کام کی وجہ سے خیبر گئے پھر حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے انہیں ایک گڑھے یا چشمے میں پھینک دیا گیا ہے۔ حضرت محیصہ یہودیوں کے پاس آئے اور بولے: اللہ کی قسم! تم لوگوں نے اسے قتل کیا ہے۔ یہودیوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے انہیں قتل نہیں کیا پھر حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس آئے ان لوگوں کے

2677: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2702' ورقم الحدیث: 3173' ورقم الحدیث: 6143' ورقم الحدیث: 2898' ورقم الحدیث: 7192' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4318' ورقم الحدیث: 4319' ورقم الحدیث: 4320' ورقم الحدیث: 4321' ورقم الحدیث: 4322' ورقم الحدیث: 4323' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4520' ورقم الحدیث: 4521' ورقم الحدیث: 4523' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1422' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4724' ورقم الحدیث: 4725' ورقم الحدیث: 4726' ورقم الحدیث: 4727' ورقم الحدیث: 4728' ورقم الحدیث: 4729' ورقم الحدیث: 4730' ورقم الحدیث: 4731' ورقم الحدیث: 4732' ورقم الحدیث: 4733

سامنے اس بات کا تذکرہ کیا پھر وہ اور ان کے بھائی حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ جو عمر میں ان سے بڑے تھے اور عبدالرحمان بن سہل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ گفتگو شروع کرنے لگے کیونکہ وہی خیبر میں موجود تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا پہلے بڑے کو موقع دو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ جو شخص عمر میں بڑا ہے (وہ پہلے بات کرے) تو حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی پھر حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے کلام کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یا تو وہ تمہارے ساتھی کی دیت دیں گے یا پھر وہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو خط لکھا تو انہوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم نے انہیں قتل نہیں کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ اور حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا تم لوگ قسم اٹھا کر اپنے ساتھی کے خون کے مستحق بن جاؤ گے؟ ان لوگوں نے جواب دیا: جی نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر یہودی قسم اٹھالیں گے ان لوگوں نے عرض کی: وہ لوگ مسلمان نہیں ہیں (راوی کہتے ہیں:) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے انہیں دیت ادا کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک سو اونٹنیاں بھجوائیں وہ ان کے گھر آ گئیں۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ان میں سے ایک اونٹنی نے مجھے ٹانگ بھی ماری تھی۔

2678- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ خَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ حُوَيِّصَةَ وَمُحَيِّصَةَ ابْنَیْ مَسْعُوْدٍ وَّعَبْدَ اللّٰهِ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَیْ سَهْلٍ خَرَجُوْا يَمْتَارُوْنَ بِخَيْبَرَ فَعُدِیَ عَلٰی عَبْدِ اللّٰهِ فَقُتِلَ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تُقْسِمُوْنَ وَتَسْتَحِقُّوْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ نُقْسِمُ وَلَمْ نَشْهَدْ قَالَ فَتُبَرِّئُكُمْ يَهُوْدُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا تَقْتُلَنَا قَالَ فَوَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ

عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: حویصہ اور محیصہ جو مسعود کے صاحبزادے ہیں، اور عبداللہ اور عبدالرحمٰن جو سہل کے صاحبزادے ہیں، یہ لوگ خیبر چلے گئے، وہاں عبداللہ پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا گیا، جب اس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم لوگ قسم اٹھا کر مستحق بن جاؤ گے؟''

انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کیسے قسم اٹھا سکتے ہیں؟ جبکہ ہم وہاں موجود ہی نہیں تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پھر یہودی تم سے بری الذمہ ہو جائیں گے''۔

انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس طرح تو وہ ہمیں مار دیں گے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنی طرف سے ان کی دیت ادا کی۔

اہل محلہ پر قسم کے سبب وجوب دیت کا بیان

جب اہل محلہ نے قسم اٹھالی ہے تو ان پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور ولی سے قسم نہ لی جائے گی۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ

2678 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

نے کہا ہے کہ دیت واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہود اپنی قسموں کے سبب تم سے بری ہو جائیں گے۔ کیونکہ شریعت کے مطابق قسم مدعیٰ علیہ کو بری کرنے والی ہو کر مشروع ہوئی ہے۔ اور اس پر کوئی چیز لازم کرنے والی نہیں ہے۔ جس طرح تمام دعویٰ جات میں اسی طرح ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہل اور زیاد بن ابو مریم رضی اللہ عنہما کی احادیث میں قبیلہ وادعہ پر دیت اور قسامت کے درمیان جمع کیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اقدس کہ یہود تم سے بری ہو جائیں گے۔ یہ قصاص اور قید سے بری کرنے پر محمول ہے۔ اور جو قسم ہے یہ کسی شخص پر واجب ہونے والے معاملے سے بری کرنے والی ہے۔ جبکہ قسامت اس طرح مشروع نہیں ہوئی۔ بلکہ اہل محلہ کے انکار کے بعد دیت واجب ہوئی ہے۔ بلکہ وہ اس سبب سے مشروع ہوئی ہے کہ اہل محلہ کی جھوٹی قسم سے بچتے ہوئے قصاص کے سبب کو ظاہر کیا جائے۔ کہ وہ قتل کا اقرار کریں اور جب انہوں نے قسم اٹھالی ہے۔ تو قصاص سے بری ہونا یہ ظاہر ہو جائے گا۔

اور جو دیت ہے وہ ایسے قتل سے واجب ہوتی ہے جو ظاہری طور پر ان کی جانب سے پایا جائے۔ یا مقتول ان کے درمیان میں پایا جائے۔ جبکہ انکار اور ان کی جانب سے حفاظت میں سستی کے سبب دیت واجب نہیں ہوتی۔ جس طرح قتل خطاء میں ہوتا ہے۔

(ہدایہ)

مسئلہ قسامت میں بحث ومباحثہ کا بیان

ابو رجاء جو آل ابی قلابہ سے تھے، ابو قلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن تخت پر عمر بن عبدالعزیز بیٹھے ہوئے تھے اور لوگوں کو اذن عام دیا کہ اندر آئیں جب لوگ آئے تو کہا کہ تم قسامہ کے متعلق کیا کہتے ہو، لوگوں نے کہا کہ قسامہ کے متعلق ہمارا یہ خیال ہے کہ اس کے ذریعہ قصاص لینا حق ہے اور خلفاء نے بھی اس کے ذریعہ قصاص لیا ہے پھر مجھ سے کہا کہ اے ابو قلابہ تم کیا کہتے ہو؟ اور مجھے لوگوں کے سامنے کھڑا کیا، میں نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ کے پاس عرب کے شرفاء اور سردار موجود ہیں، اگر ان میں سے پچاس آدمی دمشق کے شادی شدہ آدمی کے متعلق گواہی دیں کہ اس نے زنا کیا ہے لیکن دیکھا نہیں تو کیا اسے سنگسار کر دیا جائے گا،

انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، میں نے کہا کہ اگر ان میں سے پچاس آدمی حمص کے ایک آدمی کے متعلق گواہی دیں کہ اس نے چوری کی تو کیا آپ اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے جب کہ کسی نے دیکھا نہیں، انہوں نے کہا نہیں، میں نے کہا بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجز تین حالتوں کے کسی اور حالت میں کسی کو قتل نہیں کیا، ایک وہ جو قصاص میں قتل کیا گیا، جس نے شادی شدہ ہو کر زنا کیا، یا وہ جس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی، اور اسلام سے پھر گیا، کچھ لوگوں نے کہا کیا انس بن مالک نے یہ بیان نہیں کیا کہ آپ نے چوری میں ہاتھ کاٹا ہے اور آنکھیں پھڑوا دی ہیں، پھر انہیں دھوپ میں ڈال دیا؟ میں نے کہا میں تم سے انس کی حدیث بیان کرتا ہوں مجھ سے انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اسلام کی بیعت کی، زمین انہیں راس نہ آئی اور ان کے جسم مریض ہو گئے تو انہوں نے آپ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ہمارے چرواہے

کے پاس اونٹوں میں کیوں نہیں جاتے کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیو، ان لوگوں نے کہا کہ ضرور، چنانچہ وہ لوگ گئے اور انہوں نے اونٹوں کا پیشاب اور ان کا دودھ پیا، اور تندرست ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر کے اور جانور لے کر بھاگ گئے، یہ خبر آپ کو پہنچی تو ان کے پیچھے آپ نے آدمی بھیجے جو انہیں پکڑ کر لائے، آپ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں اور انہیں دھوپ میں ڈال دیا جائے، اور ان کی آنکھیں پھوڑ دادی جائیں، یہاں تک کہ وہ مر گئے، میں نے کہا اس سے زیادہ سخت کوئی چیز نہیں جو انہوں نے کی تھی کہ دین اسلام سے پھر گئے، قتل کیا اور چوری کی، عنبہ نے کہا کہ بخدا میں نے آج کی طرح کبھی نہیں سنا، ابوقلابہ کا بیان ہے میں نے کہا اے عنبہ تو میری حدیث کو رد کرتا ہے، عنبہ نے کہا کہ نہیں بلکہ تم نے حدیث کو اس طرح بیان کیا ہے جو حقیقت میں ہے۔ بخدا جب تک یہ بوڑھا ان (شامیوں) میں زندہ ہے یہ لوگ بھلائی کے ساتھ ہوں گے، میں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت یہ ہے کہ آپ کے پاس انصار کے کچھ لوگ آئے آپ سے گفتگو کی، پھر ان میں ایک شخص باہر نکلا اور وہ قتل کر دیا گیا،

اس کے بعد یہ لوگ باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کا ساتھی خون میں تڑپ رہا ہے، وہ لوگ لوٹ کر آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا جو ساتھی ہمارے ساتھ گفتگو کر رہا تھا وہ یہاں سے اٹھ کر باہر نکلا، اب ہم نے اسے دیکھا کہ وہ خون میں تڑپ رہا ہے، یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، اور فرمایا کہ کس کے متعلق تم گمان کرتے ہو، یا فرمایا کہ کس کے متعلق تمہارا خیال ہے، کہ اسے قتل کیا ہے، آپ نے یہود کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ تم نے اس آدمی کو قتل کیا، انہوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی ہو کہ یہود میں سے پچاس آدمی اس کی قسم کھائیں کہ ان لوگوں نے اس کو قتل نہیں کیا انہوں نے کہا کہ یہود اگر ہم سب کو قتل کر دیں تو پھر بھی قسم کھا لیتے ہیں ان کو باک نہ ہوگا، آپ نے فرمایا کہ پھر تم لوگ پچاس قسمیں کھا کر دیت کے مستحق ہو جاؤ، ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو قسم نہیں کھاتے، چنانچہ آپ نے ان کی طرف سے اپنا خون بہا ادا کر دیا، ابوقلابہ کہتے ہیں میں نے کہا ہذیل کے لوگوں نے ایک شخص کو زمانہ جاہلیت میں سے اپنے الگ کو دیا تھا، وہ مقام بطحاء میں کسی یمنی کے گھر اترا یمن والوں میں سے کسی کو خبر ہوئی تو اس پر تلوار سے حملہ کر کے اس کو قتل کر ڈالا، ہذیل کے لوگ آئے اور اس یمنی کو پکڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حج کے زمانہ میں لے گئے اور ان لوگوں نے کہا اس نے ہمارے ساتھی کو قتل کیا ہے،

اس یمنی نے کہا کہ ہذیلوں نے اس کو چھوڑ دیا، حضرت عمر نے کہا کہ ہذیلوں میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ انہوں نے اس کو نہیں چھوڑا، انچاس آدمیوں نے انہیں میں سے قسم کھائی، انہی لوگوں میں سے ایک شخص ملک شام سے آیا تھا، جس سے ان لوگوں نے قسم کھانے کو کہا، اس نے ایک ہزار درہم دے کر قسم کھانے سے معافی لے لی تو ان لوگوں نے ایک دوسرے آدمی کو اس کی جگہ پر شامل کر لیا، اور مقتول کے بھائی کے پاس لے جا کر اس کا ہاتھ اس سے ملوا دیا، لوگوں نے کہا کہ وہ دونوں اور پچاس آدمی بھی چلے جنہوں نے قسم کھائی تھی، یہاں تک کہ وہ لوگ مقام نخلہ میں پہنچے تو ان لوگوں کو بارش نے آ گھیرا،

وہ لوگ پہاڑ کی ایک غار میں جا گھسے غار ان پچاس آدمیوں پر دھنس گیا جنہوں نے قسم کھائی تھی، چنانچہ وہ لوگ مر گئے اور وہ دونوں ہاتھ ملانے والے باقی بچ گئے اور ان دونوں کو ایک پتھر آ کر لگا جس سے مقتول کے بھائی کا پاؤں ٹوٹ گیا، وہ ایک سال زندہ

رہا مگر مرگیا، ابو قلابہ کا بیان ہے کہ میں کہتا ہوں کہ عبد الملک بن مروان نے ایک شخص کو قسامہ کی بناء پر قصاص دلوایا، پھر اپنی اس حرکت پر پشیمان ہوا، چنانچہ پچاس قسم کھانے والوں کے متعلق حکم دیا گیا تو ان لوگوں کا نام دفتر سے کاٹ دیا گیا اور انکو شہر بدر کر دیا گیا۔ (صحیح بخاری جلد سوم رقم الحدیث،1808)

عورت و غیر اہل پر قسامت نہ ہونے میں فقہی تصریحات کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ قسامت میں عورتوں سے قسم نہ لی جائے گا اور جو مقتول کی وارث صرف عورتیں ہوں تو ان کو قتل عمد میں نہ قسامت کا اختیار ہوگا نہ عفو کا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ایک شخص عمداً مارا گیا اس کے عصبہ یا موالی نے کہا کہ ہم قسم کھا کر قصاص لیں گے تو ہوسکتا ہے اگر چہ عورتیں معاف کر دیں تو ان سے کچھ نہ ہوگا بلکہ عصبے یا موالی ان سے زیادہ مستحق ہیں خون کے کیونکہ وہی قسم اٹھائیں گے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ البتہ عصبات یا موالی نے خون معاف کر دیا بعد حلف اٹھا لینے کے اور خون کے مستحق ہو جانے کے اور عورتوں نے عفو سے انکار کیا تو عورتوں کو قصاص لینے کا استحقاق ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قتل عمد میں کم سے کم دو مدعیوں سے قسم لینا ضروری ہے انہیں سے پچاس قسمیں لے کر قصاص کا حکم کر دیں گے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کئی آدمی مل کر ایک آدمی کو مار ڈالیں اس طرح کہ وہ سب کی ضربوں سے اسی وقت مرے تو سب قصاصاً قتل کیے جائیں گے اور جو بعد کئی دن کے مرے تو قسامت واجب ہوگی اس صورت میں قسامت کی وجہ سے صرف ایک شخص ان لوگوں میں سے قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ ہمیشہ قسامت سے ایک ہی شخص مارا جاتا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قتل خطاء میں بھی پہلی قسم خون کے مدعیوں پر ہوگی وہ پچاس قسمیں کھائیں گے اپنی حصے کے موافق ترکے میں سے اگر قسموں میں کسر پڑے تو جس وارث پر کسر کا زیادہ حصہ آئے وہ پوری قسم اس کے حصے میں رکھی جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مقتول کی وارث صرف عورتیں ہوں تو وہی حلف اٹھا کے دیت لیں گی اور اگر مقتول کا وارث ایک ہی مرد ہو تو اسی کو پچاس قسمیں دیں گے اور وہ پچاس قسمیں کھا کر دیت لے لے گا یہ حکم قتل خطا میں ہے نہ کہ قتل عمد میں۔ (موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1457)

عمد و خطاء کسی میں بھی غلام میں قسامت نہ ہونے کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم ہے کہ جب غلام قصداً یا خطاء مارا جائے پھر اس کا مولی ایک ایک گواہ لے کر آئے تو وہ اپنے گواہ کے ساتھ ایک قسم کھائے بعد اس کے اپنے غلام کی قیمت لے لے غلام میں قسامت نہیں ہے نہ

عمد میں نہ خطا میں اور میں نے کسی اہل علم سے نہیں سنا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر غلام عمداً یا خطاء مارا گیا تو اسکے مولی پر نہ قسامت ہے نہ قسم ہے اور مولی کو قیمت کا اس وقت استحقاق ہوگا جب کہ وہ گواہ عادل لائے دو یا ایک لائے اور ایک قسم کھائے میں نے یہ اچھا سنا۔

(موطا امام مالک: جلد اول: رقم الحدیث، 1459)

بَاب مَنْ مَثَّلَ بِعَبْدِهِ فَهُوَ حُرٌّ

یہ باب ہے کہ جو شخص اپنے غلام کا مثلہ کردے تو وہ غلام آزاد ہوگا

2679 - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ عَنْ إِسْحَقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ رَوْحِ بْنِ زِنْبَاعٍ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَخْصَى غُلَامًا لَهُ فَأَعْتَقَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُثْلَةِ

◄◄ سلمہ بن روح اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے اپنے غلام کو خصی کر دیا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثلہ کی وجہ سے اس غلام کو آزاد کر دیا۔

مثلہ کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ بن یزید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹنے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: حدیث نمبر 164)

کسی مسلمان کا مال لوٹنا حرام ہے لیکن اس کا یہ مطلب قطعا نہیں ہے کہ غیر مسلم کا مال لوٹنا حرام نہیں ہے بلکہ مقصد تو صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مسلمان بھائیوں کے مال کو ناحق طور پر اور زور زبردستی سے لوٹ مار لیں کیونکہ اس کا تعلق صرف حقوق العباد کی پامالی ہی سے نہیں ہے بلکہ معاشرہ اور سوسائٹی کے امن وسکون کی مکمل تباہی سے بھی ہے لہٰذا امن وسلامتی کے سرچشمہ اسلام کا تابعدار ہونے کے ناطے ایک مسلمان پر یہ ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے معاشرہ اپنی قوم اور اپنے ملک کے نظام امن وامان کو درہم برہم ہونے اور لاقانونیت پھیلنے سے بچائے جس کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ دوسرے کے مال دوسرے کی جائیداد اور دوسرے کے حقوق کی پامالی اور لوٹ مار کو اسی طرح ناقابل برداشت سمجھا جائے جس طرح اپنے مال اپنی جائیداد اور اپنے حقوق پر کسی کی دست درازی قطعا برداشت نہیں ہوسکتی۔ مثلہ جسم کے کسی عضو مثلا ناک اور کان وغیرہ کاٹ ڈالنے کو کہتے ہیں اسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس طرح اللہ کی تخلیق میں بگاڑ اور بدنمائی پیدا کرنا لازم آتا ہے۔

2680 - حَدَّثَنَا رَجَاءُ بْنُ الْمُرَجَّى السَّمَرْقَنْدِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَمْزَةَ الصَّيْرَفِيُّ

2679 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَارِخًا فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكَ قَالَ سَيِّدِي رَآنِي اُقَبِّلُ جَارِيَةً لَهُ فَجَبَّ مَذَاكِيرِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ بِالرَّجُلِ فَطُلِبَ فَلَمْ يُقْدَرْ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذْهَبْ فَاَنْتَ حُرٌّ قَالَ عَلَى مَنْ نُصْرَتِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ يَقُولُ اَرَاَيْتَ اِنِ اسْتَرَقَّنِي مَوْلَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ اَوْ مُسْلِمٍ

◄◄► عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک شخص بلند آواز میں چیختا ہوا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میرے آقا نے مجھے دیکھا کہ میں اس کی کنیز کو بوسہ دے رہا تھا تو اس نے میری شرمگاہ کو کاٹ دیا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اس آدمی کو میرے پاس لے کر آؤ''۔

اس شخص کو تلاش کیا گیا' لیکن وہ نہیں مل سکا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تم جاؤ تم آزاد ہو''۔

وہ شخص بولا یا رسول اللہ ﷺ! میری مدد کرنا کس پر لازم ہوگا، راوی کہتے ہیں: اس کی مراد یہ تھی کہ اگر میرا آقا مجھے اپنا غلام رکھنا چاہے' تو اس کے بارے میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہوگی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ہر مومن پر (راوی کو شک ہے کہ شاید یہ الفاظ ہیں) ہر مسلمان پر (تمہاری مدد کرنا لازم ہے)''

بَاب اَعَفُّ النَّاسِ قِتْلَةً اَهْلُ الْاِيمَانِ

یہ باب ہے کہ اہل ایمان' قتل سے سب سے زیادہ بچنے والے ہیں

2681- حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ شِبَاكٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَعَفِّ النَّاسِ قِتْلَةً اَهْلَ الْاِيمَانِ

◄◄► حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''بے شک اہل ایمان' قتل سے سب سے زیادہ بچنے والے ہیں''۔

2682- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ شِبَاكٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ هُنَيِّ بْنِ نُوَيْرَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعَفَّ النَّاسِ قِتْلَةً اَهْلُ الْاِيمَانِ

2680 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4519

2681. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2682. اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2666

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
''بے شک اہل ایمان قتل سے سب سے زیادہ بچنے والے ہیں''۔

بَاب الْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ

یہ باب ہے کہ تمام مسلمانوں کا خون برابر کی حیثیت رکھتا ہے

2683- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى الصَّنْعَانِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حَنَشٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ يَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ وَيُرَدُّ عَلٰى اَقْصَاهُمْ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:
''تمام مسلمانوں کا خون برابر کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ اپنے علاوہ سب کے لیے ایک ہاتھ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی دی ہوئی پناہ کے بارے میں ان کا کم ترین فرد بھی کوشش کرے گا اور اسے ان کے دور والے شخص کی طرف بھی لوٹایا جائے گا''۔

شرح

انسانی حقوق کے بارے میں اسلام کا تصور بنیادی طور پر بنی نوع انسان کے احترام، وقار اور مساوات پر مبنی ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے اللہ رب العزت نے نوع انسانی کو دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت و تکریم عطا کی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً ۔

اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنا دیا۔ (بنی اسرائیل، 70:17)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد ولا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی احمر الا بالتقوی۔

اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ کسی عربی کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے۔ سوائے تقویٰ

2683 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کے۔ 1۔ طبرانی، المعجم الاوسط، 86:5، رقم: 4749، 2۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، باب الفضل لأحد علی احد الا بالتقوی، 84:8

اس طرح اسلام نے تمام قسم کے امتیازات اور ذات پات، نسل، رنگ، جنس، زبان، حسب ونسب اور مال و دولت پر مبنی تعصبات کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دیا خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، سفید ہوں یا سیاہ، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، مرد ہو یا عورت اور چاہے وہ کسی بھی لسانی یا جغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ حقوقِ انسانی کا اولین اور ابدی منشور ہے جو کسی وقتی سیاسی مصلحت یا عارضی مقصد کے حصول کے لئے نہیں بلکہ عالم ارضی میں اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنی نوعِ انسان کی فلاح کے لئے جاری کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کو حقوق انسانی سے متعلق دیگر تمام دستاویزات پر فوقیت اور اولیت حاصل ہے۔ جو آج تک انسانی شعور نے تشکیل دیں، خطبہ حجۃ الوداع انسان کے انفرادی، اجتماعی، قانونی، معاشی، قومی اور بین الاقوامی تمام حقوق کا احاطہ کرتا ہے۔

تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔ اے لوگو! سنو تمہارا رب ایک رب ہے، کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت ہے۔ نہ کوئی کالا کسی گورے سے بہتر ہے اور نہ گورا کالے سے۔ فضیلت صرف اور صرف تقویٰ کے سبب ہے۔

یہ بات معلوم و معروف ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہر قسم کی نسل پرستی سے پاک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے لوگوں کے مشورے کے باوجود اپنے بیٹے یا قبیلے کے کسی اور شخص کو خلیفہ نامزد نہ کیا۔ اس کی خواہش بھی اگر ظاہر کی تو ایک جلیل القدر صحابہ سیدنا ابوعبیدہ یا ایک آزاد کردہ غلام سالم مولی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہم کے لئے۔

اس کردار کے مالک خلیفہ سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ آپ غلامی کے خاتمے کے لئے عرب وعجم میں فرق کریں گے۔ تاریخ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عرب میں اسلام کا اقتدار بالکل مستحکم ہو چکا تھا، اس وجہ سے آپ نے غلامی کے خاتمے کے لئے اپنی اصلاحات کا آغاز عرب سے کیا۔ اگر آپ کو مزید مہلت مل جاتی تو عجمی غلاموں کے بارے میں بھی آپ اسی قسم کا فیصلہ کر کے غلامی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اپنی ذاتی استعداد میں آپ نے بے شمار عجمی غلاموں کو آزاد فرمایا حتی کہ اپنی وفات کے وقت تمام آپ نے تمام عجمی غلاموں کو آزاد فرما دیا جن میں بہت سے غیر مسلم بھی شامل تھے۔ اس معاملے میں عربی اور عجمی غلام میں کوئی فرق نہیں تھا۔

2684 - حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعِيْدٍ الْجَوْهَرِيُّ حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ اَبُوْ ضَمْرَةَ عَنْ عَبْدِ السَّلَامِ بْنِ اَبِى الْجَنُوْبِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ مَّعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُوْنَ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ وَتَتَكَافَاُ دِمَاؤُهُمْ

◆◆ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

2684۔ اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

''مسلمان اپنے علاوہ سب کے لیے ایک ہاتھ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے خون برابر کی حیثیت رکھتے ہیں''۔

2685 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَعِيلَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ وَيُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ أَدْنَاهُمْ وَيَرُدُّ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ أَقْصَاهُمْ

◄► عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''مسلمانوں کا ہاتھ دوسرے سب لوگوں کے خلاف ہے (یعنی وہ لوگ جو دوسرے مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں ان کے خلاف مسلمان یکجان کی حیثیت رکھتے ہیں) مسلمانوں کی جانیں اور مال برابر کی حیثیت رکھتے ہیں، مسلمان کا عام فرد بھی پناہ دے سکتا ہے اور اس کی ادائیگی دور کے شخص پر بھی لازم ہوگی''۔

شرح

سب مسلمان برابر ہیں:" کا مطلب یہ ہے کہ قصاص اور خون بہا کے لینے دینے میں سب مسلمان برابر ہیں اور یکساں ہیں شریف اور رذیل میں، چھوٹے درجہ والا کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے، یا بڑی ذات والے کے خون بہا کی مقدار پوری دی جائے اور چھوٹی ذات والے کے خون بہا کی مقدار کم دی جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ اگر کوئی باحیثیت آدمی کسی کم حیثیت والے کو قتل کر دیتا تھا وہ تو قصاص میں اس کو قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اس عوض میں اس کے قبیلے کے ان چند آدمیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا جو زبردست ہوتے تھے۔" اور ایک ادنیٰ مسلمان بھی امان دے سکتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں کا کوئی ادنیٰ ترین فرد جیسے غلام یا عورت کسی کافر کو امان دے دے تو سب مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کافر کو امان دیں اور اس کے جان و مال کی حفاظت کا جو عہد اس مسلمان کی طرف سے کیا گیا ہے اس کو نہ توڑیں۔" اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے" اس جملہ کے دو مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ایسے مسلمان نے جو دار الحرب سے دور رہا ہے کسی کافر کو امان دے رکھی ہے تو ان مسلمانوں کے لئے جو دار الحرب کے قریب ہیں یہ جائز نہیں ہے کہ اس مسلمان کے عہد امان کو توڑ دیں۔ دوسرے معنی یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا لشکر دار الحرب میں داخل ہو جائے اور مسلمانوں کا امیر لشکر کے ایک دستہ کو کسی دوسری سمت میں بھیج دے اور پھر وہ دستہ مال غنیمت لے کر واپس آئے تو وہ مال غنیمت صرف اسی دستہ کا حق نہیں ہوگا، بلکہ وہ سارے لشکر والوں کو تقسیم کیا جائے گا۔" جب تک کہ وہ عہد وضمان میں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جو کافر جزیہ (ٹیکس) ادا کر کے اسلامی سلطنت کا وفادار شہری بن گیا ہے اور اسلامی سلطنت نے اس کے جان و مال کی حفاظت کا عہد کر لیا ہے تو جب تک وہ ذمی ہے اور اپنے ذمی ہونے کے منافی کوئی کام نہیں کرتا اس کو مسلمان قتل نہ کرے بلکہ اس کی حفاظت کو ذمہ داری سمجھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قانون حکومت کی نظر میں ایک ذمی کے خون کی بھی وہی قیمت ہے جو ایک مسلمان کے خون کی ہے لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو ناحق قتل کر دے تو اس کے قصاص میں اس کے قاتل مسلمان کو قتل کر دینا چاہئے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ اس نکتہ سے حدیث کے اس جملہ" کافر کے بدلے میں مسلمان

2685 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کو نہ مارا جائے" کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ یہاں "کافر" سے مراد حربی کافر ہے نہ کہ ذمی! حاصل یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک کسی مسلمان کو حربی کافر کے قصاص میں تو قتل نہ کیا جائے لیکن ذمی کے قصاص میں قتل کیا جائے اور حضرت امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان کو کسی کافر کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے خواہ وہ کافر حربی ہو یا ذمی۔

بَاب مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا

یہ باب ہے کہ جو شخص کسی معاہد (ذمی) کو قتل کر دے

2686- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا

◄► حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "جو شخص کسی ذمی کو قتل کر دے وہ جنت کی بو بھی نہیں پائے گا اگر چہ اس کی بو چالیس برس کے فاصلے سے محسوس ہوتی ہے"۔

شرح

معاہد یعنی عہد والا اس کافر کو کہتے ہیں جس نے امام وقت (سربراہ مملکت اسلامی) سے جنگ وجدل نہ کرنے کا عہد کر لیا ہو خواہ وہ ذمی ہو یا غیر ذمی۔ اس روایت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔" جب کہ ایک روایت میں ستر برس" ایک روایت میں "سو برس" "مؤطا میں" پانچ سو برس" اور فردوس میں "ہزار برس" کے الفاظ ہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان روایتوں میں یہ فرق واختلاف دراصل اشخاص واعمال کے مختلف ہونے اور درجات کے تفاوت کی بناء ہے چنانچہ (میدان حشر میں) بعض لوگوں کو جنت کی بو ہزار برس کی راہ سے بعض لوگوں کو پانچ سو برس کی راہ سے آئے گی، اسی طرح بعض لوگ جنت کی اس بو کو ایک سو برس اور بعض لوگ ستر برس اور چالیس برس کی مسافت آتی ہوئی محسوس کریں گے بہر کیف ان تمام مذکورہ اعداد سے تحدید مراد نہیں ہے بلکہ طول مسافت مراد ہے۔ نیز جنت کی بو نہ پانے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ شخص ہمیشہ کے لئے جنت کی بو سے محروم رہے گا۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں جب مقربین اور علماء جنت کی بو پائیں گے۔ وہ شخص اس وقت جنت کی بو سے محروم رہے گا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد سے مراد معاہد کو قتل کرنے کی سخت مذمت بیان کرنا اور قتل کرنے والے کے خلاف سخت الفاظ میں تنبیہ وتہدید کا اظہار کرنا ہے۔

2687- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مَعْدِيُّ بْنُ سُلَيْمَانَ اَنْبَاَنَا ابْنُ عَجْلَانَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهِ لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا

2686: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3166' ورقم الحدیث: 6914

2687: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1403

لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ سَبْعِينَ عَامًا

◆◇ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''جو شخص کسی ایسے ذمی کو قتل کر دے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں ہو تو وہ شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا اگرچہ اس کی خوشبو ستر برس کی مسافت سے محسوس ہو جاتی ہے''۔

بَاب مَنْ اٰمَنَ رَجُلًا عَلٰی دَمِهٖ فَقَتَلَهٗ

یہ باب ہے کہ جو شخص کسی کو جان کی امان دینے کے بعد اسے قتل کر دے

امان دینے کا بیان

حضرت ام ہانی بنت ابوطالب کہتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال (یعنی فتح مکہ کے موقع پر) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غسل فرما رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کپڑے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پردہ کئے ہوئے تھیں۔ میں نے سلام عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا" کون ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "میں ہوں" ام ہانی بنت ابوطالب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ام ہانی خوش آمدید!" پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہوئے تو جسم پر کپڑے لپیٹے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور (نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھیں اور جب نماز پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میری ماں کے بیٹے یعنی حضرت علی نے بتایا ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کرنے والے ہیں جس کو میں نے اپنے گھر میں پناہ دی ہے یعنی فلاں شخص کو جو ہبیرہ کا بیٹا ہے؟" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ام ہانی جس کو تم نے پناہ دی ہے (گویا) اس کو ہم نے پناہ دی۔" حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ "یہ واقعہ چاشت کے وقت کا ہے!" اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ام ہانی نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا کہ "میں نے دو آدمیوں کو پناہ دی ہے جو میرے خاوند کے رشتہ دار ہیں!؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہماری طرف سے اس شخص کے لئے امان ہے جس کو تم نے امان دی ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 1080)

حضرت ام ہانی کا اصل نام "فاختہ" تھا اور بعض نے "عاتکہ" بیان کیا ہے۔ یہ ابوطالب کی بیٹی اور حضرت علی کی حقیقی بہن ہیں، ہبیرہ ان کے خاوند کا نام ہے، جب ام ہانی نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا تو ہبیرہ سے ان کی جدائی واقع ہوگئی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ جس شخص نے حضرت ام ہانی نے پناہ دی تھی وہ اس کے خاوند ہبیرہ کی اولاد میں سے تھا، اغلب یہ ہے کہ وہ ام ہانی کے علاوہ ہبیرہ کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھا حضرت علی نے ان کی پناہ کو قبول نہ کرتے ہوئے اس شخص کو قتل کر ڈالنا چاہا تو ام ہانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال بیان کی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پناہ کو قبول کیا اور وہ شخص حضرت علی کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا۔

ترمذی نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ام ہانی ہی کے مکان میں

غسل فرما رہے تھے، لیکن یہاں بخاری و مسلم کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں یا حضرت فاطمہ کے گھر میں نہار ہے تھے، اس صورت میں دونوں روایتوں کے درمیان یوں مطابقت ہوگی کہ بخاری و مسلم کی روایت میں یہ عبارت مقرر مانی جائے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں غسل فرما رہے تھے" یا پھر یہ کہا جائے کہ ترمذی کی روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ کسی اور موقع کا ہے اور بخاری و مسلم کی روایت کسی اور موقع سے متعلق ہے۔

2688 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ شَدَّادٍ الْقِتْبَانِيِّ قَالَ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَمِعْتُهَا مِنْ عَمْرِو بْنِ الْحَمِقِ الْخُزَاعِيِّ لَمَشَيْتُ فِيمَا بَيْنَ رَاْسِ الْمُخْتَارِ وَجَسَدِهِ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰمَنَ رَجُلًا عَلٰى دَمِهِ فَقَتَلَهُ فَاِنَّهُ يَحْمِلُ لِوَاءَ غَدْرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

◄◄► رفاعہ بن شداد بیان کرتے ہیں: میں نے اگر حضرت عمرو بن حمق خزاعی کی زبانی یہ حدیث نہ سنی ہوئی ہوتی تو میں مختار کے سر اور اس کے جسم کے درمیان چلتا، میں نے انہیں یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''جو شخص کسی دوسرے کو جان کی امان دینے کے بعد اسے قتل کر دے تو قیامت کے دن وہ غداری کے جھنڈے کو اٹھائے گا''۔

شرح

حضرت عمرو بن حمق کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص کسی کو اس کی جان کی امان دے اور پھر اس کو مار ڈالے تو قیامت کے دن اس کو بدعہدی کا نشان دیا جائے گا۔

(شرح السنہ، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 1082)

اس کو بدعہدی کا نشان دیا جائے گا" اس جملہ کے ذریعہ کنایۃً یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس شخص کو میدان حشر میں تمام مخلوق کے سامنے ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔ دوسری حدیثوں میں یہ بیان کیا گیا ہے قیامت کے دن عہد شکن کو ایک ایسا نشان دیا جائے گا جس کے ذریعہ اس کو پہچانا جائے گا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا۔

2689 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا اَبُوْ لَيْلٰى عَنْ اَبِي عُكَّاشَةَ عَنْ رِفَاعَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى الْمُخْتَارِ فِي قَصْرِهِ فَقَالَ قَامَ جِبْرَائِيلُ مِنْ عِنْدِيَ السَّاعَةَ فَمَا مَنَعَنِي مِنْ ضَرْبِ عُنُقِهِ اِلَّا حَدِيثٌ سَمِعْتُهُ مِنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اِذَا اَمِنَكَ الرَّجُلُ عَلٰى دَمِهِ فَلَا تَقْتُلْهُ فَذَاكَ الَّذِي مَنَعَنِي مِنْهُ

2688: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

رفاعہ بیان کرتے ہیں: میں مختار کے محل میں اس کے پاس آیا' تو وہ بولا: ابھی میرے پاس سے جبرائیل علیہ السلام اٹھ کر گئے ہیں (رفاعہ کہتے ہیں) میں نے اس کی گردن صرف اس لیے نہیں اڑائی کیونکہ میں نے حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ایک حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جب تم کسی شخص کو جان کی امان دیدو تو تم اسے قتل نہ کرو''۔ تو اس بات نے مجھے اسے قتل کرنے سے روک لیا۔

شرح

حضرت ابورافع کہتے ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے موقع پر) کفار قریش نے مجھے (اپنا قاصد بنا کر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، جب میری نظر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی، تو (بے اختیار میرے دل میں اسلام (کی صداقت وحقانیت) نے گھر کرلیا، میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ اللہ کی قسم، میں اب کبھی بھی ان (کفار قریش کے پاس واپس نہیں جاؤں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"میں نہ تو عہد کو توڑا کرتا ہوں اور نہ قاصدوں کو روکا کرتا ہوں، البتہ تم (اب تو) واپس چلے جاؤ، اگر تمہارے دل میں وہ چیز (یعنی اسلام) قائم رہے وقت موجود ہے تو پھر (میرے پاس) چلے آنا۔" حضرت ابورافع کہتے ہیں کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق، میں (مکہ) واپس ہو گیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گیا اور اسلام قبول کرلیا (یعنی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ (ابوداؤد)

چونکہ ابورافع کفار مکہ کی طرف سے کوئی پیغام لے کر آئے تھے اس لئے آنحضرت نے ان کو اپنے پاس نہیں روکا، تا کہ وہ مکہ واپس جا کر کفار قریش کو ان کے پیغام کا جواب دے دیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو حکم دیا اس کا مطلب یہی تھا کہ اسلام نے تمہارے دل میں گھر لیا ہے اور اب مسلمان ہونے سے تمہیں کوئی چیز نہیں روک سکتی، لیکن احتیاط اور ایفاء عہد کا تقاضا یہ ہے کہ تم ابھی اپنے اسلام کا اظہار واعلان نہ کرو بلکہ پہلے تم مکہ واپس جاؤ اور کفار قریش نے جو ذمہ داری تمہارے سپرد کی تھی اس کو پورا کر آؤ یعنی انہوں نے تمہیں جس بات کا جواب لانے کے لئے یہاں بھیجا تھا ان کو وہ جواب پہنچاؤ اور پھر اس کے بعد وہاں سے ہمارے پاس آ کر اپنے اسلام کا اظہار واعلان کرنا۔ اور حضرت نعیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں آدمیوں سے فرمایا جو مسیلمہ کے پاس سے آئے تھے کہ "یاد رکھو! اللہ کی قسم اگر قاصد کو مارنا شرعی طور پر ممنوع نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔ (احمد' ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 1084)

مسیلمہ ایک شخص کا نام ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسی لئے اس کو مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے۔ وہ دو شخص جو مسیلمہ کذاب کے پاس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے ان میں سے ایک کا نام عبداللہ ابن نواحہ تھا اور دوسرے کا نام ابن اثال تھا ان دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہا تھا کہ نشھد ان مسیلمۃ رسول اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفا ہو کر مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

صلح حدیبیہ اور معاہدے کی پاسداری کا بیان

حضرت مسور ابن مخرمہ اور حضرت مروان ابن حکم سے روایت ہے۔ یہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال اپنے ایک ہزار کچھ سو صحابہ کو لے کر (مدینہ سے) روانہ ہوئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچے (جو مدینہ منورہ سے جنوب میں تقریبا چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جس کو ابیار علی بھی کہتے ہیں) تو ہدی (یعنی اپنی قربانی کے جانور) کی گردن میں قلادہ باندہ اور اشعار کیا اور پھر ذوالحلیفہ (ہی) سے عمرہ کے لئے احرام باندھ کر آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کے جب ثنیہ (یعنی اس گھاٹی پر) پر پہنچے جس طرف سے اہل مکہ پر اترا جاتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی (جس کا نام قصواء تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر بیٹھ گئی، (جب) لوگوں نے (یہ دیکھا تو) کہنا شروع کیا" حل حل (یہ لفظ اونٹ کو اٹھانے کے لئے کہا جاتا ہے) قصواء اڑگئی قصواء اڑگئی۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا" نہیں! قصواء نے اڑ نہیں کی ہے اور نہ اس کو اڑنے کی عادت ہے، بلکہ اس کو اس ذات (اللہ تعالیٰ) نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا۔" اور پھر فرمایا" قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قریش مجھ سے ایسی جو بات بھی چاہیں گے جس میں اللہ تعالیٰ (کے حرم) کی عظمت ہو تو میں ان کی اس بات کو پورا کروں گا یعنی آج مکہ کے لوگ صلح کے وقت ایسی جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں حرم مکہ کی عظمت کا لحاظ ہو تو میں اس کو پورا کروں گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو اٹھایا جو فورا اٹھ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کا راستہ چھوڑ کر دوسری سمت کو چلنے لگے تا آنکہ حدیبیہ کے آخری کنارہ پر پہنچ کر جہاں (ایک گڑھے میں) تھوڑا سا پانی تھا اتر گئے (اور وہاں پڑاو، ڈال دیا) لوگوں نے اس گڑھے میں سے تھوڑا تھوڑا سا پانی لے کر استعمال کرنا شروع کیا یہاں تک کے ذرا ہی دیر میں سارے پانی کو کھینچ ڈالا (یعنی اس گڑھے میں پانی چونکہ بہت تھوڑا تھا اس لئے لوگوں کے کم سے کم مقدار لینے کے باوجود وہ پانی بہت جلد ختم ہوگیا) لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور صحابہ کرام کو حکم دیا کہ تیر کو پانی کے (اس گڑھے) میں ڈال دیا جائے۔

اور پھر (راوی کہتے ہیں کہ) اللہ کی قسم! (اس تیر کی برکت سے) ان لوگوں کو سیراب کرنے کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا پانی (گویا) موجیں مارتا رہا تا آنکہ سب اس پانی پر سے ہٹ گئے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس گڑھے میں اتنا زیادہ پانی پیدا فرمایا کہ سب لوگوں کی ضرورتیں نہایت اطمینان سے پوری ہوتی رہیں بلکہ جب وہاں سے واپسی ہوئی تو اس وقت بھی پانی باقی رہا) بہر حال صحابہ اسی حالت میں تھے، اچانک بدیل ابن ورقہ خزاعی، خزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ (کفار مکہ کی طرف سے مصالحت کے لئے) آیا، پھر عروہ ابن مسعود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ اس کے بعد بخاری نے (وہ طویل گفت وشنید نقل کی، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بدیل اور عروہ کے درمیان ہوئی، جس کو صاحب مصابیح نے اختصار کے پیش نظر یہاں نقل نہیں کیا اور پھر یہ) بیان کیا کہ آخر کار جب سہیل ابن عمرو (اہل مکہ کا آخری سفیر اور نمائندہ بن کر آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت علی) سے فرمایا کہ لکھو۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صلح کی ہے۔

سہیل نے (یہ الفاظ دیکھ کر) کہا کہ "واللہ! اگر ہم یہ مانتے کہ تم اللہ کے رسول ہو تو نہ ہم تمہیں خانہ کعبہ (میں جانے) سے روکتے اور نہ جنگ کرتے۔ لہٰذا یوں لکھو کہ (یہ وہ معاہدہ ہے جس پر) محمد ابن عبداللہ (نے صلح کی ہے)۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہو (خیر میں مصالحت کی خاطر الفاظ میں تمہاری اس ترمیم کو تسلیم کئے لیتا ہوں) علی! تم محمد ابن عبداللہ ہی لکھ دو۔" پھر سہیل نے یہ کہا کہ "اور اس معاہدہ صلح میں اس بات کو بھی تسلیم کرو کہ (تم میں سے جو شخص ہمارے ہاں آ جائے گا ہم تو اس کو واپس نہ جانے دیں گے لیکن) ہم میں سے جو شخص تمہارے ہاں چلا جائے گا اگرچہ وہ تمہارے دین کو قبول کر چکا ہو اس کو تم ہمارے ہاں واپس کر دو گے۔

(چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی قبول کر لیا، اس موقع پر بھی واقعہ میں اختصار سے کام لیا گیا ہے یعنی صاحب مصابیح نے اسی معاہدہ سے متعلق بخاری کی بیان کردہ ساری تفصیل کو نقل نہیں کیا ہے یا یہ بخاری کی کوئی اور روایت ہے جس میں صرف اسی قدر بیان کیا گیا ہے) بہر حال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (یا حضرت علی) صلح نامہ لکھے جانے سے فارغ ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ "اٹھو جاؤ، اب (ہدی کے جانوروں کو) ذبح کر ڈالو اور سر منڈھواؤ۔" اس کے بعد (مکہ سے) کئی عورتیں مسلمان ہو کر آئیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ آیت (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ، الممتحنہ:10) اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں الخ:۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے (اس آیت کے ذریعہ) مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا کہ وہ ان عورتوں کو (کفار مکہ کے ہاں) واپس کر دیں اور انہیں اس بات کا حکم دیا کہ ان کا مہر واپس کر دیں، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے (کچھ دنوں کے بعد) قریش کے ایک شخص ابوبصیر جو مسلمان ہو گئے تھے (مکہ سے نکل کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، قریش مکہ نے دو آدمیوں کو ان کی تلاش میں (مدینہ) بھیجا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاہدہ صلح کے مطابق) ابوبصیر کو ان دونوں آدمیوں کے حوالے کر دیا، وہ دونوں آدمی ابوبصیر کو لے کر (مکہ) روانہ ہوئے اور جب (پہلی منزل) ذوالحلیفہ میں قیام کیا اور ان کے پاس جو کھجوریں تھیں ان کو کھانے لگے تو ابوبصیر نے ان میں سے ایک شخص کو مخاطب کر کے کہا "اللہ کی قسم، اے فلاں شخص! میرا خیال ہے کہ تمہاری یہ تلوار (بہت اچھی ہے) ذرا مجھے تو دکھلاؤ میں بھی اس کو دیکھوں، اس شخص ابوبصیر کو وہ تلوار دیکھنے کا موقع دے دیا یعنی (اس نے اپنی تلوار ابوبصیر کے ہاتھ دے دی۔

بس اتنا موقع کافی تھا) ابوبصیر نے اس پر (اس تلوار سے اتنا بھرپور وار) کیا کہ وہ فوراً ٹھنڈا ہو گیا (یعنی مر گیا) اور دوسرا شخص (یہ دیکھتے ہی وہاں سے) بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ مدینہ میں (واپس آ گیا اور اپنے قتل کے خوف سے) دوڑتا ہوا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ "یہ شخص خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔" اس شخص نے کہا کہ (جی ہاں) اللہ کی قسم میرا ساتھی تو مارا گیا اور میرے بھی مارے جانے میں کوئی شبہ نہیں ہے (یعنی مجھ پر خوف سوار ہے کہ میں بھی مارا جاؤں گا میں بچ ہی گیا ورنہ میں بھی مارا جاتا) پھر ابوبصیر بھی آ گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کو دیکھ کر) فرمایا کہ افسوس ہے اس کی ماں پر! (یعنی تعجب و حیرت کا مقام ہے) یہ ابوبصیر تو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے اگر اس کا کوئی مددگار ہوتا،

تو وہ اس کی مدد کرتا)۔

جب ابوبصیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سنی تو وہ سمجھ گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (پھر) کافروں کے پاس واپس بھیج دیں گے چنانچہ ابوبصیر (دوبارہ کافروں کے حوالے کیئے جانے کے خوف سے روپوش ہونے کے لیئے) مدینہ سے نکل گئے یہاں تک کے وہ سمندر کے ساحل پر ایک علاقہ میں پہنچ گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ ابوجندل ابن سہیل بھی کفار کے قبضے سے نکل بھاگے اور ابوبصیر سے آکر مل گئے اور پھر تو یہ حال ہوا کہ (مکہ میں) جو بھی شخص اسلام قبول کر کے قریش کے قبضہ سے نکل بھاگتا وہ ابوبصیر سے جاملتا یہاں تک کے (چند ہی روز میں ابوبصیر کے پاس) قریش سے چھوٹ کر آنے والوں کا ایک بڑا گروہ جمع ہو گیا اور اللہ کی قسم! جب بھی یہ لوگ سنتے کہ قریش کا کوئی قافلہ (تجارت وغیرہ کے لیئے) شام کی طرف روانہ ہوا ہے۔

وہ اس کا پیچھا کرتے اور اس کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کا سارا مال و اسباب لے لیتے آخر کار (جب ان لوگوں کی وجہ سے) قریش (کا ناطقہ بند ہو گیا اور وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو ان کو احساس ہوا کہ ہم نے مسلمانوں سے ایک انتہائی غیر معقول شرط منوا کر کتنی بڑی نادانی کی ہے اور اس کا خمیازہ کس طرح بھگتنا پڑ رہا ہے لہٰذا انہوں) نے کسی شخص کو (اپنا سفیر و نمائندہ بنا کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور اس کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی قسم دلائی اور (اس) قرابت کے حق کا واسطہ دیا (جو ان میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی اور یہ التجا کی کہ آپ کسی نہ کسی طرح صرف اتنا کرم ضرور کر دیں کہ اپنے کسی آدمی کو ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیج کر یہ حکم دیں کہ وہ مدینہ میں آجائیں اور ہمارے کسی قافلہ کے ساتھ تعرض نہ کریں) اور جب آپ ان کو یہ حکم بھیج دیں (اور وہ لوگ آپ کے پاس چلے آئیں) تو پھر (ہم اہل مکہ میں سے) جو بھی شخص (مسلمان ہو کر) آپ کے پاس آئے گا وہ امن میں رہے گا (یعنی نہ صرف یہ کہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی بلکہ اس کو ہمارے پاس) واپس بھیجنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔

نیز انہوں نے کہا کہ آپ ابوبصیر کو ان کے طریقہ کار سے روک دیں ہم معاہدہ صلح کی اس شرط سے باز آئے) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیجا (جس کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا کہ وہ قریش کے قافلوں سے کوئی تعرض نہ کریں اور میرے پاس چلے آئیں)۔ (بخاری، مشکوۃ المصابیح جلد سوم: حدیث نمبر 1133)

حدیبیہ " مکہ مکرمہ سے مغربی جانب تقریباً پندرہ سو میل کے فاصلے پر واقع ایک جگہ کا نام ہے یہیں جبل الشمیسی نامی ایک پہاڑ ہے جس کی وجہ سے اب اس کو شمیسیہ بھی کہتے ہیں، حدود حرم یہاں سے بھی گزرتے ہیں بلکہ اس جگہ کا اکثر حرم ہی میں داخل ہے۔"
ایک ہزار کچھ سو صحابہ الخ :" میں "بضع " کا اطلاق تین سے نو تک کی تعداد پر ہوتا ہے۔ یہاں تعداد کو متعین کی بجائے مبہم اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس موقع پر صحابہ کی جو تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔

بعض روایتوں میں چودہ سو کی تعداد بیان کی گئی ہے بعض میں پندرہ سو اور بعض روایتوں میں " ایک ہزار چار سو یا اس سے زیادہ " کے الفاظ بھی ہیں۔ علماء نے ان روایتوں میں یوں مطابقت پیدا کی ہے کہ ابتداء میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے لیکن بعد میں مختلف مراحل پر اس تعداد میں اضافہ ہوتا رہا چنانچہ جس راوی نے سو سے پہلے شمار کیا اس نے چودہ

سو کی تعداد پائی اور پھر بعد میں جن لوگوں کا اضافہ ہوا اس نے ان کو نہیں دیکھا لہٰذا اس نے اپنی روایت میں چودہ سو کی تعداد بیان کی لیکن جس راوی نے بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی دیکھا اس نے پندرہ سو کی تعداد کا ذکر کیا اور جس راوی نے تعداد کی تعین و تحقیق نہیں کی اس نے اپنی روایت میں ایک ہزار چار سو یا اس سے زیادہ" کو بیان کیا۔ "ذبح کر ڈالو اور پھر منڈھواؤ" احصار یعنی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد اس حج یا عمرہ کی ادائیگی سے روک دیئے جانے کی صورت میں یہی حکم ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کو حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اس حج یا عمرہ سے روک دیا گیا ہو جس کو "محصر" کہتے ہیں۔ تو وہ اپنے ہدی کو اسی جگہ ذبح کر ڈالے جہاں وہ روک دیا ہے اگر چہ وہ جگہ حدود حرم میں واقع نہ ہو وہ اپنے قول کی دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر حدیبیہ میں ہدی کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا جب کہ حدیبیہ حدود حرم میں نہیں ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک ہدی کا چونکہ حدود حرم میں ذبح ہونا شرط ہے اس لئے ان کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ حدیبیہ کا سارا علاقہ حدود حرم سے باہر نہیں ہے بلکہ اس کا بعض حصہ بلکہ اکثر حصہ حدود حرم میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ اس موقع پر ہدی اسی حصے میں ذبح کی گئی تھی جو حدود حرم میں ہے۔ "ان کو مہر واپس کر دیں" اس حکم کا مطلب یہ تھا کہ اگر ان مسلمان عورتوں کے کافر خاوندان کو لینے کے لئے آئیں اور وہ ان کے مہر ادا کر چکے ہوں تو وہ مہر ان کو واپس کر دیا جائے۔

تفسیر مدارک وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کو واپس کر دینے کا یہ حکم اسی موقع کے لئے مخصوص تھا پھر بعد میں اس کو منسوخ قرار دے دیا گیا۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ معاہدہ صلح کی یہ شرط کہ " مکہ سے جو شخص آپ کے پاس آئے گا اگر چہ وہ مسلمان ہو کر آئے تو اس کو کفار مکہ کے حوالے کرنا ضروری ہوگا"۔ صرف مردوں سے متعلق تھی اسی لئے جب مکہ کی یہ عورتیں مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا کہ صلح نامہ میں صرف مردوں کو واپس کرنا طے پایا تھا نہ کہ عورتوں کو بھی، اس لئے ان عورتوں کو جو اپنے آپ کو بڑی آزمائش اور سخت ابتلاء میں ڈال کے آئیں ہیں واپس نہ کیا جائے۔ "اگر اس کا کوئی مددگار ہوتا الخ" کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ سے واضح ہوا اور ایک مطلب یہ ہے کہ " کاش! اس وقت کوئی خیر خواہ ابوبصیر کے پاس ہوتا جو اس کو یہ بتا دیتا کہ وہ اب میرے پاس نہ آئے تا کہ میں اس کو دوبارہ واپس نہ کر دوں۔" حدیث کے سیاق کے مطابق یہی مطلب زیادہ مناسب ہے۔

جب ابوبصیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سنی الخ" یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "یہ ابوبصیر تو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے۔" تو وہ سمجھ گئے کہ یہاں مدینہ میں مجھے پناہ نہیں ملے گی بلکہ مجھے دوبارہ کفار کے حوالے کر دیا جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صریحاً اس طرف اشارہ کر رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حالت میں صلح کی پابندی کریں گے اور نہ تو ابوبصیر کو اپنے پاس رکھیں گے اور نہ ان کی کوئی مدد کریں گے۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ اسی سہیل کے بیٹے تھے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ کا سفیر اور نمائندہ بن کر آیا اور جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ صلح کیا تھا) حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے جس کے نتیجے میں ان کے باپ سہیل نے ان کو قید کر دیا تھا چنانچہ پہلے تو وہ کسی نہ کسی طرح مکہ سے بھاگ کر حدیبیہ گئے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ صلح کی مذکورہ شرط کے مطابق

انہیں تسلی، دلاسہ کے ذریعے سمجھا بجھا کر اور بڑی بحث وتکرار کے بعد مکہ واپس کر دیا تھا مگر پھر دوبارہ وہ مکہ سے بھاگ نکلے اور ابوبصیر سے آکر مل گئے۔

بَاب الْعَفْوِ عَنِ الْقَاتِلِ

یہ باب قاتل کو معاف کر دینے کے بیان میں ہے

2690- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَعَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَتَلَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُفِعَ ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَفَعَهُ اِلٰى وَلِيِّ الْمَقْتُوْلِ فَقَالَ الْقَاتِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ قَتْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْوَلِيِّ اَمَا اِنَّهٗ اِنْ كَانَ صَادِقًا ثُمَّ قَتَلْتَهٗ دَخَلْتَ النَّارَ قَالَ فَخَلّٰى سَبِيْلَهٗ قَالَ فَكَانَ مَكْتُوْفًا بِنِسْعَةٍ فَخَرَجَ يَجُرُّ نِسْعَتَهٗ فَسُمِّیَ ذَا النِّسْعَةِ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک شخص نے قتل کر دیا اس کا معاملہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مقتول کے وارث کے سپرد کر دیا قاتل نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ کی قسم! میں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مقتول کے) ولی سے کہا اگر یہ سچ کہہ رہا ہے اور پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا تو جہنم میں جاؤ گے راوی کہتے ہیں: تو اس شخص نے اسے چھوڑ دیا۔

راوی کہتے ہیں: وہ شخص رسی میں بندھا ہوا تھا' تو وہ اپنی رسی کو گھسیٹتا ہوا وہاں سے نکل آیا اسی وجہ سے اس کا نام "رسی والا" پڑ گیا۔

2691- حَدَّثَنَا اَبُوْعُمَيْرٍ عِيْسَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ النَّحَّاسِ وَعِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ وَالْحُسَيْنُ بْنُ اَبِی السَّرِيِّ الْعَسْقَلَانِیُّ قَالُوْا حَدَّثَنَا ضَمْرَةُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنِ ابْنِ شَوْذَبٍ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَتٰى رَجُلٌ بِقَاتِلِ وَلِيِّهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْفُ فَاَبٰى فَقَالَ خُذْ اَرْشَكَ فَاَبٰى قَالَ اذْهَبْ فَاقْتُلْهُ فَاِنَّكَ مِثْلُهٗ قَالَ فَلُحِقَ بِهٖ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ اقْتُلْهُ فَاِنَّكَ مِثْلُهٗ فَخَلّٰى سَبِيْلَهٗ قَالَ فَرُئِیَ يَجُرُّ نِسْعَتَهٗ ذَاهِبًا اِلٰى اَهْلِهٖ قَالَ كَاَنَّهٗ قَدْ كَانَ اَوْثَقَهٗ قَالَ اَبُوْعُمَيْرٍ فِیْ حَدِيْثِهٖ قَالَ ابْنُ شَوْذَبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ فَلَيْسَ لِاَحَدٍ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَقُوْلَ اقْتُلْهُ فَاِنَّكَ مِثْلُهٗ قَالَ ابْنُ مَاجَةَ هٰذَا حَدِيْثُ الرَّمْلِيِّيْنَ لَيْسَ اِلَّا عِنْدَهُمْ

◆◆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص اپنے ولی کے قاتل کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے معاف کر دو! اس نے یہ بات تسلیم نہیں کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دیت وصول کر لو!

2690 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4498' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1407' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4736

2691 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 4744

اس نے یہ بات بھی تسلیم نہیں کی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم جاؤ اور اسے قتل کر دو! تم بھی اس کی مانند ہو گے۔

راوی کہتے ہیں: بعد میں کوئی شخص کے پاس گیا اور اسے بتایا نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: تم اسے قتل کر دو گے تو تم بھی اسی کی مانند ہو گے، تو اس شخص نے اسے چھوڑ دیا تو (قاتل کو) دیکھا گیا کہ وہ اپنی رسی گھسیٹتا ہوا اپنے گھر جا رہا تھا۔

راوی کہتے ہیں: اس سے یہ لگتا ہے کہ اس شخص نے اسے باندھا ہوا تھا۔

ابوعمیر نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں عبدالرحمان بن قاسم یہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی اور کو اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ وہ یہ کہے: تم اسے قتل کر دو تو تم بھی اس کی مانند ہو۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ روایت رملہ کے رہنے والوں نے نقل کی ہے اور یہ صرف انہی سے منقول ہے۔

بَاب الْعَفْوِ فِي الْقِصَاصِ

یہ باب قصاص کو معاف کرنے کے بیان میں ہے

قصاص کے معنی ومفہوم کا بیان

اصطلاح شریعت میں "قصاص کا مفہوم ہے، قاتل کی جان لینا، جس شخص نے کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو اس کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دینا! یہ لفظ قص اور قصص سے "نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہیں کسی کے پیچھے پیچھے جانا، چونکہ مقتول کا ولی قاتل کا پیچھا پکڑتا ہے تاکہ اسے مقتول کے بدلے میں قتل کرائے اس لئے قاتل کی جان لینے کو قصاص کہا جاتا ہے، ویسے قصاصات کے معنی مساوات (برابری) کے بھی ہیں۔ "قصاص" پر اس معنی کا اطلاق اس طرح ہوتا ہے کہ جب قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا جاتا ہے تو مقتول کا ولی اور قاتل یا مقتول اور قاتل برابر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قصاص میں قاتل کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو قاتل نے مقتول کے ساتھ کیا تھا۔

قصاص" کے معنی بدلہ ومکافات کے ہیں یعنی جس شخص نے جیسا کیا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی کرنا! مثلاً اگر کسی شخص نے کسی شخص کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی قتل کرنا اور اگر کسی شخص نے کسی شخص کو زخمی کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی زخمی کرنا قصاص کہلاتا ہے قیامت کے دن، جان کا بدلہ جان، زخم اور تکلیف ہوگا اور دنیا میں جس نے جس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہوگا کہ خواہ اس کو آزردہ کیا ہو اور خواہ کوئی بھی جسمانی اور روحانی اذیت پہنچائی ہو اور وہ چیونٹی یا مکھی ہی کیوں نہ ہو، تو قیامت کے دن اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا اگرچہ وہ مکلف نہ ہو چنانچہ تمام حیوانات کو بھی قیامت کے دن اسی لئے اٹھایا جائے گا تاکہ ان کو بھی ایک دوسرے کا بدلہ دلوایا جاسکے مثلاً اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بے سینگ بکری کو مارا ہوگا تو اس دن اس کو قصاص یعنی بدلہ دینا ہوگا۔

قتل کی اقسام کا بیان

فقہا کے نزدیک قتل کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) قتل عمد۔ (۲) قتل شبہ عمد۔ (۳) قتل خطا۔ (۴) قتل جاری مجری خطا۔ (۵) قتل بسبب۔

قتل عمد یہ ہے کہ مقتول کو کسی چیز سے مارا جائے جو اعضاء کو جدا کر دے (یا اجزاء جسم کو پھاڑ ڈالے) خواہ وہ ہتھیار کی قسم سے ہو یا پتھر، لکڑی، کھپاچ کی قسم سے کوئی تیز (دھاردار) چیز ہو اور مادہ آگ کا شعلہ ہو، صاحبین کے نزدیک قتل عمد کی تعریف یہ ہے کہ "مقتول بارادہ قتل کسی ایسی چیز سے مارا جائے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک کیا جا سکتا ہے" قتل عمد کا مرتکب سخت گناہگار ہوتا ہے اور اس قتل کی سزا قصاص (یعنی مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دینا) ہے الا یہ کہ مقتول کے ورثاء اس کو معاف کر دیں یا دیت (مالی معاوضہ) لینے پر راضی ہو جائیں، اس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

قتل شبہ عمد۔ یہ ہے کہ مقتول کو مذکورہ بالا چیزوں (ہتھیار اور دھاردار چیز وغیرہ) کے علاوہ کسی اور چیز سے قصداً ضرب پہنچائی گئی ہو قتل کی یہ صورت بھی (باعتبار ترک عزیمت اور عدم احتیاط) گنہگار کرتی ہے، لیکن اس میں قصاص کی بجائے قاتل کے عاقلہ (برادری کے لوگوں) پر دیت مغلظہ واجب ہوتی ہے (دیت مغلظہ چار طرح کے سو اونٹوں کو کہتے ہیں، لیکن اگر ہلاکت واقع نہ ہو تو قصاص واجب ہوتا ہے یعنی اس کی وجہ سے مرنے کی بجائے مضروب کا کوئی عضو کٹ گیا ہو تو مارنے والے کا بھی وہی عضو کاٹا جائے گا۔

قتل خطاء کی اقسام کا بیان

قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں، ایک تو یہ کہ "خطاء" کا تعلق "قصد" سے ہو، مثلاً ایک چیز کا شکار گمان کر کے تیر یا گولی کا نشان بنایا گیا مگر وہ آدمی نکلا یا کسی شخص کو حربی کافر سمجھ کر تیر یا گولی کا نشانہ بنایا مگر وہ مسلمان نکلا۔ دوسرے یہ کہ "خطا" کا تعلق "فعل" سے ہو مثلاً کسی خاص نشانہ پر تیر یا گولی چلائی گئی مگر وہ تیر یا گولی بہک کر کسی آدمی کے جا لگی۔

قتل جاری مجریٰ خطاء کی صورت یہ ہے مثلاً ایک شخص سوتے میں کسی دوسرے شخص پر جا پڑا اور اس کو ہلاک کر ڈالا! قتل خطاء اور جاری مجریٰ خطاء میں کفارہ لازم آتا ہے اور عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، نیز ان صورتوں میں (باعتبار ترک عزیمت) گناہ بھی ہوتا ہے۔

قتل بسبب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھدایا کوئی پتھر رکھ دیا اور کوئی تیسرا شخص اس کنویں میں گر کر یا اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر مر گیا۔ اس صورت میں عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں آتا۔ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ قتل کی پہلی چار قسمیں یعنی عمد، شبہ عمد، اور جاری مجریٰ خطاء میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے (اور وہ صورت کہ مقتول، قاتل کا مورث ہو) اور پانچویں قسم یعنی "قتل بسبب" میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم نہیں ہوتا۔

قصاص چھوڑ کر دیت پر رضا مند ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

امام مالک کا مشہور مذہب اور امام ابو حنیفہ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعی اور امام احمد کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

قتل کرنے پر وجوب قصاص میں مذاہب اربعہ

حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل ڈالا (یعنی ایک پتھر پر اس کا سر رکھ کر دوسرے پتھر سے اس پر ضرب ماری) چنانچہ (جب لڑکی کا نزاعی بیان لیا گیا تو) اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ کس نے یہ معاملہ کیا ہے، کیا فلاں شخص نے؟ کیا فلاں شخص نے؟ (یعنی جن جن لوگوں پر شبہ تھا ان کا نام لیا گیا) یہاں تک کہ جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے اپنے سر کے اشارے سے بتایا کہ ہاں اس نے ایسا کیا ہے۔ پھر اس یہودی کو حاضر کیا گیا اور اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا، لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح اس یہودی کا سر کچلنے کا حکم فرمایا اور اس کا سر پتھروں سے کچلا گیا۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 628)

بظاہر یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس یہودی نے لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا تھا اسی طرح اس یہودی کا بھی دو پتھروں کے درمیان کچلا گیا ہو، یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دے تو مقتول مرد کے بدلے میں اس عورت کو قتل کیا جا سکتا ہے، اسی طرح مقتول عورت کے بدلے میں اس کے مرد قاتل کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے، نیز یہ حدیث اس امر پر بھی دلالت ہے کہ ایسے بھاری پتھر سے کسی کو ہلاک کر دینا جس کی ضرب سے عام طور پر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو، قصاص کا موجب ہے۔ چنانچہ اکثر علماء اور تینوں ائمہ کا یہی قول ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پتھر کی ضرب سے ہلاکت واقع ہو جائے تو اس کی وجہ سے قصاص لازم نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک اس یہودی سے قصاص لینے کا سوال ہے تو اس کا تعلق سیاسی اور وقتی مصالح سے تھا۔

غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان

امام ابوحنیفہ امام ثوری امام ابن ابی لیلیٰ اور داؤد کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابراہیم نخعی حضرت سعید بن جبیر حضرت قتادہ اور حضرت حکم کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرت امام بخاری، علی بن مدینی، ابراہیم نخعی اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوری کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کو نکٹا کرے ہم بھی اس کی ناک کاٹ دیں گے اور جو اسے خصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے۔

لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم ہے۔

متعدد قاتلوں کو ایک قتل کے بدلے قتل کرنے میں مذاہب اربعہ

چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کو سات شخص مل کر مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صنعا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کرا دیتا۔ آپ کے اس فرمان کے خلاف آپ کے زمانہ میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اعتراض نہیں کیا پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔ لیکن امام احمد سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کیے جائیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، بیروت)

2692- حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَنْبَاَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بَكْرٍ الْمُزَنِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِىْ مَيْمُوْنَةَ قَالَ لَا اَعْلَمُهُ اِلَّا عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا رُفِعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَىْءٌ فِيْهِ الْقِصَاصُ اِلَّا اَمَرَ فِيْهِ بِالْعَفْوِ

◄► حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جب بھی کوئی ایسا مقدمہ پیش کیا گیا جس میں قصاص کی صورت ہو تو آپ ﷺ نے اس میں معاف کر دینے کی ہدایت کی۔

2693- حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِى السَّفَرِ قَالَ قَالَ اَبُو الدَّرْدَآءِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَىْءٍ فِىْ جَسَدِهٖ فَيَتَصَدَّقُ بِهٖ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهٖ دَرَجَةً اَوْ حَطَّ عَنْهُ بِهٖ خَطِيْئَةً سَمِعَتْهُ اُذُنَاىَ وَوَعَاهُ قَلْبِىْ .

◄► حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جس شخص کو کوئی جسمانی تکلیف لاحق ہو اور وہ اسے معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل کی وجہ سے اس کے درجے کو بلند کرتا اور اس کے گناہ کو معاف کر دیتا ہے''۔ (حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) میرے دونوں کانوں نے یہ بات سنی اور میرے ذہن نے اسے یاد رکھا۔

بَاب الْحَامِلِ يَجِبُ عَلَيْهَا الْقَوَدُ

یہ باب ہے کہ جب حاملہ عورت پر قصاص لازم ہو جائے

2694- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ لَهِيعَةَ عَنِ ابْنِ اَنْعُمٍ عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ نُسَيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَّاَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَعُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ وَشَدَّادُ بْنُ اَوْسٍ اَنَّ رَسُوْلَ

2692 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4497 'اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4797 'ورقم الحدیث: 4798

2693 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1393

2694: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْاَةُ اِذَا قَتَلَتْ عَمْدًا لَا تُقْتَلُ حَتّٰى تَضَعَ مَا فِیْ بَطْنِهَا اِنْ كَانَتْ حَامِلًا وَّحَتّٰى تُكَفِّلَ وَلَدَهَا وَاِنْ زَنَتْ لَمْ تُرْجَمْ حَتّٰى تَضَعَ مَا فِیْ بَطْنِهَا وَحَتّٰى تُكَفِّلَ وَلَدَهَا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''جب کوئی عورت عمد کے طور پر قتل کر دے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا اگر وہ حاملہ تھی، تو جب تک وہ اپنے پیٹ میں موجود بچے کو جنم نہیں دیتی، اس کو اس وقت تک قتل نہیں کیا جائے گا' جب تک بچے کو اس کی ضرورت ہے (یعنی جب تک بچہ کھانے کے قابل نہیں ہو جاتا) اور اگر ایسی کسی عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہو' تو اسے اس وقت تک سنگسار نہیں کیا جائے گا' جب تک وہ اپنے پیٹ میں موجود بچے کو جنم نہیں دیتی اور جب تک وہ اپنے بچے کی کفالت نہیں کرتی (یعنی جب تک بچہ کھانے کی عمر تک نہیں پہنچ جاتا)''

شرح

بچے کے پلنے کی صورت پیدا نہ ہو جائے مثلاً اور کوئی اس کا رشتہ دار بچے کی پرورش اپنے ذمہ لے لے، یا کوئی اور شخص یا بچہ اس لائق ہو جائے کہ آپ کھانے پینے لگے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کا کچھ قصور نہیں ہے، پھر اگر حاملہ عورت کو ماریں یا سنگسار کریں تو بچے کا مفت خون ہوگا۔

حاملہ پر حد جاری کرنے کا بیان

کسی حاملہ عورت نے زنا کیا تو وضع حمل تک اس پر حد جاری نہ ہوگی تا کہ یہ بچے کی ہلاکت کا سبب نہ بنے اور بچے کی جان قابل احترام ہے اور جب اس کی سزا اسی کوڑے ہو تو اس کو نفاس سے پاک ہونے تک کوڑے نہیں مارے جائیں گے کیونکہ نفاس ایک قسم کا مرض ہے پس اچھا ہونے تک سزا کو مؤخر کیا جائے گا البتہ رجم میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اس کو صرف بچے کے سبب مؤخر کیا جائے گا۔ اور اب وہ بچہ زانیہ سے الگ ہو چکا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رجم کو بھی اس وقت تک مؤخر کیا جائے گا کہ اس کا بچہ اس سے عورت سے بے پرواہ ہو جائے اس شرط کے ساتھ کہ اس کی پرورش کرنے والا کوئی ہو۔ کیونکہ رجم کی تاخیر بچے کو محفوظ کرنے کے لئے تھی اور یقیناً یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ غامدیہ کے وضع حمل کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا کہ واپس جا یہاں تک کہ تیرا بچہ تجھ سے بے پرواہ ہو جائے۔ اور اگر حد شہادت سے ثابت ہو تو حاملہ کو بچہ جننے تک قید میں رکھا جائے گا تا کہ وہ بھاگ نہ سکے۔ جبکہ اقرار میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اقرار سے رجوع کرنا عامل یعنی حد کے سقوط کا سبب ہے پس اس میں قید کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ (ہدایہ، کتاب حدود، لاہور)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت جہینہ قبیلہ کی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس حال میں کہ وہ زنا سے حاملہ تھی اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں حد کے جرم کو پہنچی ہوں پس آپ صلی اللہ علیہ

اسلم مجھ پر (حد) قائم کریں تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولی کو بلایا اور فرمایا کہ اسے اچھی طرح رکھنا۔ جب حمل وضع ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آنا۔ پس اس نے ایسا ہی کیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بارے میں حکم دیا تو اس پر اس کے کپڑے مضبوطی سے باندھ دیے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اسے سنگسار کر دیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھایا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسکا جنازہ پڑھاتے ہیں حالانکہ اس نے زنا کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر مدینہ والوں میں ستر آدمیوں کے درمیان تقسیم کی جائے تو انہیں کافی ہو جائے اور کیا تم نے اس سے افضل توبہ پائی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے پیش کر دیا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1940، حدیث متواتر)

حضرت ابوعبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دیا تو فرمایا اے لوگو اپنے غلاموں پر حد قائم کرو خواہ وہ ان میں سے شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک باندی نے زنا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے کوڑے لگاؤں لیکن اس نے ابھی قریب ہی زمانہ میں بچہ جنا تھا۔ مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں نے اسے کوڑے مارے تو میں اسے مار دوں گا۔ لہٰذا میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اچھا کیا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1957، حدیث متواتر)

كِتَابُ الْوَصَايَا

یہ کتاب وصایا کے بیان میں ہے

وصایا کے لغوی معنی ومفہوم کا بیان

وصایا وصیت کی جمع ہے جس طرح خطایا خطیہ کی جمع ہے وصیت اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے وارثوں سے یہ کہہ جائے کہ میرے مرنے کے بعد یہ فلاں فلاں کام کرنا مثلا میری طرف سے مسجد بنوادینا، کنواں بنوادینا، یامدرسہ اور خانقاہ وغیرہ میں اتنا روپیہ دیدینا یا فلاں شخص کو اتنا روپیہ یا مال دے دینا یا فقراء و مساکین کو طعام وغلہ یا کپڑے تقسیم کردینا وغیرہ وغیرہ اور یا جو فرائض وواجبات مثلاً نماز اور زکوۃ وغیرہ اس کی غفلت کی وجہ سے قضاء ہوگئے تھے ان کے بارے میں اپنے ورثاء سے کہے کہ یہ ادا کردینا یا ان کا کفارہ دے دینا اسی طرح بعض مواقع پر وصیت نصیحت کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

علماء ظواہر (یعنی وہ علماء جو بہر صورت قرآن وحدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہیں) کے نزدیک وصیت کرنا واجب ہے جبکہ دوسرے تمام علماء کے ہاں پہلے تو وصیت واجب تھی یعنی اپنے اختیار سے والدین اور رشتہ داروں کے لئے اپنے مال واسباب میں سے حصے مقرر کرنا جانا ہر مال دار پر واجب تھا لیکن جب آیت میراث نازل ہوئی اور اللہ تعالی نے خود تمام حصے متعین ومقرر فرما دئے تو یہ حکم منسوخ ہوگیا اسی لئے وارث کے لئے وصیت کرنا درست نہیں ہے البتہ آیت میراث کے بعد بھی تہائی مال میں وصیت کرنے کا اختیار باقی رکھا گیا تا کہ اگر کوئی شخص اپنے آخری وقت میں فی سبیل اللہ مال خرچ کر کے اپنی عمر بھی کی تقصیرات مثلا بخل وغیرہ کا کفارہ اور مکافات کرنا چاہے تو یہ سعادت حاصل کرلے یا اگر اپنے کسی دوست یا دور کے رشتہ دار یا خادم وغیرہ کو کچھ دینا چاہے تو اس تہائی میں سے دیکر اپنا دل خوش کرلے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی قرض وغیرہ ہو یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی ادائیگی و واپسی کی وصیت کر جائے اور اس بارے میں ایک وصیت نامہ لکھ کر اس پر گواہیاں کرالے۔

کتاب وصیت کے شرعی ماخذ کا بیان

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَه وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّه وَلَدٌ وَّوَرِثَه اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَه اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

حَكِيمًا .(النساء، ۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے پھر اگر نری لڑکیاں ہوں اگر چہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا بعد اس وصیت کے جو کر گیا اور دین کے تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم کیا جانو کہ ان میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا یہ حصہ باندھا ہوا ہے اللہ کی طرف سے بیشک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

یہاں پر وصیت کو ذکر و بیان کے اعتبار سے قرض پر مقدم رکھا گیا ہے تاکہ لوگ اس کے بارے میں لاپرواہی نہ برتیں۔ کیونکہ اسکے لئے کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہوتا، اس لئے اس کا ذکر پہلے فرمایا گیا ہے ورنہ تنقید وعمل کے اعتبار سے قرض کی ادائیگی اور اس کا اہتمام وصیت پر مقدم ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس پر سلف وخلف کا اجماع نقل کیا ہے، کہ قرض کی ادائیگی تنفیذ وصیت پر مقدم ہے اور امام احمد و ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت علی بن ابو طالب سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ قرض کی ادائیگی تنفیذ وصیت سے پہلے اور اس پر مقدم ہے (ترمذی کتاب الفرائض اور ابن ماجہ کتاب الصدقات، باب اداء الدین عن المیت)

اس لئے وہ جو بھی کرتا ہے اور جو بھی حکم وارشاد فرماتا ہے، وہ سب کامل علم اور حکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اور اس میں سراسر اس کے بندوں ہی کا نفع اور بھلا ہوتا ہے اور وہ چونکہ اپنے بندوں پر نہایت ہی مہربان بھی ہے اس لئے وہ ان کو علم وحکمت پر مبنی نہایت ہی رحمتوں اور خیر وبرکت بھرے احکام وارشادات سے نوازتا ہے جن میں ان کے لئے دنیا وآخرت کا بھلا ہوتا ہے۔ اسی لئے اس نے تمہارے آباء وابناء یعنی اصول وفروع کے میراث میں حصے تمہاری صوابدید پر نہیں چھوڑے بلکہ خود ہی مقرر فرما دیئے۔ کیونکہ اگر اس معاملہ کو تم لوگوں پر چھوڑ دیا جاتا تو تم اپنی اہواء وخواہشات کے مطابق کسی کو آگے کر دیتے اور کسی کو پیچھے حالانکہ تم لوگ نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہارے لئے نفع رسانی کے اعتبار سے تمہارے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے اس نے سب کے حصے خود ہی مقرر فرما دیئے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس تم لوگوں کو انہی کی پابندی کرنی چاہیے اور ہر ایک کو اس مقرر کردہ حصہ رضا وخوشی دے دینا چاہیے، کہ اسی میں سب کا بھلا اور فائدہ ہے۔

وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہوتی ہے

وصیت واجب نہیں ہے بلکہ وہ مستحب ہے۔ جبکہ قیاس اس کا انکاری ہے۔ کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو موصی کی ملکیت کو ختم کرنے کی طرف مضاف ہے۔ اور جب وصیت کو ملکیت قائم کرنے کی جانب مضاف کیا جائے۔ اور اس طرح کہا جائے میں نے تم کو کل مالک بنا دیا ہے تو یہ باطل ہوگا۔ پس ایسی صورت میں وصیت بدرجہ اولیٰ باطل ہو جائے گی۔ لیکن لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے بطور استحسان ہم نے وصیت کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ انسان اپنی امید کے سبب دھوکہ کھانے والا ہے۔ اور وہ اپنے عمل میں غفلت کرسکتا ہے۔ اور جب اس کو بیماری لاحق ہو جائے تو وہ موت سے گھبرانے لگتا ہے۔ اور اس کی گذشتہ کی ہوئی غلطیوں اور

زیادتیوں کی تلافی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جب وہ اسی بیماری میں فوت ہو جائے تو اس کا اخروی مقصد ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر وہ تندرست ہو گیا ہے تو وہ مال کی دنیاوی مقاصد میں خرچ کرے گا۔ اور وصیت کو شروع کرنے کے سبب یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ پس اسی نے ہم نے وصیت کو مشروع قرار دیا ہے۔ اور اجارہ میں بھی ہم اسی طرح بیان کر آئے ہیں۔

اور موت کے بعد بھی ضرورت کی وجہ سے ملکیت باقی رہتی ہے۔ جس طرح کفن و دفن اور قرض کی مقدار کا ادا کرنا ہے۔ اور کتاب اللہ نے اس کا جواز بیان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اقدس ہے "مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ" اور سنت سے بھی اس کے جواز کو بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اقدس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آخر عمر میں تمہارے تہائی مال کا صدقہ کیا ہے۔ تاکہ تمہارے اعمال میں اضافہ ہو۔ پس جہاں تم چاہو اس کو خرچ کرو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیث احببتم ارشاد فرمایا ہے۔ اور وصیت کے جائز ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اور اجنبی کے لئے تہائی مال میں ورثاء کی اجازت کے بغیر وصیت صحیح ہے۔ (ہدایہ)

بَاب هَلْ اَوْصٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے (کوئی) وصیت کی تھی؟

2695- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ وَاَبُوْ مُعَاوِيَةَ ح و حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلَا شَاةً وَّلَا بَعِيْرًا وَّلَا اَوْصٰى بِشَيْءٍ.

◄◄ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی اکرم ﷺ نے کوئی دینار، درہم، بکری یا اونٹ (وراثت میں) نہیں چھوڑا تھا اور آپ ﷺ نے کوئی وصیت نہیں کی تھی۔

2696- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى اَوْصٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ قَالَ لَا قُلْتُ فَكَيْفَ اَمَرَ الْمُسْلِمِيْنَ بِالْوَصِيَّةِ قَالَ اَوْصٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ مَالِكٌ وَّقَالَ طَلْحَةُ بْنُ مُصَرِّفٍ قَالَ الْهُزَيْلُ بْنُ شُرَحْبِيْلَ اَبُوْبَكْرٍ كَانَ يَتَاَمَّرُ عَلٰى وَصِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَّ اَبُوْبَكْرٍ اَنَّهٗ وَجَدَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدًا فَخَزَمَ

2695 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:4205' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:2863' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:3623' ورقم الحدیث 3624

2696 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 2720' ورقم الحدیث:4460' ورقم الحدیث:2022' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث' 4203' ورقم الحدیث 4204' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث' 2119' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:3622

اَنْفَذَهُ بِخِزَامٍ

◆◆ طلحہ بن مصرف بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت کی تھی؟ انہوں نے جواب دیا: جی نہیں! میں نے دریافت کیا: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو وصیت کرنے کی ہدایت کیوں کی؟ تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی کتاب کے مطابق حکم دیا تھا۔

مالک نامی راوی کہتے ہیں: طلحہ بن مصرف نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے ہذیل نامی راوی یہ کہتے ہیں: کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی اور کے بارے میں وصیت کی موجودگی میں خود امیر بن سکتے تھے؟ جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو اس بات کو پسند کرتے تھے۔ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حکم ملے تو وہ مکمل طور پر اس کی پیروی کریں۔

شرح

اس حکم پر سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ چلتے اس کے بعد اور لوگ، کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع تھے، ان کے بارے میں گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور کو خلیفہ بنانے کے لئے فرمایا ہو اور خود خلافت لے لیں، بلکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تو خلافت کی خواہش ہی نہ تھی، جب ثقیفہ بنوساعدہ میں صلاح و مشورہ ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ دو آدمیوں میں سے ایک کے ہاتھ بیعت کرلو، عمر بن خطاب کے ہاتھ پر یا ابوعبیدہ بن جراح کے ہاتھ پر، اور اپنا نام ہی نہ لیا، لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے زبردستی ان سے بیعت کی، اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بیعت کرلی۔

2697 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ سَمِعْتُ اَبِیْ يُحَدِّثُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَتْ عَامَّةُ وَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ وَهُوَ يُغَرْغِرُ بِنَفْسِهِ الصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۔

◆◆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت قریب آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سانس رک رک کر آنے لگی، اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی وصیت کی تھی۔ ”نماز اور اپنے زیر ملکیت (یعنی غلاموں اور کنیزوں) کا خیال رکھنا“۔

شرح

نماز کو اپنے وقت پر شرائط اور اداب کے ساتھ پڑھو، بے وقت مت پڑھو، اور اس میں دیر مت کرو، اور غلاموں اور لونڈیوں کا خیال رکھو کہ ان پر ظلم مت کرو، طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لو، ان کو کھانے پہننے کی تکلیف نہ دو، جو لوگ صلاۃ کا خیال نہیں رکھتے اس کو قضاء کردیتے ہیں یا جلدی بغیر خشوع وخضوع کے پڑھ لیتے ہیں یا طہارت میں احتیاط نہیں کرتے یا اپنے لونڈی غلام اور خادم پر ظلم وستم کرتے ہیں وہ کس طرح کے مسلمان ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت کا بھی ان کو خیال نہیں ہے۔

2698 - حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَبِیْ سَهْلٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ مُغِيْرَةَ عَنْ اُمِّ مُوْسٰى عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ

2697 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔ 2698: اخرجہ ابوداؤد فی ”السنن“ رقم الحدیث: 5156

طَالِبٍ قَالَ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا۔ ”نماز اور اپنے زیر ملکیت (یعنی غلاموں اور کنیزوں) کا خیال رکھنا“۔

بَاب الْحَثِّ عَلَى الْوَصِيَّةِ

یہ باب وصیت کرنے کی ترغیب دینے کے بیان میں ہے

2699- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اَنْ يَبِيتَ لَيْلَتَيْنِ وَلَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ”کسی مسلمان کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہو جس کے بارے میں وہ وصیت کرسکتا ہو اور پھر دو راتیں گزر جائیں اور اس نے وصیت نہ کی ہو اس کی وصیت اس کے پاس تحریر ہونی چاہیے“۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو یا لوگوں کا کوئی معاملہ اس کے سپرد ہو تو اسے چاہئے کہ وہ دو راتیں گزرنے سے پہلے وصیت نامہ لکھ کر رکھ لے دو راتوں سے مراد عرصہ قلیل ہے یعنی کم سے کم عرصہ بھی ایسا نہ گزرنا چاہئے کہ جس میں وصیت نامہ لکھا ہوا نہ رکھا ہو کیونکہ انسان کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، نہ معلوم کس لمحہ زندگی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور وصیت نامہ کی عدم موجودگی میں ورثاء کے لاعلم ہونیکی وجہ سے حق تلفی کا وبال اس دنیا سے اس کے ساتھ جائے۔ علماء ظواہر اسی حدیث کے پیش نظر وصیت کے واجب ہونے کے قائل ہیں حالانکہ یہ حدیث عمومی طور پر وصیت کے واجب ہونے پر دلالت نہیں کرتی البتہ اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص پر کسی کا قرض ہو یا اس کے پاس کسی کی امانت ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس قرض یا امانت کے بارے میں وصیت کر جائے۔ علماء لکھتے ہیں کہ جس معاملہ میں یعنی قرض اور امانت وغیرہ کے سلسلہ میں وصیت کرنا لازم ہو اس کا وصیت نامہ جلد سے جلد مرتب کر لینا مستحب ہے نیز یہ ضروری ہے کہ وصیت نامہ لکھ کر اس وصیت نامہ پر دو اشخاص کی گواہیاں ثبت کرادی جائیں۔

وصیت کرنے کی اہمیت کا بیان

2700- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا دُرُسْتُ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ الرَّقَاشِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

2699 اخرجہ مسلم فی ”الصحیح“ رقم الحدیث: 4181 اخرجہ الترمذی فی ”الجامع“ رقم الحدیث: 974

2700 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَحْرُومُ مَنْ حُرِمَ وَصِيَّتَهُ

◄► حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''محروم شخص وہ ہے جو وصیت کے حوالے سے محروم رہے''۔

2701 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَوْفٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ عَلٰى وَصِيَّةٍ مَاتَ عَلٰى سَبِيلٍ وَّسُنَّةٍ وَّمَاتَ عَلٰى تُقًى وَشَهَادَةٍ وَّمَاتَ مَغْفُورًا لَهُ

◄► حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص وصیت کر کے مرتا ہے وہ (درست) راستے اور سنت پر مرتا ہے، وہ پرہیزگاری اور شہادت پر مرتا ہے، وہ ایسی حالت میں مرتا ہے کہ اس کی مغفرت ہو چکی ہوتی ہے''۔

2702 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عَوْفٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ يَّبِيتُ لَيْلَتَيْنِ وَلَهُ شَيْءٌ يُوصِي بِهِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''کسی بھی بندہ مومن کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو کہ جس کے بارے میں وہ وصیت کر سکتا ہو تو پھر وہ دو راتیں گزار دے (اور اس نے وصیت نہ کی ہو) اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہیے''۔

بَاب الْحَيْفِ فِي الْوَصِيَّةِ

یہ باب وصیت میں زیادتی کرنے کے بیان میں ہے

2703 - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ زَيْدٍ الْعَمِّيُّ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَرَّ مِنْ مِيرَاثِ وَارِثِهِ قَطَعَ اللّٰهُ مِيرَاثَهُ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

◄► حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص اپنے کسی وارث کو وراثت میں حصہ دینے سے فرار اختیار کرنا چاہے گا' تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت میں سے اس کی وراثت کو ختم کر دے گا''۔

2701 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2702: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2703. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2704- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْأَزْهَرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ أَنْبَأَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْخَيْرِ سَبْعِينَ سَنَةً فَإِذَا أَوْصَى حَافَ فِي وَصِيَّتِهِ فَيُخْتَمُ لَهُ بِشَرِّ عَمَلِهِ فَيَدْخُلُ النَّارَ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الشَّرِّ سَبْعِينَ سَنَةً فَيَعْدِلُ فِي وَصِيَّتِهِ فَيُخْتَمُ لَهُ بِخَيْرِ عَمَلِهِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ (تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ) إِلَى قَوْلِهِ (عَذَابٌ مُهِينٌ)

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''ایک شخص اہل خیر کے سے عمل ستر برس تک کرتا رہتا ہے پھر وہ وصیت کرتا ہے تو اپنی وصیت میں ظلم کرتا ہے تو اس کے لیے برے عمل کی مہر لگادی جاتی ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے ایک شخص ستر برس تک برے لوگوں کی طرح برے اعمال کرتا رہتا ہے لیکن وہ اپنی وصیت میں انصاف سے کام لیتا ہے تو اس کے لیے بھلے عمل کی مہر لگادی جاتی ہے اور وہ جنت میں چلا جاتا ہے''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر تم لوگ چاہو تو یہ آیت تلاوت کرو۔

''یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔''

یہ آیت یہاں تک ہے ''رسوا کرنے والا عذاب''۔

شرح

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ . وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ . (النساء، ۱۳، ۱۴)

یہ اللہ کی حدود ہیں۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اللہ کی حدود سے آگے نکل جائے اللہ اسے دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اسے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے نکل جائے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں ہمیشہ رہے گا ایسوں کے لئے اہانت کرنے والا عذاب ہے، یعنی یہ فرائض اور یہ مقدار جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور میت کے وارثوں کو ان کی قرابت کی نزدیکی اور ان کی حاجت کے مطابق جتنا جتنا دلوایا ہے یہ سب اللہ ذوالکرم کی حدود ہیں تم ان حدوں کو نہ توڑو نہ اس سے آگے بڑھو۔ جو شخص اللہ عزوجل کے ان احکام کو مان لے، کوئی حیلہ حوالہ کر

2704 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2867 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 2117

کے کسی وارث کوکم بیش دلوانے کی کوشش نہ کرے حکم الٰہ اور فریضہ الٰہ جوں کا توں بجالائے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے ہمیشہ لینے والی نہروں کی جنت میں داخل کرے گا، یہ کامیاب نصیب ور اور مقصد کو پہنچنے والا اور مراد کو پانے والا ہوگا، اور جو اللہ کے کسی حکم کو بدل دے کسی وارث کے ورثے کو کم وبیش کردے رضائے الٰہی کو پیش نظر نہ رکھے بلکہ اس کے حکم کو رد کردے اور اس کے خلاف عمل کرے وہ اللہ کی تقسیم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اور اس کے حکم کو عدل نہیں سمجھتا تو ایسا شخص ہمیشہ رہنے والی رسوائی اور اہانت والے دردناک اور ہیبت ناک عذابوں میں مبتلا رہے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک شخص ستر سال تک نیکی کے عمل کرتا رہتا ہے پھر وصیت کے وقت ظلم وستم کرتا ہے اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنمی بن جاتا ہے اور ایک شخص برائی کا عمل ستر سال تک کرتا رہتا ہے پھر اپنی وصیت میں عدل کرتا ہے اور خاتمہ اس کا بہتر ہو جاتا ہے تو جنت میں داخل جاتا ہے، پھر اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس آیت کو پڑھو آیت (تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ، النساء: 13-14) سے عذاب (مہین) تک۔

سنن ابی داؤد کے باب الاضرار فی الوصیۃ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک مرد یا عورت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ساٹھ سال تک لگے رہتے ہیں پھر موت کے وقت وصیت میں کوئی کمی بیشی کر جاتے ہیں تو ان کے لئے جہنم واجب ہو جاتی ہے پھر حضرت ابوہریرہ نے آیت (من بعد وصیۃ) سے آخر آیت تک پڑھی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ نساء، بیروت)

2705 - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ كَثِيْرِ بْنِ دِيْنَارٍ الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ عَنْ اَبِيْ حَلْبَسٍ عَنْ خُلَيْدِ بْنِ اَبِيْ خُلَيْدٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ فَاَوْصٰى وَكَانَتْ وَصِيَّتُهٗ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ كَانَتْ كَفَّارَةً لِّمَا تَرَكَ مِنْ زَكَاتِهٖ فِيْ حَيَاتِهٖ

◄► معاویہ بن قرہ اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"جس شخص کی موت کا وقت قریب آجائے اور وہ وصیت کردے اور اس کی وصیت اللہ تعالیٰ کی کتاب کے حکم کے مطابق ہو تو یہ وصیت اس چیز کا کفارہ ہوگی جو اپنی زندگی میں اس نے زکوٰۃ ترک کی تھی"۔

بَاب النَّهْيِ عَنِ الْاِمْسَاكِ فِي الْحَيَاةِ وَالتَّبْذِيْرِ عِنْدَ الْمَوْتِ

یہ باب ہے کہ زندگی کے دوران مال روکے رکھنے اور موت کے وقت فضول طور پر خرچ کرنے کی ممانعت

2706 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ شُبْرُمَةَ عَنْ اَبِيْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَبِّئْنِيْ مَا حَقُّ النَّاسِ مِنِّيْ بِحُسْنِ

2705- اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2706 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 5971 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6447 ورقم الحدیث: 6448 ورقم الحدیث: 6449

الصُّحْبَةِ فَقَالَ نَعَمْ وَأَبِيكَ لَتُنَبَّأَنَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أَبُوكَ قَالَ نَبِّئْنِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ عَنْ مَالِي كَيْفَ أَتَصَدَّقُ فِيهِ قَالَ نَعَمْ وَاللّٰهِ لَتُنَبَّأَنَّ أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيحٌ شَحِيحٌ تَأْمُلُ الْعَيْشَ وَتَخَافُ الْفَقْرَ وَلَا تُمْهِلْ حَتّٰى إِذَا بَلَغَتْ نَفْسُكَ هَاهُنَا قُلْتَ مَالِي لِفُلَانٍ وَمَالِي لِفُلَانٍ وَهُوَ لَهُمْ وَإِنْ كَرِهْتَ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ مجھے بتائیے کہ میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے باپ کی قسم! تمہیں اس بارے میں ضرور بتایا جائے گا' وہ تمہاری ماں ہے اس نے دریافت کیا: پھر کون ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تمہاری ماں، اس نے دریافت کیا: پھر کون ہے؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تمہاری ماں ہے۔ اس نے دریافت کیا: پھر کون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تمہارا والد ہے۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے میرے مال کے بارے میں بتائیے کہ میں اس میں سے کیسے صدقہ کروں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! اللہ کی قسم! تمہیں اس بارے میں ضرور بتایا جائے گا تم اس وقت صدقہ کرو کہ جب تم تندرست ہو تمہیں مال کی رغبت ہو تمہیں زندہ رہنے کی امید ہو اور (مال خرچ کرنے کے نتیجے میں) تمہیں غربت کا اندیشہ ہو' تم اس میں اتنی تاخیر نہ کرو کہ تمہاری جان یہاں (حلق) تک پہنچ جائے اور تم یہ کہو میرا مال فلاں کو ملے گا میرا مال فلاں کو ملے گا' کیونکہ وہ تو اسے ویسے ہی مل جائے گا' اگرچہ تمہیں یہ پسند نہ بھی ہو۔

شرح

یعنی مرتے وقت وہ تمہارا مال ہی کہاں رہا جو تم کہتے ہو کہ میرا یہ مال فلاں اور فلاں کو دینا۔ جب آدمی بیمار ہوا اور موت قریب آ پہنچی تو دو تہائی مال پر وارثوں کا حق ہو گیا، اب ایک تہائی پر اختیار رہ گیا اس میں جو چاہے وہ کرلے، لیکن ایک تہائی سے زیادہ اگر صدقہ دے گا تو وہ صحیح نہ ہوگا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عادت کے طور پر غیر اللہ کی قسم کھانا منع نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم نے اس کے باپ کی قسم کھائی، اور بعضوں نے کہا یہ حدیث ممانعت سے پہلے کی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ دادوں کی قسم کھانے سے منع فرمایا، نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں کے ساتھ باپ سے تین حصے زیادہ سلوک کرنا چاہئے کیونکہ ماں کا حق سب پر مقدم ہے، ماں نے بچے کے پالنے میں جتنی تکلیف اٹھائی ہے اتنی باپ نے نہیں اٹھائی گو باپ کا حق بھی بہت بڑا ہے۔

2707- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَنْبَأَنَا حَرِيزُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ بُسْرِ بْنِ جَحَّاشٍ الْقُرَشِيِّ قَالَ بَزَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَفِّهِ ثُمَّ وَضَعَ أُصْبُعَهُ السَّبَّابَةَ وَقَالَ يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنّٰى تُعْجِزُنِي ابْنَ آدَمَ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ مِثْلِ هٰذِهِ فَإِذَا بَلَغَتْ نَفْسُكَ هٰذِهِ وَأَشَارَ إِلٰى حَلْقِهِ قُلْتَ أَتَصَدَّقُ وَأَنّٰى أَوَانُ الصَّدَقَةِ

◆◆ حضرت بسر بن جحاش قرشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی پر لعاب دہن ڈالا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

2707 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اپنی شہادت کی انگلی اس پر رکھی اور ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے آدم علیہ السلام کے بیٹے! تم مجھے کیسے عاجز کر سکتے ہو جبکہ میں نے تمہیں اس کی مانند چیز سے پیدا کیا ہے، جب تمہاری جان یہاں تک پہنچ جاتی ہے (نبی اکرم ﷺ نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے یہ بات فرمائی) تو تم یہ کہتے ہو کہ میں صدقہ کرتا ہوں، اب صدقہ کا وقت کہاں رہا ہے''۔

شرح

بلکہ صدقہ کا عمدہ وقت وہ ہے جب آدمی صحیح اور تندرست ہو، اور وہ مال کا محتاج ہو بہت دنوں تک جینے کی توقع ہو، لیکن ان سب باتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اور اپنا عمدہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرے۔

صدقہ سے متعلق سبق آموز حکایت کا بیان

شیخ علی متقی عارف باللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک متقی وصالح شخص کسب معاش کرتے تھے اور ان کا معمول تھا کہ جو کچھ کماتے پہلے تو اس میں ایک تہائی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے پھر ایک تہائی اپنی ضروریات پر صرف کرتے اور ایک تہائی اپنی کسب معاش کے ذریعے میں لگا دیتے ایک دن ان کے پاس ایک دنیادار شخص آیا اور کہنے لگا کہ شیخ! میں چاہتا ہوں کہ کچھ مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں، لہٰذا آپ مجھے کسی مستحق کا پتہ دیجیے انہوں نے کہا پہلے تو حلال مال حاصل کرو اور پھر اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو، وہ مستحق شخص ہی کے پاس پہنچے گا۔ دنیادار شخص نے اسے مبالغہ پر محمول کیا، شیخ نے کہا اچھا تم جاؤ تمہیں جو شخص بھی ایسا ملے جس کے تمہارے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہو اسے صدقہ کا مال دے دینا، چنانچہ وہ شخص جب شیخ کے پاس سے اٹھ کر آیا تو اس نے ایک بوڑھے اندھے کو دیکھا جس کے لئے اس کے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہوا اور یہ سمجھ کر کہ صدقہ کے مال کا اس بے چارے سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا ہے؟ اپنے کمائے ہوئے مال میں سے اسے کچھ حصہ خیرات کر دیا۔

جب دوسرے دن وہ ضعیف و نابینا شخص کے پاس سے گزرا تو اس نے سنا کہ وہ اپنے پاس کھڑے ہوئے ایک دوسرے شخص سے کل کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ کل میرے پاس سے ایک مالدار شخص گزرا اس نے مجھ پر ترس کھا کر اتنا مال مجھے دیا جسے میں نے فلاں بدکار شخص کے ساتھ شراب نوشی میں لٹا دیا۔ وہ دنیادار یہ سنتے ہی شیخ کے پاس آیا اور ان سے پورا ماجرا بیان کیا، شیخ نے یہ واقعہ سن کر اپنی کمائی میں سے ایک درہم اسے دیا اور کہا کہ اسے رکھو اور یہاں سے نکلتے ہی سب سے پہلے تمہاری نظر جس پر پڑے اسے یہ درہم بطور خیرات دے دینا چنانچہ وہ شیخ کا دیا ہوا درہم لے کر گھر سے باہر نکلا تو اس کی نظر سب سے پہلے ایک اچھے شخص پر پڑی جو بظاہر کھاتا پیتا معلوم ہو رہا تھا پہلے تو وہ دیتے ہوئے جھجکا مگر چونکہ شیخ کا حکم تھا اس لئے مجبوراً وہ درہم اس شخص کو دے دیا۔ اس شخص نے وہ درہم لے لیا اور اپنے پیچھے مڑ کر چل دیا۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ مالدار بھی چلا اس نے دیکھا وہ شخص ایک کھنڈر میں داخل ہوا اور وہاں سے دوسری طرف نکل کر شہر راہ پکڑی، مالدار بھی اس کے پیچھے کھنڈر میں داخل ہوا وہاں اسے کوئی چیز نظر نہ آئی البتہ اس نے ایک مرا ہوا کبوتر دیکھا وہ پھر اس شخص کے پیچھے پیچھے ہو لیا، پھر اسے قسم دے کر پوچھا کہ بتاؤ تم کون ہو؟ اور کس حال میں ہو؟ اس نے کہا کہ میں ایک غریب انسان ہوں،

میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں وہ بہت بھوکے تھے جب مجھ سے ان کی بھوک کی شدت نہ دیکھی گئی۔
اور انتہائی اضطراب و پریشانی کے عالم میں میں ان کے لئے کچھ انتظام کرنے کی خاطر گھر سے نکل کھڑا ہوا تو میں سرگرداں پھر رہا تھا کہ مجھے یہ مرا ہوا کبوتر نظر آیا مرتا کیا نہ کرتا؟ میں نے یہ کبوتر اٹھالیا اور اسے لے کر اپنے گھر کی طرف چلا تا کہ اس کے ذریعے بھوک سے بلکتے بچوں کو کچھ تسکین دلاؤں مگر جب اللہ نے تمہارے ذریعے یہ درہم مجھے عنایت فرما دیا تو یہ کبوتر جہاں سے اٹھایا تھا وہیں پھینک دیا۔ اب اس مالدار کی آنکھ کھلی اور اسے معلوم ہوا کہ شیخ کا وہ قول مبالغہ پر محمول نہیں تھا بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حلال مال اچھی جگہ اور حرام مال بری جگہ خرچ ہوتا ہے۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ

یہ باب ایک تہائی مال کی وصیت کرنے کے بیان میں ہے

2708- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَّالْحُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيُّ وَسَهْلٌ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ حَتّٰى اَشْفَيْتُ عَلَى الْمَوْتِ فَعَادَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ مَالًا كَثِيْرًا وَّلَيْسَ يَرِثُنِيْ اِلَّا ابْنَةٌ لِّيْ اَفَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِيْ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَّتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ

عامر بن سعد اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: فتح مکہ کے سال میں بیمار ہو گیا' یہاں تک کہ میں موت کے کنارے تک پہنچ گیا نبی اکرم ﷺ میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے' تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! میرے پاس بہت زیادہ مال ہے اور میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے' تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں! پھر میں نے عرض کی: پھر نصف مال صدقہ کر دوں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کی: ایک تہائی کر دوں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک تہائی کر دو ویسے ایک تہائی بھی زیادہ ہے' تم اپنے ورثاء کو خوشحال چھوڑ کر جاؤ' یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تم انہیں بدحال چھوڑ کر جاؤ اور وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔

شرح

شروع اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب کوئی مرنے لگے اور اس کے پاس مال ہو تو وہ اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرے اور وصیت کے مطابق اس کا مال تقسیم کیا جائے، پھر اللہ تعالیٰ نے ترکہ کی آیتیں اتاریں اور ہر ایک وارث کا حصہ مقرر

2708 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 56' ورقم الحدیث: 1295' ورقم الحدیث: 3936' ورقم الحدیث: 4409' ورقم الحدیث: 5668' ورقم الحدیث 6373' ورقم الحدیث 6733' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4185' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2864' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 2116' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3628

کر دیا۔ اب وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں رہا کیونکہ اس میں دوسرے وارثوں کا نقصان ہوگا البتہ اجنبی شخص کے لئے یا جس کو ترکہ میں سے کچھ حصہ نہ ملتا ہو موجودہ وارثوں کے سبب سے وصیت کرنا درست ہے وہ بھی تہائی مال میں سے۔

2709 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ عِنْدَ وَفَاتِكُمْ بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ زِيَادَةً لَكُمْ فِي أَعْمَالِكُمْ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ اجازت دی ہے کہ تم اپنی موت کے قریب اپنے ایک تہائی مال کو صدقہ کر سکتے ہو تاکہ تمہارے (نیک) اعمال میں اضافہ ہو جائے"۔

2710 - حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى أَنْبَأَنَا مُبَارَكُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ آدَمَ اثْنَتَانِ لَمْ تَكُنْ لَكَ وَاحِدَةٌ مِنْهُمَا جَعَلْتُ لَكَ نَصِيبًا مِنْ مَالِكَ حِينَ أَخَذْتُ بِكَظْمِكَ لِأُطَهِّرَكَ بِهِ وَأُزَكِّيَكَ وَصَلَاةُ عِبَادِي عَلَيْكَ بَعْدَ انْقِضَاءِ أَجَلِكَ

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "اے آدم علیہ السلام کے بیٹے! دو چیزیں ہیں، ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی تمہارے اندر نہیں ہے، جب میں تمہاری جان قبض کرنے لگتا ہوں اس وقت میں نے تمہیں تمہارے مال میں ایک حصہ مقرر کر دیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں پاک کر دوں اور تمہارا تزکیہ کر دوں اور دوسرا تمہاری زندگی ختم ہو جانے کے بعد میرے بندوں کا تمہارے لیے دعائے رحمت کرنا (اس کا بھی اجر و ثواب تمہیں حاصل ہوتا ہے)"۔

2711 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَدِدْتُ أَنَّ النَّاسَ غَضُّوا مِنَ الثُّلُثِ إِلَى الرُّبُعِ لِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الثُّلُثُ كَبِيرٌ أَوْ كَثِيرٌ

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میری یہ خواہش ہے کہ لوگ ایک تہائی کی بجائے ایک چوتھائی کے بارے میں وصیت کیا کریں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: "ایک تہائی بھی بڑا ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) زیادہ ہے"۔

تہائی سے زائد وصیت کے عدم جواز کا بیان

تہائی سے زائد کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی

2709 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2710 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2711 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2773' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4194' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 3636 •

حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم تہائی کی وصیت کرو۔اور تہائی بہت زیادہ ہے۔اور یہ ارشاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سارے اور نصف مال کی وصیت کرنے سے منع کیا تھا۔کیونکہ مال ورثاء کا حق ہے۔اور اس کی جانب ختم ہونے کا سبب منعقد ہو چکا ہے۔اور وہ مورث کا مال سے بے پرواہ ہونا ہے۔اور ان کا یہ بے پرواہ ہونا مال سے ان کے حق کو واسطہ ہونا ثابت کردے گا۔لیکن شریعت نے اجنبیوں کے حق میں تہائی کی مقدار میں اس بے پرواہی کا اظہار نہیں کیا کہ مورث اپنی غلطی کی تلافی کرنے والا بن جائے۔

اور اس کو وارثوں کے حق میں ظاہر کیا ہے۔کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ مورث اس کو اپنے وارثوں پر صدقہ نہ کرے گا۔تا کہ اتفاقی طور واقع ہونے والے ایثار سے وہ بچ جائے۔اسی وضاحت کے مطابق جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ وصیت میں ظلم کرنا یہ بڑے گناہوں میں سے بھی بڑا ہے۔اور علماء نے حیف کی معنی تہائی سے زیادہ اور وارث کے حق میں وصیت کرنے کا کیا ہے۔(ہدایہ)

ورثاء کا مورث کے بعد تہائی سے زائد کی اجازت دینے کا بیان

جب مورث کی موت کے بعد تہائی سے زائد کی اجازت دے دیں تو درست ہے اور وہ بھی اس طرح کہ ورثاء بڑے ہوں کیونکہ روکنا انہی کے حق کے سبب سے تھا۔اور وہ اپنے حق کو ساقط کرنے والے ہیں۔

اور مورث کی زندگی میں ورثاء کی اجازت کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔کیونکہ یہ حق ثابت ہونے سے پہلے کا معاملہ ہے۔کیونکہ وارثوں کا حق تو موت کے بعد ثابت ہوتا ہے۔پس ورثاء کو حق حاصل ہے کہ مورث کی موت کے بعد اس کو رد کر دیں۔جبکہ موت کے موت کے بعد والی اجازت میں ایسا نہیں ہے۔کیونکہ یہ اجازت حق ثابت ہونے کے بعد ہے پس وارث اس سے رجوع کا حق رکھنے والے نہیں ہیں۔اس لئے کہ جو چیز ساقط ہو جائے وہ معدوم ہے۔اور زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ وارثوں کا حق اجازت کے وقت مزید پکا ہو جائے گا۔اور پختگی موجودہ حق میں ظاہر ہوا کرتی ہے۔جبکہ یہ گزر کر معدوم ہونے والی ہے۔اور یہ بھی دلیل ہے کہ حقیقت موت کے وقت ثابت ہوتی ہے۔جبکہ موت سے پہلے صرف حق ثابت ہوتا ہے۔پس جب ہر طرح استناد کو ثابت کر دیا جائے تو موت سے پہلے ہی حقیقت بدل جائے گی۔کیونکہ حق کو باطل کرنے کی رضامندی یہ حقیقت کی رضامندی نہیں ہے۔

اور اسی طرح جب کوئی وصیت وارث کے لئے ہے اور باقی وارثوں نے اس کی اجازت دے دی ہے۔تو اس کا حکم بھی اسی طرح ہوگا جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔اور ہر وہ تصرف جو وارث کی اجازت کے ساتھ ہو ہمارے نزدیک موصی کی طرف سے مجازلہ اس کا مالک بن جائے گا۔(قاعدہ فقہیہ)

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک یہاں پر وہ وارث کی جانب سے مالک بن جائے گا۔اور ہمارا قول درست ہے کیونکہ اس کا سبب موصی کی جانب سے واقع ہوا ہے۔اور اجازت دینا یہ مانع کو ختم کرنے کی بات ہے۔اور قبضہ اس کے لئے شرط نہیں ہے۔تو یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح جب مرتہن راہن کو بیع کرنے کی اجازت دے دیتا ہے۔

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وصیت ثلث مال سے زیادہ کی جائز نہیں مگر یہ کہ وارث اگر بالغ ہیں اور نابالغ یا

مجنون نہیں، اور وہ موصی کی موت کے بعد ثلث مال سے زائد کی وصیت جائز کردیں تو صحیح ہے۔ موصی کی زندگی میں اگر وارثوں نے اجازت دی تو اس کا اعتبار نہیں۔ موصی کی موت کے بعد اجازت معتبر ہے۔ (عالمگیری ج6، ص90)

بَاب لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

یہ باب وارث کے لیے وصیت نہ ہونے کے بیان میں ہے

2712 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِىْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَهُمْ وَهُوَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ وَاِنَّ رَاحِلَتَهٗ لَتَقْصَعُ بِجِرَّتِهَا وَاِنَّ لُغَامَهَا لَيَسِيْلُ بَيْنَ كَتِفَىَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ لِكُلِّ وَارِثٍ نَصِيْبَهٗ مِنَ الْمِيْرَاثِ فَلَا يَجُوْزُ لِوَارِثٍ وَصِيَّةٌ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَمَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ اَوْ قَالَ عَدْلٌ وَّلَا صَرْفٌ

◄◄ عمرو بن خارجہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا آپ ﷺ اس وقت اپنی سواری پر سوار تھے آپ ﷺ کی سواری جگالی کررہی تھی اور اس کا لعاب میرے کندھوں کے درمیان بہہ رہا تھا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کا وراثت میں مخصوص حصہ مقرر کردیا ہے' تو اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے بچہ فراش والے کو ملے گا اور زنا کرنے والے کو محرومی ملے گی' جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے یا اپنے آزاد کرنے والے آقا کی جگہ کسی اور کی طرف خود کو منسوب کرے اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں کی لعنت ہوگی ایسے شخص کی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں ہوگی (راوی کو یہاں ایک لفظ کے بارے میں شک ہے)''

2713 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا شُرَحْبِيْلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِىُّ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ الْبَاهِلِىَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِىْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حِجَّةِ الْوَدَاعِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

◄◄ حضرت ابوامامہ باہلی بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ میں یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے اس لیے وارث کے لیے وصیت نہیں ہوگی۔

2714 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ شَابُوْرَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يَزِيْدَ بْنِ جَابِرٍ

2712: اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 2121' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3643' ورقم الحدیث: 3644' ورقم الحدیث: 3645

2713: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3565' ورقم الحدیث: 2870' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 2120

2714: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ حَدَّثَهٗ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اِنِّىْ لَتَحْتَ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْلُ عَلَىَّ لُعَابُهَا فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ اَلَا لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

◆◆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے نیچے کھڑا ہوا تھا، اور اس کا لعاب میرے اوپر گر رہا تھا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: "اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق عطاء کر دیا ہے، یاد رکھنا! وارث کے لیے وصیت نہیں ہوتی"۔

وارث کے لئے وصیت کے عدم جواز کا بیان

وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو حق دے دیا ہے۔ خبردار! وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ بعض کو ترجیح دینے سے بعض کو تکلیف ہو گی۔ اور اس کو جائز قرار دینے میں قطع رحمی پائی جائے گی۔ کیونکہ ہماری بیان کردہ حدیث کے مطابق یہ زیادتی ہو گی۔ اور موصی لہ کا وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار موت کے وقت کیا جائے گا وصیت کے وقت کوئی اعتبار نہ ہو گا۔ کیونکہ وصیت ایک ایسی ملکیت ہے جو موت کے بعد کی جانب منسوب ہے۔ اور اس کا حکم بھی موت کے بعد ثابت ہونے والا ہے اور مریض کی جانب سے وارث کے لئے ہبہ کرنا اس میں وصیت کی مثال ہے۔ کیونکہ یہ حکمی طور پر وصیت ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس کا نفاذ تہائی مال سے ہو گا۔ جبکہ وارث کے لئے مریض کا اقرار کرنا یہ اس کے برعکس ہو گا کیونکہ یہ فوری طور پر تصرف ہے پس یہ وقت اقرار اعتبار کیا جائے گا۔

ہاں البتہ جب ورثاء اس وصیت کی اجازت دے دیتے ہیں تو یہ استثناء ہماری روایت کردہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس کا منع ہونا یہ ورثاء کے حق کے سبب تھا پس وارثوں کی اجازت سے وصیت جائز ہو جائے گی۔ اور جب بعض نے اجازت دی ہے اور بعض نے اجازت نہ دی تو اجازت دینے والوں پر ان کے حصے کی مقدار کے برابر وصیت جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ اجازت دینے والے پر اپنے آپ پر ولایت حاصل ہے۔ اور رد کرنے کی صورت میں وصیت باطل ہو جائے گی۔ (ہدایہ)

حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے لہٰذا وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 297)

اور امام ترمذی نے یہ مزید نقل کیا ہے کہ بچہ صاحب فراش کے لئے ہے اور زنا کرنیوالے کے لئے پتھر ہے، نیز ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور حضرت ابن عباس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ وارث کے لئے وصیت نہیں ہے مگر جب کہ وارث چاہیں، یہ حدیث منقطع ہے اور یہ مصابیح کے الفاظ ہیں۔

اور دارقطنی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہوتی مگر جب کہ وارث چاہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا ہے الخ) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ورثاء کے لئے حصے متعین ومقرر فرما دیئے

ہیں خواہ وہ کسی وارث کے حق میں یہ وصیت کر بھی جائے کہ اسے دوسرے وارثوں سے اتنا زیادہ حصہ دیا جائے تو شرعی طور پر اس کا کچھ اعتبار نہیں ہاں اگر تمام ورثاء عاقل و بالغ ہوں اور وہ برضاء و رغبت کسی وارث کو میت کی وصیت کے مطابق اس کے حصے سے زیادہ دیدیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں آیت میراث نازل ہونے سے پہلے اپنے اقرباء کے حق میں وصیت کر جانا واجب تھا مگر جب آیت میراث نازل ہوئی اور تمام ورثاء کے حصے متعین و مقرر ہو گئے تو وصیت کا واجب ہونا منسوخ ہو گیا۔

فراش ویسے تو عورت کو کہتے ہیں لیکن یہاں (الولد للفراش) میں فراش سے مراد صاحب فراش یعنی عورت کا مالک ہے۔ حدیث گرامی کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہو جائے تو اس بچہ کا نسب زنا کرنے والے سے قائم نہیں ہوتا بلکہ وہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے خواہ وہ صاحب فراش زنا کرانے والی عورت کا خاوند ہو یا لونڈی ہونے کی صورت میں) اس کا آقا ہو اور یا وہ شخص جس نے شبہ میں مبتلا ہو کر اس عورت سے صحبت کر لی تھی۔

اور زنا کرنے والے کے لئے پتھر ہے یہ جملہ زنا کرنیوالے کی محرومی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جیسا کہ ہماری عام بول چال میں کسی ایسے شخص کے بارے میں کہ جسے کچھ نہیں ملتا کہہ دیا کرتے ہیں کہ اسے خاک پتھر ملے گا، لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونیوالے بچہ کا نسب چونکہ زنا کرنیوالے سے قائم نہیں ہوتا اس لئے ولد الزنا کی میراث میں سے اسکو کچھ نہیں ملے گا۔ یا پھر یہ کہ یہاں پتھر سے مراد سنگسار کرنا ہے کہ اس زنا کرنیوالے کو اگر وہ شادی شدہ تھا سنگسار کر دیا جائے گا)۔

ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے کا مطلب یہ ہے کہ اس بدکاری میں مبتلا ہونیوالوں کا حساب و کتاب اللہ پر ہے کہ وہ ہر ایک کو ان کے کرتوت کے مطابق بدلہ دے گا۔ ویسے یہ جملہ ایک دوسرے معنی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک دنیا کا تعلق ہے تو یہاں ہم زنا کرنیوالوں کو سزا دیتے ہیں بایں طور کہ ان پر حد جاری کرتے ہیں اب رہا وہاں یعنی آخرت کا معاملہ تو یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء پر موقوف ہے چاہے تو مؤاخذہ کرے اور چاہے تو اپنے بے پایاں رحم و کرم کے صدقہ میں انہیں بخش دے۔

مذکورہ بالا عبارت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص زنا کرے یا کسی اور گناہ میں مبتلا ہو اور اس پر کوئی حد قائم نہ ہو یعنی دنیا میں اسے کوئی سزا نہ دی جائے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے اسے عذاب میں مبتلا کرے۔

بَاب الدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ

یہ باب وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے میں ہے

2715 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَأَنْتُمْ تَقْرَءُونَهَا (مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ) وَإِنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ لَيَتَوَارَثُونَ دُونَ بَنِي الْعَلَّاتِ

2715 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2094' و رقم الحدیث: 2095' و رقم الحدیث: 2122

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ وصیت پوری کرنے سے پہلے (میت کا) قرض ادا کیا جائے گا حالانکہ تم لوگ یہ آیت تلاوت کرتے ہو۔

''وصیت کے بعد جو اس نے کی ہے اور قرض کے بعد'' بے شک حقیقی بھائی وارث بنیں گے صرف باپ کی طرف سے شریک بھائی وارث نہیں بنیں گے۔

شرح

شریعت کا اصول یہ ہے کہ مرنے والے کے مال سے پہلے شریعت کے مطابق اس کے کفن دفن کے اخراجات پورے کئے جائیں، جن میں نہ فضول خرچی ہو نہ کنجوسی ہو، اس کے بعد اس کے قرضے ادا کئے جائیں، اگر قرضے اتنے ہی ہوں جتنا اس کا مال ہے یا اس سے بھی زیادہ تو نہ کسی کو میراث ملے گی نہ کوئی وصیت نافذ ہوگی اور اگر قرضوں کے بعد مال بچ جائے یا قرضے بالکل ہی نہ ہوں تو اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو اور وہ کسی گناہ کی وصیت نہ ہو، تو اب جو مال موجود ہے اس کے ایک تہائی میں سے اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی، اگر کوئی شخص پورے مال کی وصیت کر دے تب بھی تہائی مال ہی میں وصیت معتبر ہوگی۔ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا مناسب بھی نہیں ہے اور وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے وصیت کرنا گناہ بھی ہے۔

ادائے دین کے بعد ایک تہائی میں وصیت نافذ کر کے شرعی وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے جس کی تفصیلات فرائض کی کتابوں میں موجود ہیں، اگر وصیت نہ کی ہو تو ادائے دین کے بعد پورا مال میراث میں تقسیم ہوگا۔

بَاب مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يُوْصِ هَلْ يُتَصَدَّقُ عَنْهُ

یہ باب ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس نے کوئی وصیت نہ کی ہو تو کیا اس کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کی جاسکتی ہے؟

2716 - حَدَّثَنَا اَبُوْ مَرْوَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْعُثْمَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِیْ حَازِمٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَبِیْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَّلَمْ يُوْصِ فَهَلْ يُكَفِّرُ عَنْهُ اَنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: اس نے عرض کی: میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے، انہوں نے کچھ مال چھوڑا ہے، انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی تھی، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دیتا ہوں تو کیا یہ ان کی طرف سے کفارہ بن جائے گا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ''جی ہاں''۔

2717 - حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا اَتٰی

2716 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2717 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 2324' ورقم الحدیث: 4198

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَلَمْ تُوصِ وَإِنِّي أَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ لَتَصَدَّقَتْ فَلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا وَلِيَ أَجْرٌ قَالَ نَعَمْ

سیدہ عائشہ صدیقہ ﷺ بیان کرتی ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا وہ وصیت نہیں کر سکی میرا یہ خیال ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ کرتیں تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دیتا ہوں تو کیا انہیں اجر ملے گا اور کیا مجھے اجر ملے گا؟ نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا: جی ہاں۔

قرآن کی روشنی میں ایصال ثواب کا ثبوت و تحقیق

قرآن مجید کی آیات میں سے بہت سی آیات سے یہ استدلال ثابت ہے۔ کہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کا امر محمود ہے۔ یہ بھلائی دنیاوی ہو اخروی ہو دونوں طرح سے حسن سلوک کرنا نیکی ہے۔ اسی طرح فوت شدہ مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا بہترین طریقہ ایصال ثواب ہے۔

(۱) فوت شدہ مسلمانوں کے لئے دعا کرنے کا حکم

وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اور وہ جو ان کے بعد آئے۔ عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔ اے رب ہمارے بیشک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔

اس آیت میں غور کریں کہ دوسروں کے لئے دعا کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اس میں عموم ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا فوت شدہ ہوں۔ جب حکم عموم کے بیان ہوا اور اس کے عموم پر یعنی جب فوت شدہ کو ثواب پہنچنے کا حکم ثابت ہو رہا ہے۔ اور احادیث متواترہ بھی دوسروں کو ثواب پہنچانے پر حجت ہوں تو اس حکم میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ یقیناً اس اعتقاد کو اپنانا قرآن وسنت کے تعلیمات کے عین مطابق ہوگا۔ کہ دوسروں کو ثواب پہنچتا ہے۔ البتہ احادیث سے ایسے دلائل بھی موجود ہیں جو اوقات کی تخصیص کا فائدہ دیتے ہیں۔ جس طرح نماز میں سو مسلمان یا چالیس مسلمان یا مسلمانوں کی تین صفوں کی فضیلت کہ ان کی دعا سے فوت ہونے والا بخشا جائے گا۔

(۲) آنے والے زمانے میں پیدا ہونے والی اولاد کے لئے دعا کا حکم

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ، رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ، رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۔ (ابراہیم ۴۰)

اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو۔ اے ہمارے رب اور میری دعا سن لے۔ اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

احادیث کی روشنی میں ایصال ثواب کا ثبوت وتحقیق:

(۱) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ان کی والدہ فوت ہوگئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ؟ میری ماں فوت ہوگئی ہے کیا میں اسکی طرف سے صدقہ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی پلانا۔ (احمد، نسائی)

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والے کی طرح ہے، جو اپنے ماں باپ، بھائی یا کسی دوست کی دُعا کا منتظر رہتا ہے۔ جب اسے دُعا پہنچتی ہے تو اسے یہ دنیا جہاں کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بیشک اہل دنیا کی دُعا سے اللہ تعالیٰ اہل قبور کو پہاڑوں کے برابر اجر عطا فرماتا ہے۔ مردوں کے لئے زندوں کا بہترین تحفہ ان کے لئے استغفار کرنا ہے۔ (بیہقی)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں نیک آدمی کا درجہ بلند فرماتا ہے تو آدمی عرض کرتا ہے، یا اللہ! یہ درجہ مجھے کیسے حاصل ہوا؟ اللہ رب العالمین فرماتا ہے: تیرے بیٹے نے تیرے لئے استغفار کیا ہے۔ (احمد)

(۴) حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب حد زنا لگنے سے سنگسار کر دیا تو بعد از دفن جب دو دن یا تین گزر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے جہاں صحابہ کرام بیٹھے تھے پس سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بیٹھ گئے اور صحابہ کرام کو فرمایا کہ ماعز بن مالک کی بخشش کی دعا کرو تو صحابہ کرام نے ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کی مغفرت کی دعا مانگی۔ (مسلم، جلد دوم) بفضلہ تعالیٰ اہل سنت وجماعت کا یہی معمول ہے۔

ساتواں:

(۵) حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بے شک مردے سات دن تک اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں تو صحابہ کرام سات روز تک ان کی جانب سے کھانا کھلانا مستحب سمجھتے تھے۔ (شرح الصدور ابو نعیم فی الحلیہ) چنانچہ شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا وتصدیق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ) اور میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کرنا چاہیئے۔

دسواں:

(۶) فرمایا دس دنوں میں قرآن ختم کرو۔ (بخاری شریف، جلد اول) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ قرآن کتنے دنوں میں پڑھ جائے فرمایا دس دنوں میں۔ (ابوداؤد مترجم جلد اول) لہٰذا قرآن پڑھ کر میت کو بخشنے میں کوئی حرج نہیں!

(۷) حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو سکھایا کرتے تھے کہ وہ جب قبرستان جائیں تو وہاں یہ کہیں دعا (السلام علیکم اہل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ للاحقون نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ) سلامتی ہو تم پر اے گھر والے مومنین ومسلمین سے! یقیناً ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سے ضرور ملیں گے، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے عافیت یعنی مکروہات سے نجات مانگتے ہیں۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کو گھر اس لیے فرمایا ہے کہ جس طرح زندہ انسان اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں اسی طرح مردے اپنی اپنی قبروں میں رہتے ہیں۔

اهل الديار من المومنين والمسلمين من المومنين اهل الديار کا بیان اوراس کی وضاحت ہے اسی طرح و المسلمین من المومنین کی تاکید کے لیے استعمال فرمایا گیا ہے۔

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کی طرف روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ دعا (السلام عليكم يا اهل القبور يغفر الله لنا ولكم انتم سلفنا ونحن بالاثر) ۔اے قبر والو! تمہاری خدمت میں سلام پیش ہے اور اللہ تعالی ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم میں سے پہلے پہنچے ہوئے ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے ہی والے ہیں۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حدیث کے الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کی طرف اپنا روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے ، میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی شخص اہل قبور پر سلام پیش کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ اس وقت اس کا منہ میت کے منہ کے سامنے ہو، اسی طرح جب دعاء مغفرت و فاتحہ خوانی وغیرہ کے لیے قبر پر کھڑا ہو تو اپنا منہ میت کے سامنے رکھے چنانچہ علماء و مجتہدین کا یہی مسلک ہے اور اسی کے مطابق تمام مسلمانوں کا عمل ہے صرف علامہ ابن حجر اس کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مستحب ہے کہ قبر پر حاضر ہونے والا دعائے مغفرت و فاتحہ خوانی کے وقت اپنا منہ قبلہ کی طرف رکھے۔

مظہر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی میت کی زیارت اس کی زندگی کی ملاقات کی طرح ہے لہٰذا جس طرح کسی شخص کی زندگی میں اس سے ملاقات کے وقت اپنا منہ اس کے منہ کی طرف متوجہ رکھا جاتا ہے اس طرح اس کے مرنے کے بعد اس کی میت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی اپنا منہ اس کے منہ کے سامنے رکھا جائے پھر یہ کہ کسی بھی میت کے سامنے وہی طریقہ وآداب ملحوظ رہنے چاہئیں جو اس کی زندگی میں نشست و برخاست کے وقت ملحوظ ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کی ملاقات کے وقت جو اپنے کمالات وفضائل کی بناء پر عظیم المرتبت ورفیع القدر تھا ادب واحترام کے پیش نظر اس کے بالکل قریب نہیں بیٹھتا تھا بلکہ اس سے کچھ فاصلہ پر بیٹھتا تھا تو اب اس کی میت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی وہ فاصلہ سے کھڑا رہے یا بیٹھے اور اگر اس کی زندگی میں بوقت ملاقات اس کے قریب بیٹھتا تھا کہ جب اس کی میت یا قبر کی زیارت کرے تو اس کے قریب ہی کھڑا ہو یا بیٹھے۔

جب کسی قبر کی زیارت کی جائے تو اس وقت سورۃ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد تین مرتبہ پڑھے اور اس کا ثواب میت کو بخش کر اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

ائمہ اربعہ کے مطابق ایصال ثواب کا ثبوت

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور بدنی عبادتوں کے ذریعہ ایصال ثواب حدیث سے ثابت ہے اور یہی ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کی رائے ہے اور فقہاء شوافع میں سے بھی بہت سے لوگ اسی کے قائل ہیں؛ البتہ عمل کے

لئے اخلاص چاہئے اور جس میں اخلاص ہو، جو عمل اخلاص سے خالی ہو وہ خود لائق ثواب نہیں اور جو عمل خود ہی لائق ثواب نہ ہو اس کا ثواب دوسروں کو کیوں کر ایصال کیا جا سکتا ہے؟ یہی بات مشہور فقیہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ (ردالمحتار، ابن عابدین شامی)

حافظ سیوطی شرح الصدور میں لکھتے ہیں کہ: جمہور سلف اور ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد) کے نزدیک میت کو تلاوتِ قرآنِ کریم کا ثواب پہنچتا ہے، لیکن اس مسئلے میں ہمارے امام شافعی کا اختلاف ہے۔

انہوں نے امام قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: شیخ عزالدین بن عبدالسلام فتویٰ دیا کرتے تھے کہ میت کو تلاوتِ قرآنِ کریم کا ثواب نہیں پہنچتا، جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے کسی شاگرد کو خواب میں ان کی زیارت ہوئی، اور ان سے دریافت کیا کہ آپ زندگی میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے، اب تو مشاہدہ ہو گیا ہوگا، اب کیا رائے ہے؟ فرمانے لگے کہ: میں دُنیا میں یہ فتویٰ دیا کرتا تھا، لیکن یہاں آکر جو اللہ تعالیٰ کے کرم کا مشاہدہ کیا تو اس فتویٰ سے رُجوع کر لیا، میت کو قرآنِ کریم کی تلاوت کا ثواب پہنچتا ہے۔

امام محی الدین نووی شافعی شرح المہذب میں لکھتے ہیں کہ: قبر کی زیارت کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر ہو سکے قرآنِ کریم کی تلاوت کرے، اس کے بعد اہلِ قبور کے لئے دُعا کرے، امام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس پر ہمارے اصحاب متفق ہیں۔ فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی کتابوں میں بھی ایصالِ ثواب کی تصریحات موجود ہیں، اس لئے میت کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی تو بلاشبہ دُرست ہے۔ (شرح مہذب، ج ۵، ص ۳۱۱، بیروت)

بَاب قَوْلِهِ (وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ)

یہ باب ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور جو شخص غریب ہو، وہ مناسب طور پر کھالے"

2718- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْاَزْهَرِ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا اَجِدُ شَيْئًا وَّلَيْسَ لِي مَالٌ وَّلِي يَتِيمٌ لَهُ مَالٌ قَالَ كُلْ مِنْ مَّالِ يَتِيمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَّلَا مُتَاَثِّلٍ مَّالًا قَالَ وَاَحْسِبُهُ قَالَ وَلَا تَقِي مَالَكَ بِمَالِهِ

عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: مجھے کوئی چیز نہیں ملتی میرے پاس کوئی مال بھی نہیں ہے میرے پاس ایک یتیم ہے' جس کا مال موجود ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے یتیم کے مال میں سے اسراف کیے بغیر اور مال جمع کیے بغیر کھالو۔

راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ "تم اس کے مال کے ذریعے اپنے مال کو بچانہ لینا"۔

یتیموں کے مال بے جا خرچ کرنے کی ممانعت

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اس آیت میں اس بات کی ہدایت دی گئی ہے کہ یتیموں کے مال ان کو اس وقت تک حوالے نہ کرو جب تک ان میں کسی قدر ہوشیاری اور تجربہ نہ آجائے اور اس کے لئے ظاہر ہے کہ مزید کچھ عرصہ انتظار کرنا ہوگا۔

2718: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2872' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 3670

اس حالت میں یہ امکان تھا کہ اولیاء یتیم کی طرف سے کوئی ایسی زیادتی ہو جس سے یتیم کا نقصان ہو، اس لیئے اس آیت میں ارشاد فرمایا۔

ولا تاکلوھا اسرافا بدارا ان یکبروا یعنی ان اموال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے تو ان کو دینا پڑے گا، جلدی جلدی اڑا کر مت کھاڈالو اس میں اولیاء یتیم کو دو چیزوں سے روکا گیا، ایک ان کے مال میں اسراف یعنی ضرورت سے زائد خرچ کرنے سے دوسرے اس بات سے کہ ان کا مال ضرورت پیش آنے سے پہلے جلد جلد خرچ کرنے لگیں، اس خیال سے عنقریب یہ بڑے ہو جائیں گے تو ان کا مال ان کو دینا پڑے گا، ہمارا اختیار ختم ہو جائے گا۔

یتیم کا ولی اس کے مال میں سے ضرورتاً کچھ لے سکتا ہے

آخر آیت میں اس کا ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی یتیم بچے کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت میں اپنا وقت اور محنت خرچ کرتا ہے کیا اس کو یہ حق ہے کہ یتیم کے مال میں سے اپنا حق الخدمت کچھ لے لے، چنانچہ فرمایا۔

ومن کان غنیاً فلیستعفف۔ یعنی جو شخص حاجت مند نہ ہو اپنی ضرورت کا تکفل کسی دوسرے ذریعہ سے کرسکتا ہے، اس کو چاہئے کہ یتیم کے مال میں سے حق الخدمت نہ لیا کرے، کیونکہ یہ خدمت اس کے ذمہ فرض ہے، اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں، پھر فرمایا۔

ومن کان فقیراً فلیاکل بالمعروف یعنی جو ولی یتیم، فقیر محتاج ہو اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو وہ یتیم کے مال میں سے ایک مناسب مقدار رکھ سکتا ہے جس سے حاجات ضروریہ پوری ہو جائیں۔

مال سپرد کرتے وقت گواہ بنانا

آخر میں ارشاد فرمایا: فاذا دفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم وکفی باللہ حسیباً یعنی جب آزمائش کے بعد یتیموں کے اموال ان کے سپرد کرنے لگو تو چند ثقہ اور نیک لوگوں کو گواہ بنالیا کرو، تاکہ آئندہ کسی نزاع اور جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حساب میں ہر چیز ہے۔

كِتَابُ الْفَرَائِضِ

یہ کتاب فرائض کے بیان میں ہے

فرائض کے معنی ومفہوم کا بیان

فرائض جمع ہے فریضۃ کی جو فرض سے مشتق ہے فرائض میراث کے ان حصوں کو کہتے ہیں جو قرآن وحدیث میں متعین ومقرر ہیں۔ گویا اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جو شخص مر جائے اس کے کون کون عزیز واقارب اس کے وارث ہوں گے اور اس کا چھوڑا ہوا مال واسباب ان ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگا۔ یہ باب چونکہ ایک بڑے اہم موضوع سے متعلق ہے اس لئے مناسب ہے کہ ابتدائی طور پر چند اصولی باتیں اور کچھ ضروری مسائل یکجائی انداز میں نقل کر دیئے جائیں۔

کتاب فرائض کے شرعی ماخذ واہمیت کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تم علم فرائض (علم میراث) سیکھو اور لوگوں کو بھی سیکھاؤ کیونکہ میں وفات پانے والا ہوں اور بلاشبہ عنقریب علم اٹھایا جائے گا اور بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو آدمی حصہ میراث کے بارے میں باہم جھگڑا کریں گے اور انہیں ایسا کوئی شخص نہیں ملے گا جو ان کے درمیان اسکا فیصلہ کرے۔ (المستدرک ج4 ص369)

تم فرائض (میراث) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ وہ نصف علم ہے بلاشبہ وہ بھلا دیا جائے گا اور میری امت سے یہی علم سب سے پہلے سلب کیا جائے گا۔ (ابن ماجہ ج2 ص908)

تعریف: فقہ وحساب کے وہ اصول جاننا جن کے ذریعے سے ترکہ میں سے وارثوں کے حصے معلوم کیے جائیں۔

موضوع علم میراث کا موضوع ترکہ اس کے مستحق اور ان کے حصے ہیں۔

غرض وغایت: اس علم کے حاصل کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حق داروں کو ان کا حق پہنچایا جائے۔

حکم: اس علم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ وراثت کے تین رکن ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی مفقود ہو تو وراثت ثابت نہ ہوگی۔ 1 مُوَرِّث۔ یعنی میت یا جو میت کے حکم میں ہو جیسے گم شدہ۔ 2 وَارِث: یعنی وہ زندہ افراد جو میت کا مال لینے والے ہوں۔ 3 مَوْرُوْث: یعنی میت کا چھوڑا ہوا مال زمین یا سامان وغیرہ۔

ترکہ سے متعلق حقوق اربعہ کا بیان

علماء لکھتے ہیں کہ میت کے ترکہ (یعنی اس کے چھوڑے ہوئے مال واسباب) کے ساتھ چار حق متعلق ہوتے ہیں جس کی

ترتیب یہ ہے کہ (۱) پہلے تو میت کی تجہیز و تکفین کی جائے یعنی اسے غسل دیا جائے پھر کفن دیا جائے اس کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھوا کر قبرستان لے جایا جائے اور پھر قبر میں دفن کیا جائے ان چیزوں میں جو کچھ خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہ اس کے ترکہ میں سے اس طرح خرچ کیا جائے کہ نہ تو تنگی کی جائے اور نہ اسراف کیا جائے۔ (۲) اس کے بعد اگر میت کے ذمہ کوئی قرض و مطالبہ ہو تو اس کی ادائیگی کی جائے۔ پھر قرض و مطالبہ کی ادائیگی کے بعد (۳) جو مال و اسباب بچے اس میں سے تہائی حصہ میں وصیت جاری کی جائے بشرطیکہ اس نے وصیت کی ہو ان تین مرحلوں کے بعد (۴) اس کا بقیہ تمام مال و اسباب اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم کیا جائے جس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دیئے جائیں اور ان کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ میت کے عصبات نسبی کو دیدیا جائے کیونکہ ذوالفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ عصبات نسبی کا حق ہوتا ہے۔

اور اگر میت کے وارثوں میں ذوی الفروض موجود نہیں ہوتے تو پھر اس کا تمام ترکہ عصبات نسبی کو ملتا ہے اور اگر اس کے وارثوں میں عصبات نسبی نہیں ہوتے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ آزاد کرنیوالے کو ملتا ہے بشرطیکہ میت غلام رہا ہو اور اس کو آزاد کیا گیا ہو اور اگر آزاد کرنیوالا موجود نہ ہو تو پھر اس آزاد کرنیوالے کے مرد عصبات کو دیا جاتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو بھی وہ بچا ہوا ترکہ ذوی الفروض کی طرف لوٹ جائے گا علاوہ زوجین کے کیونکہ اس دوبارہ تقسیم میں ذوی الفروض میں سے زوجین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

اور اگر میت کے ورثاء میں نہ تو ذوی الفروض میں سے کوئی ہو اور نہ عصبات نسبی وسببی ہوں تو اس کا ترکہ ذوی الارحام کو دیا جائے اور اگر ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو مولا موالات کو دیا جائے اور اگر کوئی مولا موالات بھی نہ ہو تو پھر وہ تمام ترکہ اس غیر شخص کو ملے گا جس کے نسب کا میت نے اقرار کیا ہو مثلاً اس نے زید کے بارے میں کہا ہو کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے حالانکہ زید کا یہ نسب یعنی اس میت کے باپ کا بیٹا ہونا اس اقرار کے علاوہ اور کسی صورت میں ثابت نہ ہو لیکن پھر بھی وہ میت کے ترکہ کا حقدار قرار پائے گا۔

اور اگر ایسا بھی کوئی شخص نہ ہو تو پھر وہ ترکہ اس شخص کو دیا جائے گا جس کے لئے میت نے اپنے تمام مال کی وصیت کی ہو اور اگر ایسا بھی کوئی شخص نہ ہو جس کے لئے میت نے اپنے تمام مال و اسباب کی وصیت کی ہو تو پھر اس کا سارا مال و اسباب بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اور اگر بیت المال بھی نہ ہو تو پھر آخر میں بیت المال کے مصرف میں صرف کیا جائے یعنی مدارس و مساجد یا فقراء اور مساکین وغیرہ کو دیا جائے گا۔

وراثت سے متعلق بعض فقہی اصطلاحات کا بیان

حقیقی بھائی۔ جن کے ماں باپ دونوں شریک ہوں۔ علاتی بھائی۔ باپ شریک بھائی۔ اخیافی بھائی۔ ماں شریک بھائی۔ اخوہ۔ دو یا دو سے زیدہ بھائی / بہنیں، چاہے سب حقیقی ہوں، علاتی یا اخیافی ہوں یا ملے جلے ہوں۔

جد صحیح

ذوی الفروض میں صرف جد صحیح حصہ لے سکتا ہے۔ اور یہ وہ جد ہے جس کے میت کے ساتھ رشتے کے درمیان کوئی عورت نہ آئے مثلاً

دادا پردادا اسکڑ دادا وغیرہ سارے اجداد صحیح ہیں

جد رحمی (جد فاسد)

وہ جد ہے جس کے میت کے ساتھ رشتے میں عورت آتی ہو مثلاً نانا وغیرہ۔اس جد کو جد فاسد کہنے کی بجائے جد رحمی کہا جائے کیونکہ اس سے کئی مقدس رشتوں کی توہین ہوتی ہے۔

جدہ صحیحہ

عربی میں جدہ صرف دادی کو نہیں بلکہ ہر وہ عورت جس کی کسی قسم کی اولاد میں میت کے ماں باپ آسکتے ہوں پس نانی بھی جدہ کہلائے گی البتہ جدہ صحیحہ صرف وہ جدہ ہے جس کی میت کے ساتھ رشتے کے درمیان جد رحمی نہ آئے۔مثلاً دادا کی ماں، باپ کے باپ کی ماں ہوتی ہے وہ جدہ صحیحہ ہے کیونکہ اس میں جد رحمی کا واسطہ نہیں لیکن دادی کی دادی یعنی باپ کے نانا کی ماں جدہ صحیحہ نہیں کیونکہ نانا جد رحمی ہے۔جو جدہ، جدہ صحیحہ نہیں وہ جدہ رحمی ہے۔صفحہ نمبر 56 پر ان کا تین پشتوں تک کا نقشہ موجود ہے۔

ذوی الفروض

یہ وہ لوگ ہیں جن کی میراث میں حصے کتاب وسنت یا اجماع سے ثابت ہیں۔مثلاً میت کی بیٹی کیونکہ اس کا حصہ اگر اکیلی ہو اور میت کا بیٹا نہ ہو تو نصف قرآن سے ثابت ہے اور جدہ صحیحہ کا حصہ سدس حدیث پاک سے ثابت ہے۔

ذوی الفروض نسبی وسببی

وہ لوگ جن کے حصے کسی سبب کی بنیاد پر کتاب وسنت اور جماع سے ثابت ہوں، ذوی الفروض سببی کہلاتے ہیں۔مثلاً خاوند کا حصہ میت کی اولاد کی موجودگی میں''زوجیت کے رشتہ کی بنیاد پر ایک چوتھائی ہوتا ہے۔اگر یہ رشتہ ختم ہو جائے تو اس کا حصہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ لوگ جن کا حصہ نسب کی بنیاد پر ثابت ہو مثلاً **بیٹی** کا حصہ، یہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ہاں اگر اس کی موت میت کی موت سے پہلے ہو جائے یا کوئی اور وجہ اس کو وراثت سے محروم کردے مثلاً کوئی نعوذ باللہ من ذالک میت کے قتل کا مرتکب قرار پائے، چاہے قتل خطا ہو۔

اولاد کی تشریح

صرف وہ اولاد ذوی الفروض اور عصبات میں حصہ لے سکتی ہے اور دوسرے ذوی الفروض کے حصوں پر اثر انداز ہو سکتی ہے جس کے میت کے ساتھ رشتے میں عورت کا واسطہ نہ آئے مثلاً بیٹا **بیٹی**، پوتا، پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی، سکڑ پوتا، سکڑ پوتی وغیرہ ان اولاد میں کوئی موجود ہو تو بھائی بہنیں سب محروم قرار پائیں گے اور ماں کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہوگا۔اس کے مقابلے میں وہ اولاد جس کے میت کے ساتھ رشتے میں کوئی عورت آئے وہ ذوی الارحام اولاد ہے۔ان کی موجودگی میں دوسرے ذوی الفروض مثل بہن بھائی محروم نہیں ہوتے اور نہ ہی ذوی الفروض کے حصوں پر فرق پڑتا ہے اس لئے سکڑ پوتی اگرچہ خود تو عورت ہے لیکن چونکہ اس کے اور میت کے درمیان سارے واسطے مرد کے ہیں یعنی وہ میت کے بیٹے کے بیٹے کے بیٹے کی بیٹی ہے۔اس لئے یہ وہ اولاد ہے جو ذوی الفروض میں حصہ لے سکتی ہے۔اور نواسا گو کہ مرد ہے لیکن اس کے اور میت کے درمیان چونکہ واسطہ عورت (**بیٹی**) ہے اس لئے یہ ذوی الفروض اور عصبات میں حصہ لینے کا کبھی اہل نہیں بن سکتا

البتہ ذوی الارحام میں ان کو اول درجے کی ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

عول (تنگی)

اگر ذوی الفروض کی کسروں میں حصوں کا مجموعہ 1 سے بڑھ جائے۔ تو ذوی الفروض کے حصوں میں ان کے حصوں کے تناسب سے کمی کی جائے گی۔ اس کو علم المیراث میں عول کہتے ہیں کیونکہ اس میں ذوی الفروض میں ہر ایک کا حصہ اس کے اصل حصے سے کم ہو جاتا ہے مثلاً ماں کا حصہ اولاد کی موجودگی میں $\frac{1}{6}$ ہوتا ہے لیکن میت کی ماں کے ساتھ میت کی بیٹیاں، باپ اور بیوی موجود ہو تو ماں کا حصہ رہ جاتا ہے جو کہ اس کے عام حالات میں حصے یعنی $\frac{1}{6}$ سے کم ہے۔

عصبات

یہ میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے شریعت میں ایسے ثابت ہیں کہ جب ذوی الفروض اپنے اپنے حصے لے لیں تو اس کے بعد جو مال ترکے میں سے بچ جائے اس کے یہ حقدار بن جائیں۔

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ :- اس قرآنی قانون کے مطابق جب مرد اور عورتیں آپس میں بطور عصبہ یا بطور ذوی الارحام شریک بن جائیں تو ان میں ہر مرد کو عورت کے حصے کا دگنا دیا جاتا ہے۔

ردّ (لوٹانا)

یہ عول کی ضد ہے یعنی ذوی الفروض کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد بھی اگر کچھ ترکہ بچ جائے تو اس باقی ترکہ کو ذوی الفروض نسبی پر ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کرنے کو رد کہتے ہیں۔ اس سے ذوی الفروض کے حصے معمول کے حصوں سے بڑھ جاتے ہیں۔

سہام (اکائیاں)

ورثاء کے آپس میں حصوں کی جو نسبت ہوتی ہے اس کو سہام سے ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً بیوی، ماں اور باپ وارث ہوں تو ان کے حصوں میں 1:1:2 کی نسبت ہوتی ہے اس لئے یہ کہا جائے گا کہ بیوی کو 1 سہام، ماں کو بھی 1 سہام اور باپ کو 2 سہام دیے جائیں گے۔ چونکہ سہام اور اکائی ایک ہی چیز ہے اس لئے اگر کسی وارث کے سہام کا پتہ ہو تو کل ترکہ میں اس کا حصہ معلوم کرنے کے لئے اس کے سہام کو کل سہام پر تقسیم کر کے کل ترکہ سے ضرب دی جائے گی تو اس کا حصہ کل ترکہ میں معلوم ہو جائے گا مثلاً اس مثال میں بیوی کا 1 سہام ہے جبکہ کل سہام 4 بنتے ہیں اس لئے اگر کل ترکہ 2000 روپے ہو تو اس میں بیوی کا حصہ 1÷4×2000=500 روپے ہوا۔ اس کو اکائی کا قاعدہ بھی کہتے ہیں۔

تصحیح

اگر کسی وارث کے سہام اس کی تعداد پر تقسیم نہ ہوتے ہوں تو مجموعہ سہام کو ایسا بڑھانا کہ ورثاء کے حصوں میں جو نسبت ہو وہ تو برقرار ہو لیکن تمام ورثاء کے سہام ان کی اپنی اپنی تعداد پر تقسیم ہو جائیں یہ عمل تصحیح کہلاتا ہے۔ اس کے بعد جو سہام کا مجموعہ بنتا ہے تو کہتے ہیں کہ تصحیح اس سے ہے۔

اگر کوئی جدہ میت کے لئے ایک سے زیادہ قسم کی جدہ بنتی ہو مثلاً وہ میت کی نانی بھی ہو اور دادی بھی تو اس کو صرف ایک ہی جدہ کا حصہ ملے گا۔

بَاب الْحَثِّ عَلٰى تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ

یہ باب علم وراثت سیکھنے کی ترغیب دینے کے بیان میں ہے

2719 - حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ بْنِ اَبِي الْعِطَافِ حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا فَاِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْمِ وَهُوَ يُنْسَى وَهُوَ اَوَّلُ شَيْءٍ يُنْزَعُ مِنْ اُمَّتِي ۔

◄◄ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اے ابوہریرہ! تم علم وراثت سیکھو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دو کیونکہ یہ نصف علم ہے اور اسے بھلا دیا جائے گا، یہ وہ سب سے پہلی چیز ہوگی' جسے میری امت سے اٹھالیا جائے گا''۔

میت کے ترکہ کا بیان

میت کے ترکہ میں باپ کا چھٹا حصہ ہوتا ہے جب کہ میت کا بیٹا یا پوتا اور یا پڑپوتا بھی موجود ہو اور اگر یہ نہ ہوں بلکہ بیٹی یا پوتی اور یا پڑپوتی موجود ہو تو باپ کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور وہ عصبہ بھی ہوگا اور اگر نہ تو بیٹا یا پوتا اور پڑپوتا ہو اور نہ بیٹی یا پوتی اور یا پڑپوتی ہو تو باپ صرف عصبہ ہوگا حاصل یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو باپ صرف صاحب فرض ہوتا ہے اور دوسری صورت میں صاحب فرض بھی ہوتا ہے اور عصبہ بھی اور تیسری صورت میں صرف عصبہ ہوتا ہے۔

اگر میت کا باپ موجود نہ ہو تو مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں اس کا دادا باپ کی مانند ہوگا اور اگر میت کے باپ اور دادا دونوں زندہ ہوں تو پھر دادا محروم ہوگا یعنی اسے میت کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ اخیافی بھائی اور اخیافی بہن کو میراث کا چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ وہ ایک ہو اور اگر وہ دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کے لئے تہائی حصہ ہے جو مرد وعورت پر برابر تقسیم ہوگا۔

اور اگر میت کا باپ یا دادا زندہ ہو یا اس کا بیٹا یا بیٹے کی اولاد موجود ہو تو پھر اخیافی بھائی بہن محروم ہونگے۔ اگر بیوی مرجائے اور اس کا بیٹا بیٹی نہ ہو اور بیٹے کی اولاد بھی نہ ہو تو اس کے ترکہ میں سے شوہر کو نصف حصہ ملے گا اور اگر بیٹا بیٹی یا بیٹے کی اولاد موجود ہو تو شوہر کو چوتھا حصہ ملے گا۔

اگر خاوند مرجائے اور نہ تو اس کے بیٹے بیٹی ہوں اور نہ بیٹے کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ میں سے بیوی کو چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر میت کے بیٹا بیٹی یا بیٹے کی اولاد موجود ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر میت کی ایک ہی بیوی ہو تو اس کو بھی وہی حصہ ملے گا جو ذکر کیا گیا ہو اور اگر ایک سے زائد یعنی دو یا تین اور چار بیویاں ہوں تب بھی یہی حصہ ملے گا فرق صرف اتنا ہے کہ اگر ایک بیوی ہوگی تو مذکورہ بالا حصہ کی وہ تنہا حق دار ہوگی اور ایک سے زائد بیویاں ہوں گی تو وہ اس حصہ کو باہم تقسیم کرلیں گی۔

میت کے ترکہ میں سے ماں کو چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ میت کے بیٹا بیٹی یا پوتا یا اس کی اولاد یا بہن یا دو بھائی اور دو بہن یا دو سے زائد بھائی اور بہن خواہ حقیقی بھائی بہن ہوں یا سوتیلے اور اخیافی ہوں موجود ہوں۔

اگر ان میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوگا تو ماں کو کل ترکہ میں سے تہائی حصہ ملے گا۔ اور اگر ماں کے ساتھ باپ اور خاوند بھی ہو تو اس صورت میں باپ اور خاوند یا بیوی کا حصہ دے کر جو باقی بچے گا اس میں سے ماں کو تہائی حصہ ملے گا اور اگر مذکورہ بالا صورت میں بیوی یا خاوند کے ساتھ باپ کے بجائے دادا موجود ہو تو پھر ماں کو تمام ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا کیونکہ اس صورت میں دادا باپ کا قائم مقام نہیں ہوتا۔ دادی اور نانی کا چھٹا حصہ ہوتا ہے خواہ وہ ایک ہوں یا کئی ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صرف ایک دادی یا صرف ایک نانی ہوگی تو وہ میت کے ترکہ کے چھٹے حصہ کی تنہا حق دار ہوگی۔

اور اگر ایک سے زائد ہوں گی مثلاً ایک دادی اور ایک نانی ہو یا دو دادی یا دو نانی ہوں تو وہ سب اس چھٹے حصہ کو باہم برابر تقسیم کر لیں گی بشرطیکہ وہ سب درجہ میں برابر ہوں اور اگر درجہ میں برابر نہ ہوں بلکہ درجہ میں متفاوت ہوں جیسے ایک دادی ہو اور ایک پڑدادی ہو یا ایک نانی ہو اور ایک پڑنانی ہو تو دور کے درجہ والی یعنی پڑنانی) قریب کے درجہ والی یعنی نانی کے سامنے محروم ہوگی اسی طرح ماں کی موجودگی میں تمام ہی جدات یعنی دادی و نانی وغیرہ محروم ہوتی ہیں نیز دادا کی موجودگی میں باپ کی دادیاں محروم ہوتی ہیں لیکن دادا کی بیوی یعنی باپ کی ماں محروم نہیں ہوتی۔

میت کی بیٹی میراث سے کبھی محروم نہیں ہوتی اگر اس کا بھائی یعنی میت کا بیٹا موجود ہوتا ہے تو وہ عصبہ بن جاتی ہے ورنہ ذوی الفروض رہتی ہے چنانچہ بیٹی کے میراث پانے کی دو تین صورتیں ہوتی ہے۔

اول یہ کہ صرف ایک بیٹی ہو اور اس کے ساتھ اس کا کوئی حقیقی یا سوتیلا بھائی نہ ہو تو میت کے ترکہ میں سے اس کو نصف حصہ ملتا ہے اور اگر کوئی دوسرا وارث بھی نہ ہو تو باقی نصف حصہ بھی اسی کو مل جاتا ہے۔

دوم یہ کہ اگر دو بیٹیاں ہوں یا دو سے زائد ہوں اور ان کے ساتھ ان کا کوئی حقیقی یا سوتیلا بھائی نہ ہو تو ان بیٹیوں کے ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا جسے وہ سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔

سوم یہ کہ اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا موجود ہو تو اس صورت میں بیٹی کا کوئی حصہ مقرر نہیں بلکہ وہ عصبہ بن جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں سے جس قدر بیٹے کو ملے گا اس کا آدھا ہر ایک بیٹی کو ملے گا خواہ ایک بیٹی ہو یا دو چار بیٹیاں ہوں چنانچہ اگر کسی میت کے متعدد بیٹے اور متعدد بیٹیاں ہوں تو ان میں ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ ہر بیٹے کو دو حصے اور ہر بیٹی کو ایک حصہ دیا جائے گا۔ اگر میت کے بیٹی بیٹا یا پوتا موجود نہ ہو صرف ایک پوتی ہو تو اس کو ترکہ میں سے نصف ملے گا اور اگر دو یا دو سے زیدہ پوتیاں ہوں تو ان کو کل ترکہ میں سے دو تہائی دیا جائے گا۔ جسے وہ سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔

اگر میت کے بیٹا پوتا یا پڑپوتا موجود نہ ہو بلکہ صرف ایک بیٹی ہو تو پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا خواہ ایک پوتی ہو یہ متعدد پوتیاں ہوں اور اگر میت کے دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں موجود ہوں گی تو اس صورت میں پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا خواہ ایک پوتی ہو یا متعدد پوتیاں ہوں اور اگر میت کے دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں موجود ہوں گی تو اس صورت میں پوتی بالکل محروم رہے گی ہاں اگر پوتی کے ساتھ میت

کا پوتا بھی موجود ہو خواہ وہ نیچے ہی کے درجہ کا کیوں نہ ہو یعنی پوتا اور خواہ یہ پوتا اس پڑپوتی کا حقیقی بھائی ہو یا سوتیلا بھائی ہو اور یا چچا زاد بھائی ہو تو پھر چاہے میت کی ایک ہی بیٹی ہو یا متعدد بیٹیاں ہوں وہ پوتی عصبہ ہو جائے گی۔

جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے گا یہ پوتی اور پوتا آپس میں بطور عصوبت تقسیم کریں گے یعنی پوتے کو دو حصے اور پوتی کو ایک حصہ ملے گا لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر میت کا بیٹا موجود ہوگا تو پھر یہ پوتی ہر حال میں بالکل محروم رہے گی نیز اگر نہ تو میت کی اولاد موجود ہو اور نہ میت کے بیٹے کی اولاد موجود ہو تو مذکورہ بالا تمام صورتوں میں میت کی پوتی اس کی پوتی کے قائم مقام ہوگی اور اگر بیٹی موجود ہے تو بیٹی کی اولاد محروم رہے گی اور اگر پوتی موجود ہے تو پوتی کی اولاد محروم قرار پائے گی۔

اگر میت کی اولاد موجود ہو یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو (خواہ وہ نیچے ہی کے درجہ کی کیوں نہ ہو) تو اخیافی بہن بھائی محروم قرار پاتے ہیں اسی طرح اگر میت کا باپ یا دادا موجود ہو تو اخیافی بہن بھائی محروم ہوتے ہیں۔

اگر میت کے کوئی بیٹا یا بیٹی یا پوتا پوتی اور یا پڑپوتا پڑپوتی موجود نہ ہو بلکہ صرف ایک حقیقی بہن ہو تو وہ ہر حال میں بیٹی کے قائم مقام ہوگی یعنی اگر ایک بہن ہوگی تو اسے میت کے کل ترکہ میں سے نصف ملے گا اور اگر دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں گی تو انہیں کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا جسے وہ آپس میں برابر تقسیم کرلیں گی مذکورہ بالا صورت میں سوتیلی بہن کا بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ حقیقی بہن موجود نہ ہو۔

اگر میت کی بیٹی یا پوتی یا پڑپوتی یا سکڑ پوتی موجود ہو (خواہ ایک ہو یا زیادہ ہوں) تو اس صورت میں حقیقی بہن اور اگر حقیقی بہن نہ ہو تو سوتیلی بہن عصبہ ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں سے ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ اس بہن کو مل جائے گا۔

اگر میت کے حقیقی بھائی ایک یا زیادہ موجود ہوں تو حقیقی بہن اس کے ساتھ مل کر عصبہ بن جائے گی اور اگر بھائی حقیقی نہ ہو بلکہ سوتیلا ہو تو حقیقی بہن اس سوتیلے بھائی کی موجودگی میں ذوی الفروض میں شامل ہوگی۔

اگر میت کے ایک حقیقی بھائی ہو اور اس کے ساتھ ہی سوتیلے بھائی بہن بھی ہوں تو اس حقیقی بھائی کی موجودگی میں وہ سوتیلے بھائی بہن محروم ہوں گے۔ اگر میت کی ایک حقیقی بہن موجود ہو تو اس کی موجودگی میں سوتیلی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زائد ہوں اور اگر حقیقی بہنیں ایک سے زائد ہوں تو پھر سوتیلی بہن ساقط ہو جائے گی اسے کچھ نہیں ملے گا ہاں اگر سوتیلی بہن کے ساتھ سوتیلا بھائی ہو تو پھر یہ سوتیلی بہن محروم نہیں ہوگی بلکہ خواہ ایک حقیقی بہن ہو ایک سے زائد ہوں اور خواہ ایک بھی نہ ہو ہر صورت میں سوتیلی بہن سوتیلے بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی۔

جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد میت کے ترکہ میں سے جو کچھ بھی بچے گا وہ سب ان سوتیلے بہن بھائی کے درمیان بطور عصوبت تقسیم ہو جائے گا اور اگر میت کی حقیقی بہن میت کی بیٹی یا پوتی یا پڑپوتی اور یا سکڑ پوتی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی تو اس صورت میں سوتیلا بھائی اور سوتیلی بہن بالکل محروم رہیں گے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اگر میت کے بیٹا یا پوتا یا

پڑپوتا اور یا سکڑپوتا موجود ہوگا تو میت کا حقیقی بھائی حقیقی بہن اور سوتیلے بھائی بہن محروم رہیں گے اسی طرح میت کے باپ یا دادا کی موجودگی میں بھی میت کے حقیقی اور سوتیلے بہن بھائی محروم رہیں گے۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میراث کے حصے جو قرآن کریم میں متعین کیے گئے ہیں حصہ داروں کو دو پھر جو کچھ بچے وہ میت کے اس مرد وارث عصبہ کا حق ہے جو میت کا سب سے قریبی عزیز ہو۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 267)

مطلب یہ ہے کہ میت کا ترکہ سب سے پہلے ان لوگوں کو دو جن کے حصے قرآن کریم میں مقرر ہیں کہ جنہیں ذوی الفروض کہا جاتا ہے ان کو معینہ حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ عصبات کو دو اور پھر عصبات میں مقدم وہ عصبہ ہیں جو میت کا سب سے قریبی عزیز ہو چنانچہ قریب کے عصبہ کی موجودگی میں بعید کا عصبہ میت کے ترکہ کا وارث نہیں ہوتا ابتداء باب میں ذوی الفروض اور عصبات کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے۔ حدیث کے آخری الفظ "رجل ذکر" میں لفظ ذکر تاکید کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ خنثی سے احتراز ہو جائے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ ارشاد گرامی اس بات کی دلیل ہے کہ بعض وارث بعض دوسرے وارثوں کے حق میں حاجب یعنی میراث سے روکنے والے) ہوتے ہیں چنانچہ حجب یعنی میراث سے روکنا دو طرح سے ہوتا ہے اول حجب نقصان دوم حجب حرمان اس موقع پر اجمالی طور پر ان دونوں کی یہ تعریف جان لیجئے کہ بعض وارث ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے دوسرے وارثوں کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ مثلا جب میت کے اولاد نہ ہو تو میت کی ماں کو ترکہ میں سے ایک تہائی ملتا ہے۔

اور اگر میت کی اولاد موجود ہو تو میت کی ماں کو صرف چھٹا حصہ ملتا ہے اس کو حجب نقصان کہتے ہیں اسی طرح بعض وارث ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے بعض عزیزوں کو میراث میں سے کچھ بھی نہیں ملتا مثلا میت کے بیٹے کے موجودگی میں بھائی میراث سے بالکل محروم رہ جاتا ہے۔ اس کو حجب حرمان کہتے ہیں۔

بَاب فَرَائِضِ الصُّلْبِ

یہ باب صلبی اولاد کی وراثت کے بیان میں ہے

2720- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْعَدَنِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ عَقِيلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ جَائَتِ امْرَاَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ بِابْنَتَيْ سَعْدٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدٍ قُتِلَ مَعَكَ يَوْمَ اُحُدٍ وَاِنَّ عَمَّهُمَا اَخَذَ جَمِيعَ مَا تَرَكَ اَبُوهُمَا وَاِنَّ الْمَرْاَةَ لَا تُنْكَحُ اِلَّا عَلَى مَالِهَا فَسَكَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى اُنْزِلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ فَقَالَ اَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ ثُلُثَيْ مَالِهِ وَاَعْطِ امْرَاَتَهُ الثُّمُنَ وَخُذْ اَنْتَ مَا بَقِيَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دو صاحبزادیوں کو

2720. اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2891 'ورقم الحدیث: 2892' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 2092

ساتھ لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! یہ دونوں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں ہیں جو آپ ﷺ کے ساتھ غزوۂ اُحد میں (شرکت کرتے ہوئے) شہید ہو گئے تھے۔ ان کے چچا نے ان کے والد کا چھوڑا ہوا سارا ترکہ حاصل کرلیا ہے اور کسی عورت کے ساتھ تو اس کے مال کی وجہ سے ہی نکاح کیا جاتا ہے' تو نبی اکرم ﷺ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ وارثت کے متعلق آیت نازل ہوگئی نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے بھائی کو بلوایا اور فرمایا: سعد کی دونوں بیٹیوں کو اس کے مال کا دوتہائی حصہ دو اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ دو اور جو باقی بچ جائے وہ تم لو۔

2721- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِي قَيْسٍ الْاَوْدِيِّ عَنِ الْهُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى اَبِي مُوسَى الْاَشْعَرِيِّ وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ الْبَاهِلِيِّ فَسَاَلَهُمَا عَنِ ابْنَةٍ وَّابْنَةِ ابْنٍ وَّاُخْتٍ لِّاَبٍ وَّاُمٍّ فَقَالَا لِلابْنَةِ النِّصْفُ وَمَا بَقِيَ فَلِلْاُخْتِ وَائْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ فَسَيُتَابِعُنَا فَاَتَى الرَّجُلُ ابْنَ مَسْعُودٍ فَسَاَلَهُ وَاَخْبَرَهُ بِمَا قَالَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ وَلٰكِنِّي سَاَقْضِي بِمَا قَضٰى بِهٖ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلابْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ الِابْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلْاُخْتِ

◄◄ ہذیل بن شرحبیل بیان کرتے ہیں: ایک شخص حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان دونوں سے (میت کی) ایک بیٹی' ایک پوتی اور ایک سگی بہن کے بارے میں دریافت کیا: تو ان دونوں حضرات نے فرمایا: میت کی بیٹی کو نصف حصہ ملے گا اور جو باقی بچ جائے گا' وہ بہن کو ملے گا تم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ تو وہ بھی ہماری تائید کریں گے وہ شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے اس بارے میں دریافت کیا: اور انہیں یہ بھی بتایا جو ان دونوں نے جواب دیا تھا' تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (اگر میں یہ جواب دوں) پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں گا' پھر تو میں ہدایت یافتہ نہیں رہوں گا' میں اس بارے میں وہ فیصلہ دوں گا' جو اس بارے میں نبی اکرم ﷺ نے دیا تھا: بیٹی کو نصف حصہ ملے گا اور پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اس طرح دوتہائی حصے مکمل ہو جائیں اور جو باقی بچے گا' وہ بہن کو مل جائے گا۔

اصحاب فروض کے حصوں میں کمی وبیشی کی ممانعت کا بیان

میت کے ورثاء میں ذوی الفروض کے حصے کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع سے ثابت ہیں۔ ان میں کمی بیشی ممکن نہیں' جن کا جتنا حصہ مقرر ہے ان کو اتنا دیا جائے گا نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔ ذوی الفروض کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد جو مال بچے وہ مستحق عصبات کو دیا جائے گا۔ اگر ان میں کوئی بھی نہ ہو تو مولیٰ عتاقہ کو اور یہ وہ شخص ہوتا ہے' جس نے میت کو آزاد کیا ہو اگر وہ نہ ہو تو مولیٰ عتاقہ کے مرد عصبات کو مال ملے گا۔ وہ بھی نہ ہوں یا میت کبھی غلام رہا ہی نہ ہو تو بقیہ مال کو بھی ذوی الفروض نسبیہ پر رد کیا جائے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس بقیہ مال کو موجودہ ذوی الفروض نسبی کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اگر ذوی الفروض نسبی نہ ہو تو باقی مال ذوی الارحام کو ملے گا۔ وہ بھی نہ ہوں تو پھر مولیٰ الموالاۃ کو دیا جائے گا ورنہ مقرلہ بالنسب علی

2721: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6736' ورقم الحدیث: 6742' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2890' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2093

الغیر اور وہ نہ ہو تو اس شخص کو دیا جائے گا جس کے لئے میت نے سارے مال کی وصیت کی ہے۔ اگر مندرجہ بالا میں سے کوئی بھی نہ ملے تو باقی مال بیت المال کا ہو گا۔

خاوند کی دو حالتوں کا بیان

(۱) جب فوت شدہ بیوی کی کوئی فرع وارث نہ ہو تو خاوند کو ترکہ میں سے نصف ملے گا۔ اولاد اور نرینہ اولاد کی اولاد فرع کہلاتی ہے مثلاً بیٹا پوتا پڑپوتا بیٹی پوتی پڑپوتی ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تمھاری بیویوں کی اولاد نہ ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمھارے لیے نصف ہے۔

(۲) جب بیوی کی کوئی فرع وارث ہو خواہ اسی خاوند سے ہو یا کسی پہلے خاوند سے تو خاوند کو ترکہ میں سے چوتھا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر بیویوں کی اولاد ہو تو تمھارے لیے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ہے۔ (النساء)

باپ کی تین حالتوں کا بیان

(۱) جب میت کی مذکر فرع وارث ہو جیسے بیٹا پوتا وغیرہ تو باپ کو ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا۔

(۲) جب میت کی مونث فرع وارث ہو جیسے بیٹی پوتی وغیرہ تو باپ چھٹے حصے کے ساتھ عصبہ بھی بنے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر میت کی اولاد ہو تو والدین میں سے ہر ایک کے لیے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہو گا۔

(۳) جب میت کی کوئی فرع وارث نہ ہو تو باپ بطور عصبہ وارث بنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث والدین ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔ باقی دو تہائی بطور عصبہ باپ کا ہو گا۔

دادا کی تین حالتوں کا بیان

باپ کی عدم موجودگی میں دادا وارث بنتا ہے اور باپ کی مذکورہ تینوں حالتیں دادا پر جاری ہوں گی۔

مادری بہن بھائی کے حصوں کا بیان

(مادری بہن اور بھائی) وارثت میں برابر ہوتے ہیں اور ان کی تین حالتیں ہیں:

1- اگر ایک ہو تو اس کے لیے چھٹا حصہ ہو گا۔

2- اگر زیادہ ہوں تو ان کے لیے ایک تہائی حصہ ہو گا۔

3- اگر میت کی فرع وارث یا باپ دادا موجود ہوں تو یہ ترکہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر کوئی میت مرد یا عورت کلالہ ہو (جس کا اصل یا فرع میں سے کوئی نہ ہو) اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اگر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ تیسرے حصے میں شریک ہوں گے۔ (النساء)

نوٹ: مادری بہن بھائی کو اصطلاح میں اخیافی بہن بھائی کہا جاتا ہے۔ یہ (مذکر اور مونث) وراثت کے استحقاق اور آپس کی تقسیم میں برابر ہوتے ہیں۔

نیز ماں کی موجودگی میں بھی وارث بنتے ہیں۔ جبکہ دیگر ورثاء اس وارث کی موجودگی میں اکثر محروم ہو جایا کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ میت کے رشتہ دار بنتے ہیں۔

بیوی کے دو احوال کا بیان

1- جب فوت شدہ خاوند کی کوئی فرع وارث نہ ہو تو بیوی کو ترکہ میں سے چوتھا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو ان (بیویوں) کے لیے تمھارے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ہے۔ (النساء 4:12)

2- جب خاوند کی فرع وارث ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر تمھاری اولاد ہو تو ان (بیویوں) کے لیے تمھارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے۔ (النساء 4:12)

نوٹ: اگر بیوی اکیلی ہو تو تنہا چوتھایا آٹھواں حصہ لے گی اگر زیادہ ہوں تو یہی حصہ آپس میں برابر تقسیم کرلیں گی۔ اور رجعی طلاق کی عدت میں بھی عورت وارث ہوگی۔

ماں کے تین احوال کا بیان

1- جب فوت شدہ بیٹے کی کوئی فرع وارث ہو یا ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو ماں کو ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر میت کی اولاد ہو تو والدین میں سے ہر ایک کے لیے ترکہ میں چھٹا حصہ ہے۔ (النساء 4:11)

اگر میت کے بہن بھائی ہوں تو ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ (النساء 14:11)

2- جب مذکورہ وارث (اولاد یا ایک سے زیادہ بہن بھائی) نہ ہوں تو ماں کو کل ترکہ کا ایک تہائی ملے گا۔ 3- جب میت کے والدین کے ساتھ خاوند یا بیوی میں سے کوئی ہو تو ماں کو باقی ماندہ ترکہ کا ایک تہائی حصہ ملے گا۔ باقی ماندہ سے مراد خاوند یا بیوی کا حصہ نکالنے کے بعد بچنے والا حصہ ہوتا ہے۔ اسے مسئلہ عُمَرِیتَین کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا فیصلہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ اس کی دو صورتیں ہیں: خاوند ماں اور باپ۔ بیوی ماں اور باپ۔

دادی و نانی صحیحہ کے احوال کا بیان

دادی اور نانی کو ترکہ میں چھٹا حصہ ملے گا جب میت کی ماں موجود نہ ہو۔ اور باپ کی موجودگی میں دادی محروم ہو جاتی ہے البتہ نانی وارث بنتی ہے۔

نوٹ: میت کی دادی اور نانی دونوں ہوں تو چھٹا حصہ آپس میں برابر تقسیم کرلیں گی۔ اگر ایک ہو تو تنہا چھٹے حصے کی وارث بنے گی۔

قریبی کی موجودگی میں بعیدی محروم ہو جاتی ہے۔ مثلاً دادی کی موجودگی پڑدادی اور نانی کی موجودگی پڑنانی کو محروم کردے گی۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس میت کی جدہ (نانی) آئی اور اپنی میراث کا سوال کیا۔ انھوں نے فرمایا تیرا حصہ کتاب اللہ میں (بیان) نہیں ہے اس کے بارے میں مجھے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی معلوم نہیں اس لیے واپس چلی جاؤ۔ میں لوگوں سے

(اس بارے) میں سوال کروں گا۔ چنانچہ انھوں نے دریافت کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا تو آپ نے جدہ (نانی) کو چھٹا حصہ دیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تیرے ساتھ اور کون تھا؟ تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اسی طرح کہا جو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے یہی حکم جاری کر دیا۔

پھر دوسری جدہ (دادی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس (ان کے دور خلافت) میں آئی اور اپنی وراثت کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے فرمایا: کتاب اللہ میں تیرا کوئی حصہ (بیان) نہیں۔ البتہ وہی چھٹا حصہ ہے اگر تم دونوں (دادی اور نانی) ہو تو یہ چھٹا حصہ تمھارے درمیان مشترکہ ہوگا اگر کوئی اکیلی ہو تو صرف اس کے لیے ہوگا۔ (جامع الترمذی)

قاضی حسین نے وضاحت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والی میت کی نانی تھی اور عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والی دادی تھی۔ اور ابن ماجہ کی ایک روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی، 229/6)

بیٹی کے تین احوال کا بیان

1- جب میت کی اولاد میں صرف ایک بیٹی ہو تو اسے آدھا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر بیٹی اکیلی ہو تو اسے آدھا حصہ ملے گا۔ (النساء 4:11)

2- جب ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو دو تہائی حصہ لیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ہوگا۔ (النساء 4:11)

3- جب لڑکے اور لڑکیاں دونوں قسم کی اولاد ہو تو بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ بطور عصبہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھیں اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مذکر کے لیے مونث کی بہ نسبت دو حصے ہیں۔ (النساء 4:11)

پوتی کے پانچ احوال کا بیان

1- جب میت کی اولاد میں سے صرف ایک پوتی ہو تو اسے ترکہ میں سے آدھا حصہ ملے گا۔

2- جب ایک سے زیادہ ہوں تو انھیں دو تہائی حصہ ملے گا۔

3- جب ایک یا زیادہ پوتیوں کے ساتھ ایک بیٹی بھی ہو تو انھیں چھٹا حصہ ملے گا اور بیٹی کو اس صورت میں نصف ملے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ بیٹی کے لیے نصف پوتی کے لیے چھٹا حصہ دو تہائی کی تکمیل کے لیے اور باقی ماندہ بہن کے لیے ہوگا۔ (صحیح البخاری الفرائض)

4- جب ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو یہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔ اور (لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ) کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

5- جب میت کا بیٹا یا ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو یہ محروم ہو جاتی ہیں۔

حقیقی بہن کے پانچ احوال کا بیان

1 جب میت کی صرف ایک بہن ہو تو اسے ترکہ میں سے آدھا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ آپ سے (کلالہ کے بارے) میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمایئے: اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے فرماتا ہے اگر کوئی مرد بغیر اولاد کے فوت ہو جائے اور اس کی ایک (حقیقی یا پدری) بہن ہو تو اسے نصف ملے گا۔ (النساء 4:176)

2- جب ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر بہنیں دو (یا دو) سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے ترکہ میں سے دو تہائی ہے۔ (النساء 4:176)

3- جب ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو ان کو بطور عصبہ حصہ ملے گا اور لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ کے مطابق آپس میں تقسیم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر بھائی مذکر اور مونث (دونوں قسم کے) ہوں تو مذکر کے لیے مونث کی بہ نسبت دو حصے ہوں گے۔ (النساء 4:176)

4- جب میت کی مونث فرع وارث ہوں تو یہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔

5- جب میت کی مذکر فرع وارث ہوں یا باپ موجود ہو تو محروم ہو جاتی ہیں۔

پدری بہن کے چھ احوال کا بیان

1- جب میت کی صرف ایک پدری بہن ہو اور حقیقی بہن نہ ہو تو اسے ترکہ میں سے آدھا حصہ ملے گا۔

2- جب یہ ایک سے زیادہ ہوں اور حقیقی بہن نہ ہو تو دو تہائی لیں گی۔

3- ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں چھٹا حصہ کی وارث بنے گی تا کہ دو تہائی مکمل ہو جائے۔

4- جب ان کے ساتھ ان کا بھائی یا میت کی مونث فرع وارث ہو تو یہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔

5- جب میت کی مذکر فرع باپ یا حقیقی بھائی وارث ہو تو یہ محروم ہو جاتی ہیں۔

6- دو حقیقی بہنوں کی موجودگی میں بھی یہ محروم ہو جاتی ہیں۔ اِلّا یہ کہ ان کے ساتھ پدری بھائی ہو۔ اس وقت بطور عصبہ وارث ہوں گی۔

بَاب فَرَائِضِ الْجَدِّ

یہ باب دادا کی وراثت کے بیان میں ہے

2722- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِفَرِيضَةٍ فِيهَا جَدٌّ فَأَعْطَاهُ ثُلُثًا أَوْ سُدُسًا.

2722. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وراثت کا ایک ایسا مسئلہ آیا جس میں دادا بھی موجود تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دادا کو ایک تہائی (راوی کو شک ہے) یا چھٹا حصہ عطاء کیا۔

بھائی کے جد کے ساتھ شریک ہونے میں مذاہب اربعہ

جد سے مراد جد حقیقی ہے۔ باپ کی غیر موجودگی میں اور اولاد کی موجودگی میں جد کا ذوی الفروض میں ایک سدس بنتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس وقت ہوتا ہے کہ ذوی الفروض سے باپ رجد کا حصہ نکالنے کے بعد بھی جو کچھ بچ جائے تو باپ تو اس میں بلا شرکت غیرے متفقہ طور پر مالک بنتا ہے یعنی جو باقی بچتا ہے وہ یہ سب کچھ واحد عصبہ کے طور پر حاصل کر لیتا ہے لیکن جد کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے ساتھ باقی مال میں اخوہ یعنی بہن بھائی شریک ہو سکتے ہیں جس کی تفصیل یہاں دی جا رہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے متبعین کی روایت ہے کہ ہر قسم کے بہن ربھائی دادا کی موجودگی میں محروم رہتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذھب ہے اور اسی پر احناف کا فتویٰ ہے لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کے نزدیک حقیقی اور علاتی بہن ربھائی دادا کی موجودگی میں محروم نہیں ہوتے اور یہی صاحبین کا قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی صاحبین کے ساتھ ہیں۔ شجرہ عصبات میں اس لئے حقیقی بہن بھائیوں اور دادوں کو ایک ہی شیڈ میں دکھایا گیا ہے تاکہ جن آئمہ کے نزدیک شراکت اخوہ مع الجد ضروری ہے، ان کے متبعین کو اس کی پہلے سے اطلاع ہو البتہ دادا موجود نہ ہو تو حقیقیوں اور علاتیوں میں پہلے حقیقیوں کا اور بعد میں علاتیوں کا نمبر دکھایا گیا ہے۔ اخوہ مع الجد کے مذکورہ قائلین میں پھر تقسیم کے طریقوں میں بھی اختلاف ہے۔

احناف اور حنابلہ تو اخوہ مع الجد کے قائل ہی نہیں شوافع حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کے طریقے پر عمل کرتے ہیں۔ مالکیہ عام طور پر تو حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کے قاعدے پر عمل کرتے ہیں لیکن دو صورتوں میں مالکیہ اس اصول سے انحراف کرتے ہیں۔

1- جب میت کا شوہر، ماں، ایک سے زیادہ اخیافی بہن بھائی، علاتی بھائی اور جد موجود ہو تو شوہر کو نصف، ماں کو سدس اور جد کو ثلث ملے گا کیونکہ اخیافی بہن بھائیوں کو جد کی موجودگی نے محروم کیا ورنہ وہ ثلث 1/3 لے کر پیچھے کچھ نہ چھوڑتے۔ اس لئے علاتی بھائی جو ذوی الفروض بھی نہیں ان کی محرومی کے بعد کہاں حصہ پا سکتے ہیں اس لئے اخیافیوں کی محرومی کا فائدہ صرف جد کو ملنا چاہیئے۔

2- جب میت کا شوہر، ماں، ایک سے زیادہ اخیافی بہن بھائی، حقیقی بھائی اور جد موجود ہوں تو بھی شوہر کو نصف، ماں کو سدس اور جد کو ثلث ملے گا کیونکہ اخیافی بھائیوں کو یہاں بھی جد نے ہی محروم کیا اور نہ وہ حقیقی بھائیوں کے ساتھ مسئلہ حماریہ کے مطابق شریک ہوتے اب اگر وہ محروم ہیں تو چونکہ مسئلہ حماریہ میں حقیقی بھائی ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے تو اب محرومی میں بھی ان کے ساتھ ان کو شریک ہونا چاہیے۔

2723- حَدَّثَنَا اَبُوْ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الطَّبَّاعِ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ

قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَدٍّ كَانَ فِيْنَا بِالسُّدُسِ .

◄► حضرت معقل بن سیار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمارے درمیان موجود ایک دادا کے بارے میں چھٹے حصے کا فیصلہ دیا۔

شرح

مسند احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کی کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرا پوتا مر گیا ہے تو مجھ کو اس کے ترکہ میں سے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چھٹا حصہ، جب وہ پیٹھ موڑ کر چلا تو اس کو بلا کر فرمایا: ایک چھٹا حصہ سلوک کے طور پر (یعنی اصل میراث تیری صرف سدس (چھٹا حصہ) ہے اور ایک سدس اس صورت خاص کی وجہ سے تجھ کو ملا ہے۔

بخاری ومسلم نے حسن کی روایت معقل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور دادا کے باب میں صحابہ اور بعد کے علماء کے درمیان اختلاف ہے، بعضوں نے دادا کو باپ کے مثل رکھا ہے اور کبھی اس کو ثلث (ایک تہائی) دلایا ہے کبھی سدس (چھٹا حصہ) کبھی عصبہ بھی کہا ہے، بعضوں نے ہمیشہ اس کے لئے سدس رکھا ہے، اسی طرح اختلاف ہے کہ دادا کے ہوتے ہوئے بہن بھائی کو ترکہ ملے گا یا نہیں تو صحابہ کی ایک جماعت جیسے علی، ابن مسعود اور زید بن ثابت کا یہ قول ہے کہ دادا بھائیوں کے ساتھ وراثت میں حصہ دار ہوگا اور بعضوں نے کہا: بھائی بہن دادا کی وجہ سے محروم ہوں گے جیسے باپ کی وجہ سے محروم ہوتے ہیں۔

بَاب مِيْرَاثِ الْجَدَّةِ

یہ باب دادی کی وراثت کے بیان میں ہے

2724- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ الْمِصْرِيُّ اَنْبَاَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَنْبَاَنَا يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَهُ عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ ح و حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اِسْحٰقَ بْنِ خَرَشَةَ عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ قَالَ جَاءَتِ الْجَدَّةُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ تَسْاَلُهُ مِيْرَاثَهَا فَقَالَ لَهَا اَبُوْبَكْرٍ مَّا لَكِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ شَيْءٌ وَّمَا عَلِمْتُ لَكِ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَارْجِعِيْ حَتّٰى اَسْاَلَ النَّاسَ فَسَاَلَ النَّاسَ فَقَالَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهَا السُّدُسَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ الْاَنْصَارِيُّ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَاَنْفَذَهُ لَهَا اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الْاُخْرٰى مِنْ قِبَلِ الْاَبِ اِلٰى عُمَرَ تَسْاَلُهُ مِيْرَاثَهَا فَقَالَ مَا لَكِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ شَيْءٌ وَّمَا كَانَ الْقَضَاءُ الَّذِيْ قُضِيَ بِهٖ اِلَّا لِغَيْرِكِ وَمَا اَنَا بِزَائِدٍ فِي الْفَرَائِضِ شَيْئًا وَّلٰكِنْ هُوَ ذَاكِ السُّدُسُ فَاِنْ

2723: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2897

2724: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2897 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2100 ورقم الحدیث: 2101

اجْتَمَعْتُمَا فِيهِ فَهُوَ بَيْنَكُمَا وَأَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا .

قبیصہ بن ذویب بیان کرتے ہیں: ایک دادی (یانانی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے اپنی وراثت کا مطالبہ کیا' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا تمہارے بارے میں اللہ کی کتاب میں کوئی حکم نہیں ہے اور تمہارے بارے میں میرے علم میں سنت میں بھی کوئی حکم نہیں ہے تم واپس جاؤ میں لوگوں سے اس بارے میں دریافت کرتا ہوں پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا: تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی (نانی) کو چھٹا حصہ دیا تھا' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا اس وقت تمہارے ساتھ کوئی اور بھی موجود تھا؟ تو حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی وہی بات بیان کی جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی تھی' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس (دادی یانانی) کے لیے اس حصے کو نافذ کر دیا پھر ایک اور دادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے اپنی وراثت دلوانے کا مطالبہ کیا' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: تمہارے بارے میں اللہ کی کتاب میں کوئی حکم نہیں ہے اور جو فیصلہ دیا گیا ہے وہ تمہارے علاوہ (نانی) کے لیے ہے اور میں فرض حصے میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا صرف یہی چھٹا حصہ ہے' اگر تم دونوں اس میں اکٹھی ہو جاتی ہو' تو وہ تم دونوں کے درمیان تقسیم ہو جائے گا اور تم دونوں میں سے جو تنہا ہو وہ اسے مل جائے۔

2725- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ لَيْثٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَّثَ جَدَّةً سُدُسًا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹے حصے کا وارث قرار دیا ہے۔

شرح

حضرت بریدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کا چھٹا حصہ مقرر کیا ہے جب کہ ماں اسے مجوب نہ کر دے (ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: حدیث نمبر 273)

مطلب یہ ہے کہ اگر میت کی ماں زندہ ہوگی تو اس کی وجہ سے میت کی جدہ محروم ہو جائے گی ہاں اگر میت کی ماں زندہ نہ ہوگی تو اس کے ترکہ میں سے جدہ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ یہاں جدہ کے عام معنی یعنی دادی اور نانی دونوں مراد ہیں۔

حجب کے لغوی معنی واقسام کا بیان

حجب کے لغوی معنی روکنے پردہ کرنے کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر کسی وارث کو دوسرے وارث کے پائے جانے کی وجہ سے اس کے کل یا بعض حصے سے محروم کر دینا حجب کہلاتا ہے۔ اقسام: حجب کی دو اقسام ہیں: حجب نقصان۔ حجب حرمان۔

حجب نقصان کا بیان

کسی وارث کا دوسرے کے پائے جانے کی وجہ سے زیادہ حصے سے کم حصے کی طرف منتقل ہو جانا۔ مثلاً خاوند کا اولاد کی وجہ

2725 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

سے نصف سے چوتھائی حصے کی طرف منتقل ہو جانا۔ اور یہ صرف پانچ افراد میں واقع ہوتا ہے۔

(۱) خاوند۔ (۲) بیوی۔ (۳) ماں۔ (۴) پوتی۔ (۵) پدری بہن۔

حجب حرمان کا بیان

کسی وارث کا دوسرے وارث کی وجہ سے کل حصے سے محروم ہو جانا مثلاً بیٹے کی موجودگی میں پوتے کا اور باپ کی موجودگی میں دادا کا محروم ہو جانا۔ حجب حرمان والدین زوجین اور اولاد کے علاوہ تمام میں ممکن ہوتا ہے۔

حجب حرمان معلوم کرنے کے دو اصول ہیں: جس وارث کی وجہ سے کوئی میت کی طرف منسوب ہو اس کی موجودگی میں وہ محروم ہو جاتا ہے۔ مثلاً باپ کی موجودگی میں دادا کا محروم ہو جانا ہے۔ قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں بعیدی محروم ہو جاتا ہے مثلاً بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہو جاتا ہے۔

ذوی الفروض اور عصبات کے اختلاف میں مذاہب اربعہ

1۔ باپ دادا کا دادی کے حاجب ہونے میں اختلاف: احناف، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک جدات صحیحہ کو ان کا میت کے ساتھ کوئی ذوی الفروض واسطہ محروم کر سکتا ہے یعنی ماں باپ دادا وغیرہ جبکہ حنابلہ کے راجح قول کے مطابق صرف ماں ہی جدات کو محروم کر سکتی ہے اور کوئی نہیں۔ پس ان کے نزدیک باپ دادا کی موجودگی میں ابوی جدات محروم نہیں ہوتیں اور باقی آئمہ کے نزدیک ہوتی ہیں۔

2۔ اخوہ مع الجد۔ احناف اور حنابلہ کے مفتی بہ اقوال کے مطابق جد کی موجودگی میں حقیقی اور علاتی بہن بھائی بھی محروم ہیں۔ شوافع و مالکیہ ان کو جد کے ساتھ شریک مانتے ہیں۔ اسکی تفصیل کے لئے اخوہ مع الجد کے باب کا مطالعہ بہتر رہے گا۔

3۔ مسئلہ مشترکہ میں اخیافی بھائیوں کی موجودگی میں حقیقی بھائی محروم ہوتے ہیں۔ اس میں حنابلہ اور احناف کے ہاں حقیقی بھائی حسب قاعدہ محروم ہوتے ہیں لیکن شوافع اور مالکیہ ان کو اخیافی بہن بھائیوں کے ساتھ ثلث میں اخیافیوں کے طریقے پر شریک کر دیتے ہیں۔

4۔ رد کے مسئلے میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جن وارثوں کا حصہ از روئے شریعت مقرر ہے ان کو ان کا وہی حصہ دیا جائے اور جو بچ جائے وہ بیت المال میں رکھا جائے اور اسی پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری کا فتویٰ ہے لیکن دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ نے ان کا قول نہیں لیا اس لئے احناف اور حنابلہ رد کے قائل ہوئے تاہم بعد میں شوافع اور مالکیہ کے متاخرین نے بیت المال کا صحیح انتظام نہیں ہونے کی وجہ سے احناف کے طریقہ پر رد کا فتویٰ دیا ہے۔

جو حضرات رد کے قائل ہیں ان کے ہاں پھر تین قول ہیں۔ الف۔ سوائے میاں ربیوی کے سب پر رد کیا جائے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ ب۔ میاں ربیوی پر بھی رد کیا جا سکتا ہے۔ یہ قول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے لیکن اس پر کسی

کا عمل نہیں ہے۔ ج۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ چھ وارثوں کے سوا سارے ذوی الفروض پر رد کیا جائے اور وہ یہ ہیں۔ خاوند، بیوی، بیٹی کی موجودگی میں پوتی، حقیقی بہن کی موجودگی میں سوتیلی بہن، ماں کی موجودگی میں ماں کی اولاد، کسی بھی ذوی الفروض کی موجودگی میں دادی۔ اسی پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے۔

عصبات کے لئے صفحہ نمبر 25 پر دیا ہوا شجرہ عصبات سب کے لئے کافی ہے۔ اس میں داداؤں اور بہن بھائیوں کو شیڈ میں دکھایا گیا ہے کیونکہ یہ سب شوافع اور مالکیہ کے نزدیک آپس میں شریک ہوتے ہیں البتہ سب کے کوڈ نمبر علیحدہ علیحدہ اس لیئے دیئے ہوئے ہیں کہ اگر صرف کئی دادا موجود ہوں یا صرف بہن بھائی موجود ہوں تو ان کے آپس میں راجح موجوح کا پتہ چل سکے۔

بَاب الْكَلَالَةِ

یہ باب کلالہ کے بیان میں ہے

2726- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ عَنْ مَعْدَانَ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ الْيَعْمَرِيِّ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَامَ خَطِيْبًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ خَطَبَهُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا اَدَعُ بَعْدِيْ شَيْئًا هُوَ اَهَمُّ اِلَيَّ مِنْ اَمْرِ الْكَلَالَةِ وَقَدْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا اَغْلَظَ لِيْ فِيْ شَيْءٍ مَّا اَغْلَظَ لِيْ فِيْهَا حَتّٰى طَعَنَ بِاِصْبَعِهٖ فِيْ جَنْبِيْ اَوْ فِيْ صَدْرِيْ ثُمَّ قَالَ يَا عُمَرُ تَكْفِيْكَ اٰيَةُ الصَّيْفِ الَّتِيْ نَزَلَتْ فِيْ اٰخِرِ سُوْرَةِ النِّسَاءِ

◄► معدان بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) انہوں نے جمعہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور یہ بات بیان کی اللہ کی قسم! میں اپنے بعد جو چیزیں چھوڑ کر جاؤں گا۔ ان میں میرے نزدیک سب سے زیادہ اہم مسئلہ کلالہ کا مسئلہ ہے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تھا' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حوالے سے جتنی سختی میرے ساتھ کی تھی اس طرح کی سختی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور مسئلے کے بارے میں نہیں کی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگلی میرے پہلو میں (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) میرے سینے میں چبھوئی تھی اور فرمایا تھا: اے عمر رضی اللہ عنہ! تمہارے لیے گرمی کے موسم میں نازل ہونے والی آیت کافی ہے' جو سورۃ النساء کے آخر میں نازل ہوئی تھی۔

2727- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّاَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ مُرَّةَ بْنِ شَرَاحِيْلَ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثَلَاثٌ لَاَنْ يَكُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيَّنَهُنَّ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا الْكَلَالَةُ وَالرِّبَا وَالْخِلَافَةُ

◄► حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، تین چیزیں ایسی ہیں اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بیان کر دیتے تو یہ بات میرے

2727 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

نزدیک دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ میرے نزدیک محبوب تھی، کلالہ، سود اور خلافت۔

2728- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ مَرِضْتُ فَاَتَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي هُوَ وَاَبُو بَكْرٍ مَعَهُ وَهُمَا مَاشِيَانِ وَقَدْ اُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ اَصْنَعُ كَيْفَ اَقْضِي فِي مَالِي حَتّٰى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ فِي آخِرِ النِّسَاءِ (وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً) وَ (يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ) الْآيَةَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں بیمار ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے یہ دونوں حضرات پیدل چل کر تشریف لائے تھے مجھ پر بیہوشی طاری ہو چکی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر انڈیلا گیا (تو مجھے ہوش آ گیا) میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں کیا کروں میں اپنے مال کے بارے میں کیا فیصلہ دوں؟ (راوی کہتے ہیں:) تو سورۃ النساء کے آخر میں موجود وراثت والی آیت نازل ہوگئی۔

''اگر کوئی ایسا شخص ہو جو وراثت میں کلالہ چھوڑ کر جائے۔''

اور یہ آیت

''لوگ تم سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں تم یہ فرما دو کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے۔''

شرح

(کلالہ) مشتق ہے اکلیل سے اکلیل کہتے ہیں اس تاج وغیرہ کو جو سر کو ہر طرف سے گھیر لے، یہاں مراد یہ ہے کہ اس کے وارث ارد گرد حاشیہ کے لوگ ہیں اصل اور فرع یعنی جڑ یا شاخ نہیں، صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کلالہ کا معنی پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں میں اپنی رائے سے جواب دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے۔

اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری الذمہ ہیں، کلالہ وہ ہے جس کا نہ لڑکا ہو نہ باپ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی اس سے موافقت کی اور فرمایا مجھے ابوبکر کی رائے سے خلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ نساء، بیروت)

کلالہ کی وراثت میں مذاہب واقوال اسلاف امت کا بیان

ابن عباس فرماتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے آخری زمانہ پانے والا میں ہوں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے بات وہی ہے جو میں نے کہی ٹھیک اور درست یہی ہے کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا نہ ولد ہو والد، حضرت علی، ابن مسعود، ابن عباس، زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین، شعبی، نخعی، حسن، قتادہ، جابر بن زید، حکم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں، اہل مدینہ اہل کوفہ اہل بصرہ کا بھی یہی قول ہے۔

ساتوں فقہاء چاروں امام اور جمہور سلف وخلف بلکہ تمام یہی فرماتے ہیں، بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی آیا ہے، ابن لباب فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور ممکن ہے کہ راوی نے مراد سمجھی ہی نہ ہو پھر فرمایا کہ اس کا بھائی یا بہن ہو یعنی ماں زاد، جیسے کہ سعد بن وقاص وغیرہ بعض سلف کی قرأت ہے، حضرت صدیق وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اگر زیادہ ہوں تو ایک ثلث میں سب شریک ہیں۔

ماں زاد بھائی باقی وارثوں سے کئی وجہ سے مختلف ہیں، ایک تو یہ کہ یہ باوجود اپنے ورثے کے دلانے والے کے بھی وارث ہوتے ہیں مثلاً ماں دوسرے یہ کہ ان کے مرد وعورت یعنی بہن بھائی میراث میں برابر ہیں تیسرے یہ کہ یہ اسی وقت وارث ہوتے ہیں جبکہ میت کلالہ ہو پس باپ دادا کی یعنی پوتے کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوتے، چوتھے یہ کہ انہیں ثلث سے زیادہ نہیں ملتا تو گو یہ کتنے ہی ہوں مرد ہوں یا عورت، حضرت عمر کا فیصلہ ہے کہ ماں زاد بہن بھائی کا ورثہ آپس میں اس طرح بٹے گا کہ مرد کے لئے دوہرا اور عورت کے لئے اکہرا، حضرت زہری فرماتے ہیں حضرت عمر ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تاوقتیکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہو، آیت میں اتنا تو صاف ہے کہ اگر اس سے زیادہ ہوں تو ثلث میں شریک ہیں، اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر میت کے وارثوں میں خاوند ہو اور ماں ہو یا دادی ہو اور دو ماں زاد بھائی ہوں اور ایک یا ایک سے زیادہ باپ کی طرف سے بھائی ہوں تو جمہور تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کو آدھا ملے گا اور ماں یا دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں زاد بھائی کو تہائی ملے گا اور اسی میں سگے بھائی بھی شامل ہوں گے قدر مشترک کے طور پر جو ماں زاد بھائی ہے، امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک ایسی ہی صورت پیش آئی تھی تو آپ نے خاوند کو آدھا دلوایا اور ثلث ماں زاد بھائیوں کو دلوایا تو سگے بھائیوں نے بھی اپنے تئیں پیش کیا آپ نے فرمایا تم ان کے ساتھ شریک ہو۔

حضرت عثمان سے بھی اسی طرح شریک کر دینا مروی ہے، اور دو روایتوں میں سے ایک روایت ایسی ہے ابن مسعود اور زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب، قاضی شریح، مسروق، طاؤس، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، عمر بن عبدالعزیز، ثوری اور شریک رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے، امام مالک اور امام شافعی اور امام اسحٰق بن راھویہ بھی اسی طرف گئے ہیں، ہاں حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ اس میں شرکت کے قائل نہ تھے بلکہ آپ اولاد ام کو اس حالت میں ثلث دلواتے تھے اور ایک ماں باپ کی اولاد کو کچھ نہیں دلاتے تھے اس لئے کہ یہ عصبہ ہیں اور عصبہ اس وقت پاتے ہیں جب ذوی الفرض سے بچ جائے، بلکہ وکیع بن جراح کہتے ہیں حضرت علی سے اس کے خلاف مروی ہی نہیں۔

حضرت ابی بن کعب حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول بھی یہی ہے، ابن عباس سے بھی مشہور یہی ہے، شعبی، ابن ابی لیلی، ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد بن حسن، حسن بن زیادہ، زفر بن ہذیل، امام احمد، یحییٰ بن آدم، نعیم بن حماد، ابو ثور، داؤد ظاہری بھی اسی طرف گئے ہیں ابو الحسن بن لبان فرضی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو ان کی کتاب الایجاز پھر فرمایا یہ وصیت کے جاری کرنے کے

بعد ہے، وصیت ایسی ہو جس میں خلاف عدل نہ ہو کسی کو ضرر اور نقصان نہ پہنچایا گیا ہو نہ کسی پر جبر وظلم کیا گیا ہو، کسی وارث کا نہ ورثہ مارا گیا ہو نہ کم وبیش کیا گیا ہو، اس کے خلاف وصیت کرنے والا اور ایسی خلاف شرع وصیت میں کوشش کرنے والا اللہ کے حکم اور اس کی شریعت میں اس کے خلاف کرنے والا اور اس سے لڑنے والا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وصیت میں کسی کو ضرر ونقصان پہنچانا کبیرہ گناہ ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورۂ نساء، بیروت۔)

بَاب مِيرَاثِ اَهْلِ الْإِسْلَامِ مِنْ اَهْلِ الشِّرْكِ

یہ باب ہے کہ کسی مسلمان کا کسی مشرک کا وارث بننا

2729- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَفَعَهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ

◄► حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک "مرفوع" حدیث کے طور پر یہ بات نقل کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں بنتا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں بنتا۔

شرح

علامہ نووی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق واجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا یعنی اگر مورث مسلمان ہو اور وارث کافر ہو تو مسلمان مورث کے مرنے کے بعد اس کا کافر وارث میراث سے محروم رہے گا۔ لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے یا نہیں چنانچہ اکثر علماء تو یہ کہتے ہیں کہ جس طرح کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ اسی طرح مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوتا مگر صحابہ اور تابعین میں سے بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے چنانچہ حضرت امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کافر کی طرح مرتد بھی مسلمان کا وارث نہیں ہوتا لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ مسلمان مرتد کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟

چنانچہ حضرت امام مالک حضرت امام شافعی حضرت ربیعہ اور حضرت ابن ابی لیلی وغیرہ تو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی مرتد کا وارث نہیں ہوتا، حضرت امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ مرتد نے اپنے ارتداد کی زندگی میں جو کچھ کمایا ہے وہ بیت المال میں جائے گا اور حالت اسلام میں جو کچھ کمایا ہے وہ اس کے مسلمان ورثاء کو ملے گا۔

2730- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَنْبَاَنَا يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ

2729: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6764' ورقم الحدیث: 4283' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4116' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2909' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2107

2730: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 1588' ورقم الحدیث: 3058' ورقم الحدیث: 4282' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3281' ورقم الحدیث: 3282' ورقم الحدیث: 3283' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2008' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث: 2942

عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ اَنَّهُ حَدَّثَهُ اَنَّ عَمْرَو بْنَ عُثْمَانَ اَخْبَرَهُ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَتَنْزِلُ فِي دَارِكَ بِمَكَّةَ قَالَ وَهَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مِنْ رِبَاعٍ اَوْ دُوْرٍ وَكَانَ عَقِيلٌ وَرِثَ اَبَا طَالِبٍ هُوَ وَطَالِبٌ وَلَمْ يَرِثْ جَعْفَرٌ وَلَا عَلِيٌّ شَيْئًا لِاَنَّهُمَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ وَكَانَ عَقِيلٌ وَطَالِبٌ كَافِرَيْنِ فَكَانَ عُمَرُ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ يَقُولُ لَا يَرِثُ الْمُؤْمِنُ الْكَافِرَ قَالَ اُسَامَةُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ

◄► حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اپنے گھر میں پڑاؤ کریں گے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی زمین یا گھر چھوڑا ہے۔

(راوی کہتے ہیں:) جناب عقیل جناب ابوطالب کے وارث بنے تھے جناب عقیل اور جناب طالب ان کے وارث بنے تھے لیکن حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے وارث نہیں بنے تھے کیونکہ یہ دونوں حضرات مسلمان تھے جبکہ جناب عقیل اور جناب طالب دونوں کافر تھے۔

یہی وجہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے: کوئی مؤمن کسی کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں بنتا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں بنتا۔

2731- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَاَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ اَنَّ الْمُثَنَّى بْنَ الصَّبَّاحِ اَخْبَرَهُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَوَارَثُ اَهْلُ مِلَّتَيْنِ

◄► عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''دو مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ باہمی طور پر وارث نہیں بن سکتے''۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ نہ تو مسلمان غیر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ غیر مسلمان، مسلمان کا وارث بن سکتا ہے۔

بَاب مِيرَاثِ الْوَلَاءِ

یہ باب ولاء کی وراثت کے بیان میں ہے

2732- حَدَّثَنَا اَبُو بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ تَزَوَّجَ رِئَابُ بْنُ حُذَيْفَةَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ سَهْمٍ اُمَّ وَائِلٍ بِنْتَ مَعْمَرٍ الْجُمَحِيَّةَ فَوَلَدَتْ لَهُ ثَلَاثَةً فَتُوُفِّيَتْ اُمُّهُمْ فَوَرِثَهَا بَنُوهَا رِبَاعًا وَوَلَاءَ مَوَالِيهَا فَخَرَجَ بِهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ اِلَى الشَّامِ فَمَاتُوا فِي طَاعُونِ عَمْوَاسٍ

2731: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2732 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2917

فَوَرِثَهُمْ عَمْرٌو وَكَانَ عَصَبَتَهُمْ فَلَمَّا رَجَعَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ جَاءَ بَنُو مَعْمَرٍ يُخَاصِمُونَهُ فِي وَلَاءِ أُخْتِهِمْ إِلَى عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ أَقْضِي بَيْنَكُمْ بِمَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَا أَحْرَزَ الْوَلَدُ وَالْوَالِدُ فَهُوَ لِعَصَبَتِهِ مَنْ كَانَ قَالَ فَقَضَى لَنَا بِهِ وَكَتَبَ لَنَا بِهِ كِتَابًا فِيهِ شَهَادَةُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَآخَرَ حَتَّى إِذَا اسْتُخْلِفَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ تُوُفِّيَ مَوْلًى لَهَا وَتَرَكَ أَلْفَيْ دِينَارٍ فَبَلَغَنِي أَنَّ ذَلِكَ الْقَضَاءَ قَدْ غُيِّرَ فَخَاصَمُوا إِلَى هِشَامِ بْنِ إِسْمَعِيلَ فَرَفَعَنَا إِلَى عَبْدِ الْمَلِكِ فَأَتَيْنَاهُ بِكِتَابِ عُمَرَ فَقَالَ إِنْ كُنْتُ لَأَرَى أَنَّ هَذَا مِنَ الْقَضَاءِ الَّذِي لَا يُشَكُّ فِيهِ وَمَا كُنْتُ أَرَى أَنَّ أَمْرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَلَغَ هَذَا أَنْ يَشُكُّوا فِي هَذَا الْقَضَاءِ فَقَضَى لَنَا فِيهِ فَلَمْ نَزَلْ فِيهِ بَعْدُ

◄► عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: رباب بن حذیفہ نے اُم وائل بنت معمر کے ساتھ شادی کر لی تو اس خاتون نے ان کے تین بچوں کو جنم دیا جب ان بچوں کی والدہ کا انتقال ہوا تو اس خاتون کے بچے اس خاتون کی زمین اور ولاء کے وارث بنے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انہیں لے کر شام چلے گئے وہاں عمواس کے طاعون میں ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان کے وارث بنے کیونکہ وہ ان کے عصبہ رشتہ دار تھے جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ واپس آئے تو بنو معمر اپنی بہن کی ولاء کے بارے میں مقدمہ لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: میں تمہارے درمیان وہ فیصلہ کروں گا' جو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

''جو چیز اولاد اور والد محفوظ کریں وہ ان کے عصبہ کو ملتی ہے خواہ وہ جو کوئی بھی ہو۔''

راوی کہتے ہیں: انہوں نے ہمارے بارے میں یہ فیصلہ دیا اور اس کے مطابق ہمیں تحریر لکھ کر دی جس میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی گواہی موجود تھی۔

یہاں تک کہ وہ وقت آیا جب عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا تو اس خاتون کا ایک غلام فوت ہوا جس نے دو ہزار دینار چھوڑے تو مجھے یہ اطلاع ملی کہ اس فیصلے میں تبدیلی کر دی گئی وہ لوگ اپنا مقدمہ لے کر ہشام بن اسماعیل کے پاس گئے اس نے انہیں عبدالملک کے پاس بھیج دیا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریر لے کر عبدالملک کے پاس آیا تو وہ بولا میری یہ رائے ہے کہ یہ ایک ایسا فیصلہ ہے' جس کے بارے میں شک نہیں کیا جا سکتا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اہل مدینہ کا معاملہ یہاں تک نہیں پہنچا ہو گا' وہ اس فیصلے کے بارے میں شک کریں (راوی کہتے ہیں:) تو اس نے اس بارے میں ہمارے حق میں فیصلہ دیا اور اس کے بعد (اس طرح کی صورتحال میں) یہی فیصلہ ہوتا رہا ہے۔

2733 - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ عَنْ مُجَاهِدِ بْنِ وَرْدَانَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ مَوْلًى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَعَ مِنْ نَخْلَةٍ فَمَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَلَمْ يَتْرُكْ وَلَدًا وَلَا حَمِيمًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطُوا مِيرَاثَهُ

2733: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2903' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 2105

رَجُلًا مِنْ اَهْلِ قَرْيَتِهِ

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام کھجور کے درخت سے نیچے گر کر فوت ہو گیا' اس نے کچھ مال چھوڑا اس کی کوئی اولاد نہیں تھی کوئی رشتے دار بھی نہیں تھا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کی وراثت اس کی بستی کے کسی شخص کو دے دو۔

2734- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ بِنْتِ حَمْزَةَ قَالَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ اَبِيْ لَيْلٰى وَهِيَ اُخْتُ ابْنِ شَدَّادٍ لِاُمِّهِ قَالَتْ مَاتَ مَوْلَايَ وَتَرَكَ ابْنَةً فَقَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَهُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ ابْنَتِهِ فَجَعَلَ لِيَ النِّصْفَ وَلَهَا النِّصْفَ

عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ نے' حمزہ کی صاحبزادی' جو عبداللہ کی ماں کی طرف سے بہن ہے' ان کا یہ بیان نقل کیا ہے' میرے غلام کا انتقال ہو گیا' اس نے پسماندگان میں ایک بیٹی چھوڑی تھی' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مال کو میرے اور اس کی بیٹی کے درمیان تقسیم کر دیا تو نصف میرے حصے میں آیا اور نصف اس کے حصے میں آیا۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بریرہ کے متعلق تین احکام سامنے آئے پہلا حکم تو یہ کہ جب وہ آزاد ہوئی تو اسے اپنے خاوند کے بارے میں اختیار دیا گیا (دوسرا حکم یہ کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میراث کا حق اس شخص کے لئے ہے جس نے آزاد کیا (تیسرا حکم یہ کہ ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو گوشت کی ہانڈی پک رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روٹی اور گھر کا سالن لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں نے وہ ہانڈی نہیں دیکھی جس میں گوشت ہے؟ یعنی جب گوشت پک رہا ہے تو وہ مجھے کیوں نہیں دیا گیا؟ عرض کیا گیا کہ بے شک ہانڈی میں گوشت پک رہا ہے لیکن وہ گوشت بریرہ کو بطور صدقہ دیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو صدقہ نہیں کھاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ گوشت بریرہ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ (بخاری ومسلم مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: حدیث نمبر 323)

حدیث کے ابتدائی الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ بریرہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں اس کے سبب تین شرعی احکام نافذ ہوئے پہلا حکم تو یہ کہ جب بریرہ آزاد ہوئی تو اسے اختیار دے دیا گیا کہ چاہے تو وہ اپنے خاوند کہ جس کا نام مغیث تھا کے نکاح میں رہے یا اس سے جدائی اور علیحدگی اختیار کر لے۔ یہ علماء کے یہاں "خیار عتق" کہلاتا ہے یعنی جو لونڈی کسی کے نکاح میں ہو تو آزاد ہونے کے بعد اسے اختیار رہے کہ چاہے تو خاوند کے نکاح میں رہے چاہے اس سے جدائی اختیار کر لے لیکن حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ لونڈی کو یہ اختیار اس وقت حاصل ہوگا جب کہ اس کا خاوند غلام ہو حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کا خاوند خواہ غلام ہو خواہ آزاد ہو وہ دونوں صورتوں میں مختار ہوگی۔

2734 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بریرہ کا خاوند مغیث غلام تھا جب بریرہ نے آزاد ہونے کے بعد اس سے جدائی اختیار کر لی گویا اسے قبول نہیں کیا تو مغیث بڑا ہی پریشان ہوا یہاں تک کہ وہ بریرہ کے عشق وفراق میں روتا اور فریاد کرتا پھرتا رہا مگر بریرہ نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا اور اس سے علیحدہ ہی رہی۔ بریرہ کے سبب سے دوسرا حکم یہ نافذ ہوا کہ ولاء یعنی لونڈی کی میراث اس شخص کے لئے ہے جس نے اسے آزاد کیا ہو گا اس کی تفصیل یہ ہے کہ بریرہ ایک یہودی کی لونڈی تھی جس نے اسے مکاتب کر دیا تھا یعنی یہودی نے اسے یہ کہہ دیا تھا کہ جب تو اتنے درہم دے دے گی تو آزاد ہو جائے گی جب بریرہ مطلوبہ تعداد میں درہم فراہم کرنے سے عاجز ہو گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ اگر وہ کچھ دے دیں تو اپنے مالک کو دے کر آزادی کا خلعت زیب تن کرے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اپنے مالک سے پوچھ اگر وہ تجھے بیچے تو میں خرید لیتی ہوں۔

بریرہ اپنے مالک کے پاس گئی اور اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خواہش بیان کی وہ فروخت کرنے پر تیار ہو گیا مگر اس نے یہ بھی کہا کہ میں اس شرط پر فروخت کرنے کے لئے تیار ہوں کہ ولاء یعنی بریرہ کی میراث کے ہم حقدار ہوں گے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہودی اس طرح کہتے ہیں اور ان کی یہ شرط ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودی غلط کہتے ہیں اور بکواس کرتے ہیں میراث کا حق اسی کو ہوتا ہے جو آزاد کرتا ہے عائشہ رضی اللہ عنہ تم اس سے خرید کر آزاد کر دو اس کی میراث تمہارے لئے ہو گی، یہودیوں کی یہ شرط باطل ہے۔

تیسرا حکم جو بریرہ کے سبب سے نافذ ہوا اس کا ذکر حدیث کے آخر میں کیا گیا ہے اس کا حاصل اور مطلب یہ ہے کہ اگر مستحق زکوۃ کو زکوۃ کا مال دیا جائے اور مستحق زکوۃ وہ مال لے کر ایسے شخص کو دے دے جو زکوۃ کا مستحق نہیں ہے تو اس کے لئے یہ مال حلال و جائز ہو گا کیونکہ زکوۃ دینے والے نے تو ایک صحیح شخص اور مستحق کو مال دے دیا اور وہ مال اس مستحق زکوۃ کی ملکیت ہو گا اب وہ جس شخص کو بھی اپنا مال دے گا جائز اور درست ہو گا اصطلاح میں اسے "تملیک" کہا جاتا ہے جو جائز اور حلال ہے۔

بَاب مِيرَاثِ الْقَاتِلِ

یہ باب قاتل کی وراثت کے بیان میں ہے

2735- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَنْبَأَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ إِسْحَقَ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ

◄◄ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "قاتل وارث نہیں بنتا"۔

2736- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى قَالَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنِ الْحَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدٍ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي

2736 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2737: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2103

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَقَالَ الْمَرْاَةُ تَرِثُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا وَمَالِهِ وَهُوَ يَرِثُ مِنْ دِيَتِهَا وَمَالِهَا مَا لَمْ يَقْتُلْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَاِذَا قَتَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ عَمْدًا لَمْ يَرِثْ مِنْ دِيَتِهِ وَمَالِهِ شَيْئًا وَاِنْ قَتَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ خَطَاً وَرِثَ مِنْ مَالِهِ وَلَمْ يَرِثْ مِنْ دِيَتِهِ

◄► حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورت اپنے شوہر کی دیت اور اس کے مال میں سے وارث ہوگی اور وہ مرد اس عورت کی دیت اور اس کے مال میں سے وارث ہوگا بشرطیکہ ان دونوں میں سے کسی ایک نے دوسرے کو قتل نہ کیا ہو، اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کر دیتا ہے' تو پھر وہ دوسرے فریق کی دیت یا مال میں سے کسی بھی چیز کا وارث نہیں ہوگا، اگر ان دونوں میں سے کسی ایک نے دوسرے کو خطاء کے طور پر قتل کیا ہو' تو وہ اس کے مال میں سے وارث ہوگا تاہم دیت میں سے وارث نہیں ہوگا''۔

شرح

اللہ تعالیٰ نے میت کا مال واسباب اس کے موجودہ ورثاء کو متعینہ حصوں اور مقررہ ضابطوں کے تحت دینے کا جو حکم دیا ہے اس میں دراصل میت اور اس کے ورثاء کے درمیان ایک خاص علاقہ تعلق اور رشتہ داری کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ایسی بات پیش آ جائے جس سے نہ صرف یہ کہ میت اور اس کے وارث کے درمیان کسی خاص علاقہ وتعلق کا اظہار نہ ہوتا ہو بلکہ وہ ایک قسم کی جدائی علیحدگی اور نفرت ثابت کرنے کا ذریعہ بن جائے تو وہ وارث میراث میت کا حق دار نہیں ہوگا اور اسے کوئی میراث نہیں ملے گی۔ لہٰذا ایسی چار چیزیں ہیں جو کسی شخص کو میراث پانے سے محروم کر دیتی ہیں ان چار چیزوں کی تفصیل یہ ہے۔

غلامی: نہ تو کسی غلام کا وارث کوئی آزاد شخص ہوتا ہے اور نہ خود غلام کسی آزاد شخص کا وارث بن سکتا ہے کیونکہ غلام شرعی طور پر کسی چیز کا مالک ہونے کی قابلیت ہی نہیں رکھتا اور نہ کوئی چیز اس کی ملکیت ہوتی ہے۔

قتل: اگر کوئی بالغ وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ وارث میراث پانے سے بالکل محروم ہو جائے گا لیکن یہاں قتل سے مراد وہ قتل ہے جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہے چنانچہ قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔

ان میں سے چار قسمیں ایسی ہیں کہ کسی میں قصاص واجب ہوتا ہے اور کسی میں کفارہ اور دیت لہٰذا ان چاروں صورتوں میں حنفی مسلک کے مطابق قاتل میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔ جبکہ وہ اپنے مورث کو ناحق قتل کرے ہاں اگر وارث اپنے مورث کو ظلماً قتل نہ کرے بلکہ دفاع کرتے ہوئے مورث پر وار کرے اور مورث مارا جائے مثلاً مورث ناحق اس وارث پر حملہ کرے اور پھر وارث اپنے کو بچانے کے لئے مورث پر وار کرے اور اس کے وار کے نتیجے میں مورث مارا جائے یا مورث پر شرعاً کسی وجہ سے بطور سزا قتل واجب ہو مثلاً قصاص کے طور پر) یا اس پر کوئی حد جاری کی جانی ضرور ہو اور بادشاہ یا قاضی کے حکم سے وارث نے اس مورث کو قتل کیا یا اس پر حد جاری کی اور وہ مر گیا تو اس صورت میں بھی وارث میراث سے محروم نہیں ہوگا۔

قتل کی پانچ قسموں میں ایک قسم (قتل بالتسبب) ہے قتل کی اس قسم پر نہ قصاص لازم آتا ہے اور نہ کفارہ بلکہ صرف دیت

واجب ہوتی ہے چنانچہ اس قسم کے قتل میں بھی قاتل میراث سے محروم نہیں ہوتا۔ قتل بالتسبب کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر پتھر رکھ دے یا کنواں کھود دے اور پتھر سے ٹھوکر کھا کر یا کنویں میں گر کر کوئی شخص مرجائے تو اس شخص پر دیت واجب ہوتی ہے۔

اسی طرح حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ یا مجنوں اپنے مورث کو قتل کردے تو وہ میراث سے محروم نہیں ہوتا کیونکہ نابالغ اور مجنوں کے اکثر افعال پر شرعی طور پر کوئی سزا واجب نہیں ہوتی۔

اختلاف مذہب دو مذہبوں کا اختلاف میراث سے محروم کردیتا ہے یعنی اگر وارث مسلمان ہے اور مورث غیر مسلم ہے (خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی اور یہودی وغیرہ ہو) تو اس کی میراث مسلمان کو نہیں ملے گی اسی طرح اگر وارث غیر مسلم ہے اور مورث مسلمان ہے تو اس کی میراث غیر مسلم کو نہیں ملے گی۔

اختلاف دارین: یعنی ممالک وطن کا اختلاف میت اور وارث کے ملک وطن کا مختلف ہونا میراث سے محروم کر دیتا ہے مثلاً ایک شخص دار الاسلام میں رہتا ہے اور ایک شخص دار الحرب میں تو دونوں ایک دوسرے کی میراث سے محروم رہیں گے۔ لیکن یہ حکم غیر مسلم کے لئے ہے۔ مسلمان مورث و وارث اگر اختلاف دارین بھی رکھتے ہوں گے تب بھی ایک دوسرے کی میراث کے حقدار ہوں گے۔

بَاب ذَوِي الْأَرْحَامِ

یہ باب ذوی الارحام کے بیان میں ہے

2737 - حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الزُّرَقِيِّ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَكِيمِ بْنِ عَبَّادِ بْنِ حُنَيْفٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا رَمَى رَجُلًا بِسَهْمٍ فَقَتَلَهُ وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ إِلَّا خَالٌ فَكَتَبَ فِي ذٰلِكَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ إِلَى عُمَرَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مَوْلَى مَنْ لَا مَوْلَى لَهُ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ

حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے دوسرے کو تیر مار کر قتل کر دیا اس کا وارث صرف ایک ماموں تھا حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خط میں لکھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جس کا کوئی مولیٰ نہ ہو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مولیٰ ہیں اور جس کا کوئی وارث نہ ہو ماموں اس کا وارث ہے۔

2738 - حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنِي بُدَيْلُ بْنُ مَيْسَرَةَ الْعُقَيْلِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِي عَامِرٍ

الْهَوْزَنِيِّ عَنِ الْمِقْدَامِ أَبِي كَرِيمَةَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا وَرُبَّمَا قَالَ فَإِلَى اللّٰهِ وَإِلَى رَسُوْلِهٖ وَأَنَا وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهٗ أَعْقِلُ عَنْهُ وَأَرِثُهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهٗ يَعْقِلُ عَنْهُ وَيَرِثُهٗ

حضرت ابوکریمہ رضی اللہ عنہ جو شام سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی ہیں وہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے' جو شخص مال چھوڑ کر مرے وہ اس کے ورثاء کو ملے گا' جو شخص بال بچے چھوڑ کر فوت ہو جائے وہ ہمارے سپرد ہوں گے۔

بعض اوقات راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوں گے' جس کا کوئی وارث نہ ہو میں اس کا وارث ہوں میں اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا میں اس کا وارث بنوں گا اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا ماموں اس کا وارث ہوگا' وہ اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث بھی ہوگا۔

ذوی الارحام کی تفصیل کا بیان

میت کے وارثوں میں سب سے پہلا درجہ ذوی الفروض کا ہے اور دوسرا درجہ عصبات کا ہے اب یہ سمجھئے کہ اگر کسی میت کے وارثوں میں نہ تو ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات ہوں تو پھر اس کا ترکہ ذوی الارحام کو ملے گا گویا ذوی الارحام کو ملے گا گویا ذوی الارحام کے وارثوں کا تیسرا درجہ ہے چنانچہ جس طرح عصبات کے چار درجے ہیں اسی طرح ذوی الارحام کے بھی چار درجے ہیں جنکی تفصیل یہ ہے۔ اول: میت کی بیٹی پوتی اور پڑپوتی خواہ اس سے نیچے کے درجہ کی اولاد یعنی میت کے نواسہ نواسی میت کے بیٹے کا نواسہ نواسی میت کے نواسے کا بیٹا بیٹی کی نواسی کا بیٹا بیٹی اور میت کے پوتے کے نواسہ نواسی وغیرہ۔

دوم: دادا فاسد دادی فاسدہ اور نانی فاسدہ (خواہ یہ سب اوپر کے درجہ کے ہوں) اس موقع پر یہ سمجھ لیجئے کہ دادا فاسد اس دادا کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ جیسے میت کا نانا اور میت کی دادی یا نانی کا باپ اور دادی فاسدہ اور نانی فاسدہ اس دادی یا نانی کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان دادا فاسد کا واسطہ ہو جیسے نانا کی ماں اور دادی یا نانی کے باپ کی ماں یہ سب ذوی الارحام ہیں جب کہ دادا صحیح اور دادی ونانی صحیحہ ذوی الفروض ہیں چنانچہ دادا صحیح اس کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ نہ ہو جیسے دادا اور پڑدادا یا اس سے اوپر کے درجہ کے اور دادی ونانی صحیحہ اس دادی یا نانی کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان دادا فاسد کا واسطہ نہ ہو جیسے دادی یا پڑدادی اور نانی یا پڑنانی (یا اس سے اوپر کے درجہ کی) سوم: حقیقی بہنوں کی اولاد سوتیلی بہنوں کی اولاد اخیافی بہنوں کی اولاد اخیافی بھائی کی اولاد حقیقی بھائی کی بیٹیاں اور سوتیلے بھائی کی بیٹیاں۔ چہارم: پھوپیاں خواہ حقیقی ہوں یا سوتیلی اور اخیافی ہوں اخیافی چچا ماموں اور خالائیں۔

ذوی الارحام کے یہ چار درجے ہیں اور عصبات کی طرح ان کی ترتیب بھی یہ ہے کہ اگر ان چاروں درجوں میں سے اول درجہ کے ذوی الارحام وارث موجود ہوں گے یا ان کی اولاد خواہ وہ کتنے ہی نیچے کے درجہ کی ہو موجود ہوگی تو باقی تینوں درجوں کے ذوی الارحام محروم ہوں گے اسی طرح درجہ دوم کے ذوی الارحام ورثاء کی موجودگی میں سوم اور چہارم درجہ کے اور تیسرے درجہ کے ذوی الارحام کی موجودگی میں چوتھے درجہ کے ذوی الارحام محروم ہوں گے نیز عصبات کیطرح ذوی الارحام میں بھی اس کے ہر

درجہ میں قریب کا ذی رحم بعید کے ذی رحم پر مقدم ہوگا۔

بَاب مِيْرَاثِ الْعَصَبَةِ

یہ باب عصبہ کی وراثت کے بیان میں ہے

عصبہ کی تعریف

عصبہ کے لغوی معنی مضبوط کرنے اور جوڑنے کے ہیں۔ اصطلاحی معنی: میت کے وہ قریبی رشتہ دار جن کے حصے متعین نہیں ہیں بلکہ اصحاب الفرائض سے بچا ہوا ترکہ لیتے ہیں۔ اوران کی عدم موجودگی میں تمام ترکہ کے وارث بنتے ہیں۔

عصبہ کی اقسام کا بیان

اس کی دو بڑی اقسام ہیں:- 1 عصبہ نسبی 2۔ عصبہ سببی

عصبہ نسبی

جو خونی رشتہ کی وجہ سے عصبہ بنتے ہیں۔ ان کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں۔

عصبہ بہ نفس کا بیان

میت کے وہ مذکر رشتہ دار کہ انکی نسبت میت کی طرف کی جائے تو درمیان میں کسی مونث کا واسطہ نہ آئے۔ اس کی بالترتیب چار جہات ہیں: بیٹے کی جہت: یعنی میت کا بیٹا اس کی عدم موجودگی میں پوتا پھر پڑپوتا الخ۔ باپ کی جہت: یعنی میت کا باپ اس کی عدم موجودگی میں دادا پھر پڑدادا الخ۔ بھائی کی جہت: یعنی میت کا بھائی اس کی عدم موجودگی میں بھتیجا الخ۔ چچا کی جہت: یعنی میت کا چچا اس کی عدم موجودگی میں چچا کا بیٹا الخ۔

عصبہ بہ غیر کا بیان

ہر وہ مونث جو صاحب فرض ہو اور اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بنے۔ اور یہ چار فرد ہیں: بیٹی پوتی یا پڑپوتی حقیقی بہن پدری بہن۔ ان میں ترکہ (لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ) کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

عصبہ مع غیر کا بیان

ہر وہ مؤنث جو کسی دوسری مؤنث کی وجہ سے عصبہ بنے اس میں صرف حقیقی بہن اور پدری بہن آتی ہے جس وقت بیٹی یا پوتی کے ساتھ مل کر آئے۔

عصبہ سببی کا بیان

آزاد کردہ غلام فوت ہو جائے اور اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو تو آزاد کرنے والا مالک اس کا وارث بنے گا۔ اسے [illegible]

کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔ (صحیح البخاری، المبوع)

عصبات میں سے عصبہ بالنفس کی پہلی قسم (بیٹے کی جہت) وراثت میں سب سے مقدم ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو دوسری پھر تیسری اور پھر چوتھی کا اعتبار کیا جائے گا۔ وراثت میں اس عصبہ کو مقدم کیا جائے گا جو درجہ میں میت کے زیادہ قریب ہوگا۔ مثلاً بیٹا پوتے سے زیادہ حقدار ہوگا۔ قوی قرابت والا ضعیف سے مقدم ہوگا۔ مثلاً حقیقی بھائی پدری بھائی سے مقدم ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً حقیقی بہن بھائی وارث ہوں گے پدری بھائیوں کے علاوہ۔ (مسند احمد، ج ۱، ص ۷۹)

2739- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَحْرٍ الْبَكْرَاوِيُّ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ دُونَ بَنِي الْعَلَّاتِ يَرِثُ الرَّجُلُ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ دُونَ إِخْوَتِهِ لِأَبِيهِ

حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا تھا سگے بھائی ایک دوسرے کے وارث بنیں گے صرف باپ کی طرف سے شریک بھائی وارث نہیں بنیں گے آدمی اپنے سگے بھائی کا وارث بنے گا اپنے (صرف) باپ کی طرف سے شریک بھائیوں کا وارث نہیں بنے گا۔

2740- حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنْبَأَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْسِمُوا الْمَالَ بَيْنَ أَهْلِ الْفَرَائِضِ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ کی کتاب کے فیصلے کے مطابق مال کو ذوالفروض میں تقسیم کر دو اور فرائض کے بعد جو بچ جائے وہ قریبی مرد رشتے دار کے لیے ہوگا''۔

شرح

میت کے ترکہ میں سے ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ عصبات میں تقسیم ہوگا گویا ذوی الفروض پہلے درجہ کے وارث ہیں اور عصبات دوسرے درجہ کے وارث ہیں چنانچہ عصبات کے بھی درجے ہیں اول بیٹا پوتا پڑپوتا سکڑپوتا یا اس کے نیچے کے درجہ ہے دوم باپ دادا پڑدادا یا اس کے اوپر کے درجہ کے) سوم حقیقی اور سوتیلے بھائی اور ان کے لڑکے اگرچہ نیچے کے درجے کے ہوں۔

چہارم میت کے چچا میت کے باپ کے چچا میت کے دادا کے چچا اور ان چچاؤں کے بیٹے پوتے پڑپوتے اور سکڑپوتے۔ اب ان چاروں درجوں کی ترتیب یہ ہوگی ان چاروں درجوں میں مقدم بیٹے ہیں پھر پوتے پھر پڑپوتے پھر سکڑپوتے پھر باپ پھر دادا پھر

2740 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 6732' ورقم الحدیث: 6735' ورقم الحدیث: 6737' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 4117' ورقم الحدیث 4118' ورقم الحدیث: 4119' ورقم الحدیث: 4120' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2898' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 2098

پڑدادا پھر سکڑ دادا پھر بھائی پھر بہن پھر بھتیجے (اگرچہ نیچے تک) پھر چچا پھر چچا کی اولاد لہٰذا جب ان چاروں درجوں میں سے پہلے درجہ کا کوئی عصبہ موجود ہوگا تو باقی تینوں درجوں کے عصبات بالکل محروم قرار پائیں گے۔

اسی طرح اگر پہلے درجہ کا کوئی عصبہ یعنی بیٹا یا پوتا یا پڑوتا اور یا سکڑوتا موجود نہ ہوگا اور دوسرے درجہ کا کوئی عصبہ موجود ہوگا تو باقی دو درجوں کے عصبات بالکل محروم ہو جائیں گے اور اگر نہ تو پہلے درجہ کے عصبات میں سے کوئی موجود اور نہ دوسرے درجہ کے عصبات میں سے بلکہ تیسرے درجہ کے عصبات میں سے کوئی موجود ہو تو پھر چوتھے درجہ کے عصبات بالکل محروم رہیں گے۔

ایسے ہی ان چاروں درجوں میں سے ہر درجہ میں قریب کا عصبہ بعید کے عصبہ پر مقدم ہوگا یعنی قریب کے عصبہ کی موجودگی میں بعید کے عصبہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ مثلاً میت کے بیٹا بھی موجود ہو اور پوتا بھی موجود ہو اور یہ دونوں ہی درجہ اول کے عصبہ ہیں مگر اس صورت میں قریب کا عصبہ یعنی بیٹا مقدم ہوگا کہ اسے میت کا ترکہ ملے گا۔

اور بعید کا عصبہ یعنی پوتا محروم ہو جائے گا اسی طرح حقیقی عصبہ سوتیلے عصبہ پر مقدم ہوگا اور میت کے چچاؤں کے پوتے میت کے باپ کے چچاؤں پر مقدم ہوں گے۔ اور میت کے باپ کے چچاؤں کے پوتے میت کے دادا کے چچاؤں پر مقدم ہوں گے۔

بَاب مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ

یہ باب ہے کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو

2741 - حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَوْسَجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاتَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَدَعْ لَهُ وَارِثًا إِلَّا عَبْدًا هُوَ أَعْتَقَهُ فَدَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيرَاثَهُ إِلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک شخص فوت ہو گیا اس نے کوئی وارث نہیں چھوڑا صرف ایک غلام تھا جسے اس شخص نے آزاد کیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وارثت اس غلام کے حوالے کر دی۔

شرح

اس حدیث کی وضاحت بھی وہی ہے جو اوپر کی حدیث میں کی گئی ہے کہ اس شخص کا چونکہ کوئی بھی وارث نہیں تھا اس لئے اس کے ترکہ بیت المال میں داخل کیا جاتا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کا ترکہ اس کے قبیلہ کے کسی بڑے بوڑھے کو دیدیا جائے کیونکہ ایسا شخص بیت المال کا مصرف بھی ہے اور اس کے قبیلہ کا ایک فرد ہونے اور اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اس کا سب سے زیادہ مستحق بھی ہے۔ میت کے قرض کی ادائیگی اس کی وصیت کی تعمیل پر مقدم ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دن انہوں نے لوگوں سے کہا کہ تم اس آیت کو پڑھتے ہو (مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ، النساء:12) جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بھی

2741 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2905 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2106

صادر فرمایا ہے کہ حقیقی بھائی وارث ہوتے ہیں نہ کہ سوتیلے بھائی (یعنی حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں سوتیلے بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا) اور یہ کہ آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے نہ کہ سوتیلے بھائی کا یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ وہ بھائی جو ماں میں بھی شریک ہوں یعنی باپ اور ماں دونوں میں شریک ہوں کہ جنہیں حقیقی بھائی کہتے ہیں۔ وارث ہوتے ہیں نہ کہ وہ بھائی جو صرف باپ میں شریک ہوں یعنی سوتیلے بھائی آگے حدیث کے وہی الفاظ ہیں جو اوپر نقل ہوئے۔

حدیث میں مذکورہ آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر میت نے کوئی وصیت کی ہے تو اس کو پوری کرنے کے بعد اور اگر اس کے ذمہ کوئی قرض ہو تو اس کو ادا کرنے کے بعد اس کے ورثاء کو اس کی میراث تقسیم کی جائے گی۔ گویا آیت کریمہ میں بظاہر وصیت کی تعمیل کو قرض کی ادائیگی پر مقدم کیا گیا ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصیت کی تعمیل سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیتے تھے۔ چنانچہ اسی بارے میں حضرت علی نے لوگوں سے پوچھا کہ تم یہ آیت پڑھتے ہو کیا اس کی مراد بھی سمجھتے ہو یا نہیں؟ گویا اس طرح حضرت علی نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ یہ نہ سمجھ لینا کہ قرآن کریم کی اس آیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل میں کوئی تضاد نظر آتا ہے۔ یا یہ کہ آیت کریمہ میں چونکہ وصیت کو مقدم کیا گیا ہے اس لئے وصیت کی تعمیل قرض کی ادائیگی پر مقدم ہے بلکہ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ آیت میں الفاظ کے اعتبار سے قرض کی ادائیگی کو اگرچہ بعد میں ذکر کیا گیا ہے لیکن حقیقت اور حکم کے اعتبار سے یہی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم کے ذریعہ اس کو واضح کر دیا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ پھر آیت کریمہ میں وصیت کا ذکر پہلے کیوں ہے؟ تو اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ میت کی وصیت کی تعمیل چونکہ گراں گزر سکتی ہے اور اس میں کوتاہی ہو سکتی ہے اس لئے وصیت کے ذکر کو مقدم کر کے یہ آگاہی دی گئی ہے کہ میت کی تعمیل کو آسان اور غیر ضروری نہ سمجھا جائے بلکہ اسے ایک اہم اور ضروری چیز سمجھ کر پورا کیا جائے۔

بَاب تَحُوزُ الْمَرْاَةُ ثَلَاثَ مَوَارِيثَ

یہ باب ہے عورت تین طرح کی وراثت حاصل کرے گی

2742- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ رُؤْبَةَ التَّغْلِبِيُّ عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ النَّصْرِيِّ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْاَةُ تَحُوزُ ثَلَاثَ مَوَارِيثَ عَتِيقِهَا وَلَقِيطِهَا وَوَلَدِهَا الَّذِي لَاعَنَتْ عَلَيْهِ قَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ يَزِيدَ مَا رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ غَيْرُ هِشَامٍ

◄◄ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: عورت تین طرح کی وراثت کو مکمل طور پر حاصل کر لیتی ہے ایک اپنے آزاد کردہ غلام، جس بچے کو اس نے اٹھایا تھا اور اس کی وہ اولاد جس پر اس نے لعان کیا تھا (ان کی وراثت صرف عورت کو ملتی ہے)

2742 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2906 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2115

محمد بن یزید نامی راوی کہتے ہیں: اس روایت کو صرف ہشام نامی راوی نے نقل کیا ہے۔

شرح

اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کی" سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایک عورت نے کسی غلام کو آزاد کیا اور وہ آزاد شدہ غلام اس حالت میں مرا کہ اس کا کوئی نسبی عصبہ نہیں تھا تو جس طرح ایک مرد اس صورت میں اپنے آزاد شدہ غلام کا وارث ہوتا ہے اسی طرح یہ عورت بھی اپنے اس آزاد شدہ غلام کی میراث پائے گی۔ دوسرے اپنے لقیط کی" سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کسی عورت نے کہیں راستہ میں پڑا ہوا کوئی بچہ پایا اور اسے پالا پوسا تو اب یہ عورت اس کی وارث ہوگی کہ اس لقیط کے مرنے کے بعد اس کی میراث پائے گی چنانچہ حضرت اسحق بن راہویہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن علماء کا یہ مسلک ہے کہ ملتقط (یعنی لقیط کو اٹھانیوالا) حق ولا نہیں رکھتا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو عورت کسی بچہ کو اٹھالے اور اسے پالے پوسے تو وہ اس کی وارث نہیں ہوتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد گرامی حدیث (لا ولاء لہا الولا ولاء العتاقۃ) کے ذریعہ لقیط کے حق ولاء کو آزاد کرنیوالے کے ساتھ مختص کیا ہے چنانچہ ان علماء کے نزدیک یہ حکم کہ عورت اپنے لقیط کی وارث ہوتی ہے منسوخ ہے۔

البتہ قاضی نے اس حکم کا جو مطلب بیان کیا ہے اس کے پیش نظر اس کو منسوخ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ قاضی کہتے ہیں کہ اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ لقیط کا چھوڑا ہوا مال و اسباب بیت المال کا حق ہے ہاں جس عورت نے لقیط کو اٹھایا اور اسے پالا پوسا وہ دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں اس بات کی زیادہ مستحق اور اولی ہے کہ بیت المال کی طرف سے وہ مال جو اس لقیط نے چھوڑا ہے اس عورت پر صرف کیا جائے۔ لعان اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہوا ہے اس کے بارے میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں ہے اور وہ اس کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے پر لعنت ملامت کریں۔

بَاب مَنْ اَنْكَرَ وَلَدَهُ

یہ باب ہے کہ جو شخص اپنی اولاد کا انکار کردے

2743- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُبَيْدَةَ حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ حَرْبٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اٰيَةُ اللِّعَانِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ اَلْحَقَتْ بِقَوْمٍ مَّنْ لَيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ وَّلَنْ يُدْخِلَهَا جَنَّتَهُ وَاَيُّمَا رَجُلٍ اَنْكَرَ وَلَدَهُ وَقَدْ عَرَفَهُ احْتَجَبَ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفَضَحَهُ عَلٰى رُءُوْسِ الْاَشْهَادِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب لعان سے متعلق آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو عورت کسی قوم میں اس شخص کو شامل کردے جو ان کا فرد نہ ہو (یعنی وہ ناجائز بچے کو جنم دے) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے کوئی (اجر و ثواب) نہیں ملے گا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی جنت میں داخل نہیں کرے گا اور جو شخص اپنی اولاد کا انکار

2743: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کردے حالانکہ وہ اس سے واقف ہو (کہ یہ اس کی اپنی اولاد ہے) تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص سے حجاب کرے گا اور اسے تمام مخلوق کی موجودگی میں ذلیل ورسوا کرے گا"۔

2744- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُفْرٌ بِامْرِئٍ ادِّعَاءُ نَسَبٍ لَا يَعْرِفُهُ أَوْ جَحْدُهُ وَإِنْ دَقَّ

⇔ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"آدمی کے لیے یہ بات کفر کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ کسی ایسے نسب کا دعویٰ کردے جس سے وہ شناسا نہ ہو (یعنی جو اس کا نسب نہ ہو اس کا دعویٰ کردے) یا وہ اس کا انکار کردے (یعنی اپنے نسب کا انکار کردے) اگرچہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو"۔

نسب کا سماع سے ثابت ہو جانے کا فقہی بیان

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں قصداً ثابت نہیں ہوتیں جیسے کسی شخص کے پاس کھانا لانے والے مجوسی کا خبر دینا کہ اس کو فلاں مسلمان نے یہ کھانا تیرے لئے بطور ہدیہ دے کر تیرے پاس بھیجا ہے، بیشک مجوسی کا قول معاملات میں مقبول ہوتا ہے اور تحائف بھیجنا معاملات میں سے ہے، پھر اس کھانے کا حلال ہونا ضمناً ثابت ہو جائے گا اگرچہ امور دینیہ میں کافر کا قول بالکل مقبول نہیں ہوتا اور حلال وحرام ہونا امور دینیہ میں سے ہے،

یہی تعلیل بعینہ علامہ زیلعی کی تبیین الحقائق میں دیکھی جہاں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ملک کو اس کی حدود کے ساتھ دیکھا کہ فلاں ابن فلاں کی طرف منسوب ہوتی ہے جبکہ اس نے مالک کو نہ تو چہرے سے پہچانا اور نہ ہی اس کے نسب کو جانا پھر وہ شخص آیا جس کی طرف ملک محدود کی نسبت کی جاتی ہے اور خاص اسی ملک محدود کے مالک ہونے کا دعویٰ کیا تو شاہد کو اس کی ملک پر گواہی دینا بطور استحسان حلال ہے کیونکہ نسب سماع سے ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا مالک لوگوں سے سن کر اور ملک دیکھ کر معلوم ہو گیا، اور اگر اس طرح کی گواہی مسموع نہ ہو تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے کیونکہ لوگوں میں کچھ نقاب پوش ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں بالکل سامنے نہیں آتے تو ایسے شخص کو ملک میں تصرف کرتے ہوئے دیکھنا شاہد کے لئے متصور نہیں، اور یہ تسامع سے ملک کو ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو تسامع سے نسب کا اثبات ہے اور اس کے ساتھ ضمن میں ملک کا اثبات ہے اور یہ ممتنع نہیں، ممتنع تو قصداً تسامع سے ملک کا اثبات ہے (تبیین الحقائق، کتاب شہادت، بولاق مصر)

دو جڑوے بچوں میں دعویٰ نسب کا بیان

جب کسی آدمی نے دو جڑوا بچوں میں سے ایک کے نسب کا دعویٰ کیا تو دونوں بچوں کا نسب ہی اس سے ثابت ہو جائے گا اس

2744: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

لئے کہ وہ دونوں ایک ہی نطفے سے پیدا ہوئے ہیں لہٰذا ان میں سے ایک کا نسب ثابت ہونے سے یقیناً دوسرے کا بھی نسب ثابت ہو جائے گا یہ حکم اس سبب سے ہے کہ جڑواں بچے وہی کہلاتے ہیں جن کی پیدائش میں چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو اور دوسرے بچے کا حمل قرار پانا متصور نہ ہو اس لئے چھ ماہ سے کم میں حمل کا تصور نہیں ہے۔

جامع صغیر میں ہے کہ جب کسی آدمی کے پاس دو غلام ہوں اور وہ دونوں اس کے پاس پیدا ہوئے ہوں اور قابض نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا اور مشتری نے اس کو آزاد کر دیا پھر بائع کے قبضہ میں جو غلام تھا اس کے بارے میں نسب کا دعویٰ کیا تو وہ دونوں اس کے بیٹے ہوں گے اور مشتری کی آزادی ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ جب علوق اور دعویٰ سے متصل ہونے کی وجہ سے اس بچے کے نسب کا دعویٰ ثابت ہو گیا جو بائع کے قبضہ میں ہے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اس لئے کہ مسئلہ اس حال میں فرض کیا گیا ہے کہ علوق اور ولادت دونوں چیزیں بائع کی ملکیت میں ہوئی ہیں پس جب بائع نے اس بچے کو اپنے سے پیدا ہونے کا اقرار کر لیا تو تو بچہ میں اصلی حریت ثابت ہو جائے گی اور مشتری کا آزادی باطل ہو جائے گا اس صورت کے خلاف کہ جب بچہ ایک ہو اس لئے کہ اس صورت میں بائع کے دعوے کا حق بن کر بالقصد آزادی باطل ہو گا اور صورت مسئلہ میں اصل آزادی کے سبب تبعیت کے طور پر مشتری کی آزادی باطل ہے لہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق ہو گیا اور جب اصل علوق بائع کی ملکیت میں نہ ہوا ہو تو اسی لڑکے کا نسب اس سے ثابت ہو گا جو اس کے قبضہ میں ہے اور جو اس نے بیچ دیا ہے اس میں بیع باطل نہیں ہو گی کیونکہ یہ دعویٰ تحریر ہے اس لئے کہ علوق اور نسب کے دعویٰ میں اتصال نہیں ہے لہٰذا یہ دعویٰ بائع کے محل ولایت پر انحصار کرنے والا ہو گا۔

علامہ قاضی احمد بن فراموز حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب دو توام بچے (جوڑواں) پیدا ہوئے یعنی دونوں ایک حمل سے پیدا ہوئے، دونوں کے مابین چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہے ان میں سے ایک کے نسب کا اقرار دوسرے کا بھی اقرار ہے ایک کا نسب جس سے ثابت ہو گا دوسرے کا بھی اُسی سے ثابت ہو گا۔ (درر الاحکام، کتاب دعویٰ، بیروت)

اقرار نسب میں اقرار اول کا دوسرے اقرار سے قوی ہونے کا بیان

جب کسی آدمی کے پاس ایک بچہ ہو اور قابض یہ کہتا ہو کہ یہ میرے فلاں غائب غلام کا بچہ ہے پھر قابض نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو وہ بچہ کبھی بھی قابض کا بیٹا نہیں ہو سکتا اگرچہ غلام اس بات کا انکار بھی کر دے کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے یہ حکم حضرت امام اعظم کے نزدیک ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ جب غلام انکار کر دے تو وہ بچہ آقا کا ہو گا اسی اختلاف پر یہ بھی ہے کہ جب اس نے یہ کہا کہ یہ بچہ فلاں کا ہے اور اسی سے پیدا ہوا ہے پھر اپنے لئے اس کا دعویٰ کر لیا صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ غلام کے رد کر دینے سے اقرار رد ہو جاتا ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ اقرار تھا ہی نہیں اور نسب کا اقرار کر دینے سے رد ہو جاتا ہے اگرچہ اس میں نقض کا احتمال نہیں ہوتا کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اس میں اکراہ اور ہزل اپنا اثر دکھاتے ہیں تو یہ ایسا ہو گیا کہ گویا مشتری نے یہ اقرار کیا کہ بائع نے مبیع غلام کو بیچنے سے پہلے ہی آزاد کر دیا تھا مگر بائع نے اس کی تکذیب کر دی پھر مشتری نے کہا کہ میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا تو ولاء مشتری کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اس صورت کے خلاف کہ جب غلام آقا کی تصدیق کر دے تو بھی آقا کے دعوے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس

لئے کہ اب وہ ایسے نسب کا دعوی کر رہا ہے جو دوسرے سے ثابت ہے اور اس صورت کے خلاف کہ جب غلام نہ تو تصدیق کرے اور نہ ہی تکذیب کرے اس لئے کہ غلام کے تصدیق کرنے کی صورت میں اس بچہ سے مقرلہ کا حق متعلق ہو چکا ہے تو وہ بچہ ملاعنہ کے بچے کی طرح ہو جائے گا کہ ملاعن کے علاوہ اس کا نسب ثابت نہیں ہو گا اس لئے کہ ملاعن کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو جھٹلا دے

حضرت امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ نسب ان چیزوں میں سے ہے جن کے ثابت ہونے کے بعد ان کے باطل ہونے کا احتمال نہیں ہوتا اور اس جیسا اقرار بھی رد کرنے سے رد نہیں ہوتا لہٰذا اقرار باقی رہے گا اور مدعی کا دعوی ممتنع ہو گا جیسا کہ کسی آدمی نے دوسرے کے خلاف کسی چھوٹے بچے کے نسب کی گواہی دی پھر کسی تہمت کے سبب اس کی گواہی رد ہو گئی اس کے بعد اس نے اپنے لئے اس کے نسب کا دعوی کر دیا تو اس کا دعوی مردود ہو گا اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ مقرلہ کی تصدیق کے سبب اس بچے کا حق اس سے وابستہ ہو گیا حتی کہ تکذیب کے بعد مقرلہ اس کی تصدیق کر دے پھر بھی اسی سے نسب ثابت ہو گا نیز اقرار کے سبب اس بچے کا حق بھی اس سے متعلق ہو گیا ہے لہٰذا مقرلہ کے انکار سے نسب کا انکار نہیں ہو گا۔

اور ولاء کا مسئلہ بھی اسی اختلاف کی بناء پر ہے اور اگر ہم اس کو متفق علیہ مان بھی لیں تو ولاء اقوی سے پیش آنے سے ساقط ہو جائے گا جس طرح ماں کی طرف سے باپ کی طرف ولاء منتقل ہو جاتا ہے اور صورت مسئلہ میں ولاء موقوف پر ایسی چیز حاوی ہو گئی ہے جو اس سے بھی اقوی ہے یعنی مشتری کا دعوی لہٰذا اس دعوی کیسبب ولاء موقوف ساقط ہو جائے گا نسب کے خلاف جیسا کہ گزر چکا ہے اور یہ مسئلہ امام اعظم کی اصل پر اس آدمی کے حق میں حیلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جو کسی غلام کو بیچے اور اس کو بیع کے بعد دوسرے کی طرف سے دعوے کا خوف ہو تو وہ دوسرے کے لئے نسب کا اقرار کر کے اس کا دعوی خارج کر دے۔

حق ولاء کے سبب نسب و وراثت میں حقدار ہونے کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مثال اس کی یہ ہے ملاعنہ عورت کا لڑکا اپنی ماں کے موالی کی طرف منسوب ہو گا اگر وہ مر جائے گا وہی اس کے وارث ہوں گے اگر جنایت کرے گا وہی دیت دیں گے پھر اس عورت کا خاوند اقرار کر لے کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس کی ولاء باپ کے موالی کو ملے گی وہی وارث ہوں گے وہی دیت دیں گے مگر اس کے باپ پر حد قذف پڑے گی مالک نے اسی طرح کہا اگر عورت ملاعنہ عربی ہو اور خاوند اس کے لڑکے کا اقرار کرنے کا اقرار کر لے کہ میرا لڑکا ہے تو وہ لڑکا اپنے باپ سے ملا دیا جائے گا۔ جب تک خاوند اقرار نہ کرے تو اس لڑکے کا ترکہ اس کی ماں اور اخیافی بھائی کو حصہ دے کر جو بچ رہے گا۔ مسلمانوں کا حق ہو گا اور ملاعنہ کے لڑکے کی میراث اس کی ماں کے موالی کو اس واسطے ملتی ہے کہ جب تک اس کے خاوند نے اقرار نہیں کیا نہ اس لڑکے کا نسب ہے نہ اس کا کوئی عصبہ ہے جب خاوند نے اقرار کر لیا نسب ثابت ہو گیا اپنے عصبہ سے مل جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس غلام کی اولاد آزاد عورت سے ہو اور غلام کا باپ آزاد ہو وہ، اپنے پوتے یا ولاء کا مالک ہو گا جب تک باپ غلام رہے گا جب باپ آزاد ہو جائے گا تو اس کے موالی کو ملے گی اگر باپ غلامی کی حالت میں مر جائے گا تو میراث اور ولاء دادا کو ملے گی اگر اس غلام کے دو آزاد لڑکوں میں سے ایک لڑکا مر جائے اور باپ ان کا غلام ہو تو ولاء اور میراث اس کے دادا کو ملے گی۔ (موطا امام مالک، ج ۱، حدیث ۱۱۶۲)

بَابٌ فِيْ ادِّعَاءِ الْوَلَدِ

یہ باب ہے کہ کسی بچے کے بارے میں (اپنی اولاد ہونے) کا دعویٰ کرنا

2745- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الْيَمَانِ عَنِ الْمُثَنَّى بْنِ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَاهَرَ اَمَةً اَوْ حُرَّةً فَوَلَدُهُ وَلَدُ زِنًا لَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ

◆◆ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''جو شخص کسی آزاد عورت یا کسی کنیز کے ساتھ زنا کرتا ہے' تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ زنا کی اولاد شمار ہوگا، جو نہ وارث بنے گا اور نہ ہی اس کا کوئی وارث بنے گا''۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونیوالا بچہ نہ تو زنا کرنے والے کا وارث ہوتا ہے اور نہ اس کے اقرباء کی کوئی میراث اسے ملتی ہے کیونکہ وراثت نسب کی وجہ سے ہوتی ہے جب کہ ولد الزنا اور زنا کرنیوالے کے درمیان نسب کا کوئی وجود نہیں ہوتا اسی طرح زنا کرنیوالا بھی اپنے ولد الزنا کا وارث نہیں ہوتا اور نہ اس کے اقرباء اس کی میراث پاتے ہیں اس کے برعکس ولد الزنا کی ماں اس کی وارث ہوتی ہے اور ولد الزنا اپنی ماں کی میراث پاتا ہے۔

2746- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِ بْنِ بِلَالٍ الدِّمَشْقِيُّ اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ رَاشِدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوْسٰى عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ مُسْتَلْحَقٍ اسْتُلْحِقَ بَعْدَ اَبِيْهِ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهُ ادَّعَاهُ وَرَثَتُهُ مِنْ بَعْدِهِ فَقَضٰى اَنَّ مَنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ يَمْلِكُهَا يَوْمَ اَصَابَهَا فَقَدْ لَحِقَ بِمَنِ اسْتَلْحَقَهُ وَلَيْسَ لَهُ فِيْمَا قُسِمَ قَبْلَهُ مِنَ الْمِيْرَاثِ شَيْءٌ وَّمَا اَدْرَكَ مِنْ مِيْرَاثٍ لَّمْ يُقْسَمْ فَلَهُ نَصِيْبُهُ وَلَا يَلْحَقُ اِذَا كَانَ اَبُوْهُ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهُ اَنْكَرَهُ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ لَّا يَمْلِكُهَا اَوْ مِنْ حُرَّةٍ عَاهَرَ بِهَا فَاِنَّهُ لَا يَلْحَقُ وَلَا يُوْرَثُ وَاِنْ كَانَ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهُ هُوَ ادَّعَاهُ فَهُوَ وَلَدُ زِنًا لِاَهْلِ اُمِّهِ مَنْ كَانُوْا حُرَّةً اَوْ اَمَةً قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ يَعْنِيْ بِذٰلِكَ مَا قُسِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَبْلَ الْاِسْلَامِ

◆◆ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ہر وہ بچہ جسے کسی شخص کی وفات کے بعد اس کے ساتھ لاحق کیا گیا ہو یہ دعویٰ اس کے ورثاء نے اس کے مرنے کے بعد کیا ہو' تو اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ دیا ہے ہر وہ بچہ جو کسی ایسی کنیز کی اولاد ہو' جس کا وہ مرحوم شخص اس دن مالک تھا جس دن اس نے اس کنیز کے ساتھ صحبت کی تھی' تو اس بچے کا نسب اس مرحوم شخص کے ساتھ لاحق ہوگا تاہم اس سے پہلے جو وراثت تقسیم ہو چکی تھی اس میں سے اس بچے کو کچھ نہیں

2745-اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

2746 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:2265' ورقم الحدیث:2266

ملے گا' لیکن جو وراثت تقسیم نہیں ہوئی تھی اس میں سے اس بچے کو اس کا حصہ ملے جائے گا' لیکن اس بچے کا نسب اس مرحوم کے ساتھ اس صورت میں لاحق نہیں ہوگا' جس شخص نے اس کا باپ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس نے خود اس کا انکار کیا ہو' اگر وہ بچہ کسی ایسی کنیز کی اولاد ہو' جس کا وہ مرحوم شخص مالک نہیں تھا یا وہ کسی آزاد عورت کی اولاد ہو' جس کے ساتھ اس مرحوم نے زنا کیا تھا اب اس بچے کا نسب اس مرحوم کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا اور وہ بچہ اس کا وارث نہیں بنے گا' اگر چہ جس مرحوم کے ساتھ اسے منسوب کیا جا رہا ہے اس نے خود اس بچے کے اپنی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہو' یہ بچہ زنا کی اولاد ہے یہ اپنی ماں کے رشتے داروں کو ملے گا خواہ وہ جو کوئی بھی ہوں خواہ وہ عورت آزاد ہو' یا کنیز ہو۔

محمد بن راشد کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ تقسیم نہیں کی جاتی تھی۔

عورت کا کسی بچے کے متعلق دعویٰ کرنے کا بیان

جب کسی عورت نے کسی بچے کے متعلق یہ دعوی کیا کی یہ اس کا بیٹا ہے تو اس کے دعوے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جب تک کہ ولادت پر کوئی عورت گواہی دے اور صورت مسئلہ یہ ہے کہ وہ عورت شوہر والی ہو اس لئے کہ وہ دوسرے پر نسب لادنے کا دعوی کر رہی ہے لہٰذا دلیل کے بغیر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مرد کے خلاف اس لئے کہ وہ اپنے اوپر نسب کو لادرہا ہے پھر اس سلسلے میں دائی کی گواہی کافی ہو گی اس لئے کہ یہاں تعین ولد کی ضرورت ہے رہا نسب تو وہ موجودہ زوجیت سے ثابت ہے اور یہ درست ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت کے بارے میں دائی کی گواہی کو قبول فرمایا ہے۔

ولادت میں تنہا دائیہ کی گواہی کے مقبول ہونے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ وقت نکاح سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں اور چھ مہینے یا زیادہ پر ہوا تو ثابت ہے جبکہ شوہر اقرار کرے یا سکوت اور اگر کہتا ہے کہ بچہ پیدا ہی نہ ہوا تو ایک عورت کی گواہی سے ولادت ثابت ہو جائے گی اور اگر شوہر نے کہا تھا کہ جب تو جنے تو تجھ کو طلاق اور عورت بچہ پیدا ہونا بیان کرتی ہے اور شوہر انکار کرتا ہے تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوگی تنہا جنائی کی شہادت ناکافی ہے۔ یونہی اگر شوہر نے حمل کا اقرار کیا تھا یا حمل ظاہر تھا جب بھی طلاق ثابت ہے اور نسب ثابت ہونے کے لیے فقط جنائی کا قول کافی ہے۔ اور اگر دو بچے پیدا ہوئے ایک چھ مہینے کے اندر دوسرا چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے بعد تو دونوں میں کسی کا نسب ثابت نہیں۔ نکاح میں جہاں نسب ثابت ہونا کہا جاتا ہے وہاں کچھ یہ ضرور نہیں کہ شوہر دعوے کرے تو نسب ہوگا بلکہ سکوت سے بھی نسب ثابت ہوگا اور اگر انکار کرے تو نفی نہ ہوگی جب تک لعان نہ ہو اور اگر کسی وجہ سے لعان نہ ہو سکے جب بھی ثابت ہوگا۔ (عالم گیری، باب ثبوت نسب)

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون غنیۃ سے نکاح کر لیا۔ ایک عورت نے ان سے کہا کہ میں تمہیں اور تمہاری منکوحہ دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے۔ حضرت عقبہ نے کہا کہ مجھے اس بات کا علم نہیں ہے نہ تم نے پہلے کبھی مجھ سے یہ بات کہی۔ پھر انہوں نے اپنی بیوی کے رشتہ داروں سے معلوم کروایا انہوں نے بھی یہی کہا کہ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ اس عورت نے عقبہ کو دودھ پلایا

ہے۔ آخر کار حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرہ بیان کیا۔ دودھ پلانے والی عورت تن تنہا یہ واقعہ بیان کر رہی تھی۔ دوسرا کوئی گواہ اس کی گواہی نہیں دے رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رضاعت کے بارے میں اس عورت کا کہا تسلیم فرمایا۔ غنیّۃ کو عقبہ کی رضاعی بہن قرار دیا۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے غنیّۃ کو چھوڑ دیا اور دوسری جگہ نکاح کیا۔

بَاب النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ

یہ باب ولاء کو فروخت کرنے یا اسے ہبہ کرنے کی ممانعت میں ہے

2747- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَسُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ

◄◄ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کو فروخت کرنے اور اسے ہبہ کرنے سے منع کیا ہے۔

2748- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ الطَّائِفِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ

◄◄ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کو فروخت کرنے اور اسے ہبہ کرنے سے منع کیا ہے۔

بَاب قِسْمَةِ الْمَوَارِيثِ

یہ باب وراثت کو تقسیم کرنے کے بیان میں ہے

2749- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ لَهِيعَةَ عَنْ عُقَيْلٍ أَنَّهُ سَمِعَ نَافِعًا يُخْبِرُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَ مِنْ مِيرَاثٍ قُسِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ عَلَى قِسْمَةِ الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا كَانَ مِنْ مِيرَاثٍ أَدْرَكَهُ الْإِسْلَامُ فَهُوَ عَلَى قِسْمَةِ الْإِسْلَامِ

◄◄ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "جو وراثت زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہو گئی تھی وہ زمانہ جاہلیت کی تقسیم کے مطابق ہو گی اور جو وراثت اسلام کے زمانہ میں تقسیم ہوئی ہے وہ اسلام کی تقسیم کے

2747: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2535' ورقم الحدیث: 2756' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3768' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2919' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1236

2749. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

مطابق ہوگی"۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مسلمانوں کے حق میں خودان سے بھی زیادہ عزیز ہوں یعنی دین ودنیا کے ہر معاملہ میں ایک مسلمان اپنے اوپر خود جتنا شفیق ومہربان ہوسکتا ہے میں اس پر اس سے بھی زیادہ شفیق ومہربان ہوں اسی لئے ان کے قرضوں کو ادا کرنے میں زیادہ حق دار ہوں لہٰذا جو شخص یعنی مسلمان مرجائے اور اس پر قرض ہو اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہوسکتا ہو تو اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو شخص اتنا مال چھوڑ جائے جو اس کے قرض کی ادائیگی اور اس کی کی ہوئی وصیت کی شرعی تکمیل کے بعد بھی بچ جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص قرض دار یا عیال دار مرجائے اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کے قرض کی ادائیگی ہو سکے یا اس کے عیال کی پرورش ہوسکے تو اس کا وکیل یا وصی میرے پاس آئے میں اس کا انتظام کروں گا یعنی میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس کے عیال کی نگہداشت وغم خواری کروں گا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال اس کے وارثوں کا ہے اور جو بھاری چیز یعنی قرض اور عیال چھوڑ کر مرے تو اس کا انتظام کرنا میرے ذمہ ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث، 266)

شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی شخص مرتا جس کے ذمہ قرض ہوتا اور اس کے ترکہ میں اتنا مال نہ ہوتا جو اس قرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے سے احتراز فرماتے لیکن جب حق تعالیٰ نے وسعت عطا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کشائش مال کی نعمت میسر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معمول بنالیا کہ جو شخص قرضدار مرجاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قرض ادا کرتے اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے۔ یہ بات حضرت ابوہریرہ کی اس روایت سے مفہوم ہوتی ہے جو باب الافلاس والانظار کی پہلی فصل میں گزر چکی ہے اور یہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بے پناہ جذبہ شفقت ومہربانی اور کمال رحمت، ہمدردی کا مظہر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے تئیں رکھتے تھے۔

بَاب إِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُودُ وَرِثَ

یہ باب ہے کہ جب نومولود بچہ چلا کر روئے تو وہ وارث بنے گا

2750 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ بَدْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَوَرِثَ،

◆◆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "جب کوئی بچہ چلا کر روئے تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی اور اس کے بارے میں وراثت کے احکام بھی جاری ہوں گے"۔

2750: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بچے کے رونے کے بعد اس پر نماز جنازہ پڑھنے میں مذاہب اربعہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار جنازہ کے پیچھے رہے اور پیدل چلنے والے جہاں جی چاہے وہاں چلے اور لڑکے پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسرائیل اور کئی روای یہ حدیث سعید بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء اس حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بچے پر نماز جنازہ پڑھی جائے اگر چہ وہ پیدا ہونے کے بعد رویا بھی نہ ہو صرف اس کی شکل ہی بنی ہو۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہ قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1027)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچہ جب تک پیدا ہونے کے بعد روئے نہیں اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اور نہ وہ کسی کا وارث ہے اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہے۔

بعض اہل علم کا یہی مسلک ہے کہ اگر بچہ پیدائش کے بعد روئے نہیں تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ثوری اور شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1028)

2751 - حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَالْمِسْوَرِ ابْنِ مَخْرَمَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرِثُ الصَّبِيُّ حَتَّى يَسْتَهِلَّ صَارِخًا قَالَ وَاسْتِهْلَالُهُ أَنْ يَبْكِيَ وَيَصِيحَ أَوْ يَعْطِسَ

◄◄ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
''بچہ اس وقت تک وارث نہیں بنتا جب تک وہ چلا کر نہ روئے''۔ راوی کہتے ہیں: چلا کر رونے سے مراد یہ ہے کہ وہ روئے یا چیخ مار دے یا چھینک مار دے۔

شرح

آواز نکالنے سے مراد علامت زندگی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ پیدائش کے وقت ماں کے پیٹ سے آدھے سے زیادہ نکلا اور اس میں زندگی کی کوئی علامت پائی گئی بایں طور کہ اس کے منہ سے آواز نکلی یا سانس لیا یا چھینکا اور یا اس کا کوئی عضو ہلا اور پھر وہ مر گیا تو اس بچہ کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کو وارث قرار دے کر اس کا ورثہ بھی تقسیم کیا جائے۔ اب اس حدیث کی وضاحت کی روشنی میں یہ مسئلہ جان لیجئے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کا وارث ماں کے پیٹ میں ہو تو اس کی میراث رکھ چھوڑی جائے پھر اگر وہ زندہ پیدا ہوا تو وہ وارث قرار پائے گا اور اس کی میراث اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اگر وہ زندہ پیدا نہ ہوا تو پھر وارث نہیں ہوگا اور وہ میراث دوسرے وارثوں کو مل جائے گی۔

2751: اس روایت کو نقل کرتے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بَابُ الرَّجُلِ يُسْلِمُ عَلٰى يَدَيِ الرَّجُلِ

یہ باب ہے کہ کسی شخص کا کسی دوسرے کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا

2752 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَوْهَبٍ قَالَ سَمِعْتُ تَمِيْمًا الدَّارِیَّ يَقُوْلُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا السُّنَّةُ فِی الرَّجُلِ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ يُسْلِمُ عَلٰى يَدَیِ الرَّجُلِ قَالَ هُوَ اَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهٖ

◄► حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اہل کتاب سے تعلق رکھنے والا ایک شخص کسی شخص کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیتا ہے' تو اس بارے میں طریقہ کار کیا ہوگا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ اس کی زندگی اور اس کی موت (دونوں صورتوں میں) دیگر سب لوگوں کے مقابلے میں زیادہ حقدار ہوگا۔

دین اسلام پر استقامت اختیار کرنے کے ایمان افروز واقعہ کا بیان

ایک رومی جنگجو نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمانوں کی ایک جماعت کو گرفتار کر لیا۔ اور رومی کتا یعنی عرب لوگ روم کے بادشاہ کو بطور نفرت کتا کہتے تھے۔ رومی بادشاہ کو کہا کہ مسلمانوں میں ایک طاقتور اور ہیبت ناک آدمی بھی ہے۔ بادشاہ نے اس کو دیکھنے کے لئے بلایا لیکن بادشاہ کے سامنے ایک لمبی زنجیر لٹکی ہوتی جب بھی کوئی داخل ہوتا تو اس رکوع کی حالت میں حاضر ہونا پڑتا۔ جب مسلمان نے دیکھا تو اس نے رکوع کی حالت میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ اور کہا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء کرتا ہوں کہ میں ایک کافر کے سامنے رکوع کی حالت میں داخل ہوں۔ بادشاہ نے کہا۔ اس زنجیر کو اٹھا دو تا کہ وہ داخل ہو سکے جب وہ داخل ہوا تو اس نے بادشاہ سے بڑی کھل کر طویل گفتگو کی۔ بادشاہ نے اس سے کہا: تو ہمارے دین داخل ہو جا میں اپنی انگوٹھی تیرے ہاتھ میں پہنا دوں گا، اور روم کی بادشاہت بھی تجھے دے دوں گا۔ پس تیرا جو جی چاہے کر۔ مسلمان نے رومی بادشاہ سے کہا: روم دنیا کا کتنواں حصہ ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا: تہائی یا چوتھائی حصہ ہے۔

مسلمان نے جواب دیا: اگر ساری دنیا بھی تیرے قبضہ میں ہوتی اور تو اس کو سونے اور جواہرات سے بھر کر مجھے اذان نہ کہنے کے بدلے دیتا تو میں اس کو بھی قبول نہ کرتا۔ بادشاہ نے پوچھا: اذان کیا ہے؟ مسلمان جیالے نے کہا کہ اذان یہ ﴿اشھد ان لا الہ الا اللہ، و اشھد ان محمدا رسول اللہ﴾

رومی بادشاہ نے کہا: بے شک اس مسلمان کے دل میں اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ثابت ہو گئی ہے اب اس کا واپس مڑنا ممکن نہیں ہے۔

2752 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2112 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2918

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک دیگ پانی کی بھر کر آگ پر چڑھائی جائے جب پانی ابلنے لگے تو اس مسلمان کو اس میں ڈال دو۔ چنانچہ غلاموں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب اس کو ابلتے پانی میں ڈالا جانے لگا تو اس نے ﴿ بسم اللہ الرحمان الرحیم ﴾ پڑھی اور دیگ کی ایک طرف سے داخل ہوا اور دوسری طرف اللہ کی قدرت سے صحیح سلامت نکل آیا۔ لوگ یہ منظر دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا اس مسلمان کو ایک بند تاریک کوٹھری میں قید کر دیا جائے، اور کھانا پینا روک دیا جائے۔ چالیس دن اس کو سوائے سور اور شراب کے کوئی کھانے کی چیز نہ دی جائے۔ غلاموں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایسا ہی کیا۔ جب چالیس دن پورے ہوئے تو دروازہ کھولا تو دیکھا جو کچھ اس کے سامنے رکھا تھا وہ اسی طرح پڑا ہوا ہے۔ اس نے کوئی چیز بھی نہیں کھائی۔ لوگوں نے پوچھا تو نے اس سے کیوں نہیں کھایا حالانکہ مجبوری کی حالت میں اس سے کھانا دین محمدی ﷺ میں کھانا جائز ہے۔ مسلمان نے جواب دیا: اگر میں اس سے کھالیتا تو تم خوش ہوتے حالانکہ میں نے تمہیں غضبناک کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے۔

بادشاہ نے کہا تو نے اس کچھ نہیں کھایا پس تو مجھے سجدہ کر دے میں تجھے اور تیرے قیدی ساتھیوں کو رہا کر دوں گا۔ مسلمان نے جواب دیا: بے شک دین محمدی ﷺ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

بادشاہ نے پھر کہا تو میرے ہاتھ کو بوسہ دے میں تجھے اور تیرے قیدی ساتھیوں کو رہا کر دوں گا۔ مسلمان نے جواب دیا: (بوسہ دینا) یہ باپ، عادل بادشاہ اور استاذ کے ہاتھ کے علاوہ کسی کو جائز نہیں ہے۔

بادشاہ نے اس سے کہا: چلو میری پیشانی کو چوم لو۔ مسلمان نے کہا اس میں میری ایک شرط ہے۔ بادشاہ نے کہا: جس طرح مرضی تم کرو۔ تو مسلمان نے اپنی آستین اس کی پیشانی پر رکھی اور نیت یہ کی کہ میں اپنی آستین کو چوم رہا ہوں۔

رومی بادشاہ نے اس مسلمان اور اس کے قیدی ساتھیوں کو بہت سارا مال و متاع دے کر آزاد کر دیا اور حضرت عمر کی طرف لکھا کہ اگر یہ شخص ہمارے شہر میں ہمارے دین پر ہوتا تو ہم اس کی عبادت کا اعتقاد رکھتے۔

جب وہ حضرت عمر کے پاس آئے تو آپ نے اسے فرمایا اس مال کو صرف اپنے لئے ہی خاص نہ کر لینا بلکہ اس میں مدینۃ الرسول ﷺ کے لوگوں کو بھی شامل کر لو تو اس نے ایسا کیا۔ (علامہ قلیوبی از حکایات قلیوبی)

قبول اسلام کے سبب سابقہ گناہوں کی بخشش ہو جانے کا بیان

حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ میں (جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روشنی سے میرے قلب و دماغ کو منور کیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ! لائیے اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اسلام کی بیعت کرتا ہوں، آپ نے (یہ سن کر) اپنا ہاتھ (جب) بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حیرت سے) فرمایا عمرو یہ کیا؟ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں کچھ شرط لگانی چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا (میں چاہتا ہوں) کہ میرے (ان) تمام گناہوں کو مٹا دیا جائے (جو میں نے

اسلام سے پہلے کیے تھے) آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو قبول اسلام سے پہلے کیے گئے ہوں، ہجرت ان تمام گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو اس (ہجرت) سے پہلے کیے گئے ہوں اور حج ان تمام گناہوں کو مٹا دیا جائے جو اس حج سے پہلے کیے گئے ہوں۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد اول: حدیث نمبر 26)

ایک شخص اگر اپنی زندگی کا ایک اچھا خاصہ کفر و شرک میں گزار کر بعد میں اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوتا ہے، تو کیا اس کے زمانہ اسلام سے پہل کے اعمال پر مواخذہ ہوگا؟ یعنی کفر و شرک اور گناہ و معصیت جو اس سے پہلے صادر ہوتے رہے ہیں ان پر عذاب ہوگا یا نہیں؟ اس حدیث نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ اسلام کی روشنی پہلی تمام تاریکی کو خواہ وہ کفر و شرک کا اندھیرا ہو یا گناہ و معصیت کی ظلمت، آن واحد میں ختم کر ڈالتی ہے اور صرف ایک کلمہ کی بدولت جو خلوص دل سے نکلا ہو، انسان کا قلب و دماغ بالکل مجلی ہو جاتا ہے، نہ وہاں شرک کی ظلمتوں کا کوئی نشان رہ جاتا ہے اور نہ گناہ معصیت پر عذاب کا کوئی خدشہ، لیکن اتنی بات جان لینی چاہیے کہ بخشش اور مغفرت کا تعلق ذنوب اور گناہوں سے ہے۔

ان حقوق کے ساتھ نہیں ہے جو قرض، امانت، عاریت اور خرید و فروخت کے سلسلے میں اس کے ذمہ ابھی باقی ہیں کیونکہ اسلام ان مطالبات کی ادائیگی کو معطل نہیں کرتا جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے بلکہ اسلام لانے کے بعد بھی اس پر لازم رہے گا کہ وہ ان مطالبات کی ادائیگی کرے جو اس پر اسلام لانے سے پہلے واجب تھے، البتہ اس حدیث تحت ایسے حقوق العباد آسکتے ہیں جو زنا، چوری اور قتل و غارت گری کی صورت میں زمانہ اسلام سے قبل ناحق ضائع کر دیئے گئے تھے، اسلام کے بعد ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

اسلام کی دولت سے مستفیض ہونے کے بعد بھی چونکہ ایک مسلمان سے بتقاضائے بشریت گناہ سرزد ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے کفارہ کے لئے اس حدیث نے حج اور ہجرت دو ایسے عمل بتا دیئے کہ اگر یہ دونوں کام اپنی تمام شرائط کے ساتھ پورے کیے جائیں تو یہ حقوق اللہ کے لئے کفارہ بن جائیں گے بلکہ حج کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے یہ حقوق العباد کے لئے بھی کفارہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے خزانہ قدرت سے صاحب حقوق کو اس کے حقوق دے کر اس بندہ کو ان حقوق سے دستبرداری دلا دے اور اسے معاف کر دے۔ (ترجمان السنۃ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ اسلام قبول کرتا ہے اور اس کا اسلام اچھا ہوتا ہے (یعنی نفاق سے پاک صاف ہوتا ہے) کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے وہ تمام گناہ دور کر دیتا ہے جو اس نے قبول اسلام سے پہلے کیے تھے اور اس کے بعد اسے بدلہ ملتا ہے جس کا حساب یہ ہے کہ ایک نیکی کے بدلہ میں دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں لکھی جاتی ہیں یعنی اسلام لانے کے بعد وہ بھی جو عمل کرتا ہے بلکہ سات سو سے بھی زیادہ اور برائی کا بدلہ اسی کے مانند ملتا ہے یعنی جتنی برائی کرتا ہے وہ اتنی ہی لکھی جاتی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر کرتا ہے۔

(بخاری، مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: حدیث نمبر 905)

یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہے اور اس کے فضل و کرم کا اثر ہے کہ وہ ایک نیکی پر دس گنا سے سات سو گنا تک جزاء سے

نوازا جاتا ہے بلکہ جس کو چاہتا ہے اس کی مشقت ریاضت اور صدق واخلاص کے موافق اس سے بھی زیادہ جزاء سے بہرہ مند فرماتا ہے۔ مگر بدی کی سزا اس بدی کے بقدر دیتا ہے چنانچہ جو جتنی برائی کرتا ہے اسے صرف اتنی ہی سزا ملتی ہے بلکہ جس کو چاہتا ہے اس کی اس برائی کو معاف کر دیتا ہے۔ اور اسے اتنی سزا سے بھی بچالیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن سلام ایک جگہ درختوں سے پھل چن رہے تھے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے (مکہ سے مدینہ میں) آنے کا حال سنا، وہ فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں (نبوت کی علامتوں کی تصدیق کے لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں، جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا، ایک تو یہ کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہوگی؟ دوسرے یہ کہ جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہوگا۔ (جو وہ جنت میں پہنچ کر سب سے پہلے کھائیں گے) تیسرے یہ کہ وہ کونسی چیز ہے جو اولاد کو ماں یا باپ کے مشابہ کرتی ہے (یعنی اولاد جو شکل وصورت کے اعتبار سے کبھی باپ کے مشابہ ہوتی ہے اور کبھی ماں کے مشابہ تو اس کا کیا سبب ہے؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (عبداللہ ابن سلام کے یہ تینوں سوال سن کر) فرمایا: ابھی ابھی جبرائیل علیہ السلام نے ان سوالوں کے جواب سے آگاہ کیا ہے (اور وہی تمہیں بتاتا ہوں) کہ قیامت کی پہلی علامت تو وہ آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف جمع کر کے لے جائے گی اور جنتی جنت میں سب سے پہلے جو کھانا کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا زائد حصہ ہوگا (یعنی مچھلی کے جگر کا وہ حصہ جو جگر سے علیحدہ لٹکتا ہے اور جو مچھلی کا لذیذ ترین جزء ہوتا ہے) اور جہاں تک اولاد میں ماں باپ کی مشابہت کا سوال ہے تو) اگر مرد کا پانی (منی) عورت کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو مرد اولاد کو اپنی مشابہت کی طرف کھینچ لیتا ہے اور اگر عورت کا پانی (مرد کے پانی پر) غالب آجاتا ہے تو عورت اولاد کو اپنی مشابہت کی طرف کھینچ لیتی ہے۔ عبداللہ ابن سلام نے (اپنے سوالوں کے یہ جواب سن کر) کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اللہ کے رسول ہیں (اس قبول اسلام کے بعد عبداللہ ابن سلام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ یہودی بڑے افتراش اور بہتان تراش ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے سے پہلے ان کو میرا مسلمان ہونا معلوم ہو گیا تو مجھ پر جھوٹے بہتان باندھیں گے (یعنی ان کو یہ معلوم ہونے کے بعد کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے میرے بارے میں کچھ پوچھیں گے تو وہ مخالفت پر اتر آئیں گے۔

اور مجھ پر بڑے بڑے الزام لگا ڈالیں گے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان کو میرے اسلام کی خبر ہونے سے پہلے آپ ان سے میرے بارے میں جو پوچھنا چاہیں پوچھ لیں تا کہ وہ میرے متعلق صحیح حالات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کریں)۔ چنانچہ اتفاقاً یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر، اسی وقت) کچھ یہودی مجلس نبوی میں آگئے اور عبداللہ ابن سلام ایک گوشہ میں چھپ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں سے پوچھا کہ تم میں (یا تمہارے گمان وعلم میں) عبداللہ ابن سلام کیسے شخص ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ہم میں سے بہترین آدمی ہیں، ہم میں سے بہترین آدمی کا بیٹا ہے (یعنی عبداللہ ابن سلام نہ صرف یہ کہ اپنی ذات کے اعتبار سے ہم میں، علمی، اخلاقی اور سماجی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارے سردار ہیں بلکہ حسب ونسب کے اعتبار سے

بھی ہم پر ان کو فضیلت حاصل ہے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ جواب سن کر) پھر یہ پوچھا کہ اچھا بتلاؤ کہ عبداللہ ابن سلام مسلمان ہو جائیں (تو کیا تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے، یہودیوں نے کہا: اللہ اس کو اسلام سے بچائے اور اپنی حفاظت میں رکھے (یا یہ کہ معاذ اللہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے) جبھی عبداللہ ابن سلام ان کے سامنے آ گئے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا معبود نہیں اور یہ کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

یہودیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ شخص تو ہم میں بہت برا ہے اور بدترین شخص کا بیٹا ہے اور ان میں طرح طرح کے عیب نکالنے لگے۔ عبداللہ ابن سلام نے کہا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہی وہ بات ہے جس سے میں ڈرتا تھا (اور اسی وجہ سے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ ان سے میرا حال پہلے پوچھ لیجئے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ ہو جائے کہ یہ قوم کیسی دوغلی اور جھوٹی ہے۔ (بخاری، مشکوٰۃ المصابیح: جلد پنجم: حدیث نمبر 457)

شرح سنن ابن ماجہ جلد چہارم کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد اللہ! آج بہ روز بدھ ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ بمطابق ۳ جون ۲۰۱۵ء کو شرح سنن ابن ماجہ کی جلد چہارم مکمل ہو گئی ہے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت پر استقامت عطاء فرمائے۔ اللہ تعالیٰ تاحیات مجھے عقائد حقہ کو سمجھنے اور ان کا پرچار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ اور میں اس موقع پر خاص طور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہوں۔

اے اللہ! جو کچھ تو نے مجھ کو سکھایا ہے اس سے مجھے فائدہ عطاء فرما اور مجھے مزید علم عطا فرما۔ ہر حال میں تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اور میں دوزخیوں کے حال سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ قرب قیامت ظاہر ہونے والے تمام فتنوں سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ دنیا میں منافقین کے شر و فساد اور خوارج کی قتل و غارت سے پناہ طلب کرتا ہوں یا اللہ امت مسلمہ کو ان فتنوں سے محفوظ فرما۔ اور اس کتاب میرے لئے آخرت کا توشہ بنا دے۔ آمین۔

محمد لیاقت علی رضوی حنفی بن محمد صادق